Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com
فیضِ مشکوۃ
شرح
مشکوۃ شریف
شارح
مفتی حارث عبدالرحیم فاروقی قاسمی
۱۱
مکتبہ فیض القرآن دیوبند ۲۴۷۵۵۴

# فیض المشکوٰۃ

شرح اردو

# مشکوٰۃ شریف

جلد نمبر ۱۱

شارح
حارث عبد الرحیم فاروقی
ابن (مولانا) عبدالعلی فاروقی صاحب

ناشر
۲۴۷۵۵۴
مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یوپی)

نام کتاب : فیض المشکوٰۃ شرح اردو مشکوٰۃ شریف جلد نمبر ۱۱
شارح : مفتی حارث عبدالرحیم فاروقی قاسمی صاحب
باہتمام : تاج عثمانی ابن مشہود اقبال عثمانی
مطبوعہ :
کمپیوٹر کتابت وڈیزائننگ : شاد کمپیوٹر مکتبہ فیض القرآن دیوبند

مکتبہ فیض القرآن
نزد مسجدِ چھتہ دیوبند ضلع سہارن پور (یوپی)
Ph.No.01336-222401
(Mob.)09897576186

کشف الاسرار

# ترجمہ و شرح اردو

# درّمختار

ترجمہ اردو مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند

ادارہ فیض القرآن نے موجودہ دور کی اہم ضرورت کے پیش نظر فقہ حنفی کی نہایت مفید مستند اور معتبر ترین کتاب درمختار مع اردو تشریح کے صاف وسلیس اردو میں شائع کی ہے۔ مسلم پرسنل لا (یعنی مسلمانوں کے قانون کی معتبر ترین کتاب) کی طباعت یقیناً ایک بڑی خدمت ہے جس میں پاکی، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح وطلاق غرض روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلہ کا شرعی حل موجود ہے اس لئے اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا وقت کی شدید ضرورت ہے۔

## کتاب کی اہم خصوصیات

۱- ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن کی عربی عبارت بھی باقی رکھی گئی ہے تا کہ اہل علم اس سے پورے طور پر مستفید ہوں اور ان کو کوئی اشکال پیش نہ آئے۔

۲- عربی متن عربی خط میں لکھا گیا ہے اور ترجمہ اردو خط میں۔

۳- عموماً ہر باب کے آخر میں مصنف نے ''فروع'' کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس کے نیچے ضروری جزئیات کے بیان کا اہتمام کیا ہے،

۴- کہیں کہیں عربی کے مشکل الفاظ کی تحقیق حاشیہ میں کردی گئی ہے۔

۵- شامی اور طحطاوی کا خلاصہ سمیٹ لینے کی سعی کی گئی ہے۔

قیمت: کامل سیٹ

# فہرست مضامین فیض المشکوۃ جلد ۱۱

# باب فی المعجزات

## (یہ باب معجزات کے بیان میں ہے)

**معجزہ کا لغوی معنی:** معجزہ کے بارے میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ یہ عجز سے مشتق ہے جو کہ قدرت کی ضد ہے اور عجز کا معنی ہے عاجز ہونا اور معجزہ کو بھی معجزہ اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتے ہیں، دوسرا احتمال جو شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے یہ ہے کہ یہ اعجاز سے مشتق ہے اور اعجاز کا معنی ہے کسی کو عاجز کردینا، معجزہ کو معجزہ بھی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کو اپنی مثل لانے سے عاجز کردیتا ہے۔

**معجزہ کا اصطلاحی معنی:** معجزہ کا اصطلاحی معنی ہے وہ خارق عادت یعنی خلاف عادت کام جو دعوائے نبوت کے بعد نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔

**معجزہ اور ارھاص میں فرق:** معجزہ اور ارہاص میں فرق یہ ہے کہ معجزہ تو اس خلاف عادت کام کو کہا جاتا ہے جو دعوائے نبوت کے بعد کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور جو خلاف عادت کام دعوائے نبوت سے پہلے کسی نبی سے ظاہر ہوا سے ارہاص کہا جاتا ہے، خواہ یہ خلاف عادت کام نبی کی ولادت کے قریب ظاہر ہو یا ولادت کے بعد دعوائے نبوت سے پہلے ظاہر ہو۔

**ارھاص کا لغوی معنی اور اس کی وجہ تسمیہ:** ارہاص کا لغوی معنی ہے کسی عمارت کو مٹی، پتھر وغیرہ سے مضبوط کرنا، دعوائے نبوت سے پہلے کے خلاف عادت کاموں کو بھی ارہاص اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعے سے گویا عمارت نبوت کو پختہ اور مضبوط کیا جاتا ہے۔

**خوارق عادت کی اقسام:** جو کام خارق عادت رونما ہوتے ہیں وہ پانچ قسم کے ہیں۔(۱) وہ خارق عادت کام کسی فاسق فاجر سے ظاہر ہوگا۔(۲) وہ خارق عادت کام کسی عام مسلمان سے ظاہر ہوگا۔(۳) وہ خارق عادت کام کسی ولی سے ظاہر ہوگا۔(۴) وہ خارق عادت کام کسی نبی سے دعوائے نبوت سے پہلے ظاہر ہوگا۔(۵) وہ خارق عادت کام کسی نبی سے دعوائے نبوت کے بعد ظاہر ہوگا۔ پہلی قسم کو استدراج کہا جاتا ہے، دوسری قسم کو معونت، تیسری کو کرامت، چوتھی کو ارہاص اور پانچویں قسم کو معجزہ کہا جاتا ہے۔(جدید مظاہر حق)

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۴۷ روایتیں ذکر کی ہیں، جن میں غار ثور میں پناہ لینے کے وقت کا معجزہ، غزوہ بدر کے معجزات، صلح حدیبیہ، غزوہ حنین اور دیگر مواقع کے اہم معجزات ذکر کئے گئے ہیں، تفصیلات آگے دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیاء کرام کا سلسلہ قائم فرمایا، انبیاء کرام علیہم السلام جن باتوں کی دعوت دیتے ہیں ان میں سے بہت سی غیر محسوس ہونے کے ساتھ بظاہر غیر معقول بھی ہوتی ہیں، مثلاً وہ بتاتے ہیں کہ اس عالم دنیا کے بعد عالم آخرت بھی ہے، جہاں جنت و جہنم ہے، جنت میں نعمتیں ہیں، تو جہنم میں اذیتیں ہیں، اب عام آدمی جو اپنے مشاہدہ پر یقین رکھتا ہے، اس کے لئے انبیاء کرام کی بتائی ہوئی غیر محسوس باتوں پر یقین کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ انبیاء کرام اپنی دعوت کے ساتھ ایسے دلائل پیش کردیں، جو غائب باتوں پر ایمان لانے میں معین ہوں، اور ان کو دیکھ کر طبیعت انسانی مطمئن ہوجائے اور وہ غیبی طاقت وغیبی نظام پر یقین لا سکے، ان دلائل اور خرق عادت واقعات کو معجزات کہتے ہیں، تو گویا معجزات نبوت کی علامات اور دلائل ہیں، اسی لئے ان کو ''آیات و براہین'' یعنی نشانیاں اور دلائل کا نام دیا گیا ہے، قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزات یعنی ید بیضاء اور عصا کے دینے کا ذکر کرکے فرمایا ''فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَّبِّكَ'' یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں معجزات کے ذکر سے پہلے ''علامات نبوت'' کا عنوان قائم کیا ہے، اور بعض مؤلفین نے ''دلائل

نبوت'' نام رکھا ہے۔

معجزہ یعنی خرق عادت واقعہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے لیکن وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، اس میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اس کا ظہور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہوتا ہے، رسول و نبی کو اپنے طور پر معجزہ دکھانے کی قدرت نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت موسیٰ سے کہا گیا ''فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَّبِّكَ''۔

اور یہی وجہ ہے کہ جب کفار کیطرف سے نشانی اور معجزہ کا مطالبہ ہوا تو باری تعالیٰ نے فرمایا ''قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّنَزِّلَ آيَةً'' کہہ دیجئے کہ اللہ کو اس بات پر قدرت ہے کہ نشانی اتارے۔ (الانعام) اسی طرح ایک موقع پر فرمایا ''وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ'' (الانعام) (ان کے پاس ان کے رب کیطرف سے جو بھی نشانی آتی ہے یہ اس سے تغافل کرتے ہیں)۔

پیغمبر خود کہتے ہیں ''اِنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ'' (آل عمران) بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لایا، معلوم ہوا کہ معجزات یعنی دلائل نبوت و براہین کا ظہور من جانب اللہ ہوتا ہے، اور کفار بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے، اور وہ کہتے تھے ''لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ'' (اس پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں)۔

ایک موقع پر جب جنگ کا میدان لشکر اسلام پر بہت تنگ ہو گیا تو آپ نے ایک مٹھی خاک اور کنکر دشمنوں کی طرف پھینک دی، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دشمن کے ہر فرد کی آنکھ میں وہ مٹی و کنکر چلا گیا، بالآخر دشمن کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا ''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' مٹھی میں بھر کر جو کنکر آپؐ نے پھینکے وہ درحقیقت آپؐ نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکے۔ یعنی ایک مٹھی کنکر کا سارے مجمع میں پہنچ جانا یہ خلاف عادت واقعہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر ظاہر ہوا لیکن حقیقت میں یہ اللہ کا عمل تھا، اس لئے نبیوں کو ہدایت کی گئی کہ جب آپ سے معجزات کا مطالبہ ہو تو بتایئے ''قل انما الأیات عند اللہ'' (تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں)۔

اور ہوا بھی یہی کہ جب آپؐ سے معجزات و آیات کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں میرا کوئی دخل نہیں، غزوہ احد میں شکست ہوئی، اگر معجزہ آپ کے اختیار میں ہوتا تو بدر کی طرح یہاں بھی ایک مٹھی کنکری دشمن کی طرف پھینک کر جنگ جیت لیتے، لیکن ایسا نہیں ہوا کیوں کہ معجزہ آپ کے اختیار میں نہ تھا، اسی کو سمجھ کر ہرقل نے جب ابوسفیان سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد میں شکست ہوئی ہے تو اس نے اس شکست کو بھی دلیل نبوت شمار کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی ڈالنے کو کہا گیا تو وہ لاٹھی اژدھا بن گئی، اب لاٹھی اژدھا بنی تو موسیٰ خود ڈر گئے، اگر معجزہ میں پیغمبر کا کچھ دخل ہوتا تو حضرت موسیٰ ہرگز نہ ڈرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لا تخف'' موسیٰ مت ڈرئے اور پھر آگے ان کی تسلی کے لئے فرمایا ''سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى'' ہم اس کو پہلی فطرت پر لوٹا دیں گے، حضرت موسیٰ اور ان کی قوم مصر چھوڑ کر جب جا رہی تھی تو آگے دریا اور پیچھے لشکر دو دشمنوں کے درمیان گھر گئے، نجات کی کیا شکل ہوگی، حضرت موسیٰ کو خود نہیں معلوم، اللہ فرماتا ہے ''فَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ'' (الشعراء) ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مار دو لاٹھی کا مارنا تھا کہ وہ پھٹ کر الگ الگ پہاڑ کے بڑے بڑے دو ٹکڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا، اسی طرح حضرت ابراہیم کے لئے اللہ فرما رہا ہے ''قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ'' آگ کے گلزار بننے میں ابراہیم کا کوئی دخل نہیں درحقیقت اللہ کے حکم سے اس معجزہ کا ظہور ہوا۔

اس گفتگو سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ معجزات نبوت کے دلائل ہیں، اس سے انبیاء کرام کی بتائی ہوئی غیر محسوس باتوں پر یقین و ایمان رکھنا آسان ہوتا ہے، اور یہ وہ خلاف عادت واقعات ہیں جو اگرچہ انبیاء کرام کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے ہیں، لیکن

براہ راست اللہ کا عمل ہے، انبیاء کرام کی اس کے ظہور میں کوئی تاثیر وقدرت نہیں۔

آپ ﷺ کے معجزات کے ذکر سے پہلے یہ بات واضح ہو جائے تو بہتر ہے کہ آپ کی ذات عالی خود سرتا پا معجزہ اور آیت نبوت تھی، آپ کی صورت، آپ کی سیرت، آپ کا گفتار و کردار ہر چیز آپ کا معجزہ اور آپ کی صداقت کی نشانی تھی، دیکھنے والوں کے لئے آپ کی چشم ابرو میں، اور سننے والوں کے لئے آپ کے لب و لہجے میں، اور سمجھنے والوں کے لئے آپ کے پیام و دعوت میں اعجاز تھا، آپ کے رخ انور کو دیکھ کر یقین نصیب ہوتا تھا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا، اور بے شمار گم شتہ راہ لوگ آپ کی نظر کرم سے ہادی ومہدی بن گئے۔

آپ کے معجزات کی تعداد کے حوالے سے امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار تک پہنچتے ہیں، امام نوویؒ بارہ سو بتاتے ہیں، جب کہ بعض علماء نے آپ کے معجزات کی تعداد تین ہزار تک ذکر فرمائی ہے، بعض ائمہ ومحدثین نے معجزات نبوی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جیسے امام بیہقیؒ اور امام ابونعیمؒ کی ''دلائل النبوہ'' جلال الدین سیوطی کی خصائص کبریٰ اس موضوع پر انتہائی اہم کتابیں ہیں۔

صاحب کتاب نے سردست آیات نبوت اور معجزات کے بحر ذخار میں سے بطور نمونے کے آپ کے چند معجزات کا تذکرہ کیا ہے۔

## الفصل الاول

### حدیث نمبر ۲۶۷۱ ﴿غار ثور کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۶۸

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ أَبَا بَكْرِن الصِّدِّيْقَ قَالَ: نَظَرْتُ إِلَى أَقْدَامِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلَى رُءُوْسِنَا وَنَحْنُ فِي الْغَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ إِلَى قَدَمِهِ أَبْصَرَنَا فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۱۶ ج ۱، باب مناقب المهاجرين وفضلهم، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۵۳، مسلم، ص ۲۷۲ ج ۲، باب من فضائل أبی بکرؓ، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۳۸۱

**حل لغات:** نظرت نَظَرَ إِلَى شَيْءٍ (ن) نَظْرًا دیکھنا۔ أقدام (واحد) قَدَمٌ پاؤں، قدم۔ رؤوس (واحد) رَأْسٌ سر۔ اَبْصَرَ (افعال) إِبْصَاراً دیکھنا، نگاہ ڈالنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا: میں نے جب دیکھا کہ مشرکین کے قدم اب ہمارے سروں پر آچکے ہیں اور ہم غار میں موجود ہیں، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر اِن میں سے کسی کی ذرا بھی اپنے قدموں کی طرف نظر گئی تو وہ ہم کو فوراً دیکھ لیگا، آپ نے فرمایا کہ ''اُن دو شخصوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کا (نگہبان) تیسرا اللہ ہو؟'' (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** صاحبِ مشکوٰۃ نے اس واقعہ کو معجزات کی فہرست میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے، اگرچہ واقعہ کے صرف مذکورہ بالا الفاظ ہی اس کے معجزہ ہونے کے لیے کافی ہیں، لیکن جب دوسری روایات سے اس واقعہ کی مزید تفصیلات بھی سامنے آتی ہیں، تو پھر اس کا معجزہ ہونا اور زیادہ عیاں ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے واضح ہے۔ حافظ ابن قیمؒ آپ کے واقعہ ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''فبدأ الصديق بدخوله ليكون وقاية له... الخ'' غار میں آپ سے پہلے خود صدیق اکبرؓ اس لیے داخل ہوئے تھے کہ اگر اس میں کوئی موذی جانور ہو تو آپ کو ایذا نہ پہنچے، ادھر اللہ تعالیٰ نے اسی وقت وہاں ایک درخت پیدا فرما دیا تھا، جو پہلے سے نہ تھا تاکہ وہ آپ کو چھپالے، اور جو آپ کا پیچھا کرنے والے تھے اُن کو راستے کا پتہ نہ چلے، ادھر ایک مکڑی آئی اور اُس نے اپنے لعاب دہن سے غار کے منہ پر جالا بنالیا اور اس کا پردہ سا بنا کر غار کا منہ اس طرح مضبوط بند کر دیا کہ کھوج لگانے والوں کو اندر کا کچھ پتہ ہی نہ چل سکا، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو کبوتر بھیج دیئے جنھوں نے آکر اس میں گھونسلا رکھ دیا اور اس طرح پیچھے آنے

والوں کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا، حفاظت کی یہ معجزانہ صورت اس سے کہیں بڑھ کر تھی کہ لشکر سے دشمنوں کا مقابلہ کیا جاتا؛ کیوں کہ وہ عادت کے موافق بات ہوتی اور یہ خارقِ عادت تھی۔ (ترجمان السنہ)

**کلمات حدیث کی تشریح** ما ظنك باثنين الله ثالثهما یہ حضرت ابوبکرؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے؛ کیوں کہ تین افراد ہیں، جن میں ایک اللہ تعالیٰ ہے، دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تیسرے ابوبکرؓ ہیں، ابوبکرؓ کے لیے اس معیت سے بڑھ کر کیا دولت ہوسکتی ہے۔ (فتح الباری، ج۹ ص۱۵) آپؐ نے یہ بات صدیق اکبرؓ کے حزن وملال کو دور کرنے کے لیے فرمائی۔ درحقیقت اللہ کا رسول کسی انسان کی نصرت وامداد کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو براہ راست امداد پہنچا سکتے ہیں جیسا کہ ہجرت کے وقت پیش آیا، جب آپ کو آپ کی برادری اور اہل وطن نے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا، سفر میں آپ کا رفیق بھی سوائے ایک صدیق کے کوئی نہ تھا، دشمنوں کے پیادے اور سوار تعاقب کر رہے تھے، آپ کی جائے پناہ بھی کوئی مستحکم قلعہ نہ تھا، بلکہ ایک غار تھا، جس کے کنارے تک تلاش کرنے والے دشمن پہنچ چکے تھے اور رفیقِ غار ابوبکرؓ کو اپنی جان کا تو غم نہ تھا، مگر اس لیے سہم رہے تھے کہ یہ دشمن سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو جائیں گے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ ثبات بنے ہوئے تھے، نہ صرف خود مطمئن بلکہ رفیق صدیق کو بھی اطمینان دلا رہے تھے۔ (معارف القرآن)

**حدیث نمبر ۲۶۷۲ ﴿سراقہ کے گھوڑے کا دھنسنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۶۹**

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ لِأَبِيْ بَكْرٍ يَا أَبَا بَكْرٍ حَدِّثْنِيْ كَيْفَ صَنَعْتُمَا حِيْنَ سَرَيْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَسْرَيْنَا لَيْلَتَنَا وَمِنَ الْغَدِ حَتّٰى قَامَ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ وَخَلَا الطَّرِيْقُ لَا يَمُرُّ فِيْهِ أَحَدٌ فَرُفِعَتْ لَنَا صَخْرَةٌ طَوِيْلَةٌ لَهَا ظِلٌّ لَمْ يَأْتِ عَلَيْهَا الشَّمْسُ فَنَزَلْنَا عِنْدَهَا وَسَوَّيْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَانًا بِيَدَيَّ يَنَامُ عَلَيْهِ وَبَسَطْتُ عَلَيْهِ فَرْوَةً وَقُلْتُ نَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَأَنَا أَنْفُضُ مَا حَوْلَكَ فَنَامَ وَخَرَجْتُ أَنْفُضُ مَا حَوْلَهُ فَإِذَا أَنَا بِرَاعٍ مُقْبِلٍ قُلْتُ أَفِيْ غَنَمِكَ لَبَنٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ أَفَتَحْلِبُ قَالَ نَعَمْ فَأَخَذَ شَاةً فَحَلَبَ فِيْ قَعْبٍ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ وَمَعِيَ إِدَاوَةٌ حَمَلْتُهَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْتَوِيْ فِيْهَا يَشْرَبُ وَيَتَوَضَّأُ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَرِهْتُ أَنْ أُوْقِظَهُ فَوَافَقْتُهُ حَتّٰى اسْتَيْقَظَ فَصَبَبْتُ مِنَ الْمَاءِ عَلَى اللَّبَنِ حَتّٰى بَرَدَ أَسْفَلُهُ فَقُلْتُ اِشْرَبْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَشَرِبَ حَتّٰى رَضِيْتُ ثُمَّ قَالَ أَلَمْ يَأْنِ لِلرَّحِيْلِ قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَارْتَحَلْنَا بَعْدَ مَا مَالَتِ الشَّمْسُ وَاتَّبَعَنَا سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ فَقُلْتُ أُتِيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَدَعَا عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَطَمَتْ بِهِ فَرَسُهُ إِلٰى بَطْنِهَا فِيْ جَلَدٍ مِنَ الْأَرْضِ فَقَالَ إِنِّيْ أَرَاكُمَا دَعَوْتُمَا عَلَيَّ فَادْعُوَا لِيْ فَاللّٰهُ لَكُمَا أَنْ أَرُدَّ عَنْكُمَا الطَّلَبَ فَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَجَا فَجَعَلَ لَا يَلْقٰى أَحَدًا إِلَّا قَالَ كُفِيْتُمْ مَا هٰهُنَا فَلَا يَلْقٰى أَحَدًا إِلَّا رَدَّهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۱۰ ج۱، باب علامات النبوة فی الاسلام، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۱۵، مسلم، ص۴۱۹ ج۲، باب فی حدیث الھجرة، کتاب الزھد والرقائق، حدیث ۲۰۰۹

**حل لغات:** صنعتما صَنَعَ (ف) صَنْعًا الشئَ بنانا، تیار کرنا۔ سریت سَرٰی (ض) سَرْيًا جانا، گذرنا۔ اسرینا أَسْرٰی (افعال) اللیلَ رات میں چلنا۔ خلا (ن) خُلُوًّا المکانُ خالی ہونا۔ صخرة (ج) صَخْرٌ و صُخُوْرٌ پتھر کی چٹان۔ سویت

**(تفعیل)** تَسْوِیَۃَ الشیءَ ٹھیک کرنا، سیدھا اور درست کرنا۔ بسطت بَسَطَ (ن) بَسْطًا پھیلانا، کشادہ کرنا۔ فروۃ پوستین، بال دار چمڑا، (ج) فِراء۔ اَنْفُضُ نَفَضَ (ن) نَفْضًا المکان ونحوہٗ کسی جگہ وغیرہ کا جائزہ لینا۔ راعٍ (ج) رُعَاۃٌ چرواہا۔ تحلب حَلَبَ **(ض)** حَلْبًا الشَّاۃَ بکری کا دودھ دوھنا۔ قعب (ج) قِعَابٌ واَقْعُبٌ بڑا اور موٹے دل کا پیالہ۔ کثبۃ (ج) کُثَبٌ تھوڑی مقدار میں جمع شدہ کھانا یا دودھ وغیرہ۔ اِدَاوۃ (ج) اَدَاوِیٌ پانی کا برتن۔ یرتوی اِرْتَویٰ (افتعال) اِرْتِوَاءً سیراب کرنا۔ اُوْقِظُ اَیْقَظَ اِیْقَاظًا **(افعال)** جگانا، بیدار کرنا۔ اِسْتَیْقَظَ (استفعال) بیدار ہونا۔۔ صببت صَبَّ (ن) صَبًّا الماءَ پانی ڈالنا، پانی بہانا۔ یأن اَنّٰی **(ض)** اَنْیًا قریب ہونا، وقت آنا۔ الرحیل سفر، روانگی۔ رَحَلَ (ف) رَحْلًا عَنِ الْمَکَانِ روانہ ہونا، کوچ کرنا۔ ارتطمت اِرْتَطَم **(افتعال)** اِرْتِطَامًا کیچڑ یا دَل دَل میں دھنسنا۔ نَجَا (ن) نَجَاۃً نجات پانا، بچنا۔

**ترجمہ:** حضرت براء بن عازبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ اے ابوبکر! مجھے سنائیں کہ کس طرح آپ دونوں نے کیا جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ہم پوری رات چلتے رہے اور اگلے دن بھی، یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی اور راستہ خالی ہوگیا، اس پر کوئی چلنے والا نہ رہا، تو ہمیں ایک بڑی چٹان نظر آئی، اس کا سایہ تھا، اس پر دھوپ نہیں آئی تھی، ہم اس کے پاس اترے اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جگہ ٹھیک کی، تا کہ آپؐ وہاں آرام کریں، اور میں نے اس جگہ پوستین بچھادی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آرام فرمائیں، میں آپؐ کے ارد گرد نگرانی رکھوں گا، آپؐ سو گئے اور میں اِدھر اُدھر کی نگرانی کے لیے نکل پڑا، اچانک ایک چرواہا سامنے سے آتا ہوا نظر آیا، میں نے پوچھا کہ تیری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا ہے، میں نے کہا کہ کیا تو دودھ دوہ کردے گا، اس نے کہا کہ ہاں، پھر اس نے بکری کو پکڑا اور لکڑی کے پیالہ میں تھوڑا سا دودھ دوہ دیا، اور میرے پاس ایک چھاگل تھی، وہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ساتھ لے لی تھی، اس میں پانی رہتا تھا تا کہ آپؐ پئیں اور وضو کریں، پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے ناپسند کیا کہ آپ کو بیدار کروں، چنانچہ میں نے آپؐ کی موافقت کی، یہاں تک کہ آپؐ ازخود بیدار ہوئے تو میں نے دودھ میں تھوڑا سا پانی ملایا، یہاں تک کہ وہ دودھ نیچے تک ٹھنڈا ہوگیا، میں نے عرض کیا نوش فرمایئے اے اللہ کے رسول! آپؐ نے نوش فرمایا یہاں تک کہ میں خوش ہوگیا، پھر آپؐ نے فرمایا کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے کہا کیوں نہیں، حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے سورج ڈھلنے کے بعد کوچ کیا اور ہمارا سراقہ بن مالک نے پیچھا کیا، میں نے عرض کیا کہ دشمن ہمیں پکڑنے آگیا، آپؐ نے فرمایا غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددعا کی، چنانچہ سراقہ کا گھوڑا اس کو لیے ہوئے پیٹ تک زمین میں دھنس گیا، سراقہ کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں نے میرے لیے بددعا کی ہے، لہٰذا تم دونوں میرے لیے دعا کرو، میں اللہ کو گواہ بنا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں کفار کو تمہارا تعاقب کرنے سے روک دوں گا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی اور وہ اس گرفت سے نجات پا گیا اور پھر سراقہ کو جو بھی کافر راستہ میں ملتا وہ اس سے کہتا کہ تمہارے لیے میرا تلاش کرنا کافی ہے، اس طرف کوئی نہیں ہے، سراقہ کو جو شخص بھی ملتا اس کو وہ یہی کہہ کر واپس کردیتا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** آپ کا سفرِ ہجرت معجزات کے ظہور سے بھرپور ہے، اس حدیث میں بھی سفرِ ہجرت کے موقع پر پیش آنے والے چند معجزات کا ذکر ہے، آپؐ صدیق اکبرؓ کے ساتھ رات کی تاریکی میں سفرِ ہجرت کے لیے نکلے، مکہ کے قریب ہی غارِ ثور میں جا کر چھپے، عرب آثارِ قدم سے اشخاص کا مقام وگزرگاہ کا پتہ لگانے میں نہایت مشاق تھے، صبح کو وہ آپ کا پتہ لگاتے ہوئے غارِ مذکور کے دہانے تک پہنچ گئے، یہاں وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو آپؐ ان کے سامنے تھے، اللہ نے مکڑی کے جالے کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائی، اس غار سے نکلے، تو قریش کے سوار آپؐ کے تعاقب میں آئے، سراقہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آپؐ کے قریب پہنچ گیا، دفعۃً اس کا

گھوڑا زمین میں دھنس گیا، تین بار یہی واقعہ پیش آیا، سراقہ اس اعجاز کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور خط امان لے کر واپس ہوا (ملخص سیرت النبی)

**کلمات حدیث کی تشریح**

انا انفض ما حولك صدیق اکبرؓ آپ کی حفاظت کے لیے پہرہ دینے لگے اور اس بات کی نگرانی میں لگ گئے کہ دشمن کسی طرف سے آتو نہیں رہا۔ **قال نعم** چرواہا دودھ دینے کے لیے راضی ہو گیا۔

**اشکال:** چرواہا بکریوں کا مالک نہیں تھا، پھر صدیق اکبرؓ نے اس سے دودھ کیوں لیا؟

**جواب:** یہ بکریاں صدیق اکبرؓ کے کسی ایسے بے تکلف دوست کی تھیں جس پر انہیں اعتماد تھا کہ اس کو علم ہو گا تو وہ بخوشی راضی ہو گا، یا قیمت ادا کر کے لیا، یا عرب کی عام عادت کے مطابق مانگا کہ عرب مسافروں کو بکریوں کا دودھ نکال کر دینا اپنا فریضہ سمجھتے تھے، اور چرواہوں کو بھی مالکوں کی طرف سے مسافروں کو دودھ دینے کی اجازت ہوتی تھی۔

**فوافقته** یہاں دو قرأتیں ہیں اور دونوں کا مطلب جدا ہے: (۱) ''فا'' پہلے اور ''قاف'' بعد میں، اس صورت میں مطلب ہو گا کہ میں نے آپ کی موافقت کی اور میں بھی سو گیا۔ (۲) ''قاف'' پہلے اور ''فا'' بعد میں اس صورت میں مطلب ہو گا کہ میں نے آپ کو سوتا دیکھ کر توقف کیا، یعنی آپ کو جگانے سے رک گیا حتی کہ آپ خود بیدار ہوئے۔ **فصببت من الماء علی اللبن** عربوں کی عام عادت تھی کہ دودھ کی گرمی دور کرنے کے لیے اس میں ٹھنڈا پانی ملا کر پیتے اور پلاتے تھے، چنانچہ اسی عادت کے مطابق صدیق اکبرؓ نے دودھ میں پانی ملا کر آپ کو دودھ پیش کیا۔ **فشرب حتی رضیت** حضرت ابو بکرؓ کا آپؐ سے والہانہ تعلق ہے کہ دودھ آپؐ نے پیا اور مسرت صدیق کو ہوئی۔ **واتبعنا سراقة** سراقہ مال کی لالچ میں تعاقب کے لیے نکلا تھا، اس واقعہ کو بہت سی روایات میں قدرِ تفاوت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، بخاری کی ایک روایت سے تفصیل پیش ہے۔

**سراقه بن مالک کا واقعه:** قریش نے ہر طرف اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمدؐ اور ابو بکر صدیقؓ کو قتل کرے یا گرفتار کر کے لائے اس کو انعام میں دیت کے سو اونٹ دیئے جائیں گے، سراقہ بن مالک کے بھتیجے عبد الرحمٰن اپنے چچا سراقہ سے روایت کرتے ہیں، سراقہ نے کہا: ہمارے پاس کفار قریش کے فرستادہ آئے، قریش نے رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ میں سے ہر ایک کے حق میں دیت کا اعلان کیا تھا، اس کیلئے جو انکو قید کرے یا قتل کرے، سراقہ کہتے ہیں: میں اپنی قوم بنو مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آ کر ہمارے پاس کھڑا ہوا اور ہم بیٹھے تھے اس نے کہا: اے سراقہ! میں نے ابھی ساحل کے پاس چند افراد دیکھے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہیں، سراقہ کہتے ہیں: میں سمجھ گیا کہ وہی ہیں مگر میں نے اس سے کہا: وہ لوگ نہیں ہیں، بلکہ تو نے فلاں اور فلاں کو دیکھا ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزر گئے ہیں، پھر میں مجلس میں کچھ دیر تک ٹھہرا رہا، اس کے بعد اٹھ کر گھر گیا اور اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ وہ میرا گھوڑا نکالے اور ٹیلہ کے پیچھے رک کر میرا انتظار کرے، اور میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پچھواڑے سے باہر نکلا، میں بلم کا ایک سرا زمین پر گھسیٹ رہا تھا، اور دوسرا اوپری سرا نیچے کر رکھا تھا (تا کہ دھوپ میں چمکے نہ اور کسی کو احساس نہ ہو جائے، ورنہ وہ بھی ساتھ آئے گا، اور انعام آدھا ہو جائے گا) اس طرح میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا، اور اس پر سوار ہو گیا، گھوڑا حسب معمول مجھے لے کر سرپٹ دوڑنے لگا، یہاں تک کہ میں ان حضرات کے قریب پہنچ گیا، پس اچانک گھوڑا مجھ سمیت پھسلا اور میں اس سے گر گیا، میں نے اٹھ کر ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پانسہ کا تیر نکال کر جاننا چاہا کہ میں ان لوگوں کو ضرر پہنچا سکوں گا یا نہیں؟ پس وہ تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا، لیکن میں نے تیر کی نافرمانی کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا، وہ مجھے لے کر دوڑنے لگا، یہاں تک کہ جب میں رسول اللہؐ کی قرأت سن رہا تھا، اور آپؐ التفات نہیں فرماتے تھے جب کہ ابو بکرؓ بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے، تو میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے، یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے، اور میں اس سے گر گیا، پھر میں نے اسے ڈانٹا تو اس نے اٹھنا چاہا، لیکن وہ اپنے پاؤں بہ مشکل نکال سکا، بہر حال جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو اس کے پاؤں کے نشان

سے آسمان کی طرف دھوئیں جیسا غبار اڑ رہا تھا، میں نے پھر پانسہ کے تیر سے فال نکالا پھر وہی تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا، اس کے بعد میں نے امان طلبی کے ساتھ ان حضرات کو پکارا تو وہ لوگ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا، جس وقت میں ان حضرات سے روک دیا گیا تھا اس وقت میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ کا معاملہ غالب آ کر رہے گا، چنانچہ میں نے آپ سے عرض کیا: آپ کی قوم نے آپ کے بدلے دیت کا انعام رکھا ہے اور ساتھ ہی میں نے لوگوں کے عزائم سے آپ کو واقف کیا اور توشہ اور ساز و سامان کی پیش کش کی، انھوں نے میرا کوئی سامان نہیں لیا اور نہ مجھ سے کوئی سوال کیا، صرف اتنا کہا کہ ہمارے بارے میں رازداری برتنا، میں نے آپ سے گزارش کی کہ آپ مجھے پروانۂ امن لکھ دیں، آپ نے پروانہ لکھوا کر دے دیا۔ (تحفۃ القاری)

## حدیث نمبر ۲۶۷۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۰

## ﴿عبداللہ بن سلام کے قبولیت اسلام سے متعلق معجزہ﴾

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ بِمَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ أَرْضٍ يَخْتَرِفُ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّيْ سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ فَمَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدُ إِلٰى أَبِيْهِ أَوْ إِلٰى أُمِّهِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ بِهِنَّ جِبْرِيْلُ آنِفًا أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوْتٍ وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ بُهْتٌ وَإِنَّهُمْ إِنْ يَّعْلَمُوْا بِإِسْلَامِيْ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسْأَلَهُمْ يَبْهَتُوْنِيْ فَجَاءَتِ الْيَهُوْدُ فَقَالَ أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ فِيْكُمْ قَالُوْا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا قَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَالُوْا أَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالُوْا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُ أَخَافُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۴۳ ج ۲، باب قوله من كان عدوًا لجبريل، سورة البقرة، كتاب التفسير، حدیث ۴۴۸۰

**حل لغات:** يخترف (افتعال) مصدر اختراف پھل چننا، موسم خریف میں پھل توڑنا۔ ينزع نَزَعَ (ض) نَزْعًا کھینچنا۔ الولدَ الیٰ ابیه بیٹے کو باپ کے مشابہ بنانا۔ تحشر حَشَرَ (ن) حَشْرًا جمع کرنا، لے چلنا۔ سبق (ض) سَبْقًا غالب ہونا۔ بہت (واحد) بَهُوْتٌ جھوٹا الزام لگانے والے۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ کہتے ہیں عبداللہ بن سلام (یعنی یہود کے بڑے عالم) نے آنحضرتؐ کے (مدینہ میں) تشریف لانے کی اس وقت خبر سنی جب وہ باغ میں میوہ توڑ رہے تھے، وہ اسی وقت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آج آپؐ سے وہ تین باتیں دریافت کرتا ہوں جنھیں پیغمبر کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ فرمایئے قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ دوسری یہ کہ اہل بہشت پہلے کیا چیز کھائیں گے؟ تیسری یہ کہ بچہ اپنے ماں باپ کا ہم شکل کیوں ہوتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ابھی ابھی حضرت جبرئیلؑ نے یہ باتیں مجھے بتا دیں، فرمایا قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی جانب لے جائے گی، اہل جنت کو سب سے پہلے مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ملے گا، (وہ بہت لذیذ ہوتا ہے) بچے کے ہم شکل ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آتا ہے تو بچہ مرد کی صورت پر پیدا ہوتا ہے، جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہوتا ہے تو بچہ عورت کی صورت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ جواب

سن کر عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، یارسول اللہ یہودی بڑے افترا پرداز لوگ ہیں۔ آپ ان سے میرے متعلق دریافت فرمایئے (میں کیسا آدمی ہوں؟) اگر کہیں انھیں دریافت کرنے سے پہلے معلوم ہوگیا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں تب وہ مجھ پر بہتان لگائیں گے، چنانچہ یہودی آنحضرتؐ کے پاس آئے آپؐ نے ان سے پوچھا: عبداللہ بن سلام کیسا شخص ہے؟ تو انھوں نے کہا: ہم سب سے بہتر ہے اور ہم میں سب سے بہتر شخص کا بیٹا ہے، ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے، آپ نے فرمایا دیکھو عبداللہ بن سلام مسلمان ہو جائے تو (تم بھی اسلام قبول کرلوگے) وہ کہنے لگے خدا اُسے اس سے پناہ میں رکھے، عبداللہ بن سلام (جو چھپ کر ان کی گفتگو سن رہے تھے) یہ سن کر باہر نکل آئے اور کہنے لگے: اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و انّ محمداً رسول اللّٰہ. یہ سنتے ہی یہودیوں نے کہنا شروع کیا عبداللہ ہم میں بڑا ذلیل اور ذلیل باپ کا بیٹا ہے، نیز ان کی برائی کرنے لگے۔ عبداللہ نے کہا یارسول اللہ مجھے اسی بات کا خطرہ تھا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے تین باتیں پوچھی تھیں جنکو نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا (۱) قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی کیا ہے؟ (۲) جنتیوں کو جنت میں سب سے پہلے کیا کھانا دیا جائے گا؟ (۳) بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے کبھی ماں کے اسکی وجہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیلؑ آئے نبی کو جوابات بتلائے، آپؐ نے عبداللہ بن سلامؓ کو بتلائے، وہ فوراً مسلمان ہوگئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وھو فی ارض یخترف حضرت عبداللہ بن سلامؓ آپ کی مدینہ آمد کے وقت ایک جگہ درختوں سے پھل اکٹھا کر رہے تھے۔

**سوال:** آپؐ کی آمدِ مدینہ کے وقت عبداللہ بن سلامؓ کی پھل چننے کی کیفیت کو کیوں بیان کیا گیا ہے؟

**جواب:** (۱) صورت واقعہ یہی تھی کہ آمدِ مدینہ کے وقت وہ پھل چن رہے تھے، اطلاع ملتے ہی سب کچھ چھوڑ کر حاضرِ خدمت ہوئے۔

(۲) عبداللہ بن سلامؓ کے اشتیاقِ ملاقات کے اظہار کے لیے اس کیفیت کا ذکر ہے کہ انھوں نے کام سمیٹا نہیں، اور اطمینان ہونے کے بعد حاضری نہیں دی، بلکہ وہ آپؐ کے منتظر تھے، اور تورات میں آپؐ کے اوصاف پڑھ چکے تھے، لہٰذا جیسے ہی خبر ملی کہ آپ تشریف لے آئے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوگئے۔

الا نبی جن تین باتوں کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں وہ ایسی باتیں ہیں جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے، اسی میں معجزہ کا ظہور رہا کہ آپؐ نے وحی کی بنیاد پر یہ تینوں باتیں ٹھیک ٹھیک بتا دیں۔

**اشکال:** اُن باتوں کے بارے میں تو عبداللہ بن سلامؓ بھی جانتے تھے، جب کہ وہ نبی نہیں تھے؟

**جواب:** عبداللہ بن سلامؓ کا مقصد یہ تھا کہ یا تو نبی کو جواب معلوم ہوسکتا ہے، یا وہ شخص جان سکتا ہے جس کو نبی نے بتایا ہو یا اس نے خدا کی کتاب سے معلوم کیا ہو، عبداللہ بن سلام کو تورات پڑھ کر ہی علم ہوا تھا، اصلاً عبداللہ بن سلامؓ کو آپؐ کی رسالت کی تصدیق کرنا تھا، اور یہ جوابات آپؐ نے انھیں بذریعہ وحی دیئے جو کہ اُن کے حق میں معجزہ ہوا۔

اول اشراط الساعة قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی علامات کا سوال نہیں پوچھا؛ بلکہ قیامت کی شروعات کا سوال ہے؛ کیوں کہ اس آگ سے قیامت شروع ہو جائے گی، قیامت کی علامات تو اس سے بہت پہلے ظاہر ہو چکی ہوں گی، لہٰذا اُن کا سوال نہیں ہے۔ ما ینزع الولد بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے ہم شکل ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اخبرنی بھن جبرئیل آنفا ابھی جبرئیلؑ نے مجھے اِن سوالات کے جوابات سے باخبر کیا ہے۔

**سوال:** آپؐ نے یہ وضاحت کیوں فرمائی کہ ابھی جبرئیلؑ نے بتایا ہے، یعنی پہلے سے مجھے علم نہ تھا؟

**جواب:** عبداللہ بن سلامؓ کے اس ممکنہ شبہ کو دور کرنے کیلئے کہ آپؐ نے یہ باتیں پہلے سے کسی عالم اہل کتاب سے سن کر محفوظ کر رکھی تھیں اور اسی بنیاد پر جواب دیا، آپؐ نے اس گمان کی نفی کردی اور صراحت کردی کہ جبرئیلؑ کے ذریعہ اللہ نے وحی بھیجی، اور مجھے وحی کے ذریعہ علم ہوا۔

نار تحشر الناس قیامت کی نشانیوں میں سے آگ کا خروج بھی ہے۔ یہ آگ یمن کے دارالحکومت حضرموت کی طرف سے نکلے گی، اور تمام لوگوں کو ہانک کر میدانِ حشر کی طرف لے جائے گی۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت میں ہے "نار تخرج من قعر عدن ترحل الناس" (مسلم) اور عدن یعنی یمن کی جانب سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانکے گی۔ فزیادۃ کبد مچھلی کے جگر کے کنارے کا حصہ اہل جنت کی سب سے پہلی غذا ہوگی۔ اذا سبق ماء الرجل مادر رحم میں پہنچنے والا نطفہ مرد کا غالب آیا تو بچہ مرد کے مشابہ ہوگا اور عورت کا غالب آیا تو بچہ ماں کے مشابہ ہوگا، غلبہ کا مطلب مادر رحم میں پہلے نطفہ کا پہنچنا، یعنی شوہر کا نطفہ رحم مادر میں پہلے پہنچا تو پیدا ہونے والا بچہ باپ کے مشابہ ہوگا اور عورت کا پہنچے گا تو بچہ ماں کے مشابہ ہوگا۔ آپؐ نے تینوں سوالات کے جوابات عطا کئے تو عبداللہ بن سلام نے ایمان قبول کرلیا، لیکن یہود اُن پر بہتان تراشی نہ کرسکیں اور لوگ ان سے بدظن نہ ہوں اس لیے یہود سے آپؐ کے روبرو اپنی عزت و عظمت کا اظہار کرالیا۔

## حدیث نمبر ۲۶۷۴ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۱

## ﴿بدر میں کفار کے مرنے کی جگہ کی پیشگی اطلاع﴾

وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِيْنَ بَلَغَنَا إِقْبَالُ أَبِيْ سُفْيَانَ وَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَأَخَضْنَاهَا وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهٗ عَلَى الْأَرْضِ هَاهُنَا وَهَاهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم ص۱۰۲ ج۲، باب غزوۃ بدر، کتاب الجهاد، حدیث ۱۷۷۹

**حل لغات:** شاور (مفاعلۃ) فی الأمر مشورہ کرنا، رائے لینا۔ نخیض اَخَاضَ (افعال) اِخَاضَةُ الخَيل گھوڑے کو پانی میں داخل کرنا۔ اکباد (واحد) كَبِدٌ جگر۔ برك الغماد جگہ کا نام، دوردراز علاقہ مراد ہے۔ ندب (ن) نَدْبًا فلاناً الی الامر کسی کام کی دعوت دینا، اس پر ابھارنا۔ انطلقوا (انفعال) اِنْطِلَاقًا جانا، چلنا۔ مصرع پچھاڑنے کی جگہ، قتل ہونے کی جگہ، (ج) مَصَارِعُ۔ صَرَعَ (ف) صَرْعًا پچھاڑنا۔ ماط (ض) مَيْطًا ہٹنا، الگ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ہم سے مشورہ کیا جب کہ ہمیں ابوسفیان کے آنے کی خبر ملی، اس موقع پر حضرت سعدہ بن عبادہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر آپؐ ہمیں اپنی سواری کے جانوروں کو سمندر میں ڈال دینے کا حکم دیں، تو ہم ایسا ہی کریں گے، اور اگر آپ کا حکم ہو کہ ہم اپنے اونٹوں کے جگر برکِ غماد تک ماریں تو ہم ایسا ہی کریں گے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آمادہ کرنے پر لوگ چلے، یہاں تک کہ بدر کے مقام پر پہنچ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جگہ فلاں کی لاش گرنے کی ہے، اس طرح آپ نام لیتے جاتے اور زمین پر ہاتھ رکھتے کہ فلاں شخص یہاں گر کر مرے گا اور فلاں شخص کی لاش یہاں گرے گی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے جہاں جہاں ہاتھ رکھ دیا تھا وہاں سے کوئی بھی شخص متجاوز نہیں ہوا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** ابوسفیان کی سربراہی میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام گیا تھا، ان کی واپسی کی اطلاع آپ کو ملی اور علم ہوا کہ اُن کے ساتھ بہت مال ہے، تو آپؐ نے اصحابؓ سے فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ ہے، انھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا ہے اور تمہارے اموال پر ناجائز قبضہ کرلیا ہے، چلو شاید اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دلا دے۔ مسلمان بڑی عجات کے ساتھ چل پڑے، کسی کے گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی بڑی جنگ ہوگی، جب آپؐ مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی، اس نے قریش سے مدد کے لیے کہا اور خود راستہ بدل کر قافلہ کو دریا کی جانب سے لے کر روانہ ہوا، جب مکہ میں یہ آواز پہنچی تو وہاں ہل چل مچ گئی اور وہ جنگ کی مکمل تیاری کے ساتھ نکل پڑے، چوں کہ مسلمان کسی بڑی جنگ کی نیت سے نہیں نکلے تھے اور اچھی طرح مسلح بھی نہیں تھے، اس لیے حضورؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے، مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دوسرے حضرات نے مستعدی کا اظہار کیا، آپؐ نے پھر دریافت کیا تو پھر مہاجرین نے جنگ کی رائے دی، آپؐ نے پھر سہ بارہ رائے طلب کی، آپ کی یہ غرض تھی کہ انصار کی رائے معلوم ہو، کیوں کہ انصار نے عقبہ کی بیعت کے وقت یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے شہر میں آپ کی حفاظت کریں گے اور آپؐ کے دشمنوں سے لڑیں گے، لیکن اب مدینہ سے نکل کر جنگ کا موقع پیش آگیا تھا، اس لیے دیکھنا تھا کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں، حضورؐ کے بار بار دریافت کرنے سے انصار سمجھ گئے، سب سے پہلے انصار میں سے حضرت سعدؓ اٹھے اور کہا یارسول اللہ آپ کی غرض یہ ہے کہ ہم لوگوں کی رائے دریافت کریں، میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ آپؐ ہم میں سے جس کی چاہیں رسی کاٹ دیں اور جس کی چاہیں جوڑ دیں، آپؐ ہمارے اموال میں سے جتنا چاہیں لیں اور جتنا چاہیں ہمیں دیں اور آپؐ جہاں چاہیں گے ہم آپؐ کے ساتھ ہوں گے، حضورؐ نے جب صحابہؓ کے جوش وخروش کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور آگے بڑھنے کا حکم دیا، میدان جنگ میں جنگ سے پہلے ہی آپؐ نے پیشین گوئی فرمائی کہ فلاں کافر اس جگہ اور فلاں اس جگہ ہلاک ہوکر گرے گا، آپ کی پیشین گوئی بالکل درست ثابت ہوئی اور آپؐ نے جس کے لیے جو جگہ بتائی تھی، وہ وہیں گر کر مرا اور یہی آپ کی نبوت کی دلیل اور آپ کا معجزہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** سعد بن عبادۃ مشورہ کا اصل مقصد انصار کی رائے جاننا تھی، اس لیے انصار کے ایک سردار حضرت سعدؓ نے کھڑے ہوکر انصار کی ترجمانی کی اور جنگ میں ہر طرح کی نصرت کا یقین دلایا۔ یہاں سعد بن عبادہ کا ذکر ہے جب کہ مشہور روایات میں حضرت سعد بن معاذؓ کا ذکر ملتا ہے، ممکن ہے دونوں نے اس طرح کی بات کہی ہو، یا کسی راوی سے بھول ہوگئی ہو اور سعد بن معاذؓ کی جگہ سعد بن عبادہؓ کہہ دیا ہو۔ نضرب اکبادھا اونٹوں یا گھوڑوں کے جگر کو مارنا سواری کے جانوروں کو نہایت تیز ہانکنے سے کنایہ ہے اور اس میں لفظی مناسبت یہ ہے کہ جب کوئی شخص مثلاً گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور گھوڑا تیز بھاگتا ہے تو سوار کے پیر اس گھوڑے کے جسم کے اس حصہ پر زور زور سے لگتے جاتے ہیں، جہاں جگر ہوتا ہے، جملہ کا مطلب یہی تھا کہ اگر ہمیں آپؐ اپنی سواریوں کو تیز بھگا کر برک غماد تک دشمن سے مقابلہ پر پہنچنے کا حکم کریں گے، تو ہم آپؐ کے حکم کی تعمیل میں یہاں سے فوراً روانہ ہوجائیں گے۔ برك الغماد حبشہ میں ایک جگہ کا نام ہے، بعض نے یمن کا شہر بتایا ہے، اصلاً دور دراز علاقہ سے کنایہ ہے، یعنی دشمن سے مقابلہ کیلئے آپؐ دنیا کے جس بھی دور دراز علاقے میں جانے کیلئے کہیں گے ہم جائیں گے۔ (مرقات) فما ماط احدھم جس کے قتل ہوکر گرنے کی جو جگہ بتائی وہ وہیں گر کر مرا، اس میں معجزہ کا ظہور ہوا، بریلوی اس قسم کے جزوی واقعات سے حضورؐ کے لیے علم غیب کلی ثابت کرتے ہیں، بریلویوں کو چاہئے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے مردوں کے زندہ کرنے کے معجزہ کو سامنے رکھ کر انھیں خدا کہنا شروع کردیں۔

**حدیث نمبر ۲۶۷۵ ﴿بدر کے موقع پر قبولیت دعا کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۲**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ يَوْمَ بَدْرٍ اَللّٰهُمَّ أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ

اَللّٰهُمَّ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ فَأَخَذَ أَبُوْبَكْرٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ حَسْبُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ فَخَرَجَ وَهُوَ يَثِبُ فِي الدِّرْعِ وَهُوَ يَقُوْلُ "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ". (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ۷۲۲ ج ۲، باب قوله سيهزم الجمع ويولون الدبر، سورة اقتربت الساعة، كتاب التفسير، حدیث ۴۸۷۵

**حل لغات:** انشد نَشَدَ (ن) نَشْدًا کسی کو بات یاد دلانا۔ یثب وَثَبَ (ض) وثْبًا اچھلنا، مراد جلدی سے باہر نکلنا۔ الدرع (ج) دُرُوْعٌ زرہ۔ الحجت (افعال) اِلْحَاحٌ اصرار کرنا، عاجزی اور زاری کرنا۔ یہزم مجہول ہے، هَزَمَ (ض) هَزْمًا العَدُوَّ دشمن کو شکست دینا۔ یولون وَلّٰی، تَوْلِيَةً (تفعیل) پیٹھ پھیرنا۔ الدبر (ج) اَدْبَارٌ پیٹھ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن خیمہ میں یہ دعا مانگ رہے تھے "اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد اور وعدہ کا ایفا چاہتا ہوں، اے اللہ اگر تو چاہتا ہے کہ آج کے بعد تیری عبادت نہ ہو، اچانک ابوبکرؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور عرض کیا بس اتنا کافی ہے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے اپنے رب کے سامنے بہت الحاح وزاری کر لی، تو آپؐ زرہ پہنے ہوئے خیمہ سے تیزی سے باہر تشریف لائے اور آپؐ فرما رہے تھے "سیہزم الجمع ویولون الدبر" یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث**

جنگ بدر میں جب صفیں آمنے سامنے تیار ہوگئیں، تو نبیؐ نے دیکھا مشرکین ایک ہزار ہیں اور مسلح ہیں اور مسلمان تین سو تیرہ ہیں اور نہتے ہیں، پس آپؐ خیمہ میں تشریف لے گئے اور مناجات شروع کی، اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے پورا فرمائیے، اے اللہ اگر آپ نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین میں آپ کی عبادت نہیں کی جائے گی، یہ بات آپؐ بار بار کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ آپ کی چادر گرگئی، ادھر کفار جنگ شروع کرنے کے لیے بار بار نقارہ بجا رہے تھے، جب مسلمانوں کی طرف سے اس کا جواب دیا جائے گا تب جنگ شروع ہوگی، مگر نبیؐ موجود نہیں اس لیے جوابی نقارہ کیسے بجایا جائے؟ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ جھونپڑی میں گئے اور آپ کو مناجات میں مشغول پایا، انہوں نے چادر مبارک آپؐ کے کندھے پر ڈالی اور آپ کو بانہوں میں اٹھالیا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کافی ہوگیا، جو آپؐ نے اپنے پروردگار کو قسم دی ہے اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ عنقریب پورا کریں گے، چنانچہ آپ بوجھل زرہ میں پھرتی سے سورۃ القمر کی مذکورہ آیات پڑھتے ہوئے جھونپڑی سے باہر تشریف لائے، اور جوابی نقارہ بجایا گیا، جنگ شروع ہوئی، اور شام ہونے سے پہلے مسلمانوں نے میدان جیت لیا، اور کافروں نے منہ کی کھائی، اس طرح اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح**

قبۃ یوم بدر آج کل میدان بدر میں مسجد بنی ہوئی ہے اس کا نام مسجد العریش ہے، جنگ بدر کے موقع پر نہ کوئی یہاں مسجد تھی نہ چہار دیواری، آپؐ کے لیے ایک طرح کا خیمہ بنا دیا گیا تھا، آپؐ جنگ شروع ہونے سے پہلے یہاں دعا کر رہے تھے "اللہم انشدك" آپؐ سے اللہ کا فتح ونصرت کا وعدہ تھا اور آپؐ جانتے تھے کہ اللہ وعدہ ضرور پورا کرے گا، لیکن اظہار عبدیت اور تکمیل وعدہ میں تاخیر نہ ہو، اس لیے اس قدر الحاح وزاری کر رہے تھے، آپؐ نے جس وعدہ کا ذکر فرمایا اس کا تذکرہ اس آیت میں ہے "واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین... الخ" اس میں اشارہ تھا کہ اگر کفار مکہ کی مسلمانوں سے جنگ ہوئی تو مسلمانوں کو فتح ملے گی۔

**اشکال:** حضرت صدیق اکبرؓ کو اللہ کے وعدوں پر پورا بھروسہ تھا، جب کہ نبیؐ الحاح کر رہے تھے، صدیق کا توکل نبیؐ سے بڑھ جائے یہ

کیسے ممکن ہے؟

**جواب:** اشکال کی وجہ توکلِ صدیق اور توکلِ نبوی میں موازنہ کرنا ہے، حالاں کہ یہاں دو مقام ہیں، ایک مقامِ توکل ہے دوسرے مقام ابتہال ہے، یعنی اللہ کے سامنے گڑگڑانا، آہ وزاری کرنا اور یہ دونوں حال الگ الگ ہیں، مومن کو اللہ کے وعدوں پر پورا یقین ہوتا ہے، مگر جب وہ ہاتھ اٹھاتا ہے اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتا ہے تو اس کا عجیب حال ہوتا ہے یا ہونا چاہئے، پس جب آپ توکل اور ابتہال میں موازنہ کریں گے تو اشکال حل ہوجائے گا، ابتہال کا مقام توکل کے مقام سے بہت بلند ہے، صدیق اکبرؓ مقامِ توکل میں تھے اور نبیؐ مقام ابتہال میں، رہا نبی کا توکل (اللہ کے وعدے پر بھروسہ) تو وہ ان آیات سے عیاں ہے جو آپ نے جھونپڑی سے نکلتے وقت پڑھی ہیں۔ وھو یثب خوشی کی وجہ سے آپؐ تیزی سے باہر آئے، اسی کو چھلانگ لگانے سے تعبیر کیا ہے۔ فی الدرع اس حال میں آپؐ نکلے کہ زرہ پہنے ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ آپؐ خود عملی طور سے جنگ میں شرکت کے لیے تیار تھے۔ سیھزم الجمع یہ آیت پہلے نازل ہوچکی تھی، لیکن اس موقع پر بھی آپ کی زبانِ مبارک پر آئی، درحقیقت یہ ایک پیشین گوئی تھی، کفارِ قریش سے کہا گیا کہ تمہیں اپنے جتھے پر ناز ہے، مگر یہ مجمع دُم دبا کر بھاگے گا، اس وقت آیت کی عملی تفسیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی میری سمجھ میں نہیں آئی، مگر جب جنگ بدر کا موقع آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے خیمہ سے یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے تو بات میری سمجھ میں آگئی۔ (تحفۃ القاری)

**حدیث نمبر ۲۶۷۶ ﴿جنگ بدر میں جبرئیلؑ کے ذریعہ مدد﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۳**

وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ بَدْرٍ هٰذَا جِبْرِيْلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهٖ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۷۰ ج ۲، باب شهود الملائكة بدراً، كتاب المغازی، حدیث ۳۹۹۵

**حل لغات:** فرس (ج) اَفْرَاسٌ و فُرُوْسٌ گھوڑا، گھوڑی۔ اداة (ج) اَدَوَاتٌ سامان۔ الحرب (ج) حُرُوْبٌ جنگ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن فرمایا "یہ جبرئیلؑ ہیں جو اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہوئے ہیں اور جنگ کا سامان لیے ہوئے ہیں"۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے اس معجزہ کا ذکر ہے کہ آپؐ نے جنگِ بدر میں حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار کو شکست دلانے اور مسلمانوں کو فتح سے ہم کنار کرانے کے لیے آسمان سے اترے تھے، واضح رہے کہ بدر دراصل ایک کنوئیں کا نام ہے، جو مکہ اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے، کفارِ مکہ اور اہلِ اسلام کے درمیان ہونے والی یہ پہلی باقاعدہ جنگ ۱۷ رمضان ۲ھ جمعہ کے دن، اس کنوئیں کے پاس ایک میدان میں ہوئی تھی، اس لیے اس کو جنگِ بدر یا غزوۂ بدر کہا جاتا ہے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** ھذا جبرئیل ابن اسحاقؒ کی روایت میں ہے کہ دعا مانگتے مانگتے آپؐ پر نیند طاری ہوگئی، تھوڑی دیر بعد آپؐ بیدار ہوئے اور ابوبکرؓ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا، اے ابوبکر! تجھ کو مبارک ہو تیرے پاس اللہ کی مدد آگئی، یہ جبرئیل امین گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہیں، ان کے دانتوں پر غبار ہے، جنگ بدر میں باقاعدہ لڑنے کے لیے ایک ہزار فرشتے آسمان سے اتر کر آئے تھے۔ پانچ سو حضرت جبرئیلؑ اور پانچ سو حضرت میکائیلؑ کی معیت اور کمان میں تھے۔ اداۃ الحرب سامان جنگ مراد ہے یعنی حضرت جبرئیلؑ سامان جنگ لیے ہوئے کھڑے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرئیل کو دیکھنا، پھر آپ کی

مدد کے لیے ایک ہزار فرشتوں کا اترنا یہ معجزہ کا ظہور ہے۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۶۷۷☆☆☆عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۴**

## ﴿جنگ بدر میں آسمانی مدد کے مشاہدہ کا معجزہ﴾

وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ يَشْتَدُّ فِيْ أَثَرِ رَجُلٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ أَمَامَهُ إِذْ سَمِعَ ضَرْبَةً بِالسَّوْطِ فَوْقَهُ وَصَوْتَ الْفَارِسِ يَقُوْلُ أَقْدِمْ حَيْزُوْمُ إِذَا نَظَرَ إِلَى الْمُشْرِكِ أَمَامَهُ خَرَّ مُسْتَلْقِيًا فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ قَدْ خُطِمَ أَنْفُهُ وَشُقَّ وَجْهُهُ كَضَرْبَةِ السَّوْطِ فَاخْضَرَّ ذٰلِكَ أَجْمَعُ فَجَاءَ الْأَنْصَارِيُّ فَحَدَّثَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقْتَ ذٰلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَقَتَلُوْا يَوْمَئِذٍ سَبْعِيْنَ وَأَسَرُوْا سَبْعِيْنَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم،ص ۹۳ج ۲،باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر، کتاب الجهاد،حدیث ۱۷۶۳

**حل لغات:** یشتد (افتعال) اِشْتِدَادًا فِي عَدْوِهٖ تیز دوڑنا، طاقتور ہونا، بڑھنا، زیادہ ہونا۔ اثر نشان "فِي أَثَرِهٖ" اس کے پیچھے، (ج) آثَارٌ و أُثُورٌ۔ السوط (ج) أَسْيَاطٌ وسِيَاطٌ چمڑے کا کوڑا، چابک۔ صوت (ج) أَصْوَاتٌ آواز۔ الفارس (ج) فُرْسٌ گھڑسوار، شہسوار۔ اقدم امر حاضر (افعال) آگے بڑھو، پیش قدمی کرو۔ حیزوم فرشتہ کے گھوڑے کا نام ہے۔ خرّ (ض) خَرًّا الشیٔ گرنا، زمین پر گرنا۔ مستلقیا اسم فاعل اِسْتَلْقٰى (استفعال) اِسْتِلْقَاءً چت لیٹنا۔ خطم ماضی مجہول، خَطَمَ (ض) خَطْمًا ناک پر مارنا۔ انف (ج) أُنُوْفٌ ناک۔ شق ماضی مجہول، شَقَّ (ن) شَقًّا الشَّيْءَ پھاڑنا، چیرنا۔ اِخْضَرَّ مصدر اِخْضِرَارًا سیاہی مائل سبز ہونا۔ اسروا جمع مذکر غائب، ماضی، اَسَرَ (ض) اَسْرًا قید کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس دن جبکہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا جو کہ آگے بھاگا جارہا تھا، تو اچانک اسنے اُس کافر پر چابک مارنے کی آواز سنی اور ایک گھڑسوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ "حیزوم" آگے بڑھو، پھر اس مسلمان کی نظر اپنے آگے مشرک پر پڑی کہ وہ زمین پر چت پڑا ہوا ہے اور اسنے دیکھا کہ اسکی ناک پر نشان پڑا ہوا ہے، نیز اسکا منہ پھٹا ہوا ہے جو کہ چابک کی مار کی علامت تھی اور وہ تمام جگہ سیاہی مائل سبز ہوگئی تھی، چنانچہ وہ انصاری صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان کی امدادی فوج کا فرشتہ تھا، تو اس دن ستر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کو بھیجا، بعض صحابہؓ نے فرشتوں کو دیکھا بھی، اور آواز بھی سنی، اسی طرح کے ایک واقعہ کا ذکر اس حدیث میں بھی ہے، اصلاً فرشتے قتال کے لیے نہیں آئے تھے، بلکہ وہ مسلمانوں کے دلوں کو تسلی دینے اور جمانے کے لیے آئے تھے، البتہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعہ اپنی مدد کا یقین دلانے کے لیے فرشتوں سے کچھ ایسے کام بھی کرائے ہیں کہ گویا وہ بھی قتال میں شریک ہیں، فرشتوں کے ذریعہ میدانِ جنگ فتح کرانا مقصود نہیں، ورنہ تو ایک فرشتہ سارے کافروں کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے، اس دنیا میں جنگ و جہاد کے فرائض انسانوں پر عائد کئے گئے ہیں، اور اسی وجہ سے اُن کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر و کافر کا نام ہی نہ رہتا، حکومت و سلطنت کی تو کیا گنجائش تھی۔ (ملخص معارف القرآن)

**کلمات حدیث کی تشریح** اقدم حیزوم یہ حضرت جبرئیلؑ یا کسی اور فرشتے کے گھوڑے کا نام ہے، گھوڑے پر سوار فرشتے نے گھوڑے کو آگے بڑھنے کے لیے کہا، اس آواز کو صحابی نے سنا، یہ صحابی کی کرامت ہے۔ **خطم انفه**

مسلمان نے اس کافر کو اس حال میں دیکھا کہ وہ چت پڑا ہے اور اس پر کوڑے مارے جانے کے نشانات ہیں اور جس حصہ پر کوڑا پڑا ہے وہ جگہ کالی پڑگئی ہے۔ صدقت آپ کا تصدیق فرمانا اور بتانا کہ یہ تیسرے آسمان کا فرشتہ ہے، آپ کا معجزہ ہے۔

**حدیث نمبر ۲۶۷۸ ﴿جنگ احد میں فرشتوں کا نزول﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۵**

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ رَأَیْتُ عَنْ یَمِیْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَنْ شِمَالِهٖ یَوْمَ أُحُدٍ رَجُلَیْنِ عَلَیْهِمَا ثِیَابٌ بِیْضٌ یُقَاتِلَانِ كَأَشَدِّ الْقِتَالِ مَا رَأَیْتُهُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ یَعْنِیْ جِبْرِیْلَ وَمِیْكَائِیْلَ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ۵۸۰ ج ۲، باب اذ همت طائفتان...الخ، کتاب المغازی، حدیث ۴۰۵۴، مسلم، ص ۲۵۲ ج ۲، باب فی قتال جبرئیل و میکائیل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد، کتاب الفضائل، حدیث ۲۳۰۶

**حل لغات:** ثیاب (واحد) ثَوْبٌ کپڑا۔ یقاتلان قاتله (مفاعلة) لڑنا، جنگ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت سعد بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا اُحد کے دن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو آدمیوں کو دیکھا، جو سفید کپڑوں میں تھے، وہ بہت سخت قتال کر رہے تھے، میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا نہ اس کے بعد یعنی وہ جبرئیل اور میکائیل تھے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** غزوۂ اُحد میں حضرت سعدؓ نے جبرئیل و میکائیل کو حضورؐ کے دائیں بائیں سفید لباس میں لڑتے دیکھا اور انھوں نے طریقۂ قتال سے یا آپؐ کے بتانے سے سمجھ لیا کہ یہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کاشد القتال فرشتہ جب انسان کی شکل میں آجاتا ہے، تو پھر انسان کی صفات سے متصف ہوجاتا ہے، حدیث میں سخت لڑنے کا مطلب یہی ہے کہ انسانوں کی طرح بہت دلیری سے لڑ رہے تھے، ورنہ فرشتہ کی اصلی طاقت کا عالم تو یہ ہے کہ قوم لوط کی بستیاں آسمانوں پر اٹھا کر زمین پر پٹخ دی تھیں، اسی طرح جبرئیلؑ نے قوم ثمود پر ایک آواز ماری جس سے سب ہلاک ہوگئے، پھر انسان کی شکل میں ہونے کے وقت فرشتہ انسان کے حملے کا نشانہ بھی بن سکتا ہے، جس طرح حضرت موسیٰ نے فرشتہ کی آنکھ پھوڑ دی تھی۔ حضرت سعدؓ کو ممکن ہے آپؐ نے بتایا ہو کہ یہ دو لوگ جبرئیل و میکائیل نام کے فرشتے ہیں، بہر حال فرشتوں کا آنا اور حضور کی حفاظت میں دفاع کے لیے لڑنا معجزہ کا ظہور ہے۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۶۷۹ ﴿ٹوٹی ٹانگ درست ہونے کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۶**

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا إِلٰى أَبِیْ رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَیْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَتِیْكٍ بَیْتَهٗ لَیْلًا وَهُوَ نَائِمٌ فَقَتَلَهٗ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَتِیْكٍ فَوَضَعْتُ السَّیْفَ فِیْ بَطْنِهٖ حَتّٰى أَخَذَ فِیْ ظَهْرِهٖ فَعَرَفْتُ أَنِّیْ قَتَلْتُهٗ فَجَعَلْتُ أَفْتَحُ الْأَبْوَابَ حَتّٰى انْتَهَیْتُ إِلٰى دَرَجَةٍ فَوَضَعْتُ رِجْلِیْ فَوَقَعْتُ فِیْ لَیْلَةٍ مُقْمِرَةٍ فَانْكَسَرَتْ سَاقِیْ فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَةٍ فَانْطَلَقْتُ إِلٰى أَصْحَابِیْ فَانْتَهَیْتُ إِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهٗ فَقَالَ ابْسُطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِیْ فَمَسَحَهَا فَكَأَنَّمَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۲۴ ج ۱، باب قتل النائم المشرك، کتاب الجهاد، حدیث ۳۰۲۲

**حل لغات:** رهط (ج) اَرْهُطٌ اَرْهَاطٌ (جج) اَرَاهِطُ، اَرَاهِیْطُ تین یا سات سے دس تک کی جماعت۔ نائمٌ اسم فاعل، نَامَ (س) نَوْمًا سونا۔ وضعت وَضَعَ (ف) وَضْعًا رکھنا۔ السیف (ج) سُیُوْفٌ وَاَسْیَافٌ تلوار۔ انتهیت (افتعال) انتهاءٌ الیه کسی کے پاس پہنچنا۔ مقمرة اسم فاعل اَقْمَرَ (افعال) اِقْمَارًا اللیلة رات کا چاند سے روشن ہونا۔ انکسرت (انفعال) انکسارًا

الشیئُ ٹوٹنا۔ عصبت عَصَبَ (ض) عَصْبًا الشَّیْءَ باندھنا۔ عمامة (ج) عَمَائِمُ پگڑی۔ ابسط امر حاضر پھیلاؤ۔ بَسَطَ (ن) بَسْطًا پھیلانا، کھولنا۔ لم اشتك مجھے درد نہ ہوا، کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اِشْتَکٰی (افتعال) شکایت ہونا، درد ہونا۔

**ترجمه:** حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت ابورافع کی طرف بھیجی، تو عبداللہ بن عتیکؓ رات کو اس کے گھر میں داخل ہوئے، جب کہ وہ سو رہا تھا، پس انھوں نے اس کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن عتیکؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے پیٹ پر تلوار رکھی، یہاں تک کہ اس کے پشت کی طرف سے نکل گئی، جب میں نے سمجھ لیا کہ میں نے اس کو قتل کر دیا ہے، تو میں نے دروازے کھولنے شروع کئے، یہاں تک کہ میں ایک زینہ پر پہنچا اور جوں ہی میں نے چاندنی رات میں اس زینہ پر پیر رکھا، میں گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی، میں نے عمامہ سے پنڈلی پر پٹی باندھ لی، اور اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور آپؐ سے سارا واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ، میں نے اپنا پاؤں پھیلایا تو آپؐ نے میرے پاؤں پر اپنا دستِ اقدس پھیرا، اسی وقت میرا پاؤں اس طرح اچھا ہو گیا جیسے اس میں کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** یہاں حدیث مختصر ہے، بخاری میں کتاب المغازی اور دیگر جگہ مفصل روایت بھی ہے، تفصیلی روایت کا ترجمہ پیش ہے، اس سے یہاں کی حدیث کی اچھی وضاحت ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع یہودی کے قتل کے لیے چند انصاریوں کو مقرر کیا اور ان پر عبداللہ بن عتیکؓ کو امیر بنایا، یہ ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا دیا کرتا اور آپؐ کے خلاف لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ سرزمین حجاز میں اس کی ایک زمین تھی وہیں وہ رہا کرتا تھا، جب یہ لوگ اس کے قریب پہنچ گئے اور سورج ڈوب گیا اور لوگ چلے گئے، تو عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ یہیں بیٹھیں میں اکیلا جاتا ہوں اور دربان سے ملاطفت اور بہلانے کی باتیں کروں گا شاید میں اندر جا سکوں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے، یہاں تک کہ وہ پھاٹک کے قریب پہنچے پھر چادر سے ڈھاٹا باندھا، گویا وہ قضائے حاجت کرنے گئے تھے۔ بہت سے لوگ اندر جا چکے تھے تو دربان نے ان کو دیکھ کر پکار کر کہا، اے اللہ کے بندے اگر اندر آنا چاہتے ہو تو جلد آؤ میں اب پھاٹک بند کرنا چاہتا ہوں، میں اندر داخل ہو گیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا جب اور لوگ بھی اندر داخل ہولیے تو اس نے پھاٹک بند کر دیا پھر کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا، عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کنجیوں کے پاس جا کر ان پر قبضہ کیا اور پھاٹک کا قفل کھول دیا ابورافع کے پاس رات کو کہانیاں کہی جاتی تھیں، وہ اپنے ایک اوپر کے کمرے میں تھا جب ابورافع کے پاس سے اس کے افسانہ گو بھی اٹھ کر چلے گئے، تو میں اس کے کوٹھے پر چڑھا اور جس دروازہ کو کھول کر میں اندر جاتا اندر سے اسے بند بھی کرتا جاتا تھا، میں نے دل میں سوچا کہ میرے ساتھیوں کو اگر میرے متعلق کچھ خطرہ بھی گزرے اور وہ میری مدد کو میرے پاس آنا چاہیں گے تو وہ میرے پاس پہنچ بھی نہ پائیں گے کہ اس وقت تک انشاء اللہ میں اسے قتل کر چکا ہوں گا، غرض میں اس کے پاس پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ ایک اندھیرے کمرہ میں وہ اپنے اہل وعیال کے بیچ میں ہے، مگر میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس کوٹھری میں کس جگہ پر ہے، تو میں نے اس کا نام لے کر پکارا ابورافع! وہ بولا کون ہے؟ پس میں آواز پر اندازہ سے بڑھا اور میں نے اس پر تلوار کا ایک وار کیا میں کچھ گھبرایا ہوا تھا اس لیے کام پورا نہیں کر سکا اور وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا، پس تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر کوٹھری کے اندر گیا اور میں نے (آواز بدل کر) پوچھا ابورافع یہ آواز کیسی تھی؟ کیا ہوا؟ وہ بولا تیری ماں پر مصیبت آ ٹوٹے گھر میں کوئی آدمی ابھی ابھی مجھے تلوار مار گیا ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس پر ایک وار اور کیا جس سے اس کا خون بہت بہہ گیا، مگر ابھی وہ مرا نہیں تھا اس کے بعد میں نے تلوار اس کے پیٹ میں بھونک دی کہ پیٹھ تک دھنستی چلی گئی، تب میں سمجھ گیا کہ اب میں نے اسے مار ڈالا پھر میں ایک ایک کر کے تمام دروازے کھولنے لگا یہاں تک کہ میں سیڑھی کے ختم تک پہنچ گیا، اس کے بعد میں نے اپنا پیر

یہ سمجھ کر رکھا کہ میں (سیڑھیاں ختم کر چکا اور) زمین پر پیر رکھ رہا ہوں تو چاندنی رات میں میں زمین پر گر پڑا میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی، میں نے اسے عمامہ سے کس کر باندھا پھر میں چلا اور پھاٹک کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور دل میں یہ سوچا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہ پلٹوں گا جب تک کہ یقینی طور پر نہ معلوم کر لوں کہ میں نے قتل بھی کر دیا، جب صبح کے وقت مرغ نے بانگ دی تو ایک خبر مرگ دینے والے نے فصیل پر چڑھ کر پکار کر کہا کہ میں حجاز والوں کے تاجر ابورافع کی موت کی خبر سناتا ہوں، تب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور میں نے کہا بس اب بھاگ چلو اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو قتل کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم سب حضورؐ کے پاس پہنچے اور آپؐ سے سارے واقعات بیان کیے، آپؐ نے فرمایا اپنی ٹانگ پھیلاؤ میں نے اپنی ٹانگ پھیلائی، آپؐ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا، بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ (رواہ البخاری) آپؐ کے دستِ مبارک کا یہ اعجازی اثر دوسرے مقامات میں بھی نظر آتا ہے، اس لیے اس کو آپؐ کے جسمانی برکات و معجزات میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ (ترجمان السنہ)

**کلماتِ حدیث کی تشریح**

بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم رھطا إلی ابی رافع حضورؐ نے ابورافع کے قتل کے لیے ایک جماعت روانہ فرمائی۔ اس مہم پر آپؐ نے چھ صحابہؓ روانہ فرمائے تھے، (۱) عبداللہ بن عتیک، (۲) مسعود بن سنان، (۳) عبداللہ بن انیس، (۴) ابوقتادہ، (۵) خزاعی بن اسود، (۶) عبداللہ بن عتبہ (رضی اللہ عنہم)۔ آپؐ نے عبداللہ بن عتیکؓ کو ان کا امیر بنایا تھا، اور انھوں نے ہی ابورافع کو قتل کیا۔ (عمدۃ القاری، ص ۱۳۵ ج ۱۷) ابورافع مالدار یہودی کعب بن اشرف کا ہم خیال تھا، غطفان کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اس نے بہت بڑی امداد فراہم کی تھی، انصار میں اوس کے حضرات نے جب کعب بن اشرف کو قتل کر دیا تو قبیلہ خزرج نے ابورافع کو ٹھکانہ لگانے کا ارادہ کیا؛ کیوں کہ انصار کے یہ دونوں قبیلے نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، ابورافع کو قتل کرنے جو لوگ گئے تھے سب قبیلہ خزرج کے تھے اور حضورؐ کی اجازت سے قتل کرنے گئے تھے۔ (فتح الباری، ص ۳۴۲ ج ۷) بیتہ لیلا رات کے وقت گھر میں گھس کر قتل کیا۔ معلوم ہوا مشرکین کی جاسوسی کرنا، ان کی غفلت سے فائدہ اٹھانا اور اذیت دینے والوں پر بے خبری میں حملہ کرنا جائز ہے۔ فعرفت انی قتلتہ ابورافع آپؐ سے دشمنی رکھتا تھا اور دوسروں کو بھی اس پر ابھارتا تھا، اس بنا پر اس کو قتل کیا گیا، معلوم ہوا کہ اگر مشرک ایسا ہو اور اس کو پہلے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو تو اسے دوبارہ دعوت دینے سے قبل قتل کر دینا جائز ہے، تاہم سوتے میں مشرک کا قتل اس وقت جائز ہے جب وحی یا قرائن و آثار سے یہ معلوم ہو کہ وہ اپنے کفر پر سختی سے جما اور اڑا ہوا ہے اور اس کے مسلمان ہونے کی امید ہی باقی نہیں رہی ہے۔ (فتح الباری، ص ۱۹۲ ج ۶) **فانتھیت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم** پنڈلی ٹوٹ گئی ہے اور اس پر پٹی بندھی ہے، شدید تکلیف بھی ہے، لیکن ابورافع کے قتل کی خوشی ایسی غالب ہے کہ چل کر نبیؐ کی خدمت میں آ گئے اور احساسِ مسرت نے تکلیف کے احساس کو ختم کر دیا۔ لم اشتکھا قط یہ آپؐ کا معجزہ ہے کہ آپؐ کے ہاتھ پھیرتے ہی ٹوٹا پیر ٹھیک ہو گیا اور درد کا احساس پورے طور پر ختم ہو گیا۔

**حدیث نمبر ۲۶۸۰ ﴿کھانے میں برکت کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۷**

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ إِنَّا يَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ فَعَرَضَتْ كُدْيَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَاءُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا هٰذِهٖ كُدْيَةٌ عَرَضَتْ فِي الْخَنْدَقِ فَقَالَ أَنَا نَازِلٌ ثُمَّ قَامَ وَبَطْنُهُ مَعْصُوْبٌ بِحَجَرٍ وَلَبِثْنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لَا نَذُوْقُ ذَوَاقًا فَأَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَ كَثِيْبًا أَهْيَلَ فَانْكَفَأْتُ إِلٰى امْرَأَتِي فَقُلْتُ هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ فَإِنِّي رَأَيْتُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمَصًا شَدِيْدًا فَأَخْرَجَتْ جِرَابًا فِيْهِ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ وَلَنَا بُهَيْمَةٌ دَاجِنٌ فَذَبَحْتُهَا وَطَحَنَتِ الشَّعِيْرَ حَتّٰى جَعَلْنَا اللَّحْمَ فِي الْبُرْمَةِ ثُمَّ جِئْتُ

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَارَرْتُهٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَبَحْنَا بُهَیْمَةً لَنَا وَطَحَنْتُ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ فَتَعَالَ أَنْتَ وَنَفَرٌ مَّعَكَ فَصَاحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ إِنَّ جَابِرًا صَنَعَ سُوْرًا فَحَیَّ هَلًا بِکُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَکُمْ وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِیْنَکُمْ حَتّٰی أَجِیْءَ وَجَاءَ فَأَخْرَجْتُ لَهٗ عَجِیْنًا فَبَصَقَ فِیْهِ وَبَارَكَ ثُمَّ عَمَدَ إِلٰی بُرْمَتِنَا فَبَصَقَ وَبَارَكَ ثُمَّ قَالَ اُدْعِیْ خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ وَاقْدَحِیْ مِنْ بُرْمَتِکُمْ وَلَا تُنْزِلُوْهَا وَهُمْ أَلْفٌ فَأُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَأَکَلُوْا حَتّٰی تَرَکُوْهُ وَانْحَرَفُوْا وَإِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ کَمَا هِیَ وَإِنَّ عَجِیْنَنَا لَیُخْبَزُ کَمَا هُوَ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۸۸ ج ۲، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، کتاب المغازی، حدیث ۴۱۰۱، مسلم، ص ۱۷۸ ج ۲، **باب** جواز استتباعه...الخ، کتاب الاشربة، حدیث ۲۰۳۹

**حل لغات:** نحفر حَفَرَ (ض) حَفْرًا گڑھا کرنا، کھودنا۔ عرضت (ض) عَرْضًا الشَّیْءُ پیش آنا، علیٰ احد پیش کرنا۔ کدیة (ج) کُدًی سخت یا سنگلاخ زمین جس پر پھاوڑا وغیرہ اثر نہ کرے۔ معصوب اسم مفعول، عَصَبَ (ض) عَصْبًا باندھنا۔ حَجَر (ج) اَحْجَارٌ و حِجَارَةٌ پتھر، ڈھیلا۔ لبثنا لَبِثَ بالمکان (س) لَبْثًا ٹھہرنا، قیام کرنا۔ نذوق ذَاقَ (ن) ذَوْقًا چکھنا، ذَوَاقًا ذائقہ، مزہ، چکھی جانے والی چیز۔ المعول (ج) مَعَاوِل کدال۔ کثیبا (ج) اَکْثِبَةٌ و کُثْبَان ریت کا لمبا ڈھیر۔ اھیل لگاتار گرنے والی مٹی۔ انکفأت اِنْکَفَأَ (انفعال) علی شَيْءٍ مائل ہونا، متوجہ ہونا۔ خمصا خَمِصَ (س) خَمْصًا پیٹ خالی ہونا، بھوکا ہونا۔ جراب تھیلا، (ج) اَجْرِبَةٌ۔ بهمة بکری یا بھیڑ کا بچہ (ج) بَهْمٌ وَبِهَامٌ. داجن (ج) دَوَاجِنُ پالتو جانور، گھریلو جانور۔ طحنت طَحَنَ (ف) طَحْنًا پیسنا۔ البرمة (ج) بُرَمٌ پتھر کی ہانڈی۔ سارر ته (مفاعلة) مُسَارَةً کسی سے رازدارانہ بات کرنا۔ صَاحَ (ض) صَیْحًا پکارنا، چلانا۔ تعال امر حاضر (تفاعل) تَعَالِیًا تشریف لانا۔ نفر (ج) اَنْفَارٌ آدمیوں کی تین سے دس تک کی تعداد۔ سورا (ج) سِیْرَانٌ طعام ضیافت۔ عجین (ج) عُجُنٌ گوندھا ہوا آٹا وغیرہ۔ بصق (ن) بَصْقًا تھوکنا۔ اقدحی امر واحد مونث حاضر، قَدَحَ (ف) قَدْحًا القِدْرَ ہنڈیا کی چیز چمچے سے نکالنا۔ خابزۃ اسم فاعل واحد مونث روٹی پکانے والی۔ خَبَزَ (ض) خَبْزًا روٹی پکانا۔ **انحرفوا** (انفعال) اِنْحِرَافًا واپس جانا۔ لتغط غَطَّ (ض) غَطًّا القدرُ دیگچی کے کھولنے کی آواز آنا۔

**ترجمه:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم خندق کے دن (یعنی غزوۂ خندق کے موقع پر) خندق کھودرہے تھے، کہ ایک سخت پتھر نکل آیا، پس صحابہ حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ پتھر خندق میں نکل آیا ہے، تو آپؐ نے فرمایا میں خود اُتر کر دیکھتا ہوں پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپؐ کے بطن مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور ہم نے تین دن اس طرح بسر کئے کہ ہم نے کوئی چیز نہیں چکھی تھی۔ آنحضرتؐ نے کدال پکڑی اور پتھر پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ ریت کی مانند ہو کر بکھر گیا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں فوراً لوٹ کر اپنی بیوی کے پاس آیا اور میں نے کہا تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟ کیوں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کا اثر دیکھا ہے، اس نے ایک تھیلا نکالا اس میں ایک صاع جو تھے اور ہمارے پاس ایک پلا ہوا بکری کا بچہ تھا، پس میں نے اس کو ذبح کیا اور اس نے جو پیسے، یہاں تک کہ ہم نے گوشت ہانڈی میں ڈالا پھر میں حضورؐ کے پاس آیا اور میں نے چپکے سے آپؐ کے کان میں کہا یا رسول اللہ! ہم نے ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور بیوی نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا ہے۔ پس آپ اور آپؐ کے ساتھ چند لوگ تشریف لے آئیں (یہ سن کر) آنحضرتؐ نے اعلان فرمادیا اے خندق والو! جابرؓ نے تم سب کی دعوت کی ہے، لہٰذا تم سب جلدی سے چلو۔ پھر آپؐ نے (مجھ سے) فرمایا جب تک میں نہ آؤں اپنی ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا اور نہ آٹے کی روٹی پکانا، آپ تشریف لائے

میں نے گوندھا ہوا آٹا پیش کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی پھر ہماری ہانڈی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں لعاب ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر فرمایا اب ایک عورت کو بلالاؤ جو تمہارے ساتھ روٹیاں پکاتی رہے اور اپنی ہانڈی سے گوشت نکال نکال کر دیتی رہنا، مگر ہانڈی چولہے سے مت اتارنا، اس وقت کھانے والے ہزار تھے، خدا کی قسم، سب نے وہ کھانا کھایا یہاں تک کہ سب لوگ کھانا کھا کر واپس ہو گئے اور ہماری ہانڈی جیسی تھی ویسی کی ویسی ہی چولہے پر پک رہی تھی، اور آٹا بھی اتنا کا اتنا ہی رہا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپ کے دو معجزات کا ذکر ہے: (۱) غزوہ خندق کے موقع پر کھدائی کے دوران ایسی چٹان نکل آئی جو کسی سے ٹوٹ نہیں رہی تھی، آپ کے کدال چلاتے ہی وہ ریت کے ڈھیر کی طرح ڈھا گئی، (۲) تھوڑا سا کھانا آپ کے لعاب دہن کی برکت سے ہزار لوگوں نے کھالیا، لیکن کھانے میں کوئی کمی نہیں آئی، یہ سب آپ کی ذات وصفات کی برکت تھی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فعرضت كدية خندق کی کھدائی میں امام الانبیا بھی ایک فرد کی طرح شریک تھے، اتفاقاً خندق کے ایک حصہ میں پتھر کی بڑی چٹان نکل آئی، جن حضرات کے حصہ میں خندق کا یہ ٹکڑا تھا وہ اپنی پوری قوت صرف کر کے عاجز ہو گئے، تو حضرت سلمان فارسیؓ کو آپ کے پاس بھیجا کہ اب حضور کا کیا حکم ہے؟ آپ اسی وقت موقع پر تشریف لائے اور کدال آہنی خود دست مبارک میں لے کر ضرب لگائی تو ریت کے مانند چٹان بکھرنے لگی۔ آپ نے جب پہلی ضرب لگائی تو ایک شعلہ برآمد ہوا، جس سے دور تک روشنی پھیل گئی، آپ نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں حیرہ ملک فارس کے محلات وعمارات دکھائی گئیں، پھر دوسری ضرب لگائی اور پھر ایک شعلہ برآمد ہوا تو فرمایا کہ اس کی روشنی میں مجھے رومیوں کے سرخ سرخ محلات وعمارات دکھلائی گئیں، پھر تیسری ضرب لگائی اور روشنی پھیلی تو فرمایا کہ اس میں مجھے صنعاء یمن کے عظیم محلات دکھائے گئے، اور فرمایا کہ میں تمہیں خوش خبری دیتا ہوں کہ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے کہ میری امت ان تمام ممالک پر غالب آئے گی۔ منافقین نے یہ بات سنی تو مسلمانوں کا خوب مذاق اڑایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: "قل اللهم ملك الملك... الخ" پھر کچھ وقت گذرا کہ نبی کریم کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور مذکورہ ممالک پر پرچم اسلام لہرا گیا۔ (ملخص معارف القرآن) بطنه معصوب بحجر آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا تھا، ابن حبان نے اس کو وہم قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ لفظ "معصوب بحجز (زا کے ساتھ) ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے کمر کس رکھی تھی۔ پتھر باندھنے کا آپ کے پیٹ پر کیا سوال ہے؟ آپ کا خود فرمان ہے "انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی" (میرا رب مجھے خود کھلاتا اور پلاتا ہے) حافظ ضیاء الدین مقدسی نے ابن حبان کی تردید کی اور ان سے پہلے علامہ کرمانی نے بھی تردید کی ہے؛ البتہ کرمانی نے ابن حبان کا نام نہیں لیا ہے، انھوں نے کہا کہ بھوک کی شدت میں پیٹ کمر سے مل جاتا ہے اور کمر جھک جاتی ہے، تو ایسی حالت میں اہل حجاز میں یہ طریقہ اور رواج تھا کہ وہ کف دست کے برابر پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، اس پتھر کی برودت کی وجہ سے پیٹ میں بھوک کی حرارت ماند پڑتی تھی اور کمر کو سہارا ملتا تھا تو وہ سیدھی رہتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آنا بعید از قیاس نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں خود حضرت ابوایوب انصاریؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلاف عادت دو پہر کو گھر سے باہر نکلے، تو باہر حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ سے ملاقات ہو گئی، آپ نے ان سے پوچھا کہ کیوں گھر سے باہر آئے ہو؟ دونوں نے بھوک کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ میں بھی بھوک کی تکلیف کی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں، اس کے بعد آپ تینوں حضرات حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر گئے اور انھوں نے ضیافت کی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی بھوک کی شکایت ہوتی تھی، باقی رہا آپ کا ارشاد "انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی" وہ صوم وصال کے موقع پر ہے،

عام حالات کے لیے نہیں۔ (کشف الباری) کثیبا اھیل چٹان ریت کا ڈھیر ہوگئی، جیسے بہنے والی ریت ہوتی ہے کہ اس پر پاؤں رکھ دیا جائے تو وہ نیچے کو بہہ جاتی ہے، اسی طرح آپ کی ضرب سے وہ چٹان ریت کی طرح بہہ گئی۔ صنع سورا دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ "سور" اس دعوت کو کہتے ہیں جو شادی کے موقع پر کی جاتی ہے اور شادی میں ظاہر ہے کہ بڑی دعوت کی جاتی ہے، اس لیے یہاں کہا گیا کہ جابر نے بڑی دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ فحی هلابکم جلدی سب لوگ چلو۔

**حدیث نمبر ۲۶۸۱ ﴿آپ کی پیشین گوئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۸**

وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَمَّارٍ حِيْنَ يَحْفِرُ الْخَنْدَقَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ رَأْسَهُ وَيَقُوْلُ بُؤْسَ ابْنَ سُمَيَّةَ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۹۵ ج ۲، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل...الخ، کتاب الفتن، حدیث ۲۹۱۵

**حل لغات:** یحفر حَفَرَ (ض) حَفْرًا کھودنا۔ یمسح مَسَحَ (ف) مَسْحًا پونچھنا، مس کرنا۔ بؤس سختی وشدت بَؤُسَ (ك) بَأْسًا مضبوط وسخت ہونا۔ الفئة (ج) فِئَات جماعت۔ الباغية اسم فاعل، بَغٰی (ض) بَغْيًا ظلم کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسرؓ سے فرمایا جس وقت کہ وہ خندق کھود رہے تھے، آپ اُن کے سر سے مٹی جھاڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے ہائے سمیہ کے بیٹے کی سختی ومصیبت، تمہیں باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** غزوہ خندق کے موقع پر جب مسلمان مدینہ کی حفاظت کے لیے خندق کھود رہے تھے تو انہیں میں حضرت عمارؓ بھی شامل تھے، وہ بہت محنت کے ساتھ کام میں مصروف تھے، آپ اُن کی محنت وجانفشانی ملاحظہ فرما رہے تھے کہ آپؐ پر یہ منکشف ہوا کہ حضرت عمارؓ کو ایک باغی گروہ شہید کرے گا، حضورؐ کو حضرت عمارؓ پر بہت ترس آیا، اور آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ تمہیں ایک سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا اور تم باغیوں کے ہاتھوں شہید کر دیئے جاؤ گے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** بؤس ابن سمية حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ کا نام ہے جو اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں۔ الفئة الباغية امام وقت کی اطاعت سے نکلنے والا طبقہ تجھے قتل کریگا، حضرت علیؓ خلیفہ برحق تھے، لہٰذا اطاعت سے نکلنے والا طبقہ حضرت معاویہؓ اور اُن کے ساتھیوں کا ہے، حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگِ صفین ہوئی اسی میں حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی طرف سے جنگ میں شامل ہو کر شہید ہوئے، حضرت معاویہؓ سے اجتہادی غلطی ہوگئی تھی، یہ مشاجراتِ صحابہؓ کا معاملہ ہے، اسمیں زبان درازی حرام ہے، اللہ سب سے راضی ہے، لہٰذا سب سے محبت ہی میں عافیت ہے، ورنہ گمراہی کا شدید خطرہ ہے۔

**حدیث نمبر ۲۶۸۲ ﴿اقدامی جہاد کی پیشین گوئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷۹**

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ أُجْلِيَ الْأَحْزَابُ عَنْهُ الْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ إِلَيْهِمْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۵۰ ج ۲ باب غزوة الخندق، کتاب المغازی، حدیث ۴۱۰۹

**حل لغات:** اجلى (افعال) إجلاءُ الناس عن الشَّيْءِ لوگوں کا الگ ہوجانا۔ الاحزاب (واحد) حِزْبٌ گروہ، جماعت۔ نغزوا غزَا (ن) غزْوًا العَدُوَّ جہاد کرنا۔ نسير سَارَ (ض) سَيْرًا چلنا، جانا۔

**ترجمہ:** حضرت سلیمان بن صرد سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کہ کفار کے گروہ متفرق ہو کر چلے گئے، اب ہم اُن پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہ کرسکیں گے، ہم اُن پر لشکر کشی کریں گے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی آپ کی ایک پیشین گوئی کا ذکر ہے جو بعد میں آپؐ کے فرمان کے مطابق پوری ہوئی اور یہ آپ کا معجزہ ہوا، آپؐ نے غزوہ احزاب کے موقع پر فرمایا تھا کہ اب کفار مکہ حملہ کی ہمت نہ کرسکیں گے، البتہ ہم اقدامی جہاد کریں گے، چنانچہ یہی ہوا کہ غزوۂ خندق کے بعد کفار سے اقدام نہ ہوسکا، بلکہ مسلمانوں نے فتح مکہ کے لیے اقدام کیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اجلی الاحزاب عنه غزوہ خندق کے موقعہ پر کفار میں آپس میں پھوٹ پڑگئی تھی اور انکے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی بھیجی، جس نے لشکرِ کفار کے تمام خیمے اکھاڑ دیئے اُنکی طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں اور دیگر سامان بکھر گیا، جسکی وجہ سے کفار بدحواس ہوکر بھاگ گئے۔ نسیر الیھم ظلم وستم کے خاتمہ کیلئے آخیر میں آپؐ نے اقدامی جہاد کیا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام نے صرف دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے بے بنیاد بات ہے۔

**حدیث نمبر ۲۶۸۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸۰، ۵۸۸۱**

## ﴿فرشتوں کی جنگ میں شمولیت کا معجزہ﴾

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ لَمَّا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَنْدَقِ وَوَضَعَ السِّلَاحَ وَاغْتَسَلَ أَتَاهُ جِبْرِيْلُ وَهُوَ يَنْفُضُ رَأْسَهُ مِنَ الْغُبَارِ فَقَالَ قَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ وَاللّٰهِ مَا وَضَعْتُهُ أُخْرُجْ إِلَيْهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَيْنَ فَأَشَارَ إِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيْ قَالَ أَنَسٌ كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى الْغُبَارِ سَاطِعًا فِيْ زُقَاقِ بَنِيْ غَنْمٍ مَوْكِبَ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ سَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ.

**حواله:** بخاری، ص۵۹۰ ج۲ باب مرجع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من الاحزاب، کتاب المغازی، حدیث ۴۱۱۷، مسلم، ص۹۵ ج۲، باب جواز قتال من نقض العهد، کتاب الجهاد، حدیث ۱۷۶۹

**حل لغات:** السلاح (ج) اَسلِحَةٌ ہتھیار۔ اغتسل (افتعال) اِغتِسَالاً غسل کرنا۔ ینفض نَفَضَ (ن) نَفضًا ہٹانا، زائل کرنا، گرانا۔ ساطعا اسم فاعل سَطَعَ (ن) سَطعًا بلند ہونا، پھیلنا۔ زقاق گلی، کوچہ (ج) اَزِقَّةٌ۔ موکب جلوس، قافلہ، اونٹ سواروں کا قافلہ (ج) مَوَاکِبُ

**ترجمه:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق سے واپس آکر ہتھیار اتارے اور غسل کیا تھا کہ آپؐ کے پاس جبرئیل آئے، دراں حالیکہ وہ اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے، انھوں نے کہا کہ آپؐ نے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے، اور اللہ کی قسم میں نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے، چلیے ابھی تو اِن کافروں پر لشکر کشی کرنی ہے، آپؐ نے پوچھا کہ کہاں چلنا ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا، چنانچہ آپؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت انسؓ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ گویا میں اس غبار کو اب بھی دیکھ رہا ہوں، جو بنوغنم کے کوچہ میں حضرت جبرئیلؑ کے ہمراہ چلنے والی جماعت کے سبب اس وقت اٹھ رہا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنوقریظہ کی طرف تشریف لے جارہے تھے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے ایک معجزہ کا ذکر ہے کہ جبرئیل امین نہ صرف غزوۂ احزاب میں شریک رہے، بلکہ بنوقریظہ کے غزوہ میں بھی شریک ہوئے اور غزوۂ خندق کے فوراً بعد بنوقریظہ کا محاصرہ کرنے کی ترغیب دی، یہ محاصرہ ہوا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فخرج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم حذیفہ بن الیمانؓ نے جب خندق کے غزوہ سے کفار کے واپس ہونے کی خبر دی تو رسول اللہؐ اور تمام صحابہؓ نہایت خوش ہوئے۔ دشمن اپنے منصوبے میں

خائب اور خاسر لوٹ گیا، اوران کو کسی طرح کا فائدہ نہ ہوا۔ خدا کا وعدہ پورا ہوا اس نے اپنے مخلص بندوں کو فتح دی اور خدا کی فوج باعزت رہی۔ تمام احزاب وقبائل کی متفقہ کوششوں کو شکست ہوئی، قریش کی ہمتیں پست ہوگئیں اور اس کے بعد مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ہمت پھر قریش کبھی نہ کر سکے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ قریش اب کبھی ہم پر حملہ نہ کریں گے، بلکہ اب ہم ان پر حملہ کریں گے اور یہی ہوا الغرض صبح کے وقت رسول اللہ اور صحابہ مدینہ گئے۔ رسول اللہ اپنے سلاح اتار چکے تھے اور حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں غسل فرما رہے تھے، ابھی ایک ہی طرف کا بدن دھونے پائے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور حکم ہوا کہ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جاؤ آپ فوراً تشریف لے گئے۔ حضور نے حملہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''ہر شخص عصر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر پڑھے'' اس جملہ کے مطلب میں صحابہؓ کا اختلاف ہوا، کسی نے راستہ میں عصر پڑھ لی، کسی نے عشاء کے بعد جب بنی قریظہ میں پہنچے تب عصر ادا کی، بہر کیف مسلمانوں نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا۔ پچیس روز محاصرہ رہا اور بنی قریظہ مایوس ہو گئے، ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا کہ اب نجات کی صورت یہ ہے کہ سب لوگ مسلمان ہو جاؤ، تم سب جانتے ہو کہ یہ نبی برحق ہیں، اگر یہ نہیں کرتے تو سب لوگ اپنی بیوی بچوں کو خود قتل کر دو، پھر تلوار لے کر نکلو یا تو فتح حاصل کرو یا سب جان دے دو۔ اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو یک بیک سبت کے روز نکل کر حملہ کر دو، اس روز مسلمان غافل رہتے ہیں ان کو یقین ہے کہ ہم سبت کے روز نہ لڑیں گے۔ بنی قریظہ نے کعب کی تین باتوں میں سے ایک بھی قبول نہ کی، انھوں نے حضورؐ سے کہلا بھیجا کہ آپ ابولبابہ بن عبد المنذرؓ کو بھیج دیجئے ہم ان سے کچھ مشورہ کریں گے۔ ابولبابہ اخوان بنی عمرو بن عوف میں تھے۔ بنی عوف قبیلہ اوس کے حلیف تھے اوس بنی قریظہ کے حلیف تھے: اس جہت سے انھوں نے ابولبابہ کو بلایا تھا۔ یہ گئے تو سارے مرد وعورت ان کے سامنے رونے لگے اور پوچھا کہ کیا ہم بلاشرط اطاعت کرلیں؟ انھوں نے کہہ تو دیا کہ ''ہاں'' مگر گلے کی طرف اشارہ کیا کہ قتل کئے جاؤ گے۔ اشارہ تو کر دیا مگر سوچا کہ میں نے خیانت کی، نادم ہوئے اور مدینہ چلے گئے۔ مسجد نبوی میں ایک ستون سے اپنے کو باندھا اور عہد کیا کہ جب تک حضورؐ اپنے ہاتھ سے نہ کھول دیں بندھا رہوں گا اور قسم کھائی کہ کبھی ارض بنی قریظہ میں نہ جاؤں گا چھ روز اسی طرح رہے، نماز کے وقت ان کی زوجہ کھول دیتی تھیں اور نماز کے بعد پھر باندھ دیتی تھیں، چھ روز کے بعد آیت نازل ہوئی ان کا قصور معاف ہوا اور خود حضورؐ نے آکر اپنے ہاتھ مبارک سے ان کو کھول دیا۔ اس کے بعد بنو قریظہ کے حلیف اوس کے لوگوں کی خواہش پر آپؐ نے حضرت سعدؓ کو بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کی اجازت دی، حضرت سعدؓ نے فرمایا میرا حکم یہ ہے کہ ان سب ملعونوں کو قتل کر دیا جائے، اُن کی ذریات گرفتار کر لی جائیں اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں، آپؐ نے اُن کے اس فیصلہ کو منظور کر لیا اور بنو قریظہ کے کل جوان جن کی تعداد چھ سو سے سات سو کے درمیان تھی، قتل کر دیئے گئے۔ عورتوں کو قتل نہیں کیا گیا سوائے ایک کے، اس کے بعد مدینہ کے اطراف میں یہود کی کوئی بڑی جماعت نہیں رہی، البتہ مختلف قبائل میں جو منتشر تھے وہ رہے، غزوۂ بنی قریظہ ربیع الاول ۵ھ میں ہوا۔ (ملخص اصح السیر)

**حدیث نمبر ۲۶۸۴ ﴿انگلیوں سے پانی نکلنے کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸۲**

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا ثُمَّ أَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَهُ قَالُوْا لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ بِهِ وَنَشْرَبُ إِلَّا مَا فِي رَكْوَتِكَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُوْرُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ كَأَمْثَالِ الْعُيُوْنِ قَالَ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قِيلَ لِجَابِرٍ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۹۸ ج ۲، باب غزوة الحديبية، كتاب المغازی، حدیث ۴۱۵۲، مسلم، ص ۱۲۹ ج ۲، باب استحباب مبايعة الامام الخ، كتاب الامارة، حدیث ۱۸۵۶

**حل لغات:** عَطِشَ (س) عَطَشًا پیاسا ہونا، پیاس لگنا۔ رکوۃ چمڑے کا پانی پینے کا ڈونگا وغیرہ، چھوٹا ڈول (ج) رِکَاءٌ۔ تَوَضَّأَ (تفعل) تَوَضُّأً وضو کرنا۔ یفور فَارَ (ن) فَوْرًا پانی کا زور سے نکلنا، ابلنا، پھوٹ پڑھنا۔ کَفَانَا کَفٰی (ض) کِفَایَۃً الشَّیْءُ احدًا کافی ہونا، کفایت کرنا، دوسری چیز سے بے نیاز کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حدیبیہ والے دن لوگوں کو پیاس لگی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا ایک برتن تھا، آپؐ اس سے وضو فرماتے تھے، پھر لوگ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس پانی نہیں ہے جس سے وضو کرسکیں اور پی سکیں، سوائے اس پانی کے جو آپؐ کے برتن میں ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اُس برتن میں رکھ دیا تو پانی آپؐ کی انگلیوں کے درمیان چشموں کی طرح پھوٹنے لگا، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے پیا بھی اور وضو بھی کیا، حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کتنے لوگ تھے، انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوجاتا تاہم اس وقت ہم پندرہ سو لوگ تھے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ کی ذات نہایت بابرکت تھی، بہت سے مواقع پر آپؐ کے اِس معجزہ کا ظہور ہوا کہ تھوڑی چیز میں غیر معمولی برکت ہوئی، بہت سی مرتبہ آپؐ کی انگلیوں سے چشمہ جاری ہوا اور لوگ سیراب ہوئے، صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی جب پانی کی شدید قلت ہوگئی تو آپؐ کی مبارک انگلیوں سے اللہ تعالیٰ نے پانی جاری کیا اور پندرہ سو لوگ اس سے سیراب ہوئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لکفانا حضرت جابرؓ نے پوچھنے والے پر باریک طنز کیا کہ یہاں افراد کی تعداد سے معجزہ کے بڑے اور چھوٹے ہونے کو ناپنا بے سود ہے، یہ اللہ کا عمل ہے اور آپؐ کے ہاتھ پر جاری ہوا، لہٰذا اس موقع پر جتنے لوگ بھی ہوتے سب سیراب ہوتے۔ خمس عشرۃ مِئَۃً ویسے اس وقت پندرہ سو لوگ تھے، اگلی روایت میں چودہ سو کا ذکر ہے، درحقیقت چودہ سو سے کچھ زائد لوگ جنھوں نے کسر کو حذف کردیا انھوں نے چودہ سو نقل کیا اور جنھوں نے کسر کو پورا کردیا انھوں نے پندرہ سو ذکر کیا۔ مزید کے لیے اگلی حدیث دیکھیں۔

### حدیث نمبر ۲۶۸۵ ﴿پانی میں برکت ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸۳

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا فَلَمْ نَتْرُكْ فِيْهَا قَطْرَةً فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهَا فَجَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِهَا ثُمَّ دَعَا بِإِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَضْمَضَ وَدَعَا ثُمَّ صَبَّهُ فِيْهَا ثُمَّ قَالَ دَعُوْهَا سَاعَةً فَأَرْوَوْا أَنْفُسَهُمْ وَرِكَابَهُمْ حَتّٰى ارْتَحَلُوْا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۹۸ ج ۲، باب غزوۃ الحدیبیۃ، کتاب المغازی، حدیث ۴۱۵۰

**حل لغات:** بِئْر (ج) آبارٌ کنواں۔ نزحنا (ف، ض) نَزْحًا البئرُ کنویں کا خالی ہوجانا، یا پانی کم ہوجانا۔ شَفِیْر کنارہ، جانب (ج) اَشْفَارٌ۔ اِنَاء (ج) آنیۃ برتن۔ مضمض کلی کرنا۔ صب (ن) صَبًّا الماءَ پانی ڈالنا۔ رکاب سواری کے اونٹ (ج) رُکُبٌ۔ ارتحلوا (افتعال) اِرْتِحَالًا کوچ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم چودہ سو افراد تھے، حدیبیہ میں ایک کنواں تھا جس کا پانی ہم سب نے کھینچ کر استعمال کرلیا تھا اور اس میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں رہا تھا، جب نبی کریم کو یہ معلوم ہوا تو آپؐ کنویں پر تشریف لائے اور اس کے کنارے بیٹھ گئے آپؐ نے وضو کے پانی کا برتن منگا کر وضو کیا اور وضو کے بعد منہ میں پانی لیا اور دعا مانگی، اس کے بعد آپؐ نے وہ آب دہن کنویں میں ڈالا اور فرمایا کہ ساعت بھر کنویں کو چھوڑ دو اور پھر تمام لشکر والے خود بھی اور ان کے

مویشی بھی خوب سیراب ہوئے اور جب تک وہاں سے نہ کوچ کیا اسی کنویں سے پانی لیتے رہے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی صلح حدیبیہ کے وقت آپؐ کے ذریعہ پانی کی قلت دور ہونے کا ذکر ہے، آپؐ نے خشک کنویں میں کلی کی تو آپؐ کی کلی کی برکت سے کنویں میں خوب پانی پیدا ہوگیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اربع عشر مئة حضرت براءؓ نے چودہ سو کا عدد ذکر کیا اور اس کے لیے عام تعبیر "الف و اربع مأة" کے بجائے "اربع عشرة مئة" کی تعبیر اختیار کی، یہ عام اسلوب کے خلاف ہے، اصل میں صحابہؓ "مئات" میں تقسیم تھے، یعنی سو کی ایک جماعت تھی، سو کی دوسری جماعت تھی، تو "مئات" کی اس قسم کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مذکورہ اسلوب اختیار کیا، اگر "الف و اربع مأة" فرماتے تو مئات کی اس تقسیم کی طرف اشارہ نہ ہو پاتا۔ (عمدۃ القاری، ص ۲۱۴ ج ۱۷) ثم مضمض آپؐ نے کلی والے پانی کو کنویں میں ڈال دیا اور دعا کی تو اس کنویں میں پانی پیدا ہوگیا۔

**تعارض:** گذشتہ حدیث میں انگلیوں سے پانی پھوٹنے کا ذکر ہے، جب کہ اس حدیث میں کنویں میں کلی کرنے کے نتیجے میں پانی پیدا ہونے کا ذکر ہے، دونوں میں تو بظاہر تعارض ہے؟

**دفع تعارض:** حضرت جابرؓ کی روایت کتاب الاشربۃ میں مفصل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ کی روایت کا واقعہ نمازِ عصر کے وقت کا ہے اور حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کا واقعہ نماز کے وقت سے متعلق نہیں ہے، یہ دو الگ الگ واقعے ہیں۔ دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ جب چھاگل میں رکھا اور آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکلنے لگا تو صحابہؓ نے اس پانی سے اپنی ضرورت پوری کرلی، اور اس کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ جو کچھ پانی بچا ہے، اس کو کنویں میں ڈال دو، چنانچہ جب وہ کنویں میں ڈال دیا گیا تو وہ خشک کنواں پانی سے بھر گیا، لہٰذا واقعہ ایک ہی وقت کا ہے، البتہ معجزے کا ظہور دو مرتبہ ہوا، حضرت جابرؓ کی روایت میں پہلے معجزہ کا ذکر ہے اور حضرت براءؓ کی روایت میں دوسرے معجزہ کا ذکر ہے۔ (فتح الباری، کشف الباری)

**سوال:** اس حدیث میں چودہ سو، جب کہ گذشتہ روایت میں پندرہ سو کا عدد ذکر ہے؟

**جواب:** گذشتہ حدیث میں جواب نقل ہوگیا۔

**حدیث نمبر ۲۶۸۶ ﴿استعمال کے باوجود پانی کم نہ ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸٤**

وَعَنْ عَوْفٍ عَنْ أَبِيْ رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ قَالَ كُنَّا فِيْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكٰى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيْهِ أَبُوْ رَجَاءٍ وَنَسِيَهُ عَوْفٌ وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ اِذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ أَوْسَطِيْحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ فَجَاءَا بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنْزَلُوْهَا عَنْ بَعِيْرِهَا وَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ فَفَرَّغَ فِيْهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ وَنُوْدِيَ فِي النَّاسِ اِسْقُوْا فَاسْتَقَوْا قَالَ فَشَرِبْنَا عِطَاشًا أَرْبَعِيْنَ رَجُلًا حَتّٰى رَوِيْنَا فَمَلَأْنَا كُلَّ قِرْبَةٍ مَعَنَا وَإِدَاوَةٍ وَّايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا وَأَنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلْئَةً مِنْهَا حِيْنَ ابْتُدِأَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۹ ج ۱، باب الصعید الطیب الخ، کتاب التیمم، حدیث ۳۴۴، مسلم، ص ۲۴۰ ج ۱، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ، کتاب المساجد، حدیث ۶۸۲

**حل لغات:** اشتکی (افتعال) تکلیف ہونا، إلیٰ أحدٍ شکایت کرنا۔ العَطَش پیاس، عَطِشَ (س) عَطَشًا پیاس لگنا۔ مَزَادَتَین تثنیہ ہے واحد مزادۃ (ج) مَزَاوِدُ توشہ دان، مسافر کا سفری تھیلا۔ سَطِیْحَتَین تثنیہ ہے (واحد) سَطِیْحٌ مشکیزہ۔ استنزلوا

(استفعال) أحداً کسی سے نیچے اترنے کو کہنا، نیچے اتروانا۔ أفواہ (واحد)۔ فَمٌ منہ۔ ملأنا (ف) مَلأً بھرنا۔ قربۃ (ج) قِرَبٌ مشکیزہ۔ إدَاوۃ پانی کا برتن (چمڑے کا) (ج) أدَاوَی۔ اقلع أقْلَعَ الشيءُ ہٹ جانا، زائل ہوجانا، عَنِ الأمور کنا، چھوڑنا۔

**ترجمہ:** حضرت عوف حضرت ابورجاء سے اور وہ حضرت عمران بن حصین سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (حضرت عمران) بیان کیا کہ ایک سفر میں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ایک موقع پر لوگوں نے آپؐ سے پیاس کی شکایت کی، آپؐ اسی جگہ اتر پڑے اور فلاں شخص کو بلوایا ابورجاء نے اُن کا نام بتایا تھا، عوف بھول گئے، اور دوسرے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو؛ چنانچہ دونوں گئے، اِن حضرات کو ایک عورت ملی جو اپنے اونٹ پر دو چمڑے کے تھیلوں یا مشکیزوں میں پانی لا رہی تھی، یہ دونوں حضرات اس عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے، اس عورت کو اس کے اونٹ سے اتارا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگا کر اس میں دونوں مشکیزوں کے دہانوں سے پانی انڈیلنے کا حکم دیا اور پھر لوگوں کو آواز دی کہ آؤ پانی پیو اور پلاؤ؛ راوی کہتے ہیں کہ ہم چالیس آدمی تھے، جو کہ سخت پیاسے تھے، ہم سب نے خوب سیر ہو کر پیا بھی اور اپنے پاس موجود برتنوں میں بھر بھی لیا، اللہ کی قسم جب ہم پانی لے کر اس چھاگل کے پاس سے ہٹے تو ہم نے محسوس کیا کہ وہ اس وقت سے زیادہ بھرا ہوا ہے جس وقت کہ ہم نے پانی لینے کی ابتدا کی تھی۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کا ایک عظیم الشان معجزہ مذکور ہے، خیبر سے واپسی کا موقع ہے، صحابہؓ پیاس سے پریشان ہیں، پانی دور دور کہیں نہیں ہے، ایک عورت جو کہ کافرہ ہے، اس کے پاس دو مشکیزوں میں پانی ہے، وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر کی جاتی ہے، آپؐ نے ایک برتن منگوایا اور مشکوں کا بالائی دہانہ کھلوا کر اس میں سے کچھ پانی لیا اور اس میں لعابِ دہن شامل فرما کر ان کا وہ منہ بند کر دیا اور مشکوں کے نیچے کا منہ کھلوا کر یہ اعلان کر دیا گیا کہ پانی پئیں اور پلائیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی پیا بھی گیا، مویشیوں کو بھی پلایا گیا اور مشکیں بھی بھر لی گئیں کہ ساتھ لے چلیں گے، یہ تمام کام ہوتے رہے اور وہ عورت کھڑی دیکھتی رہی، حیرت کی بات یہ تھی کہ اتنا کچھ پانی صرف ہوا اور کمی کچھ محسوس نہیں ہوئی، راوی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ اتنا پانی صرف ہوگیا؛ لیکن ہم خیال کر رہے تھے کہ اب یہ مشک پہلے سے زیادہ بھری ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں جمع کر دو، یہ قیمت نہیں دی جا رہی ہے؛ کیوں کہ بیع میں تراضی شرط ہے اور وہ یہاں ہے نہیں، اسی طرح نہ یہ تاوان ہے کہ وہ بالمثل ہوتا ہے؛ پھر یہ کہ وہ حربیہ غیر معاہدہ ہے، اس کے لئے تاوان کی ضرورت نہیں؛ علاوہ ازیں کہ اس کے پانی میں کمی بھی نہیں ہوئی ہے: خود پیغمبر علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ دیکھو ہم نے تمہارے پانی میں سے کچھ کمی نہیں کی ہے، پانی اس مشک میں غیب سے آیا ہے، لیکن چوں کہ آیا اس کے پانی کے راستے سے اس لیے یہ اس کا احسان ہوگیا، اور "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان" احسان کا بدلہ احسان ہی سے دیا جا سکتا ہے، لہٰذا آپ نے فرمایا کہ اِن عورت کے لیے سامان جمع کرو، چنانچہ آٹا، کھجور، ستو وغیرہ اس عورت کے لیے جمع کر دیا گیا، اس سامان کو کپڑے میں باندھ دیا گیا، پھر عورت کو اونٹ پر سوار کر کے یہ کپڑا اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔ جب یہ عورت گھر پہنچی تو اہلِ خانہ نے تاخیر کا سبب پوچھا، اس نے پورا واقعہ دہرا دیا، پھر اس عورت نے واقعہ پر تبصرہ کیا کہ یا تو یہ شخص زمین اور آسمان کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے یا پھر وہ اللہ کا سچا رسول ہے۔ اس تبصرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت بڑی مدبرہ تھی، وہ سمجھ چکی تھی کہ جادوگر ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا، لیکن اگر وہ اہلِ قبیلہ کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کرتی ہے تو معاملہ خطرناک ہوسکتا ہے، ممکن ہے گھر والے اس کی بات اور اس کے تاثرات سننا بھی پسند نہ کریں، بلکہ قتل پر آمادہ ہوجائیں، اس لیے اس نے ایک اچھی رائے اختیار کی اور پورا واقعہ سنانے کے بعد کہا کہ یا تو یہ شخص زمین وآسمان کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے، یہ تو ایک عام خیال

تھا جو اس نے سب کے سامنے رکھ دیا، اب دوسرے نمبر پر کہتی ہے "او انه لرسول الله حقا" یا پھر وہ اللہ کا سچا رسول ہے، اس جملہ میں اس نے اشارہ کر دیا کہ دیکھو جادو ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس عورت نے اہلِ قبیلہ کے دل میں ایک بات ڈال دی اور خاموش ہوگئی، اب صورت یہ پیش آئی کہ مسلمان رات کو کفار کی بستی پر چھاپے مارتے ہیں، لیکن بستی میں اس ٹکڑی کو چھوڑ دیتے ہیں جو اس عورت کے اہلِ قبیلہ سے متعلق ہے، اس صورت حال کے پیش آتے ہی، اس عورت کو دوبارہ اپنی بات کہنے کا موقع مل گیا، اور اس نے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ مسلمان رات کو چھاپے مارتے ہیں، لوٹتے ہیں، لیکن تمہیں کوئی کچھ نہیں کہتا، کیا یہ لوگ تم سے ڈرتے ہیں، یا ان کو معلوم نہیں کہ یہاں بھی کافر رہتے ہیں، یا یہ بھول جاتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان تینوں میں سے کوئی بات نہیں ہے؛ کیوں کہ تمہاری کوئی دھاک نہیں ہے کہ وہ لوگ تم سے ڈریں، بھول جانے یا معلوم نہ ہونے کا خیال بھی غلط ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر تم کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس چھوڑنے کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ میرے اور ان کے درمیان ایک معاملہ ہو گیا تھا، انھوں نے میرے پانی سے فائدہ اٹھایا تھا اور یہ لوگ میرا احسان مانتے ہیں، گو انھوں نے احسان کا بدلہ احسان کی صورت میں دے دیا تھا، لیکن اس کے باوجود یہ اسی احسان کا اثر ہے کہ یہ لوگ قصداً تمہاری ٹکڑی کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہ احسان مندی پیغمبرانہ شان معلوم ہوتی ہے۔ اب سوچو! کیا تم اپنے اندر اسلام کے لیے کچھ رغبت پاتے ہو؟ ان لوگوں نے اس عورت کی بات مان لی اور اسلام میں داخل ہو گئے، نبی کا معجزہ اور آپؐ کے اخلاق عالیہ سے نہ صرف اس عورت کو بلکہ اس کے پورے قبیلہ کو ہدایت مل گئی۔ (ایضاح البخاری)

## کلمات حدیث کی تشریح

ونودی فی الناس اسقو لوگوں میں اعلان کرادیا کہ پانی پیو اور پلاؤ۔

**سوال:** اجنبی عورت کا پانی زبردستی لے لینا کیسے جائز ہوا؟

**جواب:** یہ عورت حربیہ تھی اور حربیہ کا مال مباح ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ بات بظاہر صحیح نہیں، اس واسطے کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ اہل حرب کی عورت تھی، نیز حربی کا مال ہر حالت میں مباح نہیں ہوتا، صرف حالتِ حرب میں مباح ہوتا ہے اور جہاں حالتِ حرب نہ ہو وہاں مباح نہیں، حقیقت میں وہ جتنا پانی لے کر آئی تھی اتنا ہی واپس لے کر گئی، کیوں کہ حضورؐ کا معجزہ ظاہر ہوا اور اس پانی میں برکت ہوگئی، یا یہ کہیں کہ (عام حالات میں زبردستی خریدنا جائز نہیں، لیکن یہاں) مجبوری کی حالت میں زبردستی قیمتاً پانی لے لیا، کیوں کہ آپؐ نے اس کو آٹا، ستو اور کھجور دلوایا تھا۔ (ملخص انعام الباری)

## حدیث نمبر ۲۶۸۷ ﴿درخت کا آپؐ کی اطاعت کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸۵

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى نَزَلْنَا وَادِيًا أَفْيَحَ فَذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِيْ حَاجَتَهُ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا يَسْتَتِرُ بِهٖ وَإِذَا شَجَرَتَيْنِ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى إِحْدَاهُمَا فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِيْ عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَالْبَعِيْرِ الْمَخْشُوْشِ الَّذِيْ يُصَانِعُ قَائِدَهُ حَتّٰى أَتَى الشَّجَرَةَ الْأُخْرٰى فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِيْ عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَذٰلِكَ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ مِمَّا بَيْنَهُمَا قَالَ الْتَئِمَا عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَالْتَأَمَتَا فَجَلَسْتُ أُحَدِّثُ نَفْسِيْ فَحَانَتْ مِنِّيْ لَفْتَةٌ فَإِذَا أَنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا وَإِذَا الشَّجَرَتَيْنِ قَدِ افْتَرَقَتَا فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا عَلٰى سَاقٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص۴۱۷ ج۲، باب حديث جابر الطويل، كتاب الزهد، حدیث ۳۰۱۲

**حل لغات:** وادیا (ج) اَوْدَاءٌ ٹیلوں اور پہاڑوں کے درمیان کھلی جگہ جہاں بارش اور سیلاب کا پانی بہتا ہو۔ افیح (ج) فِيْحٌ وسیع

کشادہ، فَاحَ (س) فَیْحًا کشادہ ہونا۔ یستتر (افتعال) آڑ میں ہونا، چھپنا۔ سَتَرَ (ن) سَتْرًا چھپانا، ڈھانکنا۔ شَاطِیءٌ کنارہ (ج) شَوَاطِئُ۔ غصن (ج) اَغْصَانٌ شاخ۔ انقادی واحد مؤنث حاضر امر، میری اطاعت کرو۔ اِنْقَادَ (انفعال) للأمر کہا ماننا، فرماں برداری کرنا۔ المخشوش اسم مفعول نکیل پڑا ہوا۔ خَشَّ (ن) خَشًّا البعیر اونٹ کی ناک میں ڈالی جانے والی لکڑی جس سے لگام کو باندھا جاتا ہے۔ یصانع (مفاعلہ) کسی کے ساتھ نباہ کرنا، اچھا برتاؤ کرنا۔ قائد جانور کی نکیل یا لگام پکڑ کر آگے چلنے والا۔ قَادَ (ن) قَوْدًا الدابۃَ جانور کی رسی پکڑ کر آگے چلنا۔ المنصف آدھا راستہ، نَصَفَ (ن) الشئُ نُصُوْفًا آدھا ہونا۔ التئما امر حاضر تثنیہ، جڑ جاؤ اِلْتَأَمَ الشَّیْءُ جڑنا، ٹھیک ہونا۔ حانت واحد مونث غائب ماضی، حَانَ (ض) حَیْنًا الامر کسی کا وقت آ جانا۔ لفتۃ توجہ، التفات، لَفَتَ (ض) لَفْتًا سے مصدر مرہ ایک نظر۔ افترقتا (افتعال) اِفْتِرَاقًا جدا ہونا۔ الگ الگ ہونا۔ ساق درخت وغیرہ کا تنا جس پر شاخیں نکلتی ہیں، پنڈلی، ٹانگ (ج) سُوْقٌ سِیْقَانٌ و اَسْوُقٌ۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سفر میں) جا رہے تھے، یہاں تک ہم نے ایک وسیع وعریض وادی میں پڑاؤ ڈالا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، پس آپ کو کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کرتے، اچانک آپ نے وادی کے کنارے دو درختوں (کو دیکھا) پس ان میں سے ایک کی طرف گئے اور اس کی ٹہنی کو پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اطاعت کرو۔ درخت آپ کا حکم پا کر آپ کے ہمراہ اس طرح چلا آیا جیسے کوئی اونٹ اپنی نکیل کھینچنے والے کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، اس کے بعد دوسرے درخت کے پاس تشریف لائے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اطاعت کر پس وہ بھی آپ کا حکم مان کر اسی طرح چلا آیا، یہاں تک کہ جب آپ ان دونوں کے درمیان آئے ان دونوں کو ملا کر جمع کیا اور فرمایا کہ اللہ کے حکم سے تم دونوں جڑ جاؤ تو وہ دونوں آپ کے آس پاس جڑ گئے اور میں بیٹھ کر دل میں باتیں کرنے لگا، پس میں تھوڑی ہی دیر ذرا غافل ہوا ہوں گا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے تھے اور وہ دونوں الگ الگ ہو کر اپنے اپنے تنوں پر پہلے کی طرح کھڑے تھے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** آپ کے معجزات میں سے ہے کہ شجر وحجر اور بہائم سب آپ کے لیے مسخر ومطیع تھے، آپ ان میں جیسا تصرف فرمانا چاہتے فرماتے، اس حدیث میں بھی ایک معجزہ کا ذکر ہے کہ دو درختوں نے مکمل طور پر آپ کی تابع داری کی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** انقادي علي میری اطاعت کے لیے آ جاؤ، پردہ کرنے کے لیے مجھ پر جھک جاؤ، معجزہ کا ظہور ہوا، درخت نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ المخشوش اس چھوٹی لکڑی کو "خشاش" کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں لگائی جاتی ہے، تاکہ وہ مطیع رہے اور کھینچنا آسان رہے، نکیل پڑے اونٹ سے تشبیہ دی ہے۔

## حدیث نمبر ۲۶۸۸ ﴿زخم سے شفایابی کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸۶

وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ رَأَيْتُ أَثَرَ ضَرْبَةٍ فِيْ سَاقِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ فَقُلْتُ يَا أَبَا مُسْلِمٍ مَا هٰذِهِ الضَّرْبَةُ قَالَ ضَرْبَةٌ أَصَابَتْنِيْ يَوْمَ خَيْبَرَ فَقَالَ النَّاسُ أُصِيْبَ سَلَمَةُ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَفَثَ فِيْهِ ثَلَاثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَكَيْتُهَا حَتّٰى السَّاعَةِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۰۵ ج ۲، باب غزوۃ خیبر، کتاب المغازی، حدیث ۴۲۰۶

**حل لغات:** ضربۃ چوٹ، زخم، ایک دفعہ کی مار (ج) ضَرَبَات۔ نفث (ن ض) نَفْثًا پھونکنا، دم کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت یزید بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع کی پنڈلی کے زخم کے نشان کو دیکھ کر پوچھا کہ ابو مسلم! یہ زخم کا

نشان کیسا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ زخم خیبر کی لڑائی میں لگا تھا، لوگوں نے کہا کہ سلمہ شہید ہو گیا، لیکن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، آپؐ نے زخم پر تین دفعہ دم کیا، پھر اب تک مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ کا یہ معجزہ تھا کہ آپؐ کے ذریعہ مہلک امراض بہت جلد ٹھیک ہو جاتے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کبھی مرض یا تکلیف پیش ہی نہیں آئی، اس حدیث میں بھی اسی طرح کے ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سلمہؓ کو اتنا گہرا زخم لگا کہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ سلمہ فوت ہو جائیں گے، لیکن حضورؐ کے دم فرمانے سے انھیں شفائے کامل نصیب ہوئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یوم خیبر خیبر ایک شہر کا نام ہے، جو مدینہ سے شام کی طرف ہے، یہاں یہود آباد تھے، آپؐ نے محرم ۷ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ خیبر کی طرف خروج کیا، اسی غزوہ میں حضرت سلمہؓ کو زخم لگا جس کا یہاں ذکر ہے۔ یہ حدیث ثلاثیاتِ بخاری میں سے ہے، بخاری شریف میں بائیس ثلاثیات ہیں۔ ''ثلاثیات'' کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ اور آپؐ کے درمیان تین واسطے ہیں، ایک تبع تابعی دوسرے تابعی تیسرے صحابیؓ اور یہ حدیث کی بہت ہی اعلیٰ نوع شمار کی جاتی ہے؛ کیوں کہ صحابہؓ تمام کے تمام عادل ہیں اور تابعین و تبع تابعین سب خیر القرون کے حضرات ہیں، اور اسی عظمت واہمیت کی وجہ سے بخاری شریف کے حاشیہ پر موٹے قلم سے اس کی نشان دہی کی گئی ہے، چنانچہ اس حدیث پر بھی موٹے قلم سے لکھا ہوا ہے "ھٰذا الحدیث الرابع عشر من ثلاثیات الامام البخاری" اور ان بائیس ثلاثیات میں سے بیس کے استاذ حنفی ہیں، ممکن ہے کہ بقیہ دو کے استاذ بھی حنفی ہوں، اس سے فقہ حنفی کی عظمت بخوبی معلوم ہوگئی؛ کیوں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی روایات ثنائی ہیں۔ (نصر الباری)

**حدیث نمبر ۲۶۸۹ ﴿خبر آنے سے پہلے شہادت کی اطلاع دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸۷**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ نَعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ حَتّٰى أَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ يَعْنِيْ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۱۱ ج ۲، باب غزوۃ موتۃ، کتاب المغازی، حدیث ۴۲۶۲

**حل لغات:** نعی (ف) نَعْيًا کسی کے مرنے کی خبر دینا۔ الرایۃ (ج) رَایَاتٌ جھنڈا، علم۔ تذرفان ذَرَفَ (ض) ذَرَفًا العینُ آنکھوں سے آنسو بہنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر اس وقت صحابہؓ کو دے دی تھی جب ابھی اُن کے متعلق کوئی اطلاع نہیں تھی، چنانچہ آپ فرما رہے تھے کہ زید نے جھنڈا لیا ہے، اب وہ شہید کر دیے گئے، اب جعفر نے جھنڈا لیا وہ بھی شہید کر دیے گئے، اب ابنِ رواحہ نے جھنڈا لیا وہ بھی شہید کر دیے گئے، اس وقت آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بالآخر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار یعنی خالد بن ولید نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر اللہ نے اُن کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائی۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** جس غزوہ میں اِن حضرات کو شہادت ملی وہ غزوۂ موتہ ہے، موتہ ایک مقام کا نام ہے، جو ملک شام میں بیت المقدس سے دو منزل کے فاصلہ پر بلقاء میں واقع ہے، جمادی الاولیٰ ۸ھ میں یہاں غزوہ ہوا، امام بخاری وغیرہ اس کو غزوۂ موتہ لکھتے ہیں، اگر چہ اس میں حضورؐ شریک نہ تھے، صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے جب سلاطین و امراء کے نام دعوتی خطوط روانہ

فرمائے تو شرحبیل بن عمرو غسانی کے نام بھی ایک خط روانہ فرمایا، شرحبیل قیصر کی طرف سے شام کا امیر تھا، حارث بن عمیرؓ جب آپ کا خط لے کر والیِ بصرہ کی طرف گئے تو مقامِ موتہ پہنچے تو شرحبیل نے ان کو قتل کرادیا، آپؐ قاصد کو قتل نہیں کرتے تھے اور نہ آپ کا کوئی قاصد ان کے سوا قتل ہوا، اس لیے آپ نے حارث بن عمیر کے انتقام کے لیے تین ہزار کا لشکر ماہِ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں موتہ کی طرف روانہ فرمایا اور حضرت زید بن حارثہؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں، تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہوں اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ امیر ہوں، پھر اگر عبداللہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جسے چاہیں امیر بنالیں، جب یہ حضرات معان میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ دو لاکھ کا لشکرِ جرار، ہم تین ہزار مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مقامِ بلقاء میں جمع ہوا ہے، اس خبر پر مسلمان متردد ہوئے اور دو روز تک معان میں ٹھہرے مشورہ کرتے رہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ رائے یہ ہوئی کہ آپ کو اطلاع دی جائے، آپؐ جیسا حکم دیں اس پر عمل ہو، عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا اے لوگو! تم تو شہادت کی طلب میں نکلے ہو اور آج اسی کو ناپسند کر رہے ہو۔ ہم کافروں سے قوت اور تعداد کے بھروسہ پر نہیں لڑتے ہیں، ہم تو صرف دینِ اسلام کے لیے لڑتے ہیں، سو اٹھو اور چل دو، دو نیکیوں میں سے ایک ضرور حاصل ہوگی، فتح یا شہادت، یہ سن کر مسلمانوں میں جوش پیدا ہو گیا اور سب نے کہا کہ واللہ عبداللہ ٹھیک کہتے ہیں اور سب کے سب موتہ کی طرف روانہ ہو گئے اور موتہ کے میدان میں دونوں جماعتیں مقابلہ کے لیے سامنے آئیں، پہلے حضرت زیدؓ کے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا تھا، انتہائی بہادری سے لڑے اور شہید ہو گئے، اُن کے بعد حضرت جعفرؓ نے جھنڈا سنبھالا، لڑتے لڑتے جب داہنا ہاتھ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں جھنڈا لیا اور جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈا گود میں لے لیا، یہاں تک کہ شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں اُن کو دو بازو عطا فرمائے جن سے جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے پھرتے ہیں، اسی لیے حضرت جعفرؓ کو ذی الجناحین اور جعفر طیارؓ کہتے ہیں، حضرت جعفرؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے جھنڈا لیا اور وہ بھی شہید ہوئے۔ اُن کے بعد سارے مسلمانوں نے خالد بن ولیدؓ کے امیر ہونے پر اتفاق کرلیا، خالد بن ولیدؓ اسلامی جھنڈہ کو لے کر آگے بڑھے اور نہایت بہادری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا، اور پھر ان کی قیادت میں مسلمانوں کو فتح ملی۔ یہ حضورؐ کا معجزہ ہے کہ آپؐ نے میدانِ جنگ سے بہت دور رہ کر خبر آنے سے پہلے اسلامی کمانڈروں کی شہادت کی اطلاع دے دی۔ (نصر الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** نعی النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نے حضرت زیدؓ وغیرہ کی شہادت کی اطلاع دی۔ آپؐ کو میدان جنگ کی اطلاع کسی نے نہیں دی تھی، آپ کشفِ نبوت کے ذریعہ مطلع ہوئے تھے، امام واقدیؒ نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے کہ جب موتہ میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ کا آغاز ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ارضِ شام تک کے سارے علاقے اور آبادیاں آپؐ کے روبرو کردیں، منبر نبوی سے شام کے درمیان سب حجابات اٹھا دیئے گئے، میدانِ جنگ آپؐ کے مشاہدہ میں تھا، اس صورت حال کا مشاہدہ کرتے ہوئے آپؐ میدانِ جنگ کی خبر دیتے رہے۔ (عمدۃ القاری، ص ۲۲۸ ج ۱۴)
یعلی بن امیہ غزوۂ موتہ کی خبر لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ اگر چاہو تو تم ہمیں خبر دو یا اگر کہو تو میں ہی تم کو اہلِ موتہ کا پورا حال سنا دوں، انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپؐ ہی سنائیں تو آپؐ نے پورا حال بیان فرمایا، یعلی نے کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپؐ نے تو ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ (نصر الباری) وعیناہ تذرفان اور اس وقت آپؐ کی آنکھیں اشک بار تھیں، مطلب یہ ہے کہ جب آپؐ نے منبر پر صحابہ کرام کے سانحۂ شہادت کا اعلان کیا تو غم واندوہ سے آنکھیں اشک بار تھیں۔

**حدیث نمبر ۲۶۹۰ ﴿غزوۂ حنین میں معجزہ کا ظہور﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸۸**

وَعَنْ عَبَّاسٍؓ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا الْتَقَى الْمُسْلِمُوْنَ وَالْكُفَّارُ وَلَّى الْمُسْلِمُوْنَ مُدْبِرِيْنَ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ بَغْلَتَهٗ قِبَلَ الْكُفَّارِ

وَأَنَا آخِذٌ بِلِجَامِ بَغْلَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكُفُّهَا إِرَادَةَ أَنْ لَّا تُسْرِعَ وَأَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ آخِذٌ بِرِكَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ عَبَّاسُ نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ فَقَالَ عَبَّاسٌ وَكَانَ رَجُلًا صَيِّتًا فَقُلْتُ بِأَعْلٰى صَوْتِيْ أَيْنَ أَصْحَابُ السَّمُرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَكَأَنَّ عَطْفَتَهُمْ حِيْنَ سَمِعُوْا صَوْتِيْ عَطْفَةَ الْبَقَرِ عَلٰى أَوْلَادِهَا فَقَالُوْا يَا لَبَّيْكَ يَا لَبَّيْكَ قَالَ فَاقْتَتَلُوْا وَالْكُفَّارَ وَالدَّعْوَةُ فِي الْأَنْصَارِ يَقُوْلُوْنَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ قَالَ ثُمَّ قُصِرَتِ الدَّعْوَةُ عَلٰى بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلٰى بَغْلَتِهٖ كَالْمُتَطَاوِلِ عَلَيْهَا إِلٰى قِتَالِهِمْ فَقَالَ هٰذَا حِيْنُ حَمِيَ الْوَطِيْسُ ثُمَّ أَخَذَ حَصَيَاتٍ فَرَمٰى بِهِنَّ وُجُوْهَ الْكُفَّارِ ثُمَّ قَالَ اِنْهَزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ فَوَاللّٰهِ مَاهُوَ إِلَّا أَنْ رَمَاهُمْ بِحَصَيَاتِهٖ فَمَا زِلْتُ أَرٰى حَدَّهُمْ كَلِيْلًا وَأَمْرَهُمْ مُدْبِرًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم ص۹۹ ج۲، باب فی غزوۃ حنین، کتاب الجهاد، حدیث۱۷۷۵

**حل لغات:** شهدت شَهِدَ (س) شَهَادَةً المجلسَ شریک ہونا، مجلس میں آنا۔ التقی (افتعال) ملنا، بھڑنا۔ ولی (تفعیل) تَوْلِيَةً فُلَانٌ هَارِبًا پیٹھ پھیر کر بھاگنا۔ مدبرین اسم فاعل جمع مذکر واحد مُدْبِرٌ پیٹھ پھیرنے والے، اَدْبَرَ (افعال) اِدْبَارًا پشت پھیرنا، مڑ جانا۔ یر کض رَکَضَ (ن) رَكْضًا تیز دوڑنا، الخَيْلَ گھوڑے کو تیز دوڑانا۔ بَغْلَة بَغْلٌ کا مونث ہے (ج) بِغَالٌ خچر۔ لجام لگام (ج) اَلْجِمَةٌ، و لُجُمٌ۔ اکف كَفَّ (ن) كَفًّا فلاناً عن الامر روکنا، باز رکھنا۔ السمرة (ج) اَسْمُرٌ ببول کا درخت۔ صیتا سخت آواز والا، بلند آواز والا، صَاتَ (ن) صَوْتًا آواز نکالنا۔ عطفة مصدر ہے، واپس ہونا، مڑنا۔ عَطَفَ (ض) عَطْفاً مائل ہونا، جھکنا۔ حمی (س) حَمْيًا النَّارُ وغیرها تیز اور گرم ہونا، حَمِيَ الْوَطِيْسُ لڑائی سخت ہونا، جنگ کے شعلے بھڑکنا۔ الوَطِيْسُ جنگ، معرکہ (ج) اَوْطِسَةٌ و وُطُسٌ۔ حصیات (واحد) حَصِيَةٌ کنکریاں۔ انهزموا (انفعال) اِنْهِزَامًا شکست کھانا۔ کلیلا کمزور، تھکا ماندہ۔

**ترجمہ:** حضرت عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا جب مسلمان اور کافر آمنے سامنے ہوئے تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ گئے، تو رسول اللہؐ اپنے خچر کو ایڑ لگانے لگے، کافروں کی طرف (بڑھنے لگے) اور میں آپؐ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا، میں اس کو روک رہا تھا اس خیال سے کہ کہیں یہ تیزی سے (دشمنوں میں) نہ گھس جائے، ابوسفیان بن الحارث حضورؐ کی رکاب کو تھامے ہوئے تھے، آپؐ نے فرمایا اے عباسؓ! اصحاب سمرہ کو پکارو، حضرت عباسؓ نے جو کہ بلند آواز آدمی تھے، فرمایا کہ میں نے اپنی بلند آواز سے پکارا کہاں ہے اصحاب السمر ۃ؟ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم جب انھوں نے میری آواز سنی، تو وہ اس طرح لوٹے جیسا کہ گائیں اپنے بچوں کی طرف (فرطِ محبت سے) لوٹتی ہیں، تو انھوں نے کہا ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ پھر مسلمان کافروں سے بھڑ گئے اور انصار نے اپنی جماعتوں کو یوں پکارنا شروع کیا اے انصار کے گروہ! اے انصاری جماعت! تو پھر یہ پکارنا صرف قبیلہ بنو حارث بن الخزرج پر موقوف ہو گیا، رسول اللہؐ اپنے خچر پر سوار ہو کر گردن اونچی کر کے لڑائی دیکھ رہے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ یہ وقت جنگ گرم ہونے کا ہے، پھر آپؐ نے چند کنکریاں ہاتھ میں لیں اور ان کو کافروں کے منہ پر پھینک مارا، اس کے بعد فرمایا محمدؐ کے رب کی قسم کافروں نے شکست کھائی، حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم یہ شکست کافروں کو آپؐ کی کنکریاں پھینکنے کی وجہ سے ہوئی، میں دیکھ رہا تھا کہ کافروں کی تلواروں کی تیزی ماند پڑ گئی تھی اور وہ ذلیل و رسوا ہو گئے تھے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں غزوہ حنین میں ظاہر ہونے والے ایک معجزہ کا ذکر ہے۔ حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جو مکہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے؛ یہاں قبائل ہوازن وثقیف آباد تھے، یہ قبائل عرب کے ممتاز اور مشہور بہادر نہایت جنگجو تیرانداز تھے، جب ان لوگوں کو فتح مکہ کی خبر ملی تو یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر حملہ نہ کردیں، اس لیے دونوں قبیلوں کے اشراف وعمائد نے جمع ہوکر طے کیا کہ مسلمانوں سے جنگ کی جائے اور نہایت جوش وخروش کے ساتھ جنگ کے ارادہ سے نکل کر مقامِ اوطاس پہنچ گئے، جب آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ ۶ رشوال ۸ھ یوم شنبہ کو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف روانہ ہوئے، یہ پہلا موقع تھا جب مسلمانوں کے پاس ایک بڑا لشکر تھا، چنانچہ بعض لوگ تعداد کی وجہ سے عجب میں مبتلا ہوگئے اور زبان پر یہ بات آگئی کہ آج ہم تعداد کی قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے، اس میں اپنی کثرت پر ناز تھا، حق تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی، چنانچہ لشکرِ اسلام ایک درہ سے گذرتے وقت دشمنوں کے یکبارگی تیروں کے حملہ کو برداشت نہ کرسکا اور اکثر لوگ سراسیمہ ہوکر منتشر ہوگئے، بہت تھوڑے سے صحابہ آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے، آپ پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھتے رہے، حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو پکاریں، چنانچہ حضرت عباسؓ کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور منٹوں میں آپؐ کے اردگرد جمع ہوگئے، پھر آپؐ نے اصحابؓ کے ساتھ مشرکین پر حملہ کردیا، جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو آپؐ نے ایک مشتِ خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور یہ فرمایا "شاھت الوجوہ" (برے ہوئے چہرے) کوئی انسان ایسا نہ رہا جس کی آنکھ میں اس مشت خاک کا غبار نہ پہنچا ہو، فوراً لڑائی کا رنگ بدل گیا، دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، دشمن کے ستر آدمی قتل ہوئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ (ملخص نصر الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** ولی المسلمین مدبرین غزوۂ حنین میں ابتداءً مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اکثر لوگ بھاگنے لگے۔

**اعتراض:** میدانِ جہاد سے فرار بالخصوص حضورؐ کی موجودگی میں ناجائز اور کبائر میں سے ہے: آپؐ کا فرمان ہے "اجتنبوا السبع الموبقات" (مسلم) اُن سات مہلکات میں سے چھٹا "تولی یوم الزحف" یعنی میدانِ جہاد سے راہِ فرار ہے، پھر صحابہؓ سے یہ گناہ کیوں سرزد ہوا، اور اکثر نے یہ عمل کیسے اختیار کیا؟

**جواب:** (۱) تولی اور فرار اس وقت ناجائز ہے، جب کہ دشمن کی تعداد دوگنا یا اس سے کم ہو، لیکن یہاں دشمنوں کی تعداد ایک روایت کے اعتبار سے چوبیس ہزار اور دوسری روایت کے اعتبار سے اٹھائیس ہزار ہے اور مسلمانوں کی کل تعداد تو بارہ ہزار ہے، لیکن اس میں بہت سے مؤلفۃ القلوب نومسلم، بلکہ نیم مسلم بھی تھے اور کچھ تو مشرک بھی جنگ میں شامل ہوگئے تھے، انھوں نے عین موقع پر دھوکہ دیا، لہٰذا مجموعی طور پر کفار مسلمانوں سے دوگنا سے زیادہ تھے۔ (۲) جو فرار ناجائز ہے وہ میدانِ جہاد سے ایسا فرار کہ جنگ میں شرکت کا ارادہ نہ ہو، جب کہ صحابہؓ میدانِ جنگ سے نہیں بھاگے تھے، بلکہ اچانک تیروں کے حملہ سے منتشر ہوگئے تھے، چنانچہ عباسؓ کی آواز کانوں میں پہنچتے ہی سب آپؐ کے اردگرد جنگ کے لیے جمع ہوگئے۔ (۳) فرار کا تحقق اس وقت ہوگا جب کہ امیرِ لشکر یعنی سپہ سالار وکمانڈر بھاگ جائے، لیکن یہاں امیرِ لشکر ثابت قدم ہے، حضرت براء کی بخاری کی روایت ہے "انہ لم یول" (نصر الباری) ابوسفیان بن الحارث آخذ برکاب رسول اللہ، ابوسفیان بن حارث حضورؐ کے چچازاد بھائی آپ کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔

**تعارض:** یہاں ابوسفیانؓ کے رکاب تھامنے کا ذکر ہے اور عباسؓ کے لگام پکڑنے کا، جب کہ بخاری کی روایت میں "ابوسفیان بن الحارث آخذ برأس بغلتہ البیضاء" دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے؟

**جواب:** ابوسفیان پہلے لگام تھامے ہوئے تھے، اسی کا بخاری میں ذکر ہے، لیکن دشمن کے اچانک حملہ سے جب انتشار پیدا ہوا اور آپؐ

دشمن کی طرف آگے بڑھنے لگے تو حضرت عباسؓ نے خطرہ کے خوف سے ابوسفیان کے ہاتھ سے لگام اپنے ہاتھ میں لیا اور ابوسفیان نے رکاب تھام لی۔ فلا تعارض (نصر الباری) اصحاب السمرة صلح حدیبیہ کے موقع پر کیکر کے درخت کے نیچے موت پر بیعت کرنے والے صحابہ کا لقب "اصحاب السمرة" ہے۔ باعلی صوتی چوں کہ عباس بلند آواز والے تھے، لہٰذا آپؐ نے اُن کو پکارنے کا حکم دیا اور انھوں نے بلند آواز سے پکارا بھی اور اُن کے پکارنے کا فائدہ یہ ہوا کہ سب منتشر لوگ جمع ہو گئے۔ عطفة البقر حیوانات میں گائے اپنی اولاد کے لیے دیوانی ہوتی ہے، اپنے چھوٹے بچے پر جھکی رہتی ہے، یہاں صحابہؓ کا حضورؐ کی طرف تیزی سے پلٹ آنا اور دیوانہ وار آپؐ کے گرد اکٹھا ہونا گائے کے اپنے بچہ کی طرف متوجہ ہونے کے مشابہ قرار دیا ہے۔ الدعوة فی الانصار انصار کو لڑنے کی دعوت دی گئی کہ آگے بڑھو اور دشمن سے مقابلہ کرو۔ قصرت الدعوة انصار کو لڑنے کی عام دعوت دینے کے بعد انصار کے خاص خاص قبیلوں کو نام بنام پکارا گیا، اور پھر خاص اولاد حارث کو پکارا جانے لگا، یہ بہت اہم اور انصار میں بڑا قبیلہ تھا۔ کالمتطاول جنگ کا منظر دیکھنے کے لیے گردنِ مبارک دراز فرمائی۔ انھزموا کافروں کو شکست ہوگئی، آپؐ نے تفاؤلاً شکست سے پہلے یہ بات فرمائی اور آپؐ نے جیسا فرمایا ویسا ہی ہوا۔ غزوۂ حنین کے موقع پر آپؐ کے دو معجزے رونما ہوئے، ایک یہ کہ آپؐ نے ایک مٹھی کنکریوں کی کافروں کی طرف پھینکی اور معجزانہ طور پر وہ تمام کافروں کی آنکھوں میں پہنچ گئیں اور دوسرا معجزہ یہ ظاہر ہوا کہ آپؐ نے پہلے ہی اُن کی شکست کی خوش خبری سنا دی۔

**حدیث نمبر ۵۶۹۱ ﴿پیغمبر کی معجزانہ بہادری﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸۹-۵۸۹۰**

وَعَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ يَا أَبَا عُمَارَةَ فَرَرْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ قَالَ لَا وَاللهِ مَا وَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ خَرَجَ شُبَّانُ أَصْحَابِهِ لَيْسَ عَلَيْهِمْ كَثِيْرُ سِلَاحٍ فَلَقُوْا قَوْمًا رُمَاةً لَا يَكَادُ يَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ فَرَشَقُوْهُمْ رَشْقًا مَا يَكَادُوْنَ يُخْطِئُوْنَ فَأَقْبَلُوْا هُنَاكَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَأَبُوْسُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ يَقُوْدُهُ فَنَزَلَ وَاسْتَنْصَرَ وَقَالَ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ثُمَّ صَفَّهُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلِلْبُخَارِيِّ مَعْنَاهُ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ الْبَرَاءُ كُنَّا وَاللهِ إِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ نَتَّقِيْ بِهِ وَإِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِيْ يُحَاذِيْ بِهِ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۱۰ ج ۱، باب من صف اصحابه عند الهزيمة، كتاب الجهاد، حدیث ۲۹۳۰، مسلم، ص ۱۰۰ ج ۲، باب فی غزوة حنین، كتاب الجهاد، حدیث ۱۷۷۶۔

**حل لغات:** شبان (واحد) شَابٌّ نوجوان۔ سلاح (ج) اَسْلِحَةٌ ہتھیار۔ رُماة (واحد) رَامٍ تیرانداز۔ سهم (ج) سِهَامٌ تیر۔ رشقوا رَشَقَ (ن) رَشْقًا تیر مارنا۔ رَشقا تیر، تیر پھینکنے کی بڑی کمان۔ استنصر (استفعال) فتح کی دعا مانگنا۔ البأس لڑائی، جنگ کی شدت، بَؤُسَ (ك) بَأْسًا مضبوط و سخت ہونا، بہادر ہونا۔ یحاذی حَاذَاهُ (مفاعلة) مُحَاذَاةً مقابل ہونا، برابر ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو اسحاق سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت براء بن عازبؓ سے کہا اے ابوعمارہ! کیا تم لوگ غزوۂ حنین میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز پشت نہیں پھیری، صرف اتنا ہوا کہ آپؐ کے کچھ نوجوان صحابہ بھی نکل پڑے تھے، اُن کے پاس زیادہ ہتھیار بھی نہیں تھے، اچانک اُن کا ایسی تیرانداز قوم سے مقابلہ ہو گیا، جس کا کوئی تیر زمین پر نہیں گرتا تھا، تو انھوں نے اِن نوجوان صحابہ پر بے خطا تیر برسائے، اس وقت وہ دشمن سے ہٹ کر حضورؐ کے پاس آ گئے اور آپؐ اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن حارث خچر کی لگام پکڑے آگے تھے، آپؐ خچر سے اترے اور اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا کی

اور فرمایا کہ میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ کی صف بندی فرمائی۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور امام بخاریؒ نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے، ان دونوں کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم! جب جنگ بہت سخت ہو جاتی؛ تو ہم آپؐ کے پاس آ کر پناہ لیتے تھے، اور ہم میں سب سے بہادر وہ شخص شمار کیا جاتا تھا جو آپؐ کے برابر کھڑا ہوتا تھا۔

**خلاصۂ حدیث** اس میں آپ کی بہادری اور آپ کی دعا کی قبولیت کا خصوصی طور پر ذکر ہے جو کہ آپ کا معجزہ ہے، حضرت براء نے واضح کر دیا کہ جب مسلمان سراسیمہ ہو کر بھاگے تو آپؐ نے راہِ فرار اختیار نہیں کی، آپ کمالِ بہادری کے ساتھ ڈٹے رہے۔

**کلماتِ حدیث کی تشریح** قال رجل للبراء ایک آدمی نے حضرت براء بن عازبؓ سے کہا، مغازی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی قبیلۂ قیس کا کوئی فرد تھا، چنانچہ مغازی کی روایت میں یوں آتا ہے: وسأله رجل من قیس: فررتم یوم حنینٍ، کیا آپ لوگ غزوۂ حنین میں رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ حدیث باب میں مذکور سوال، وجواب غزوۂ حنین سے متعلق ہے۔ جس میں نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ کے مقابل ہوازن اور ثقیف قبائل کے چوبیس ہزار نوجوان تھے اور یہ غزوہ وادیٔ حنین میں لڑا گیا تھا، اس غزوے میں اول وہلہ میں مسلمان مخالف قبائل کی تیراندازی سے گھبرا کر تتر بتر ہو گئے تھے اور صرف چند صحابہؓ ہی آپؐ کے ساتھ رہ گئے تھے، اس غزوے کی مکمل تفصیل گذر گئی ہے۔ لا ما ولی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت براءؓ فرماتے ہیں لیکن رسول اللہؐ فرار نہیں ہوئے تقدیری عبارت یہاں اس طرح ہے نحن فررنا ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یفر کہ ہم تو فرار ہو گئے تھے لیکن نبی کریمؐ فرار نہیں ہوئے۔ اور حضرت براءؓ کا مقصد اس حذف عبارت سے صحابہ کرامؓ کے فرار ہونے کی تصریح نہ کرنا تھا۔ (عمدۃ القاری، ص ۱۵۷ ج ۱۴)

**انبیاء کرام علیہم السلام کا میدانِ جنگ سے فرار ہونا ممکن نہیں:** حضرت براءؓ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہؐ نے حنین سے راہِ فرار اختیار نہیں کی تھی، چنانچہ نبی علیہ السلام کی پوری زندگی اس پر دلیل ہے، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کی یہی شان تھی کہ وہ میدان جنگ سے کبھی فرار نہیں ہوئے کیونکہ وہ اقدام میں بے نظیر، شجاعت میں بے مثال ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے وعدۂ نصرت پر انہیں کامل یقین ہوتا ہے اور یہ حضرات شہادت کے اور اللہ کے ساتھ ملاقات کے متمنی ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کے حق میں میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنا ثابت نہیں اور جو شخص اس بات کا قائل ہو اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ اس کا یہ قول ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ آپؐ کالے اور عجمی تھے، جب کہ آپؐ کا کالا اور عجمی نہ ہونا دلالت قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور یہ قول کفر ہے چنانچہ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں "وحکی عن بعض اصحابنا الاجماع علیٰ قتل من أضاف إلیه صلی اللہ علیه وسلم نقصًا أو عیبًا، وقیل: یستتاب فإن تاب وإلا قتل" یعنی ہمارے بعض اصحاب سے یہ اجماع نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نبی کریمؐ کی طرف کسی نقص یا عیب کو منسوب کرے تو اسے قتل کیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر توبہ کرتا ہے تو اچھی بات ہے، ورنہ اسے قتل کیا جائے گا۔ علامہ ابن بطالؒ ایسے شخص (جو حضورؐ کے منہزم ہونے کا قائل ہو) کے قتل کیے جانے کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "لأنه کافر، إن لم یتأول، ویعذر بتأویله" "یعنی اس لیے کہ وہ شخص کافر ہے، اگر وہ اپنے قول کی تاویل نہ کرے، اور اگر وہ اس بات کا قائل کسی نص کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی تاویل کرتے ہوئے ہوا ہو، تو ایسی تاویل کرنے پر معذور سمجھا جائے گا اور کافر قرار نہیں دیا جائے گا" اور نبی کریمؐ کے بارے میں یہ تصور ہی کیوں کر کیا

جاسکتا ہے کہ آپؐ میدان چھوڑ جائیں گے، چنانچہ ایک روایت میں حضرت براءؓ ہی کے الفاظ ہیں: "قال البراء: كنا والله، إذا احمر البأس نتقي به، وإن الشجاع منا للذي يحاذي به" يعني النبي صلى الله عليه وسلم. "حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ بخدا! ہم لوگ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی تو آپؐ ہی کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے تھے اور ہم میں بڑا بہادر وہی سمجھا جاتا جو آپؐ کے نقشِ قدم پر چلتا" قوما رماۃ یہاں مذکورہ بالا عبارت میں حضرت براءؓ نے صحابہ کرامؓ کے میدان جنگ کو چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے کی علت بتلائی ہے کہ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ہوازن کے لوگ تیراندازی کے ماہر تھے، اس کے باوجود جب ہمارا ان سے آمنا سامنا ہوا اور خوب لڑائی ہوئی تو وہ لوگ بھاگ نکلے، مسلمان یہ سمجھے کہ فتح ہوگئی ہے، دشمن کے لوٹ کر آنے کا اب امکان نہیں، اس لیے وہ غنائم کے جمع کرنے میں مشغول ہوگئے، کفار نے موقع غنیمت جانا اور دوبارہ حملہ کردیا اور خوب تیر برسائے، جس سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، چنانچہ وہ بھاگ نکلے اور اپنی جگہوں کو چھوڑ دیا۔ جب آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ۱۰ ہزار کا لشکر ساتھ تھا، فتح مکہ کے بعد جب حنین تشریف لے گئے تو بہت سے افراد جو فتح کے بعد مسلمان ہوگئے تھے وہ بھی غزوہ حنین میں شامل ہوگئے، ہوازن نے جب دوبارہ حملہ کیا اور تیروں کی بارش کردی تو اس اچانک افتاد سے طلقائے فتح مکہ میں بھگدڑ مچ گئی، یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے، اس کے نتیجے میں صحابہؓ میں بھی فرار کی کیفیت پیدا ہوئی، بعد میں حضورؐ نے جب واپس بلایا تو حضرات صحابہؓ واپس آگئے اور اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔ (کشف الباری)

**تعارض:** حضرت براءؓ کی حدیث اور حضرت عباسؓ کی گذشتہ حدیث میں بظاہر تعارض ہے؛ تعارض یہ ہے کہ حضرت عباسؓ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں: ولّی المسلمون مدبرين یعنی مسلمان پشت پھیر کر بھاگ گئے اور حضرت براءؓ کی روایت میں ہے فاقبلوا هنالك الى رسول الله صلى الله عليه وسلم یعنی وہ ہٹ کر حضورؐ کے پاس آگئے، تو دونوں تعبیروں میں تضاد معلوم ہوتا ہے؟

**جواب:** اس تضاد کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو ایسا ہی معلوم ہوا کہ مسلمان دشمنوں کی تیراندازی سے گھبرا کر بھاگ رہے ہیں، لیکن جب آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت عباسؓ نے آپؐ کے حکم سے ان کو پکارا تو وہ آپ کی طرف متوجہ ہوگئے اور آپؐ کے پاس آکر جمع ہوگئے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت عباسؓ کی روایت میں ابتدائی حالت کا ذکر ہے اور حضرت براءؓ کی روایت میں بعد کی حالت کا ذکر ہے۔ على بغلته البيضاء حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا اور آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔ آپ کا خچر پر سواری کی حالت میں آگے بڑھنا اور پھر مشرکین کے مجمع کی طرف جانا شجاعت و بہادری کی حیرت انگیز مثال ہے۔ پھر جب آپؐ اسی حالت میں سواری سے اتر آئے تو شجاعت کی اور بھی اعلیٰ وارفع مثال قائم ہوئی۔ نیز آپؐ کے اس فعل سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اللہ کے راستے میں اپنے نفس کو ہلاکت اور شدت (سختی) میں ڈالنا جائز ہے؛ کیوں کہ غزوہ حنین کے موقع پر تمام صحابہؓ سوائے بارہ صحابہ کے سب کے سب بھاگ گئے تھے اور مشرکین کی تعداد ان سے دوگنا سے زیادہ تھی، لیکن اس کے باوجود یہ حضرات اپنی اپنی جگہوں اور صفوں پر جمے رہے اور ضرورت کے وقت فرار کی جو رخصت ہے اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔ وابو سفيان بن الحارث يقوده اور ابوسفیانؓ خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ "ابو سفیان" سے مراد ابوسفیان بن الحارثؓ ہیں، اور اس بات کی تصریح بخاری میں کتاب المغازی کی روایت میں بھی موجود ہے: "وإن أبا سفيان بن الحارث آخذ بزمامها"۔

**حضرت ابوسفیان بن الحارثؓ:** یہ آپؐ کے رضاعی اور چچازاد بھائی حضرت ابوسفیان مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم ہاشمی ہیں۔ انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا تھا۔ اور بعض حضرات نے مغیرہ ان کے بھائی کا نام قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا اسم گرامی ہے۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن مبارک اور ابراہیم بن منذر، علامہ کلبی اور زبیر رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ مغیرہ ان ہی کا نام ہے۔ ان کی والدہ غزیہ بنت قیس بن ظریف بن عبدالعزی ہیں۔ یہ شاعر تھے صحابہؓ اور نبی کریمؐ کی ہجو کیا

کرتے تھے، اسلام اور اہل اسلام کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے، مسلسل بیس سال تک اپنی اس روش پر قائم رہے اور مسلمانوں کے خلاف قریش نے جتنی جنگیں لڑیں، ان سب میں قریش کے ساتھ اور مسلمانوں کے خلاف شریک ہوئے، ان کی مسلسل اسلام دشمن سرگرمیوں کی بنا پر آپؐ نے ان کا خون ہدر قرار دیا تھا۔ جب اسلام کا بول بالا ہوا اور نبیؐ نے فتح کے لیے مکہ مکرمہ کا رخ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈالی دی۔ (کشف الباری) أنا النبی لا کذب: أنا ابن عبد المطلب اور آپؐ فرمارہے تھے کہ "میں نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب جیسے بہادر سردار کا بیٹا ہوں (میدان جنگ سے پیچھے ہٹ جانا ہماری شان نہیں)۔"
آپؐ کے مذکورہ بالا قول "أنا النبی لا کذب" میں نبوت محمدی کا اثبات ہے، مطلب یہ ہے کہ میں اپنے قول میں کاذب نہیں ہوں کہ مجھے شکست ہو؛ کیوں کہ شکست اسی کو ہوسکتی ہے جس کو اللہ کی مدد و نصرت پر یقین نہ ہو اور موت کا خوف لاحق ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یقین کامل نبی اور رسولؐ ہی کو ہوتا ہے اور جسے اس درجے کا یقین حاصل ہوا سے شکست نہیں ہوسکتی۔ (حوالہ بالا)

**حدیث نمبر ۲۶۹۲ ﴿کنکریاں پھینکنے کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۹۱**

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِؓ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَوَلّٰى صَحَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ مِّنَ الْأَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهٖ وُجُوْهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ إِنْسَانًا إِلَّا مَلَأَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ وَقَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَائِمَهُمْ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۱۰۱، ج ۲، باب فی غزوة حنین، کتاب الجہاد، حدیث ۱۷۷۷

**حل لغات:** غزونا غزا (ن) غَزْوًا جنگ کرنا، حملہ کرنا۔ غشوا غَشِيَ (س) غَشْيًا فلانًا گھیر لینا۔ قَبْضَة مٹھی بھر چیز۔ قَبَضَ (ض) قَبْضًا ہاتھ پکڑنا، ہاتھ میں لینا۔ تُرَابٌ (ج) اَتْرِبَةٌ مٹی۔ شاهت شَاهَ (ن) شَوْهًا الشَّيءُ برا ہونا، بھلا ہونا۔ هزم (ض) هَزْمًا شکست دینا، ہرانا۔ غنائم (واحد) غَنِيْمَةٌ مالِ غنیمت۔

**ترجمہ:** حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھاگنے لگے اور کافروں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا، تو آپؐ خچر سے اترے اور زمین سے ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لی، پھر اُس خاک کو کافروں کے منہ کی طرف پھینک دیا اور فرمایا "اِن کے چہرے خراب ہوں" تو اللہ تعالیٰ نے ان میں کوئی ایسا انسان پیدا نہیں کیا تھا جس کی دونوں آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے اس ایک مٹھی خاک سے بھر نہ دیا ہو، پھر سارے کافر بھاگ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو شکست دی، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مال کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** غزوۂ حنین کے موقع پر مسلمانوں میں اپنی تعداد کی کثرت کی وجہ سے عجب پیدا ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے جیتی جنگ شکست میں بدل دی اور عام مسلمان بھاگنے لگے، ایسے موقع پر آپؐ نہایت شجاعت کے ساتھ ڈٹے رہے، آپؐ کے ساتھ چند صحابہ بھی جمے رہے، پھر صحابہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور حضورؐ کے بلوانے پر سب اکٹھا ہوئے، یہیں آپؐ کے اس معجزہ کا ظہور ہوا کہ آپؐ نے ایک مٹھی خاک کفار کی طرف پھینکی، جو کہ سب کی آنکھوں میں چلی گئی، اور وہ دہشت زدہ ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور بالآخر مسلمانوں کی بڑی فتح ہوئی اور بہت زیادہ مالِ غنیمت ملا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** شاھت الوجوہ آپ نے مٹھی بھر کنکریاں کافروں کی طرف پھینکیں تو اُن کو شکست ہوگئی، یہاں آپ کے تین معجزے ظاہر ہوئے: (۱) جو مٹھی بھر کنکری کافروں کی طرف پھینکی وہ سب کی آنکھوں میں پہنچ گئی، حالانکہ سب کافر آپ کے سامنے نہیں تھے (۲) تھوڑی سی مٹی سب کی آنکھوں میں پہنچ گئی، حالانکہ کفار بہت بڑی تعداد میں تھے۔ (۳) محض کنکریاں پھینکنے سے کافروں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ بھاگ گئے اور مسلمانوں کو فتح مل گئی، وقسم رسول اللہ ﷺ غنائمھم مسلمانوں کو خوب مال غنیمت ملا، چھ ہزار عورتیں اور بچے قید ہوئے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور دیگر ساز وسامان کفار سے حاصل ہوا۔ اس حدیث سے متعلق مزید معلومات کے لیے عالمی حدیث ۵۸۸۸تا۵۸۹۰ دیکھیں۔

**حدیث نمبر۲۶۹۳ ﴿جہنمی ہونے کی پیشین گوئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۹۲**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهُ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ هٰذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ وَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ الَّذِيْ تُحَدِّثُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ يَرْتَابُ فَبَيْنَمَا هُوَ عَلٰى ذٰلِكَ إِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ أَلَمَ الْجِرَاحِ فَأَهْوٰى بِيَدِهِ إِلٰى كِنَانَتِهِ فَانْتَزَعَ سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهَا فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَدَّقَ اللّٰهُ حَدِيْثَكَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ وَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ يَا بِلَالُ قُمْ فَأَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَإِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص۴۳۰ ج۱، باب ان اللہ یؤید الدین بالرجل الفاجر، کتاب الجھاد، حدیث۳۰۶۲

**حل لغات:** الجراح زخم جَرِحَ (س) جَرْحًا زخمی ہونا۔ یرتاب (افتعال) شک کرنا۔ الم (ج) آلام تکلیف، اَلِمَ (س) اَلَمًا تکلیف ہونا، درد ہونا۔ اھوی (إفعال) بیدہ لِلشَّيءِ کسی چیز کے لیے ہاتھ بڑھانا۔ کِنَانَة (ج) کَنَائِنُ تیر رکھنے کا چمڑے کا تھیلا، ترکش۔ انتحر (افتعال) اِنْتِحَارًا الرَّجُلُ خودکشی کرنا۔ اشتد (افتعال) اِلیٰ احدٍ تیز دوڑنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے، تو آپ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جو اسلام کا دعویدار تھا کہ یہ شخص جہنمی ہے، پس جب جنگ شروع ہوئی تو یہ آدمی بہت سخت لڑائی لڑا اور اس کو بہت زخم آئے، تو ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ذرا دیکھئے یہ شخص جس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے اس نے بہت سخت قتال کیا اور اس کو بہت سے زخم آئے ہیں، تو آپ نے فرمایا سنو وہ شخص جہنمی ہے، پس کچھ لوگوں کو شک سا ہونے لگا، تو اچانک اس شخص نے زخموں میں شدید تکلیف محسوس کی اور ہاتھ ترکش کی طرف بڑھا کر ایک تیر نکالا اور اسی سے خودکشی کر لی، بہت سے لوگ حضور کی طرف دوڑ پڑے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کا فرمایا ہوا سچ کر دیا، فلاں نے خودکشی کر لی تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ اے بلال! اٹھو اور اعلان کرو کہ جنت میں صرف ایمان والا داخل ہوگا اور بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کو فاجر آدمی کے ذریعہ بھی تقویت دیتا ہے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی آپ کے ایک معجزہ کا ذکر ہے، آپ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں جو اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہا تھا بتایا کہ یہ جہنمی ہے، چنانچہ اس نے میدانِ جنگ میں خودکشی کر لی اور حرام موت مرا، ممکن ہے اس نے

خودکشی کو حلال سمجھا ہو اور یوں وہ جہنمی ہو گیا، آپؐ کو بذریعہ وحی اس کا انجام پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

شهدنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حنينا یہاں صراحت ہے کہ ابو ہریرہؓ جس غزوہ کی بات کر رہے ہیں وہ حنین ہے، جب کہ بخاری میں کتاب المغازی میں ہے "شهدنا خيبر" صحیح بات یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ خیبر میں آپؐ کے پاس اس وقت آئے تھے، جب جنگ خیبر ختم ہو چکی تھی، اس لیے شعیب اور معمر کی روایت میں جو خیبر کا لفظ آیا ہے، اس میں شبہ رہتا ہے، امام بخاریؒ نے شعیب اور ابن مبارک کی روایتوں سے یہ ثابت کیا کہ ان میں بجائے خیبر کے حنین کا لفظ مذکور ہے۔ (ملخص نصر الباری) یہ بھی ممکن ہے اس طرح کا واقعہ دونوں موقعوں پر پیش آیا ہو۔ رجل ممن يدعى الاسلام ایک شخص کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ جہنم میں جائے گا، اس شخص کا نام قزمان تھا۔

**سوال:** یہ شخص مومن تھا یا منافق؟

**جواب:** اس بارے میں اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات کے نزدیک وہ مومن تھا، اس کو دوزخی اس لیے کہا گیا کہ اس نے خودکشی کی اور خودکشی بہت بڑا گناہ ہے، یہ اپنے گناہ کی وجہ سے جہنم میں جائے گا، لیکن سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہوگا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ منافق تھا، لہٰذا ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ فكاد بعض الناس يرتاب جب وہ اہل اسلام کی طرف سے بہادرانہ لڑ کر زخمی ہوا اور بظاہر اس کے مرجانے کا یقین بھی ہوا، تو بعض صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سے متعلق تذبذب میں مبتلا ہو گئے، کیوں کہ اُن کے خیال میں مسلمانوں کی طرف سے لڑتے ہوئے دادِ شجاعت دے کر وہ شہادت کا مرتبہ پا چکا تھا۔ فانتحر جب رات ہوئی تو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے خودکشی کر لی۔

**تعارض:** اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تیر اپنے سینہ میں پیوست کر کے خودکشی کی، جب کہ بخاری کتاب المغازی میں روایت کے الفاظ ہیں "فاستعجل الموت فوضع سيفه بالارض وذبابه بين ثدييه" (اس نے چاہا کہ جلدی موت آجائے چنانچہ اس نے اپنی تلوار زمین پر گاڑی اور اس کی نوک اپنے سینہ کے مقابل کر کے اپنی تلوار پر گر پڑا اور خودکشی کر لی۔) تو ایک روایت میں تیر سے خودکشی کا ذکر ہے، جب کہ دوسری میں تلوار کا ذکر ہے، یہ تو بظاہر تعارض ہے؟

**جواب:** ممکن ہے پہلے اس نے تیر کے ذریعہ اپنے کو ختم کرنے کی کوشش کی ہو، جب تیر سے فوری طور پر نہ مرسکا ہو تو تلوار کے ذریعہ خودکشی کر لی ہو۔

خودکشی بلاشبہ حرام ہے، لیکن حرام کے ارتکاب سے کافر اور جہنمی ہونا لازم نہیں آتا ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ یہ شخص منافق ہو، یعنی دل میں کفر و نفاق ہو اور ظاہر میں مسلمان بنا ہو، جس کی اطلاع آپ کو وحی سے ہوئی ہو، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے خودکشی کے وقت خودکشی کو جائز سمجھا ہو، یا پھر آپ کا یہ ارشاد بطور زجر و توبیخ ہو۔ (نصر الباری) ثم امر بلالا یہاں روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اعلان کا حکم دیا جب کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے قم يا ابن خطاب اسی طرح بیہقی کی روایت میں ہے کہ اعلان عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کیا تھا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تینوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں ممکن ہے ایک ہی اعلان مختلف مقامات پر ان سب نے کیا ہو۔ (فتح الباری، ص۶۰۳ ج۷) وان الله ليؤيد الدين بالرجل الفاجر اللہ تعالیٰ اس دین کی تقویت اور تائید کا کام فاجر آدمی سے بھی لے لیتا ہے یہ حدیث بظاہر صحیح مسلم کی اس روایت کے معارض ہے جس میں ہے "فلن استعين بمشرك" آپؐ نے فرمایا کہ میں ہرگز کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا، لیکن دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں، علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ رسولؐ نے لن استعين بمشرك جس موقع پر ارشاد فرمایا تھا وہ اسی موقع کے ساتھ خاص تھا، دوسرے یہ کہ صحیح

مسلم کی روایت میں مشرک کی تصریح ہے، اس سے مسلمان فاجر مراد نہیں ہے جب کہ صحیح بخاری کی روایت باب میں فاجر مسلم کا ذکر ہے، لہٰذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

## جهاد میں کفار و مشرکین سے مدد لینے کا حکم

**امام مالک و امام احمد کا مذهب و دلیل:** امام مالکؒ، علامہ بن منذر اور علامہ جوز جانی رحمہم اللہ کے نزدیک مشرک سے مدد لینا جائز نہیں، ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے، ان حضرات کا استدلال صحیح مسلم کی روایات لن استعین بمشرك سے ہے اس میں مشرک سے مدد لینے کی ممانعت ہے۔

**امام اعظم و امام شافعی کا مذهب اور دلائل:** ان حضرات کے نزدیک مشرکین سے چند شرائط کے ساتھ مدد لینا جائز ہے۔ ان حضرات کی پہلی دلیل حدیثِ باب ہے، ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے بنو قریظہ کے خلاف یہود بنو قینقاع سے مدد لی تھی، ان کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ حنین میں مسلمانوں کی حمایت میں لڑنے کی درخواست کی جو آپؐ نے منظور کر لی تھی، چنانچہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ جنگ حنین و طائف میں مسلمانوں کی حمایت میں لڑے تھے، حالاں کہ اس وقت وہ اسلام نہیں لائے تھے، آپ نے حنین میں صفوان بن امیہ سے اسلحۂ جنگ مستعار مانگے، انہوں نے سو زرہیں اور دیگر لوازمات پیش کیے، اسی طرح سنن سعید بن منصور میں امام زہری کی ایک مرسل روایت میں بھی تصریح ہے کہ آپؐ نے یہود سے مدد لی تھی۔

**اهل شرک سے مدد لینے کے شرائط:** (۱) مشرک اہل اسلام کے بارے میں مثبت اور دوستانہ رائے رکھتے ہوں، ان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف بغاوت یا دھوکہ وفریب کا اندیشہ نہ ہو۔ (۲) مسلمانوں کو حقیقتاً اہل شرک کے تعاون کی ضرورت ہو، استغنا اور ضرورت نہ ہونے کی صورت میں غیر مسلم سے تعاون حاصل کرنا جائز نہیں۔ (۳) مشرکین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جمعیت زیادہ ہو تاکہ ان کی حمایت میں لڑنے والے مشرک اگر سازش کے تحت بغاوت کر کے ہم مذہب جماعت سے جا ملیں، تو ایسی صورت میں اہل اسلام کے لیے ان کے خلاف خروج کرنا ناممکن نہ رہے۔

**امام مالک اور علامه ابن منذر وغیره کے استدلال کا جواب:** ان حضرات کا استدلال صحیح مسلم کی روایت میں لن استعین بمشرك سے تھا، شارحین نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں: (۱) امام شافعیؒ نے اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ صحیح مسلم کی یہ روایت بعد کی روایات سے منسوخ ہے؛ کیوں کہ یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی، بعد میں غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ نے یہود بنو قینقاع سے اور غزوۂ حنین میں صفوان بن امیہؓ سے مدد لی تھی، ان واقعات سے غزوۂ بدر والی صحیح مسلم کی مذکورہ روایات منسوخ ہوگئی۔ (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس موقع پر لن استعین بمشرك فرمایا تھا اسی موقع کے ساتھ خاص تھا۔ (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ احادیث سے چوں کہ جواز اور عدم جواز دونوں ثابت ہیں اس لیے امام کو اختیار ہے مصلحت کا جو مقتضی ہو اسی پر عمل کرے۔ (۴) بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایک مشرک سے متعلق تھا جو مسلمان کی حمایت میں لڑنے کے لیے مسلسل اصرار کر رہا تھا، چونکہ آپ کو فراست نبویہ کے ذریعہ اس کے دل میں اسلام کی طرف رغبت کا ادراک ہو گیا تھا، اس لیے آپؐ نے مصلحتاً "لن استعین بمشرك" فرما کر اس کی طرف سے تعاون کی پیش کش اس امید پر مسترد کر دی کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ اسلام لا کر ہی لڑے اور ایسا ہی ہوا۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ٤٢٦٩ ﴿جادو کرنیوالے اور جادو سے واقف ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ٥٨٩٣**

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُحِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ فَعَلَ الشَّيْءَ وَمَا

فَعَلَهُ حَتّٰى إِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ عِنْدِيْ دَعَا اللّٰهَ وَدَعَاهُ ثُمَّ قَالَ أَشَعَرْتِ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَفْتَانِيْ فِيْمَا اسْتَفْتَيْتُهُ جَاءَنِيْ رَجُلَانِ جَلَسَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِيْ وَالْاٰخَرُ عِنْدَ رِجْلِيْ ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ مَا وَجَعُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوْبٌ قَالَ وَمَنْ طَبَّهُ قَالَ لَبِيْدُ بْنُ الْأَعْصَمِ الْيَهُوْدِيُّ قَالَ فِيْمَاذَا قَالَ فِيْ مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ قَالَ فَأَيْنَ هُوَ قَالَ فِيْ بِئْرِ ذَرْوَانَ فَذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ إِلَى الْبِئْرِ فَقَالَ هٰذِهِ الْبِئْرُ الَّتِيْ أُرِيْتُهَا وَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُءُوْسُ الشَّيَاطِيْنِ فَاسْتَخْرَجَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۴۸۲ ج۱، باب صفة ابلیس و جنوده، کتاب بدء الخلق، حدیث ۳۲۶۸، مسلم، ص۲۲۱ ج۲، باب السحر، کتاب السلام، حدیث ۲۱۸۹

**حل لغات:** یخیل مضارع مجہول، الیه انه کذا، اسے ایسا خیال ہوتا ہے کہ فلاں چیز ایسی ہے، (تفعیل) کسی کو کسی چیز کا خیال دلانا۔ شعرت واحد مؤنث حاضر ماضی، کیا تجھے معلوم ہے، شَعَرَ (ن) شعورًا بشیءٍ جاننا، محسوس کرنا۔ أَفْتَا (افعال) بتانا، فی المسألۃِ شرعی حکم بیان کرنا، قانونی رائے دینا۔ استفتیت واحد متکلم ماضی، (استفعال) اِسْتِفْتَاءٌ معلوم کرنا، شرعی حکم یا رائے دریافت کرنا۔ وَجع تکلیف، دکھ درد، (ج) اَوْجَاعٌ، وَجِعَ (س) یَوْجَعُ وَجْعًا دکھی ہونا، تکلیف محسوس کرنا، فُلان رَأْسَهُ وَبَطْنَهُ سر اور پیٹ کے درد میں مبتلا ہونا۔ مطبوب مفعول ہے، ''مسحور'' کے معنی میں، سحر زدہ، جس پر جادو کر دیا گیا ہو۔ طَبَّ (ن) طَبًّا علاج کرنا، دوا دارو کرنا، یہاں سحر کرنا مراد ہے۔ مُشْط کنگھی، (ج) مَمَاشِطُ، مَشَطَ (ن) مَشْطًا الشَّعْر بالوں میں کنگھی کرنا۔ مُشَاطَة کنگھی سے گرے ہوئے بال۔ جف (ج) جُفُوْفٌ ہر کھوکھلی چیز، کھجور کے خوشوں کی تھیلی۔ طلعة کھجور کا شگوفہ، گابھا۔ نقاعة کوئی چیز بھگونے کا پانی، نَقْعُ البئرِ سیرابی سے پہلے کنویں میں اکٹھا ہونے والا پانی، (ج) نِقَاعٌ۔ الحناء مہندی کے پتے (واحد) حِنَّاءَةٌ۔ نَخْل (واحد) نَخْلَةٌ کھجور کا درخت۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا گیا، یہاں تک کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپؐ نے کام کر لیا ہے، حالاں کہ وہ کام آپؐ نے کیا نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ ایک دن جب آپؐ میرے پاس تھے، آپؐ نے اللہ سے دعا کی اور پھر دعا کی، اس کے بعد مجھ سے فرمایا اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ بات بتلا دی جو میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھی تھی، میرے پاس دو آدمی آئے، اُن میں سے ایک میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف، پھر اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اِن صاحب کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرا بولا ان پر سحر کیا گیا ہے۔ پہلا بولا کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے بتایا کہ لبید بن اعصم یہودی نے۔ اس نے کہا کس چیز میں؟ دوسرے نے کہا کنگھی میں، کنگھی سے جھڑ جانے والے بالوں میں اور نر کھجور کے خوشہ کے خول میں، پہلے نے کہا کہ یہ چیزیں کہاں ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا ذروان کنویں میں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے کچھ کے ساتھ اُس کنویں پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ یہی کنواں مجھ کو دکھایا گیا ہے، اس کنویں کا پانی مہندی کی طرح سرخ تھا اور کھجور کے وہ خوشے ایسے تھے جیسے وہ شیطانوں کے سر ہوں، چنانچہ آپؐ نے اُن سب چیزوں کو کنویں سے نکال لیا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** ذی الحجہ ۶ھ میں جب آپ صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ تشریف لائے تو آپؐ پر یہودیوں کی طرف سے جادو کیا گیا، واقعہ یوں ہوا کہ لبید بن اعصم یہودی نے ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر اس کو ایک کنگھی کے دندانوں میں پھنسایا، پھر اس کو کھجور کے خوشہ میں ڈال کر ذروان کنویں میں رکھ دیا، اس جادو کا اثر آپؐ پر اس طرح ہوا کہ آپؐ پر نسیان کا غلبہ ہو گیا،

مثلاً آپؐ کے خیال میں یہ بات آتی کہ میں نے فلاں کام کرلیا، حالاں کہ آپؐ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا، اسی طرح کوئی کام کیا ہوتا تھا، لیکن خیال ہوتا تھا کہ وہ کام نہیں کیا ہے، یہ صورت حال ہوئی تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی اور مسلسل التجا کرتے رہے، چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور دو فرشتے خواب میں نظر آئے اور انھوں نے آپ کو ساری صورت حال بتلادی، جب سحر اور اس کی جگہ کا انکشاف ہوگیا، تو آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کو یہ چیزیں نکالنے کے لیے بھیجا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپؐ خود بھی تشریف لے گئے، چنانچہ وہ چیزیں وہاں سے نکالی گئیں، ادھر حضرت جبرئیلؑ معوذتین لے کر نازل ہوئے، جن میں گیارہ آیتیں ہیں، آپؐ ہر گرہ پر ایک آیت پڑھ کر ایک ایک گرہ کھولتے رہے، یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپؐ سے بوجھ اتر گیا اور آپ کو شفا مل گئی۔ (ملخص جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح**

سحر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوگیا۔

**سوال:** کیا انبیاء کرام پر بھی جادو عام انسانوں کی طرح ہوتا ہے؟

**جواب:** جو لوگ سحر کی حقیقت سے ناواقف ہیں اُن کو تعجب ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر کیسے ہوسکتا ہے؟ حالاں کہ یہ بات سمجھنا چاہئے کہ سحر کا اثر بھی اسباب طبعیہ کا اثر ہوتا ہے، جیسے آگ سے جلنا، بعض اسباب طبعیہ سے بخار آجانا یا مختلف قسم کے درد و امراض کا پیدا ہوجانا ایک امر طبعی ہے، جس سے پیغمبر و انبیا مستثنیٰ نہیں ہوتے، سحر و جادو کا اثر بھی اسی قسم سے ہے، اس لیے یہ کوئی بعید بات نہیں۔

انه فعل الشئ و ما فعله جادو کا اثر دنیوی معاملات میں تھا، دینی معاملہ میں اس کا کوئی اثر نہیں تھا، جادو کی وجہ سے آپؐ پر نسیان کا غلبہ ہوگیا تھا۔ مطبوب اِن پر جادو کیا گیا ہے 'مطبوب اور طب' بمعنی علاج معالجہ ہے، جادو کو طب بطور تفاؤل کہا گیا ہے، کہ اس کا علاج گویا ہوگیا ہے، جس طرح سانپ کے ڈسے ہوئے کو سلیم کہتے ہیں، یعنی محفوظ ہے۔

**سوال:** آپؐ پر جادو کس نے کیا تھا؟

**جواب:** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جادو لبید بن اعصم نے خود کیا تھا، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لبید کی بیٹیوں نے جادو کیا تھا، اور یہاں لبید سے مراد اس کی بیٹیاں ہیں، قرآن مجید کی آیت "ومن شر النفّٰثٰتِ فِی العُقَد" (اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں) سے بھی ثابت ہورہا ہے کہ جادو کرنے والی عورتیں ہیں۔ ممکن ہے اصل محرک لبید ہو، لیکن اس نے کام اپنی بیٹیوں سے کرایا ہو، اسی وجہ سے قرآن میں جادو کی نسبت اس کی بیٹیوں کی طرف کی گئی ہے اور اس حدیث میں جادو کا ذمہ دار لبید کو قرار دیا ہے۔ فی مشط نر کھجور کا پھول لے کر اس کے ٹکڑے مادہ کے پھول میں داخل کرتے ہیں، جادوگر نے نر کے پھول کا ٹکڑا لیا، اور کنگھی نیز گرے ہوئے بال کھجور کے خوشہ کی تھیلی میں رکھے اور اس پر جادو کیا اور اسے کسی برتن میں رکھ کر ذروان کنوئیں میں جو بیکار کنواں تھا جس میں گندہ پانی تھا اس کے بیچ میں رکھ دیا اور اس پر بڑا پتھر رکھ دیا، آپؐ چند صحابہؓ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے، آپؐ نے دیکھا کہ اس کے پانی کا رنگ مہندی کے پانی کے جیسا ہے اور اس کنویں پر ایک کھجور کا درخت تھا، اس کی شاخیں سانپ کے سر جیسی خطرناک تھیں، سانپ کا سر اس کے جسم سے پتلا ہوتا ہے تو یہ بدشکل اور بدنما ہونے میں تشبیہ ہے۔ (تحفۃ القاری) طلعة ذکر شگوفے نر کھجور کے درخت میں بھی ہوتے ہیں اور مادہ میں بھی ہوتے ہیں، نر کھجور کو جادو میں استعمال کیا گیا، اس بات کو بتانے کے لیے "ذکر" کا الگ سے ذکر کیا۔

امام ثعلبیؒ کی روایت ہے کہ ایک لڑکا آپ کی خدمت میں رہتا تھا، اس یہودی نے اس کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کنگھا یا اس کے کچھ دندانے اس سے حاصل کرلیے اور پھر اسی سے جادو کیا۔ (ملخص معارف القرآن)

صحابہؓ کی فرمائش کے باوجود آپؐ نے یہودی کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی، آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کی تکلیف کا سبب بنوں۔ اس حدیث میں فرشتوں کا آکر آپؐ کی بیماری بتلانا، پھر اس کنویں کی نشاندہی کرنا

ایک قسم کے معجزہ کا ظہور تھا، پھر معوذتین کا نازل ہونا اور آپ کا شفا پانا یہ دوسری قسم کے معجزہ کا ظہور تھا۔ (مرقات، توضیحات)

**سوال:** آپ پر جدو کا اثر کتنے دن رہا؟

**جواب:** تین قسم کی روایات ہیں: (۱) چالیس دن تک اثر باقی رہنے کا ذکر ہے۔ (۲) چھ ماہ تک اثر باقی رہا۔ (۳) ایک سال تک اثر رہا۔ ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ، اثر کی شدت چالیس دن تک رہی، کچھ علامتیں چھ ماہ تک باقی رہیں اور معمولی اثر ایک سال تک رہا۔ معتزلہ نے آپ پر سحر کا انکار کیا ہے، یہ ان کے باطل عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے، اور قرآن وحدیث سے انحراف کی ایک بڑی دلیل ہے، انبیاء کرام انسان ہیں، لہٰذا جو بیماری کسی عام انسان کو متاثر کرسکتی ہے، اس سے انبیا بھی متاثر ہوسکتے ہیں، البتہ انبیاء کرام کسی ایسی بیماری کا شکار نہیں ہوتے جو انسان کے لیے شرم کا باعث یا حقارت کا سبب ہو۔

**حدیث نمبر ۲۶۹۵ ﴿خوارج کے بارے میں پیشین گوئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۹۴**

وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْسِمُ قَسْمًا أَتَاهُ ذُو الْخُوَيْصِرَةِ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِعْدِلْ فَقَالَ وَيْلَكَ فَمَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَّمْ أَكُنْ أَعْدِلُ فَقَالَ عُمَرُ اِئْذَنْ لِيْ أَضْرِبَ عُنُقَهُ فَقَالَ دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يُحَقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ يُنْظَرُ إِلٰى نَصْلِهِ إِلٰى رُصَافِهِ إِلٰى نَضِيِّهِ وَهُوَ قِدْحُهُ إِلٰى قُذَذِهِ فَلَا يُوْجَدُ فِيْهِ شَيْءٌ قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ اٰيَتُهُمْ رَجُلٌ أَسْوَدُ إِحْدٰى عَضُدَيْهِ مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ وَيَخْرُجُوْنَ عَلٰى خَيْرِ فِرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ أَشْهَدُ أَنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا الْحَدِيْثَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَشْهَدُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ قَاتَلَهُمْ وَأَنَا مَعَهُ فَأَمَرَ بِذٰلِكَ الرَّجُلِ فَالْتُمِسَ فَأُتِيَ بِهِ حَتّٰى نَظَرْتُ إِلَيْهِ عَلٰى نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ نَعَتَهُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ أَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ نَاتِئُ الْجَبْهَةِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ مَحْلُوْقُ الرَّأْسِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِتَّقِ اللّٰهَ فَقَالَ فَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ إِذَا عَصَيْتُهُ فَيَأْمَنُنِيَ اللّٰهُ عَلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ وَلَا تَأْمَنُوْنِيْ فَسَأَلَ رَجُلٌ قَتْلَهُ فَمَنَعَهُ فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِيْ هٰذَا قَوْمًا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَيَقْتُلُوْنَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدَعُوْنَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۷۱ ج ۱، باب قول اللّٰہ تعالیٰ والیٰ عاد اخاهم هودا، کتاب الانبیاء، حدیث ۳۳۴۴، مسلم، ص ۳۴۳ ج ۱، باب ذکر الخوارج وصفاتهم، کتاب الزکاۃ، حدیث ۱۰۶۴

**حل لغات:** يقسم قَسَمَ (ض) قَسْمًا الشَّيْءَ تقسیم کرنا۔ خبت خَابَ (ض) خَيْبَةً محروم رہنا، ناکام ونامراد ہونا۔ خسرت خَسِرَ (س) خَسْرًا تجارت میں گھاٹا ہونا، نقصان اٹھانا، ناکام ہونا۔ ائذن امر حاضر، اجازت دیجئے، اَذِنَ (س) إِذْنًا لِأَحَدٍ بكذا کسی بات کی کسی کو اجازت دینا۔ دعه، امر حاضر، وَدَعَ (ف) وَدْعًا أحدًا چھوڑنا۔ يحقر حَقَرَ (ض) حَقْرًا الشَّيْءَ ذلیل وحقیر سمجھنا، ذلیل کرنا۔ يجاوز جَاوَزَ (مفاعله) مُجَاوَزَةً، الطريقَ ونحوه گزر جانا، پار کرنا۔ تراق (واحد) اَلتَّرْقُوَةُ ہنسلی کی ہڈی، مجازًا گلا۔ يمرق مَرَقَ (ن) مُرُوْقًا السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ تیر کا نشانہ کو چیرتے ہوئے دوسری طرف سے تیزی سے نکل جانا، آر پار ہونا، من الدِّين مذہب سے الگ ہوجانا۔ السهم (ج) سِهَام تیر۔ الرَّمية تیر پھینک کر جسے شکار کیا جائے، شکار، (ج) رَمَايَا۔ نصل تیر

اور تیز ے کی انی ( پیکان، پھل ) چھری اور چاقو کا اگلا نوک دار اوہا (ج) نِصَالٌ وأَنْصُلٌ۔ رُصاف وہ تانت جو تیر کے پھل کے داخل کرنے کی جگہ باندھی جاتی ہے (ج) رُصَائِفُ۔ نضی تیر کے پیکان اور پَر کے درمیان کا حصہ (ج) أَنْضِيَةٌ۔ قِدح جوے کا تیر جس پر کبھی لا اور کبھی نعم لکھا ہوتا تھا، بے پَر اور بلا پھل کا تیر (ج) اَقْدَاحٌ وقِدَاحٌ واَقْدُحٌ۔ قذذ (واحد) القُذَّةُ تیر میں لگانے کے لیے تیار کیا ہوا گدھ وغیرہ پرندہ کا پَر۔ سبق (ض) سَبْقًا گذرنا، آگے نکلنا۔ الفرث اوجھ میں بھرا ہوا گوبر، لید (ج) فُرُوثٌ۔ الدم (ج) دِمَاءٌ خون۔ آیات (واحد) آیة نشانی۔ اسود (ج) سِوَادٌ کالا۔ عضدین تثنیہ ہے واحد عَضُدٌ بازو، مونڈھے اور کہنی کے درمیان کا حصہ، ہاتھ (ج) اَعْضَادٌ۔ ثدی پستان (ج) اَثْدٍ وثُدِيٌّ۔ البضعة گوشت کا ٹکڑا، جزء، کچھ حصہ۔ تَدَرْدَرُ پھڑکنا، تھرکنا۔ التمس ماضی مجہول تلاش کیا گیا، اِلْتَمَسَ (افتعال) الشَّيْءَ چاہنا، تلاش کرنا۔ نعت صفت (ج) نُعُوتٌ نَعَتَهُ (ف) نَعْتًا صفت بیان کرنا۔ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ گڑھی ہوئی آنکھیں۔ الجبهة (ج) جَبَهَاتٌ پیشانی، ناتی الجبهة ابھری ہوئی پیشانی۔ کث گھنا (ج) كِثَاثٌ كَثَّ (ض) كَثًّا الشَّعْرُ بالوں کا گھنا ہونا۔ لِحْيَةٌ (ج) لِحًى داڑھی، کث اللحية گھنی داڑھی والا۔ مشرف بلند، اونچا۔ اَشْرَفَ الشَّيْءُ (افعال) بلند ہونا۔ الوجنتين (واحد) الوَجْنَةُ (ج) وَجَنَاتٌ گال، مشرف الوجنتين ابھرے ہوئے رخسار۔ محلوق اسم مفعول مونڈا ہوا، حَلَقَ (ض) حَلْقًا، الرَّأْسَ سر کے بال اتارنا، سرمونڈنا، مَحْلُوقُ الرَّاس سرمونڈا، گنجا۔ ضِئْضِيء اصل نسب (ج) ضَآضِئٌ۔ حَنَاجِر (واحد) حَنْجَرَةٌ گلا، نرخرہ، سانس کی نالی۔ اوثان (واحد) وَثَنٌ بت۔ ادرکت اَدْرَكَ (افعال) اِدْرَاكًا پانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، ایک شخص جس کا نام ذوالخویصرہ تھا اور جو بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا، آنحضرتؐ سے آکر کہنے لگا کہ یارسول اللہ عدل اور انصاف سے کام لیجیے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے میں عدل اور انصاف نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟ اگر میں عدل وانصاف سے کام نہ لوں گا تو یقیناً تو محروم ہو جائے گا اور نقصان میں رہے گا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اجازت دیجیے کہ میں اس کا سر قلم کردوں، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو؛ کیوں کہ کچھ لوگ اس کے تابعدار ہوں گے جن کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو اور جن کے روزوں کے مقابلہ میں تم اپنے روزوں کو حقیر جانو گے، وہ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ جائے گا، اور دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح جب تیر شکار کو چھیدتا اور پار نکل جاتا ہے، تو چاہے اس کے پیکان کو دیکھا جائے چاہے اس کے تانت کو دیکھا جائے، چاہے اس کے پروں کو دیکھا جائے، کہیں بھی کچھ نہیں پایا جاتا، حالاں کہ وہ تیر نجاست اور خون میں سے ہو کر نکلتا ہے، اور ان کے سردار کی علامت یہ ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا آدمی ہوگا جس کے ایک بازو میں عورت کے پستان کے مانند بھرا ہوا گوشت یا گوشت کا ایک ٹکڑا ہوگا جو ہلتا ہوگا اور وہ مسلمانوں کے ایک بہترین طبقہ کے خلاف بغاوت کریں گے، حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے خود یہ حدیث رسول اللہؐ سے سنی ہے اور پھر یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس فرقہ کے لوگوں سے جنگ کی اور میں اس جنگ میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھا، حضرت علیؓ نے اس شخص کو تلاش کرنے کا حکم دیا، چنانچہ مقتولین میں سے تلاش کر کے حضرت علیؓ کے پاس اس شخص کو لایا گیا، تو میں نے دیکھا کہ نبی کریمؐ نے اس کی جو علامت بیان کی تھی وہ اس میں موجود تھی، اور ایک روایت میں آنحضرتؐ کے پاس ذوالخویصرہ کی آمد کے ذکر کے بجائے یوں مذکور ہے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں، پیشانی ابھری ہوئی تھی، داڑھی گنجان تھی، رخسار اٹھے ہوئے تھے اور سر منڈا ہوا تھا، اس شخص نے کہا کہ اے محمد اللہ سے ڈرو، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر میں ہی اللہ کی نافرمانی کروں گا تو پھر کون اللہ کی اطاعت کرے گا؟ مجھ کو اللہ تعالیٰ روئے زمین کے لوگوں میں امین جانتا ہے، صرف تو ہے جو مجھ کو امین نہیں سمجھتا، ایک صحابی نے

آنحضرتؐ سے اس شخص کا سر قلم کردینے کی اجازت چاہی، لیکن آپؐ نے انکو منع فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا اس شخص کی اصل سے ایک قوم نمودار ہوگی، وہ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں جائیگا، اسلام سے وہ لوگ اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے پھر وہ لوگ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو انکی حالت پر چھوڑ دیں گے، اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو اس طرح قتل کردوں جس طرح قوم عاد کے لوگ قتل کئے گئے تھے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** ایک موقع پر آپؐ مالِ غنیمت تقسیم کررہے تھے کہ ایک منافق جس کا خاندانی تعلق بنو تمیم سے تھا آیا اور اس نے آپؐ کی تقسیم پر اعتراض کیا، آپؐ نے صاف فرمادیا کہ میں تو سراپا عدل ہوں اور اگر کسی کو میرے انصاف پر اعتماد نہیں تو وہ خود محروم ہے، اس نے جو گستاخی کی وہ واجب القتل تھی، لیکن آپؐ نے مصلحتاً اس کے قتل سے درگذر کیا، اور آپؐ نے پیشین گوئی فرمائی کہ اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو بظاہر بہت دین دار ہوں گے، لیکن حقیقتاً اُن کے اندر دین کی کوئی رمق نہیں ہوگی، یہ امام برحق اور خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کریں گے اور پھر آپؐ نے اس طبقہ کی بعض جسمانی علامات کا بھی تذکرہ فرمایا، یہ پیشین گوئی فرقۂ خوارج کے بارے میں تھی، حضرت علیؓ کے زمانہ میں ان کا ظہور ہوا، مقام حروراء میں بہت سے خوارج اکٹھا ہوگئے، تب ہی یہ شخص جس کا حدیث باب میں ذکر ہے خارجیوں سے جاملا اور حضرت علیؓ سے جنگ پر اکسایا اور اسی نے فرقۂ خوارج کو منظم کیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **یقسم قسما** آپؐ مالِ غنیمت تقسیم کررہے تھے۔

**سوال:** کس موقع کا مالِ غنیمت تقسیم کررہے تھے؟

**جواب:** بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ حنین سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت جعرانہ میں تقسیم فرمارہے تھے، فتح مکہ کے موقع پر جو لوگ نئے مسلمان ہوئے تھے اُن کی دل داری کے لیے آپؐ نے کچھ زیادہ دیا تو ذوالخویصرہ منافق نے اعتراض کیا اور برابری کا مطالبہ کیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے یمن سے آپؐ کی خدمت میں کچھ سونا ایسے چمڑے میں بھیجا جس میں دباغت دی گئی تھی اور وہ سونا اس کی مٹی سے جدا نہیں کیا گیا تھا یعنی کان سے نکالنے کے بعد اس سونے کو مٹی سے صاف نہیں کیا تھا، (بخاری کتاب المغازی) آپؐ نے یہ سونا چار آدمیوں پر تقسیم فرمایا (۱) عیینہ بن بدر (۲) اقرع بن حابس (۳) زید الخیل (۴) علقمہ۔ اسی موقع پر اعتراض کیا گیا۔ ممکن ہے کہ دو الگ الگ واقعات ہوں۔

**فمن یعدل اذا لم اعدل** آپؐ نے فرمایا اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا، انصاف صرف اس میں منحصر نہیں کہ سب کو برابر دیا جائے؛ بلکہ انصاف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بقدر ضرورت دیا جائے۔ **ائذن لی ان اضرب عنقه** حضرت عمرؓ نے قتل کی اجازت مانگی، لیکن آپؐ نے اجازت نہیں دی، یہ شخص درحقیقت قتل کا مستحق تھا، لیکن آپؐ نے ازراہِ مصلحت اس کو کچھ نہیں کہا۔ مصلحت یہ تھی کہ اگر قتل کردیا جاتا تو اس سے عام لوگوں میں اسلام کے متعلق بدگمانی پیدا ہونے کا امکان تھا، مخالفینِ اسلام اس بات کو ہوا دیتے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں اور اس طرح تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی۔ (لامع الدراری، ص ۳۷۷ ج ۸)

**اشکال:** آگے آپؐ فرمارہے ہیں کہ "لئن ادر کتھم لاقتلنھم قتل عادٍ" (اگر میں ان کو پاؤں تو قوم عاد جس طرح قتل ہوئے قتل کردوں) یہاں یہ شخص جو اصل بنیاد ہے آپؐ کے سامنے موجود ہے کہ جس کی نسل سے اس قسم کے لوگ پیدا ہونے والے تھے جس کا ذکر حدیث باب میں ہے، سوال یہ ہے کہ آپؐ نے اصل ہی کو کیوں نہیں قتل کیا؟ (فتح الباری، ص ۶۹ ج ۸)

**جواب:** حافظ ابن حجرؒ نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ جملہ آپؐ نے اس وقت اور اس زمانے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے، جب اُن کی طرف سے خروج اور بغاوت کا ظہور ہوگا اور جب خونِ مسلم سے وہ تعرض کریں گے؛ جب کہ ابھی اس شخص سے ایسی کوئی بات

ظاہر نہیں ہوئی، نہ اس نے بغاوت کا اعلان کیا اور نہ ہی کسی مسلمان کے خون سے تعرض کیا، اس لیے آپؐ نے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی۔ حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ آپؐ نے درحقیقت تشریع وتکوین دونوں کو جمع فرمایا۔ (فیض الباری)

تشریع تو یہ ہے کہ آپؐ نے اس کے قول پر نکیر فرمائی اور چوں کہ تکوینی طور پر اس کا قتل حضرت علیؓ کے حصہ میں تھا، اس لیے تکوین کی رعایت سے اس وقت وہ قتل نہیں کیا گیا، بعد میں جب حضرت علیؓ کے دور میں فتنۂ خوارج نے سر اٹھایا اور حضرت علیؓ نے اس کو قتل کیا اور اس کو تلاش کیا گیا تو لاشوں میں اس کی لاش ملی۔ (کشف الباری)

**یحقر احدکم صلوته مع صلواتهم** یہ لوگ کثرت سے عبادت کریں گے، لمبی لمبی نمازیں پڑھیں گے، روزوں پر روزے رکھیں گے، حتی کہ ان کی نمازوں اور روزوں کے سامنے اہلِ حق اپنی نمازوں اور روزوں کو کمتر اور حقیر سمجھیں گے۔ **یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیهم** قرآن پڑھیں گے خوب، لیکن اُن کا پڑھنا حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ چوں کہ وہ بنیادی طور پر گمراہی میں مبتلا ہوں گے اور قرآنِ کریم کو صرف اپنے مفاد میں استعمال کریں گے، اس لیے ان کی قرأت کا اثر ان کے مخارجِ حروف اور ان کی آواز سے آگے نہیں جائے گا، لہٰذا قرآن کریم کی کوئی آیت اِن کے دل پر اثر انداز نہ ہوگی، اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ قبولیت کی جگہ تک پہنچنے کے لیے وہ ان کے حلق سے اوپر نہیں چڑھے گی۔ **یمرقون من الاسلام کما یمرق** وہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور تیزی سے نکل جانے کی وجہ سے وہ تیر خون آلود نہیں ہوتا ہے، اسی طرح وہ لوگ بھی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے نکل جائیں گے۔

**سوال:** اسلام سے نکل جانے کا کیا مطلب ہے؟

**جواب:** اسلام کے احکام کی اطاعت سے نکل جائیں گے، بظاہر حدیث کے الفاظ خوارج کے ارتداد کا فیصلہ کر رہے ہیں، لیکن جمہور نے انھیں شدت وتغلیظ پر محمول کیا ہے اور خوارج کی جماعت کو باوجود گمراہ ہونے کے مسلمان قرار دیا ہے، حضرت علیؓ سے لوگوں نے معلوم کیا کہ کیا یہ لوگ کافر ہیں؟ فرمایا کہ وہ تو کفر سے بھاگ کر آئے ہیں، پھر معلوم کیا کہ کیا یہ لوگ منافق ہیں؟ فرمایا منافق تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں اور یہ لوگ تو صبح وشام خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، پھر منافق کس طرح ہوسکتے ہیں، پھر لوگوں نے معلوم کیا کہ آخر وہ لوگ کیا ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں ہی میں سے ایک گروہ ہے، ان کو گمراہی نے گھیر لیا ہے؛ چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہوگئے ہیں۔ (مرقات، ص۱۰۷، ج۷) **ینظر الی نصله** آپؐ نے اُن کی بددینی اور اسلام سے دوری کو تمثیل سے سمجھایا کہ جس طرح شکاری اپنے پھینکے ہوئے تیر کو پکڑ کر اس کی نوک پر شکار کا نشان دیکھتا ہے، لیکن وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی، پھر تیر کے پٹھے کو دیکھتا ہے وہاں بھی بظاہر کوئی علامت نہیں ہوتی ہے، پھر وہ تیر کے پر کو دیکھتا ہے وہاں بھی کچھ نہیں ملتا تو جس طرح تیر کے شکار سے پار ہونے کے بعد کوئی علامت نہیں، اسی طرح اس قوم کے دینِ اسلام سے نکلنے کے بعد کوئی دینی علامت باقی نہیں رہے گی۔ **محلوق الرأس** دوسری روایت میں اس منافق کی کچھ ظاہری صفات کا ذکر ہے، مثلاً وہ سر منڈا تھا، اس کی ظاہری حالت عام صحابہ سے مختلف تھی، عام طور پر صحابہ بال رکھتے تھے۔ **قتل عاد** قوم عاد کے ساتھ تشبیہ صرف اجتماعی ہلاکت میں ہے، ورنہ قوم عاد قتل نہیں ہوئی، اُن کو سخت آندھی کے ذریعہ ہلاک کیا گیا۔

## حدیث نمبر ۲۶۹۶ ﴿حضرت ابوہریرۃؓ کے حق میں معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۹۵

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَدْعُوْ أُمِّيْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَأَسْمَعَتْنِيْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَهُ فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِيْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّهْدِيَ أُمَّ أَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ أُمَّ أَبِيْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ إِلَى الْبَابِ فَإِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ أُمِّيْ خَشْفَ قَدَمَيَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِيْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص۳۰۱ ج۲، باب من فضائل ابی ہریرۃ الدوسیؓ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۴۹۱

**حل لغات:** مستبشرا اسم فاعل مصدر اِسْتِبْشَار (استفعال) خوش ہونا، خوشی محسوس کرنا۔ صرت (ض) صَيْرًا إليه کسی کے پاس لوٹنا، پہنچنا۔ مجاف بند اَجَافَ (افعال) البابَ دروازہ بند کرنا۔ خشف حرکت، آواز (ج) اَخْشَاف و خُشُوْف۔ خضخضۃ پانی گرنے کی آواز مراد ہے، خَضْخَضَ الشَّيْءَ ہلانا، حرکت دینا۔ درع عورت کی کرتی، قمیص (ج) اَدْرَاع و دُرُوْع و اَدْرُع۔ عجلت (س) عَجَلًا جلدی کرنا، لپکنا۔ خمار عورت کا دوپٹہ، اوڑھنی (ج) اَخْمِرَۃ و خُمُر و خُمْر۔ الفرح فَرِحَ (س) فَرَحًا خوش ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میری والدہ مشرکہ تھیں میں ان کو اسلام کی دعوت دیتا تھا، پس ایک دن میں نے جب ان کو دعوت دی تو انھوں نے حضورؐ کی شان میں ایسی بات کہی جو مجھے ناپسند لگی، میں روتا ہوا حضورؐ کے پاس آیا، پس میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ابوہریرہؓ کی والدہ کو ہدایت عطا ہوجائے، آپؐ نے فرمایا اے اللہ! ابوہریرہؓ کی والدہ کو ہدایت عطا کر، میں حضورؐ کی دعا کی وجہ سے خوشی خوشی واپس لوٹا، جب میں دروازے پر پہنچا تو وہ بند تھا، میری والدہ نے میرے قدموں کی چاپ سن کر فرمایا، اے ابوہریرہؓ وہیں ٹھہر جاؤ، میں نے پانی گرنے کی آواز سنی، پس میری والدہ نے غسل کیا، کپڑے پہنے اور جلدی میں دوپٹہ پہننا بھول گئیں اور دروازہ کھولا پھر مجھ سے فرمایا اے ابوہریرہؓ! میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، تو میں حضورؐ کے پاس واپس لوٹا اس حال میں کہ میں خوشی سے رو رہا تھا، آپؐ نے اللہ کی تعریف کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث**

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کفر پر سختی سے ڈٹی ہوئیں تھیں اور آپؐ سے نفرت کا اظہار بھی کرتی تھیں، ابوہریرہؓ کی درخواست پر آپؐ نے ان کے ایمان کی دعا کی تو وہ فوراً مسلمان ہوگئیں، آپؐ کی دعاؤں میں اکثر یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ پلک جھپکنے نہ پائی کہ وہ درِ استجابت پر جا پہنچتی، ادھر آپؐ دعا فرماتے اُدھر آثارِ قبولیت نظروں کے سامنے آجاتے، اس کے تجربے صرف ایک دو بار نہیں شب و روز صحابہؓ دیکھا کرتے تھے، ابوہریرہؓ کی والدہ کی کہاں وہ ضد اور آن کی آن میں کہاں یہ کایا پلٹ، اب اگر ابوہریرہؓ خوشی کے چند آنسو نہ بہادیتے تو اور کیا کرتے، نبی نے ابوہریرہؓ کی والدہ کے اسلام لانے پر اللہ کی تعریف کی اور شکر ادا کیا۔ مسلم شریف کی ایک روایت ہے کہ یہیں ابوہریرہؓ نے دوسری درخواست پیش کی، یارسول اللہ ادع اللّٰہ ان یحبّبنی و امی الخ" (یارسول اللہ اب یہ بھی دعا کردیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری والدہ کو مسلمانوں میں محبوب بنادے اور اُن کو ہماری نظروں میں محبوب بنادے) آپؐ نے اسی وقت دعا کی الٰہی! اپنے اس بندہ کو اور اس کی والدہ کو اپنے مومن بندوں کی نظروں میں محبوب بنادے اور مومن بندوں کو اِن دونوں کی نظروں میں محبوب بنادے، اس کے بعد پھر کوئی مومن نہ بچا جو مجھ کو دیکھے بغیر صرف میرا نام سن کر مجھے محبوب نہ رکھتا ہو۔ غلاموں کا ناز دیکھئے کہ دوسری دعا کے لیے مچل اُٹھے، اور آقا کی ناز برداری دیکھئے کہ اسی وقت فوراً دعا کے لیے تیار ہوگئے، پھر رب العالمین کی رحمت کا نظارہ کیجئے کہ کس طرح اس نے درِ اجابت وا کردیئے کہ آپؐ کی دونوں دعاؤں کا اثر ابوہریرہؓ نے اس طرح دیکھ لیا جیسے ہاتھ کی انگلیاں جس میں نہ کوئی استعارہ تھا نہ مجاز، نہ کوئی آنکھوں کی الٹ پھیر، اسی لیے یہاں معتزلہ بیچارے بھی اقرار کرلینے پر

مجبور ہوگئے اور استجابت دعا کے معجزہ ہونے کے وہ قائل ہوگئے۔ (ترجمان السنۃ)

**کلمات حدیث کی تشریح** أبکی من الفرح ابوہریرہؓ نے جب اپنی ماں سے شانِ رسالت میں گستاخی سنی تو روئے اور جب ماں ایمان لائیں تو بھی روئے، لیکن پہلا رونا غم کی وجہ سے اور دوسرا رونا خوشی کی وجہ سے تھا، خوشی میں آنسو نکل پڑے ہیں، تا کہ اگر کسی طرح کا کوئی غم اندر ہو بھی تو وہ آنسوؤں کی راہ سے نکل جائے۔ فحمد اللّٰه وقال خیراً آپ نے اللہ کی تعریف کی اور "خیر" فرمایا۔ آپ نے ابوہریرہؓ کی ماں کے ایمان لانے کی خوش خبری سن کر کوئی اچھا جملہ فرمایا، یا اس طرف اشارہ کیا کہ ابوہریرہؓ اپنی ماں کے ایمان لانے کا سبب بنے لہٰذا وہ اجر کے مستحق ہوگئے۔

## حدیث نمبر ۲۶۹۷ ﴿دعا دینے میں معجزہ کا ظہور﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۹۶

وَعَنْهُ قَالَ إِنَّكُمْ تَقُولُونَ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ وَكُنْتُ امْرَءًا مِسْكِينًا أَلْزَمُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ مِنْكُمْ ثَوْبَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي هٰذِهِ ثُمَّ يَجْمَعَهُ إِلَى صَدْرِهِ فَيَنْسٰى مِنْ مَقَالَتِي شَيْئًا أَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرُهَا حَتَّى قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهُ ثُمَّ جَمَعْتُهَا إِلَى صَدْرِي فَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا نَسِيتُ مِنْ مَقَالَتِهِ ذٰلِكَ إِلَى يَوْمِي هٰذَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری ص ۳۱۶ ج ۱، باب ما جاء فی الغرس، کتاب الحرث والمزارعة، حدیث ۲۳۵۰، مسلم ص ۳۰۱ ج ۲، باب من فضائل ابی هریرة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۹۲

**حل لغات:** یشغل شغل (ف) شغلاً فلاناً بشیءٍ مشغول کرنا، مصروف کرنا۔ الصفق سودا، خرید و فروخت، صَفَقَ (ض) صَفْقًا البیعَ خرید و فروخت کرنا۔ الزم لزم (س) لُزُومًا الشیءَ برقرار رہنا، أحدًا کسی کے ساتھ لگے رہنا۔ مِلْءِ کسی چیز کو بھر دینے والی مقدار مَلَأَ (ف) مَلْئًا الشَّيْءَ بھرنا، پر کرنا۔ یبسط بَسَطَ (ن) بَسْطًا پھیلانا۔ ثوبٌ (ج) ثِیابٌ کپڑا۔ اقضی قضیٰ (ض) قضاءً پورا کرنا۔ ینسی نَسِيَ (س) نِسْيَانًا بھولنا۔ نمرۃ سفید و سیاہ دھاریوں کا کمبل یا چادر (ج) نِمارٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے، تو اللہ کا وعدہ برحق ہے، میرے مہاجر بھائیوں کو بازار میں کاروبار نے مصروف کر دیا تھا، اور میرے انصاری بھائیوں کو مالی کاموں نے مصروف کر دیا تھا، میں ایک مسکین شخص تھا پس پیٹ بھر کر کھانے پر قناعت کر کے نبی کریمؐ کی خدمت میں رہتا تھا، ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا تم میں اگر کوئی شخص اپنا کپڑا پھیلا لے اور اس وقت تک پھیلائے رکھے جب تک میں اپنی بات پوری کراوں، پھر وہ اس کو اپنے سینے سے لگا لے، تو وہ ہرگز میری بات نہیں بھولے گا، پس میں نے اپنی چادر پھیلا دی، اس کے علاوہ میرے پاس کوئی اور کپڑا نہیں تھا، یہاں تک کہ آپ نے اپنی بات مکمل فرمائی، پھر میں نے اس کو جمع کر کے اپنے سینے سے لگا لیا، پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا، اس دن سے لے کر آج کے اس دن تک میں آپ کی کوئی بات نہیں بھولا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابوہریرہؓ صحابہؓ میں سب سے بڑے حدیث کے حافظ تھے، اور موقع بموقع کثرت سے احادیث نقل بھی کرتے تھے بعض لوگوں نے کسی موقع پر کہہ دیا "أکثر ابو هریرة" ابوہریرہؓ نے بھی حد کر دی جہاں دیکھو حدیث پیش کر دیتے ہیں، جب کہ مہاجرین و انصار ان کی طرح ہر وقت حدیثیں نہیں روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اس بات کا دد

طرح جواب دیا ہے، اور اگر بخاری کی حدیث ۱۱۸ باب حفظ العلم کو سامنے رکھیں تو تین طرح جواب دیا ہے: (۱)" ولو لا آیتان فی کتاب اللّٰہ ما حدثت حدیثا" اگر کتاب اللہ میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا "اِنَّ الذین یکتمون ما انزلنا من البینات الخ" اِن آیات کا مفہوم یہ ہے "جو لوگ ان مضامین کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ اپنی ذات میں واضح ہیں اور دوسروں کے لیے ہادی ہیں اور چھپانا بھی اس کے بعد کہ ہم ان کو کتاب میں عام لوگوں کے لیے ظاہر کر چکے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں اور دوسرے بہت سے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں، ہاں مگر جو لوگ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور ان چھپائے ہوئے مضامین کو ظاہر اور بیان کردیں تو ایسے لوگوں کے حال پر میں عنایت سے متوجہ ہوجاتا ہوں اور ان کی خطا معاف کردیتا ہوں اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کرلینا اور مہربانی فرمانا" حضرت ابو ہریرہؓ نے کثرتِ روایت کی ایک وجہ تو یہ بیان کی کہ کتاب اللہ میں کتمانِ علم پر وعید وارد ہوئی ہے، اس وجہ سے میں آپؐ کے ارشادات حسبِ موقع بیان کرتا ہوں۔ (۲) انصار و مہاجرین اپنے کاروباری مشاغل کی وجہ سے میری طرح ہر وقت آپؐ کی مجلس میں حاضر باش نہ تھے، میں ہر دم آپؐ کی مجلس میں پڑا رہتا، مجھے کمانے اور جمع کرنے کی کوئی فکر نہیں تھی، صرف ایک فکر تھی کہ آپؐ کے ارشادات سن کر یاد کروں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری حدیثوں کا ذخیرہ زیادہ ہوگیا اور وعید سے بچنے کے لیے آپؐ کے ارشادات خوب پھیلائے۔ (۳) حضورؐ نے ابو ہریرہؓ کے لیے خاص توجہ اور دعا فرمائی تھی، آپؐ نے دونوں چلو بھر کر اُن کی چادر میں کوئی چیز ڈالی، ظاہر ایہ کوئی حسی چیز نہیں تھی، لیکن معنوی اعتبار سے آپؐ نے فیوض کا ایک بڑا حصہ اور اس کی حفاظت کے واسطے قوت حافظہ ودیعت فرمادیا اور حکم دیا کہ اس کو اپنے سینہ سے چمٹالیں، انھوں نے اسے چمٹالیا، اس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ وہ پھر کبھی کوئی حدیث نہیں بھولے۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

انکم تقولون اکثر ابو هریرة ابو ہریرہؓ متأخر الاسلام ہیں، ابو ہریرہؓ کی کل صحبت غزوۂ خیبر کے بعد کی ہے، جس کی مدت ساڑھے تین سال ہے، اتنی کم مدتِ صحبت کے باوجود کثرت سے روایت کرتے ہیں، یہی چیز اعتراض کا باعث بنی۔ ان اخوتی اعتراض کا جواب دیتے ہیں صحابہؓ جو میرے دینی بھائی تھے، ان میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک مہاجرین دوسرے انصار، اور دونوں کے مشاغل الگ الگ تھے، مہاجرین تاجر پیشہ تھے، اکثر اوقات تجارت کرتے تھے اور انصار بھائی زراعت کے کاموں میں لگے رہتے تھے، ان کو خدمت نبوی میں حاضری کا موقع کم ملتا تھا، جب کہ میں ہر وقت حاضر رہتا تھا۔ ملء بطنی پیٹ بھر کھانے پر قناعت کر کے حضورؐ کے در پر پڑا رہتا تھا۔ پیٹ بھرنے کا مطلب دو کھجوریں کھالیں پیٹ بھر گیا، کیوں کہ حضرات صحابہؓ قوت لایموت پر اکتفا کرتے تھے۔ اس سے ابو ہریرہؓ نے یہ ثابت کیا کہ مدت میری ضرور قلیل ہے، لیکن سماع بہت زیادہ ہے اور پھر حضورؐ کی خصوصی توجہ کہ آپؐ نے میری چادر میں علوم و معارف ڈال دیئے، یہی حضورؐ کا معجزہ ہے کہ ابو ہریرہؓ نے چادر سینہ سے چمٹالی تو پھر کبھی حدیث نہیں بھولے۔

**اشکال و جواب:** حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اس واقعہ کے بعد کچھ نہیں بھولے، جب کہ بخاری کتاب الطب میں حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد حضرت ابو سلمہؒ ان سے مرفوع حدیث "لا یورد ممرض علی مصح" نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "وانکر ابوهریرة حدیث الاول (وهو حدیث: لا عدوی ولا صفر) قلنا: الم تحدث انه "لا عدوی" فرطن باالحبشیة، قال ابوسلمة، فما رایتهٗ نسی حدیثا غیرهٗ. یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے لاعدوی والی حدیث کا انکار کیا ہم نے عرض کیا کہ کیا آپ ہی نے ہم سے لاعدوی... والی حدیث بیان نہیں کی تھی؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے مبہم سی بات کہہ کر بات ختم کردی، ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا کہ اس حدیث کے سوا کوئی اور حدیث وہ بھولے ہوں، اسی طرح امام طحاویؒ نے "شرح مشکل

الآثار“ میں ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں: نسیتُ افضلها او اخیرها یعنی ابو ہریرۃؓ اس ارشاد کا سب سے افضل یا سب سے بہتر حصہ بھول گئے، ان دونوں روایتوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ بھول گئے، حالانکہ حدیث باب میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کے اوپر پھر کوئی نسیان طاری نہیں ہوا، اس کا ایک جواب یہ دیا گیا کہ یہ نسیان کا واقعہ حدیث باب کے واقعہ سے پہلے کا ہے، حدیث باب کے واقعہ کے بعد پھر نسیان طاری نہیں ہوا۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دراصل عدم نسیان کا وعدہ عمومی نہیں تھا بلکہ ایک مخصوص حدیث سے متعلق تھا وہ مخصوص حدیث کون سی ہے؟ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے اس کو ذکر کیا ہے ”ما من رجل يسمع كلمة او كلمتين او ثلاثا او اربعا او خمسا فما فرض الله فيتعلمهن ويعلمهن الا دخل الجنة“ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ درحقیقت نسیان ابو ہریرۃؓ کو لاحق نہیں ہوا تھا، بلکہ حضرت ابو سلمہ کو ہوا تھا کہ انھوں نے یہ حدیث کسی اور شیخ سے سنی اور یہ سمجھ لیا کہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے سنی ہے، حالاں کہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے نہیں سنی تھی، خود بھول گئے اور نسیان کی نسبت حضرت ابو ہریرۃؓ کی طرف کر دی۔ (ملخص کشف الباری)

**حدیث نمبر ۲۶۹۸ ﴿حضرت جریرؓ کے حق میں معجزہ کا ظہور﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۹۷**

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا تُرِيْحُنِيْ مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ فَقُلْتُ بَلٰى وَكُنْتُ لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَ يَدَهُ عَلٰى صَدْرِيْ حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ يَدِهٖ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا قَالَ فَمَا وَقَعْتُ عَنْ فَرَسِيْ بَعْدُ فَانْطَلَقَ فِيْ مِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ فَارِسًا مِنْ أَحْمَسَ فَحَرَّقَهَا بِالنَّارِ وَكَسَرَهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۲۴ ج ۲ باب غزوة ذی الخلصة، کتاب المغازی، حدیث ۴۳۵۷، مسلم، ص ۲۹۸ ج ۲، باب من فضائل جرير بن عبدالله، کتاب فضائل الصحابه، حدیث ۲۴۷۶

**حل لغات:** تريح اَرَاحَ اِرَاحَةً (افعال) فلَانًا راحت پہنچانا۔ ذو الخلصة ایک گھر جسے بنی خثعم کا کعبہ یمانی کہا جاتا تھا، اس میں الخلصة نام کا ایک بت تھا، اس لیے اس کو ذو الخلصة کہتے تھے۔ اثبت ثَبَتَ (ن) ثَبَاتًا جمنا، ٹھہرنا، قائم رہنا۔ الخيل (ج) خُيُوْلٌ گھوڑا۔ هاديا اسم فاعل، راستہ دکھانے والا۔ هَدَى فلانًا الطريقَ (ض) کسی کو راستہ بتانا۔ المهدى ہدایت یافتہ۔ وقعت وَقَعَ (ف) وُقُوْعًا عن احدٍ کسی سے الگ ہونا، یہاں گرنا مراد ہے۔ فارس شہ سوار، مرد میدان، گھوڑوں کی سواری کا ماہر (ج) فَوَارِسُ وَفُرْسَانٌ۔ حرق تَحْرِيقًا (تفعيل) جلانا، آگ لگانا۔ كسر (ض) كَسْرًا توڑنا۔

**ترجمہ:** حضرت جریر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کیا تم ذوالخلصہ سے مجھے آرام نہیں پہنچاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، لیکن میں گھوڑے پر جم کر بیٹھ نہیں پاتا ہوں، اس کا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کر دیا، تو آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر مارا، یہاں تک کہ میں نے آپؐ کے ہاتھ کا اثر اپنے سینہ میں محسوس کیا اور آپؐ نے فرمایا ”اے اللہ اس کو ثابت رکھ، اور اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا“، حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا، پھر یہ ”احمس“ کے ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر چلے اور ذی الخلصہ کو آگ لگا دی اور اس کو توڑ دیا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** یمن کے علاقہ میں جہاں قبیلۂ خثعم آباد تھا، ایک بت ذوالخلصہ نامی گھر میں رکھا ہوا تھا، لوگ آ کر اس کی عبادت کرتے، اس پر ہار چڑھاتے اور اس کے تقرب کے لیے وہاں جانور ذبح کرتے، رسول اللہؐ نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی سے فرمایا کہ آپؓ ذوالخلصہ سے مجھے راحت نہیں پہنچائیں گے (کہ اس کو منہدم کر کے مجھے اس کی تکلیف سے محفوظ

کردیں)؟ حضرت جریرؓ چونکہ اس علاقے کے اشراف میں تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو یہ حکم دیا؛ چنانچہ وہ اپنے ساتھ قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر اس بت خانے کے انہدام کے لیے روانہ ہو گئے، حضرت جریر بن عبد اللہؓ خود گھوڑے پر اچھی طرح سواری نہیں کر سکتے تھے، آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کے سینہ پر مارا اور ساتھ ہی یہ دعا دی کہ: اللّٰھم ثبتهُ واجعله هاديا مهديا اے اللہ انھیں ثابت قدم رکھ اور دوسروں کو ہدایت دینے اور خود ہدایت پر رہنے والا بنادے، حضرت جریرؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا، حضرت جریر بن عبد اللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یمن کے اس بت خانہ کے پاس پہنچے اور اس کو آگ لگا کر نیست و نابود کر دیا، قبیلہ احمس کے ایک صحابی حضرت ابو ارطاۃؓ کو حضرت جریرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اطلاع دینے کے لیے روانہ کیا، تاکہ وہ آپ کو یہ بشارت دے دیں، جب وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، تو عرض کیا یا رسول اللّٰہ والذی بعثك بالحق، ما جئت حتی تركتها كانها جمل اجرب یعنی یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں آپ کی خدمت میں آنے کے لیے اس وقت تک نہیں چلا جب تک اس بت خانہ کو خارش زدہ اونٹ کی طرح سیاہ کر کے نہیں چھوڑا، عربوں کے یہاں دستور تھا کہ خارش زدہ اونٹ پر تارکول ملتے تھے، مطلب یہ ہے کہ تارکول لگائے خارش زدہ اونٹ کی طرح ذوالخلصہ کو جلا کر کالا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس خبر سے بڑے مسرور ہوئے اور آپ ﷺ نے پانچ مرتبہ قبیلہ احمس کے سواروں اور پیادوں کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح**

الا تریحنی اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کو معصیت سے تکلیف ہوتی ہے، اگرچہ وہ معصیت دور ہی کیوں نہ ہو۔ فما وقعت عن فرسی یہ آپ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے جریرؓ کے حق میں دعا کر دی چنانچہ وہ جو کہ گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ پاتے تھے، اچھے سوار ہو گئے اور گھوڑے سے گرنا بند ہو گیا۔ هاديا مهديا بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے، اس لیے کہ کوئی شخص مہدی یعنی ہدایت یاب ہونے کے بعد ہی ہادی بنتا ہے، دوسرا قول ہے کہ "هاديا مهديا" کے معنی ہیں كاملا مكملا۔ من احمس یہ "حماسة" سے ہے، شجاعت و بہادری کے معنی میں، قریش کے بعض قبائل شجاعت و بہادری میں بے نظیر تھے، اس لیے اُن کو "احمس" کہا جاتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت جریرؓ کے قبیلہ کا نام ہے۔ فانطلق جریرؓ چلے یا تو یہ کسی نیچے کے راوی کا کلام ہے، یا خود حضرت جریرؓ نے اپنے کو غائب بنا کر روایت کیا۔

## حدیث نمبر ۲۶۹۹ ﴿آپ کی بددعا کا اثر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۹۸

وَعَنْ أَنَسٍؓ قَالَ إِنَّ رَجُلًا كَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَدَّ عَنِ الْإِسْلَامِ وَلَحِقَ بِالْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْأَرْضَ لَا تَقْبَلُهُ فَأَخْبَرَنِيْ أَبُوْ طَلْحَةَ أَنَّهُ أَتَى الْأَرْضَ الَّتِيْ مَاتَ فِيْهَا فَوَجَدَهُ مَنْبُوْذًا فَقَالَ مَا شَانُ هٰذَا فَقَالُوْا دَفَنَّاهُ مِرَارًا فَلَمْ تَقْبَلْهُ الْأَرْضُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۱۱ ج ۱ باب علامات النبوة فى الإسلام، كتاب المناقب، حدیث ۳۶۱۷، مسلم، ص ۳۷۰ ج ۲، كتاب صفات المنافقين، حدیث ۲۷۸۱

**حل لغات:** ارتد (افتعال) اِرْتِدَادًا لوٹنا واپس ہونا، عن دينه مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا، مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جانا۔ لحق (س) لُحُوقًا به کسی سے جا ملنا، پالینا۔ منبوذا اسم مفعول پھینکا ہوا، پڑا ہوا، نَبَذَ (س) نَبْذًا الشيءَ ڈالنا، پھینکنا۔

**ترجمه:** حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک شخص وحی لکھتا تھا، وہ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو زمین قبول نہیں کرے گی، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطلحہؓ نے مجھ کو بتایا کہ جب وہ اس مقام پر پہنچے، جہاں یہ شخص مرا تھا تو اس کو انھوں نے زمین سے باہر پڑا پایا، انھوں نے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم اس شخص کو کئی بار دفن کر چکے

ہیں، لیکن زمین اس کو قبول نہیں کرتی۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** ایک عیسائی شخص تھا وہ مسلمان ہوا، چوں کہ پڑھا لکھا تھا، اس لیے آپ نے وحی کی کتابت اس کے سپرد فرمائی، لیکن وہ پلٹ کر عیسائی ہوگیا، آپ کو اس کی حرکت پر سخت رنج ہوا اور آپ کی زبان مبارک سے اس کے لیے بددعا نکل گئی، جب وہ مرا تو لوگوں نے اس کو دفن کیا، صبح کو دیکھا کہ لاش باہر پڑی ہے، وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کی حرکت ہے، کیوں کہ یہ اُن کے پاس سے بھاگ آیا تھا، چنانچہ انھوں نے قبر کھود کر ہمارے ساتھی کی لاش باہر ڈال دی، پھر انھوں نے گہری قبر کھودی اور دفن کیا، لیکن صبح پھر لاش باہر پڑی ملی، کئی مرتبہ کے عمل کے بعد ان کو یقین ہوگیا یہ کسی انسان کی حرکت نہیں من جانب اللہ ایسا ہورہا ہے اور پھر انھوں نے اس کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ زمین کا اس کو قبول نہ کرنا یہ آپ کا معجزہ تھا، جب وہ مرتد ہوگیا اور نبی کی زبان سے اس کے لیے بددعا نکلی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ویسی ہی سزا دی جیسی نبی نے کہی تھی، تا کہ لوگوں پر حجت قائم ہو اور آپ کی نبوت کی دلیل بنے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان الارض لا تقبله آپ اپنی ذات کے لیے کسی کو بددعا نہیں دیتے تھے، بسا اوقات لوگوں نے فرمائش کی لیکن آپ نے فرمایا: "بعثت رحمة ولم أبعث لعانا" (مجھے رب نے رحمت بنا کر بھیجا ہے میں کسی کے لیے لعنت یا بددعا نہیں کرتا) لیکن چوں کہ یہ مرتد ہوگیا اور اس نے یہ کہنا شروع کیا محمد نہیں جانتے مگر میں جو ان کے لیے لکھ دیتا ہوں "ما يدري محمد الا ما كتبت له" لہٰذا دین کی بنیاد پر آپ نے بددعا کی جو کہ قبول ہوئی۔

## حدیث نمبر ۲۷۰۰ ﴿قبر کا عذاب منکشف ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۹۹

وَعَنْ أَبِي أَيُّوْبَؓ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ يَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِي قُبُوْرِهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۱۸۴ ج ۱، باب التعوذ من عذاب القبر، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۷۵، مسلم، ص ۳۸۶، ج ۲، باب عرض مقعد الميت الخ، کتاب الجنة، حدیث ۲۸۶۹

**حل لغات:** وجبت وَجَبَ (ض) وُجُوْبًا الشَّمْسُ سورج ڈوبنا۔ تعذب عَذَّبَ (تفعیل) عذاب دینا، مجہول ہے، عذاب ہونا۔

**ترجمه:** حضرت ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غروب آفتاب کے بعد گھر سے نکلے، تو ایک آواز سنی آپ نے فرمایا کہ یہ یہود ہیں جن کو ان کی قبروں میں عذاب ہورہا ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** ایک مرتبہ آپ قضائے حاجت کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے، تو ایک آواز سنی اور اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ یہود ہیں، جن کو قبروں میں عذاب دیا جارہا ہے، اس آواز کے بارے میں حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ آواز اُن یہودیوں کی تھی جن کو عذاب دیا جارہا تھا، یا عذاب پر مامور فرشتوں کی تھی، مگر طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آواز ان یہودیوں کی تھی جو عذاب میں مبتلا تھے "قال أسمع أصوات اليهود يعذبون في قبورهم" آپ نے فرمایا میں یہودیوں کی آوازوں کو سن رہا ہوں، اُن کو قبروں میں عذاب ہورہا ہے۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** فسمع صوتا عام حالات میں عذابِ قبر کی آواز انسانوں کو نہیں سنائی جاتی، لیکن بعض مرتبہ سنا دی گئی ہے۔ آپ پر قبر کے احوال کا منکشف ہونا آپ کا معجزہ ہے۔

## حدیث نمبر ۲۷۰۱ ﴿آپ کا غیب کی خبر دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۰

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِيْنَةِ هَاجَتْ رِيْحٌ تَكَادُ أَنْ

تَدْفِنَ الرَّاكِبَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَإِذَا عَظِيْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ قَدْ مَاتَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۷۰ ج ۲ کتاب صفات المنافقین، حدیث ۲۷۸۲

**حل لغات:** ھاجت (ض) ھَيْجًا الريحُ تیز ہوا چلنا، الشَّيءُ جوش مارنا، زور پر آنا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے، جب آپؐ مدینہ کے قریب پہنچے تو اتنی سخت آندھی چلی کہ قریب تھا کہ سوار کو زمین میں دفن کر دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آندھی ایک منافق کے مرنے کی وجہ سے بھیجی گئی ہے، جب آپؐ مدینہ میں داخل ہوئے تو منافقوں کے ایک سردار کی موت واقع ہو چکی تھی۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** حدیث میں مذکور واقعہ اس وقت کا ہے، جب آپؐ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے، اور اس مرنے والے منافق کا نام رفاعہ بن ور یدتھا، اور بعض حضرات نے اس منافق کا نام رافع ذکر کیا ہے اور اس واقعہ کو غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر بتایا ہے، بہرحال اس بڑے منافق کے مرنے پر اتنی سخت آندھی آنا دراصل اس وحشت و بدحالی اور آلودگی و پراگندگی کا قدرت کی طرف سے اظہار تھا، جس سے منافق و بدکار مرتے وقت دوچار ہوتے ہیں اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ آئندہ کی زندگی میں بھی اس طرح کے لوگوں کو اسی حالت سے کہ جو سراسر کلفت و پریشانی اور تباہی میں مبتلا کرنیوالی ہے دوچار ہونا ہوگا۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** ھاجت ریح سخت طوفانی ہوا چل پڑی، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کسی سوار کو سواری پر نہیں چھوڑے گی، بلکہ سواری سے گرا کر زمین میں دفن کر دے گی۔ لموت منافق یہ سخت طوفانی ہوا ایک منافق کی موت کی وجہ سے چل رہی تھی، وہ اس درجہ منحوس شخص تھا کہ اس کی موت سے بھی قدرت کی طرف سے بدامنی، وحشت، گندگی اور بدحالی پھیلنے کا قدرتی اظہار تھا، جیسے بدکردار حاکم کی آمد پر اس کے خلاف مظاہرہ ہوتا ہے، آپؐ نے مدینہ پہنچنے سے پہلے بطور معجزہ اس کی موت کی خبر دے دی، یہ اخبار بالغیب معجزہ کا ظہور تھا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ معجزہ نبی کی نبوت کی دلیل ہوتا ہے، جیسے کرامت ولی کی ولایت کی علامت ہوتی ہے، جس طرح ولی کی ولایت اس کی الوہیت کی دلیل نہیں بن سکتی، اسی طرح معجزہ کسی نبی کی صفتِ الوہیت کی دلیل نہیں بن سکتا، بریلوی حضرات کو علم غیب اور اخبار بالغیب کے مسئلہ میں بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ سارے معجزات کو حضور اکرمؐ کے عالم الغیب ہونے کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں، اور عوام کے سامنے ایک ایک معجزہ پیش کر کے کہتے ہیں کہ دیکھو حضورؐ کو علم غیب تھا، پھر یہ حضرات بعض معجزات کو صفت الوہیت مشکل کشا اور حاجت روا ثابت کرنے کے لیے بھی پیش کرتے ہیں، اگر معجزہ صفت الوہیت مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے دلیل ہے تو پھر حضرت عیسیٰؑ نے بطور معجزہ مردوں کو زندہ کیا تھا، پھر اُن کو خدا مانو، حالاں کہ بریلوی یہ عقیدہ نہیں رکھتے پھر حضورؐ کے ساتھ یہ معاملہ کیوں؟ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۷۰۲ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۱**

## ﴿فرشتوں کا مدینہ کی حفاظت کرنے کی اطلاع دینا﴾

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى قَدِمْنَا عُسْفَانَ فَأَقَامَ بِهَا لَيَالِيَ فَقَالَ النَّاسُ مَا نَحْنُ هَاهُنَا فِيْ شَيْءٍ وَإِنَّ عِيَالَنَا لَخُلُوْفٌ مَا نَأْمَنُ عَلَيْهِمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا فِي الْمَدِيْنَةِ شِعْبٌ وَلَا نَقْبٌ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكَانِ يَحْرُسَانِهَا حَتّٰى تَقْدَمُوْا إِلَيْهَا ثُمَّ قَالَ ارْتَحِلُوْا فَارْتَحَلْنَا وَأَقْبَلْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَوَالَّذِيْ يُحْلَفُ بِهٖ مَا وَضَعْنَا رِحَالَنَا حِيْنَ

دَخَلْنَا الْمَدِيْنَةَ حَتّٰى أَغَارَ عَلَيْنَا بَنُوْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ غَطْفَانَ وَمَا يُهَيِّجُهُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ شَيْءٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم،ص۴۴۴،ج۱،باب الترغیب فی سکنی المدینة والصبر... الخ، کتاب الحج، حدیث۱۳۷۴

**حل لغات:** عیال (واحد) عَیِّلٌ اہل وعیال، اہلِ خانہ جن کی معاشی کفالت مرد کے ذمہ ہو۔ خُلُوْفٌ (واحد) خَلْفٌ پیچھے (قُدَّام کی ضد)۔ شَعْبٌ (ج) شِعَابٌ راستہ، دو پہاڑوں کے درمیان کھلی جگہ، گھاٹی۔ نَقْبٌ (ج) اَنْقَابٌ ونِقَابٌ کھال یا دیوار وغیرہ میں کیا ہوا سوراخ، راستہ۔ ارتحلوا امر جمع مذکر حاضر، روانہ ہو، اِرْتَحَلَ (افتعال) کوچ کرنا، روانہ ہونا۔ یحلف مضارع مجہول حَلَفَ (ض) حَلْفًا قسم کھانا، حلف اٹھانا۔ اغار (افعال) اِغَارَةً حملہ کرنا۔ یھیج ھَیَّجَ (تفعیل) جوش دلانا، مشتعل کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ جب ہم عسفان پہنچ گئے، تو آپؐ نے چند راتیں یہاں قیام فرمایا، کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم بلاوجہ یہاں کیوں پڑے ہیں؟ جب کہ ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال ہیں جن کے بارے میں ہم بے خوف نہیں ہیں، تو یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپؐ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مدینہ میں کوئی کوچہ ایسا نہیں ہے جس پر دو فرشتے پہرہ نہ دے رہے ہوں، جب تک کہ تم لوگ مدینہ پہنچ نہ جاؤ، پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ مدینہ کی طرف کوچ کرو، چنانچہ ہم نے کوچ کیا اور مدینہ ہم پہنچ گئے، قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے، مدینہ میں داخل ہو کر ہم نے اپنے کجاوے ابھی اتارے بھی نہ تھے کہ بنو عبداللہ بن عطفان نے ہم پر حملہ کر دیا، حالاں کہ اس سے پہلے کسی بات نے اُن کو جنگ پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضورؐ نے مقام عسفان پر چند راتیں قیام فرمایا تو کچھ منافق یا ضعیف الاعتقاد لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم یہاں بے کار پڑے ہوئے ہیں؛ حالاں کہ پیچھے مدینہ میں ہمارے بال بچے اکیلے ہیں؛ جن کے بارے میں ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں دشمن ان پر حملہ نہ کر دے، تو نبیؐ نے اُن کی بات سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینہ کی ہر گلی کوچے کی حفاظت کے لیے دو دو پہرے دار فرشتے مقرر ہیں، اس لیے جب تک تم سفر میں ہو فرشتے ان کی حفاظت پر مامور ہیں، خوف کھانے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں، راوی حدیث کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچے تو ابھی کجاوے اتارے بھی نہیں تھے کہ بنو عبداللہ بن غطفان قبیلے نے ہم پر حملہ کر دیا، اس سے آپ کا فرمان سچ ثابت ہو گیا، کیوں کہ جب تک ہم مدینہ سے باہر تھے، اس وقت تک فرشتے حفاظت کر رہے تھے، حالاں کہ دشمن کے لیے حملہ کرنے کا اچھا موقع وہ تھا جب ہم مدینہ سے باہر تھے، لیکن چوں کہ مدینہ کی حفاظت فرشتے کر رہے تھے وہ دشمن کے جارحانہ عزائم اور اقدام میں رکاوٹ تھے، اس لیے دشمن ہمارے اہل وعیال کو نقصان نہ پہنچا سکا۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** لخلوف یعنی مدینہ میں ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال کے پاس مرد نہیں ہیں اور نہ ان کی حفاظت کے اسباب ہیں۔ ملکان یحرسانھا مدینہ کی ہر گلی کوچہ پر دو فرشتے حفاظت کے لیے موجود ہیں، اس میں مدینہ کی فضیلت کا بیان ہے، نیز آپ کی عظمت کا بھی اظہار ہے؛ کیوں کہ یہ حفاظتِ مدینہ آپ کی وجہ سے ہی ہے اور آپؐ کے دورِ مسعود میں ہے۔

## حدیث نمبر ۲۷۰۳ ﴿آپؐ کی دعا سے بارش کا نزول﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۲

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا وَضَعَهَا حَتّٰى ثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ

الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى وَقَامَ ذٰلِكَ الْأَعْرَابِيُّ أَوْ غَيْرُهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَمَا يُشِيْرُ إِلٰى نَاحِيَةٍ مِّنَ السَّحَابِ إِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِيْنَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِيْ قَنَاةُ شَهْرًا وَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَأَقْلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِيْ فِي الشَّمْسِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۱۲۷ ج۱، باب الاستسقاء فی الخطبة یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث ۹۳۳؛ مسلم، ص۲۹۴ ج۱، باب الدعاء فی الاستسقاء، کتاب الاستسقاء، حدیث ۸۹۷

**حل لغات:** یخطب خَطَبَ (ن) خُطْبَةً النَّاسَ وفِیْهِمْ وَعَلَیْهِمْ خطبہ دینا، وعظ کہنا۔ جَاعَ (ن) جُوْعًا بھوکا ہونا، جَاعَ الحیُّ قحط زدہ ہونا، مفلس ہونا۔ قزعة ٹکڑا، ہر وہ چیز جو ٹکڑوں میں بکھر گئی ہو، جیسے آسمان میں بادل کے ٹکڑے، یا سر میں منتشر بال۔ ثار (ن) ثَوْرًا پھیلنا، الغبارُ گرد اُڑنا۔ السحاب بادل (ج) سُحُبٌ۔ المطر بارش (ج) اَمْطَارٌ۔ یتحادر (تفاعل) پھسلنا، گرنا۔ حَدَرَ (ن) حُدُوْرًا الْعَیْنُ الدَّمْعَ آنسو بہانا۔ لحیة داڑھی، (ج) لِحًی ولُحًی۔ تَهَدَّمَ (تفعّل) البناءُ عمارت کا ڈھیرے گرنا، ڈھاتے چلے جانا، هَدَمَ (ض) هَدْمًا عمارت گرانا، توڑنا۔ البناء عمارت، صنعتِ تعمیر (ج) اَبْنِیَةٌ وَاَبْنِیَاتٌ۔ غرق (س) غَرَقًا فی الماءِ ڈوبنا۔ انفرجت (انفعال) الشَّیْءُ کشادہ ہونا، کھلنا۔ فَرَجَ (ض) فَرْجًا کشادگی کرنا، کھولنا۔ الجوبة گول بڑا گڑھا، بادلوں یا پہاڑوں کے درمیان خلا (ج) جُوَبٌ۔ الجود جَادَ (ن) المطرُ الأرضَ زمین پر خوب پانی برسنا۔ الآکام (واحد) اَکَمَةٌ ٹیلہ۔ الظراب (واحد) الظَّرِبُ پھیلا ہوا پہاڑ۔ الاودیة (واحد) الوَادِي نالہ، ٹیلوں اور پہاڑوں کے درمیان کھلی جگہ جہاں بارش یا سیلاب کا پانی بہتا ہو۔ منابت (واحد) مَنْبِتٌ اگنے کی جگہ، نَبَتَ (ن) نَبْتًا اگنا۔ أَقْلَعَتْ السحابُ (إفعال) بادل چھٹنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (ایک مرتبہ) لوگوں کو قحط پہنچا، ان ہی دنوں میں آپؐ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ، مال مویشی ہلاک ہو گئے اور اہل وعیال بھوک سے بلبلا رہے ہیں، آپؐ ہمارے لیے اللہ سے دعا کریں، آپؐ نے اپنے ہاتھ اٹھائے، ہمیں آسمان میں ایک ٹکڑا بھی بادل کا نظر نہیں آ رہا تھا، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، حضورؐ نے ابھی ہاتھ نہیں چھوڑے تھے یہاں تک کہ پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے، پھر آپؐ اپنے منبر سے نیچے تشریف نہیں لائے تھے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ کی داڑھی سے ٹپکنے لگا، بارش ہم پر اس دن برسی دوسرے روز، تیسرے روز یہاں تک کہ اگلے جمعہ تک برسی اور دیہات کے رہنے والے وہی صاحب کھڑے ہوئے یا کوئی اور، عرض کیا رسول اللہؐ، عمارتیں گر گئیں، مال مویشی ڈوب گئے، پس اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کریں تو آپؐ نے اپنے ہاتھ بلند کئے اور دعا کی اے اللہ ہمارے اطراف میں (برسا) ہماری (آبادی پر) نہ برسا، آپؐ جس طرف اشارہ کرتے تھے بادل اس جگہ سے کھل جاتا تھا، یہاں تک کہ مدینہ ایک گول گڑھے کی طرح ہو گیا اور قنات نامی نالہ ایک ماہ تک بہتا رہا، اطراف مدینہ سے جو شخص بھی آیا اس نے کثرت سے بارش ہونے کی خبر دی، ایک روایت میں ہے آپؐ نے دعا کی یا اللہ! ہمارے اطراف میں بارش برسے ہماری آبادی پر نہ برسے۔ اے اللہ! ٹیلوں پر، پہاڑوں پر، نالوں کے اندر اور درختوں کے اگنے کی جگہ پر برسا۔ راوی کہتے ہیں کہ بادل بالکل کھل گیا اور ہم نکلے اس حال میں کہ دھوپ میں چل رہے تھے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبۂ جمعہ میں استسقا کی دعا کرنا درست ہے، کہ جمعہ کی وجہ سے مسلمان جمع ہیں، امام خطبہ دے رہا ہے، مقبولیت کی شان ہے جو بھی دعا کریں گے انشاء اللہ بارگاہِ خداوندی میں قبول کی جائے گی، گویا یہ ضروری نہیں کہ اس مقصد کے لیے آبادی سے باہر جمع ہو کر دعا کی جائے۔ حدیث میں پیغمبر علیہ السلام کے معجزہ کی تفصیل ہے کہ آپؐ کے زمانہ میں قحط پڑا، اسی زمانہ میں آپؐ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے پریشانیوں کا اظہار کر کے بارش کی دعا کے لیے عرض کیا، آپؐ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، آسمان بالکل صاف تھا، لیکن آپؐ کے ہاتھ اٹھاتے ہی پہاڑوں کی طرح تہہ بہ تہہ بادل اٹھا، اور چاروں طرف پھیل گیا اور ابھی دعا کے بعد ہاتھ گرائے بھی نہیں تھے کہ بارش شروع ہوگئی اور اس زور سے بارش ہوئی کہ مسجد نبوی کی چھت ٹپکنے لگی اور آپ کی ریش مبارک سے بھی بارش کا پانی گرنے لگا، پورے ہفتے لگاتار بارش ہوئی، اگلے جمعہ کو وہی صاحب یا کوئی دوسرے صاحب آئے اور عرض کیا کہ حضرت! معاملہ بالکل دوسرا ہوگیا، بارش اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ عمارتیں منہدم ہو رہی ہیں، تمام اموال و مویشی ہلاک ہوئے جاتے ہیں، دعا فرمائیں، آپؐ نے پھر ہاتھ اٹھائے اور دعا کی، الٰہی! بارش ہمارے اطراف میں ہو، یعنی جنگلات میں ہو ہم پر نہ ہو، اس کے بعد آپؐ اپنے دستِ مبارک سے بادل کی طرف جدھر بھی اشارہ کرتے بادل پھٹ جاتا، مدینہ طیبہ بادلوں کے بیچ میں حوض کی طرح ہوگیا، راوی آگے کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں قناۃ نام کی جو وادی تھی وہ ایک مہینہ تک بہتی رہی اور صرف مدینہ کا یہ حال نہ تھا؛ بلکہ باہر سے آنے والا ہر انسان یہ بیان کررہا تھا کہ بڑی زبردست بارش ہوئی ہے۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** هلك المال اس سے مال مویشی حیوانات مراد ہیں، کیوں کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہیں نہیں جاسکتے۔ فرفع یدیه آپؐ نے دونوں ہاتھ دعاء استسقا کے لیے اٹھائے، معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں سے ہے اور یہاں اجتماعی دعا میں اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھانا ثابت ہوگیا۔ حوالینا چوں کہ یہ بارش آپ کی دعا سے شروع ہوئی تھی اور اس میں معجزہ کا ظہور ہوا تھا، اس لیے اس رحمت و برکت کو روکنے اور بند کرنے کے لیے آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ الٰہی اس بارش کو روک دیں؛ بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ یا اللہ بارش جاری رہے لیکن اطرافِ مدینہ، جنگلات وغیرہ میں ہو ہم پر نہ ہو۔ (تحفۃ المنعم)

## حدیث نمبر ۲۷۰٤ ﴿آپؐ کی محبت میں کھجور کے تنے کا رونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۳

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ اسْتَنَدَ إِلٰى جِذْعِ نَخْلَةٍ مِنْ سَوَارِيِ الْمَسْجِدِ فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ فَاسْتَوٰى عَلَيْهِ صَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِيْ كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتّٰى كَادَتْ أَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَخَذَهَا فَضَمَّهَا إِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ أَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِيْ يُسَكَّتُ حَتّٰى اسْتَقَرَّتْ قَالَ بَكَتْ عَلٰى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص ۲۸۱ ج ۱، باب النجار، کتاب البیوع، حدیث ۲۰۹۵

**حل لغات:** استند (افتعال) إليه ٹیک لگانا، سہارا لینا۔ سَنَدَ (ن) سُنُوْدًا سہارا لینا، ٹیک لگانا۔ جذع کھجور کے درخت کا تنہ (ج) أَجْزَاعٌ و جُذُوْعٌ۔ استوی (افتعال) علیه متمکن ہونا، بیٹھنا۔ العرش تخت نشین ہونا، زمام سلطنت سنبھالنا۔ صاحت (ض) صَيْحًا چیخنا، چلانا۔ تنشق (انفعال) انشقاقًا پھٹنا۔ شَقَّ (ن) شَقًّا پھاڑنا۔ ضَمَّ (ن) ضَمًّا چمٹانا۔ تئن اَنَّ (ض) اَنًّا آہ بھرنا، کراہنا أنين مصدر ہے (ض) رونا، کراہنا۔ یسکت مضارع مجہول، سَكَّتَ (تفعیل) خاموش کرانا۔ استقرت (استفعال) قرار پانا، سکون ہونا۔

**ترجمه:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو کھجور کے ایک خشک تنے کے ساتھ ٹیک

لگاتے، جو کہ مسجد کے ستونوں میں سے ایک تھا، جب آپؐ کے لیے منبر تیار ہوگیا اور آپؐ اس پر تشریف فرما ہوئے تو اس کھجور کے تنے سے رونے کی آواز آنے لگی، جس پر ٹیک لگا کر آپؐ خطبہ دیا کرتے تھے، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پھٹ جائے گا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اترے اور اسے پکڑ کر اپنے سینے سے چمٹا لیا، اس وقت بھی وہ تنہ اس چھوٹے بچے کی طرف سسکیاں بھر رہا تھا جسے چپ کرانے کی کوشش کی جاتی ہے پھر وہ قرار پا گیا، فرمایا کہ اس کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ خطبہ سنا کرتا تھا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی آپؐ کے ایک معجزہ کا ذکر ہے، منبر بننے سے پہلے مسجد نبوی میں محراب کے پاس کھجور کا ایک ستون تھا، اس کے قریب کھڑے ہو کر آپؐ خطبہ دیا کرتے تھے، کبھی اس پر ہاتھ بھی رکھتے تھے اور کبھی اس سے جسم اطہر مس کرتے تھے، جب مسجد میں منبر رکھا گیا اور آپؐ منبر پر جلوہ افروز ہوگئے تو وہ ستون فراقِ نبوی میں بلکنے لگا، اس کے رونے کی آواز مسجد میں موجود تمام لوگوں نے سنی، آپؐ منبر سے اتر کر اس ستون کے پاس آئے اور اس پر دستِ شفقت رکھا، تب اس کو سکون ہوا اور اس کا بلکنا بند ہوا، پھر آپؐ کے حکم سے وہ ستون منبر کے نیچے دفن کیا گیا اور اس کی جگہ دوسرا ستون کھڑا کیا گیا۔ (تحفۃ القاری)

**کلماتِ حدیث کی تشریح** فلما صنع له المنبر آپؐ کے لیے منبر تیار ہوا، بخاری کی روایت ۲۰۹۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ایک عورت کے پاس کہلایا کہ اپنے بڑھئی لڑکے سے کہو کہ وہ میرے لیے کچھ لکڑیوں کو جوڑ کر منبر تیار کردے، تاکہ لوگوں کو وعظ کرنے کے لیے میں اس پر بیٹھ جایا کروں، چنانچہ اس عورت نے اپنے لڑکے سے غابہ کے جھاؤ کی لکڑی کا منبر بنانے کے لیے کہا، پھر جب منبر تیار ہوگیا تو انھوں نے اسے آپؐ کی خدمت میں بھیجا، وہ منبر آپؐ کے حکم سے مسجد میں رکھا گیا۔ فاستوی علیه آپؐ اس پر تشریف فرما ہوئے، بخاری کی مذکورہ بالا روایت میں ہے "فجلس علیه" آپؐ اس پر بیٹھے، معلوم ہوا کہ اگرچہ آپؐ عام طور پر کھڑے ہو کر جمعہ وعیدین کا خطبہ دیا کرتے تھے، لیکن بسا اوقات منبر پر بیٹھ کر بھی آپؐ نے گفتگو اور وعظ و نصیحت فرمائی ہے، لہٰذا جمعہ وعیدین کے خطبے کے علاوہ اگر کسی وقت کوئی نصیحت یا علم دین کی بات منبر پر بیٹھ کر کی جائے تو یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ صاحت النخلة آپؐ تنے کے سہارے کو چھوڑ کر منبر سے خطبہ دینے لگے تو وہ تنا رو پڑا اور پھٹنے کے قریب ہوگیا، آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے، یہاں تک کہ اس کو اپنے سینے سے لگایا تو وہ اس طرح سسکیاں لینے لگا جیسے کہ وہ بچہ جس کو خاموش کرایا جائے، یعنی بچہ رو رہا ہو اور اس کو تھپکی دے کر خاموش کیا جائے تو اس کے رونے کی آواز رفتہ رفتہ کر کے دھیمی پڑتی ہے اور اس کے اندر سے پھر بھی سسکیاں نکلتی رہتی ہیں، آپؐ نے اس کو سینہ اقدس سے لگایا تو اس کی سسکیاں اس طرح پھر بھی نکلتی رہیں، جیسے کہ جس کو خاموش کرایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کو پھر استقرار حاصل ہوگیا۔ قال بکت راوی کہتے ہیں کہ وہ اس بنا پر رویا تھا کہ وہ پہلے ذکر سنا کرتا تھا، اب آپؐ کے منبر پر جانے سے وہ ذکر سننا بند گیا۔ یہ راوی کی اپنی توجیہ ہے، کوئی ضروری نہیں کہ وہ اسی وجہ سے رویا ہو، آپؐ کے ساتھ لمس کی جو برکت اس کو حاصل تھی اس کے فوت ہونے سے رونا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ ذکر تو پھر بھی سننے میں آجائے گا، وہ منبر سے قریب ہی تھا۔ (انعام الباری) یہ آپؐ کا بڑا معجزہ ہے کہ ایک بے جان خشک کھجور کا تنہ آپؐ کی جدائی پر رونے لگا۔

## حدیث نمبر ۲۷۰۵ ﴿آپؐ کی بددعا کا اثر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۴

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ رَجُلًا أَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ لَا أَسْتَطِيْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهٗ إِلَّا الْكِبْرُ قَالَ فَمَا رَفَعَهَا إِلٰى فِيْهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حواله:** مسلم، ص۱۷۲، ج۲، باب آداب الطعام والشراب، کتاب الأشربة، حدیث ۲۱۰۔

**حل لغات:** اكل (ن) اَكْلًا کھانا۔ شمال بایاں (ج) اَشْمُلٌ و شُمُلٌ۔ يَمِيْنٌ دایاں (ج) اَيْمُنٌ و اَيَامِنُ۔ منع (ف) مَنْعًا

روکنا۔رفع (ف) رَفْعًا بلند کرنا۔

**ترجمه:** حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا، آپؐ نے فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا کہ مجھ میں اس کی استطاعت نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ تو قدرت نہ رکھے، درحقیقت وہ تکبر کی وجہ سے رکا تھا، راوی کہتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ کبھی منہ تک نہیں لے جا پاتا تھا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ کی عادت بددعا دینے کی قطعاً نہ تھی، لیکن آپؐ نے اس کو دائیں ہاتھ سے کھانے کی نصیحت کی اور اس نے بجائے اس پر عمل کرنے کے محض تکبر کی وجہ سے غلط تاویل کی اور جھوٹ بولا تو آپؐ نے اس کو بددعا دی، جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ دایاں ہاتھ منہ تک بھی نہ اٹھا سکتا تھا۔ یہ بھی درحقیقت آپؐ کا معجزہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کل بیمینك آپؐ نے دائیں ہاتھ سے کھانے کو کہا؛ کیوں کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے، اگر دائیں ہاتھ میں کوئی مرض یا زخم ہے تو پھر بائیں ہاتھ سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس نے گھمنڈ میں آ کر آپؐ کی نافرمانی کی، اس کو واقعی کوئی عذر نہیں تھا۔ چنانچہ آپؐ نے اس کے حق میں بددعا کر دی تو واقعتاً اس کا ہاتھ بیکار ہو گیا۔ آپؐ کا بددعا کرنا بھی ان کے حق میں رحمت ہوا، اس لیے کہ اگر آپؐ بددعا نہ کرتے تو تکبر اور آپؐ کی مخالفت کی وجہ سے وہ صاحب دنیا میں کسی بڑی سزا اور آخرت میں بڑے عذاب سے دوچار ہو جاتے، آپؐ کی بددعا کی وجہ سے معمولی سزا سے معاملہ ختم ہو گیا۔

### حدیث نمبر ۲۷۰۶ ﴿سست گھوڑے کا تیز رفتار ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۵

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَزِعُوْا مَرَّةً فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِأَبِيْ طَلْحَةَ بَطِيْئًا وَكَانَ يَقْطِفُ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ وَجَدْنَا فَرَسَكُمْ هٰذَا بَحْرًا فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يُجَارٰى. وَفِيْ رِوَايَةٍ فَمَا سُبِقَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص۴۰۱ ج۱، باب الفرس القطوف، کتاب الجهاد، ۲۸۶۷

**حل لغات:** فزعوا فَزِعَ (س) فَزَعًا ڈرنا، سہمنا، گھبرانا۔ بطِیئا سست، سست رفتار، بَطُؤَ (ك) بُطْئًا سست پڑنا۔ یقطف قَطَفَ (ن) قِطَافًا الدابة چوپائے کا سست ہونا، آہستہ چلنا، (ض) قَطْفًا الشَّيءَ کاٹنا۔ یُجَاری جَارَاهُ مُجَارَاةً (مفاعلة) کسی کے ساتھ دوڑنا، دوڑ میں مقابلہ کرنا۔

**ترجمه:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اہلِ مدینہ ڈر گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر سوار ہوئے، جو کہ بہت سست رفتار، نہایت آہستہ چلنے والا تھا، لیکن جب آپؐ واپس لوٹے تو فرمایا کہ ہم نے تمہارے اس گھوڑے کو دریا پایا، اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کے ساتھ نہیں چل پاتا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی گھوڑا اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی آپؐ کے معجزہ کا ذکر ہے کہ آپؐ نہایت سست رفتار گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہ آپؐ کی برکت سے ایسا تیز رفتار ہو گیا کہ کوئی گھوڑا رفتار میں اس کا مقابلہ نہ کر پاتا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فزعوا مدینہ میں دشمن کے حملہ کی خبر اڑ گئی تھی جس سے لوگ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ فرکب النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ واقعہ کی تحقیق کے لیے تنہا روانہ ہو گئے، اس سے آپؐ کی بے مثال شجاعت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وکان یقطف حضرت ابوطلحہؓ کے جس گھوڑے پر آپؐ سوار ہوئے بہت سست رفتار تھا۔ علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ بات مستنبط ہوئی کہ سلطان اگر کمتر جانور پر سواری کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ اس کو مشق

کروائے اور اس کی تادیب کرے، یہ تواضع کے قبیل سے ہے۔ (شرح ابن بطال، ص ۱۷ ج ۵)

هذا بحرًا وہ سمندر کی طرح بہنے لگا یعنی خوب تیز رفتار ہوگیا۔

## حدیث نمبر ۲۷۰۷ ﴿آپ کی دعا سے قرض کی ادائیگی﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۶

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ تُوُفِّيَ أَبِيْ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَعَرَضْتُ عَلٰى غُرَمَائِهِ أَنْ يَّأْخُذُوا التَّمْرَ بِمَا عَلَيْهِ فَأَبَوْا فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ وَالِدِيْ اُسْتُشْهِدَ يَوْمَ أُحُدٍ وَتَرَكَ دَيْنًا كَثِيْرًا وَإِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ يَرَاكَ الْغُرَمَاءُ فَقَالَ لِيْ اِذْهَبْ فَبَيْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلٰى نَاحِيَةٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُهُ فَلَمَّا نَظَرُوْا إِلَيْهِ كَأَنَّهُمْ أُغْرُوْا بِيْ تِلْكَ السَّاعَةَ فَلَمَّا رَاٰى مَا يَصْنَعُوْنَ طَافَ حَوْلَ أَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ ادْعُ لِيْ أَصْحَابَكَ فَمَا زَالَ يَكِيْلُ لَهُمْ حَتّٰى أَدَّى اللّٰهُ عَنْ وَالِدِيْ أَمَانَتَهٗ وَأَنَا أَرْضٰى أَنْ يُّؤَدِّيَ اللّٰهُ أَمَانَةَ وَالِدِيْ وَلَا أَرْجِعُ إِلٰى أَخَوَاتِيْ بِتَمْرَةٍ فَسَلَّمَ اللّٰهُ الْبَيَادِرَ كُلَّهَا وَحَتّٰى أَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةٌ وَاحِدَةٌ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۳۹۰ ج ۱، باب قضاء الوصي ديون الميت الخ، كتاب الوصايا، حدیث ۲۷۸۱

**حل لغات:** توفي ماضی مجہول (تفعل) فلانٌ کسی کو موت آ جانا۔ تَوَفَّى اللّٰهُ فُلَانًا خدا کا کسی کو وفات دینا، روح قبض کرنا۔ عرضت عَرَضَ (ض) عَرْضًا الشَّيءَ على أحدٍ کسی پر کچھ پیش کرنا، کسی کو کچھ دینا۔ غرماء (واحد) غَرِيمٌ قرض خواہ، قرض دار۔ التمر خشک کھجور، چھوہارا (ج) تُمُوْرٌ۔ اُسْتُشْهِدَ ماضی مجہول (استفعال) خدا کی راہ میں شہید ہو جانا۔ دَيْنًا (ج) دُيُوْنٌ قرض۔ بَيْدِرْ امر حاضر، ڈھیر لگاؤ، بَيْدَرَ الحِنْطَةَ وَغَيْرَهَا کھلیان میں غلہ کا ڈھیر لگانا۔ اَلْبَيْدَرُ کھلیان، خرمن (ج) بَيَادِرُ۔ نَاحِيَةٌ گوشہ، کنارہ، جانب (ج) نَوَاحِي۔ اغروا ماضی مجہول برانگیختہ کر دیے گئے، اَغْرٰى (افعال) إِغْرَاءُ الْكَلْبِ بالصيد کتے کو شکار کے پیچھے لگانا۔ طَافَ (ن) طَوَافًا گھومنا، چکر لگانا۔ يكيل (ض) كَيْلًا کسی پیمانے سے ناپنا، وزن کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو ان پر قرضہ تھا، تو میں نے قرض خواہوں کے سامنے یہ بات پیش کی کہ وہ قرض کے بدلے (باغ میں لگی ہوئی ساری) کھجوریں لے لیں، لیکن انھوں نے انکار کر دیا (اس لیے کہ یہ ان کی نظر میں کم تھیں)، تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ میرے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے اور انھوں نے بہت سا قرضہ چھوڑا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ کو (میرے پاس) دیکھ لیں (اور کچھ رعایت کریں) آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور ہر قسم کے کھجور کی علاحدہ علاحدہ ڈھیری بناؤ، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، پس جب قرض خواہوں نے آپ کو دیکھا تو انھوں نے اس وقت ایسا رویہ اختیار کیا جیسے وہ مجھ پر غالب آ جائیں گے، جب حضورؐ نے ان کا یہ رویہ دیکھا تو کچھ کہے بغیر کھجور کی بڑی ڈھیری کے گرد تین چکر لگائے، پھر اس کے پاس بیٹھ گئے، پھر فرمایا میرے سامنے اپنے ساتھیوں (یعنی قرض خواہوں) کو بلاؤ، پس آپ ناپ کر کے ان کو دیتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کا سارا قرضہ ادا کر دیا، میں تو اس پر راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کا قرض اتروا دیں چاہے میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور بھی نہ لے جاؤں، لیکن اللہ تعالیٰ نے سارے ڈھیر محفوظ کر دیئے اور میں اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا جس پر حضورؐ بیٹھے تھے گویا کہ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی ہو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث:** حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہؓ بہت زیادہ سخی تھے، لوگ ان کے پاس امانتیں رکھواتے تو وہ ان سے اجازت لے کر غربا میں تقسیم فرما دیتے اور امانت والوں سے کہتے کہ جب تمہیں ضرورت ہو تم اپنی امانت لے لینا، اس

طرح جب اُن کی شہادت ہوئی تو بہت سے لوگوں کا اُن پر قرض تھا، قرض خواہ قرض کی وصولی کے لیے آئے تو حضرت جابرؓ کے پاس حضورؐ کو دیکھ کر اُن کو گمان ہوا کہ حضورؐ قرض معاف کرنے یا کم کرنے کے لیے کہیں گے، لہٰذا انھوں نے حضرت جابرؓ سے سختی شروع کردی، حضورؐ کو ان کے اس طرز عمل کا علم ہوگیا، چنانچہ آپؐ نے ایک ڈھیر کے گرد تین چکر لگائے اور حکم دیا کہ قرض خواہوں کو یہاں قریب بلاؤ اور ان سے کہو اپنا حصہ لے لیں، ان کھجوروں میں ایسی برکت ہوئی کہ سب کا قرض بھی ادا ہوگیا اور کھجور میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ حضرت جابرؓ کی خواہش تھی کہ قرض ادا ہو جائے چاہے بہنوں کو کچھ نہ ملے، لیکن آپؐ کا معجزہ ظاہر ہوا اور قرض بھی ادا ہوگیا نیز بہنوں کے لیے ساری کھجوریں باقی بھی رہ گئیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فعرضت علی غرمائه ابّا جان کے قرض خواہوں پر باغ کی کھجوروں کو پیش کیا، لیکن انھوں نے قلیل سمجھ کر انکار کردیا۔ بعد میں آپؐ کے ذریعہ کھجوروں میں برکت ہوئی اور ان ہی کھجوروں سے قرض ادا ہوگیا، معلوم ہوا کہ قرض دار کا اگر انتقال ہو جائے اور اس کے وارثوں میں سے کسی ایک نے دوسرے ورثا کی عدم موجودگی میں قرضہ ادا کردیا تو یہ درست ہے، حضرت جابرؓ کے والد پر قرضہ تھا، ورثا میں ایک بیٹا تھا، وہی وصی تھا اور چھ بیٹیاں تھیں، حضرت جابرؓ نے قرضہ باغ کے کھجوروں سے ادا کیا، اس وقت بہنیں موجود نہیں تھیں، معلوم ہوا کہ ایسا کرنا درست ہے، مگر اس میں دیگر ورثا کی صراحۃً دلالۃً یا عرفاً اجازت ضروری ہے۔ فما زال یکیل اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے خود تول کر قرضہ چکایا تھا، جب کہ بخاری کی حدیث ۲۱۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے تولا تھا، آپؐ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا "کل للقوم" (قرض خواہوں کو کیل کر کے دے دو) کہتے ہیں "فکلتهم حتی أوفیتهم" (میں نے ان کو کیل کر کے دینا شروع کیا، یہاں تک کہ میں نے ان کو پورا پورا دے دیا جتنا ان کا قرضہ اور اُن کا حق تھا) یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے۔ اصلاً بیع اگر ہو تو کیل بائع کے ذمہ ہے اور بیع کے علاوہ کوئی عقد ہو تو جس شخص کو بھی دینا ہے، کیل اس کی ذمہ داری ہے، مثلاً کوئی مقروض ہے اور قرض ادا کرنا ہے تو اس میں کیل کی ذمہ داری مستقرض پر ہوگی؛ کیوں کہ ادائیگی اسی کو کرنا ہے۔ اب حضرت جابرؓ نے خود یہ ذمہ داری ادا کی یا اُن کی طرف سے آپؐ نے کی دونوں طرح کی روایات ہیں۔

## حدیث نمبر ۲۷۰۸ ﴿گھی کی کپی کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۷

وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ أُمَّ مَالِكٍ كَانَتْ تُهْدِيْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عُكَّةٍ لَهَا سَمْنًا فَيَأْتِيْهَا بَنُوْهَا فَيَسْأَلُوْنَ الْأُدْمَ وَلَيْسَ عِنْدَهُمْ شَيْءٌ فَتَعْمِدُ إِلَى الَّذِيْ كَانَتْ تُهْدِيْ فِيْهِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَجِدُ فِيْهِ سَمْنًا فَمَا زَالَ يُقِيْمُ لَهَا أُدْمَ بَيْتِهَا حَتّٰى عَصَرَتْهُ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَصَرْتِيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَوْ تَرَكْتِيْهَا مَا زَالَ قَائِمًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حواله:** مسلم، ص ۲۴۶ ج ۲، باب فی معجزات النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، کتاب الفضائل، حدیث ۲۲۸۰

**حل لغات:** تهدِی واحد مؤنث غائب، اَهْدَی إِهْدَاءً لأحدٍ ہدیہ دینا، تحفہ بھیجنا۔ عكة کپی گھی کی (ج) عُكَكٌ و عِكَاكٌ۔ سمن گھی، چربی، سَمَنَ (ن) سَمْنًا گھی ملانا۔ الأُدُمُ (واحد) إِدَامٌ سالن، ہر وہ چیز جس کے ساتھ روٹی کھائی جا سکے۔ تعمد عَمَدَ (ض) عمدًا إلی شَيْءٍ کسی پر بھروسہ کرنا، کسی چیز کا سہارا بننا۔ عصرت عَصَرَ (ض) عَصْرًا نچوڑنا۔

**ترجمه:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت مالکؓ کی والدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی کی کپی میں گھی بطور ہدیہ بھیجا کرتی تھیں، پھر ان کے بیٹے آتے اور اپنی والدہ سے سالن مانگتے لیکن ان کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی، حضرت مالکؓ کی والدہ اس برتن کے پاس جاتیں، جس میں وہ نبی کریم ﷺ کے لیے گھی بھیجا کرتی تھیں تو وہ اس برتن میں گھی موجود پاتیں، چنانچہ اسی طرح ہمیشہ اُن کے

گھر کا سالن چلتا رہا، یہاں تک کہ ام مالکؓ نے اس برتن کو نچوڑ لیا، پھر وہ نبی کی خدمت میں آئیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ تو نے اس برتن کو نچوڑ لیا ہوگا؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں، آپؐ نے فرمایا اگر تو اُسے اسی طرح چھوڑے رکھتی تو ہمیشہ اس کپی سے گھی ملا کرتا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ام مالکؓ ایک کپی میں حضورؐ کے پاس گھی بھیجا کرتی تھیں، اس کپی کے آپؐ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس میں ایسی برکت ہوگئی کہ اس میں سے گھی ختم نہ ہوتا تھا اور ان گھر والوں کے پاس اگر روٹی کھانے کے لیے کوئی دوسرا انتظام نہ ہوتا تو گھی بطور سالن کے وہ استعمال کرتے، یہ سلسلہ چلتا رہا کہ ایک دن ام مالک نے پورا گھی نچوڑ لیا اور کپی میں ذرا سا بھی نہیں چھوڑا، چنانچہ معجزہ اور برکت کا سلسلہ موقوف ہوگیا، چوں کہ معجزہ ایک غیبی نظام ہے، اس کو پوشیدہ ہی رکھنا چاہئے اور کھانے پینے کی اشیا میں برکت کے لیے کچھ ہونا چاہئے، اصل مادہ ختم کرنے یا ناپنے گننے سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** تھدی للنبی ﷺ اس حدیث میں آپؐ کے معجزہ کی وجہ سے گھی میں برکت و کثرت کا ذکر ہے۔ حافظؒ نے الاصابہ ص ۴۷۰ ج ۴ میں ابن ابی عاصم اور ابن ابی خیثمہؒ کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ ام مالک انصاریہؓ گھی کی کپی لائیں اور آپؐ کی خدمت میں پیش کی، آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا اسے لے کر نچوڑ لو، حضرت بلالؓ نے نچوڑ لیا اور خالی کپی واپس کردی، جب وہ کپی لے کر واپس گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ کپی گھی سے بھری ہوئی ہے، فکر مند ہو کر واپس آئیں اور عرض کیا "أنزل فيَّ شيء" کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا؟ (میں صادقۃ الاسلام نہیں یا مجھ سے ہدیہ قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے) کہ میرا ہدیہ آپؐ نے رد فرما دیا، حضورؐ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا، انھوں نے جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مبعوث کیا میں نے اس کو خوب نچوڑ لیا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ اے ام مالکؓ! تمھیں مبارک ہو، یہ برکت ہے کہ جلد تمھیں اللہ نے بدلہ دے دیا۔ لو ترکتیھا ما زال قائمًا اگر تم نچوڑتیں نہیں اور ناپ تول نہ کرتیں تو گھی کبھی ختم نہ ہوتا اور سالن کے طور پر استعمال ہوتا رہتا۔

**سوال:** نچوڑنے اور ناپنے سے برکت کیوں ختم ہو جاتی ہے؟

**جواب:** (۱) برکت کا تعلق امور باطنہ سے ہے، جستجو اور تحقیق کی اس میں اجازت نہیں، جب خود تصرف کیا تو برکت چلی گئی۔

(۲) نچوڑنا اور ناپ تول کرنا توکل اور تسلیم و رضا کے خلاف ہے، جس کی وجہ سے برکت اٹھالی گئی، اس لیے بندہ پر بجائے تحقیق حال اور کھود کرید کے شکر ادا کرنا لازم ہے کہ یہ محض اللہ کے فضل اور رسول اللہ کے معجزہ سے ہے، ورنہ ہم تو اس کے مستحق نہیں اور نہ یہ ہماری قدرت وطاقت میں ہے۔ (انعام المنعم)

**حدیث نمبر ۲۷۰۹ ﴿غزوۂ خندق میں برکت طعام﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۸**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعِيفًا أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوْعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَتْ نَعَمْ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيْرٍ ثُمَّ أَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِيْ وَلَاثَتْنِيْ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِيْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبْتُ بِهٖ فَوَجَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَكَ أَبُوْ طَلْحَةَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ مَعَهُ قُوْمُوْا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ حَتّٰى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتِ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ فَانْطَلَقَ أَبُوْ طَلْحَةَ حَتّٰى لَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَأَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُوْ طَلْحَةَ مَعَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمِّيْ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَأَتَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ فَأَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً فَأَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقُوْلَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشْرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشْرَةٍ ثُمَّ لِعَشْرَةٍ فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ أَوْ ثَمَانُوْنَ رَجُلًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ أَنَّهُ قَالَ ائْذَنْ لِعَشْرَةٍ فَدَخَلُوْا فَقَالَ كُلُوْا وَسَمُّوا اللّٰهَ فَأَكَلُوْا حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ بِثَمَانِيْنَ رَجُلًا ثُمَّ أَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُ الْبَيْتِ وَتَرَكَ سُؤْرًا. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ أَدْخِلْ عَلَيَّ عَشْرَةً حَتّٰى عَدَّ أَرْبَعِيْنَ ثُمَّ أَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ هَلْ نَقَصَ مِنْهَا شَيْءٌ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ أَخَذَ مَا بَقِيَ فَجَمَعَهُ ثُمَّ دَعَا فِيْهِ بِالْبَرَكَةِ فَعَادَ كَمَا كَانَ فَقَالَ دُوْنَكُمْ هٰذَا.

**حوالہ:** الروایۃ الاولیٰ بخاری، ص۵۰۵، ج۱، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، کتاب المناقب، حدیث۳۵۷۸، مسلم، ص۱۷۸ ج۲، باب جواز استتباعہ غیرہ الی دار من یثق برضاہ بذلک، کتاب الاشربۃ، حدیث۲۰۴۰؛ الروایۃ الثانیہ والرابعۃ مسلم میں اسی باب کے تحت الروایۃ الثالثۃ بخاری، ص۸۱۹ ج۲، باب من ادخل الضیفان عشرۃ عشرۃ، کتاب الاطعمۃ، حدیث۵۴۵۰

**حل لغات:** اقراص (واحد) القُرْصُ ٹکیہ، گندھے ہوئے آٹے کا پیڑا۔ شعیر جَو (واحد) شَعِیْرَۃٌ۔ خِمار عورت کا دوپٹہ، اوڑھنی (ج) اَخْمِرَۃٌ و خُمُرٌ۔ لفّت، لَفَّ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ (ن) ایک چیز کو دوسرے میں لپیٹنا۔ دَسَّتْ دَسَّ (ن) دَسًّا الشَّیْءَ چھپانا۔ لاثت لَاثَ (ن) لَوْثًا، العِمَامَۃَ علیٰ رأسہ سر پر پگڑی باندھنا، لپیٹنا۔ ھلمی لے آؤ۔ ھَلُمَّ کلمہ نداء ہے، بمعنی آ، لا، چلے آؤ، بلا لاؤ یہ اسم فعل ہے۔ فت ماضی مجہول فَتَّ (ن) فَتًّا (روٹی) چورنا، ریزے ریزے کرنا۔ عصرت عَصَرَ (ض) عَصْرًا نچوڑنا۔ عکۃ گھی کی کپی (ج) عُکَکٌ۔ ادمت اَدَمَ (ض) اَدْمًا الطعامَ روٹی وغیرہ کے ساتھ سالن ملانا۔ شَبِعُوْا شَبِعَ (س) شِبَعًا آسودہ ہونا۔ سؤر چیز کا بقیہ، جھوٹا۔ سَئِرَ (س) سَأْرًا بچنا، باقی رہنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوطلحہؓ نے ام سلیمؓ سے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزور آواز سنی، مجھے اس میں بھوک محسوس ہوئی ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ پھر انھوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں پھر اپنا دوپٹہ لیا اور اس کے ایک حصہ میں روٹیاں لپیٹ کر میرے ہاتھ کے نیچے چھپایا اور دوسرے حصہ کو میرے سر پر لپیٹ دیا، پھر مجھے حضورؐ کے پاس بھیجا، میں وہ حضورؐ کے پاس لے گیا تو میں نے حضورؐ کو مسجد میں پایا اور آپؐ کے ساتھ کچھ لوگ بھی تھے، میں نے ان کو سلام کیا، حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم کو ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا کھانے کے ساتھ؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپؐ نے ان لوگوں سے فرمایا جو آپؐ کے ساتھ تھے کہ کھڑے ہوجاؤ۔ پس آپؐ چل پڑے اور میں ان کے آگے چل پڑا، یہاں تک کہ میں ابوطلحہؓ کے پاس آگیا، اور ان کو (حضورؐ کی تشریف آوری کی) خبر دی، ابوطلحہؓ نے ام سلیمؓ سے کہا کہ حضورؐ لوگوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس ان کو کھلانے کے لیے کچھ نہیں، انھوں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ زیادہ جانتے ہیں، ابوطلحہؓ چلے یہاں تک کہ حضورؐ سے ملے، پس حضورؐ تشریف لائے اور ابوطلحہؓ آپؐ کے ساتھ تھے، آپؐ نے فرمایا اے ام سلیمؓ! لاؤ تمہارے پاس کیا چیز ہے، پس وہ وہی روٹیاں لے آئیں۔ حضورؐ کے حکم سے ان کو ریزہ ریزہ کیا گیا اور ام سلیمؓ نے کپی کو نچوڑا جو سالن ہوگیا، پھر رسول اللہؐ نے پڑھا جو کچھ

اللہ نے چاہا، پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو اجازت دو، پس ان کو اجازت دی گئی انھوں نے سیر ہو کر کھایا، پھر وہ نکل گئے، پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو اجازت دو، پھر دس کو پس سب کے سب لوگوں نے کھالیا اور وہ سیر ہو گئے، اور وہ لوگ ستر یا اسی آدمی تھے۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دس آدمیوں کو اجازت دو پس جب وہ داخل ہو گئے، تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو، پس انھوں نے کھایا یہاں تک کہ اسی آدمیوں کے ساتھ اس طرح کیا، پھر آپؐ نے اور گھر والوں نے کھانا کھایا اور جھوٹا کھانا باقی رہ گیا۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا میرے پاس دس آدمیوں کو لاؤ، اس طرح چالیس کو شمار کیا اور ان کے بعد خود نبی کریمؐ نے تناول فرمایا، میں دیکھ رہا تھا کیا کھانے میں کچھ کم ہوا ہے؟ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پھر آپؐ نے باقی کھانے کو لیا اور اس کو جمع کیا پھر اس میں برکت کی دعا کی، تو وہ پہلے کی طرح ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا اس کو رکھ لو۔

**خلاصۂ حدیث** حضرت انسؓ حضرت ابوطلحہؓ کے فرستادہ بن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت انسؓ نے دیکھا کہ آپؐ مسجد میں تشریف فرما ہیں، حاضر ہوئے اور خاموش کھڑے ہو گئے، آپؐ نے فرمایا کہ کیا ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے؟ عرض کیا جی ہاں، آپؐ نے فرمایا کھانے کے لیے بھیجا ہے؟ عرض کیا جی ہاں، آپؐ نے تمام حاضرین سے فرمایا چلو ابوطلحہؓ کے یہاں دعوت ہے، گویا آپؐ نے ابوطلحہؓ کی جانب سے مسجد ہی میں حاضرین کی دعوت کر دی، یہ سب گفتگو مسجد کے اندر ہوئی، معلوم ہوا کہ مسجد میں کلامِ مباح کی بقدرِ ضرورت اجازت ہے، اس کے بعد آپؐ صحابہؓ کو ساتھ لے کر حضرت ابوطلحہؓ کے یہاں تشریف لے گئے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں اطلاع کی غرض سے ان سے آگے روانہ ہو گیا۔ (ایضاح البخاری) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ، میں نے انس کو صرف آپ کی دعوت کے لیے بھیجا تھا، گھر میں ان سب کو سیر کرانے کے لیے کھانا نہیں، آپؐ نے فرمایا: ”اِنَّ اللّٰہ سیبارك فیہ“ (اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیں گے) پھر واقعی اس کھانے میں برکت ہو گئی اور تھوڑا سا کھانا سب نے سیر ہو کر کھالیا۔ ابن بطال فرماتے ہیں مل کر کھانا کھانا باعثِ برکت ہے امام ابوداؤد نے روایت نقل کی ہے ”فاجتمعوا علی طعامکم واذکروا اسم اللّٰہ، یبارك لکم فیہ“ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مہمان زیادہ ہوں اور جگہ تنگ ہو تو ان کو تقسیم بھی کیا جا سکتا ہے اور تھوڑے تھوڑے لوگوں کو بٹھا کر کھلایا جا سکتا ہے۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** عن انس حضرت انسؓ نے جو واقعہ کھانے میں برکت کا بیان کیا ہے، یہ غزوۂ خندق کے موقعہ کا ہے، حضرت جابرؓ کا جو واقعہ عالمی حدیث ۵۸۷۷ کے تحت برکتِ طعام کا گذرا، وہ بھی غزوۂ خندق کے موقع کا ہی ہے۔ ثم دسته تحت یدی و لا ثتنی ببعضه حضرت انسؓ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امی جان نے اپنے دوپٹے کے ایک حصہ میں روٹی باندھ کر میرے بغل میں دبا دی اور دوپٹے کا دوسرا حصہ میرے سر پر لپیٹ دیا، چوں کہ یہ سردی کا موسم تھا، اس لیے دوپٹے سے اوڑھنے کا بھی کام لیا گیا۔ فوجدت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی المسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تھے۔ مسجد سے مراد خندق کے قریب کی وہ جگہ ہے، جس کو آپؐ نے دشمنوں کی طرف سے مدینہ کے محاصرہ اور خندق کھودے جانے کے موقع پر نماز پڑھنے کے لیے مخصوص کیا تھا۔ ارسلك ابو طلحة تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ آپ کو اس بات کا علم وحی کے ذریعہ ہو گیا تھا، دوبارہ سوال کیا کہ کیا کھانے کے ساتھ بھیجا ہے؟ یہ الگ سے سوال کرنا اس وجہ سے تھا کہ اس کا علم بذریعہ وحی بعد میں ہوا، نیز آنحضرتؐ کے اس سوال پر کہ کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے حضرت انسؓ کا جی ہاں کہنا یہ اس بات کے منافی نہیں کہ ان کو تو حضرت ام سلیمؓ نے بھیجا تھا اس لیے کہ اصل حکم تو حضرت ابوطلحہؓ کا تھا جس کی وجہ سے ام سلیمؓ نے ان کو بھیجا تھا، حضورؐ نے ام سلیمؓ کا ذکر اس لیے نہ کیا کہ تو وہ عورت ہیں اور عورت کا مردوں کے مجمع میں ذکر کرنا باعث شرم ہے۔ قوموا، آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ ابوطلحہ نے کھانا بھیجا ہے، پھر بھی

آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ابوطلحہ کے گھر چلو تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کو علم ہو گیا تھا کہ وہ روٹیاں تھوڑی ہیں جو چند ایک آدمیوں کے لیے ہی کافی ہو سکتی ہیں، آپ نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ چند لوگ تو سیر ہو کر کھالیں اور باقی بھوکے رہ جائیں، نیز آپ کا ارادہ معجزہ کے اظہار کا تھا، تاکہ بہت سے لوگ یہ تھوڑا سا کھانا سیر ہو کر کھالیں اور ابوطلحہ کے گھر میں بھی خیر و برکت ہو۔ اللّٰہ ورسولہ اعلم حضرت امّ سلیمؓ نے یہ جملہ حضرت ابوطلحہؓ کی تسلی کے لیے فرمایا کہ جب حضورؐ کو کھانے کی مقدار کا علم ہے جو کہ بمشکل دو تین آدمیوں کے لیے پورا ہو سکتا ہے، پھر بھی آپؐ کئی لوگوں کو ساتھ لائے تو اس میں کوئی مصلحت وحکمت ہوگی جس کا علم اللہ اور اس کے رسولؐ کو ہے، ہمیں گھبرانے کی ضرورت نہیں، اس جملہ سے حضرت ام سلیمؓ کی عظمت، عقلمندی اور قوت یقین کا اظہار ہوتا ہے۔ ثم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حضورؐ نے اس کھانے میں برکت کی دعا فرمائی اور ایک روایت میں دعا کے لیے یہ الفاظ منقول ہیں: بسم اللّٰہ اللّٰھم اعظم فیھا البرکۃ اللہ کے نام سے شروع اے اللہ اس میں زیادہ برکت نازل فرما۔ ائذن لعشرۃ سب کو اکٹھا نہیں بلایا، بلکہ دس دس کرکے بلایا اس لیے کہ برتن اتنا ہی بڑا تھا کہ جس میں دس آدمی کھا سکتے تھے، یا پھر مکان میں صرف دس آدمیوں کی گنجائش تھی۔ والقوم سبعون أو ثمانون کھانے والے صحابہ کی تعداد کتنی تھی؟ تو حافظ ابن حجرؒ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں شک کے ساتھ ہے کہ یہ ستر تھے، یا اسی لیکن دوسری روایت جزم کے ساتھ ہے کہ یہ حضرات اسی تھے، البتہ بعض روایات میں اسی سے اوپر کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب یہ پوچھا گیا کہ کتنے لوگ تھے؟ تو انھوں نے کہا اسی سے اوپر تھے؛ لیکن امام احمد کی روایت اور اس روایت میں جس میں بالجزم اسی کا ذکر ہے، کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ تعداد اسی سے کچھ اوپر تھی جس روایت میں صرف اسی کا ذکر ہے، اس میں کسر کو حذف کیا گیا ہے۔ امام احمد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب چالیس آدمیوں نے کھانا کھالیا تو کھانا ویسے کا ویسا ہی رہا، یعنی اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعداد صرف چالیس تھی تو اس کا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار ہوا ہے، ایک دفعہ تعداد اسی یا اسی سے کچھ اوپر تھی اور دوسری مرتبہ تعداد چالیس تھی، لیکن تعددِ واقعہ والی بات درست نہیں، بلکہ واقعہ ایک مرتبہ ہی کا ہے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے چالیس آدمیوں نے دس دس کرکے کھایا پھر دوسرے چالیس کو بعد میں کھلایا، کیوں کہ وہ پیچھے رہ گئے تھے یا ان کو حضورؐ نے بعد میں بلایا تھا۔ اور بخاری کی یہ جو روایت ہے کہ جس میں ہے آپ نے چالیس آدمیوں کے بعد کھانا کھایا تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے چالیس آدمیوں نے کھانا کھالیا تو دوسرے چالیس کے آنے سے پہلے آپ نے خود تناول فرمالیا، پھر جب باقی چالیس بھی آگئے تو پھر انھوں نے کھانا کھایا۔ (جدید مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۷۱۰ ﴿انگلیوں سے پانی جاری ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۰۹

وَعَنْهُ قَالَ أُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِإِنَاءٍ وَهُوَ بِالزَّوْرَاءِ فَوَضَعَ یَدَهُ فِی الْإِنَاءِ فَجَعَلَ الْمَاءُ یَنْبُعُ مِنْ بَیْنِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ قَالَ قَتَادَةُ قُلْتُ لِأَنَسٍ کَمْ کُنْتُمْ قَالَ ثَلَاثَ مِائَةٍ أَوْ زُهَاءَ ثَلَاثِ مِائَةٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۰۴ ج ۱، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، کتاب المناقب، حدیث ۳۵۷۲، مسلم، ص ۲۴۵ ج ۲، باب فی معجزات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کتاب الفضائل، حدیث ۲۲۷۹

**حل لغات:** إناء (ج) آنیۃ برتن۔ الزوراء دور دراز، فُلاۃٌ زَوْرَاءُ دور تک پھیلا ہوا جنگل۔ بئرٌ زوراء گہرا کنواں۔ ینبع نَبَعَ (ن) نَبعًا الماءُ من الأرض زمین سے پانی نکلنا، چشمہ پھوٹنا۔ زھاء چیز کی مقدار، قریب قریب (تخمینہ اور اندازہ کے لیے)

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن لایا گیا، جب کہ آپؐ مقامِ زوراء میں تھے، آپؐ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا، تو پانی آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے ابلنے لگا، تو لوگوں نے اسی پانی سے وضو کیا، حضرت قتادہؓ کہتے ہیں

کہ میں نے حضرت انسؓ سے عرض کیا کہ آپؐ کتنے لوگ تھے، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ تین سو یا تین سو کے قریب۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** بخاری حدیث ۱۶۹ کچھ مفصل ہے، اس سے اس حدیث کی اچھی طرح وضاحت ہوتی ہے، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ عصر کا وقت ہوگیا، صحابہ نے پانی تلاش کیا مگر نہ ملا، تھوڑا سا پانی آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا، صحابہ پریشان تھے کہ وضو کس طرح کیا جائے؟ اس پریشانی کے عالم میں آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے پہلے سے پانی کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ بلکہ کسی ملامت اور تنبیہ کے بغیر دست مبارک پانی میں ڈال دیا، آپ کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کے چشمے پھوٹنے شروع ہوگئے، تمام صحابہ کرامؓ نے وضو کیا اور کچھ پانی باقی بھی بچ گیا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت دی جائے گی، لیکن تلاش کے بعد پانی نہ ملنے کی صورت کیا ہے؟ وہ صورت اس حدیث سے متعین ہو رہی ہے اور یہ کہ پانی نہ ملنے کے معنی یہ نہیں کہ تم نے تلاش کیا اور نہ مل سکا تو تیمم کرلیا، بلکہ پانی نہ ملنے کے معنی یہ ہیں کہ پانی ملنے کی معتاد اور غیر معتاد تمام صورتیں ختم ہوجائیں، اگر کسی غیر معتاد طریقہ پر بھی پانی ملنے کا امکان ہے تو جب تک یہ صورت ختم نہ ہوجائے تیمم کرنا درست نہیں ہے، دیکھئے حدیث باب میں یہی چیز ہے، حضرات صحابہ نے صرف ظاہر پر مدار نہیں رکھا، انھیں معلوم تھا کہ پانی کی مقدار کم ہے اور وہ صرف پیغمبرؐ کے لیے ہی کافی ہوسکتا ہے اور اس کے علاوہ کہیں پانی نہیں ہے، موقع تھا کہ تیمم کرلیتے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ سرکار نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا، آپؐ نے صحابہ کرامؓ کی پریشانی کو محسوس فرمایا اور بطور اعجاز اس تھوڑے پانی سے بہت سا پانی مہیا فرمادیا، اور صحابہؓ نے وضو سے نماز ادا کی، معلوم ہوا کہ جب تک تمام ظاہری اور غیر ظاہری اسباب ختم نہ ہوجائیں اور ہر طرف سے مایوسی نہ ہوجائے، اس وقت تک تیمم نہ کرنا چاہئے مثلاً یہ کہ قافلہ میں کوئی مقبول خدا بندہ ہے، یا امکان ہے کہ کوئی ہم ہی میں سے ہو، ایسی صورت میں اگر یہ علم بھی ہوجائے کہ ایک ایک میل تک پانی نہیں ہے، تو فوراً تیمم نہیں کرلینا چاہئے ممکن ہے کہ وہ خلاف عادت کسی طریقہ پر انتظام کرسکے۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** الزوراء مدینہ کے بازار کے پاس کی جگہ ہے، یا مدینہ کے قریب کی جگہ ہے۔ ینبع من بین اصابعه پانی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا۔ اس کی دو صورتیں ممکن ہیں: (۱) پانی ہاتھ کی انگلیوں سے بہہ رہا تھا۔ (۲) جو پانی لایا گیا تھا آپؐ کی انگلیاں ڈالنے سے اس میں برکت ہوگئی اور وہ ابلنے لگا۔ دونوں صورتوں میں معجزہ ہونا ظاہر ہے، لیکن پہلا مطلب راجح اور پسندیدہ ہے۔ کم کنتم کتنے لوگوں نے وضو کیا؟ اس روایت میں تین سو یا تین سو کے قریب کا ذکر ہے، مسلم کی ایک روایت میں "ما بين الستين إلى الثمانين" کا ذکر ہے، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ ممکن ہے آپؐ کی انگلیوں سے چشمہ متعدد بار پھوٹا ہو اور مختلف واقعات کی وجہ سے موجود صحابہ کی تعداد مختلف رہی ہو۔

### حدیث نمبر ۲۷۱۱ ﴿ظہور معجزہ باعث خوشی ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۰

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ الْآيَاتِ بَرَكَةً وَأَنْتُمْ تَعُدُّوْنَهَا تَخْوِيْفًا كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ اُطْلُبُوْا فَضْلَةً مِّنْ مَاءٍ فَجَاءُوْا بِإِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ قَلِيْلٌ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۰۵ ج ۱، باب علامات النبوة في الإسلام، كتاب المناقب، حدیث ۳۵۷۹

**حل لغات:** نعد عَدَّ (ن) عَدًّا شمار کرنا۔ تخويفا مصدر ہے ڈرانا، خوف زدہ کرنا (تفعیل)۔ فضلة کسی چیز کا بقیہ، بچی ہوئی چیز (ج) فَضَلاتٌ وفِضَالٌ۔ حَيَّ آ، جلدی سے آ، اسی سے ہے حَيَّ علي الصلاة (نماز کے لیے جلدی آ)

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم قدرتی نشانیوں کو برکت شمار کیا کرتے تھے، اور تم ان کو خوف کا سبب سمجھتے ہو۔ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اس موقع پر پانی کم پڑ گیا، آپؐ نے فرمایا کہ بچا ہوا پانی تلاش کرو، لوگ ایک برتن لائے جس میں تھوڑا سا پانی تھا، آپؐ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ داخل فرمایا اور کہا بابرکت پانی کی طرف آؤ، اور اللہ کی برکت سے فائدہ اٹھاؤ، میں نے دیکھا پانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا اور یقیناً ہم (کبھی کبھی) کھانا کھائے جانے کے وقت کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے دو معجزوں کا ذکر ہے: (۱) آپؐ کی مبارک انگلیوں سے چشمہ پھوٹا۔ (۲) آپؐ کے سامنے کا کھانا تسبیح پڑھتا اور لوگ اس کو سنتے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معجزات کے ظہور میں مومنین کے لیے تبشیر کا پہلو ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** آیات سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں جو آسمان سے نازل ہوتی تھیں، یا وہ معجزات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ آپؐ کے ذریعہ ظاہر فرماتا ہے، زیادہ صحیح اور حدیث کے سیاق سے زیادہ مناسب یہی ہے کہ ''آیات'' سے معجزات مراد لیے جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ معجزات اگرچہ کافروں کو ڈرانے کے لیے ہیں، لیکن ایمان والوں کے حق میں بشارت اور زیادتِ ایمان کا سبب ہیں۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آپؐ کی مبارک انگلیوں سے پانی نکلا، حضرت موسیٰ کے لیے پتھر سے چشمہ پھوٹا، پتھروں سے تو چشمے بہتے ہی ہیں، آپؐ کا معجزہ اعلیٰ ہے کہ انگلیاں جن کے اندر خون ہوتا ہے اس سے پانی نکلا۔

**سوال:** اس معجزہ کے اظہار کے لیے تھوڑا پانی کیوں منگوایا، خالی برتن کے ذریعہ بھی معجزہ کا اظہار ہو سکتا تھا؟

**جواب:** اس میں یقیناً کوئی حکمت ہوگی، لیکن ہر حکمت کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں، لہٰذا سکوت بہتر ہے۔

نسمع تسبیح الطعام آپؐ کے سامنے کھانا تسبیح پڑھتا تھا، یہ بھی آپ کا معجزہ ہے، آپؐ کے دست مبارک میں تو بے جان کنکریاں بھی تسبیح پڑھا کرتی تھیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

**حدیث نمبر ۲۷۱۲ ﴿پانی میں برکت کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۱**

وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَؓ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّكُمْ تَسِيْرُوْنَ عَشِيَّتَكُمْ وَلَيْلَتَكُمْ وَتَأْتُوْنَ الْمَاءَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غَدًا فَانْطَلَقَ النَّاسُ لَا يَلْوِيْ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ قَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ فَبَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ فَمَالَ عَنِ الطَّرِيْقِ فَوَضَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ قَالَ احْفَظُوْا عَلَيْنَا صَلَاتَنَا فَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالشَّمْسُ فِيْ ظَهْرِهٖ ثُمَّ قَالَ ارْكَبُوْا فَرَكِبْنَا فَسِرْنَا حَتّٰى إِذَا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ نَزَلَ ثُمَّ دَعَا بِمِيْضَأَةٍ كَانَتْ مَعِيَ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا وُضُوْءًا دُوْنَ وُضُوْءٍ قَالَ وَبَقِيَ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ ثُمَّ قَالَ احْفَظْ عَلَيْنَا مِيْضَأَتَكَ فَسَيَكُوْنُ لَهَا نَبَأٌ ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى الْغَدَاةَ وَرَكِبَ وَرَكِبْنَا مَعَهٗ فَانْتَهَيْنَا إِلَى النَّاسِ حِيْنَ امْتَدَّ النَّهَارُ وَحَمِيَ كُلُّ شَيْءٍ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَعَطِشْنَا فَقَالَ لَا هُلْكَ عَلَيْكُمْ وَدَعَا بِالْمِيْضَأَةِ فَجَعَلَ يَصُبُّ وَأَبُوْ قَتَادَةَ يَسْقِيْهِمْ فَلَمْ يَعْدُ أَنْ رَأَى النَّاسُ مَاءً فِي الْمِيْضَأَةِ تَكَابُّوْا عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسِنُوا الْمَلَأَ كُلُّكُمْ سَيُرْوٰى قَالَ فَفَعَلُوْا فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُبُّ وَأَسْقِيْهِمْ حَتّٰى مَا بَقِيَ غَيْرِيْ وَغَيْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَبَّ فَقَالَ لِيْ اِشْرَبْ فَقُلْتُ لَا اَشْرَبُ حَتّٰى تَشْرَبَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ قَالَ فَشَرِبْتُ وَشَرِبَ قَالَ فَأَتَى النَّاسُ الْمَاءَ جَامِّيْنَ رِوَاءً رَوَاهُ مُسْلِمٌ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِهٖ وَكَذَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيْ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ وَزَادَ فِي الْمَصَابِيْحِ بَعْدَ قَوْلِهٖ آخِرُهُمْ لَفْظَةَ شُرْبًا.

**حواله:** مسلم،ص۲۳۸ج۱،باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ الخ، کتاب المساجد،حدیث۶۸۱

**حل لغات:** تسیرون سَارَ (ض) چلنا۔ عشِية عشِيٌّ کا مونث ہے(ج) عَشَايَا، نمازِ مغرب کے بعد سے پوری تاریکی کا وقت، سہ پہر، شام۔ غد کل آئندہ، مستقبل۔ انطلق (انفعال) اِنْطِلَاقًا چلنا۔ يلوی لَوَی (ض) لَيًّا کسی کی طرف متوجہ ہونا، مائل ہونا، لا يلوي على أحد وہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ابهار دن یا رات کا آدھا ہونا مصدر اِبْهِيْرَارٌ (افعيلال)۔ مَالَ (ض) مَيْلًا ایک طرف مائل ہوجانا عن الطريق راہ سے ہٹ جانا۔ استيقظ (استفعال) عن النوم بیدار ہونا، جاگنا۔ ميضاة وضو کے پانی کا لوٹا یا برتن۔ توضأ (تفعل) بعض اعضا کو دھونا اور صاف کرنا، للعبادة وضو کرنا۔ انتهينا جمع متکلم فعل ماضی (افتعال) إلىٰ أحدٍ کسی کے پاس پہنچنا۔ امتد (افتعال) الشَّيْءُ پھیلنا، دراز ہونا۔ مَدَّ (ن) مَدًّا الشَّيْءَ بڑھانا۔ حمي (س) حَمْيًا الشمسُ تیز اور گرم ہونا۔ عطشنا عَطِشَ (س) عطشًا پیاس لگنا، پیاسا ہونا۔ يصب صَبَّ (ن) صَبًّا الماءَ پانی ڈالنا، انڈیلنا۔ يسقی سَقيٰ (ض) سَقْيًا أحدًا پلانا، سیراب کرنا۔ تكابوا تَكَابَّ القومُ على الشَّيْءِ کسی چیز کے پاس لوگوں کا ازدحام ہونا۔ احسنوا امر جمع مذکر حاضر (افعال) اچھا سلوک کرنا۔ المَلَأ جماعت، گروہ (ج) أَمْلَاءٌ۔ يُرْوَى مضارع مجہول رَوَى (ض) رَيًّا پانی پلانا۔ روى (س) رِوًى سیراب ہونا، پیاس بجھنا۔ جامينَ (واحد) جَامٌّ تازہ دم۔ رِوَاءٌ خوب سیراب (و) رَاوٍ۔

**ترجمه:** حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، پس آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس رات کے اول حصہ میں اور آخری حصہ میں سفر کروگے اور تم کو کل ان شاء اللہ پانی مل جائے گا، تو لوگ اس طرح چلنا شروع ہوگئے کہ کسی کو کسی کا دھیان نہیں تھا، ابوقتادہؓ کہتے ہیں حضور بھی چلے جارہے تھے کہ جب آدھی رات ہوگئی، تو آپؐ راستے سے ہٹ گئے اور سر رکھ کر لیٹ گئے اور فرمایا کہ ہماری نماز (کے وقت) کا خیال رکھنا۔ پس آپؐ سب سے پہلے بیدار ہوئے جب کہ دھوپ آپ کی پشت پر پڑنے لگی، پھر آپؐ نے فرمایا سوار ہوجاؤ۔ پس ہم سوار ہوکر چل پڑے، یہاں تک کہ جب سورج بلند ہوگیا تو آپؐ سواری سے اترے، پھر وضو کا برتن منگوایا جو میرے پاس تھا جس میں تھوڑا سا پانی تھا، اس سے آپؐ نے مختصر وضو کیا، ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ تھوڑا پانی اس برتن میں بچ گیا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ اس پانی کے برتن کی حفاظت کرنا، عنقریب اس پانی سے ایک بڑی بات ظہور پذیر ہونے والی ہے، پھر حضرت بلالؓ نے نماز کے لیے اذان دی۔ آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر صبح کی نماز پڑھی، پھر آپؐ سواری پر سوار ہوئے ہم بھی ساتھ سوار ہوگئے، پس ہم ان لوگوں تک پہنچ گئے (یعنی جو ہم سے آگے جاکر اترے تھے) اس وقت تک دن چڑھ آیا تھا اور ہر چیز (گرمی کی وجہ سے) تپ گئی تھی اور لوگوں نے کہنا شروع کردیا، یارسول اللہ ہم ہلاک ہوگئے اور ہم پیاسے ہیں، آپؐ نے فرمایا تم پر ہلاکت نہیں ہے، پھر آپؐ نے پانی کا برتن منگوایا اور اس سے پانی ڈالنا شروع کیا، اور ابوقتادہؓ نے ان کو پلانا شروع کردیا، جوں ہی لوگوں نے برتن سے پانی گرتے دیکھا تو سب ٹوٹ پڑے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے آپؐ نے فرمایا مخلوق کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرو (یعنی ازدحام کرکے لوگوں کو تکلیف نہ دو) تم سب کے سب اس پانی سے سیراب ہوگے۔ ابوقتادہؓ کا بیان ہے کہ لوگوں نے ایسا ہی کیا (یعنی اخلاق و ایثار سے کام لیا) پھر حضورؐ نے ڈالنا اور میں نے پلانا شروع کیا، یہاں تک کہ میرے اور حضورؐ کے علاوہ کوئی نہ رہا، پھر آپؐ نے ڈالا اور مجھے فرمایا کہ پیو، میں نے عرض کیا یارسول اللہ جب تک آپؐ نہ پییں گے اس وقت تک میں نہ پیوں گا، آپؐ نے فرمایا جماعت کو پلانے والا

بعد میں پیتا ہے، ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے بھی پیا اور رسول اللہؐ نے بھی، پس لوگ پانی کی جگہ پر اس حال میں پہنچے کہ وہ سب سیراب ہو چکے تھے، اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے اور یہی روایت حمیدی کی کتاب اور جامع الاصول میں بھی ہے۔ البتہ مصابیح میں حضورؐ کے فرمان آخر ھم کے بعد لفظِ "شربًا" کا اضافہ ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے چند معجزات مذکور ہیں: (۱) آپؐ نے پہلے سے بتایا کہ پانی کے اس برتن کی ایک شان ہوگی اور پھر ویسا ہی ہوا۔ (۲) تھوڑا سا پانی بہت سے لوگوں کے لیے کافی ہوگیا۔ (۳) آپؐ نے فرمادیا تھا کہ پیاس سے کوئی ہلاک نہیں ہوگا، سب سیراب ہوں گے اور ایسا ہی ہوا۔ (۴) آپؐ نے فرمادیا تھا کہ تم لوگ رات کے اول حصہ اور آخر حصہ میں سفر کرو گے اور کل تمہیں پانی ملے گا، یہاں ایسا ہی ہوا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خطبنا علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ لشکر کے قائد اور امیر کے لیے مستحب ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق لشکر کے سامنے خطبہ دیا کرے اور اہم اجتماعی امور کا ذکر کرے، تاکہ لوگ پہلے سے تیاری کریں، یہ کسی سفر سے واپسی کا واقعہ ہے، ممکن ہے غزوۂ خیبر سے واپسی کا واقعہ ہو؛ کیوں کہ اس موقع پر فجر کی نماز قضا ہوئی تھی، مسلم میں مذکورہ باب کے تحت ہی روایت ہے "حين قفل من غزوة خيبر سار ليله حتى ادركه الكرى الخ" (جب غزوۂ خیبر سے لوٹے تو ایک رات چلتے رہے؛ یہاں تک کہ آپ کو اونگھ آگئی) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے کئی واقعات ہیں۔ عشیتکم یہاں عشیہ سے زوال شمس سے غروب آفتاب تک وقت مراد ہے۔ وتأتون الماء إن شاء الله خطبہ کے دوران اگر مستقبل کی کوئی بات ہو تو مستحب ہے کہ انشاء اللہ کہہ دیا کریں۔ لا يلوى أحد على أحد یعنی کوئی شخص ایک دوسرے کو التفات نہیں کرتا تھا، بلکہ تیز چلنے کے لیے اپنے طور پر چل رہا تھا، صحابہ حضورؐ کا منشا پورا کر رہے تھے کہ تیزی سے چلا جائے۔ ابهارّ الليل رات بہت تاریک ہوگئی یعنی اس کا اکثر حصہ گذر گیا، یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ آدھی رات کا وقت ہوگیا۔ فوضع رأسه آپ سر رکھ کر لیٹ گئے اور آپؐ نے فرمایا کہ نماز کا خیال رکھنا پھر آپ کی آنکھ لگ گئی، صحابہ بھی سوتے رہ گئے، مسلم کی ایک روایت میں ہے "فلم يستيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا بلال ولا أحد من اصحابه حتى ضربتهم الشمس" (نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، نہ بلالؓ اور نہ ہی کوئی اور صحابیؓ، جب ان پر سورج کی شعاعیں پڑیں تو بیدار ہوئے)۔

**سوال:** آپؐ کا فرمان ہے "تنام عيناي ولا ينام قلبي" "میری آنکھیں سوتی ہیں، دل بیدار رہتا ہے، جب دل بیدار تھا تو طلوعِ آفتاب سے قبل طلوعِ فجر کا پتہ کیوں نہیں چلا؟

**جواب:** انسانی جسم میں ہر عضو کا اپنا اپنا کام ہوتا ہے، آنکھوں کا کام دیکھنا ہے، جب آپؐ کی آنکھیں بند تھیں تو فجر کا پتہ نہیں چلا، دل کا کام دیکھنا نہیں ہے، لہٰذا دل اگرچہ بیدار تھا، مگر اس نے آنکھوں کا وظیفہ ادا نہیں کیا، لہٰذا طلوعِ فجر کا پتہ نہیں چلا۔

فسرنا حتى ارتفعت الشمس آپ بیدار ہوئے تو آپؐ نے وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ سب لوگ اس وادی سے آگے نکل آئے اور آگے جاکر نماز کی قضا کی۔

**سوال:** اس وادی میں نماز پڑھنے کے بجائے آپ آگے کیوں گئے؟

**جواب:** ممکن ہے کہ طلوعِ آفتاب کا وقت مکروہ ہو، اس لیے آپؐ نے وقتِ مکروہ کے گزرنے تک نماز کو مؤخر کیا، شوافع کہتے ہیں کہ نماز قضا ہونے کے بعد جس وقت آدمی نیند سے بیدار ہوجائے وہی وقت نماز پڑھنے کا وقت ہوتا ہے، آپؐ نے یہاں سے کوچ کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ یہ وادی شیطان کی وادی تھی، لہٰذا آگے چلنے کا حکم دیا۔ فتوضأ منها تھوڑے سے پانی سے آپؐ نے وضو کیا، آپؐ کے

ساتھ صحابہؓ جماعت میں شریک ہوئے، انھوں نے وضو کیا یا تیمم اس کی صراحت نہیں ہے، ممکن ہے ان کے پاس بھی وضو کے اس طرح کے برتن ہوں جس میں تھوڑا پانی ہو اور اس سے انھوں نے وضو کیا ہو۔ اذن بلال بلالؓ نے قضا نماز کی ادائیگی کے لیے اذان دی۔ قضا نماز کی ادائیگی سے قبل اذان دینے میں قدرے تفصیل ہے۔ اگر تنہا کوئی شخص فوت شدہ نمازوں کی قضا کر رہا ہے تو وہ اذان نہیں دے گا بلکہ قضا نماز بھی کسی کے سامنے نہ پڑھے، قضا نماز مخفی طور پر پڑھ لی جائے۔ اور اگر تفویت کسی عمومی سبب کی وجہ سے ہوئی، جس کے نتیجہ میں سبھی کی نماز قضا ہوگئی، تو اب اذان و اقامت کے ساتھ ادائیگی درست ہے۔ حدیث مذکور میں یہی دوسری صورت پائی جارہی ہے۔ اور بہتر ہے کہ مسجد کے باہر کسی جگہ یہ حضرات (جن کی نمازیں فوت ہوئی ہیں) اپنی نمازوں کی قضا کرلیں، تاکہ دوسرے لوگ تشویش میں نہ پڑیں، اور مسجد میں اذان کے ساتھ ادائیگی کی صورت میں مؤذن اپنی آواز بلند نہ کرے، واللہ اعلم۔ رکعتین فجر کی فرض نماز سے پہلے کی دو سنتیں ادا کیں، معلوم ہوا کہ اگر فجر کی فرض نماز قضا ہوجائے تو زوال سے پہلے نماز پڑھنے کی صورت میں فرض سے پہلے سنتیں بھی پڑھی جائیں گی، اور اگر زوال کے بعد فجر کی فرض قضا کی جائے تو سنتیں نہیں پڑھی جائیں گی، اور اگر صرف فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو ان کی قضا نہیں ہے، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے سنتیں پڑھ لینی چاہئیں۔ لا هلك عليكم صحابہؓ نے شدت تشنگی کی شکایت کی اور ہلاکت کا اندیشہ ظاہر کیا تو آپؐ نے ان کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری سیرابی کا ضرور انتظام فرمائے گا، چنانچہ آپؐ کے فرمان کے مطابق معجزہ کا ظہور ہوا۔ فلم يعد لوگوں نے ادھر ادھر تجاوز نہیں کیا، پانی دیکھتے ہی پانی پر آگئے۔ تکابوا شدید پیاس لگی تھی، لہٰذا ازدحام کی شکل میں پانی پر ٹوٹ پڑے۔ أحسنوا الملأ آپؐ نے فرمایا اخلاق اچھے رکھو، ایثار سے کام لو، کوئی پیاسا نہیں رہے گا، سب لوگ سیراب ہوجاؤ گے۔ أتى الناس معجزہ کے ذریعے ظاہر ہونے والے پانی سے سیراب ہوکر، آگے سفر پر روانہ ہوئے اور پانی کے چشمہ پر پہنچ گئے۔ (انعام المنعم، فتح الباری)

**حدیث نمبر ۲۷۱۳ ﴿کھانے میں برکت کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۲**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ أَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُهُمْ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ ثُمَّ اُدْعُ اللّٰهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ فَقَالَ نَعَمْ فَدَعَا بِنِطَعٍ فَبُسِطَ ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِكَفِّ ذُرَةٍ وَيَجِيْءُ الْآخَرُ بِكَفِّ تَمْرٍ وَيَجِيْءُ الْآخَرُ بِكِسْرَةٍ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَى النِّطَعِ شَيْءٌ يَسِيْرٌ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِيْ أَوْعِيَتِكُمْ فَأَخَذُوْا فِيْ أَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى مَا تَرَكُوْا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً إِلَّا مَلَأُوْهُ قَالَ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فَيُحْجَبُ عَنِ الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم ص ۴۲ ج ۱، باب الدليل على ان من مات على التوحيد دخل الجنة، كتاب الايمان، حديث ۲۷

**حل لغات:** مجاعة قحط، فاقہ، بھوک، جَاعَ (ن) جُوْعًا بھوک لگنا، بھوکا ہونا۔ ازواد (واحد) زَادٌ توشۂ سفر، زادِ راہ، اشیائے خوردنی۔ نطع چرمی فرش، چمڑے کا دسترخوان (ج) نُطُوْعٌ۔ بسط ماضی مجہول، بچھایا گیا، بَسَطَ (ن) بَسْطًا بچھانا، پھیلانا، بَسَطَ المائدةَ دسترخوان بچھانا۔ کف (ج) كُفُوْفٌ ہتھیلی، مراد مٹھی۔ ذرة مکئی۔ تمر (ج) تُمُوْرٌ کھجور۔ کسرة ٹکڑا (ج) كِسَرٌ۔ يسير معمولی، تھوڑا۔ اوعية (واحد) وِعَاءٌ برتن۔ العسكر (ج) عَسَاكِرُ لشکر۔ فضلت (ن، ض) فَضْلًا باقی بچنا۔ فَضْلَة بقیہ، باقی ماندہ، بچی ہوئی چیز، پس خوردہ۔ شاك اسم فاعل، شک کرنے والا۔ يحجب مضارع مجہول، روک دیا جائے گا حَجَبَ (ن) حَجْبًا

چھپانا، روکنا، محروم کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے دن لوگوں کو سخت بھوک لگی، تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! لوگوں کے پاس جو توشہ بچا ہوا ہے اس کو منگوا لیجیے اور پھر اس توشہ پر اُن کے لیے اللہ سے برکت کی دعا فرمائیے، آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ پھر آپؐ نے چمڑے کا ایک دسترخوان منگوایا تو وہ بچھایا گیا، پھر اُن کا باقی بچا ہوا توشہ منگوایا، تو ایک صاحب مٹھی بھر مکئی لے کر آئے، دوسرے صاحب مٹھی بھر کھجور لے کر آئے، ایک اور صاحب روٹی کا ٹکڑا لے کر آئے، یہاں تک کہ دسترخوان پر تھوڑا سا سامان جمع ہو گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے برتنوں میں لو، لوگوں نے اپنے برتنوں میں لینا شروع کیا، یہاں تک کہ لشکر میں کوئی ایسا برتن باقی نہ رہا جس کو بھر نہ لیا گیا ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے کھایا یہاں تک کہ سیر ہو گئے اور بہت سارا کھانا بچ رہا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ کوئی شخص ان دو گواہیوں کے ساتھ کہ جن میں اس کو کوئی شک نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے جا کر ملے اور پھر اس کو جنت میں جانے سے روکا جائے۔ (مسلم)

### خلاصۂ حدیث

غزوۂ تبوک کے موقع پر تیس ہزار کا لشکر تھا، اور دور دراز کا سفر تھا، اس لیے آپؐ نے اہتمام کے ساتھ تیار ہو کر نکلنے کا حکم دیا، اور جہت سفر کا واضح طور پر اعلان کرایا، راستے میں بھوک پیاس کا شدید مسئلہ در پیش ہوا، کیوں کہ تیس ہزار آدمیوں اور ساتھ کی سواریوں کی خوراک کا انتظام کوئی معمولی کام نہیں تھا، حضرت عمرؓ نے آپؐ کو مشورہ دیا کہ مجاہدین کے پاس جو کچھ خوراک ہے آپؐ اس کو منگوا لیں اور دسترخوان پر رکھ کر برکت کی دعا فرمائیں، چنانچہ آپؐ نے اس رائے کو پسند کیا اور اس پر عمل کیا، معلوم ہوا کہ مفضول فاضل پر اپنی رائے پیش کر سکتا ہے، آپ کی دعا سے کھانے میں غیر معمولی برکت ہوگئی اور یہ آپؐ کا اہم معجزہ ہوا۔

### کلماتِ حدیث کی تشریح

یوم غزوۃ تبوك ''مدارج النبوۃ'' میں ہے کہ تبوک ایک مقام ہے، مدینہ سے چودہ مرحلہ میں شام اور مدینہ کے درمیان، بعض کہتے ہیں کہ ایک قلعہ کا نام ہے۔ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تبوک ایک چشمہ کا نام ہے۔ قاموس میں ہے کہ تبوک ایک زمین ہے شام اور مدینہ کے درمیان، ان سب معنوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ یہ غزوہ سخت قحط کے موسم میں ہوا تھا۔ دور کا سفر تھا ہوا گرم، سواری کم، کھانے پینے کی تکلیف، جیش کی تعداد زیادہ، بڑی تنگی ہوئی تھی اس لیے اس کو ''جیش العسرۃ'' بھی کہتے ہیں۔ منافقوں کو اس میں شرمساری ہوئی تھی اور ان کا نفاق ظاہر ہو گیا تھا، اس لیے اس کو ''غزوۂ فاضحہ'' بھی کہتے ہیں۔ حدیثوں میں اس غزوہ کے سب نام آئے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس غزوہ کے لیے حضورؐ ماہِ رجب ۹ھ میں جمعرات کے روز روانہ ہوئے، ابن اسحاقؒ لکھتے ہیں کہ حضورؐ کا قاعدہ تھا کسی غزوہ میں جاتے وقت صحیح مقام بہت کم بتاتے تھے، لیکن اس غزوہ میں چوں کہ جگہ دور تھی، زمانہ شدت کا تھا، دشمن کی تعداد بہت تھی۔ آپؐ نے ظاہر کر دیا کہ روم سے مقابلہ ہے اور وہیں جانے کا ارادہ ہے، تاکہ سب لوگ مناسبِ حال تیاری کر سکیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کو خبر ملی کہ شام میں روم نے بڑی فوج جمع کی ہے اور ہرقل نے ایک سال کا خرچ اپنے لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ان کے ساتھ لخم و جذام اور عاملہ و غسّان کے آدمی بھی آ کر شامل ہو گئے ہیں اور ان کی فوج کے مقدمات ارضِ بلقاء تک آ گئے ہیں، مدارج النبوۃ میں یہ بھی ہے کہ اس دیار کے نصاریٰ نے ہرقل سے یہ جھوٹ کہا تھا کہ مدینہ میں جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا تھا، اس کا انتقال ہو گیا، وہاں اس وقت سخت قحط اور تنگی ہے، اور ان کے اموال ضائع ہو گئے ہیں۔ اس لیے اس ملک کو اس وقت بآسانی لیا جا سکتا ہے، لہٰذا ہرقل نے ایک رومی سردار کو چالیس ہزار آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ اور مدینہ کے لیے نامزد کیا۔ حضورؐ کو یہ خبر ملی تو حضورؐ نے ان کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ (اصح السیر) تبوک پہنچ کر آپؐ نے بیس روز قیام فرمایا، مگر کوئی مقابلہ پر

نہیں آیا، لیکن آپؐ کا تشریف لانا بیکار نہیں گیا بلکہ دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سرِ تسلیم خم کیا۔

**بکسرۃ** کوئی شخص روٹی کا ٹکڑا لے کر آیا، روٹی کے پرانے ٹکڑے کو کسرۃ کہتے ہیں۔ **فدعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** آپؐ نے اُن مختلف جمع شدہ چیزوں پر برکت کی دعا فرمائی تو برکت ہوگئی۔ **غیر شاك** یہ یقین کی طرف اشارہ ہے کہ دل میں عقدِ جازم ہو، شک نہ ہو، اسی کو مسلم کی ایک روایت میں "**وھو یعلم**" سے تعبیر کیا ہے، **فیحجب** توحید کے حامل شخص کو دخول جنت سے روکا نہیں جائے گا۔ (انعام المنعم)

**سوال:** جب صحابہؓ کے توشہ کم ہو گئے اور آپؐ کی دعا کی برکت سے غیر معمولی اضافہ ہوا تو اس موقعہ پر شہادتین کی فضیلت آپؐ نے کیوں ذکر فرمائی؟

**جواب:** اس سوال کے جواب میں پہلے ایک اصول سمجھیں کہ انسانی فطرت عام طور پر مشاہدہ پر جلدی یقین کرنے کی عادی ہے اور عقلی طور پر اسی بات کو باور کرتی ہے جو مشاہدہ کا نتیجہ ہو، پھر دوسری طرف ایمان و شریعت کا پورا معاملہ ہی مغیبات پر ہے، اس لیے ضروری ہوا کہ انبیاء کرام قوم کے سامنے وہ مثال اور نمونے پیش کریں جو مغیبات کو ماننے اور یقین کرنے کے لیے انسانی فطرت کو مطمئن کر سکے، اور اس کی فطرت کے مطابق ایسی دلیل پیش کریں، جن کا تعلق مشاہدات سے ہو، اسی کو معجزہ کہا جاتا ہے، پھر جب انسان معجزات کو دیکھتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ چیزوں کی خاصیت اور ناپ دتول کا وہ اصول جو اس کے ذہن میں بیٹھا ہے وہ باطل تھا، تو اس کے اندر کسی عظیم طاقت کے ماننے کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ کوئی تو ہے جو ان خاصیتوں کا خالق ہے اور رفتہ رفتہ مغیبات کے ماننے کا رجحان پیدا ہوتا ہے، پھر جب مشاہدہ کرتا ہے کہ ہمارے ذہنی اصول کے برخلاف ان عجیب عجیب چیزوں کا (معجزہ) تعلق انبیاء کے اشارہ پر ہے، تو اب اس کے لیے دعویٰ رسالت کی تصدیق کرنے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا، اس تمہید کے بعد حدیثِ باب میں تذکرۂ شہادتین کا جوڑ سمجھ میں آجاتا ہے کہ دسترخوان پر غیر معمولی اضافہ ایک معجزہ ہی ہے کہ اس جیسے معجزات کو دیکھ کر مغیبات کو ماننا آسان ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کا تقاضہ ہے کہ اقرار بھی کر لیا جائے اور اقرار کا یہ فائدہ ہے کہ جنت حاصل ہو۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی رسالت کی شہادت دیتے ہیں اور جس طرح دوسرے لوگ انبیا کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں نبی کو بھی اپنی نبوت پر اسی طرح ایمان لانا ہوتا ہے۔ (نفع المسلم)

### حدیث نمبر ۲۷۱٤ ﴿دعوتِ ولیمہ میں معجزہ کا ظہور﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۳

وَعَنْ أَنَسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرُوْسًا بِزَيْنَبَ فَعَمِدَتْ أُمِّيْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلٰى تَمْرٍ وَسَمْنٍ وَأَقِطٍ فَصَنَعَتْ حَيْسًا فَجَعَلَتْهُ فِيْ تَوْرٍ فَقَالَتْ يَا أَنَسُ اِذْهَبْ بِهٰذَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْ بَعَثَتْ بِهٰذَا إِلَيْكَ أُمِّيْ وَهِيَ تُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَتَقُوْلُ إِنَّ هٰذَا لَكَ مِنَّا قَلِيْلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَهَبْتُ فَقُلْتُ فَقَالَ ضَعْهُ ثُمَّ قَالَ اِذْهَبْ فَادْعُ لِيْ فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا رِجَالًا سَمَّاهُمْ وَادْعُ لِيْ مَنْ لَقِيْتَ فَدَعَوْتُ مَنْ سَمّٰى وَمَنْ لَقِيْتُ فَرَجَعْتُ فَإِذَا الْبَيْتُ غَاصٌّ بِأَهْلِهِ قِيْلَ لِأَنَسٍ عَدَدُكُمْ كَمْ كَانُوْا قَالَ زُهَاءَ ثَلَاثِ مِائَةٍ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى تِلْكَ الْحَيْسَةِ وَتَكَلَّمَ بِمَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ جَعَلَ يَدْعُوْ عَشَرَةً عَشَرَةً يَأْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَقُوْلُ لَهُمْ اُذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلْيَأْكُلْ كُلُّ رَجُلٍ مِمَّا يَلِيْهِ قَالَ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا فَخَرَجَتْ طَائِفَةٌ وَدَخَلَتْ طَائِفَةٌ حَتّٰى أَكَلُوْا كُلُّهُمْ قَالَ لِيْ يَا أَنَسُ اِرْفَعْ فَرَفَعْتُ فَمَا أَدْرِيْ حِيْنَ وَضَعْتُ كَانَ أَكْثَرَ أَمْ حِيْنَ رَفَعْتُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۷۷۵ ج۲، باب الهدية للعروس، کتاب النكاح، حدیث ۵۱۶۳، مسلم ۴۶۱ ج۱، باب زواج بنت جحش، کتاب النكاح، حدیث ۱۴۲۸

**حل لغات:** عروس دولہا، دلہن (ج) عُرُسٌ، عَرَائِسُ۔ عَرِسَ (س) عَرَسًا فُلَانٌ شادی کرنا، رخصتی کرنا۔ عمدت (ض) عَمْدًا الشَّيْءَ وللشَّيْءِ وإليه کسی چیز کا قصد وارادہ کرنا۔ تمر (ج) تُمُورٌ کھجور۔ سَمْن گھی۔ اَقِطٌ پنیر۔ صنعت صَنَعَ (ف) صَنْعًا بنانا، تیار کرنا۔ حیسا کھجور پنیر اور گھی ملا کر بنایا ہوا کھانا۔ تور پانی پینے کا برتن (ج) اَتْوَارٌ۔ بعثت (ف) بَعْثًا بھیجنا۔ غاص غَصَّ المكانُ بأهله، جگہ کا کھچا کھچ بھر جانا، جگہ کا تنگ ہونا۔ غصَّ (ض) غَصًّا پر ہو جانا، بھر جانا۔ زهاء چیز کی مقدار، قریب قریب، هم زهاء ألف وہ تقریباً ایک ہزار ہیں۔ یلی وَلِيَهُ يَلِيه وَلْيًا (حسب) قریب ہونا، ملا ہونا۔ شبعوا شَبِعَ (س) شَبْعًا آسودہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح ہوا، تو میری والدہ ام سلیمؓ نے کھجور، گھی اور پنیر لے کر ایک حلوہ تیار کیا اور اس کو ایک پیالہ میں رکھا اور مجھ سے کہا کہ اے انس! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جا اور اُن سے عرض کرنا کہ اے اللہ کے رسول! یہ میری والدہ نے آپ کے لیے بھیجا ہے اور وہ آپ کو سلام کہہ رہی تھیں اور یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ یہ میری طرف سے ایک حقیر سا ہدیہ ہے، چنانچہ میں گیا اور میں نے کہا، آپ نے فرمایا کہ اس کو رکھ دو، پھر آپ نے فرمایا کہ جاؤ فلاں، فلاں اور فلاں آدمیوں کو بلا لاؤ، حضور نے ان کے نام لیے تھے۔ اور ان کو بھی بلا لاؤ جو تم کو ملیں، چنانچہ میں ان کو بلا لایا جن کا نام حضور نے لیا تھا اور جو مجھے ملا تھا، پھر جب میں گھر واپس لوٹا تو گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا، حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ تم لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟ تو آپؓ نے جواب دیا کہ تین سو کے قریب، پھر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ اس حلوے پر رکھا اور وہ کچھ پڑھا جو اللہ نے چاہا، پھر دس دس کو بلانا شروع کیا، جو اس سے کھاتے اور آپ اُن سے فرماتے اللہ کا نام لے کر ہر ایک اپنے سامنے سے کھائے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے کھایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے۔ پس ایک جماعت نکلتی اور دوسری داخل ہوتی، یہاں تک کہ سب نے کھا لیا، پھر آپ نے فرمایا کہ اے انس اس کو اٹھاؤ، تو میں نے اٹھایا، تو مجھے معلوم نہیں کہ جب میں نے رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا اس وقت جب میں نے اس کو اٹھایا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں برکتِ طعام کا معجزہ مذکور ہے، یہ معجزہ آپ کے حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ نکاح کے موقع پر ظاہر ہوا، تھوڑا سا حلوہ سیکڑوں لوگوں کی آسودگی کا ذریعہ بنا اور اس حلوہ میں کوئی کمی بھی نہیں آئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عروسا بزینب حضرت زینب بنت جحشؓ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، ۵ھ میں آپ کا ان سے نکاح ہوا، ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کا نکاح آپ سے آسمانوں پر ہوا، نکاح کے وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی ۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ سماهم حضور نے تین آدمیوں کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو بلا لاؤ، لیکن حضرت انسؓ یہ واقعہ بیان کرتے وقت ان حضرات کے نام بھول گئے؛ لہٰذا انھوں نے بوقت روایت فلاں فلاں کہہ دیا۔ "رجالا سماهم" کے الفاظ حضرت انسؓ کے ہیں اور "فلانا و فلانا و فلانا" کے الفاظ اس سے بدل ہیں۔

**تعارض:** یہاں روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت زینب کے ولیمہ کے موقع پر کھجور، گھی اور پنیر کا "حیس" لوگوں کو کھلایا، جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے گوشت روٹی ولیمہ میں کھلائی تھی۔ (فتح الباری، ص۲۸۳ ج۹)

**دفع تعارض:** قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ راوی سے وہم ہوا، اس نے ایک قصے کو دوسرے قصے میں داخل کر دیا، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ دونوں میں جمع ممکن ہے کہ پہلے آپ نے گوشت روٹی کے ساتھ تواضع کی ہو اور وہ لوگ جو پہلے آئے تھے وہ گوشت روٹی کھانے

کے بعد چلے گئے، اس کے بعد جو لوگ کھانے کے بعد بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے ان کے لیے حضرت انس حیس لے کر پہنچ گئے، آپ نے مزید لوگوں کو بلانے کے لیے بھیجا اور انھوں نے آ کر حیس کھایا، لہٰذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ (فتح الباری ص ۳۸۳ ج ۹)

**حدیث نمبر ۲۷۱۵ ﴿اونٹ کے حق میں معجزہ کا ظہور﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۴**

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلٰى نَاضِحٍ قَدْ أَعْيٰى فَلَا يَكَادُ يَسِيْرُ فَتَلَاحَقَ بِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لِبَعِيْرِكَ قُلْتُ قَدْ عَيِيَ فَتَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَجَرَهُ فَدَعَا لَهُ فَمَا زَالَ بَيْنَ يَدَيِ الْإِبِلِ قُدَّامَهَا يَسِيْرُ فَقَالَ لِيْ كَيْفَ تَرٰى بَعِيْرَكَ قُلْتُ بِخَيْرٍ قَدْ أَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ قَالَ أَفَتَبِيْعُنِيْهِ بِوُقِيَّةٍ فَبِعْتُهُ عَلٰى أَنَّ لِيْ فَقَارَ ظَهْرِهٖ إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ غَدَوْتُ عَلَيْهِ بِالْبَعِيْرِ فَأَعْطَانِيْ ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۱۶ ج ۱، باب استئذان الرجل الامام، کتاب الجهاد، حدیث ۲۹۶۷، مسلم، ص ۲۸ ج ۱، باب بیع البعیر واستثناء رکوبه، کتاب المساقات، حدیث ۷۱۵

**حل لغات:** ناضح آب پاشی کے لیے پانی لے جانے والا اونٹ، مونث نَاضِحَةٌ (ج) نَوَاضِحُ۔ اعییٰ (افعال) اِعْيَاءً تھکانا، عاجز بنانا۔ تلاحق (تفاعل) ساتھ ہونا، ایک دوسرے کو پالینا۔ عیی (س) عَيًّا تھکنا۔ تخلف (تفعل) پیچھے ہونا، پیچھے رہنا۔ خَلَفَ (ن) خَلْفًا عن أصحابه پیچھے رہنا۔ زَجَرَ (ن) زَجْرًا ڈانٹنا، جھڑکنا، ہانکنا۔ قدام آگے، پہلے۔ وقیة بمعنی أوقِيَّةٌ ایک رطل کا بارہواں حصہ، اونس کے برابر (ج) وقِيٌّ و وَقَايَا۔ فقار (واحد) فَقَارَة ریڑھ کی ہڈی، سر سے سرین کے قریب تک عظمی زنجیر کا حلقہ۔ ظہر (ج) ظُهُورٌ پیٹھ۔ رد (ن) رَدًّا لوٹانا، واپس کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا اور میں اونٹ پر سوار تھا، جو تھک گیا تھا، اور اس سے چلا نہیں جا رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آ ملے اور فرمایا تمہارے اونٹ کو کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا تھک گیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہوئے اور اس کو ہانکا پھر اس کے لیے دعا کی، اس کے بعد وہ اونٹوں میں سب سے آگے چلنے لگا، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنے اونٹ کو کیسا خیال کرتے ہو، میں نے عرض کیا بہت بہتر، اس کو آپ کی برکت حاصل ہوگئی ہے، آپ نے فرمایا کیا تم ایک اوقیہ کے عوض میرے ہاتھ اس کو بیچو گے؟ میں نے اس شرط پر بیچ دیا کہ مدینہ منورہ تک اس کی پیٹھ پر سواری کروں گا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو میں صبح کو اونٹ لے کر آپ کی خدمت میں آیا، آپ نے مجھ کو اونٹ کی قیمت عطا فرمائی اور اونٹ بھی مجھ کو واپس کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث:** ایک غزوہ سے واپسی کے موقع پر حضرت جابرؓ جس اونٹ پر سوار تھے وہ تھک گیا تھا، اور وہ نہایت سست رفتاری سے چل رہا تھا، آپ کے ہانکنے سے برق رفتار ہو گیا یہ آپ کا معجزہ ہے، پھر آپ نے وہ اونٹ حضرت جابرؓ سے خرید لیا، لیکن مدینہ تک حضرت جابرؓ کو اونٹ پر سفر کی اجازت دے دی، پھر مدینہ آ کر آپ نے مزید احسان کیا کہ حضرت جابرؓ کو قیمت بھی دے دی اور ان سے اونٹ بھی نہیں لیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** **ناضح** پانی کھینچ کر لانے والے اونٹ کو "ناضح" کہتے ہیں۔ اعییٰ چلنے سے عاجز آ چکا تھا۔ فتلاحق آنحضرتؐ پیچھے سے آ کر حضرت جابرؓ سے ملے۔ فزجرہ آواز سے یا لاٹھی سے ہانک دیا۔ **فقار ظهره** مدینہ تک مجھے اس پر سوار ہونے کا حق حاصل ہوگا، یہ شرط اصول بیع کے خلاف تھی، تفصیل آگے رہی ہے۔ **غدوت علیه**

**بالبعیر** حضرت جابرؓ پہلے گھر پہنچ گئے تھے اور آپ کی عادت مبارکہ رات میں شہر میں داخل ہونے کی نہیں تھی؛ لہٰذا آپؐ نے مدینہ سے باہر قیام فرمایا، پھر آپ صبح مدینہ میں داخل ہوئے، حضرت جابرؓ اونٹ لے کر حاضر خدمت ہوئے، اس وقت آپ مسجد نبوی میں تھے اور چاشت کا وقت تھا، حضرت جابرؓ کو آپؐ نے پہلے اونٹ کی قیمت ادا کی اور پھر اونٹ بھی واپس کر دیا۔

**بائع نے جانور پر سواری کی شرط لگا دی:** کسی شخص نے جانور اس شرط پر بیچا کہ وہ معین جگہ تک اس پر سوار ہو کر جائے گا تو بیع درست ہے، حدیث میں ہے کہ نبیؐ نے حضرت جابرؓ سے اونٹ خریدا، بائع (جابرؓ) نے شرط لگائی کہ وہ اس پر سوار ہو کر مدینہ تک جائیں گے، پھر اونٹ سونپیں گے تو یہ شرط لگانا جائز ہے۔ امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک بیع میں ایک شرط جائز ہے، دو یا زیادہ شرطیں جائز نہیں۔ ترمذی میں حدیث (۱۲۱۹) ہے: ولا شرطان فی بیع: بیع میں دو شرطیں لگانے سے حضورؐ نے منع کیا، معلوم ہوا کہ ایک شرط جائز ہے، مگر جمہور کہتے ہیں کہ ایک شرط بھی بیع کو فاسد کر دیتی ہے، کیونکہ دوسری ضعیف حدیث ہے: نَهٰی عن بَیْعٍ وشرطٍ: پس ایک حدیث سے دو شرطوں کا عدم جواز ثابت ہوا اور دوسری حدیث سے ایک کا۔ اور حضرت جابرؓ والے واقعہ میں جمہور کہتے ہیں کہ شرط صلب عقد میں نہیں تھی، بلکہ وہ از قبیل مواعید تھی، صلب عقد میں وہ شرط ہوتی ہے کہ اگر شرط مانی جائے تو سودا ہو ورنہ نہ ہو، اور جو شرط سودا ہونے کے بعد لگائی جائے وہ صلب عقد میں داخل نہیں ہوتی، اور معاوضات میں وعدے دیانۃً لازم ہوتے ہیں قضاءً لازم نہیں ہوتے۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ مسند احمد میں روایت ہے: جب سودا ہو گیا تو حضرت جابرؓ اونٹ سے اتر گئے، نبیؐ نے پوچھا: کیوں اترے؟ انہوں نے عرض کیا: اب یہ اونٹ آپؐ کا ہو گیا، آپؐ نے فرمایا: کوئی بات نہیں، اونٹ پر سوار ہو جاؤ، اگر شرط صلب عقد میں ہوتی تو اترنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور جن روایتوں میں اشْتَرَطَ ظَهْرَہ آیا ہے راویوں کا تصرف ہے انہوں نے وعدہ کو اشتراط سے تعبیر کر دیا ہے، حقیقت میں اشتراط نہیں تھا، اور أَفْقَرَنِیْ کے معنی ہیں: أَعَارَنِیْ برتنے کے لیے مجھے اونٹ دیا، اور یہ بھی دلیل ہے کہ اونٹ کی پیٹھ عاریت کے طور پر تھی، بیع میں شرط نہیں تھی۔ حضرت جابرؓ کے واقعہ میں دو باتوں میں راویوں میں شدید اختلاف ہے، ایک: مدینہ تک اونٹ پر سوار ہو کر جانا باقاعدہ بیع میں شرط تھا یا بیع مطلق تھی پھر آپؐ نے ان کو سواری کی اجازت دے دی؟ امام بخاریؒ نے آٹھ روایتیں جمع کی ہیں اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ بات بیع میں شرط تھی؛ کیونکہ جن روایتوں میں اشتراط کا ذکر آیا ہے وہ زیادہ ہیں، پس امام بخاریؒ کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ بیع میں باقاعدہ سواری کی شرط تھی۔ دوم: بیع کتنے ثمن پر ہوئی تھی؟ اس میں بھی روایتوں میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ نے اس سلسلہ میں آٹھ روایتیں ذکر کی ہیں اور فیصلہ کیا ہے کہ بیع ایک اوقیہ پر ہوئی تھی۔ اور اس زمانہ میں ایک دینار دس درہم میں بدلا جاتا تھا پس جس روایت میں چار دینار آیا ہے اس سے بھی ایک اوقیہ مراد ہے، اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۲۷۱۶ ﴿سفر تبوک میں معجزوں کا ظہور﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۵**

وَعَنْ أَبِیْ حُمَيْدِنِ السَّاعِدِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكَ فَأَتَيْنَا وَادِيَ الْقُرٰى عَلٰى حَدِيْقَةٍ لِامْرَأَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْرُصُوْهَا فَخَرَصْنَاهَا وَخَرَصَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَةَ أَوْسُقٍ وَقَالَ أَحْصِيْهَا حَتّٰى نَرْجِعَ إِلَيْكِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَانْطَلَقْنَا حَتّٰى قَدِمْنَا تَبُوْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَهُبُّ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَةَ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ فَلَا يَقُمْ فِيْهَا أَحَدٌ فَمَنْ كَانَ لَهُ بَعِيْرٌ فَلْيَشُدَّ عِقَالَهُ فَهَبَّتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ فَقَامَ رَجُلٌ فَحَمَلَتْهُ الرِّيْحُ حَتّٰى أَلْقَتْهُ بِجَبَلَيْ طَيِّئٍ ثُمَّ أَقْبَلْنَا حَتّٰى قَدِمْنَا وَادِيَ الْقُرٰى فَسَأَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْأَةَ عَنْ حَدِيْقَتِهَا كَمْ بَلَغَ تَمْرُهَا فَقَالَتْ عَشْرَةَ أَوْسُقٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۲۰۰ ج۱، باب خرص التمر، کتاب الزکاۃ، حدیث ۱۴۸۱، مسلم، ص۲۴۶ ج۲، باب معجزات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کتاب الفضائل، حدیث ۲۳۹۲

**حل لغات:** اخرصوا امر جمع مذکر حاضر، اندازہ لگاؤ، خَرَصَ (ن ض) خَرْصًا تخمینہ کرنا، اندازہ لگانا۔ اوسق (واحد) وسق پیمانہ جس میں ساٹھ صاع آتا ہے، احصی امر حاضر واحد مونث حاضر، شمار کرو، اَحصٰی (إفعال) إحصاءً شمار کرنا، گننا۔ تھب ھَبَّ (ن) ھُبُوْبًا ہوا چلنا۔ لیشُدّ امر غائب، شَدَّ (ن) شَدًّا باندھنا۔ عِقال (ج) عُقُلٌ چوپائے کے پیروں کی رسّی۔ حملت حَمَلَ (ض) حَمْلًا اٹھانا۔ القت اَلقٰی اِلْقَاءً (إفعال) ڈالنا، پھینکنا۔ رِیْح (ج) اَرْیَاح ہوا۔ حَدِیْقَۃٌ (ج) حَدَائِقُ باغ۔ ثمر (ج) اَثْمَارٌ پھل۔

**ترجمہ:** حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے، تو جب ہم وادی قریٰ نامی بستی میں ایک عورت کے باغ میں پہنچے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باغ کے پھلوں کا اندازہ لگاؤ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اندازہ دس وسق لگایا اور آپؐ نے فرمایا کہ اس کو یاد رکھنا، یہاں تک کہ ہم ان شاء اللہ تمہارے پاس لوٹ آئیں گے، اس کے بعد ہم چل دیئے یہاں تک کہ مقام تبوک پہنچ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کو سخت آندھی چلے گی، لہٰذا آج رات کوئی آدمی کھڑا نہ ہو اور جس کے پاس اونٹ ہے تو اس کی رسی مضبوطی سے باندھے، پس تیز آندھی چلی، ایک آدمی کھڑے ہوئے تو ہوا نے اُن کو اٹھا کر قبیلہ طے کے دو پہاڑوں کے درمیان ڈال دیا، پھر ہم واپس آئے، یہاں تک کہ جب وادی القریٰ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے اس کے باغ کے بارے میں پوچھا کہ اس کا پھل کتنا ہوا؟ تو اس نے کہا کہ دس وسق۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے تین معجزوں کا ذکر ہے (۱) درختوں میں لگے پھلوں کا آپؐ نے اندازہ سے بالکل درست وزن بتایا۔ (۲) رات میں آندھی آنے کی پیشگی اطلاع دی، جب کہ اس وقت آندھی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ (۳) جس شخص نے آپؐ کی تنبیہ پر عمل نہیں کیا، ہوا نے اس کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔ ان معجزوں کی قدرے وضاحت یہ ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ کے ساتھ غزوۂ تبوک کا سفر کیا۔ اس سفر کے دوران جب وادی قریٰ، جو کہ مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ایک پرانا گاؤں ہے پہنچے، تو ایک عورت اپنے باغ میں نظر آئی، حضورؐ نے اول تو صحابہ سے تخمینہ لگانے کے لیے کہا اور پھر خود ہی دس وسق کا اندازہ مقرر کیا اور روانہ ہونے سے قبل اس عورت سے یہ فرمایا کہ اس میں جو پھل نکلیں ناپ کر ان کی مقدار کو یاد رکھو۔ ناپنے اور کیل کرنے کے معنیٰ "احصی" کے لفظ سے نکالے گئے ہیں۔ کیونکہ "احصاء" کے معنیٰ شمار کرنے کے ہیں اور کھجوروں میں کیل ہی کا رواج تھا، تو مقصود یہ ہوا کہ کیل کرو اور جتنا نکلے اسے یاد رکھو۔ حدیث میں آگے یہ ہے کہ تبوک میں آپؐ نے صحابہ سے یہ فرمایا کہ آج رات تیز آندھی آئے گی، کوئی شخص کھڑا نہ ہو اور اونٹوں کو بھی باندھ کر رکھا جائے۔ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق رات کو آندھی آئی اور ایک شخص کھڑا ہوا تو آندھی نے اس کو قبیلہ طے کے پہاڑوں میں پھینک دیا۔ پھر اس حدیث میں تو ایک شخص کا ذکر ہے لیکن محمد ابن اسحاق نے دو کا ذکر کیا ہے کہ ایک اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے نکلا اور دوسرا اونٹ کی تلاش میں نکلا، پہلے کا گلا پکڑلیا گیا اور دوسرے کو طے کے پہاڑوں میں لے جا کر پھینک دیا گیا، جس کا گلا پکڑا گیا تھا وہ حضورؐ کی برکت سے شفایاب ہوا اور دوسرا شخص مدینہ منورہ آ کر آپؐ سے ملا۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** وادی القری یہ مدینہ اور شام کے درمیان قدیم شہر ہے، آپؐ نے باغ کے پھل کا اندازہ دس وسق لگایا۔ جو واپسی پر بعینہ اس کے مطابق نکلا، ایک وسق ساٹھ صاع کا، ایک صاع ساڑھے تین سیر کا، اور دس وسق ساڑھے باون من یعنی اکیس سو (۲۱۰۰) کلو ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ باغ کے پھلوں کا اندازہ لگانا درست ہے۔ اس جز کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ فلا یقم فیھا سخت آندھی میں آپؐ نے کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور اونٹوں کو باندھنے کا حکم دیا، یہ حکم شفقتا

تھا تا کہ مشقت و پریشانی نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ آندھی، بارش یا دوسرے حادثات سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ فقام رجل یہ کھڑے ہونے والے بنو ساعدہ کے فرد تھے۔ جَبَلَيْ طيء اس سے أَجَا اور سَلْمیٰ کے دو پہاڑ مراد ہیں جو قبیلہ طے کے دو مورچے تھے، بنو طے کے شاعر نے کہا ہے "لنا الحصنان من آجا و سلمیٰ و شرقیاھما غیر انتحال" سابق جغرافیائی تقسیم کے مطابق یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا، موجودہ جغرافیائی تقسیم میں سعودی عرب کے خطہ نجد میں شامل ہے۔ (مرقات، انعام المنعم، توضیحات)

**پھلوں میں تخمینہ لگانا:** جب پھل تیار ہو جائے تو باغ میں اندازہ لگانے والوں کو بھیجا جائے، جو تخمینہ لگا کر یہ طے کریں کہ اس میں کتنے پھل ہیں اور ان میں عشر کی کتنی مقدار واجب ہوگی۔ اس طریقہ میں مالکین کا بھی فائدہ ہے اور بیت المال کا بھی۔ مالکین کا فائدہ یہ ہے کہ تخمینہ کے بعد ان کو پھلوں میں تصرف کی آزادی حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ تخمینہ کے ذریعہ بیت المال کا حق معلوم ہو گیا، اب باقی میں وہ جو چاہیں تصرف کریں خود کھائیں، غریبوں کو کھلائیں، آنے جانے والوں کو دیں، فروخت کریں، ان کے لیے یہ تمام تصرفات جائز ہو گئے۔ بیت المال کا فائدہ یہ ہے کہ تخمینہ کے بعد اطمینان حاصل ہو گیا کہ فلاں باغ میں اتنی مقدار واجب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پھلوں میں تخمینہ لگانا مستحب ہے۔ شافعیہ کے یہاں ایک قول وجوب کا بھی ہے پھر ائمہ ثلاثہ نے تخمینہ لگانے کو کھجور اور انگور کے ساتھ خاص رکھا ہے، جب کہ اہل ظاہر صرف کھجور میں جواز کے قائل ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک تخمینہ لگانا ہر طرح کے پھل میں جائز ہے، امام بخاریؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک انداہ لگانے والا جو بتا کر جائے گا بعد میں مالک پر لازم ہے کہ وہی حصہ ادا کرے اور اگر مالک اور خارص (حکومت کی جانب سے اندازہ لگانے والا) میں اختلاف ہو جائے تو شوافع کے نزدیک خارص ہی کی بات معتبر ہوگی، اور خارص نے جو اندازہ مقرر کیا ہے اسی کے مطابق وصول یابی کی جائے گی، جمہور حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں نبیؐ نے صحابہؓ کو تخمینہ لگانے کا حکم دیا اور خود بھی تخمینہ قائم کیا۔ اسی طرح آپؐ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر کے باغات کا تخمینہ لگانے کے لیے بھیجتے تھے، نیز ترمذی میں حضرت عتاب بن اسید کی روایت ہے جس میں انداز ہ مقرر کرنے کا ذکر ہے۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ تخمینہ قول فیصل اور حجت ملزمہ نہیں ہے، تخمینہ کا طریقہ ایک انتظامی معاملہ تھا، مستقل شرعی حکم نہیں تھا، یہ طریقہ عشر کے معاملے میں مالکین کی طرف سے کمی بیشی کے خطرے کو دور کرنے کے لیے اختیار کیا گیا تھا، یہ مطلب نہیں تھا کہ خارص نے جو اندازہ مقرر کر دیا ہے اسی کے مطابق وصول یابی کی جائے۔ اس تخمینہ کا فائدہ بس اتنا تھا کہ مالکین یہ جان لیں کہ بیت المال کو ان کے پھلوں کے بارے میں اندازہ ہے، اگر وہ کوئی کمی بیشی کریں گے تو وہ بیت المال کے ذمہ داروں کے علم میں آ جائے گی۔ ہماری بعض کتابوں میں جو یہ مذکور ہے کہ ہمارے نزدیک تخمینہ قائم کرنا جائز نہیں یہ تعبیر درست نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک تخمینہ کا عمل ناجائز نہیں ہے، حکومت کے لیے جائز ہے کہ تخمینہ قائم کرے۔ احناف اس تخمینہ کے قول فیصل ہونے کا انکار کرتے ہیں، حضرت علامہ کشمیریؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے اور ترمذی کی تقریر میں قطب عالم، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا بھی یہی قول مذکور ہے؛ لہٰذا وہ احادیث کہ جن میں خرص اور اندازہ مقرر کرنے کا ذکر ہے وہ احناف کے خلاف نہیں اور ان میں کسی تاویل کی ضرورت بھی نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کی طرف سے تخمینہ کے اس باب میں جتنے دلائل ذکر کیے جاتے ہیں ان سب میں خود یہ چیز واضح ہے اور ادنیٰ تأمل سے سمجھ میں آتی ہے کہ یہ تخمینہ کا عمل حجت ملزمہ نہیں ہے اور یہ اس لیے نہیں ہے کہ کل کو جب پھلوں کو توڑا جائے گا تو اسی ماضی کے اندازے کے مطابق وصول یابی کی جائے گی۔ مثال کے طور پر حدیث باب کو لے لیجئے اس میں زیر بحث مسئلہ سے متعلق تین جملے ہیں؛ پہلا جملہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اس عورت کو باغ میں دیکھ کر صحابہؓ سے فرمایا کہ پھلوں کا اندازہ لگاؤ۔ دوسرا جملہ یہ ہے کہ آپؐ نے خود تخمینہ لگایا۔ تیسرا جملہ یہ ہے کہ تخمینہ قائم کرنے کے بعد آپؐ نے اس عورت سے فرمایا کہ دیکھو اس میں جتنے پھل نکلیں ان کو پیمانے کے ذریعہ ناپ کر ان کی مقدار یاد رکھنا۔ اب

ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اگر تخمینہ لگانا مستقل حجت ہے تو آپؐ نے اس خاتون سے یہ کیوں فرمایا کہ پھلوں کو توڑنے کے بعد ناپ کے ذریعہ ان کی مقدار یاد رکھنا؟ آپ کا یہ فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تخمینہ مستقل حجت کے درجہ میں نہیں تھا وہ بس ایک تقریبی عمل تھا جس سے بیت المال کے علم میں ایک اندازہ آ جائے اور کل کو اگر کوئی غلط بیانی سے دھوکہ دینا چاہے تو کامیاب نہ ہو۔ اعتبار تو اسی مقدار کا ہوگا جو کل کو پھلوں کو توڑنے اور کیل کے ذریعہ ناپنے کے بعد نکلے گی اور اسی کے مطابق وصول یابی کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کا معمول یہ تھا کہ آپ تخمینہ لگانے والوں کو یہودیوں کے باغات میں بھیجتے تھے، کیوں کہ وہ قابل اطمینان نہیں تھے، مسلمانوں کے باغات میں بھیجنا ثابت نہیں، اس کی تصریح ابن العربی مالکیؒ نے کی ہے، فرمایا: "لم يثبت عنه خرص النخل إلا على اليهود لأنهم كانوا شركاء و كانوا غير أمناء، وأما المسلمون فلم يخرص عليهم" کہ خرص کا عمل صرف یہودیوں کے ساتھ کیا گیا، ایک تو وہ شرکا تھے دوسرے وہ امین نہیں تھے، مسلمانوں پر خرص نہیں کیا گیا۔ ابن العربی نے یہ بھی کہا ہے کہ تخمینہ سے متعلق بخاری کی اس ایک حدیث کے علاوہ کوئی حدیث صحیح نہیں اور حضورؐ سے تخمینہ لگانا اس حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث سے ثابت نہیں۔ "قال ابوبكر بن العربي: لم يصح حديث سعيد، ولا حديث سهل بن خيثمة، ولا في الخرص حديث صحيح إلا حديث البخاري" جہاں تک بخاری کی اس حدیث کی بات ہے تو اس کا مطلب آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس میں تخمینہ ایک تقریبی اندازہ قائم کرنے کے لیے لگایا گیا تھا۔ وصول یابی اس عورت کی بیان کردہ مقدار پر موقوف رکھی گئی تھی، جس کا علم توڑنے کے بعد کیل کے ذریعہ ہوتا ہے، تو یہ حدیث بھی اس مسئلہ میں احناف کی دلیل ہے۔ تخمینہ کے قول فیصل نہ ہونے کی ایک کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے تخمینہ لگانے والوں سے فرمایا کہ جب وصول کرنے جاؤ تو عشر کے حصہ میں ایک تہائی چھوڑ دو (یعنی ایک تہائی کم لو) اور اگر ایک تہائی نہ چھوڑو تو ایک چوتھائی ہی چھوڑ دو (ابوداود) اگر وہ تخمینہ واضح حجت تھا تو یہ کمی کرنے کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ پھر ثلث اور ربع کے درمیان تو بڑا فرق ہوتا ہے، اتنے بڑے فرق کے درمیان اختیار دینا بھی ناقابل فہم ہے، نیز یہ تخمینہ حجت تھا تو اتنے بڑے مال کو چھوڑنا تو فقرا کی بہت بڑی حق تلفی ہے، معلوم ہوا کہ وہ اندازہ حجت نہیں تھا، بس پیش بندی کے طور پر ایک انتظامی بندوبست اور تقریبی عمل تھا، آخری بات نہیں تھی، توڑنے کے بعد وصول یابی حاصل شدہ مقدار کے مطابق کی جائے گی۔ اگر تخمینہ کو قول فیصل مان لیں تو دیگر صحیح احادیث کی مخالفت لازم آئے گی؛ اس لیے کہ تخمینہ اس وقت لگایا جاتا ہے جب کہ کھجوریں رطب کے مرحلہ میں ہوتی ہیں، تو اگر خالص اسی وقت عشر وصول کرے تو لازم آئے گا کہ تمر کے بدلے میں رطب وصول کریں جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، نیز یہ لینا بھی اندازے سے ہوگا، جب کہ حدیث میں ان کھجوروں کو بھی اندازے سے بیچنے کی ممانعت آئی ہے جو ٹوٹی ہوئی رکھی ہوں تو درخت پر موجود کھجور کا تبادلہ اندازے سے کیسے جائز ہو سکتا ہے اور اگر وصول یابی بعد میں کی جائے تو لازم آئے گا کہ رطب کے بدلے ادھار تمر وصول کر رہا ہے اور اسے بھی علما نے سود قرار دیا ہے۔ پھر ائمہ ثلاثہ خرص کو کھجور اور انگور تک محدود رکھتے ہیں، حالاں کہ ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس سے اس عمل کے ان دو جنسوں کے ساتھ خاص ہونے کی بات معلوم ہو اور اس تخصیص کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ جو عقلی باتیں کہتے ہیں ان میں کوئی قوت نہیں ہے، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ دیگر کوئی ایسا پھل نہیں ہے جس میں تخمینہ لگایا جا سکے، یہ بات غلط ہے اس لیے کہ آم اور امرود سمیت ایسے متعدد پھل ہیں جن کے باغات کا اندازہ ان کی فصل آنے کے بعد آسانی کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے اور وہ وجوہ کہ جن کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ کھجور اور انگور میں تخمینہ کے قائل ہوئے ہیں ان فصلوں میں بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً یہ کہنا کہ اس عمل سے مالکین پر آسانی ہو جاتی ہے اور ان کو تصرف کی آزادی حاصل ہو جاتی ہے، یہی بات آم وغیرہ میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ ان کا یہ تفریق کرنا بلا دلیل ہے: اس لیے احناف ہی کا قول درست ہے کہ تخمینہ حجت نہیں ہے، انتظامی مصلحت کے لیے ایک تقریبی عمل ہے اور حکومت کی طرف سے یہ عمل حسب موقع اس

فصل میں کرایا جاسکتا ہے جس میں اس کی ضرورت محسوس ہو اور جہاں مالکوں کی طرف سے غبن کا اندیشہ ہو۔ اس تقریر سے یہ واضح ہوا کہ تخمینہ قول فیصل نہیں سد باب کے لیے ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ احناف تخمینہ کے منکر نہیں ہیں؛ اس لیے ان پر تخمینہ کی احادیث پر عمل نہ کرنے اور ان کی مخالفت کرنے کا الزام لگانا بے بنیاد اور غلط ہے، اور اس سلسلے میں جو اہل ظاہر نے طعنہ کشی کی ہے، وہ بہت ہی نازیبا ہے اور جہالت پر مبنی ہے۔ (ایضاح البخاری)

## حدیث نمبر ۲۷۱۷ ﴿فتح مصر کی خوش خبری﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۶

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرَ وَهِيَ أَرْضٌ يُسَمّٰى فِيْهَا الْقِيْرَاطُ فَإِذَا فَتَحْتُمُوْهَا فَأَحْسِنُوْا إِلٰى أَهْلِهَا فَإِنَّ لَهَا ذِمَّةً وَرَحِمًا أَوْ قَالَ ذِمَّةً وَصِهْرًا فَإِذَا رَأَيْتُمْ رَجُلَيْنِ يَخْتَصِمَانِ فِيْ مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا قَالَ فَرَأَيْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ شُرَحْبِيْلَ بْنِ حَسَنَةَ وَأَخَاهُ رَبِيْعَةَ يَخْتَصِمَانِ فِيْ مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَخَرَجْتُ مِنْهَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۱۱، ج ۲، باب وصية النبی صلی اللہ علیہ وسلم باھل مصر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۵۴۳

**حل لغات:** القِیْرَاط وزن اور پیائش کی ایک مقدار جو مختلف زمانوں میں بدلتی رہتی ہے، اب وزن میں مساوی چار دانہ گندم، سونے میں مساوی تین دانہ گندم، پیائش میں ہر چیز کا بیسواں حصہ۔ ذمة ضمانت، حفاظت، امن، (ج) ذِمَمٌ۔ صھر (ج) اصھار داماد، بہنوئی۔ اَصْهَرَ اِلَى القوم کسی قوم میں ازدواجی رشتہ قائم کرنا، شادی بیاہ کرنا۔ یختصمان اِخْتَصَمَ (افتعال) باہم جھگڑا کرنا۔ لَبِنَةٌ اینٹ واحد ہے اللَّبِنُ مٹی کی کچی اینٹیں۔

**ترجمہ:** حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تم مصر کو فتح کرو گے، اور وہ ایسی زمین ہے جس میں قیراط کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جب تم اس کو فتح کر لینا تو اس کے باشندوں سے حسن سلوک کرنا؛ کیوں کہ ان کے لیے امان اور رحم کا رشتہ ہے، یا آپؐ نے فرمایا کہ امان اور سسرالی رشتہ ہے، جب تم دو آدمیوں کو ایک اینٹ بھر جگہ پر جھگڑتے دیکھنا تو وہاں سے نکل جانا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے عبدالرحمن بن شرحبیل بن حسنہ اور اس کے بھائی ربیعہ کو ایک اینٹ جتنی جگہ پر جھگڑتے ہوئے دیکھا تو میں وہاں سے نکل آیا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے دو پیشین گوئیاں فرمائیں جو پوری ہوئیں، یہ آپ کا معجزہ ہے۔ (۱) آپؐ نے مصر فتح ہونے کی خوش خبری دی اور مصر فتح ہوا۔ (۲) معمولی چیز پر جھگڑے کی اطلاع دی وہ بھی حضرت ابوذرؓ نے دیکھ لیا۔ آپ کو غیب سے علم ہو گیا تھا کہ ایک اینٹ کی جگہ پر جھگڑنا دراصل مصریوں کی فتنہ پروری کی علامت ہوگی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** القیراط مصر میں اس وقت قیراط سکہ رائج تھا، حضورؐ نے فرمایا کہ وہاں قیراط بولا جاتا ہے، ایک تو آپؐ نے مصر کے سکے کا تعارف کرایا دوسرے آپؐ نے مصریوں کی خست طبع کی طرف اشارہ فرمایا کہ انکی زبان پر قیراط کا لفظ رہتا ہے، اس سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ قیراط تو مصر کے علاوہ اور علاقوں میں بھی چلتا تھا، مصر کیساتھ تو خاص نہیں تھا، اسکا جواب یہ ہے کہ قیراط کا ذکر آپؐ نے انکی خستِ طبع بیان کرنے کیلئے کیا ہے؛ اس لیے کہ مصر میں قبطی کافر تھے جنکی فطرت میں خست و دناءت تھی، قیراط کا وزن مختلف علاقوں میں مختلف تھا، چنانچہ مکہ اور اسکے علاقوں میں قیراط ایک دینار کے چوبیس حصے کے برابر ہوتا تھا اور عراق میں ایک قیراط دینار کے بیسویں حصے کے برابر ہوتا تھا، حضورؐ نے فرمایا کہ جب تم مصر فتح کر لو تو وہاں کے لوگوں کے ساتھ انکی خست طبع کے باوجود اچھا سلوک کرنا، پھر اچھا سلوک کرنے کی دو وجہیں ارشاد فرمائیں، پہلی یہ کہ انکے ساتھ ذمہ ہے، ذمہ سے

مراد معاہدہ ہے کہ مصر کا سارا علاقہ اسکندریہ کے سوا صلح سے فتح ہوا تو آپ نے پیشگی خبر دی کہ فتح کے بعد ان کے معاہدہ کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ قرابت ہے، وہ اس طرح کہ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ حضرت ماریہؓ کے بطن سے تھے اور حضرت ماریہ قبطی اور مصر کی رہنے والی تھیں اور دوسری وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ ان کے ساتھ سسرالی رشتہ ہے، وہ اس طرح کہ حضورؐ کے جدامجد حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہؑ مصری النسل تھیں۔ فاذا رایتم رجلین یعنی جب تم دیکھو کہ دو آدمی ایک اینٹ کی جگہ پر جھگڑ رہے ہیں تو تم وہاں نہ رہو چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے یہ صورت حال وہاں دیکھی تو آپ مصر سے نکل آئے، درحقیقت آنحضرتؐ کو بذریعہ وحی اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ مصریوں کا اس حد تک خست طبع کا مظاہرہ کرنا کہ ایک اینٹ جگہ پر بھی جھگڑ پڑیں گے، یہ علامت ہوگی کہ اس کے پیچھے فتنوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا مصریوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی، مدینہ پر چڑھائی کر کے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا، اسی طرح جب حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں حضرت محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کا حاکم مقرر کیا تو انھوں نے ان کو بھی شہید کر دیا۔ روایت میں حضورؐ نے پہلے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا پھر فاخرج واحد کا صیغہ استعمال فرمایا حالانکہ بظاہر مقام کا تقاضہ یہ ہے کہ یہاں بھی جمع کا صیغہ آنا چاہیے تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب خاص صرف حضرت ابوذرؓ ہی کو ہے، کمال محبت وشفقت کی بنیاد پر یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خطاب عمومی ہے، یعنی اس کا مخاطب ہر ایک شخص ہے گویا یہ واحد کل کی تاویل میں ہے۔ (مرقات، جدید مظاہر حق، انعام المنعم)

## حدیث نمبر ۲۷۱۸ ﴿منافقین کے برے انجام کی خبر دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۷

وَعَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ أَصْحَابِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ وَفِيْ أُمَّتِيْ اِثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدُوْنَ رِيْحَهَا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ثَمَانِيَةٌ مِنْهُمْ تَكْفِيْهِمُ الدُّبَيْلَةُ سِرَاجٌ مِنْ نَارٍ يَظْهَرُ فِيْ أَكْتَافِهِمْ حَتّٰى تَنْجُمَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا فِيْ بَابِ مَنَاقِبِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. وَحَدِيْثَ جَابِرٍ مَنْ يَصْعَدُ الثَّنِيَّةَ فِيْ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

**حواله:** مسلم، ص۳۶۹ ج۲، کتاب صفات المنافقین، حدیث ۲۷۷۹

**حل لغات:** يَلِج وَلَج (ض) وُلُوجًا الشَّيْءُ فِيْ غيره ایک شی کا دوسری میں گھسنا۔ سَمٌّ (ج) سُمُوْمٌ سوئی کا ناکہ۔ الخياط سلائی کی سوئی، "سم الخياط" سوئی کا سوراخ۔ الدُّبَيْلَة بڑی آفت، (تصغیر بڑا بنانے کے لیے ہے)، دَبَلَتْهُ الدُّبَيْلَةُ اس پر بڑی مصیبت آگئی۔ أكتاف (واحد) كَتِفٌ کندھا۔ تَنْجُم نَجَمَ (ن) نُجُوْمًا ظاہر ہونا۔ صدور (واحد) صَدْرٌ سینہ۔ الراية (ج) رَايَاتٌ جھنڈا، پرچم۔ يصعد (س) صُعُوْدًا چڑھنا۔

**ترجمه:** حضرت حذیفہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے ساتھیوں میں، اور ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ میری امت میں بارہ منافق ہیں، جو نہ جنت میں داخل ہوں گے اور نہ اس کی خوشبو پائیں گے، یہاں تک کہ سوئی کے ناکہ سے اونٹ گذر جائے، ان میں سے آٹھ کو تو "دبیل" کافی ہوگا، جو کہ آگ کا شعلہ ہوگا، اُن کے کاندھوں میں پیدا ہوگا اور سینوں تک پہنچ جائے گا۔ (مسلم) حضرت سہل بن سعدؓ کی حدیث "لاعطين الخ" کو عنقریب "باب مناقب علی" میں ہم ذکر کریں گے، اور حضرت جابرؓ کی حدیث "من يصعد الخ" کو "جامع المناقب" میں انشاء اللہ ذکر کریں گے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ نے جن منافقین کے نفاق پر مرنے کی اطلاع دی تھی وہ نفاق پر ہی مرے اور جس انداز سے مرنے کے بارے میں بتایا تھا وہ اسی طرح مرے، یہ آپؐ کا معجزہ ہے۔ ان کا جنت میں جانا تو

بہت دور کی بات اُن کو جنت کی خوشبو بھی ملنا ممکن نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فی اصحابی میرے صحابہ یا میری امت میں بارہ منافق ہیں۔

**سوال:** آپ نے منافقین کو صحابہ کا مقدس لقب کیوں دیا؟ اور انھیں اپنا امتی کیوں قرار دیا؟

**جواب:** آپ نے منافقین کو صحابہ محض انکی ظاہری حالت کیوجہ سے کہا ہے، کیونکہ وہ ظاہری طور پر صحابہ کے ساتھ رہتے تھے، اگر چہ دل میں نفاق تھا، اس لیے مجازاً انکو صحابہ کہہ دیا اور چوں کہ یہ ظاہری لحاظ سے مسلمان ہی شمار ہوتے تھے، اس بنا پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امت سے مراد امت اجابت ہے، اور اگر امت دعوت مراد لیا جائے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں، کیوں کہ امت دعوت میں منافق بھی شامل ہیں۔

**سوال:** منافقین کی تعداد صرف بارہ تھی یا اس سے زائد؟

**جواب:** منافقین کی تعداد اس سے زائد تھی۔ جب ان کی تعداد زائد تھی تو یہاں بارہ کی تعداد کیوں ذکر کی؟ اس تحدید کی وجہ مجمع الزوائد میں نقل کردہ ایک روایت سے حاصل ہوتی ہے، حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں حضور کی اونٹنی کی مہار پکڑے آگے کھینچ رہا تھا، اور عمارؓ اسے ہانک رہے تھے، یا میں ہانک رہا تھا اور عمارؓ کھینچ رہے تھے کہ ہم بارہ منہ چھپانے والے نقاب پوشوں کے سامنے آئے تو آپؐ نے فرمایا یہ منافق ہیں اور نفاق پر ہی مریں گے، تو میں نے کہا کہ آپ آدمی بھیج کر انھیں قتل کیوں نہیں کراتے، آپؐ نے فرمایا چھوڑو، لوگ یہ نہ کہیں کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں، یہ مجھے ناگوار اور ناپسند ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۰۹ ج ۱)

حتی یلج الجمل جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا ناممکن ہے، اس طرح ان منافقین کا جنت میں داخل ہونا ناممکن ہے، اسے تعلیق بالمحال کہتے ہیں۔ ثمانیة ان میں سے آٹھ مہلک بیماری میں ہلاک ہوں گے۔ الدبیلة طاعون کا مرض ہے وہ ایک پھوڑا ہے، جس میں سرخی ہوتی ہے، اور گرمی کی شدت کی وجہ سے گویا کہ آگ کا شعلہ ہے، یہ کندھے سے نمودار ہو کر سینے پر جا نکلے گا۔ سراج من نار "دبیلہ" کی یہ تفسیر بظاہر حضرت حذیفہؓ کی ہے نہ کہ حضورؐ سے منقول ہے، نیز دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے مجھے ان منافقین کے نام بتلا دیئے تھے اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کس طرح مریں گے، چنانچہ وہ اسی طرح مرے جس طرح حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ (انعام المنعم، مرقات)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۷۱۹ ﴿بادل کا آپؐ کو سایہ میں لینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۸

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰیؓ قَالَ خَرَجَ أَبُوْطَالِبٍ إِلَى الشَّامِ وَخَرَجَ مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَشْيَاخٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَلَمَّا أَشْرَفُوْا عَلَى الرَّاهِبِ هَبَطُوْا فَحَلُّوْا رِحَالَهُمْ فَخَرَجَ إِلَيْهِمُ الرَّاهِبُ وَكَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ يَمُرُّوْنَ بِهٖ فَلَا يَخْرُجُ إِلَيْهِمْ قَالَ فَهُمْ يَحُلُّوْنَ رِحَالَهُمْ فَجَعَلَ يَتَخَلَّلُهُمُ الرَّاهِبُ حَتّٰى جَاءَ فَأَخَذَ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ فَقَالَ لَهٗ أَشْيَاخٌ مِنْ قُرَيْشٍ مَا عِلْمُكَ فَقَالَ إِنَّكُمْ حِيْنَ أَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ يَبْقَ شَجَرٌ وَلَا حَجَرٌ إِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَلَا يَسْجُدَانِ إِلَّا لِنَبِيٍّ وَإِنِّيْ أَعْرِفُهٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ أَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوْفِ كَتِفِهٖ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَلَمَّا أَتَاهُمْ بِهٖ وَكَانَ هُوَ فِيْ رِعْيَةِ الْإِبِلِ فَقَالَ أَرْسِلُوْا إِلَيْهِ فَأَقْبَلَ وَعَلَيْهِ غَمَامَةٌ تُظِلُّهٗ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْقَوْمِ وَجَدَهُمْ قَدْ سَبَقُوْهُ إِلٰى فَيْءِ شَجَرَةٍ فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فَيْءُ الشَّجَرَةِ عَلَيْهِ فَقَالَ انْظُرُوْا إِلٰى فَيْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَيْهِ فَقَالَ أَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ أَيُّكُمْ وَلِيُّهٗ قَالُوْا أَبُوْطَالِبٍ فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهٗ حَتّٰى رَدَّهٗ أَبُوْ طَالِبٍ

وَبَعَثَ مَعَهُ أَبُوبَكْرٍ بِلَالًا وَزَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الْكَعْكِ وَالزَّيْتِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۰۳ ج۲، باب ما جاء فی بدء نبوۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۲۰

**حل لغات:** اَشْيَاخٌ (واحد) شَيْخٌ سردار، امیر جماعت یا سردارِ قبیلہ، بوڑھا۔ اشرفوا جمع مذکر غائب ماضی، اَشْرَفَ (افعال) علیٰ المکان قریب ہونا، سامنے ہونا۔ حلوا (ن) حَلًّا کھولنا۔ العُقْدَةَ گرہ کھولنا۔ رحال (واحد) رَحْلٌ کجاوہ اونٹ کا، قیام گاہ۔ الراهِب (ج) رُهْبَانٌ تارک الدنیا، گرجا کا مذہبی رہنما، رَهِبَ (س) رَهَبًا ڈرنا۔ یمرون مَرَّ (ن) مُرُوْرًا باحدٍ کسی کے پاس سے گذرنا۔ یتخلل تَخَلَّلَ (تفعل) القومَ وسط میں پہنچ جانا، الشَّيْءَ گھسنا، درمیان سے نکلنا۔ العقبة گھاٹی، دشوار گذار پہاڑی راستہ، (ج) عِقَابٌ۔ خرَّ (ض، ن) خَرًّا نیچے گرنا، سجدہ میں گرنا۔ غُضْرُوف (ج) غَضَارِيْفُ کسی بھی جگہ کی نرم و گداز ہڈی۔ رعیة چرنے یا چرانے کی کیفیت، نوعیتِ حفاظت وگلہ بانی، کہتے ہیں "هُوَ حَسَنُ الرِّعْيَةِ أَوْ سَيِّئُ الرِّعْيَةِ" وہ اچھی طرح چراتا ہے یا بری طرح چراتا ہے۔ رَعَى الماشيَةَ رَعْيًا جانور کو چرانا۔ غمامة واحد ہے، غَمَامٌ بادل۔ تظله اَظَلَّ (افعال) اِظْلَالًا سایہ ڈالنا، سایہ فگن ہونا۔ فَيْءٌ سایہ (ج) اَفْيَاءٌ وفُيُوْءٌ۔ زوالِ شمس کے بعد مشرق کی طرف پھیلنے والا سایہ۔ مال (ض) مَيْلًا جھکنا۔ انشد نَشَدَ (ن) نَشْدًا فلانًا اللّٰه وبه، کسی کو خدا کی قسم دینا، خدا کا واسطہ دینا، یناشد (مفاعلة) کسی کام کی اپیل کرنا، مطالبہ کرنا، اللہ کا واسطہ دے کر کسی سے کچھ طلب کرنا۔ رد (ن) رَدًّا أحدًا لوٹانا، واپس کرنا۔ زَوَّدَ تَزْوِيدًا (تفعیل) زادِ راہ دینا، اشیائے خوردنی وسامانِ ضرورت دینا۔ الكَعْكُ فارسی کا معرب ہے، کیک، موٹی روٹی۔ الزیت (ج) زُيُوْتٌ تیل، روغنِ زیتون۔

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوطالب قریش کے چند سرداروں کے ساتھ شام کی طرف نکلے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے ساتھ تھے، جب یہ لوگ راہب کے پاس پہنچے، تو وہاں اتر پڑے اور انھوں نے اپنے کجاوے کھول دیئے، تو وہ ان کی طرف نکل کر آیا، حالاں کہ وہ اس سے پہلے بھی اس راہب کے پاس سے گزرا کرتے تھے، لیکن وہ ان کے پاس نکل کر نہیں آتا تھا، راوی کہتے ہیں کہ لوگ اپنے کجاوے کھول رہے تھے جب کہ راہب اِن کے درمیان کسی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ یہ سب جہانوں کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے رسول ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، قریش کے بعض سرداروں نے اس سے پوچھا کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا؟ اس نے کہا کہ جب تم لوگ گھاٹی سے اتر رہے تھے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو اِن کو سجدہ نہ کر رہا ہو اور درخت اور پتھر صرف نبی کو سجدہ کرتے ہیں، اور میں ان کو مہرِ نبوت سے بھی پہچان رہا ہوں، جو ان کے شانے کی ہڈی کے نیچے سیب کی طرح ہے، پھر وہ واپس لوٹا اور لوگوں کے لیے کھانا تیار کیا، پھر جب وہ کھانا لے کر آیا تو آپؐ اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے، تو اس نے کہا کہ ان کو بلوائیے، چنانچہ آپ تشریف لائے تو آپؐ کے اوپر بادل سایہ فگن تھا، پھر جب آپؐ لوگوں کے قریب پہنچے تو ان کو پایا کہ وہ درخت کے سایہ میں پہلے ہی قبضہ کر چکے ہیں، پھر آپؐ جوں ہی بیٹھے درخت کا سایہ آپؐ کی طرف جھک گیا، تو اس راہب نے کہا دیکھو درخت کا سایہ اِن پر جھک رہا ہے، پھر راہب بولا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں اِن کا سرپرست کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابوطالب، پس وہ راہب ابوطالب سے برابر مطالبہ کرتا رہا کہ ان کو واپس بھیجو، یہاں تک کہ ابوطالب نے آپ کو واپس بھیج دیا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آپؐ کے ساتھ روانہ کیا، اور اس راہب نے روٹی اور زیتون کا تیل زادِ راہ کے لیے دیا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث**

حضورؐ کی عمر جب بارہ سال دو مہینہ کی ہوئی اس وقت خواجہ ابوطالب نے تجارت کی غرض سے شام کا سفر کیا، اور آپ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے، جب مقام "تیما" میں پہنچے، وہاں بحیریٰ راہب ملا، بعض روایتوں میں ہے کہ یہ

یہودی عالم تھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ یہ نصرانی راہب تھا۔ واللہ اعلم۔ اس نے کتب قدیمہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق آپؐ میں نبوت کی کچھ علامتیں دیکھیں اور خواجہ ابوطالب سے پوچھا کہ یہ لڑکا جو تمہارے ساتھ ہے کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے، بحیری نے کہا کیا آپ کو اس کے ساتھ محبت ہے؟ انہوں نے کہا بیشک، بحیری نے کہا میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں بخدا آپ انہیں شام لے گئے تو یہود ان کے دشمن ہو جائیں گے، اور قتل کرنا چاہیں گے آپ ان کو واپس لے جائیں، چنانچہ خواجہ ابوطالب وہیں سے حضور انورؐ کو ساتھ لے کر واپس چلے آئے، بعض روایت میں ہے کہ آپ کو کسی غلام کے ساتھ واپس کیا، اس سفر کا حال تقریباً تمام اہل سیر لکھتے ہیں اور بحیرہ سے ملنے کا حال بھی لکھتے ہیں، لیکن سب سے بہتر یہی روایت ہے جو ترمذی میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے۔ ابن حجرؒ اصابہ میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کے رجال سب ثقات ہیں، لیکن اس کے آخر میں ایک جملہ ہے جو بالکل لغو ہے، وہ یہ کہ ابوطالب نے حضور علیہ السلام کو واپس کیا اور ابوبکرؓ نے بلال کو آپؐ کے ساتھ کر دیا، یہ لغو اس لیے ہے کہ اس وقت ابوبکرؓ خود کم سن تھے اور بلال حبشیؓ ان کے ساتھ نہ تھے، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ راوی نے کسی اور روایت کا جملہ غلطی سے اس میں شامل کر دیا ہے روایت صحیح ہے اور اس جملہ کے سوا اور کوئی بات اس میں قابل انکار نہیں ہے، مگر سمجھ میں نہ آیا کہ کس لفظ سے معلوم ہوا کہ بلال سے مراد بلال حبشی موذن رسول علیہ السلام ہیں، ممکن ہے کہ کوئی اور بلال بھی ابوبکرؓ کے غلام ہوں اور باوجود کم سنی کے ابوبکرؓ بھی خواجہ ابوطالب کے ساتھ سفر میں گئے ہوں۔ (اصح السیر)

بعض لوگوں نے ترمذی کی اس روایت کو ضعیف بھی قرار دیا ہے، تفصیل ذیل میں دیکھیں۔

## کلمات حدیث کی تشریح

خرج ابوطالب الی الشام حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں یہ روایت صرف ترمذی میں ہے، باقی کتب خمسہ میں نہیں ہے، اور یہ روایت مذکورہ تفصیل کے ساتھ صحیح نہیں، کیونکہ واقدی کے بیان کے مطابق: اس واقعہ کے وقت آپ کی عمر مبارک بارہ سال تھی اور سہیل کے بیان کے مطابق نو سال تھی (البدایۃ لابن کثیر ۲: ۲۸۵) پس حضرت ابوبکرؓ کی عمر اس وقت سات سال ہوگی، اور حضرت بلالؓ تو پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

اور اگر کہا جائے کہ یہ واقعہ کے متعلقات ہیں، ان کو چنداں اہمیت نہیں دینی چاہئے، حضرت بلالؓ کے ساتھ نہیں بھیجا ہوگا تو کسی اور غلام کے ساتھ بھیجا ہوگا، اور حضرت ابوبکرؓ نے نہیں بھیجا ہوگا تو کسی اور نے بھیجا ہوگا، اس سے نفس واقعہ پر کیا اثر پڑتا ہے! مگر دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپؐ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ کا تجارتی مال لے کر شام کا سفر کیا ہے، اگر یہ واقعہ پیش آیا تھا، تو آپ نے دوبارہ شام کا سفر کیوں کیا؟ اس کا کوئی جواب نہیں! نیز اس حدیث میں ہے (ترمذی کی تفصیلی روایت میں ہے) کہ "وہ نبی اس مہینہ میں ظاہر ہونے والے ہیں" "ان ھذا النبیّ خارج فی ھذا الشھر" یہ بھی غلط ہے، آپؐ کی بعثت اس واقعہ کے بہت سالوں کے بعد ہوئی ہے، صحیح واقعہ سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے جتنا طبقات ابن سعد (۱: ۱۱۱) میں ہے: "ابن سعد کہتے ہیں: ہمیں خالد بن خداش نے بتلایا ہے، وہ کہتے ہیں: ان کو معتمر بن سلیمان نے بتایا، وہ کہتے ہیں: میں نے اپنے ابا کو ابومجلز سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ عبدالمطلب یا ابوطالب (خالد کو شک ہے) نے کہا: جب عبداللہ (نبیؐ کے والد) کا انتقال ہو گیا تو وہ (ابوطالب) محمدؐ پر بہت مہربان ہو گئے..... راوی کہتا ہے: پس آپؐ کوئی بھی سفر نہیں کرتے تھے، مگر وہ (ابوطالب) آپؐ کے ساتھ ہوتے تھے، اور وہ آپ کو لے کر شام کی طرف متوجہ ہوئے، پس ایک جگہ پڑاؤ کیا، تو ان کے پاس اس جگہ ایک راہب (تارک الدنیا) آیا، اور اس نے کہا: تمہارے درمیان ایک نیک آدمی ہے، پھر اس نے پوچھا: اس لڑکے کا باپ کہاں ہے؟ ابوطالب نے کہا: میں اس کا سرپرست ہوں! راہب نے کہا: آپ اس لڑکے کی حفاظت کریں، اس کو شام نہ لے جائیں، یہود حاسد قوم ہے، اور مجھے اس پر یہود کا ڈر ہے! ابوطالب نے کہا: یہ بات آپ نہیں کہتے، اللہ تعالیٰ کہتے ہیں یعنی آثار رشد ان میں پہلے سے ظاہر ہیں، چنانچہ ابوطالب نے آپؐ کو واپس کر دیا" بس اتنا ہی سادہ واقعہ صحیح معلوم ہوتا ہے، ترمذی کی

روایت اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح معلوم نہیں ہوتی، اس کو عبدالرحمن بن غزوان ہی روایت کرتے ہیں، جن کا لقب قُراد (چیچڑی) تھا، یہ راوی اگرچہ ثقہ اور بخاری کا راوی ہے، مگر وہ بعض روایتیں ایسی بھی بیان کرتا تھا جسے اور کوئی بیان نہیں کرتا تھا۔ لہٗ افراد (تقریب) اس لیے اس کی تمام روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۲۷۲۰ ﴿بے جان چیزوں کا سلام کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۱۹**

وَعَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِيْ بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ إِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۰۴ ج۲، باب فی آیات اثبات نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۲۶، دارمی، ص۲۵ ج۱، فی المقدمہ باب ما اکرم اللّٰہ بہ نبیہ من ایمان الشجر بہ، حدیث ۲۱

**حل لغات:** نَوَاحٍ (واحد) نَاحِيَة، گوشہ، کنارہ، جہت۔ استقبلہ اِسْتَقْبَلَ (استفعال) سامنے آنا۔ جبل (ج) جِبَالٌ پہاڑ۔ شجر (ج) اَشْجَارٌ درخت۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں مکہ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، ہم کسی نواحی بستی کی طرف نکلتے تو جو کوئی پتھر اور درخت سامنے آتا وہ یہی کہتا کہ اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ (ترمذی، دارمی)

**خلاصۂ حدیث** کائنات کی ہر چیز میں اس کی شان کے مطابق شعور ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں ہے "وإن من شئ إلا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم" (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان نہ کرتی ہو، مگر تم لوگ ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے درختوں اور پتھروں کو شعور دیا کہ وہ اللہ کے آخری پیغمبر کو پہچان کر سلام کریں، اللہ کی قدرت کے آگے یہ کوئی بعید بات نہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فما استقبلہ آپ جس پہاڑ یا درخت کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو سلام پیش کرتا، اور حضرت علیؓ خود یہ آواز سنتے، اس طرح اس حدیث میں معجزہ اور کرامت دونوں کا بیان ہے، یعنی شجر و حجر کا آپ کو سلام کرنا آپ کا معجزہ ہے، اور حضرت علیؓ کا اس سلام کو سننا ان کی کرامت ہے، البتہ ممکن ہے کہ آپ نے خود حضرت علیؓ کو اس کی خبر دی ہو، انھوں نے از خود نہ سنا ہو، تب صرف معجزہ کا ثبوت ہوگا۔

**حدیث نمبر ۲۷۲۱ ﴿براق پر سوار ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۰**

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِالْبُرَاقِ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ مُلْجَمًا مُسْرَجًا فَاسْتَصْعَبَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ جِبْرِيْلُ أَبِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ هٰذَا فَمَا رَكِبَكَ أَحَدٌ أَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ قَالَ فَارْفَضَّ عَرَقًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۱۴۵ ج۲، باب و من سورۃ بنی اسرائیل، کتاب تفسیر القرآن، حدیث ۳۱۳۱

**حل لغات:** البراق (ج) بُرُوْقٌ وہ سواری جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب سوار ہوئے۔ اسری ماضی مجہول اَسْرَى (افعال) اللیل و بہ رات میں چلنا۔ بفلان و فلاناً رات کو لے جانا۔ ملجماً لگام لگایا ہوا۔ اَلْجَمَ (افعال) الدَّابَّةَ جانور کے لگام لگانا۔ مسرجاً زین کسا ہوا۔ اَسْرَجَ (افعال) اَلْفَرَسَ گھوڑے پر زین کسنا۔ استصعب (استفعال) الامرُ مشکل ہونا۔ ارفض پسینہ بہنا یا ٹپکنا۔ عرق (ج) عُرُوْقٌ پسینہ۔

**ترجمہ.** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ معراج کی شب جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سواری کے طور پر براق لایا گیا تو اس

پرلگام چڑھی ہوئی تھی اور زین کسی ہوئی تھی، آپ کے لیے اس پرسوار ہونا دشوار ہوا، تو حضرت جبرئیل نے اس سے کہا کہ کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ شوخیاں کررہا ہے؟ یہ وہ ذات گرامی ہیں جن سے بہتر کوئی تجھ پر سوار نہیں ہوا، راوی کا بیان ہے کہ براق پسینہ پسینہ ہوگیا۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپ کے سفر معراج کی سواری براق کا ذکر ہے، سفرِ معراج خود ہی بہت بڑا معجزہ ہے، براق سواری پر آپ سے پہلے انبیاء کرام سوار ہو چکے تھے، لیکن انبیاء کرام میں سب سے افضل آپ ہیں، اس لیے اس سواری پر آپ سے مکرم کوئی نہیں بیٹھا، اور بیٹھتا بھی کیسے؟ کیوں کہ آپ سے زیادہ مکرم کوئی ہے ہی نہیں، آپ سوار ہونے لگے تو براق خوشی سے اچھلنے لگی، جس کی وجہ سے سوار ہونے میں آپ کو دشواری ہوئی، جب جبرئیل نے براق کو متنبہ کیا تو وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہوگیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اتی بالبراق ''براق'' برق بمعنی بجلی سے ہے، اس میں تیز رفتار اور چمکدار ہونے کی طرف اشارہ ہے، اسی وجہ سے بعض روایات میں آتا ہے کہ اس کا ہر قدم حد نظر پر پڑتا تھا، ممکن ہے ایک ہی قدم میں آسمان پر پہنچ گیا ہو؛ کیوں کہ زمین سے اس کی حد نظر آسمان ہی ہوگی۔ (مرقات، ص ۱۵۸ ج ۱۱)

## حدیث نمبر ۲۷۲۲ ﴿براق کو باندھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۱

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَيْنَا إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ جِبْرِيْلُ بِإِصْبَعِهٖ فَخَرَقَ بِهَا الْحَجَرَ فَشَدَّ بِهِ الْبُرَاقَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۱۴۵ ج ۲، باب و من سورۃ بنی اسرائیل، کتاب تفسیر القرآن، حدیث ۳۱۳۲

**حل لغات:** انتهينا انْتَهىٰ (افتعال) الی مکان پہنچنا۔ اصبع (ج) أَصَابِعُ انگلی۔ خرق (ن، ض) خَرْقًا الشَّيْءَ پھاڑنا، سوراخ کرنا۔ شد (ض) شَدًّا الشَّيْءَ باندھنا۔

**ترجمه:** حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم بیت المقدس پہنچے، تو جبرئیل نے اپنی انگلی کے اشارہ سے پتھر میں سوراخ کیا اور اس کے ساتھ براق کو باندھ دیا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** براق باندھنے کے سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء کرام اپنی سواریوں کو باندھتے تھے، ممکن ہے براق باندھتے میں آپ اور جبرئیل امین شریک رہے ہوں، اس لیے دونوں کی طرف نسبت ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے سراخ بند ہوگیا تھا، سوراخ جبرئیل امین نے کھولا اور براق آپ نے باندھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فخرق بها الحجر براق پر سوار ہونا، اور براق کا کڑے سے باندھنا معجزہ ہے، علما نے لکھا ہے کہ سفرِ معراج کے موقع پر جس جگہ براق بندھا تھا، اب اس جگہ پیتل کا ایک کڑا ہے اور یہ جگہ مسجد اقصیٰ میں بائیں طرف واقع ہے، اب یہ جگہ زمین دوز ہے، وہاں اندھیرا ہوتا ہے، روشنی کر کے نفل پڑھی جاتی ہے، اس پر فی الحال اسرائیل کا کنٹرول ہے، جب کہ مسجد کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ (توضیحات)

## حدیث نمبر ۲۷۲۳ ﴿اونٹ سے متعلق معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۲

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ الثَّقَفِيِّ قَالَ ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ رَأَيْتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَهٗ إِذْ مَرَرْنَا بِبَعِيْرٍ يُسْنٰى عَلَيْهِ فَلَمَّا رَآهُ الْبَعِيْرُ جَرْجَرَ فَوَضَعَ جِرَانَهٗ فَوَقَفَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيْنَ صَاحِبُ هٰذَا الْبَعِيرِ فَجَاءَهُ فَقَالَ بِعْنِيهِ فَقَالَ بَلْ نَهَبُهُ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَإِنَّهُ لِأَهْلِ بَيْتٍ مَالَهُمْ مَعِيْشَةٌ غَيْرُهُ قَالَ أَمَّا إِذَا ذَكَرْتَ هٰذَا مِنْ أَمْرِهِ فَإِنَّهُ شَكَا كَثْرَةَ الْعَمَلِ وَقِلَّةَ الْعَلَفِ فَأَحْسِنُوْا إِلَيْهِ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى نَزَلْنَا مَنْزِلًا فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْ شَجَرَةٌ تَشُقُّ الْأَرْضَ حَتّٰى غَشِيَتْهُ ثُمَّ رَجَعَتْ إِلٰى مَكَانِهَا فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ هِيَ شَجَرَةٌ اِسْتَأْذَنَتْ رَبَّهَا فِيْ أَنْ تُسَلِّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنَ لَهَا قَالَ ثُمَّ سِرْنَا فَمَرَرْنَا بِمَاءٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ بِابْنٍ لَهَا بِهِ جِنَّةٌ فَأَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْخِرِهِ ثُمَّ قَالَ اخْرُجْ فَإِنِّيْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سِرْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مَرَرْنَا بِذٰلِكَ الْمَاءِ فَسَأَلَهَا عَنِ الصَّبِيِّ فَقَالَتْ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْنَا مِنْهُ رَيْبًا بَعْدَكَ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنة،ص ۲۹۵-۲۹۶ ج ۱۳، باب علامات النبوة، کتاب الفضائل، حدیث ۳۷۱۸

**حل لغات:** یسنیٰ مضارع مجہول، سَنِیَ (س) سَنَا الدَّابَّةُ جانور کا پانی ڈھونے کے لیے استعمال ہونا۔ جانور پر پانی لاد کر لانا۔ البعیر اونٹ یا اونٹنی جو سواری اور بار برداری کے قابل ہو (ج) اَبَاعِرُ و اَبَاعِيْرُ۔ جرجر الجَمَلُ اونٹ کا بلبلانا، گھٹی ہوئی آواز نکالنا۔ جران اونٹ وغیرہ کی گردن کا اندرونی حصہ (ج) اَجْرِنَة وجُرُنٌ۔ بع امر واحد مذکر حاضر، فروخت کر دو۔ بَاعَ (ض) بيعًا بیچنا۔ نهب مضارع جمع متکلم وَهَبَ (ف) وَهْبًا دینا، ہبہ کرنا۔ معیشة اسبابِ زندگی، ذریعہ گذر بسر (ج) مَعَايِشُ۔ شکیٰ (ن) شِكَايَةً اِلٰی فلان بکذا شکایت کرنا۔ العلف گھاس، چارہ، (ج) عِلَافٌ و اَعْلَافٌ و عُلُفٌ۔ تشق (ن) شَقًّا پھاڑنا۔ غشیته (س) غَشْيًا چھانا، ڈھانپنا۔ استیقظ (استفعال) بیدار ہونا۔ جنة جنون، دیوانگی، جُنَّ مجہول (ض) جُنُوْنًا دیوانہ ہو جانا۔ منخر نتھنا، ناک، (ج) مَنَاخِرُ۔

**ترجمہ:** حضرت یعلیٰ بن مرۃ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزیں دیکھیں، ہم آپؐ کے ساتھ سفر کر رہے تھے، کہ اچانک ہم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس پر پانی لایا جاتا تھا۔ جب اونٹ نے آپ کو دیکھا تو بلبلایا اور اپنی گردن جھکا دی۔ نبی کریمؐ اس کے پاس ٹھہر گئے اور فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ وہ حاضر بارگاہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا: اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! یہ میں نے آپ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا۔ البتہ یہ ایسے گھر والوں کا ہے جن کا اس کے سوا اور کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے تو اپنا معاملہ اس اونٹ کے بارے میں بیان کر دیا، لیکن اس نے کام زیادہ لینے اور چارہ تھوڑا دینے کی شکایت کی ہے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ پھر ہم چل پڑے یہاں تک کہ ایک منزل پر اترے اور نبی کریمؐ سو گئے، تو ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا اور آپؐ پر سایہ فگن ہو گیا، پھر واپس چلا گیا۔ جب رسولؐ بیدار ہوئے تو میں نے آپؐ سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس درخت نے اپنے رب سے اجازت چاہی تھی کہ رسول کو سلام کرے تو اسے اجازت مل گئی۔ پھر فرمایا کہ ہم چل پڑے یہاں تک کہ ایک پانی کے پاس سے گزرے تو ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوئی جو دیوانہ ہو گیا تھا۔ نبی کریمؐ نے اسے ناک کے بانسے سے پکڑ کر فرمایا: باہر نکل کہ میں اللہ کا رسول محمد ہوں۔ پھر ہم چل دیئے، جب ہم واپس لوٹے اور اسی پانی کے پاس سے گذرے تو عورت سے بچے کے متعلق پوچھا: وہ عرض گذار ہوئی: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم نے اس کے بعد اس کی کوئی مشکوک حرکت نہیں دیکھی۔ (شرح السنہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے تین معجزات کا ذکر ہے۔ (۱) بے زبان جانور اونٹ نے اپنے مالک کی پیٹ بھر چارہ نہ دینے کی شکایت کی، آپؐ نے نہ صرف اس کی بات سمجھی، بلکہ اس کے مالک کو بلا کر تنبیہ فرمائی۔

(۲) درخت دور سے چل کر آپ کی خدمت میں آیا، آپ کو سلام کیا اور آپ پر اپنا سایہ ڈالا۔
(۳) آپ کے ذریعہ دیوانہ لڑکے کو علی الفور شفائے کامل نصیب ہوئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وانه لاهل بیت مالهم معیشة اس سے اس شخص نے اپنا گھرانہ مراد لیا ہے، گویا اس نے فروخت نہ کرنے کی وجہ کی طرف خفیف اشارہ کیا، چوں کہ اس اونٹ سے متعلق معجزہ کا ظہور ہوا تھا؛ اس لیے آپ نے مبارک سمجھ کر خریدنے کا ارادہ کیا۔ اما ما ذکرت تم نے جو وجہ بیان کی ہے وہ معقول ہے، اس کو فروخت مت کرو، لیکن اونٹ نے شکایت کی ہے کہ کام زیادہ لیا جاتا ہے اور چارہ کم دیا جاتا ہے، لہٰذا کام کم لو اور چارہ زیادہ ڈالا کرو۔ تشق الارض درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا اور سلام کرکے چلا گیا؛ علامہ بوصیری نے قصیدہ بردہ میں فرمایا:

| جاء ت لدعوته الأشجار ساجدة | ☆ | تمشي إليه على ساق بلا قدم |
|---|---|---|

بمنخره یعنی ناک کے بانسہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجنون کو پکڑا اور اس جنی کو حکم دیا کہ نکل جاؤ۔ ربیا اس علاج کے بعد ہم نے اس لڑکے کو مکمل شفایاب پایا اور اس میں تشویش کی کوئی بات باقی نہیں تھی۔ (توضیحات)

## حدیث نمبر ۲۷۲۴ ﴿مجنون کو شفا ملنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۳

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ إِنَّ امْرَأَةً جَاءَ تْ بِابْنٍ لَهَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنِيْ بِهٖ جُنُوْنٌ وَإِنَّهُ لَيَأْخُذُهُ عِنْدَ غَدَائِنَا وَعَشَائِنَا فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ وَدَعَا فَثَعَّ ثَعَّةً وَخَرَجَ مِنْ جَوْفِهٖ مِثْلُ الْجِرْوِ الْأَسْوَدِ يَسْعٰى. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** سنن دارمی، ص۲۴ ج۱، المقدمة، باب ما اکرم اللّٰه به نبیه من ایمان الشجر به، حدیث ۱۹

**حل لغات:** مَسَحَ (ف) مَسْحًا ہاتھ پھیرنا۔ ثَعَّ (ض) ثَعًّا قے کرنا۔ جوف (ج) أَجْوَافٌ پیٹ۔ الجرو (ج) جِرَاءٌ کتے کا بچہ، پلا۔ الأسود (ج) سُوْدٌ کالا، سیاہ۔ یسعی (ف) سَعْيًا دوڑنا۔

**ترجمه:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے پر جنون کا اثر ہے، اور اس پر صبح وشام کھانے کے وقت دورہ پڑتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرا، اور دعا فرمائی، تو اس کو ایک بڑی قے ہوئی، اور اس کے پیٹ سے کتے کے پلے کی طرح کوئی چیز نکلی جو دوڑ رہی تھی۔ (دارمی)

**خلاصۂ حدیث** ایک لڑکے پر دیوانگی کے دورے پڑتے تھے، آپ کے ہاتھ پھیرنے سے اس کو شفا مل گئی، یہ آپ کا معجزہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** به جنون اس لڑکے پر جنون کے دورے پڑتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ جیسے مرگی کے دورے ہوں۔ غدائنا صبح کے کھانے کے وقت۔ عشائنا شام کے کھانے کے وقت یعنی صبح وشام اس کو جنون کا دورہ پڑتا، یا صبح کے کھانے کے وقت اور شام کے کھانے کے وقت دورہ پڑتا۔ فثع اس لڑکے نے بڑی قے کی، جس کے ذریعہ اس کے منہ سے کالا پلا باہر نکل آیا، یہی اس لڑکے کی بیماری تھی، چنانچہ اس کو شفا مل گئی۔ اس واقعہ میں بڑے معجزہ کا ظہور ہے۔ (توضیحات)

## حدیث نمبر ۲۷۲۵ ﴿درخت کی آپ کی خدمت میں حاضری﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۴

وَعَنْ أَنَسٍؓ قَالَ جَاءَ جِبْرِيْلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ حَزِيْنٌ قَدْ تَخَضَّبَ بِالدَّمِ مِنْ فِعْلِ أَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ تُحِبُّ أَنْ نُرِيَكَ اٰيَةً قَالَ نَعَمْ فَنَظَرَ إِلَى شَجَرَةٍ مِنْ وَّرَائِهٖ فَقَالَ اُدْعُ

بِهَا فَدَعَا بِهَا فَجَاءَ تْ فَقَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ مُرْهَا فَلْتَرْجِعْ فَأَمَرَهَا فَرَجَعَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبِيْ حَسْبِيْ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** دارمی، المقدمۃ، باب ما اکرم اللّٰہ بہ نبیہ من ایمان الشجر بہ، حدیث۲۳

**حل لغات:** حزین رنجیدہ، آزردہ، غمگین۔ حَزِنَ (س) حَزَنًا غمگین ہونا۔ حَزَنَ (ن) حَزْنًا غمگین بنانا۔ تخضب (تفعل) رنگین ہونا۔ الدَّمُ (ج) دِمَاءٌ خون، تخضب بالدم خون آلودہ، خون میں لتھڑا۔ ادع امر حاضر، دَعَا (ن) دَعْوَۃً بلانا۔ مر امر حاضر، اَمَرَ (ن) اَمْرًا حکم کرنا۔ حسب کافی حَسْبُكَ تم کو کافی ہے۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جب کہ آپ غمگین بیٹھے ہوئے تھے، اور آپ اہلِ مکہ کے کرتوت کے باعث خون میں لتھڑے ہوئے تھے، حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو پسند ہے کہ ہم آپ کو کوئی معجزہ دکھائیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ تو حضرت جبرئیلؑ نے اس درخت کی طرف دیکھا جو آپؐ کے پیچھے تھا، اور کہا کہ آپؐ اس کو بلائیے، چنانچہ آپؐ نے اس کو بلوایا، تو وہ آ کر سامنے کھڑا ہو گیا، پھر کہا کہ آپؐ اس کو حکم کریں کہ یہ واپس چلا جائے، آپؐ نے حکم فرمایا تو وہ واپس چلا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے کافی ہے، میرے لیے کافی ہے۔ (دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں اہلِ مکہ سے کفارِ قریش مراد ہیں، انھوں نے جنگ اُحد کے موقع پر آپؐ کو خون میں رنگین کیا تھا، علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ کے چہرۂ انور پر کفار نے ستر وار کئے تھے؛ مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی، اس واقعہ کے بعد آپؐ غمگین بیٹھے تھے کہ اتنے میں جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی دینے کے لیے آئے اور فرمایا کہ اس درخت کو بلا لیجئے، چنانچہ آپؐ نے بلا لیا تو درخت آپ کی طرف آ گیا، پھر واپس جانے کو کہا تو واپس چلا گیا، آپؐ نے فرمایا بس بس کافی ہے، تسلی ہو گئی، اس واقعہ میں آپؐ کے معجزہ کا ظہور ہو گیا۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** حسبی حسبی آپؐ کی مراد یہ تھی کہ حق تعالیٰ کی یہ عنایت میرے لیے کافی ہے، اس معجزہ کی صورت میں بارگاہِ حق میں اپنا بلند مرتبہ و مقام اور اپنی عظمت دیکھ کر مجھے اپنے زخموں کی اذیت کا احساس نہیں رہ گیا ہے اور نہ کوئی رنج و غم باقی ہے، معلوم ہوا کہ معجزہ یا کرامت کا ظہور یقین و اعتقاد کی مضبوطی اور غم و حزن کے دفعیہ میں موثر کردار ادا کرتا ہے؛ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جن بندگانِ عالی کو بارگاہِ رب العزت میں تقرب اور عظمت کا مقام حاصل ہوتا ہے، اگر ان کو دشمنوں اور مخالفوں کی طرف سے جسمانی یا روحانی اذیت و تکلیف اور رنج و غم پہنچے تو اس پر صبر کرنا چاہئے؛ کیوں کہ دین کی راہ میں جس قدر مشقت اور پریشانی آتی ہے اتنا ہی اجر بڑھتا ہے۔ (مظاہر حق)

### حدیث نمبر ۲۷۲۶ ﴿درخت کا تصدیقِ رسالت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۵

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَأَقْبَلَ أَعْرَابِيٌّ فَلَمَّا دَنَا قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ قَالَ وَمَنْ يَّشْهَدُ عَلٰى مَا تَقُوْلُ قَالَ هٰذِهِ السَّلَمَةُ فَدَعَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ فَأَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْأَرْضَ حَتّٰى قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلَاثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا أَنَّهُ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ إِلٰى مَنْبَتِهَا. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** دارمی، ص۲۲ ج۱، المقدمۃ، باب ما اکرم اللّٰہ بہ نبیہ من ایمان الشجر بہ، حدیث۶

**حل لغات:** دَنَا (ن) دُنُوًّا قریب ہونا۔ السلمۃ ایک درخت جس کی چھال سے چمڑے کو رنگا جاتا ہے۔ شاطیء کنارہ (ج) شَوَاطِئُ و شُطْآنٌ، شَاطِئُ الوادی وادی کا کنارہ۔ تخد خَدَّ (ن) خَدًّا الأَرضَ زمین پھاڑنا۔ منبت اگنے کی جگہ، جائے پیدائش (ج) مَنَابِتُ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو ایک دیہات کے رہنے والے آئے، تو جب وہ قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں، دیہاتی نے کہا آپؐ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی گواہی دینے والا کوئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کیکر کا درخت ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا جب کہ وہ وادی کے کنارے پر تھا، چنانچہ وہ زمین کو چیرتا ہو آپ کی جانب بڑھا، یہاں تک کہ آپؐ کے سامنے آ کھڑا ہوا، آپؐ نے اس سے تین بار گواہی دینے کو کہا تو اس درخت نے تین بار گواہی دی، اس کے بعد وہ درخت اپنے اگنے کی جگہ واپس چلا گیا۔ (دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں کیکر کے درخت کی اطاعت و فرماں برداری کا ذکر ہے، آپؐ کے بلانے پر وہ آیا بھی اور آپؐ کی نبوت و رسالت کی گواہی بھی دی، یہ آپ کا معجزہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من یشھد بطور معجزہ اور بطور خرقِ عادت کون سی چیز آپؐ کی نبوت کی گواہی دیتی ہے؟ ھٰذہ السلمۃ جس درخت کے پتوں کو قرظ کہتے ہیں، جس سے کھال کی دباغت کا کام لیا جاتا ہے، اسی درخت کا نام "سلمہ" ہے، اس کا ترجمہ جھاؤ سے بھی کیا جاتا ہے اور کیکر سے بھی کیا جاتا ہے۔ تخد زمین کو چیر کر گویا خندق بناتا ہوا آیا۔ فاستشھد آپؐ نے اس سے گواہی طلب کی، درخت نے تین بار گواہی دی اور واپس چلا گیا۔ معجزہ کا ظہور ہو گیا۔

**حدیث نمبر ۲۷۲۷ ﴿کھجور کے خوشہ کی اطاعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۶**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا أَعْرِفُ أَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ إِنْ دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰى سَقَطَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ ارْجِعْ فَعَادَ فَأَسْلَمَ الْأَعْرَابِيُّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۴ ج ۲، باب فی آیات اثبات نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۲۸

**حل لغات:** العِذْق کھجور کا خوشہ، گچھا، (ج) عُذُوْقٌ و اَعْذَاقٌ۔ النخلۃ واحد ہے، کھجور کا درخت، نَخْلٌ جنس ہے۔ سَقَطَ (ن) سُقُوْطًا گرنا، اوپر آپڑنا۔ عَادَ (ن) عَوْدًا اِلیٰ مکان لوٹنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوا کہ میں کس چیز سے پہچانوں کہ آپؐ نبی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اگر میں اس کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ گواہی دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا تو وہ کھجور کے درخت سے اترنے لگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گرا، پھر آپؐ نے فرمایا واپس چلے جاؤ، تو وہ لوٹ گیا۔ دیہات کے رہنے والے اُن صاحب نے اسلام قبول کر لیا۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی آپؐ کا معجزہ ہے، کھجور کا خوشہ آپؐ کے بلانے پر چلا آیا اور اس نے آپؐ کی تابعداری کی، یہ منظر دیکھ کر دیہاتی شخص مسلمان ہو گئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** بما أعرف معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے، اعرابی کا مقصد تھا کہ آپؐ کے کس معجزہ کی بنیاد پر میں پہچانوں کہ آپؐ اللہ کے نبی ہیں؟ وہ کوئی معجزہ دیکھ کر ایمان لانا چاہتے تھے، آپؐ نے اس موقع پر ان کو درخت کی تابعداری کا معجزہ دکھایا جو ان کے ایمان لانے کا سبب بنا، آپؐ اپنے معجزات کے لیے بڑے مجمع کی تلاش کی فکر نہیں کرتے تھے، بلکہ حسب مشیت ایزدی کبھی جماعتوں اور کبھی بہت ہی محدود افراد اور کبھی ایک ہی شخص کے سامنے معجزہ کا ظہور رہا ہے۔

**حدیث نمبر۲۷۲۸ ﴿بھیڑیے کا آپؐ کی اطلاع دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۷**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ ذِئْبٌ إِلَى رَاعِي غَنَمٍ فَأَخَذَ مِنْهَا شَاةً فَطَلَبَهُ الرَّاعِيْ حَتَّى انْتَزَعَهَا مِنْهُ قَالَ فَصَعِدَ الذِّئْبُ عَلَى تَلٍّ فَأَقْعَى وَاسْتَثْفَرَ وَقَالَ قَدْ عَمَدْتُ إِلَى رِزْقٍ رَزَقَنِيهِ اللّٰهُ أَخَذْتُهُ ثُمَّ انْتَزَعْتَهُ مِنِّي فَقَالَ الرَّجُلُ تَاللّٰهِ إِنْ رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ أَعْجَبُ مِنْ هٰذَا رَجُلٌ فِي النَّخَلَاتِ بَيْنَ الْحَرَّتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضَى وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ قَالَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَهُوْدِيًّا فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ وَأَسْلَمَ فَصَدَّقَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا أَمَارَاتٌ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ قَدْ أَوْشَكَ الرَّجُلُ أَنْ يَخْرُجَ فَلَا يَرْجِعُ حَتَّى يُحَدِّثَهُ نَعْلَاهُ وَسَوْطُهُ بِمَا أَحْدَثَ أَهْلُهُ بَعْدَهُ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنة،ص۸۷ج۱۵،باب کلام السباع، کتاب الفتن، حدیث۴۲۸۲

**حل لغات:** ذِئْب (ج) ذِئَابٌ و اَذْؤُبٌ بھیڑیا۔ رَاعِي (ج) رُعاة چرواہا۔ شَاةٌ شِيَاهٌ بکری۔ طَلَبَ (ن) طَلَبًا ڈھونڈنا، تلاش کرنا۔ اِنْتَزَعَ (افتعال) چھیننا، اتارنا۔ صَعِدَ (س) صُعُوْدًا چڑھنا۔ تَلٌّ (ج) تِلَالٌ ٹیلہ۔ أَقْعىٰ (افعال) فی جلوسه پنڈلی اور ران ملا کر کھڑی کرنا، اور کولہوں پر بیٹھنا۔ اَلْكَلْبُ وَنَحْوُهُ کتے وغیرہ کا پچھلی ٹانگوں کو زمین پر پھیلا کر سرین پر بیٹھنا اور اگلی ٹانگوں کو کھڑا کرنا۔ استثفر (استفعال) دم کو اپنے دونوں پیروں کے درمیان داخل کرنا۔ عمدتُ عَمَدَ (ض) عَمْدًا إِلَىٰ شيءٍ قصد کرنا، ارادہ کرنا۔ النَخَلَات (واحد) نَخْلَةٌ نخلستان، کھجور کے درختوں والا علاقہ۔ الحَرَّتَيْن (واحد) حَرَّةٌ (ج) حِرَارٌ کالے پتھر والی زمین، مدینہ منورہ کے باہر ایک زمین کا نام۔ أَمَارَات (واحد) اَمَارَةٌ علامت۔ نَعْل (ج) نِعَالٌ جوتا۔ سَوْطٌ (ج) اَسْوَاطٌ کوڑا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک بھیڑیا چرواہے کی بکریوں کیطرف آیا اور انمیں سے ایک بکری لے لی، چرواہے نے تلاش کر کے اسے چھڑا لیا، راوی کا بیان ہے کہ بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھا، بیٹھا، دم پیچھے دبائی اور کہا: ''میں نے اپنی روزی کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے دی پھر آپ نے مجھ سے چھین لی، اس آدمی نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے آج کے دن کی طرح کوئی بھیڑیا نہیں دیکھا جو بات کرتا ہو، بھیڑیے نے کہا کہ اس سے بھی عجیب وہ آدمی ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان نخلستان میں تمہیں ماضی کی خبریں دیتا ہے اور جو تمہارے بعد ہونیوالا ہے اسکو بتاتا ہے، راوی کا بیان ہے کہ وہ آدمی یہودی تھا پس نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ واقعہ عرض کیا اور مسلمان ہوگیا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسکی تصدیق کی پھر نبی کریمؐ نے فرمایا یہ قیامت سے پہلے ظاہر ہونیوالی نشانیوں میں سے ہے اور قریب ہے کہ آدمی اپنے گھر سے نکلے اور جب واپس لوٹے تو اسکی جوتیاں اور اسکا کوڑا اسے بتائیگا جو اسکے بعد گھر والوں نے کیا ہوگا (شرح السنہ)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں یہ معجزہ ہے کہ بھیڑیے نے آپ کا تعارف کرایا اور آپؐ کے بارے میں بتایا کہ آپؐ غیب کی خبریں دینے والے ہیں، پیشین گوئیاں نبوت کا بہت اہم جزو ہیں؛ کیوں کہ النبی کا مفہوم ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں پاکر دوسروں کو دینے والا، اس کا دوسرا نام غیب کی خبریں ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** راعی غنم تورپشتیؒ نے لکھا ہے اس چرواہے کا نام جو بعد میں مسلمان ہوکر شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے اہبار بن اوس خزاعی تھا، اس واقعہ کی نسبت سے اُن کو مکلم الذئب کہا جانے لگا تھا لیکن روایت کے یہ الفاظ کہ جو ایک یہودی تھا، اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ اہبار بن اوس خزاعی تھے، کیونکہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ یہودی نہیں تھے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہبار بن اوس کا تعلق قبیلہ خزاعہ ہی سے تھا اور انھوں نے اپنے قبیلہ والوں کے برخلاف یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا، اس صورت میں تورپشتیؒ کے قول پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ اقعی درندے جب اپنی دبر پر بیٹھتے ہیں، اسکو اقعاء کہتے ہیں، نماز میں اس طرح بیٹھنا منع ہے۔ استشفر درندوں کی عادت ہے کہ جب دبر پر بیٹھتے ہیں تو دبر کے نیچے دم دبا کر اور سامنے کی طرف سے نکال کر ٹانگوں کے درمیان کر دیتے ہیں۔ فقال الذئب بھیڑیے کے اس کلام سے آپ کا معجزہ ظاہر ہوگیا، کہ آپ کے بارے میں بھیڑیا نبی ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ النخلات مدینہ منورہ کا نخلستان مراد ہے۔ الحرتین کھجور کے درختوں کے پیچھے دوسنگستانوں کے درمیان سے مراد مدینہ شہر تھا۔ مدینہ منورہ ایک ایسے میدان میں آباد ہے جو اپنی مشرقی اور مغربی سمتوں سے دو حروں یعنی دوسنگستانوں کے درمیان واقع ہے۔ **بمامضی** پچھلی امتوں کے احوال مراد ہیں۔ کائن بعد کم آئندہ کے اہم واقعات وحوادث کی پیشگی خبر دینا مراد ہے۔ (مرقات، مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۷۲۹ ﴿کھانے کے پیالے میں معجزہ کا ظہور﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۸**

وَعَنْ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍؓ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَدَاوَلُ مِنْ قَصْعَةٍ مِنْ غُدْوَةٍ حَتَّى اللَّيْلِ يَقُومُ عَشَرَةٌ وَيَقْعُدُ عَشَرَةٌ قُلْنَا فَمَا كَانَتْ تُمَدُّ قَالَ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ تَعْجَبُ مَا كَانَتْ تُمَدُّ إِلَّا مِنْ هَاهُنَا وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى السَّمَاءِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۰۳، ج ۲، باب فی آیات اثبات نبوۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۲۵، دارمی، ص ۴۳ ج ۱، المقدمة، باب ما اکرم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بنزول الطعام من السماء، حدیث ۵۶

**حل لغات:** قصعة لکڑی کا پیالہ، بادیہ (ج) قِصَاعٌ۔ غدوة صبح (ج) غُدُوٌّ و غَدَاتٌ۔ تمد مضارع مجہول، مَدَّ (ن) مَدًّا بڑھانا، اضافہ کرنا۔ تعجب عَجِبَ (س) عَجَبًا تعجب کرنا۔ نتداول (تفاعل) باری باری کسی چیز کا لینا۔

**ترجمه:** حضرت ابوالعلاء سے روایت ہے کہ حضرت سمرہ بن جندبؓ نے فرمایا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، صبح سے شام تک ایک بڑے پیالے سے کھاتے رہے کہ دس اٹھتے اور دس بیٹھتے تھے، ہم عرض گذار ہوئے کہ کیا چیز بڑھا دیتی تھی؟ حضرت سمرہؓ نے فرمایا تم کس بات پر تعجب کرتے ہو، اس میں اضافہ نہیں کیا جاتا تھا؛ مگر ادھر سے، اور اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ (ترمذی، دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تھوڑے سے کھانے میں خوب برکت ہونے کا ذکر ہے، ایک پیالے میں موجود تھوڑے سے کھانے سے اتنے زیادہ آدمی دن بھر کھاتے رہے، باوجودیکہ ظاہری طور پر ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے اس پیالہ کے کھانے میں اضافہ ہوسکتا؛ کیوں کہ یہ تو معجزے کی بات تھی، اللّٰہ اور اللّٰہ کے رسول کا معاملہ تھا، اللّٰہ کے رسولؐ دعا کرتے تھے اور اپنے دستِ مبارک سے اس پیالے کو چھوتے تھے، جس کے سبب اللّٰہ تعالیٰ آسمان سے برکت نازل کرتا تھا اور اس پیالے میں غیر مرئی طور پر عالم بالا سے کھانا اترتا رہتا تھا۔ (ملخص مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** نتداول ہم لوگ صبح سے شام تک ایک پیالہ کے گرد جمع رہتے تھے اور باری باری اس میں سے کھاتے تھے۔ فما کانت تمد آخروہ کیا چیز تھی جس کے ذریعہ پیالہ کی مدد ہوتی تھی، اس میں اظہار تعجب تھا، جواب دیا کہ حیرت کی بات نہیں، اسمیں آسمان سے برکت اترتی تھی، اسمیں اشارہ "وفی السماء رزقکم" کیطرف ہے، راجح یہی

ہے کہ یہ سوال وجواب صحابی اور تابعی کے درمیان ہوا ہے، آپ کی برکت سے یہ واقعہ ظہور میں آیا، لہٰذا یہ آپ کا معجزہ ہے (ملخص توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۷۳۰ ﴿جنگ بدر میں معجزہ کا ظہور﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲۹**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ بَدْرٍ فِي ثَلَاثِ مِائَةٍ وَّخَمْسَةَ عَشَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ إِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ اَللّٰهُمَّ إِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ اَللّٰهُمَّ إِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَأَشْبِعْهُمْ فَفَتَحَ اللّٰهُ لَهُ فَانْقَلَبُوْا وَمَا مِنْهُمْ رَجُلٌ إِلَّا وَقَدْ رَجَعَ بِجَمَلٍ أَوْ جَمَلَيْنِ وَاكْتَسَوْا وَشَبِعُوْا. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

**حواله:** ابوداود، ص ۳۷۶ ج ۲، باب فی نفل السریة تخرج من العسکر، کتاب الجهاد، حدیث ۲۷۴۷

**حل لغات:** حفاة (واحد) حَافٍ برہنہ پا، ننگے پیر، حَفِيَ (س) حَفًا برہنہ پا ہونا۔ احمل امر حاضر حَمَلَ (ض) حَمْلًا فُلَانًا کسی کو سواری کا جانور دینا۔ عراة (واحد) عَارٍ برہنہ، ننگا۔ عَرِيَ (س) عُرْيًا برہنہ ہونا۔ اکسهم امر حاضر، ان کو کپڑے پہنا۔ کَسَا (ن) کَسْوًا پہنانا۔ جیاع (واحد) جَائِعٌ بھوکے۔ جَاعَ (ن) جُوْعًا بھوکا ہونا۔ اشبع امر حاضر، آسودہ کر دیجئے۔ اَشْبَعَ (افعال) اِشْبَاعًا آسودہ کرنا، پیٹ بھرنا۔ انقلبوا جمع مذکر غائب ماضی، اِنْقَلَبَ اِنْقِلَابًا واپس ہونا۔ جمل اونٹ (ج) جُمْلٌ وجِمَالٌ۔ اکتسو (افتعال) پہننا۔

**ترجمه:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے دن تین سو پندرہ آدمیوں کو لے کر نکلے، اور دعا کی کہ اے اللہ یہ ننگے پاؤں ہیں انھیں سواری عطا فرما، اے اللہ یہ ننگے بدن ہیں انھیں لباس پہنا، اے اللہ یہ بھوکے ہیں انھیں شکم سیر فرما، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح عطا فرمائی اور وہ اس حال میں واپس لوٹے کہ اُن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو ایک یا دو اونٹ کے ساتھ واپس نہ ہوا ہو، انھیں لباس بھی عطا ہوا اور وہ آسودہ بھی ہو گئے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** آپ جنگ بدر کے لیے تین سو پندرہ صحابہؓ کو لے کر نکلے، اہلِ بدر کی تعداد میں روایات مختلف ہیں، مسلم کی ایک روایت میں تین سو انیس ہے اور مسند بزاز میں تین سو سترہ اور مسند احمد، بزاز اور طبرانی کی ایک حدیث میں تین سو تیرہ ہے، اور یہی تعداد مشہور ہے، مشرکین کی تعداد ایک ہزار تھی، نکلتے وقت آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اے اللہ یہ سب لوگ جو میرے ساتھ جا رہے ہیں، ننگے پاؤں ہیں، یعنی پیادہ پا بے سواری ہیں، پس تو ان کو سواری عطا فرما، اور اے اللہ یہ سب برہنہ بدن ہیں یعنی پورے بدن پر کپڑا ابھی نہیں ہے، تو ان کو لباس عطا فرما، اے اللہ یہ بھوکے ہیں تو ان کو شکم سیر کر، نبی کی دعا قبول ہوئی اور یہی آپ کا معجزہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ میں فتح عطا فرمائی اور جس وقت یہ لوٹ رہے تھے تو ان کا حال یہ تھا کہ کسی کے پاس ایک اونٹ تھا سواری کا اور کسی کے پاس دو اونٹ تھے، ایسے ہی لباس اور کھانا وغیرہ سب کچھ من جانب اللہ عطا ہوا۔ (الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** رجع بجمل ہزیمت خوردہ دشمن کے جو اونٹ کپڑے اور غذائی سامان مالِ غنیمت کے طور پر اسلامی لشکر کے ہاتھ لگا اس کی وجہ سے ان مجاہدین کو اونٹ بھی مل گئے، کپڑے بھی ملے اور شکم سیری بھی ہو گئی اور آپ کی تمام دعائیں قبول ہو گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا قبول ہونا خصوصاً اتنی جلدی اور اتنے مکمل طور پر قبول ہونا خارقِ عادت یعنی معجزہ وکرامت کے قبیل سے ہے، جنگِ بدر میں مشہور روایت کے اعتبار سے تعداد تین سو تیرہ تھی، ممکن ہے خادموں کو گنتی میں شامل کر کے تعداد تین سو پندرہ ہو گئی ہو۔ (مرقات، مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۷۳۱ ﴿آپ کی پیشین گوئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۰**

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ مَنْصُوْرُوْنَ وَمُصِيْبُوْنَ وَمَفْتُوْحٌ لَكُمْ

فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنكُمْ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

**حوالہ:** مسند ابی داود الطیالسی، ص۴۴-۴۵، حدیث ۳۳۷

**حل لغات:** مَنْصُوْرُوْن (واحد) مَنْصُوْر اسم مفعول، مدد کیا ہوا۔ نَصَرَ نَصْرًا علیٰ عَدُوِّہٖ دشمن سے مقابلہ میں کسی کی حمایت و مدد کرنا۔ مُصِيْبُوْن (واحد) مُصِيْبٌ درست کار، پانے والے۔ اَصَابَ اِصَابَةً (افعال) الشَّيْءَ پالینا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری مدد کی جائے گی اور تم (بہت سامال غنیمت) پاؤ گے، نیز تمہارے لیے (بہت سے ممالک) فتح کیے جائیں گے؛ لہٰذا جو شخص تم میں سے ان چیزوں کو پائے اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے، اور لوگوں کو اچھائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** جب انسان فتح وکامرانی، حکومت وتاجداری، مال ودولت سے سرفراز ہوتا ہے، تو وہ اپنے منصب ومقصد سے غافل ہوجاتا ہے، غرور وتکبر، ظلم ونا انصافی کی راہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کے غضب کا حقدار بن جاتا ہے، جب کہ ایک مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ دنیاوی فراخی کے باوجود وہ اللہ کے احکامات سے غافل نہ ہو، چنانچہ حضور ﷺ نے صحابہ کو اسی کی تعلیم دی کہ جب تمہیں دنیا کی حکمرانی ملے اور مال ودولت کی فراوانی حاصل ہوجائے تو تمام دینی، دنیوی مشاغل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرنا اور برائی سے روکنا، گویا کہ آپ ﷺ نے قرآن کریم کے اس ارشاد کی طرف صحابہ کو متوجہ کیا ہے جس میں حکمرانی کے اصل مستحق لوگوں کے اوصاف بیان کیے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ" یعنی یہ (سچے مسلمان) لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت اور امارت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں گے، اور دوسروں کو نیکی کی تلقین کریں گے، اور برے کاموں سے روکیں گے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** منصورون دشمنوں پر تمہاری مدد ہوگی، مصیبون مالِ غنیمت ملے گا، مفتوح لکم بہت سے ممالک فتح ہوں گے، فمن ادرك مذکورہ چیزیں تم میں سے جس کو حاصل ہوں، فلیتق الله تمام امور میں وہ اللہ سے ڈرے تاکہ وہ کامل ہوجائے، ولیأمر بالمعروف خاص طور پر امارت کے زمانے میں اچھائی کرنے کا حکم ہے، یہاں خصوصیت سے جہاد مراد ہے، یعنی فتوحات اور غنائم حاصل ہونے کے بعد جہاد چھوڑ نہ دینا، بلکہ اس فریضہ کو پورے طور پر انجام دیتے رہنا، المنکر کہا گیا ہے کہ منکر سے مراد یہاں مالِ غنیمت ہے، یعنی مالِ غنیمت میں ہرگز خیانت نہ کرنا۔ (مرقات)

## حدیث نمبر ۲۷۳۲ ﴿زہر آلود گوشت کا آپؐ کو مطلع کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۱

وَعَنْ جَابِرٍؓ أَنَّ يَهُوْدِيَّةً مِنْ أَهْلِ خَيْبَرَ سَمَّتْ شَاةً مَصْلِيَّةً ثُمَّ أَهْدَتْهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذِّرَاعَ فَأَكَلَ مِنْهَا وَأَكَلَ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِهٖ مَعَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْفَعُوْا أَيْدِيَكُمْ وَأَرْسَلَ إِلَى الْيَهُوْدِيَّةِ فَدَعَاهَا فَقَالَ سَمَمْتِ هٰذِهِ الشَّاةَ فَقَالَتْ مَنْ أَخْبَرَكَ قَالَ أَخْبَرَتْنِيْ هٰذِهٖ فِيْ يَدِيْ لِلذِّرَاعِ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ إِنْ كَانَ نَبِيًّا فَلَنْ تَضُرَّهٗ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا اِسْتَرَحْنَا مِنْهُ فَعَفَا عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُعَاقِبْهَا وَتُوُفِّيَ أَصْحَابُهُ الَّذِيْنَ أَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَاحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كَاهِلِهٖ مِنْ أَجْلِ الَّذِيْ أَكَلَ مِنَ الشَّاةِ حَجَمَهٗ أَبُوْ هِنْدٍ بِالْقَرْنِ وَالشَّفْرَةِ وَهُوَ مَوْلًى لِبَنِيْ بَيَاضَةَ مِنَ الْأَنْصَارِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** ابوداود، ص۶۲۰ ج۲، باب فیمن سقی رجلاً سمنا، کتاب الدیات، حدیث ۴۵۱۰، دارمی، المقدمۃ، ص۴۶ ج۱،

باب من اکرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کلام الموتی، حدیث ۶۸

**حل لغات:** سمت (ن) سُمُوْمًا فلانًا کسی کو زہر پلانا۔ الطعامَ وغیرہ زہر ملانا۔ مصلیۃ بھنی ہوئی، اسم مفعول، صَلِیَ (س) صَلِیَ النَّارَ آگ میں جلنا۔ صَلَّاہ النَّارَ (تفعیل) و اَصْلَاہ النَّارَ (افعال) آگ میں ڈالنا، جلانا۔ اھدت اَھْدَی اِلٰی فلان ولہ (افعال) اعزازًا کسی کو ہدیہ یا تحفہ دینا۔ الذراع ہر جانور کا ہاتھ، گائے اور بکری کا ذراع پنڈلی سے اوپر کا حصہ ہوتا ہے، اونٹ کا اور دوسرے سم والے جانوروں کا ذراع پنڈلی کے پتلے حصے کے اوپر سے شروع ہوتا ہے۔ تضر ضَرَّ (ن) ضَرًّا نقصان پہنچانا۔ استرحنا (استفعال) سکون محسوس کرنا، اطمینان ہونا، دل ٹھنڈا ہونا۔ یعاقب عَاقَبَ (مفاعلۃ) سزا دینا، بدلہ دینا۔ احتجم (افتعال) پچھنے لگوانا۔ کاھل کندھا، مونڈھا، کندھے اور گردن کی جڑ تک کے درمیان کا حصہ (ج) کَوَاھِلُ۔ حَجَم (ن) حَجْمًا المریضَ پچھنا لگانا۔ یعنی سینگی کے ذریعہ خراب خون چوسنا۔ القرن سینگ (ج) قُرُوْنٌ۔ الشفرۃ ایک رخایا دو رخا چھوٹا استرا، یا کاٹنے کا اوزار، چپٹی چھری (ج) شِفَارٌ، و شَفْرٌ۔ مولی آزاد کردہ غلام، (ج) موالٍ۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ خیبر کی ایک یہودی عورت نے بکری کے بھنے ہوئے گوشت میں زہر ملایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور تحفہ بھیج دیا۔ رسول اللہؐ نے دستی لی اور اس میں سے کھایا اور آپؐ کے صحابہؓ میں سے چند نے بھی کھایا۔ پھر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ روک لو اور یہودیہ کو پیغام بھیج کر بلایا اور فرمایا: کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ کہنے لگی کہ آپ کو کس نے بتایا؟ فرمایا کہ مجھے اس دستی نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے، یہودیہ نے کہا، ہاں میں نے سوچا کہ اگر آپؐ نبی ہیں تو آپؐ کو نقصان نہیں دے گا اور اگر نبی نہیں ہیں تو ہمیں ان سے چھٹکارا مل جائے گا۔ رسول اللہؐ نے اسے معاف فرما دیا اور کوئی سزا نہیں دی، لیکن آپؐ کے وہ ساتھی وفات پا گئے جنھوں نے بکری میں سے کھایا تھا۔ رسول اللہؐ نے اس بکری کا گوشت کھا لینے کے باعث کندھوں کے درمیان پچھنے لگوائے۔ آپؐ کو ابو ہند نے سینگ اور چھری سے پچھنے لگائے جو انصار کے بنی بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (ابوداود، دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس یہودی عورت کا نام زینب بنت حارث تھا، جو کہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی، اس نے لوگوں سے معلومات حاصل کیں کہ حضورؐ کو دستی گوشت زیادہ پسند ہے، اس کے پاس ایک بکری کا بچہ تھا، اس کو ذبح کر کے بھونا اور اس میں ایسا زہر ملایا جس سے انسان فورًا ہلاک ہو جاتا ہے اور دستی و شانے میں زیادہ زہر ملایا، اور یہ گوشت لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوگئی، حضورؐ اور آپؐ کے ساتھ چند صحابہؓ نے گوشت میں سے کھایا، حضورؐ نے فورًا احساس ہوتے ہی ہاتھ کھینچ لیا اور صحابہ کو بھی کھانے سے منع فرمایا، لیکن ایک صحابی حضرت بشر بن براء معرور کے معدہ میں وہ زہر آلودہ گوشت اتنی مقدار میں پہنچ گیا کہ وفات پا گئے، آپؐ نے اس عورت سے تحقیقِ حال کیا تو اس نے کہا میں نے یہ سوچ کر زہر ملایا تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو زہر آپ کو نقصان نہیں کرے گا اور اگر نبی نہیں ہیں تو ہماری آپؐ سے جان چھوٹ جائے گی۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ انبیاء پر زہر اس طرح اثر انداز نہیں ہوتا کہ فوری طور پر اُن کی زندگی ہی ختم ہو جائے۔ آپؐ نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا؛ کیوں کہ آپؐ اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے، لیکن جب صحابیِ رسولؐ زہر کی وجہ سے وفات پا گئے تو اس عورت کو قصاصًا یا تعزیرًا قتل کر دیا گیا۔ (مرقات، مظاہر حق)

**کلماتِ حدیث کی تشریح** فاکل منھا آپؐ نے زہر آلود بکری کا گوشت کچھ تناول فرما لیا، ابوداود میں روایت ہے، "فما زالت اعرفھا لھوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" راوی کہتے ہیں اس لحم مسموم کا اثر ہم آپؐ کے حلق میں ہمیشہ ہی محسوس کرتے رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بشر بن براء کی والدہ آپؐ کی خدمت میں آئیں آپؐ کے مرض وفات کے موقع پر اور پوچھا کہ آپؐ اس بیماری کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں، میں تو اپنے بیٹے کے بارے میں یہی وہم اور خیال کرتی ہوں

کہ اس کو شاۃ مسمومہ ہی کا اثر ہوا ہے، جو اس نے آپ کے ساتھ کھائی تھی، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی اپنے بارے میں یہی خیال ہے اور بس اب یہ میری شہ رگ کے انقطاع کا وقت ہے۔ (بذل المجہود) اس طرح کا مضمون بخاری میں بھی ہے "كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول في مرضه الذى مات فيه يا عائشة ما أزال أجد الطعام الذي أكلت بخيبر فهذا أوان وجدت انقطاع أبهري من ذلك السم" آپ اپنے مرض الوفات میں فرماتے تھے اے عائشہ! میں ہمیشہ اس زہر آلود بکری کا گوشت کھانے کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس زہر کے اثر سے میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔ اسی لیے امام زہری فرماتے ہیں حضور شہید فوت ہوئے۔ (نصر الباری)

**حدیث نمبر ۲۷۳۳ ﴿مال غنیمت کے حصول کی پیشین گوئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۲**

وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ حَنْظَلِيَّةَ أَنَّهُمْ سَارُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَأَطْنَبُوْا السَّيْرَ حَتّٰى كَانَ عَشِيَّةً فَجَاءَ فَارِسٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ طَلَعْتُ عَلٰى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا فَإِذَا أَنَا بِهَوَازِنَ عَلٰى بَكْرَةِ أَبِيْهِمْ بِظُعُنِهِمْ وَنَعَمِهِمْ اِجْتَمَعُوْا إِلٰى حُنَيْنٍ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ تِلْكَ غَنِيْمَةُ الْمُسْلِمِيْنَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ قَالَ أَنَسُ بْنُ أَبِيْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِيُّ أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِرْكَبْ فَرَكِبَ فَرَسًا لَهُ فَقَالَ اسْتَقْبِلْ هٰذَا الشِّعْبَ حَتّٰى تَكُوْنَ فِيْ أَعْلَاهُ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى مُصَلَّاهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَلْ حَسَسْتُمْ فَارِسَكُمْ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاحَسَسْنَا فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ يَلْتَفِتُ إِلَى الشِّعْبِ حَتّٰى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ أَبْشِرُوْا فَقَدْ جَاءَ فَارِسُكُمْ فَجَعَلْنَا نَنْظُرُ إِلٰى خِلَالِ الشَّجَرِ فِي الشِّعْبِ فَإِذَا هُوَ قَدْ جَاءَ حَتّٰى وَقَفَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّيْ انْطَلَقْتُ حَتّٰى كُنْتُ فِيْ أَعْلٰى هٰذَا الشِّعْبِ حَيْثُ أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ طَلَعْتُ الشِّعْبَيْنِ كِلَيْهِمَا فَلَمْ أَرَ أَحَدًا فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَزَلْتَ اللَّيْلَةَ قَالَ لَا إِلَّا مُصَلِّيًا أَوْ قَاضِيَ حَاجَةٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَّا تَعْمَلَ بَعْدَهَا. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

**حوالہ:** ابوداود، ص ۳۳۸-۳۳۹ ج ۱، باب فی فضل الحرس فی سبیل اللّٰہ تعالیٰ، کتاب الجہاد، حدیث ۲۵۰۱

**حل لغات:** سارو سَارَ (ض) سَيْرًا چلنا۔ اطنبوا (افعال) السَّيْرَ زیادہ چلنا، عشية رات کا اول حصہ۔ فارس (ج) فُرْسَانٌ شہسوار، سوار۔ طلعت طَلَعَ (ن، ف) طُلُوعًا علیه سامنے آنا، اچانک آنا۔ طَلِعَ (س) چڑھنا، بلند ہونا۔ بکرة جماعت، جَاؤُوْا على بكرة أبيهم وہ سب آئے۔ ظَعن (ف) روانہ ہونا، عورتیں مراد ہیں۔ نعم جانوروں پر مشتمل مال و دولت، چوپایا، بطور خاص اونٹ (ج) اَنَاعِمُ وَاَنَاعِيْمُ۔ تبسم (تفعل) مسکرانا۔ غنيمة جنگ میں بزور حاصل کیا ہوا مال (ج) اَغْنَامٌ و غُنُوْمٌ۔ يحرس حَرَسَ (ن، ض) حَرْسًا حفاظت کرنا، پہرہ دینا۔ استقبل امر حاضر (استفعال) سامنے آنا، ملاقات کرنا۔ الشعب (ج) شِعَابٌ گھاٹی، پہاڑی کا راستہ۔ مصلى نماز پڑھنے کی جگہ، صلى بالناس (تفعيل) نماز پڑھانا۔ حَسِسْتُمْ حَسَّ (ض) حَسًّا محسوس کرنا۔ ثوب ماضی مجہول بالصّلاة نماز کے لیے بلانا۔ يَلْتَفِت اِلْتَفَتَ إِلىٰ (افتعال) متوجہ ہونا۔ قضى (ض) قضاءً پورا کرنا۔ ابشروا امر جمع مذکر حاضر، خوش ہو جاؤ، اَبْشَرَ (افعال) الرجلَ بكذا خوش ہونا، کسی کو خوش کرنا۔ انطلقت (انفعال) الى مكان چلنا، جانا۔

**ترجمہ:** حضرت سہل بن حنظلیہ سے روایت ہے کہ صحابہ غزوہ حنین کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے اور لمبا سفر طے کیا، یہاں تک کہ شام ہوگئی، پھر ایک گھوڑ سوار آیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھا تھا، تو میں نے دیکھا کہ قبیلہ ہوازن اپنے باپ کے اونٹ پر آیا ہے، (یہ ایک محاورہ ہے جس سے مراد تمام قبیلہ ہوتا ہے) ان کے ساتھ عورتیں اور اونٹ بھی ہیں، یہ سب حنین میں جمع ہیں، حضورؐ مسکرائے اور فرمایا یہ سب کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا ان شاء اللہ، پھر آپؐ نے فرمایا آج کی رات ہماری حفاظت کون کریگا؟ حضرت انس ابن ابومرثد غنویؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں، آپؐ نے فرمایا سوار ہوجاؤ، حضرت انسؓ اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تم اس پہاڑی راستے پر جاؤ یہاں تک کہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کی جگہ پر تشریف لائے اور دو رکعتیں پڑھیں، پھر فرمایا کیا تم نے اپنے سوار کی آہٹ محسوس کی ہے؟ تو ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ ہم نے اس کی آہٹ نہیں سنی، پس نماز فجر کی تکبیر کہی گئی اور رسول اللہ کنکھیوں سے پہاڑی راستے کی طرف نماز کے دوران دیکھ رہے تھے، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے، تو فرمایا خوش ہوجاؤ کہ تمہارا سوار آرہا ہے، ہم نے درختوں کے درمیان سے پہاڑ کے درے کی طرف دیکھا کہ سوار چلا آرہا ہے، سوار نے حضورؐ کے سامنے حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں یہاں سے روانہ ہوا، یہاں تک کہ درے کی اس بلندی پر پہنچا، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانے کا مجھے حکم دیا تھا، جب صبح ہوئی تو پہاڑ کے درے میں آیا، اور وہاں میں نے کسی کو نہ پایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تم رات کو گھوڑے سے اترے تھے؟ انہوں نے کہا صرف نماز کے لیے یا قضا حاجت کے لیے اترا تھا، آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں کہ تم اس کے بعد کوئی عمل نہ کرو۔ (ابوداود)

**خلاصہ حدیث** قبیلہ ہوازن وہی قبیلہ ہے جن کے ساتھ جنگِ حنین پیش آئی، یہ لوگ اس موقع پر اپنی عورتوں بچوں اور جانوروں تک کو اپنے ساتھ لائے، یہ لوگ زبردست تیرانداز تھے، اور بھرپور تیاری کے ساتھ مقابلہ کے لیے آئے تھے، ایک شہ سوار نے آپ کو اس کی اطلاع دی، خبر دینے والے کی خبر پر بجائے اس کے کہ آپ کو کوئی فکر اور پریشانی لاحق ہوتی، آپ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ سب جو مال و اسباب لے کر وہ آئے ہیں، انشاء اللہ آئندہ کل مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہوگا، (اور یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی، دوسرے دن لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ملی اور ان کا مال و اسباب غنیمت بنا) اس وقت چوں کہ شام ہوگئی تھی، مقابلہ اگلے روز ہونا تھا، آپؐ نے حسب معمول دریافت فرمایا کہ رات میں بیدار رہ کر ہماری چوکی داری کون کرے گا، حضرت انس ابن ابی مرثد غنویؓ نے عرض کیا کہ یہ خدمت میں انجام دوں گا، آپؐ نے ان کو تاکید کی کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ رات میں تمہاری جانب سے دشمن ہم پر ہماری غفلت کی حالت میں آپہنچے، چنانچہ ان صحابی نے رات بھرپوری بشاشت سے چوکیداری کی اور صبح آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کو جنت کی بشارت دی۔ اس حدیث سے آپؐ کے جہاد کے سلسلہ مین کامل تیاری اور مستعدی، اس کا انتظام اور اپنے اصحاب کی پوری پوری خبر گیری حتی کہ نماز جیسی اہم عبادت میں اس کا خیال اور فکر مستفاد ہورہا ہے۔ (الدرالمنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** علی بکرۃ ابیھم "بکرہ" جوان اونٹنی کو کہتے ہیں اور پانی کھینچنے کی چرخی کو بھی کہتے ہیں، جس میں ڈول کھینچنے کے لیے رسی ڈالتے ہیں۔ اس سے کثرت اور استیعاب کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، اہل عرب کے یہاں یہ جملہ ضرب المثل ہے، یہ اس قوم کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو سب کے سب آجائیں، ان میں سے کوئی فرد بھی باقی نہ رہے، اس ضرب المثل کے پس منظر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: (۱) علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں اس جملہ میں "علی" بمعنی "مع" ہے "ای مع بکرۃ ابیھم" اس کی اصل یہ ہے کہ کسی جگہ کے لوگوں کو ایک مرتبہ کچھ خوف وہراس اور پریشانی لاحق ہوئی تو وہ لوگ وہاں سے اپنے تمام سامان کو لے کر منتقل ہوگئے، یہاں تک کہ باپ دادا کے زمانہ کی پرانی چرخی بھی ساتھ لے گئے، راوی اس تعبیر سے یہی بتا رہا ہے

کہ قبیلہ ہوازن سب کے سب مع عورتوں، بچوں اور تمام مویشیوں کے میدان میں جمع ہو گئے۔ (بذل، الدر المنضود) (۲) ایک موقع پر ایک قوم کو کوچ کرنا پڑا تو سب کچھ لے گئے حتی کہ باپ کی اونٹنی تھی اسے بھی ساتھ لے لیا۔ (۳) بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایک شخص اپنی اولاد کو اونٹ پر لیے پھرتا تھا، اس پر یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی۔ **فلا علیك ان لا تعمل بعدها** اب تجھ پر کوئی عمل کرنا ضروری نہیں، اب تمہارے لیے کچھ حرج نہیں اس میں کہ تم کوئی عمل نہ کرو۔ عمل سے یا نوافل مراد ہیں کہ تمہارے نامۂ اعمال میں اس رات کی خدمت کے عوض اتنا اجر و ثواب جمع ہو گیا کہ رفع درجات کے لیے مزید تمہیں نوافل وغیرہ کی ضرورت نہیں، یا عمل سے مراد جہاد ہے کہ اس رات تم نے مجاہدین کی حفاظت و نگرانی جس طرح (پوری مستعدی کے ساتھ رات بھر جاگ کر) کی ہے، اس کے بعد اگر تم جہاد نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔ (مرقات، جدید مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۷۳۴ ﴿کھجوروں میں برکت کا نزول﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۳

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُ اللّٰهَ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَا لِيْ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ قَالَ خُذْهُنَّ فَاجْعَلْهُنَّ فِيْ مِزْوَدِكَ كُلَّمَا اَرَدْتَّ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا فَاَدْخِلْ فِيْهِ يَدَكَ فَخُذْهُ وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرًا فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذٰلِكَ التَّمْرِ كَذَا وَكَذَا مِنْ وَسْقٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَكُنَّا نَاْكُلُ مِنْهُ وَنُطْعِمُ وَكَانَ لَا يُفَارِقُ حَقْوِيْ حَتّٰى كَانَ يَوْمَ قُتِلَ عُثْمَانُ فَاِنَّهُ انْقَطَعَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۳۲، ج ۲، باب مناقب ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۳۹

**حل لغات:** تمرات (واحد) تَمْرَۃ کھجوریں۔ ضَمَّ (ن) ضَمًّا الأشیاءَ مٹھی میں لینا، باہم ملانا، اکٹھا کرنا۔ مِزْوَد توشہ دان، مسافر کا سفری تھیلا (ج) مَزَاوِدُ۔ زَادَ (ن) زَوْدًا توشۂ سفر تیار کرنا۔ لا تنثر مت بکھیرنا، مت پھیلانا، نہی حاضر نَثَرَ (ن) نَثْرًا الشیءَ پھیلانا بکھیرنا۔ وسق ساٹھ صاع کا ایک پیمانہ (ج) اَوْسُقٌ و وُسُوْقٌ۔ لا یُفَارِق مضارع منفی وہ جدا نہیں ہوتا۔ فَارَقَ (مفاعلۃ) جدا ہونا، الگ ہونا۔ حقو (ج) حِقَاءٌ کوکھ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند کھجوریں لے کر آیا اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے ان میں برکت کی دعا فرما دیجئے، آپؐ نے ان کھجوروں کو مٹھی میں لیا، پھر میرے لیے ان میں برکت کی دعا فرمائی، پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہ لو اور اس کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو، جب بھی تمہارا ارادہ ان میں سے لینے کا ہو تو اپنا ہاتھ اس میں داخل کر کے لے لینا، توشہ دان کو جھاڑ کر خالی مت کرنا۔ چنانچہ ہم نے ان کھجوروں میں سے اتنے وسق خدا کی راہ میں خرچ کیے، اور ہم اس میں کھاتے اور کھلاتے بھی رہے اور یہ توشہ دان کبھی میری کوکھ سے الگ نہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن وہ مجھ سے جدا کر دیا گیا۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث:** اس حدیث میں بھی معجزہ کا ظہور ہوا کہ آپؐ کی دعا سے کھجوروں میں غیر معمولی برکت ہو گئی، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتنہ و فساد سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** **ولا تنثرہ** تھیلی کو جھاڑنا مت، اس لیے کھود کرید، تجسس اور شمار کرنے سے بھی برکت اٹھ جاتی ہے، کیوں کہ غیب کا نظام پوشیدہ رکھنا ہوتا ہے۔ **حقو** پتلی کمر کو حقوہ کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ بہت چھوٹی تھیلی تھی، اور اس میں کھجور کے کل ۲۱ دانے تھے۔ **یوم قتل عثمان** جس دن حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، اس دن یہ تھیلی خود کٹ کر گر

ہوگئی، حضرت ابو ہریرہؓ بطور افسوس یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

| للناس ھَمٌّ ولی ھمّان | ☆ | فَقْدُ جرابی وموت شیخ عثمان |
|---|---|---|

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی وجہ سے بہت ساری برکات امت سے اٹھالی گئیں، ان میں سے ایک یہ تھیلی تھی۔

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۲۷۳۵ ﴿مکڑی کا جالا لگانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۴

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَشَاوَرَتْ قُرَيْشٌ لَيْلَةً بِمَكَّةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا أَصْبَحَ فَأَثْبِتُوْهُ بِالْوَثَاقِ يُرِيْدُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلِ اقْتُلُوْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ أَخْرِجُوْهُ فَأَطْلَعَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ذٰلِكَ فَبَاتَ عَلِيٌّ عَلٰى فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَحِقَ بِالْغَارِ وَبَاتَ الْمُشْرِكُوْنَ يَحْرُسُوْنَ عَلِيًّا يَحْسَبُوْنَهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَصْبَحُوْا ثَارُوْا عَلَيْهِ فَلَمَّا رَأَوْا عَلِيًّا رَدَّ اللّٰهُ مَكْرَهُمْ فَقَالُوْا أَيْنَ صَاحِبُكَ هٰذَا قَالَ لَا أَدْرِيْ فَاقْتَصُّوْا أَثَرَهُ فَلَمَّا بَلَغُوا الْجَبَلَ اخْتَلَطَ عَلَيْهِمْ فَصَعِدُوا الْجَبَلَ فَمَرُّوْا بِالْغَارِ فَرَأَوْا عَلٰى بَابِهِ نَسْجَ الْعَنْكَبُوْتِ فَقَالُوْا لَوْ دَخَلَ هٰهُنَا لَمْ يَكُنْ نَسْجُ الْعَنْكَبُوْتِ عَلٰى بَابِهِ فَمَكَثَ فِيْهِ ثَلَاثَ لَيَالٍ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

**حوالہ:** احمد، ص ۳۴۸ ج ۱

**حل لغات:** تشاورت (تفاعل) باہم مشورہ کرنا۔ فاثبتوا امر جمع مذکر حاضر، اَثْبَتَ فلانًا قید کرنا، باندھنا۔ الوثاق بندھن، رسی (ج) وُثُق۔ اطلع (افعال) فلانًا علی کذا کسی کو کسی چیز سے واقف کرانا۔ بات (ض) بَيْتًا رات گزارنا۔ فراش بستر، گدا (ج) فُرُشٌ و اَفْرِشَةٌ۔ لحق (س) لَحْقًا بشيءٍ لاحق ہونا، پالینا۔ یحرسون حَرَسَ (ن ض) حَرْسًا پہرہ دینا، نگہبانی کرنا۔ ثاروا (ن) ثَوْرانًا مشتعل ہونا، بھڑکنا، بہ النَّاسُ کسی پر لوگوں کا ٹوٹ پڑنا۔ ردَّ (ن) رَدًّا لوٹانا۔ مکر دھوکہ، فریب، مَكَرَهُ (ن) مَكْرًا کسی کو دھوکہ دینا۔ اقتصوا (افتعال) اثَرَہ کسی کا پیچھا کرنا، پیروی کرنا۔ اختلط (افتعال) گڈمڈ ہوجانا، مشتبہ ہوجانا۔ صعدوا (س) صُعُوْدًا چڑھنا۔ مروا (ن) مُرُوْرًا بشيءٍ گذرنا۔ نسج بنائی، العنکبوت مکڑی (ج) عَنْكَبُوتات، وعَنَاكِبُ و عَنَاكِيبُ۔ نَسْجُ العنکبوت مکڑی کا جالا۔ مکث (ن) مَكْثًا ٹھہرنا، قیام کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات قریش نے مکہ میں مشورہ کیا، ان میں سے کسی نے کہا صبح ہوتے ہی اسے رسی سے مضبوط باندھ دو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، دوسرے کسی نے کہا بلکہ اس کو قتل کردو، اوران میں سے کسی اور نے کہا اس کو جلاوطن کردو، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس مشورہ سے آگاہ کردیا، چنانچہ حضرت علیؓ نے وہ رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پہ گذاری، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکل کر غار میں چلے گئے، جب کہ کفار رات بھر حضرت علیؓ کی نگرانی کرتے رہے اور وہ یہ خیال کرتے رہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے حملہ کیا، لیکن انھوں نے حضرت علیؓ کو دیکھا اور یوں اللہ نے ان کے فریب کو ان پر لوٹا دیا، تو انھوں نے پوچھا تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں، تو کفار قریش آپؐ کے قدموں کے نشان پر آپؐ کے تعاقب میں نکل پڑے، یہاں تک کہ وہ جبل ثور تک پہنچ گئے، مگر وہاں قدموں کے نشان مشتبہ ہوگئے، پھر وہ پہاڑ کے اوپر چڑھے اور غار کے پاس سے گذرے تو انھوں نے غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا دیکھا پس وہ لوگ بولے، اگر محمد اس غار میں داخل ہوتے تو اس کے منہ پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا۔ اور آپؐ نے تین دن اسی غار میں قیام فرمایا۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث**

جب مدینہ طیبہ سے آنے والے انصار کا مسلمان ہو جانا مکہ میں مشہور ہوا، تو قریش مکہ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اب تک تو ان کا معاملہ صرف مکہ میں دائر تھا، جہاں ہر طرح کی قوت ہمارے ہاتھ میں ہے اور اب جب کہ مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا اور بہت سے صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے، تو اب ان کا ایک مرکز مدینہ طیبہ قائم ہوا ہے، جہاں یہ ہر طرح کی قوت ہمارے خلاف جمع کر سکتے ہیں اور پھر ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں اور ان کو یہ بھی احساس ہو گیا کہ اب تک تو کچھ صحابہ کرام ہی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے ہیں، اب یہ بھی قوی امکان ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی وہاں چلے جائیں، اس لیے رؤساء مکہ نے مشورہ کے لیے دار الندوہ میں ایک خاص مجلس طلب کی، دار الندوہ مسجد حرام کے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا، جس کو ان لوگوں نے قومی مسائل میں مشورہ اور مجلس کرنے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا، زمانہ اسلام میں اس کو مسجد حرام میں داخل کر لیا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ موجودہ باب الزیادات ہی وہ جگہ تھی جس کو دار الندوہ کہا جاتا تھا، حسب عادت اس مہم ومشورہ کے لیے قریشی سرداروں کا اجتماع دار الندوہ میں ہوا، جس میں ابو جہل، نضر بن حارث، شیبہ، عتبہ، امیہ بن خلف، ابو سفیان وغیرہ قریش کے تمام نمایاں اشخاص شامل ہوئے، اور رسول کریمؐ اور اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلے کی تدبیریں زیر غور آئیں، ابھی مشورہ کی مجلس شروع ہی ہوئی تھی کہ ابلیس لعین ایک سن رسیدہ عربی شیخ کی صورت میں دار الندوہ کے دروازے پر آ کھڑا ہوا، لوگوں نے پوچھا تم کون ہو کیوں آئے ہو، بتلایا کہ میں نجد کا باشندہ ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ایک اہم مشورہ کر رہے ہیں، تو قومی ہمدردی کے پیش نظر میں بھی حاضر ہو گیا کہ ممکن ہے میں کوئی مفید مشورہ دے سکوں، یہ سن کر اس کو اندر بلا لیا گیا اور مشورہ شروع ہوا تو سہیلی کی روایت کے مطابق ابو البختری ابن ہشام نے یہ مشورہ پیش کیا کہ ان کو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آہنی زنجیروں میں قید کر کے مکان کا دروازہ بند کر دیا جائے اور چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ وہ معاذ اللہ آپ اپنی موت مر جائیں، یہ سن کر شیخ نجدی ابلیس لعین نے کہا کہ یہ رائے صحیح نہیں، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو معاملہ چھپے گا نہیں، بلکہ اس کی شہرت دور دور پہنچ جائے گی اور ان کے صحابہ اور رفقا کے فدائیانہ کارنامے تمہارے سامنے ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہ لوگ جمع ہو کر تم پر حملہ کر دیں اور اپنے قیدی کو تم سے چھڑا لیں، سب طرف سے آوازیں اٹھیں کہ شیخ نجدی کی بات صحیح ہے، اس کے بعد ابو الاسود نے یہ رائے پیش کی کہ ان کو مکہ سے نکال دیا جائے، یہ باہر جا کر جو چاہیں کرتے رہیں، ہمارا شہر ان کے فساد سے مامون ہو جائے گا اور ہمیں کچھ جنگ وجدال بھی کرنا نہ پڑے گا، شیخ نجدی یہ سن کر پھر بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ کیسے شیریں کلام آدمی ہیں؟ لوگ ان کا کلام سن کر مفتون اور مسحور ہو جاتے ہیں، اگر ان کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا تو بہت جلد اپنی طاقتور جماعت بنا لیں گے اور تم پر حملہ کر کے شکست دے دیں گے، اب ابو جہل بولا کہ جو کرنے کا کام ہے تم میں سے کسی نے نہیں سمجھا، میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے وہ یہ کہ ہم عرب کے سب قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کا ایک نوجوان لیں اور ہر ایک کو عمدہ کام کرنے والی تلوار دے دیں، یہ سب لوگ یکبارگی ان پر حملہ کر کے قتل کر دیں، ہم ان کے فساد سے تو اس طرح نجات حاصل کر لیں، اب رہا ان کے قبیلہ بنو عبد مناف کا مطالبہ جو ان کے قتل کے سبب ہم پر عائد ہوگا، سو ایسی صورت میں جب کہ قتل کسی ایک نے نہیں کیا، بلکہ ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے کیا ہے تو قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا مطالبہ تو باقی نہیں رہ سکتا، صرف خون بہا یا دیت کے مال کا مطالبہ رہ جائے گا، وہ ہم سب قبیلوں سے جمع کر کے ان کو دے دیں گے اور بے فکر ہو جائیں گے، شیخ نجدی ابلیس لعین نے یہ سن کر کہا کہ بس رائے یہی ہے اور اس کے سوا کوئی چیز کارگر نہیں، پوری مجلس نے اسی کے حق میں رائے دی، اور آج ہی رات میں اپنا یہ ناپاک عزم پورا کرنے کا تہیہ کر لیا گیا، مگر انبیاء علیہم السلام کی غیبی طاقت کو یہ جاہل کیا سمجھ سکتے تھے، اس طرف جبرئیل امین نے ان کے دار المشورہ کی ساری کیفیت سے رسول اللہ کو باخبر کر کے یہ تدبیر بتلائی کہ آج رات آپ اپنے بستر پر آرام نہ کریں اور بتلایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے،

ادھر مشورہ کے مطابق شام ہی سے قریشی نوجوانوں نے سرور دو عالمؐ کے مکان کا محاصرہ کرلیا، رسول کریمؐ نے یہ دیکھا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ آج کی رات وہ آنحضرتؐ کے بستر پر آرام کریں اور یہ خوشخبری سنادی کہ اگرچہ بظاہر اس میں آپ کی جان کا خطرہ ہے، مگر دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کردیا اور آپؐ کے بستر پر لیٹ گئے، مگر اب مشکل یہ درپیش تھی کہ آنحضرتؐ اس محاصرہ سے کیسے نکلیں، اس مشکل کو اللہ تعالیٰ نے ایک معجزے کے ذریعہ حل کیا، وہ یہ کہ بامرالٰہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مٹھی میں مٹی بھر کر باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے جو کچھ آپؐ کے بارے میں گفتگو کررہے تھے اس کا جواب دیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں اور فکروں کو آپؐ کی طرف سے پھیردیا کہ کسی نے آپ کو نہ دیکھا، حالاں کہ آپؐ ان میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے نکلے چلے گئے، آپؐ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی آنے والے نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو؟ تو انہوں نے بتلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتظار میں، اس نے کہا تم کس خام خیالی میں ہو وہ تو یہاں سے نکل کر جا بھی چکے ہیں اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر مٹی ڈالتے ہوئے گئے ہیں، ان لوگوں نے اپنے اپنے سروں پر ہاتھ رکھا تو اس کی تصدیق ہوئی کہ ہر ایک کے سر پر مٹی پڑی ہوئی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، مگر محاصرہ کرنے والوں نے ان کی کروٹیں بدلنے سے پہچان لیا کہ یہ محمد نہیں ہیں اس لیے قتل پر اقدام نہیں کیا، صبح تک محاصرہ کرنے کے بعد یہ لوگ خائب و خاسر ہوکر واپس ہوگئے یہ رات اور اس میں رسول کریمؐ کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا حضرت علیؓ کے خاص فضائل میں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوکر غار ثور پہنچے اور تین دن تک اس میں رہے، مکڑی نے جالا تن دیا پرندہ نے اس پر انڈا دے دیا، کفار تلاش میں غار کے منہ تک پہنچے، مگر خدا نے آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا، عامر بن فہیرہ تمام دن کفار کے ساتھ رہتے شام کے وقت بکریاں چرانے کے لیے وہیں لے آتے اور کفار کے تلاش و مشورہ کی سب خبر پہنچاتے۔ (معارف القرآن، اصح السیر)

**کلمات حدیث کی تشریح** تشاورت قریش قریشی سرداروں کے مشورہ میں جو باتیں آنحضرتؐ کے متعلق پیش کی گئی تھیں ان تینوں کو قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے: واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك الخ یعنی وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب کہ کفار آپ کے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا شہر بدر کردیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سب تدبیریں خاک میں ملادیں اسی لیے آخر آیت میں فرمایا: واللہ خیر الماکرین یعنی اللہ تعالیٰ بہتر تدبیر کرنے والے ہیں جو ساری تدبیروں پر غالب آجاتی ہے، جیسا کہ اس واقعہ میں مشاہدہ ہوا۔ لفظ مکر کے معنی عربی لغت میں یہ ہیں کہ کسی حیلہ و تدبیر کے ذریعہ اپنے مقابل شخص کو اس کے ارادے سے روک دیا جائے، پھر اگر یہ کام کسی نیک مقصد سے کیا جائے تو یہ مکر محمود اور اچھا ہے اور کسی برے مقصد سے کیا جائے تو مذموم اور برا ہے، اس لیے یہ لفظ انسان کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی، مگر اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ایسے ماحول میں استعمال ہوتا ہے جہاں کلام کے سیاق اور تقابل کے ذریعہ مکر مذموم کا شبہ نہ ہوسکے۔ جیسے یہاں ہے (معارف القرآن) مزید تفصیلات کے لیے عالمی حدیث ۵۸۶۸ اور ۵۸۶۹ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۷۳۶ ﴿خیبر کے یہود سے متعلق معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۵**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ أُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ فِيْهَا سَمٌّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْمَعُوْا لِي مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنَ الْيَهُوْدِ فَجَمَعُوْا لَهُ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي سَائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَهَلْ أَنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ عَنْهُ قَالُوْا نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَبُوْكُمْ قَالُوْا فُلَانٌ قَالَ كَذَبْتُمْ بَلْ أَبُوْكُمْ فُلَانٌ قَالُوْا صَدَقْتَ

وَبَرَرْتَ قَالَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ قَالُوْا نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ وَإِنْ كَذَبْنَاكَ عَرَفْتَ كَمَا عَرَفْتَهُ فِيْ أَبِيْنَا فَقَالَ لَهُمْ مَنْ أَهْلُ النَّارِ قَالُوْا نَكُوْنُ فِيْهَا يَسِيْرًا ثُمَّ تَخْلُفُوْنَا فِيْهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَاللّٰهِ لَا نَخْلُفُكُمْ فِيْهَا أَبَدًا ثُمَّ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ فَقَالُوْا نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ قَالَ هَلْ جَعَلْتُمْ فِيْ هٰذِهِ الشَّاةِ سَمًّا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَمَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالُوْا أَرَدْنَا إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا أَنْ نَسْتَرِيْحَ مِنْكَ وَإِنْ كُنْتَ صَادِقًا لَمْ يَضُرُّكَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۴۹ ج ۱، باب اذا غدر المشرکون بالمسلمین، کتاب الجزیۃ، حدیث ۳۱۶۹

**حل لغات:** اهديت ماضی مجہول، اَهْدَىٰ (افعال) إلى فلان وله اعزازًا کسی کو ہدیہ یا تحفہ دینا۔ سَمٌّ (ج) سُمُوْمٌ زہر۔ سَمَّ (ن) سُمُوْمًا الطعامَ کھانے میں زہر ملانا۔ بررت (ض) بَرًّا مغلوب کرنا، قول یا فعل سے غالب آنا۔ یسیر اتھوڑا، معمولی، شئ یسیر تھوڑی چیز۔ تخلفونا خَلَفَ (ن) خُلُوْفًا جانشین ہونا، قائم مقام ہونا۔ اخسئوا امر جمع مذکر حاضر، دور ہو۔ خَسَأَ (ف) خسئًا دور ہونا، دھتکارا جانا۔ نستریح (استفعال) سکون پانا، اطمینان ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر فتح کرلیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بکری ہدیہ میں پیش کی گئی، جس میں زہر ملا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو یہود یہاں ہیں اُن کو میرے پاس جمع کرو، تو سب کو آپؐ کے پاس اکٹھا کردیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا میں تم سے ایک بات پوچھنے والا ہوں، تو کیا تم سچ سچ بتاؤ گے، انھوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تمہارا باپ کون ہے؟ انھوں نے عرض کیا فلاں، آپؐ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو، بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے، انھوں نے کہا کہ آپؐ نے درست اور بجا فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم میری ایک چیز کے بارے میں تصدیق کروگے اگر میں تم سے اس کے بارے میں دریافت کروں؟ انھوں نے کہا بالکل ابوالقاسم! اس لیے کہ اگر ہم نے جھوٹ کہا تو آپؐ جان لیں گے جیسے ہمارے باپ کے متعلق جان لیا، آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ جہنمی کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہم دوزخ مین تھوڑے دن رہیں گے، پھر تم ہمارے جانشین ہوگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے بدبختو دور ہٹو، اللہ کی قسم ہم کبھی دوزخ میں تمہارے جانشین نہ ہوں گے، پھر آپؐ نے فرمایا کیا تم میری ایک چیز کے بارے میں تصدیق کروگے، اگر میں تم سے اس کے بارے میں دریافت کروں؟ انھوں نے کہا جی ہاں ابوالقاسم! آپؐ نے فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں، آپؐ نے فرمایا کہ تم کو اس عمل پر کس چیز نے آمادہ کیا، انھوں نے کہا ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو آپؐ سے ہمیں چھٹکارا مل جائے گا اور اگر آپؐ سچے ہیں تو یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ یہود نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور آپؐ کے قتل کی سازش کی، پھر انھوں نے اپنے جرم کا اقرار بھی کیا، اس کے باوجود آپؐ نے انھیں معاف کردیا؛ کیوں کہ آپ اپنی ذات کی خاطر بدلہ نہیں لیتے تھے، یہیں سے معلوم ہوا کہ اگر مشرکین مسلمانوں سے عہد شکنی کریں تو امام کو معاف کرنے کا حق ہے۔ بکری میں زہر ملانے میں سب سے زیادہ دخل ایک یہودیہ عورت کا تھا، آپؐ نے اسے بھی معاف کردیا تھا، لیکن اس کی وجہ سے ایک صحابی شہید ہوگئے تو قصاص میں وہ عورت قتل ہوئی۔ تفصیل کے لیے عالمی حدیث ۵۹۳۱ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من ابوکم حضورؐ نے جب ان سے ان کے جداعلیٰ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے آزمانے کے لیے جھوٹ بولا کہ آیا آپؐ کو اس کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ پھر جب حضورؐ نے دوزخیوں کے بارے

میں سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ ہم چند دن جہنم میں رہیں گے پھر تم ہمارے نائب ہو گے اور قرآن کریم نے ان کے اس دعوے کو یوں نقل کیا ہے: لن تمسنا النار الا ایاما معدودات۔ پھر جب بکری میں زہر ملانے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا ہمارا مقصود آپ کا امتحان لینا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہوئے تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ سچے ہوئے تو ہم آپ کی اتباع کریں گے، لیکن یہود کی ضد اور ہٹ دھرمی دیکھیں کہ انھوں نے اپنے معیار کے مطابق حضورؐ کے دعویٰ نبوت کی صداقت کو جانچا، لیکن پھر بھی ایمان نہ لائے اور اپنے ہی قول کے مطابق جھوٹے ہو گئے۔ یہود حضور کو ابوالقاسم کہہ کر پکارتے تھے محمدؐ نام نہیں لیتے تھے، اس لیے کہ انھیں کی کتابوں میں حضورؐ کا نام محمد مشہور و معروف تھا، جو خود ان کی کتابوں کی رو سے نبی آخرالزماں کی صداقت کی علامت تھا۔ آپؐ نے نام بنام ان کے داداؤں کو بیان کیا، یہ آپ کا معجزہ ہے۔ (مرقات، جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۷۳۷ ﴿قیامت سے متعلق واقعات بتانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۶**

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ أَخْطَبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الْفَجْرَ وَصَعِدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم ص ۳۹۰ ج ۲، باب اخبار النبی ﷺ فیما یکون الی یوم القیامۃ، کتاب الفتن، حدیث ۲۸۹۲

**حل لغات:** صلی (تفعیل) بالنَّاسِ نماز پڑھانا۔ صعد (س) صُعُودًا چڑھنا۔ خطبنا خَطَبَ (ن) خُطْبَةً تقریر کرنا۔ اعلم اسم تفضیل، زیادہ جاننے والا، عَلِمَ (س) عِلْمًا جاننا۔ احفظ زیادہ یاد رکھنے، حَفِظَ (س) حِفْظًا یاد کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن اخطب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک دن فجر کی نماز پڑھائی، اور منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دیا، یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تو آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف لے گئے اور ہمیں خطبہ دیا، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا، پھر آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ پس جو قیامت تک ہونے والا تھا وہ آپؐ نے ہمیں بتا دیا، لہٰذا ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جس کو وہ باتیں زیادہ یاد ہیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ نے ایک دن بہت طویل خطبہ دیا، جس میں آپؐ نے قیامت تک پیش آنے والے واقعات و حوادث کا ذکر کیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپؐ نے جمیع ما کان و ما یکون بیان فرمایا، بلکہ آپؐ نے ایسے غیر معمولی حوادث و واقعات کا ذکر فرمایا جن کے بارے میں امت کو آگاہی دینا آپؐ نے ضروری سمجھا، یہی آپؐ کے منصب نبوت کا تقاضہ اور آپؐ کے شایان شان تھا۔ بریلوی حضرات اس حدیث سے آپؐ کے علم غیب اور علم کلی محیط پر استدلال کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے عالمی حدیث ۵۷۲۹ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** حتی غربت الشمس گویا پورا دن وعظ ہی میں گذر گیا۔ کائن الی یوم القیامۃ یہ آپ کا معجزہ تھا کہ آپؐ نے قیامت تک پیش آنے والے اہم ترین واقعات قبل از وقوع بیان فرما دیئے۔

**حدیث نمبر ۲۷۳۸ ﴿درخت کا اطلاع دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۷**

وَعَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِيْ قَالَ سَأَلْتُ مَسْرُوْقًا مَنْ آذَنَ النَّبِيَّ ﷺ بِالْجِنِّ لَيْلَةَ

اِسْتَمَعُوا الْقُرْآنَ فَقَالَ حَدَّثَنِي أَبُوكَ يَعْنِي عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ اٰذَنَتْ بِهِمْ شَجَرَةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۴۴ ج ۲، باب ذکر الجن، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۵۹، مسلم، ص ۱۸۴ ج ۱، باب الجهر بالقرأة فی الصبح، کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۵۰

**حل لغات:** آذَنَ (افعال) اِيْذَانًا فُلَانًا الْأَمْرَ وبه باخبر کرنا، آگاہ کرنا۔ استمعوا (افتعال) سننا۔

**ترجمه:** حضرت معن بن عبد الرحمٰن نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد عبد الرحمٰن سے سنا انھوں نے فرمایا کہ میں نے مسروق سے پوچھا جس رات جنات نے قرآن سنا تو جنات کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے دی؟ انھوں نے کہا مجھے تمہارے والد یعنی عبد اللہ بن مسعودؓ نے بتایا کہ آپ کو جنات کی خبر ایک درخت نے دی۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** بعثت نبوی سے قبل جنوں کو کچھ آسانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں، جب حضورؐ پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریبا بند ہو گیا، اور بہت کثرت سے شہب کی مار پڑنے لگی، جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے، جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت سخت پہرے بٹھلائے گئے ہیں، اسی کی جستجو کے لیے جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے، ان میں سے ایک جماعت 'بطن نخلہ' کی طرف سے گذری، وہاں اتفاق سے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ نمازِ فجر ادا کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اس ٹکڑی کا رخ قرآن سننے کی طرف پھیر دیا، قرآن کی آواز انھیں بہت عجیب اور مؤثر و دلکش معلوم ہوئی، اور اس کی عظمت وہیبت دلوں پر چھا گئی، آپس میں کہنے لگے چپ رہو اور خاموشی کے ساتھ یہ کلام سنو، آخر قرآنِ کریم نے اُن کے دلوں میں گھر کر لیا، وہ سمجھ گئے کہ یہی نئی چیز ہے، جس نے جنوں کو آسمانی خبروں سے روکا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے تو یہ لوگ اپنے دلوں میں ایمان و یقین لے کر واپس گئے، اور اپنی قوم کو نصیحت کی، ان کی مفصل باتیں سورۂ جن میں مذکور ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ آپ کو جنات کے آنے جانے اور سننے سنانے کا پتہ نہیں لگا، ایک درخت نے باذن اللہ کچھ اجمالی اطلاع آپ کو دی۔ اور مفصل حالات اس کے بعد وحی کے ذریعہ معلوم ہوئے۔ بعدہ بہت بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضورؐ سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کے لیے اُن کے وفود حاضرِ خدمت ہوئے۔ (فوائد عثمانی)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذنت بهم شجرة یہ آپؐ کا معجزہ ہے کہ جنات کے قرآن سننے کی اطلاع آپؐ کو ایک درخت نے دی۔ اجنہ کے قرآن سننے کے متعدد واقعات ہیں، یہاں ان میں سے ایک واقعہ کا ذکر ہے۔

### حدیث نمبر ۲۷۳۹ ﴿مردوں کا آپؐ کی بات سمجھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۸

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ عُمَرَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَتَرَاءَ يْنَا الْهِلَالَ وَكُنْتُ رَجُلًا حَدِيْدَ الْبَصَرِ فَرَأَيْتُهُ وَلَيْسَ أَحَدٌ يَزْعَمُ أَنَّهُ رَآهُ غَيْرِي فَجَعَلْتُ أَقُوْلُ لِعُمَرَ أَمَا تَرَاهُ فَجَعَلَ لَا يَرَاهُ قَالَ يَقُوْلُ عُمَرُ سَأَرَاهُ وَأَنَا مُسْتَلْقٍ عَلٰى فِرَاشِي ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا عَنْ أَهْلِ بَدْرٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ أَهْلِ بَدْرٍ بِالْأَمْسِ يَقُوْلُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَهٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ عُمَرُ وَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَئُوا الْحُدُوْدَ الَّتِي حَدَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجُعِلُوْا فِي بِئْرٍ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى انْتَهٰى إِلَيْهِمْ فَقَالَ يَا فُلَانُ ابْنَ فُلَانٍ وَيَا فُلَانُ بن فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ حَقًّا فَإِنِّي قَدْ وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِيَ اللّٰهُ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تُكَلِّمُ أَجْسَادًا لَا أَرْوَاحَ فِيْهَا فَقَالَ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ

مِنهُمْ غَيْرَ أَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ أَنْ يَرُدُّوْا عَلَيَّ شَيْئًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم،ص ۳۸۷ ج ۲،باب عرض مقعد المیت من الجنة او النار علیه، کتاب الجنة،حدیث ۲۸۷۲

**حل لغات:** تراء ینا تراءی (تفاعل) تَرَاءِ یًا دیکھنے کی کوشش کرنا۔ الھلال (ج) اَهِلَّةٌ ابتدائی چاند، مہینے کی پہلی شب سے ساتویں رات تک کا چاند۔ حدید (ج) حَدَائِدُ تیز، حَدِیْدُ البَصَرِ تیز نظر والا شخص۔ یزعُمُ زَعَمَ (ن) زَعْمًا کہنا، گمان کرنا۔ مستلق اِسْتَلْقَی (استفعال) اِسْتِلْقَاءً چت لیٹنا۔ فراش (ج) فُرُشٌ و اَفْرُشٌ بستر، بچھونا۔ أنشأ یَفْعَلُ کذا وہ کرنے لگا، اَنْشَأ فُلَانٌ یُحَدِّثُ فلاں حدیث بیان کرنے لگا۔ مَصَارِعُ (واحد) مَصْرَعُ موت، ہلاکت، قتل وخون۔ اخطؤا اَخْطَأَ (افعال) غلطی کرنا، راہِ صواب سے دور ہو جانا، "ما أخطؤا الحدود" وہ مقررہ حد سے اِدھر اُدھر نہیں ہوئے۔ بئر (ج) آبَارٌ کنواں، اَجْسَادٌ (واحد) جَسَدٌ بدن، جسم۔ ارواح (واحد) رُوْحٌ نفس انسانی کی بقا کا ذریعہ، جان، سانس۔ الحدود (واحد) حَدٌّ سرحد، حَدَّ حَدًّا الشَّيْءَ مقرر کرنا، حد مقرر کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے، ہم نے نئے مہینے کا چاند دیکھنے کی کوشش کی، میں تیز نظر انسان تھا، لہٰذا میں نے چاند دیکھ لیا، میرے علاوہ کسی نے چاند دیکھنے کا دعویٰ نہیں کیا، میں حضرت عمرؓ سے کہنے لگا کیا آپ کو چاند نہیں دِکھ رہا ہے، لیکن چاند اُنھیں نظر نہیں آرہا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا جب میں اپنے بستر پر لیٹوں گا تو دیکھ لوں گا، پھر وہ ہمیں اہلِ بدر کے بارے میں بتلانے لگے، انھوں نے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے ایک روز پہلے ہمیں وہ تمام مقامات دکھا دیئے جہاں اگلے دن مشرک مارے جانے والے تھے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا کل ان شاء اللہ یہاں فلاں شخص مرا پڑا ہوگا، اور یہاں کل انشاء اللہ فلاں کافر مرا پڑا ہوگا، حضرت عمرؓ کا بیان ہے قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، جو مقامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے تھے کوئی بھی اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہوا، پھر اُن کافروں کو ایک کنویں کے اندر ایک کے اوپر ایک ڈال دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ آپؐ اُن کے پاس پہنچ گئے، پھر آپؐ نے فرمایا اے فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں کیا تم نے وہ چیز درست پالی جس کا تم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا، میں نے تو اُس چیز کو حق پالیا جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپؐ ان جسموں سے بات کر رہے ہیں جن میں جان نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں؛ لیکن وہ مجھے کسی بات کا جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نیا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا چاہئے اور جس کو نظر آجائے وہ دوسروں کو دکھائے، لیکن اس میں بہت مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس حدیث میں جنگ بدر کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ حضورؐ کے ایک معجزہ کا یوں بھی ظہور ہوا کہ آپؐ نے بہت سے کفار کے نہ صرف اگلے دن مارے جانے کی اطلاع دی، بلکہ اس جگہ کی بھی تعیین کر دی جہاں ان کو مر کر گرنا تھا۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد حضورؐ نے عمائدین قریش کو ایک کنویں میں ڈالنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ آپؐ نے ان کے سرداروں کی لاشوں کو جن کی تعداد چوبیس تھی اس کنویں میں ڈال دیا اور باقی مقتولین کو ویسے ہی گڑھے کھود کر دبا دیا۔ سرداروں میں سے امیہ بن خلف کی لاش چوں کہ بہت پھول گئی تھی اور جب زرہ کو اس کے جسم سے نکالا گیا تو اس کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اس لیے وہیں کنویں کے قریب مٹی میں دبا دی گئی، کنویں کے اندر اس کو نہیں ڈالا جا سکا۔ آپؐ کی عادت یہ تھی کہ جب آپؐ کسی جنگ میں فتح پاتے تو جنگ کے بعد تین دن آپؐ وہاں قیام فرماتے، آپؐ نے یہاں بھی تین دن قیام فرمایا، جب تیسرا دن ہوا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کا حکم دیا، آپؐ نے زین کسوائی اور سواری پر بیٹھے اور اس کنویں کی طرف چلے، جس میں سردارانِ قریش کی

لاشیں تھیں، صحابہؓ کو خیال تھا کہ کسی کام اور ضرورت سے آپؐ جارہے ہیں، لیکن آپ کنویں کے پاس آئے اور فرمانے لگے: "یا امیة یا اباجھل بن ھشام، یا عتبة بن ربیعة یا شیبة بن ربیعة ھل وجدتم الخ" (اے امیہ، اے ابوجہل، اے عتبہ، اے شیبہ اللہ نے جو وعدہ تمہارے لیے کیا تھا کیا تم نے اس کو صحیح اور حق پایا؟ اللہ نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا وہ تو میں نے حق پالیا۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مردوں سے خطاب کرنے پر حضرت عمرؓ کو اشکال ہوا کہ بے جان لاشوں سے بات کرنا چہ معنی دارد؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا اس میں یہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ جب چاہیں اور جتنا چاہیں مردوں کو سنوا سکتے ہیں۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** مستلق علی فراشی حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ چاند دیکھنے کے لیے زیادہ مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں، اگلے دن جب روشن ہو جائے گا تو اس وقت بستر پر لیٹ کر میں دیکھ لوں گا، اس سے معلوم ہوا کہ غیر ضروری کاموں میں غور وخوض نہ کرنا چاہئے اور اپنے اوقات لایعنی کاموں میں صرف کرنے سے بچنا چاہئے۔ یا فلان بن فلان آپؐ نے اُن کفار سے جو کنویں میں ڈال دیئے گئے تھے ولدیت کے ساتھ نام لے کر خطاب کیا، ان مذکورین میں سے امیہ اگرچہ کنویں میں نہیں ڈالا جاسکا تھا، لیکن چوں کہ قریب ہی اس کی لاش پر پتھر ڈالے گئے تھے، اس لیے کنویں والوں کے ساتھ آپؐ نے اس کو بھی خطاب کیا۔ فلا تعارض۔

**مسئلہ سماع موتی:** یہ مسئلہ کہ مردے زندوں کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟ ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرامؓ کا باہم اختلاف رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماعِ موتی کے قائل تھے، اور ام المومنین حضرت عائشہؓ اس کی نفی کرتی تھیں، اس لیے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہوگئے، بعض اثبات کے قائل ہیں، بعض نفی، نیز ائمہ مجتہدین سے بھی اختلاف منقول ہے، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ مردے سنتے ہیں، علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں یہی اکثر علماء اسلام کا مذہب ہے۔

**دلائل:** (۱) حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر لوگ واپس پھرتے ہیں تو "انه یسمع قرع نعالھم" وہ مردہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ (بخاری ومسلم) (۲) حدیث باب میں آپؐ نے فرمایا کہ میں جو کہہ رہا ہوں اُسے وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبل کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ مردے نہیں سنتے ہیں اور استدلال میں آیات کریمہ کو پیش کیا جاتا ہے: [۱] "انك لا تسمع الموتی" [۲] "فانك لا تسمع الموتی" [۳] "وما انت بمسمع من فی القبور" آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے ہیں جو قبروں میں ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ امام اعظمؒ سے سماعِ موتی کا انکار ثابت نہیں ہے، صرف ایک مسئلہ سے قیاس کیا گیا ہے، جو فتح القدیر میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے بات نہیں کروں گا، اس آدمی کے انتقال کے بعد قبر کے پاس جاکر اگر کلام کیا تو حانث نہیں ہوگا، بس اس سے اخذ کیا جاتا ہے کہ امام صاحب سماعِ موتی کے منکر ہیں، حالاں کہ قسم کا معاملہ عرف پر محمول ہوتا ہے، مذکورہ تینوں آیتوں میں اگر غور کیا جائے تو سماعِ موتی کی نفی بالکل نہیں ہے، بلکہ "اسماع موتی" کی نفی ہے، جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ ہم بااختیار خود مردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں، لیکن مردے نہیں سن سکتے ہیں، آیت سے بالکل ثابت نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بندے کو طاقت نہیں ہے کہ اپنا کلام جب چاہے جو چاہے مردوں کو سنا سکے، البتہ حق تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، جو چیز ہماری سنانا چاہیں سنا دیتے ہیں، مردہ میں حق تعالیٰ زندگی ڈال کر سنا دیتے ہیں، جیسا کہ "قرع نعال" وغیرہ کی احادیث شاہد ہیں، اسی طرح قبرستان میں جاکر سلام کے متعلق احادیث ہیں، لیکن جن چیزوں کے متعلق نصوص احادیث موجود نہیں ہیں، اُن چیزوں کے متعلق محض قیاس کر کے سماعِ موتی کے تحت لانا غلط جسارت ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں ہمارا کلام سن لیں اور دوسرے وقت میں نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے بعض کے کلام کو سنیں اور بعض کے کلام کو نہ سنیں، یا بعض

مردے سنیں اور بعض نہ سنیں، صرف مشیت ایزدی پر موقوف ہے۔ (نصر الباری، مرقات، جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۷۴۰ ﴿بینائی جانے کی پیشین گوئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳۹**

وَعَنْ أُنَيْسَةَ بِنْتِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنْ أَبِيهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى زَيْدٍ يَعُوْدُهُ مِنْ مَرَضٍ كَانَ بِهِ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْ مَرَضِكَ بَأْسٌ وَلٰكِنْ كَيْفَ لَكَ إِذَا عُمِّرْتَ بَعْدِيْ فَعَمِيْتَ قَالَ أَحْتَسِبُ وَأَصْبِرُ قَالَ إِذَنْ تَدْخُلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالَتْ فَعَمِيَ بَعْدَمَا مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَصَرَهُ ثُمَّ مَاتَ.

**حواله:** البیهقی، ص۴۷۹ ج۶

**حل لغات:** يعود عَادَ (ن) عِيَادَةً مریض کی مزاج پرسی کرنا، عیادت کرنا۔ بأس خوف، لا بأس کوئی خطرہ نہیں۔ عمرت ماضی مجہول، عَمَّرَ اللّٰهُ فلانًا عمر دراز کرنا۔ عميت (س) عَمًى نابینا ہونا۔

**ترجمه:** حضرت انیسہ بنت زید بن ارقم اپنے والد سے نقل کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کی عیادت کرنے کے لیے اندر تشریف لائے جب کہ وہ بیمار تھے، آپ نے فرمایا اس بیماری سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں، لیکن اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب کہ تم میرے بعد زندہ رہو گے اور نابینا ہو جاؤ گے، انھوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھوں گا اور صبر کروں گا، آپ نے فرمایا تب تو تم جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو گے، راوی کا بیان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زید بن ارقم کی بینائی جاتی رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی واپس کر دی، اس کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** آپ نے حضرت زید کو مرض کے عالم میں بتا دیا کہ اس مرض سے شفا مل جائے گی، چنانچہ انھیں شفا مل گئی، نیز آپ نے بتایا کہ تمہاری بینائی چلی جائے گی، چنانچہ کچھ عرصہ بعد وہ نابینا ہو گئے، لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بینائی واپس کر دیں گے، تاکہ وہ مصیبت پر صبر کر کے اجر عظیم کے مستحق ہو جائیں، اگر اُن کو پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ مجھے بینائی دوبارہ مل جائے گی تو اُن کو زیادہ غم برداشت نہ کرنا پڑتا اور صبر کامل کا درجہ بھی نصیب نہ ہوتا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مرضك بأس آپ کی پیشین گوئیاں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ یوں آپ کے معجزہ کا ظہور ہو گیا۔ اس حدیث میں کئی پیشین گوئیاں ہیں: (۱) مرض سے شفا ملے گی۔ (۲) حضرت زید کی وفات حضور کے بعد ہوگی۔ (۳) بینائی جاتی رہے گی۔ (۴) حضرت زید جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔

**حدیث نمبر ۲۷۴۱ ﴿جھوٹی حدیث بیان کرنے کا نتیجه﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۴۰**

وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَقَوَّلَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ أَنَّهُ بَعَثَ رَجُلًا فَكَذَبَ عَلَيْهِ فَدَعَا عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوُجِدَ مَيِّتًا وَقَدِ انْشَقَّ بَطْنُهُ وَلَمْ تَقْبَلْهُ الْأَرْضُ. (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

**حواله:** البیهقی فی دلائل النبوة، ص۲۴۵ ج۶

**حل لغات:** تقول (تفعل) عليه، تَقَوُّلًا کسی کے خلاف جھوٹ گڑھنا۔ ليتبوأ تَبَوُّأً (تفعل) ٹھکانا بنانا۔ مَقْعَد (ج) مَقَاعِدُ بیٹھنے کی جگہ۔ انشق (انفعال) اِنْشِقَاقًا پھٹنا۔ بطن (ج) بُطُوْنٌ پیٹ۔ لم تقبله قَبِلَ (س) قُبُوْلًا قبول کرنا۔ میت (ج) مَيِّتُوْنَ مردہ۔

**ترجمه:** حضرت اُسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری طرف منسوب کر کے ایسی بات کہے جو

میں نے نہیں کہی ہو تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے اور یہ بات آپؐ نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب کہ ایک آدمی کو آپؐ نے کسی شخص یا جماعت کے پاس بھیجا تھا، اس نے آپؐ کی طرف سے جھوٹی بات کہہ دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بدعا فرمائی، چنانچہ وہ مردہ پایا گیا اور حال یہ تھا کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا اور زمین نے اُسے قبول نہیں کیا تھا۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** آپ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو آپؐ نے ارشاد نہ فرمائی ہو وضعِ حدیث کہلاتا ہے، بعض علما کے نزدیک یہ عمل کفر ہے، اسکی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور حدیث باب اسکی مؤید ہے؛ کیونکہ زمین کا اسکو قبول نہ کرنا اسکے ہمیشہ کے لیے دوزخی ہونے کی علامت ہے۔ اس حدیث میں معجزہ ظاہر ہوا کہ آپؐ نے جس کے لیے بدعا کی اس کا انجام بہت برا ہوا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من تقول علی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کذب بیانی کرنا حرام ہے، جھوٹ اگرچہ خود ایک گناہ ہے، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اعظمِ کبائر میں سے ہے اور مطلقاً حرام ہے، خواہ ترغیب وترہیب کے لیے ہو یا دینی احکام کے لیے ہو، جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کے فائدہ کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے تو ان کا خیال غلط ہے، کیوں کہ اس طرح تمام نو ایجاد بدعات دین میں داخل ہو جائیں گی۔ فرقہ مبتدعہ خطابیہ اور کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں "علی" کالفظ "اضرار" کے لیے ہے، یعنی ضرر اور افساد کی نیت سے جھوٹ باندھنا منع ہے، مگر نیک مقاصد کے لیے جائز ہے، مگر یہ نظریہ غلط ہے، یہاں "علی" کے لفظ میں عموم ہے۔

**سوال:** "لیتبوأ" امر کا صیغہ ہے، جس کا مطلب ہے کہ آدمی دوزخ میں اپنے لیے جگہ بنالے، تو یہ عمل انسان کے اختیار میں نہیں، پھر غیر اختیاری معاملہ میں حکم کیسے دیا جارہا ہے؟

**جواب:** یہ امر انشاء بمعنی خبر ہے، یعنی اس عمل کی وجہ سے جہنم میں اس کا ٹھکانہ بن گیا ہے۔

**سوال:** اس حدیث سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ مرتکب کبیرہ "مخلد فی النار" ہوگا؛ جب کہ اہل سنت کا مسلک یہ نہیں ہے۔

**جواب:** یہ حکم تشدیدًا یا توبیخًا ہے، یا حلال سمجھنے والے کے بارے میں ہے، البتہ یہ بات کہ "کذب علی النبی" کی حیثیت کیا ہے؟ تو امام الحرمین کے والد ابو محمد جوینیؒ کی رائے یہ ہے کہ کذب علی النبی کفر ہے، مگر جمہور علما فرماتے ہیں کہ اگر کذب علی النبی کوئی شخص حلال نہیں سمجھتا تو یہ گناہ کبیرہ ہے، کفر نہیں، ایسا آدمی فاسق ہے، کافر نہیں۔ بعث رجلًا ایک آدمی کو کسی ضرورت سے بھیجا تھا، ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں طبرانی کے حوالہ سے ایک قصہ لکھا ہے جو حدیث میں مذکور انجام سے قدرے مختلف ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ نے عرب کے ایک قبیلہ کی طرف ایک آدمی کو کسی کام پر بھیجا، اس نے جا کر کہا کہ حضورؐ نے حکم دیا ہے کہ میں جس طرح چاہوں تمہاری عورتوں میں تصرف کروں، لوگوں نے کہا کہ حضورؐ کا حکم سر آنکھوں پر قبول ہے، مگر ہم معلوم کریں گے، چنانچہ انھوں نے ایک آدمی بھیجا، حضورؐ کو جب اطلاع ہوئی، تو آپؐ بہت غصہ ہوئے اور ایک انصاری صحابی کو بھیجا کہ جا کر اس شخص کو قتل کر دو اور پھر آگ میں جلا دو، جب صحابی وہاں گئے تو وہ شخص پہلے ہی مر چکا تھا اور دفن کیا جا چکا تھا، انصاری صحابی نے اس کو قبر سے نکالا اور آگ میں جلا دیا۔ (مقدمہ موضوعات کبیر، ص ۱۰) ملا علی قاریؒ نے یہ واقعہ "من کذب علیَّ متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار" حدیث کے شانِ ورود میں نقل کیا ہے۔

## حدیث نمبر ۲۷۴۲ ﴿جَو میں معجزانہ برکت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۴۱

وَعَنْ جَابِرٍؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ يَسْتَطْعِمُهُ فَأَطْعَمَهُ شَطْرَ وَسَقِ شَعِيْرٍ فَمَا زَالَ الرَّجُلُ يَأْكُلُ مِنْهُ وَامْرَأَتُهُ وَضَيْفُهُمَا حَتّٰى كَالَهُ فَفَنِيَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ لَمْ

تَكِلْهُ لَأَكَلْتُم مِنْهُ وَلَقَامَ لَكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص۲۴۶ ج۲، باب فی معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الفضائل، حدیث ۲۲۸۱

**حل لغات:** يستطعم اِسْتَطْعَمَ فلانًا (استفعال) کھانا طلب کرنا۔ اَطْعَمَ (افعال) اِطْعَامًا رزق عطا کرنا، کھلانا۔ شَطْر (ج) اَشْطُرٌ و شُطُوْرٌ نصف، آدھا، کسی چیز کا جز۔ وسق (ج) اَوْسَقٌ و وُسُوْقٌ ساٹھ صاع کا ایک پیمانہ۔ شعیر (واحد) شَعِيْرَةٌ جو۔ (اناج کی قسم)۔ ضیف (ج) ضُيُوْفٌ مہمان۔ کالہ کَالَ (ض) كَيْلًا ناپنا، تولنا۔ فنِيَ الشيءُ (س) فَنَاءً ناپید ہونا، ختم ہوجانا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کھانا مانگا، حضورؐ نے اس کو آدھا وسق جو دیے، جن میں سے وہ شخص اس کی بیوی اور اُن دونوں کے مہمان مسلسل کھاتے رہے، یہاں تک کہ ایک بار اس نے اُن کو ناپ لیا تو وہ ختم ہوگیا، پھر وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا اگر تم اس کو ناپتے نہیں تو اس سے کھاتے رہتے اور وہ تمہارے پاس باقی رہتا۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے معجزہ کا ظہور ہوا ہے، تھوڑے سے جو میں غیر معمولی برکت ہوئی، لیکن ناپنے سے برکت ختم ہوگئی؛ کیوں کہ برکت کا تعلق امور باطنہ سے ہے، اس میں تحقیق و جستجو کی اجازت نہیں، ناپ کر تسلیم و رضا کے خلاف کیا، لہٰذا برکت ختم ہوگئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** شطر وسق آدھے وسق میں پورا گھرانہ اور مہمان کھاتے رہے، لیکن جب کیل کرلیا تو برکت ختم ہوگئی۔ ضیفها سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیوی کے قریبی رشتہ دار ہوں تو وہ شوہر کے مال و طعام سے کھائیں گے؛ کیوں کہ یہ جو مرد ہی لایا تھا، شوہر کو خست سے کام نہیں لینا چاہئے اور بیوی کے قریبی عزیزوں کو بوجھ نہ سمجھنا چاہئے۔

## حدیث نمبر ۲۷۴۳ ﴿مشتبہ کھانے سے متعلق معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۴۲

وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوْصِي الْحَافِرَ يَقُوْلُ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَاسِهِ فَلَمَّا رَجَعَ اِسْتَقْبَلَهُ دَاعِيَ امْرَأَتِهِ فَاَجَابَ وَنَحْنُ مَعَهُ فَجِيْءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَأَكَلُوْا فَنَظَرْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوْكُ لُقْمَةً فِيْ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ تَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أَرْسَلْتُ إِلَى النَّقِيْعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيْهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرٰى لِيْ شَاةٌ فَلَمْ تُوْجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِيْ قَدِ اشْتَرٰى شَاةً أَنْ يُرْسِلَ بِهَا إِلَيَّ بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوْجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْعِمِيْ هٰذَا الطَّعَامَ الْأُسَارٰى. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ، وَالْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

**حوالہ:** البیهقی فی دلائل النبوة، ص۴۷۹ ج۶، ابوداود ص۴۷۲ ج۲، باب فی اجتناب الشبهات، کتاب البیوع والاجارات، حدیث ۳۳۳۲

**حل لغات:** جنازة (ج) جَنَائِزُ مردہ، جنازہ۔ یوصی اَوْصٰی (افعال) إِيْصَاءً وصیت کرنا، ہدایت دینا۔ الحافر کھودنے والا، حَفَرَ (ض) حَفْرًا کھودنا۔ اوسع (افعال) کشادہ کرو، امر حاضر۔ رِجْلَيْه تثنیہ (واحد) رِجْلٌ (ج) اَرْجُلٌ پیر۔ یلوك لَاكَ (ن) لَوْكًا اللُّقْمَةَ لقمہ کو ہلکے ہلکے چبانا۔ لقمة (ج) لُقَمٌ لقمہ، نوالہ۔ لَحْمٌ (ج) اَلْحَمٌ و لُحُوْمٌ گوشت، ارسلت اَرْسَلَ (افعال)

اِرْسَالًا بھیجنا۔ النَّقِیع ایک جگہ کا نام ہے۔ یُبَاع مضارع مجہول، بَاعَ (ض) بَیْعًا بیچنا۔ الغنم (ج) اَغْنَامٌ وغُنُومٌ بکری۔ یشتری اِشْتَرَی (افعال) اِشْتِرَاءٌ خریدنا۔ جَار (ج) جِیْرَانٌ پڑوسی، ہمسایہ۔ ثمن (ج) اَثْمَانٌ قیمت۔ الاساری (واحد) اَسِیْرٌ قیدی۔

**ترجمہ:** حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں نکلے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ قبر کے پاس ہیں اور قبر کھودنے والے کو ہدایت دے رہے ہیں کہ اس کے پیروں کی طرف سے کشادہ کرو، اس کے سر کی جانب سے کشادہ کرو، جب آپؐ واپس تشریف لائے تو میت کی بیوی کی طرف سے دعوت دینے والا آپ کو ملا، آپؐ نے دعوت قبول فرمالی اور ہم آپؐ کے ساتھ تھے، تو کھانا آپؐ کے سامنے لایا گیا، آپؐ نے کھانے میں ہاتھ ڈالا، اور دوسرے لوگوں نے بھی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کھایا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا کہ آپ لقمہ کو اپنے دہنِ مبارک میں صرف چبا رہے ہیں، پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کو ایسی بکری کا گوشت پاتا ہوں جو مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہے، اس عورت نے یہ کہتے ہوئے ایک آدمی کو بھیجا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے ایک آدمی کو نقیع بستی کی طرف بکری خریدنے کے لیے بھیجا تھا، وہ ایسی بستی ہے جہاں بکریوں کی خرید وفروخت ہوتی ہے، لیکن بکری نہیں ملی، پھر میں نے اپنے پڑوسی کے پاس بھیجا جس نے ایک بکری خریدی تھی کہ قیمت لے کر اسے بھیج دے تو وہ پڑوسی نہیں ملا، پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا، اس نے وہ بکری میرے پاس بھیج دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ (ابوداود، البیہقی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں بھی آپؐ کے ایک معجزہ کا ذکر ہے کہ گوشت منہ میں جاتے ہی آپؐ نے سمجھ لیا کہ یہ بکری مالک کی اجازت کے بغیر ذبح ہوئی اور یہ مال مغصوب کے حکم میں ہے، بعد میں تحقیق سے ثابت ہوگیا معاملہ ویسا ہی تھا، جیسا آپؐ نے سمجھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** داعی امراته ابوداود میں "امرأة" ہے، اور اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے، مطبوعہ میں بھی اور قلمی میں بھی، لیکن مشکوۃ میں "امرأته" ضمیر کے ساتھ ہے، یعنی اس میت کی زوجہ جس کو دفنا کر آپؐ واپس آرہے تھے، جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے اس کی شرح کی ہے، اگر یہ لفظ اسی طرح ہے جس طرح مشکوۃ میں تو پھر اس پر یہ اشکال ہے کہ ہمارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اہلِ میت کی طرف سے ضیافت درست نہیں، اس لیے کہ ضیافت تو کسی مسرت کے موقع پر مشروع ہے نہ کہ رنج اور صدمہ کے موقع پر، اور آپؐ کا ضیافت کو قبول فرمانا دلالت کرتا ہے اس کے جواز پر، تو اولاً تو اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ مشکوۃ میں یہ روایت ابوداود کی ہے اور ابوداود کے کسی بھی نسخہ میں موجودہ نسخوں میں سے "داعی امرأته" نہیں ہے، ثانیاً ہوسکتا ہے یہ واقعہ نہی سے قبل کا ہو اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا عمل بیانِ جواز کے لیے تھا، اس لیے کہ اہلِ میت کی طرف سے ضیافت مکروہ ہے، حرام نہیں۔ اطعمیه الاساری یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو، یا تو اس لیے کہ وہ اکثر فقیر ہوتے ہیں اور یا اس لیے کہ وہ کافر تھے، اُن کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (الدر المنضود)

## حدیث نمبر ۲۷۴۴ ﴿لاغر بکری میں دودھ آنے کا معجزہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۴۳

وَعَنْ حِزَامِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ حُبَيْشِ بْنِ خَالِدٍ وَهُوَ أَخُو أُمِّ مَعْبَدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ أُخْرِجَ مِنْ مَكَّةَ خَرَجَ مُهَاجِرًا إِلَى الْمَدِيْنَةِ هُوَ وَأَبُوْبَكْرٍ وَمَوْلَى أَبِي بَكْرٍ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَدَلِيْلُهُمَا عَبْدُ اللّٰهِ اللَّيْثِيُّ مَرُّوْا عَلَى خَيْمَتَيْ أُمِّ مَعْبَدٍ فَسَأَلُوْهَا لَحْمًا وَتَمْرًا لِيَشْتَرُوْا مِنْهَا فَلَمْ يُصِيْبُوْا عِنْدَهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ وَكَانَ الْقَوْمُ مُرْمِلِيْنَ مُسْنِتِيْنَ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى

شَاةٍ فِيْ كَسْرِ الْخَيْمَةِ فَقَالَ مَا هٰذِهِ الشَّاةُ يَا أُمَّ مَعْبَدٍ قَالَتْ شَاةٌ خَلَّفَهَا الْجُهْدُ عَنِ الْغَنَمِ قَالَ هَلْ بِهَا مِنْ لَبَنٍ قَالَتْ هِيَ أَجْهَدُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ أَتَأْذَنِيْنَ لِيْ أَنْ أَحْلِبَهَا قَالَتْ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ إِنْ رَأَيْتَ بِهَا حَلْبًا فَاحْلِبْهَا فَدَعَا بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ بِيَدِهٖ ضَرْعَهَا وَسَمَّى اللّٰهَ تَعَالٰى وَدَعَا لَهَا فِيْ شَاتِهَا فَتَفَاجَّتْ عَلَيْهِ وَدَرَّتْ وَاجْتَرَّتْ فَدَعَا بِإِنَاءٍ يُرْبِضُ الرَّهْطَ فَحَلَبَ فِيْهِ ثَجًّا حَتّٰى عَلَاهُ الْبَهَاءُ ثُمَّ سَقَاهَا حَتّٰى رَوِيَتْ وَسَقٰى أَصْحَابَهٗ حَتّٰى رَوَوْا ثُمَّ شَرِبَ آخِرُهُمْ ثُمَّ حَلَبَ فِيْهِ ثَانِيًا بَعْدَ بَدْءٍ حَتّٰى مَلَأَ الْإِنَاءَ ثُمَّ غَادَرَهٗ عِنْدَهَا وَبَايَعَهَا وَارْتَحَلُوْا عَنْهَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي الْاِسْتِيْعَابِ وَابْنُ الْجَوْزِيْ فِيْ كِتَابِ الْوَفَاءِ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

**حواله:** البغوی فی شرح السنة،ص۲۶۱،ج۱۳، باب جامع صفاته، کتاب الفضائل،حدیث۳۷۰۴

**حل لغات:** خَيْمَةٌ (ج) خَيْمَاتٌ وخِيَامٌ و خَيْمٌ بانس پھونس وغیرہ کا سایہ کے لیے بنایا ہوا گھر۔ لَمْ يُصِيْبُوْا، أَصَابَ (افعال)إِصَابَةَ الشَّيْءَ پانا، دستیاب ہونا۔ مُرْمِلِيْنَ، أَرْمَلَ (افعال) إِرْمَالًا بے توشہ ہوجانا، غریب ہونا۔ مُسْنِتِيْنَ، أَسْنَتَ (افعال) إِسْنَاتًا قحط میں مبتلا ہونا۔ كَسِيْرٌ (ج) كُسُوْرٌ جز،ٹکڑا،حصہ۔ خَلَّفَهَا (تفعیل) تَخْلِيْفًا پیچھے چھوڑنا،مؤخر کرنا۔ اَلْجُهْدُ کمزوری،تھکاوٹ۔ أَتَأْذَنِيْنَ، أَذِنَ (س) إِذْنًا حکم دینا،حکم کرنا۔ أَحْلِبَهَا، حَلَبَ (ن) حَلْبًا اللَّبَنَ دودھ دوہنا۔ تَفَاجَّتْ، تَفَاجَّ (تفاعل) تَفَاجُجًا درمیانی کشادگی والا ہونا۔ دَرَّتْ دَرَّ (ن) دَرًّا خوب دودھ دینا۔ اِجْتَرَّتْ، اِجْتَرَّ (افتعال) اَلْبَعِيْرُ اونٹ کا جگالی کرنا۔ يُرْبِضُ ، أَرْبَضَ (افعال) إِرْبَاضًا شکم سیر ہونا۔ ثَجًّا ثَجَّ (ض) ثَجًّا الْمَاءَ پانی کا گرنا۔ عَلَاهُ عَلَا (ن) عُلُوًّا بلند کرنا،اوپر کرنا۔ اَلْبَهَاءُ جھاگ۔ رَوِيَتْ (س) رَيًّا و رِوًى سیراب ہونا، پیاس بجھنا۔ غَادَرَهٗ (مفاعلة) مُغَادَرَةً چھوڑنا۔ بَايَعَهَا بَايَعَهٗ فُلَانًا (مفاعلة) مُبَايَعَةً بیعت کرنا۔ وَارْتَحَلُوْا، اِرْتَحَلَ (افتعال) اِرْتِحَالًا کوچ کرنا،روانہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت حزام بن ہشام اپنے والد سے اور وہ حزام کے دادا حبیش بن خالد سے روایت کرتے ہیں جو کہ ام معبد کے بھائی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑنے کا حکم ہوا تو آپؐ ابوبکرؓ، ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ اور ان کے رہنما عبداللہ اللیثی مدینہ کی طرف ہجرت کے ارادہ سے چلے، ان کا گذر ام معبد کے خیموں کے پاس سے ہوا، انھوں نے ان سے گوشت اور کھجوروں کے بارے میں پوچھا تاکہ ان سے خرید لی جائیں، لیکن ان کو وہاں ان میں سے کوئی چیز نہ ملی۔ لوگ فاقہ زدہ اور قحط کے مارے ہوئے تھے، اچانک حضورؐ کی نظر ایک بکری پر پڑی جو خیمے کی ایک جانب تھی آپؐ نے پوچھا اس بکری کو کیا ہوا، اے ام معبد! انھوں نے جواب دیا کہ دبلی ہونے کی وجہ سے یہ بکری ریوڑ میں نہیں جاتی آپؐ نے پوچھا کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ ام معبد نے کہا جس مصیبت میں یہ مبتلا ہے اس میں یہ دودھ کہاں سے دے گی، آپؐ نے فرمایا کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں؟ ام معبد نے کہا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں اگر آپؐ کو اس تھنوں میں دودھ نظر آئے تو شوق سے نکال لیں۔ رسول اللہؐ نے بکری منگوائی اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ پڑھی اور برکت کی دعا کی، بکری نے اپنے پاؤں دودھ کے لیے پھیلا دیئے اور جگالی کرنے لگی آپؐ نے اتنا بڑا برتن منگوایا جو بہت سے لوگوں کو سیراب کردے اور اس میں دودھ دوہا جو لبالب بھر گیا اور اس کے اوپر جھاگ آگئے پھر وہ دودھ ام معبد کو پلایا یہاں تک کہ وہ سیر ہوگئی اور اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ وہ بھی سیر ہوگئے، پھر سب سے آخر میں آپؐ نے پیا، پھر تھوڑی دیر بعد آپؐ نے دوبارہ دودھ نکالا یہاں تک کہ برتن لبریز ہوگیا، آپؐ نے وہ دودھ ام معبد کے پاس چھوڑ دیا اور ام معبد کو بیعت کیا اور وہ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں اور ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اور ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں اور حدیث میں ایک واقعہ ہے۔

**خلاصۂ حدیث** سفر ہجرت کے موقع پر آپ غارِ ثور سے نکل کر چلے، ام معبد کے مسکن پر پہنچے، ان کا اصلی نام عاتکہ بنت خالد خزاعیہ ہے، یہ ایک نہایت نیک، مہمان نواز اور بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھیں، مسافروں اور راہ گیروں کی کھانے پینے کی ضروریات پوری کرتی تھیں، آپ کو اور صدیق اکبرؓ کو اتفاقاً کھلانے پلانے کے لیے ان کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا، آپ نے ایک لاغر اور خشک تھنوں والی بکری کے تھنوں سے دودھ دوہا، دودھ اس کثرت سے ہوا کہ سب لوگ سیراب بھی ہوئے اور ام معبد کے برتن بھی دودھ سے بھر گئے، اس حدیث میں جس قصہ کی طرف اشارہ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب شام کو اُن کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر واپس آئے تو دیکھا برتن دودھ سے بھرا ہوا ہے، بہت تعجب سے دریافت کیا اے ام معبد! یہ دودھ کہاں سے آیا؟ ام معبد نے کہا آج یہاں سے ایک مردِ مبارک گذرے، خدا کی قسم یہ سب اسی کی برکت ہے اور تمام واقعہ بیان کیا، ابو معبد نے کہا ذرا اُن کا کچھ حال تو بیان کرو، ام معبد نے آپ کا حلیہ مبارک اور خداداد عظمت وجلال کا نقشہ کھینچ دیا، جو بالتفصیل مستدرک میں موجود ہے، ابو معبد بولے میں سمجھ گیا واللہ یہ وہی قریش والے آدمی ہیں، جن کے اوصاف میں مکہ میں سن چکا ہوں، میں بھی ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور ان کی صحبت سے شرفیاب ہوں گا۔ (ملخص مرقات، جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** خلفها الجهد کمزوری کی وجہ سے باقی بکریوں سے پیچھے رہ گئی۔ هي اجهد من ذلك ذرا سا بھی دودھ دینے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ تفاجت دودھ دینے کے لیے دونوں ٹانگوں کو کھول دیا، جیسا کہ دودھ والے جانوروں کی عادت ہوتی ہے کہ دوہے جانے کے وقت اپنے دونوں پاؤں پھیلا دیتے ہیں۔ آپ کی برکت سے دودھ آیا یہ آپ کا معجزہ ہے۔

## باب الکرامات
## (کرامات کا بیان)

کرامات (واحد) کَرَامَۃٌ عزت دار ہونا، سخی ہونا۔ اصطلاح میں کرامت اُس خارقِ عادت امر کو کہتے ہیں جو کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو بغیر دعویٰ نبوت کے، کرامت ولی کے ارادہ واختیار سے بھی ظاہر ہو سکتی ہے اور بغیر اختیار کے بھی رونما ہو سکتی ہے۔ اس باب کے تحت صاحب کتاب نے بارہ حدیثیں نقل کی ہیں، جن میں صحابہؓ کی کرامتوں کا ذکر ہے، صحابہ کرامؓ سب کے سب ولی ہیں اور ان سے کرامتوں کا ظہور اُن کی فضیلت کی دلیل ہے۔

**خارقِ عادت امور کی قسمیں:** خارقِ عادت امور کی چار قسمیں ہیں۔ اس لیے کہ امر خارق عادت اگر مدعی نبوت کے ہاتھ پر اس کے منشا کے مطابق ظاہر ہو تو معجزہ ہے۔ اور اگر ولی سے صادر ہو جو کہ مدعی نبوت نہ ہو تو وہ کرامت ہے۔ اور اگر عام مومن سے صادر ہو تو معونت ہے اور اگر فاسق وفاجر سے یا ملحد وکافر سے صادر ہو تو مکر واستدراج ہے، بعض لوگوں نے ایک اور قسم بیان کی ہے وہ یہ کہ امر خارق عادت مدعی نبوت سے اس کے منشا کے خلاف ظاہر ہو جس کا نام اہانت ہے۔ جیسے مسیلمہ کذاب نے ایک کانے شخص کے لیے دعا کی کہ اس کی آنکھ درست ہو جائے تو جو آنکھ صحیح تھی وہ بھی ضائع ہو گئی۔ ایسا امر خارق عادت جھوٹے مدعی نبوت کی تکذیب کے لیے ہوتا ہے۔ تمام اہلِ حق کراماتِ اولیا کو جائز اور ثابت مانتے ہیں اور معتزلہ انکار کرتے ہیں۔ وجہ انکار اور اس کا جواب آگے آ رہا ہے۔ اہلِ حق کرامات اولیا کے ثبوت کی دلیل میں وہ خوارق عادت امور پیش کرتے ہیں جن کا صحابہؓ اور ان کے بعد کے صالحین امت سے صادر ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اگر چہ جزئی واقعات اخبارِ آحاد سے ثابت ہیں، لیکن ان کا قدر مشترک یعنی خارق عادت کا ظہور متواتر ہے۔ نیز بعض صالحین سے خوارقِ عادت کے ظہور کو خود قرآن نے بھی بیان کیا ہے۔ جیسے کہ حضرت مریمؑ کا قصہ جو اپنے خالو حضرت زکریاؑ کی

کفالت میں تھیں کہ حضرت زکریا انھیں اپنے حجرہ میں بند کر جاتے اور جب واپس آتے تو دیکھتے کہ حضرت مریم کے پاس بے موسم کی کھانے پینے کی چیزیں موجود ہیں، حضرت زکریا علیہ السلام تعجب سے پوچھتے کہ تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟ تو حضرت مریم فرماتیں کہ اللہ کے پاس سے آئیں ہیں۔ اسی طرح قرآن نے تخت بلقیس کو سیکڑوں میل کی دوری کے باوجود پلک جھپکنے سے پہلے آصف بن برخیا کے حاضر کردینے کو بیان کیا اور جب اولیا سے کرامات کا وقوع ثابت ہے، تو اب امکان ثابت کرنے کی کوئی حاجت نہیں کیوں کہ جو چیز ممکن ہوتی ہے وہی واقع ہوتی ہے۔

اکثر معتزلہ نے جو کرامات اولیا کے منکر ہیں یہ دلیل پیش کی کہ نبی کو غیر نبی سے ممتاز کرنے والی چیز معجزہ یعنی امر خارق عادت کا اس سے ظاہر ہونا ہے، پس اگر اولیا سے امر خارق عادت کا ظہور ممکن ہو جسے کرامت کہا جاتا ہے تو کرامت کے معجزہ ہونے کا شبہ ہوگا؛ کیوں کہ دونوں خارقِ عادت امر ہیں اور جب کرامت کے معجزہ ہونے کا شبہ ہوگا تو صاحب کرامت یعنی ولی کے صاحب معجزہ ہونے یعنی نبی ہونے کا شبہ پیدا ہوگا، ایسی صورت میں نبی غیر نبی سے ممتاز نہ ہوگا اور غیر نبی کو لوگ نبی سمجھ بیٹھیں گے، اور گمراہ ہوں گے جس سے نبی کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ معتزلہ کی اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا کہ جو امر خارق عادت ولی سے صادر ہوگا وہ اس ولی کی کرامت ہے اور جس نبی کا وہ امتی ہے اس نبی کا معجزہ ہے۔ کیوں کہ اس کے ہاتھ پر امر خارق عادت کا ظاہر ہونا اس نبی کی اتباع کی برکت سے ہے، حتی کہ اگر وہ شخص امر خارقِ عادت کے اظہار میں اپنے مستقل بالذات ہونے اور نبی کی اتباع نہ کرنے کا دعویٰ کرے تو وہ شخص ولی نہ ہوگا۔ اور اس شخص کے ہاتھ پر کرامت ظاہر نہ ہوگی بلکہ جو امر خارق عادت ظاہر ہوگا، وہ مکر و استدراج کہلائے گا، نیز کرامت کے معجزہ ہونے کا شبہ اس وجہ سے بھی نہیں ہوسکتا کہ کرامت جس شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے وہ مدعی نبوت نہیں ہوتا، برخلاف معجزہ کے کہ وہ مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والا خارقِ عادت امر ہے۔

**معجزہ ظاھر کرنے اور کرامت ظاھر کرنے والے میں فرق:** نبی اور صاحب کرامت یعنی ولی کے درمیان تین فرق ہیں: (۱) نبی کے لیے اپنے نبی ہونے کا علم ضروری ہے برخلاف ولی کے کہ اس کے لیے اپنے ولی ہونے کا علم ضروری نہیں۔ (۲) نبی کا اظہارِ خوارق کا ارادہ کرنا بھی ضروری ہے، یعنی معجزہ کا ظہور اس کے ارادہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے، برخلاف ولی کے کہ اس کے لیے اظہارِ خوارق کا ارادہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ اخفا ضروری ہے مگر کسی ضرورت و مجبوری میں۔ (۳) نبی کا قطعی طور پر معجزات کے مقتضی یعنی اپنی سچائی کا فیصلہ کرنا ضروری ہے، برخلاف ولی کے کہ اس کے لیے اپنی کرامت کا مقتضی یعنی اپنی ولایت کا قطعیت کے ساتھ فیصلہ ضروری نہیں۔ (بیان الفوائد)

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۲۷۴۵ ﴿لاٹھیوں میں روشنی پیدا ھونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۴۴**

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَعَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ تَحَدَّثَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ حَاجَةٍ لَهُمَا حَتّٰى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ فِيْ لَيْلَةٍ شَدِيْدَةِ الظُّلْمَةِ ثُمَّ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَنْقَلِبَانِ وَبِيَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عُصَيَّةٌ فَأَضَاءَتْ عَصَى أَحَدِهِمَا لَهُمَا حَتّٰى مَشَيَا فِيْ ضَوْئِهَا حَتّٰى إِذَا افْتَرَقَتْ بِهِمَا الطَّرِيْقُ أَضَاءَتْ لِلْآخَرِ عَصَاهُ فَمَشٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيْ ضَوْءِ عَصَاهُ حَتّٰى بَلَغَ أَهْلَهُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۷ ج ۱، باب منقبۃ اسید بن حضیر وعباد بن بشر، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۰۵

**حل لغات:** تحدثا (تفعل) تَحَدُّثًا بولنا، گفتگو کرنا۔ حاجۃ (ج) حَاجَات ضرورت۔ الظلمۃ (ج) ظُلُمَاتٌ اندھیری،

تاریکی۔ ینقلبان اِنْقَلَبَ (انفعال) لوٹنا، واپس ہونا۔ عصیة چھوٹی لاٹھی۔ أَضَاءَ ت (افعال) اِضَاءَ ۃً روشن ہونا۔ عصا (ج) عِصِیٌّ واَعْصٍ لاٹھی۔ مشیا مشیٰ (ض) مَشْیَۃً چلنا، پیدل چلنا۔ ضَوْءٌ (ج) اَضْوَاءٌ روشنی۔ افترقت (افتعال) اِفْتِرَاقًا جدا ہونا، الگ ہونا۔ بَلَغَ (ن) بُلُوْغًا پہنچنا۔

**ترجمه:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت اُسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر اپنی کسی ضرورت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہے تھے، یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گذر گیا اور وہ سخت اندھیری رات کا حصہ تھا، پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکل کر واپس ہوئے تو ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھوٹی لاٹھی تھی، تو اُن میں سے ایک کی لاٹھی دونوں کے لیے روشن ہوگئی، چنانچہ وہ دونوں اس کی روشنی میں چلتے رہے، یہاں تک کہ جب دونوں کے راستے جدا ہوئے تو دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہوگئی، تو اُن میں سے ہر ایک اپنی لاٹھی کی روشنی میں چلا، یہاں تک کہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گیا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں دو صحابہؓ کی آپؐ سے لمبی گفتگو کا ذکر ہے، یہ گفتگو انتہائی تاریک رات میں مسجد نبوی کے اندر ہوئی، اسی لیے اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الصلاۃ میں بھی ذکر کیا ہے، یہ لوگ جب واپس ہونے لگے تو اللہ نے روشنی کا یہ انتظام فرمادیا کہ اُن میں سے ایک کا عصا روشنی دینے لگا، دونوں اطمینان کے ساتھ راستہ طے کرتے رہے، چلتے چلتے جب ایسے موڑ پر پہنچے جہاں سے دونوں کا راستہ الگ الگ ہو رہا تھا، تو دوسرے کا بھی عصا چراغ کی طرح منور ہوگیا اور دونوں اپنے گھر پہنچنے تک اس روشنی سے مستفید ہوتے رہے، جب تک ایک لاٹھی کی روشنی سے کام چلتا رہا دوسری روشن نہیں ہوئی، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسراف جائز نہیں ہے۔ یہاں سے اُس حدیث کا مطلب بھی سمجھ میں آ گیا جو ابوداود میں ہے "عن بریدة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامة" حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تاریکیوں میں مسجد کی طرف جانے کا اہتمام کرنے والوں کو قیامت کے دن نورِ تام کی بشارت سنادو۔ (ابوداود، ص۸۳ ج۱) معلوم ہوا کہ جماعت میں شرکت ایک امر محبوب ہے، جو لوگ تاریکیوں سے بے پرواہ ہو کر جماعت کا اہتمام کریں گے تو قیامت میں یہ تاریکی نورِ تام سے بدل جائے گی، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ روشنی موجود ہو تب بھی اس کو ساتھ نہ لیں اور اندھیرے ہی میں خطرات کو انگیز کرتے ہوئے راستہ طے کریں، بلکہ روشنی ساتھ رکھنا دنیا کی تاریکی کو آخرت میں نورِ تمام سے بدلنے میں مانع نہیں ہے۔ اگر مانع ہوتا تو مسجد سے لوٹتے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِن صحابہؓ کے لیے روشنی کا انتظام نہ ہوتا۔ اس روایت سے دو صحابہؓ کی کرامت ثابت ہوتی ہے اور یہ ان کی ولایت وفضیلت کی دلیل ہے؛ کیوں کہ کرامت ہر آدمی کے ہاتھ سے ظاہر نہیں ہوتی، اللہ کے مقبول بندوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے۔ (مرقات، ایضاح البخاری، عمدۃ القاری)

**کلماتِ حدیث کی تشریح** حتی بلغ اهله یہ دونوں حضرات حضورؐ کی مجلس سے اٹھ کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں نور عطا فرمادیا اور اس کی روشنی میں اپنے گھر پہنچ گئے، اکثر لوگوں نے اس کو مذکورہ صحابہ کی کرامت قرار دیا ہے، لیکن مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ یہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ آپؐ کے پاس سے جانے لگے تو آپ کی برکت سے تاریک رات میں نور مل گیا۔ (انعام الباری)

## حدیث نمبر ٢٧٤٦ ﴿اپنی شہادت کی اطلاع دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ٥٩٤٥

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ لَمَّا حَضَرَ أُحُدٌ دَعَانِيْ أَبِيْ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ مَا أُرَانِيْ إِلَّا مَقْتُوْلًا فِيْ أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّيْ لَا أَتْرُكُ بَعْدِيْ أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِأَخَوَاتِكَ خَيْرًا فَأَصْبَحْنَا فَكَانَ أَوَّلَ قَتِيلٍ وَدَفَنْتُهُ مَعَ آخَرَ فِي قَبْرٍ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۸۰ ج ۱، باب هل يخرج الميت من القبر واللحد لعلة، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۵۱

**حل لغات:** مقتولا اسم مفعول، قتل کردہ، ہلاک شدہ، قَتَلَ (ن) قَتْلاً قتل کرنا، مارڈالنا۔ لا اترك تَرَكَ (ن) تَرْكًا چھوڑنا، ترک کرنا۔ اعز اسم تفضیل زیادہ عزیز۔ دین (ج) دُيُوْنٌ قرض۔ اقض امر حاضر قضیٰ (ض) قَضَاءً پورا کرنا، ادا کرنا۔ استوص امر حاضر اِسْتَوْصَى (استفعال) اِسْتِيْصَاءً کسی کے بارے میں کسی کی وصیت قبول کرنا، حکم ماننا۔ دفنته دَفَنَ (ض) دَفْنًا الشيءَ دفن کرنا، چھپانا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوۂ احد کا وقت آیا تو میرے والد نے رات میں مجھے بلایا اور کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ پیغمبرؑ کے جو ساتھی سب سے پہلے شہید ہوں گے، میں انھیں کے ساتھ شہید کر دیا جاؤں گا، اپنے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تم سے زیادہ کوئی عزیز نہیں، میرے اوپر قرض ہے اسے ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کا بھلائی کے ساتھ خیال رکھنا، صبح ہوئی تو وہ اولین مقتولین میں تھے اور میں نے اُن کو ایک دوسرے شہید کے ساتھ قبر میں دفن کیا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرت جابرؓ کے والد نے اپنی شہادت کی اطلاع اپنے بیٹے کو دی، یہ بات انھوں نے یا تو اپنے عزم کے پیش نظر کہی یعنی اُن کا عزم یہ تھا کہ مقتول ہونے تک مصروفِ قتال رہنا ہے، یا اس لیے کہی کہ حضورؐ کچھ صحابہؓ کے شہید ہونے کی پیشین گوئی کر چکے تھے، اس بارے میں حاکم نے مستدرک میں واقدی سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت جابرؓ کے والد نے شہیدِ بدر مبشر بن عبدالمنذر کو دیکھا جو خواب میں ان سے یہ کہہ رہے تھے کہ انھیں ایام میں تم ہمارے پاس آنے والے ہو، انھوں نے حضورؐ سے اس خواب کا ذکر کیا تو حضورؐ نے فرمایا "هذه شهادة" والد جابر نے مزید یہ کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھے سب سے زیادہ تم عزیز ہو، اس میں حضرت جابرؓ کے والد کی فضیلت ہے کہ انتہائی جذباتی موقع پر بھی پیغمبرؐ کے ساتھ قلبی لگاؤ اور آپؐ کے بارے میں دلی تفکرات اسی طرح تھے، جیسے معمول کے حالات میں ہوتے ہیں اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی نبی کا خیال سب سے مقدم تھا، حتی کہ اپنے اکلوتے فرزند سے بھی، پھر انھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ میرے اوپر قرض ہے اسے ادا کر دینا، نیز بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ صبح کو ایسا ہی ہوا، میرے والد شہید ہونے والے صحابہ کی اولین فہرست میں تھے، میرے والد اور ایک صاحب کو ایک قبر میں دفن کیا گیا، میری طبیعت اس طرح دوسرے کے ساتھ دفن پر مطمئن نہیں ہوئی اور میں نے چھ ماہ بعد اُن کو اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کر دیا، اس وقت وہ ایسے تھے جیسے میں نے ان کو آج ہی دفن کیا ہو، معلوم ہوا کہ کسی مناسب سبب سے قبر کھودنا اور میت کو نکالنا جائز ہے یہاں سبب حضرت جابرؓ کا قلبی رجحان ہے۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** اول من يقتل حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ نے رات میں جو کہا صبح وہ پورا ہوا، یہی اُن کی کرامت ہے۔ علی دینا حضرت جابرؓ نے آپؐ سے اس قرض کا ذکر کیا اور یہ قرض آپؐ کی معجزانہ شان سے ادا ہوا۔ اس کی تفصیل عالمی حدیث ۵۹۰۶ میں گذر چکی ہے۔ واستوص باخواتك حضرت جابرؓ نے والد کی وصیت کے مطابق اپنی بہنوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا، حتی کہ کنواری لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کی بلکہ ثیبہ اور بڑی عمر کی عورت سے شادی کی، تاکہ وہ بھی بہنوں کی خدمت کر سکے، حضرت جابرؓ کی نو بہنیں تھیں۔ ودفنته مع آخر حضرت جابرؓ نے اپنے والد کو حضرت عمرو بن الجموحؓ کے ساتھ دفن کیا تھا، جو ان کے والد کے دوست اور ان کے بہنوئی تھے، ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک

قبر میں دو آدمیوں کو دفن کرنا جائز ہے۔

**حدیث نمبر ۲۷۴۷ ﴿حضرت ابوبکرؓ کی کرامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۴۶**

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍؓ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّةِ کَانُوْا اُنَاسًا فُقَرَاءَ وَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ عِنْدَهٗ طَعَامُ اثْنَیْنِ فَلْیَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَمَنْ کَانَ عِنْدَهٗ طَعَامُ اَرْبَعَةٍ فَلْیَذْهَبْ بِخَامِسٍ اَوْ سَادِسٍ وَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرَةٍ وَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ تَعَشّٰی عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَتّٰی صُلِّیَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتّٰی تَعَشّٰی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضٰی مِنَ اللَّیْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ قَالَتْ لَهٗ اِمْرَأَتُهٗ مَا حَبَسَكَ عَنْ اَضْیَافِكَ قَالَ اَوَمَا عَشَّیْتِیْهِمْ قَالَتْ اَبَوْا حَتّٰی تَجِیْءَ فَغَضِبَ وَقَالَ وَاللّٰهِ لَا اَطْعَمُهٗ اَبَدًا فَحَلَفَتِ الْمَرْأَةُ اَنْ لَا تَطْعَمَهٗ وَحَلَفَ الْاَضْیَافُ اَنْ لَا یَطْعَمُوْهُ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ کَانَ هٰذَا مِنَ الشَّیْطَانِ فَدَعَا بِالطَّعَامِ فَاَکَلَ وَاَکَلُوْا فَجَعَلُوْا لَا یَرْفَعُوْنَ لُقْمَةً اِلَّا رَبَتْ مِنْ اَسْفَلِهَا اَکْثَرُ مِنْهَا فَقَالَ لِامْرَأَتِهٖ یَا اُخْتَ بَنِیْ فِرَاسٍ مَا هٰذَا قَالَتْ وَقُرَّةِ عَیْنِیْ اِنَّهَا الْاٰنَ لَاَکْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِثَلَاثِ مِرَارٍ فَاَکَلُوْا وَبَعَثَ بِهَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذُکِرَ اَنَّهٗ اَکَلَ مِنْهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَذُکِرَ حَدِیْثُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ کُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ فِی الْمُعْجِزَاتِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۰۶ ج ۱، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، کتاب المناقب، حدیث ۳۵۸۱، مسلم، ص ۱۸۵ ج ۲، باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ، کتاب الاشربۃ، حدیث ۲۰۵۷۔

**حل لغات:** الصفة سائبان، چھپر، گھاس پھوس وغیرہ کی چھت۔ اُنَاسًا (واحد) اِنْسَانٌ انسان، لوگ۔ تعشی (تفعل) تَعَشِّیًا رات کا کھانا کھانا۔ لبث (س) لَبْثًا ٹھہرنا، رکنا۔ غضب (س) غَضْبًا غصہ ہونا۔ حلف (ض) حَلْفًا قسم کھانا۔ الاضیاف (واحد) ضَیْفٌ مہمان۔ ربت رَبَا (ن) رُبُوًّا بڑھنا۔ اسفل اعلیٰ کی ضد ہے، فروتر، نیچا، مراد وہ جگہ جہاں سے کھانا لیا جا رہا تھا۔ قرة وہ چیز جس سے آنکھ کو ٹھنڈک حاصل ہو۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ اصحاب صفہ مفلس وغریب لوگ تھے (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو کا کھانا ہے وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہے وہ پانچ یا چھ کو لے جائے اور ابوبکرؓ تین کو لے گئے اور حضورؐ دس کو لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے رات کا کھانا حضورؐ کے ہاں کھایا اور آپؐ ہی کی خدمت میں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ عشا کی نماز پڑھی گئی (نماز پڑھ کر بھی) آپؐ کے ساتھ گھر واپس آ کر ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ آپؐ نے رات کا کھانا کھایا، پھر رات کا کافی حصہ گذرنے کے بعد ابوبکرؓ اپنے گھر واپس لوٹے، تو ان سے ان کی بیوی نے کہا کس چیز نے آپؐ کو اپنے مہمانوں سے روکے رکھا؟ (آپ کے مہمان آپ کے انتظار میں ہیں) حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیا تم نے ابھی تک ان کو کھانا نہیں کھلایا، ان کی بیوی نے کہا کہ انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ آپ آ جائیں، حضرت ابوبکرؓ غضبناک ہو گئے اور کہا اللہ کی قسم! میں اس کھانے کو کبھی نہیں کھاؤں گا، ان کی بیوی نے بھی قسم کھالی کہ وہ بھی کھانا نہیں کھائیں گی اور مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ وہ بھی کھانا نہ کھائیں گے (اس کے بعد) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا (یہ غصہ اور قسم کھانا) شیطان کی طرف سے تھا، آپؓ نے کھانا منگوایا اور کھایا اور مہمانوں نے بھی کھایا، جب بھی وہ کوئی لقمہ اٹھاتے تو اس کی جگہ کھانا اور بڑھ جاتا، حضرت ابوبکرؓ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یہ اب پہلے سے تین گنا زیادہ ہے، پس ان سب نے کھایا اور حضورؐ کے پاس بھی بھیجا، بیان کیا جاتا

ہے کہ حضورؐ نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔ (بخاری ومسلم) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کنا نسمع تسبیح الطعام باب المعجزات میں گذر چکی ہے۔



**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایثار کا تقاضہ ہے کہ اپنے کھانے میں کسی کو شریک کرلیا جائے، ایک دوفرد اگر بڑھ گئے تو کفایت ہو جائے گی، اس حدیث میں صدیق اکبرؓ کے گھر میں غیر معمولی برکت کے ظہور کا ذکر ہے، یہ صدیقِ اکبرؓ کی کرامت تھی، احادیث میں عشاء بعد گفتگو کی ممانعت ہے، لیکن یہاں سے معلوم ہوا، اگر معاشرت کے سلسلے کی ضرورت ہو مثلاً اہل وعیال سے گفتگو کی ضرورت ہے، یا مہمان آگئے اور ان کے لیے نظم کرنا ہے، یا ان سے بات چیت کرنا ہے تو اس کی اجازت ہے۔ اس سلسلے کی بنیادی بات یہ ہے کہ رات کی یا عشاء کے بعد کی گفتگو سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز صبح کے وقت میں ادا کرنے میں دشواری نہ ہو، انسان فضول باتوں اور بیہودہ قصوں میں اس طرح منہمک ہوتا ہے کہ ساری رات گذر جاتی ہے، نہ نیند آتی ہے نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ رات کب گذر گئی، لیکن اگر علمی گفتگو ہو، خیر کے کام ہوں یا اہل وعیال یا مہمان سے گفتگو یا ضروریات کی فراہمی ہو، تو ان چیزوں میں نہ وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور نہ دیر تک کام ہوتا ہے، نہ اتنا انہاک ہوتا ہے کہ ساری رات گذر جائے اور خبر نہ ہو، اس لیے شریعت نے ان چیزوں کی اجازت دی اور جاہلیت کے انداز پر "سمر" (قصہ گوئی) سے منع فرمادیا۔ اس بنیاد پر رات کے طویل وقصیر ہونے کا فرق بھی کیا جاسکتا ہے، منشاء یہی ہے کہ عشاء کے بعد کی گفتگو سے فجر کی نماز کی جماعت کی ادائیگی میں فرق نہ پڑنا چاہئے۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان اصحاب الصفة كانوا أناسا فقراء حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ نادار لوگ تھے، ان کا نہ گھر تھا نہ در، نہ ان کے پاس کسی طرح کا ساز وسامان تھا، یہ اس دور کے طلبہ ہیں، پہلے تو یہ حضرات مسجد نبوی میں رہا کرتے تھے، بعد میں حضورؐ نے ان کے لیے مسجد نبوی سے متصل ایک چبوترہ بنوا دیا تھا اور اس پر سائبان ڈال دیا گیا تھا۔ صفہ چونکہ چبوترے کو کہتے ہیں، اس لیے ان حضرات کو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا۔ صفہ کی جگہ بعد میں مسجد نبوی کے اندر آگئی، لیکن اس کو سطح زمین سے اونچا کر کے ممتاز کر دیا گیا ہے، یہ جگہ تنگ ہے، جب کہ اصحابِ صفہ کی تعداد ایک وقت میں ستر بلکہ کبھی کبھی اس سے بھی زائد رہی ہے، یہ تعداد کم وبیش ہوتی رہتی تھی، یعنی اگر کوئی آکر شریک ہوگیا تو تعداد بڑھ گئی، کوئی سفر میں چلا گیا، یا کسی نے نکاح کرلیا یا کسی کا انتقال ہوگیا تو تعداد گھٹ گئی، ان لوگوں کے لیے باقاعدہ خورد ونوش کا انتظام نہیں تھا، بسا اوقات پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ان کے لیے مسلمانوں کو متوجہ فرماتے تھے کہ جس کے باغ میں کھجوریں یا انگور ہوں تو وہ اپنی پیداوار میں سے ان طلبہ کے لیے بھی خوشے دے اور مسجد نبوی میں لاکر لٹکا دے وغیرہ۔ اسی طرح کی ایک بات اس روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ایک دن ان طلبا کے لیے صحابہ کرامؓ کو توجہ دلائی اور فرمایا کہ جس کے یہاں دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ اصحاب صفہ میں سے ایک تیسرے فرد کو لے جائے کہ دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے کافی ہوگا اور اگر کسی کے گھر چار آدمیوں کا کھانا ہے یعنی گھر کے افراد چار ہیں تو وہ پانچواں یا چھٹا ہمارا مہمان لے جائے، اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ گھر کے افراد چار ہوں تو پانچواں اور پانچ ہوں تو چھٹا مہمان ہمارا لے جائے۔ گویا یہاں حذف ماننا ہوگا۔ وان كان عنده طعام خمس فليذهب بسادس اس صورت میں ہر گھر میں ایک کا اضافہ فرمایا، گویا گھر کے افراد کتنے ہی ہوں لیکن سب کو برابر رکھا اور اضافہ صرف ایک فرد کا کیا اور ہوسکتا ہے کہ معنی یہ ہوں کہ جس کے یہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو اس کو اختیار ہے کہ ایک فرد کو لے جائے تاکہ بار کم پڑے یا دو فرد کو لے جائے کہ بار تو ہوگا، لیکن جب دو آدمیوں کے کھانے میں تیسرے کا اضافہ فرمایا تو اسی تناسب سے چار آدمیوں کے کھانے میں دو کا اضافہ کیا گیا اور یہ کہ آپ نے ان حضرات سے کھانا لانے کے لیے نہیں فرمایا بلکہ حکم یہ ہے کہ اصحاب ثروت اپنی اپنی گنجائش کے مطابق اپنے ساتھ کھلائیں تاکہ عزت وتوقیر میں اصحاب صفہ کے ساتھ اہل خانہ جیسا معاملہ کیا

جائے اور انھیں گھر کے افراد کی طرح سمجھا جائے۔ وان ابابکر جاء بثلاثة الخ عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ اپنے ساتھ تین افراد کو لائے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم دس افراد کو لے گئے، پھر وہ اپنے اہل خانہ کی تعداد بتاتے ہیں کہ ایک میں تھا، دوسرے میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے اور تیسری میری والدہ تھیں، پھر نیچے کے راوی ابوعثمان کہتے ہیں کہ یہ مجھے یاد نہیں رہا کہ عبدالرحمٰن نے اپنے گھر کے افراد میں اپنی اہلیہ اور ایک خادم کا بھی ذکر کیا تھا یا نہیں جو ان کے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر کی خدمت کرتا تھا، مطلب یہ ہے کہ ان آخری دو افراد کا ذکر نہیں تھا تو گھر میں صرف تین نفر تھے اور اگر ان کا بھی ذکر کیا تھا تو گھر کے افراد کی تعداد پانچ تھی، بہر حال گھر کے افراد کتنے بھی ہوں صدیق اکبرؓ تین مہمانوں کو لے گئے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے حوالہ کر دیا ہوگا اور یہ فرمادیا ہوگا کہ میرا انتظار نہ کرنا اور ان کو کھانا کھلا دینا، گویا مہمانوں کے بارے میں وہ مطمئن ہو گئے۔ وان ابابکر تعشی الخ اور یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رات کا کھانا پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کھالیا، کب کھایا؟ عشاء سے پہلے یا عشاء کے بعد؟ تو روایت سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کھانے کے بعد صدیق اکبرؓ ٹھہرے رہے پھر عشاء کی نماز ہوگئی، گویا کھانا عشاء سے پہلے کھایا، لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ پہلے جملے میں جو بات بتائی گئی ہے اس کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے کھانا گھر پر نہیں کھایا بلکہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کھا لیا، اس لیے کہ آگے تفصیل میں یہ آ رہا ہے کہ صدیق اکبرؓ عشاء کی نماز تک پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس ٹھہرے، اور عشاء کی نماز کے بعد پھر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس لوٹ گئے اور جب پیغمبر نے کھانا کھایا تو صدیق اکبرؓ بھی شریک ہوئے۔ البتہ بعض نسخوں میں رجع کی جگہ رکع، اسی طرح بعض نسخوں میں تعشی النبیؐ کی جگہ نعس النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیا ہے، اس کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ کھانا تو عشاء سے پہلے ہی کھایا، عشاء کے بعد پہلے تو رکع یعنی نوافل پڑھے، پھر جب یہ دیکھا کہ حضورؐ سونا چاہتے ہیں تو صدیق اکبرؓ گھر واپس آ گئے، قالت له امرأته... الخ صدیق اکبرؓ گھر واپس آئے تو اہلیہ نے کہا کہ گھر مہمانوں کو آپ نے بھیجا تھا آپ کہاں رک گئے تھے؟ اس سوال پر صدیق اکبرؓ چونکے، فرمایا اما عشیتهم کیا ابھی تک مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ اہلیہ نے جواب دیا کہ کھانا ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور وہ تو آپ کے منتظر ہیں، عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ والدین کی اس گفتگو کو سن کر میں ڈر گیا، اور یہ خیال ہوا کہ اب مجھ ہی سے باز پرس ہوگی اس لیے فرماتے ہیں کہ میں تو چھپ گیا، چنانچہ صدیق اکبرؓ نے انہی کو آواز دی یا غُنثر مشہور روایت یہی ہے، جس کے معنی ہیں لئیم، جاہل، مطلب یہی تھا کہ اے لئیم یا اے جاہل! ان مہمانوں کو کیوں پریشان کیا؟ کچھ حضرات نے عَنتر بھی نقل کیا ہے۔ عنتر اس مکھی کو کہتے ہیں جو کتوں کو زیادہ لپٹتی ہے، اس صورت میں مفہوم یہی ہے کہ مہمانوں کی مدارات تم سے متعلق کی گئی تھی تو تم نے کیوں گری ہوئی خصلت کا مظاہرہ کیا اور اس کے بعد بہت برا بھلا کہا، ابتداءً تو یہ سمجھا تھا کہ کوتاہی بیٹے کی ہے تو ان سے ناگواری کا اظہار فرمایا، لیکن جب معلوم ہوا کہ کوتاہی ان کی نہیں ہے بلکہ مہمانوں نے کھانے سے انکار کیا تھا تو پھر ناگواری ان کی طرف منتقل ہوگئی اور اسی لیے ابتداءً کھانا نہ کھانے کی قسم بھی کھالی، اور یہ مہمان چونکہ میزبان سے بہت چھوٹے ہیں بلکہ طلبا ہونے کے سبب محتاج تربیت ہیں، اس لیے اس طرح کے طرز عمل کی گنجائش ہے۔ فقال واللہ لا اطعمه الخ مہمانوں سے کھانے کے لیے کہا اور خود قسم کھالی کہ میں نہیں کھاؤں گا، مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ جب تک آپ نہیں کھائیں گے ہم نہیں کھائیں گے، اب صدیق اکبرؓ نے خیال فرمایا ہوگا کہ اگر میں قسم کو قائم رکھتا ہوں تو مہمان بھوکے رہیں گے، اس لیے فرمایا کہ قسم کا عمل شیطان کا اثر تھا اور اس کے خلاف کرنا چاہئے۔ اس لیے قسم کو توڑ دیا اور کھانے میں سے کچھ کھالیا، اب جو کھانا شروع کیا تو خدا کی دی ہوئی برکت سے یہ صورت پیش آئی کہ کھانے میں سے کوئی لقمہ اٹھاتے تو نیچے سے اس سے زیادہ بڑھ جاتا، یہاں تک کہ سب شکم سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ بچا رہا، صدیق اکبرؓ نے یہ دیکھا تو اہلیہ کو متوجہ کیا یا اخت بنی فراس ما هذا دیکھتی ہو کیا صورت حال ہے، صدیق اکبرؓ کی اہلیہ کا نام

زینب ہے، امّ رومان کی کنیت سے مشہور تھیں، چونکہ یہ قبیلہ بنی فراس کی تھیں اس لیے انہیں یا اخت بنی فراس کہہ کر مخاطب کیا، نووی نے ترجمہ کیا ہے، یا من ھی من بنی فراس یعنی اے وہ خاتون جو بنی فراس میں سے ہے، وقرۃ عینی واؤ قسمیہ ہے یعنی اہلیہ نے کہا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! کہ یہ کھانا تو پہلے سے تین گنا ہو گیا، آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد مسرت ہے، اور اس کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی برکت سے جو سرور حاصل ہوا اس کی قسم، اور شارحین نے قرۃ عین سے حضورؐ کی ذات اقدس کو مراد لیا ہے کہ امّ رومان نے آپؐ کی قسم کھائی، کیونکہ گھر میں جو کچھ بھی ظاہر ہوا وہ سب آپ ہی کے طفیل ہے، بخاری اس روایت کو باب علامۃ النبوۃ میں لائے ہیں، کیونکہ اس میں ایک تو صدیق اکبرؓ کی کرامت ہے جو ان کے گھر ظاہر ہوئی، پھر جب اس کھانے کو حضورؐ کے پاس لے گئے تو وہاں اس سے بھی زیادہ برکت ہوئی جو آپ کا معجزہ ہے۔ (ایضاح البخاری)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۷۴۸ ﴿نجاشی کی قبر پر نور کا ظاہر ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۴۷

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِيُّ كُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّهُ لَا يَزَالُ يُرٰى عَلٰى قَبْرِهٖ نُوْرٌ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

**حوالہ:** ابوداود، ص۳۴۱-۳۴۲، ج۱، باب فی النور یری عند قبر الشهید، کتاب الجهاد، حدیث ۲۵۲۳

**حل لغات:** مات (ن) مَوْتًا مرنا۔ نتحدث تحدّث (تفعل) تَحَدُّثًا بولنا، گفتگو کرنا۔ نور (ج) اَنْوَارٌ روشنی۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو ہم آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ نجاشی کی قبر پر ہمیشہ نور دکھتا ہے (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی قبر نور سے منور رہتی تھی، یہ اُن کی کرامت ہے، وہ نہ صرف مسلمان ہوئے تھے، بلکہ حضورؐ کا سچا عشق اپنے دل میں رکھتے تھے، ابوداود میں روایت ہے کہ نجاشی نے کہا "ولولا ما انا فیه من الملك لاتیته حتی احمل نعلیه" اگر میں اپنے امور سلطنت میں مشغول نہ ہوتا، تو البتہ ضرور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کے نعلین شریفین اٹھا کر فخر حاصل کرتا۔ جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو شاہِ حبشہ نجاشی نے ان کو بھرپور سہولت عطا کی اور کفار کے جو نمائندے نجاشی کے پاس تحفے لے کر ان مسلمانوں کو ظلم کا نشانہ بنانے کی خاطر واپس لینے گئے تھے، ان کو خائب وخاسر واپس لوٹا دیا اور ان کے کسی بہکاوے میں نہیں آیا۔ جس روز شاہِ حبشہ کی وفات ہوئی آپؐ نے اسی دن مدینہ میں ان کے انتقال کی خبر دی اور عیدگاہ میں صحابہ کے ہمراہ نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی، نمازِ جنازہ کے لیے میت کا سامنے موجود ہونا شرط ہے، نجاشی کی یہ خصوصیت ہے کہ آپؐ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی یا پھر یہ غائبانہ نماز جنازہ تھی ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے سارے پردے ہٹا کر نجاشی کی میت آپؐ کے سامنے کر دی تھی اور آپؐ نے نماز ادا کرائی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مات النجاشی ان کا نام اصحمہ بن بحر ہے اور نجاشی لقب ہے ہر شاہِ حبشہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا، شاہِ فارس کا کسریٰ اور شاہِ روم کا قیصر۔ ان کی وفات ۹ھ میں ہوئی، نجاشی شہید حکمی ہیں۔

**سوال:** حضرت عائشہؓ کو کیسے معلوم ہوا کہ نجاشی کی قبر نور سے منور رہتی ہے؟

**جواب:** جن لوگوں کا حبشہ آنا جانا تھا وہ لوگ مدینہ آ کر یہ بتلاتے تھے کہ نجاشی کی قبر پر نور رہتا ہے اور یہ بات تواتر تک پہنچی ہوئی تھی۔

**سوال:** نور سے کیا مراد ہے؟

**جواب:** ممکن ہے کہ اس نور کی روشنی ظاہر بیں محسوس ہوتی ہو، جیسے چاند وسورج وغیرہ کی روشنی اور یہ بھی ممکن ہے کہ نور سے نورانیت مراد ہو جو قبر کی زیارت کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔

**حدیث نمبر ۲۷۴۹ ﴿غیب سے صحابہؓ کی رہنمائی﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۴۸**

وَعَنْهَا قَالَتْ لَمَّا أَرَادُوْا غُسْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لَا نَدْرِيْ أَنُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثِيَابِهِ كَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا أَمْ نَغْسِلُهُ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهُ فَلَمَّا اخْتَلَفُوْا أَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّوْمَ حَتّٰى مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ إِلَّا وَذَقْنُهُ فِيْ صَدْرِهِ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ مُكَلِّمٌ مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ لَا يَدْرُوْنَ مَنْ هُوَ اِغْسِلُوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهُ فَقَامُوْا فَغَسَلُوْهُ وَعَلَيْهِ قَمِيْصُهُ يَصُبُّوْنَ الْمَاءَ فَوْقَ الْقَمِيْصِ وَيَدْلُكُوْنَهُ بِالْقَمِيْصِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

**حواله:** البيهقي في دلائل النبوة، ص۲۴۲ ج۷

**حل لغات:** اَرَادُوْا اَرَادَ (افعال) اِرَادَةً ارادہ کرنا، چاہنا۔ نُجَرِّدُ جَرَّدَ فُلَانًا الثَّوب کسی کے کپڑے اتارنا، برہنہ کرنا۔ ثِيَابٌ (واحد) ثَوْبٌ کپڑا۔ اِخْتَلَفُوْا اِخْتَلَفَ (افتعال) اِخْتِلَافًا مختلف ہونا، اختلاف ہونا۔ اَلْقٰى (افعال) اِلْقَاءً الشَّيْءَ ڈالنا۔ اَلنَّوْمُ نیند، نَامَ (س) نَوْمًا سونا۔ ذَقْنٌ (ج) اَذْقَانٌ ٹھوڑی۔ صَدْرٌ (ج) صُدُوْرٌ سینہ۔ كَلَّمَ (تفعيل) تَكْلِيْمًا بات کرنا، گفتگو۔ مُكَلِّمٌ اسم فاعل بولنے والا (تفعیل) بولنا، بات کرنا۔ نَاحِيَةٌ (ج) نَوَاحِيْ اطراف، کونہ، کنارہ، گوشہ۔ لَا يَدْرُوْنَ دَرٰى (ض) دِرَايَةً جاننا، واقف ہونا۔ اِغْسِلُوْا غَسَلَ (ض) غُسْلًا غسل کرنا۔ قَمِيْصٌ (ج) اَقْمِصَةٌ قمیص، کرتا۔ يَصُبُّوْنَ صَبَّ (ن) صَبًّا الْمَاءَ پانی ڈالنا۔ يَدْلُكُوْنَ دَلَكَ (ن) دَلْكًا ملنا۔

**توجمه:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب صحابہؓ نے (حضور ﷺ کی وفات کے بعد) رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں کہ ہم رسول اللہ کو بھی اسی طرح برہنہ کرلیں جس طرح ہم اپنے مردوں کو کرتے ہیں یا آپ کو کپڑوں کے اندر سے غسل دیں۔ جب اس پر اختلاف بڑھا تو خداوند تعالیٰ نے ان لوگوں پر نیند مسلط کردی یہاں تک کہ کوئی شخص وہاں ایسا نہ تھا جس کی ٹھوڑی سینہ پر نہ ہو (یعنی سب پر نیند کی غفلت طاری ہوگئی تھی) پھر ان سے ایک کہنے والے نے گھر کے ایک گوشے سے کہا جس کو وہ لوگ جانتے نہ تھے کہ نبی کریم کو کپڑے کے اندر ہی سے غسل دو۔ چنانچہ وہ سب لوگ یہ سنکر کھڑے ہوگئے اور آپؐ کے بدن مبارک کو کپڑوں کے اندر اس طرح غسل دیا کہ اسوقت جسد اطہر پر جو کرتا تھا اسی پر پانی ڈالتے تھے اور قمیص ہی سے بدن کو ملتے جاتے تھے۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث**

حضورؐ کے وصال پر صحابہؓ کو کئی مسئلوں میں الجھن پیدا ہوئی کہ اسمیں کیا کیا جائے، اور الجھن کا پیش آنا قرین قیاس بھی تھا، اسلئے کہ اصل معلم صحابہ کرام کیلئے آپؐ ہی تھے، اب پوچھیں تو کس سے پوچھیں، آپؐ کے غسل دینے کی صورت کے بارے میں بھی تردد ہوا، تو اللہ تعالیٰ کیطرف سے غیبی امداد ہوئی اور آپؐ کو مذکورہ طریقہ پر غسل دیا گیا، ابن ماجہ میں حضرت علیؓ کی ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے وصیت کی تھی کہ مجھے میرے کنوئیں بئر غرس کے سات مشک پانی سے غسل دیجیو۔ بئر غرس بفتح غین معجمہ وسکون راء مہملہ قبا میں ایک کنواں ہے، حضورؐ کو تین طرح کے پانی سے غسل دیا گیا۔ پہلے خالص پانی سے، دوسری مرتبہ بیر کی پتی دے کر، تیسری مرتبہ کافور ڈال کر، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے غسل دیا۔ اور حضرت فضل ابن عباسؓ کروٹ بدلنے میں مدد دیتے تھے۔ قثم ابن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور شقرانؓ مولی رسول اللہ پانی دیتے تھے۔ جیسا کہ بزار اور بیہقی سے علامہ زرقانیؒ نے شرح مواہب میں نقل کیا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

اغسلوا جن صاحب نے غائبانہ طور پر رہنمائی کی وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، صحابہ کرامؓ پر نیند کا طاری ہوجانا اور گھر کے کونے سے آواز کا آنا کرامات ہیں، اس کی نسبت اگر آپؐ کی طرف ہو تو معجزہ اور اگر صحابہؓ کی طرف ہو تو کرامت ہے۔ علما نے لکھا ہے کہ امت کے کسی فرد سے کرامت کا ظاہر ہونا نبی کے لیے معجزہ کی حیثیت رکھتا

ہے، زیر بحث حدیث میں تصریح ہے کہ آپ کو کپڑوں کے ساتھ غسل دیا گیا، اگر چہ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ کپڑے پہنے ہوئے آپ کو غسل نہیں دیا گیا، زیر بحث حدیث ضعیف ہے۔ (ملخص توضیحات)

## حدیث نمبر ۵۰۲۷۵ ﴿حضرت سفینہ کی کرامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۴۹

وَعَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ أَنَّ سَفِيْنَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْطَأَ الْجَيْشَ بِأَرْضِ الرُّوْمِ أَوْ أُسِرَ فَانْطَلَقَ هَارِبًا يَلْتَمِسُ الْجَيْشَ فَإِذَا هُوَ بِالْأَسَدِ فَقَالَ يَا أَبَا الْحَارِثِ أَنَا مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ أَمْرِىْ كَيْتَ وَكَيْتَ فَأَقْبَلَ الْأَسَدُ لَهُ بَصْبَصَةٌ حَتّٰى قَامَ إِلٰى جَنْبِهِ كُلَّمَا سَمِعَ صَوْتًا أَهْوٰى إِلَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ يَمْشِيْ إِلٰى جَنْبِهِ حَتّٰى بَلَغَ الْجَيْشَ ثُمَّ رَجَعَ الْأَسَدُ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنۃ، ص۳۱۳ ج۱۳، حدیث ۳۷۳۲

**حل لغات:** مولی (ج) موالِ آزاد کردہ غلام۔ اخطأ (افعال) إخْطَاءً غلطی کرنا، بھولنا۔ الجیش (ج) جُیُوْش فوجی، فوج، سپاہی۔ اسر ماضی مجہول۔ اَسَرَہ (ض) اَسْرًا قید کرنا، قیدی بنانا۔ ھاربا ھَرَبَ (ن) ھَرْبًا بھاگنا۔ یلتمس اِلْتَمَسَ (افتعال) چاہنا۔ الاسد (ج) آسَادٌ واُسُدٌ شیر۔ بصبصۃ دم ہلانا۔ جنب (ج) جُنُوْب پہلو، سمت۔ صوت (ج) اَصْوَاتٌ آواز۔ اھوی (افعال) اِھْوَاءً لپکنا۔ اقبل (افعال) اِقْبَالًا سامنے آنا۔ بَلَغَ (ن) بُلُوْغًا پہنچنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن المنکدر تابعیؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سفینہ ارضِ روم میں لشکر کا راستہ بھول گئے، یا ان کو قید کرلیا گیا پھر وہ لشکر کو تلاش کرتے ہوئے بھاگے، اچانک ان کا سامنا ایک شیر سے ہوگیا انھوں نے شیر سے کہا اے ابوالحارث میں رسول اللہ کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میرے ساتھ ایسا ایسا واقعہ پیش آیا ہے، شیر دم ہلاتا ہوا آگے بڑھا اور ان کے پہلو میں آکر کھڑا ہوا شیر جب کوئی خطرناک آواز سنتا فوراً اس طرف متوجہ ہوجاتا اور سفینہ کے پہلو میں ان کے ساتھ ساتھ چلتا یہاں تک کہ سفینہ اپنے لشکر میں پہنچ گئے، شیر واپس چلا گیا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ام سلمہؓ کے ایک غلام تھے، انھوں نے اُن کو اِس شرط کے ساتھ آزاد کرنا چاہا کہ تم حضورؐ کی خدمت میں رہوگے، انھوں نے کہا کہ مجھے آزاد کردیں اور شرط نہ لگائیں، میں شرط کے بغیر حضورؐ کی خدمت میں رہوں گا، وہ غلام حضرت سفینہؓ تھے، بہر حال حضرت سفینہؓ کو آزادی ملی، پھر سرزمین شام میں صحابہ کرام کے ساتھ ایک جہاد میں ہرقل کے فوجیوں نے چند صحابہؓ سمیت اُن کو گرفتار کرلیا، رات کے وقت حضرت سفینہؓ کسی طرح کفار کی قید سے رہا ہوگئے اور مسلمانوں کے کیمپ کی طرف روانہ ہوگئے، رات کا اندھیرا تھا، راستہ بھول گئے، جنگل تک جا پہنچے، وہاں درندوں کا خطرہ لاحق ہوگیا، تو حضرت سفینہؓ نے شیر سے کلام کیا اور صورت حال بتائی کہ ابوالحارث میں رسول اللہ کا غلام ہوں راستہ بھول گیا ہوں، اس پر شیر نے دم ہلا کر آپؓ کی حفاظت کے لیے پہرہ دینا شروع کیا، کبھی آگے جاتا کبھی پیچھے ہوجاتا تھا، تاکہ کوئی درندہ نقصان نہ پہنچائے، یہاں تک کہ آپ کو فوجی کیمپ تک پہنچا دیا جس سے آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہؓ کی کرامت ظاہر ہوگئی۔ حضرت سفینہؓ کا اصل نام معلوم نہیں ہے، جہاد کے ایک سفر میں انھوں نے اپنے سامان کے ساتھ ساتھیوں کا سامان بھی اٹھایا اس پس منظر میں آپؐ نے فرمایا "انت السفینۃ" یعنی سامان اٹھانے میں تم جہاز اور کشتی ہو، اس وقت سے آپؓ کا نام غائب ہوگیا اور یہی لقب مشہور ہوگیا۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** او اسر یہاں راوی نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے کہ یا تو یہ صورت حال پیش آئی تھی کہ اس علاقہ میں حضرت سفینہؓ اسلامی لشکر سے بچھڑ گئے تھے اور اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر سرگرداں تھے، یا یہ کہ کہیں

موقع پا کر دشمن نے ان کو اچک لیا تھا اور قید میں ڈال دیا تھا۔ سفینہ سے لوگ ان کا اصلی نام پوچھتے تو یہ کہتے میرا نام وہی ہے جو میرے آقا نے رکھ دیا یعنی سفینہ۔ بصبصة کنایا شیر یا درندہ جب اطاعت اور خوشی کا اظہار کرتا ہے تو وہ دم ہلاتا ہے اسی کو "بصبصة" کہتے ہیں۔

## حدیث نمبر ۲۷۵۱ ﴿کرامت والی بارش﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵۰

وَعَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ قَالَ قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ حَتَّى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** دارمی، ص ۵۶ ج ۱، حدیث ۹۲

**حل لغات:** قحط (ف) قَحْطًا البلدُ ملک کا قحط زدہ ہونا۔ شکوا شَکًا (ن) شَکْوًا کسی سے کسی کی کوئی شکایت کرنا۔ کوی (واحد) الكَوَّةُ دیوار کا روشن دان۔ سقف (ج) سُقُوْفٌ چھت۔ مطروا ماضی مجہول مَطَرَ (ن) مَطْرًا بارش ہونا۔ نبت (ن) نَبْتًا وَنَبَاتًا اگنا، نکلنا۔ العشب (ج) اَعْشَابٌ چارہ، ہر گھاس جو زرد ہو۔ سمنت (س) سِمَنًا موٹا، فربہ ہونا۔ الإبل (ج) آبالٌ اونٹ۔ تفتقت (تَفَتَّقَ (تفعل) تَفَتُّقًا جگہ جگہ سے پھٹ جانا۔ الشحم (ج) شُحُوْمٌ چربی، چکنائی۔ سمی ماضی مجہول (تفعیل) تَسْمِيَةً نام رکھنا۔ عام (ج) اَعْوَامٌ سال۔ الفتق فَتَقَ (ن) فَتْقًا چیرنا، پھاڑنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوالجوزاؒ سے روایت ہے کہ اہلِ مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے حضرت عائشہؓ سے شکایت کی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف دیکھو اور قبر والے حجرہ کی چھت میں کچھ روشن دان کھول دو، تا کہ قبرِ مبارک اور آسمان کے درمیان کوئی چھت حائل نہ رہے، چنانچہ لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے کہنے کے مطابق عمل کیا تو اُن پر خوب بارش برسی، یہاں تک کہ گھاس اُگ آئی اور اونٹ فربہ ہو گئے، ایسے کہ چربی کی وجہ سے گویا پھٹنے لگے تو اس کا نام پھٹنے کا سال پڑ گیا۔ (دارمی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت عائشہؓ کے حکم سے حجرۂ مبارک کی چھت میں سوراخ ہوا تو بارش ہوئی اور لوگوں کی مصیبت دور ہو گئی، یہ حضرت عائشہؓ کی کرامت تھی، اور اسمیں آپ کا معجزہ بھی ظاہر ہوا؛ کیونکہ اولیا کی کرامت انبیا کے معجزات شمار ہوتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فاجعلوا منه كوى آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آرام فرما ہیں، حضرت عائشہؓ نے اسی حجرہ کی چھت میں سوراخ کرنے کا حکم دیا بارش طلبی کے لیے، اس حکم کے دو مقصد ہو سکتے ہیں۔ (۱) آسمان حضورؐ کی قبر دیکھے گا تو روئیگا اور آسمان کا رونا بارش کا نزول ہے۔ (۲) آپؐ کو آپؐ کی حیات میں بطور شفاعت پیش کیا جاتا تھا تو بارش ہوتی تھی، وفات کے بعد بطور شفاعت جب قبر کو ظاہر کریں گے تو بارش ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس تشریح سے وسیلہ کا ثبوت بھی ہوا۔

## حدیث نمبر ۲۷۵۲ ﴿غیبی آواز سننا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵۱

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا وَلَمْ يُقَمْ وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ الْمَسْجِدَ وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ إِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** دارمی، ص ۵۶ ج ۱ حدیث ۹۳

**حل لغات:** لم يؤذن اَذَّنَ (تفعيل) تَأْذِيْنًا اذان دینا۔ لم يبرح وہ الگ نہیں ہوئے۔ بَرِحَ (س) بَرَحًا الگ ہونا، ہٹنا۔ همهمة گلے میں پھنس کر نکلنے کی آواز۔

**ترجمہ:** حضرت سعید بن عبدالعزیزؒ سے روایت ہے کہ جب جنگِ حرہ ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تین دن تک اذان و اقامت نہیں ہوئی اور سعید بن مسیب مسجد سے جدا نہ ہوئے، ان ایام میں انہیں نماز کا وقت صرف اُس آواز سے معلوم ہوتا تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے وہ سنتے تھے۔ (دارمی)

**خلاصہ حدیث** یزید کے دورِ حکومت میں سبائیوں کی سازش اور یزید کی غیر معمولی کردارکشی کی وجہ سے اہل مدینہ میں سے بہت سے لوگوں نے حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کردی تھی، اس بغاوت کو عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے ناپسند کیا، اور دیگر کبار صحابہ جو اس وقت موجود تھے وہ بھی بغاوت کا حصہ نہ بنے، لیکن چند صحابہ وصلحا جس طرح جنگ جمل وصفین کے موقع پر سبائی فریب میں آگئے تھے، اس موقع پر بھی آگئے، اور منتخب حکومت کے خلاف مورچہ کھولا، حکومت کی فوج نے اس بغاوت کو دبایا، جس کے نتیجہ میں کچھ لوگ قتل ہوئے، اور یہ افسوس ناک معرکہ بھی پیش آیا، جو حرہ کے نام سے جانا گیا، لیکن یہ بات کہ اہل شام نے مدینہ پر حملہ کرکے تین دن لوٹ مار کی اور زناکاری وبدکاری کی یہ سب جھوٹی اور پرفریب باتیں ہیں، جن کو سبائیوں نے گھڑا ہے، حدیث باب ضعیف ہے مزید کے لئے کلمات حدیث کی تشریح دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** "ایام الحرۃ" حرہ کے واقعہ کے دنوں میں مسجدِ نبوی میں اذان ونماز نہیں ہوئی۔

**واقعہ حرہ کا مختصر تعارف:** سبائیوں نے حضرت عثمانؓ کے دور میں مدینہ میں جو سازشیں رچیں تھیں اور بالآخر حضرت عثمانؓ کو شہید کرکے پوری امت کو مضطرب کیا تھا اس کا کافی حد تک خاتمہ حضرت حسنؓ کے حضرت معاویہؓ سے صلح کرلینے کی صورت میں ہوگیا تھا، لیکن حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد وہ سبائی سازشی پھر سے سرگرم ہوگئے، اور یہ فتین تھے جنھوں نے حضرت حسینؓ کو مظلومانہ شہید کرایا، اس کے بعد انھوں نے مدینہ منورہ سے ایک بار پھر شورش کا آغاز کیا، چنانچہ انھوں نے حاکمِ مدینہ عثمان بن محمد کے ساتھیوں سے چھیڑ چھاڑ سے ابتدا کی، عثمان بن محمد نے اس کی شکایت حاکمِ وقت یزید سے کی، ان فتنیوں نے یزید کی کردارکشی کرکے چند بھولے بھالے صلحاء ایمان والوں کو بھی اپنے ساتھ ملالیا، اور وہ حضرات اسی طرح ان کے دھوکے میں آگئے، جیسے ان کے آباواجداد کے دھوکے میں بہت سے صحابہ آگئے تھے، اور اسی کے نتیجے میں جنگ جمل وجنگ صفین جیسے خوں ریز معرکے پیش آئے تھے، ان لوگوں نے بنوامیہ کو ذلیل کرکے مدینہ سے نکال دیا، مدینہ میں بغاوت کا ماحول پیدا کردیا اور اہل مدینہ کو خوف وہراس میں مبتلا کیا، اصلا سازش ان ہی دشمنانِ اسلام کی تھی جو اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر اپنے کذب، اور دجل کے ذریعہ مسلمانوں میں انتشار پیدا کرچکے تھے، یزید بن معاویہ اور اکابر صحابہؓ نے پوری کوشش کی لوگ اس فتنے کا شکار نہ ہوں لیکن یہ وہ مکار لوگ تھے جن کی مکاری کی زد میں آکر صدیق اکبرؓ کے بیٹے حضرت محمد بن ابی بکر حضرت عثمانؓ کے خلاف ہوگئے تھے، حضرت عمارؓ وابوذرؓ اپنی سادگی کی وجہ سے ان کے فریب میں آگئے تھے، لہٰذا اس موقع پر بھی اس فتنہ سے متاثر بعض صلحا شدید متاثر ہوئے، یزید بن معاویہؓ نے مدینہ کے عمومی باشندوں کو راحت دلانے کے لئے اور ملت اسلامیہ کو انتشار سے بچانے کے لئے فوجی قوت کا استعمال کیا، اس کاروائی میں یہ تاکید تھی کہ جو لوگ بہکاوے میں آگئے ہیں ان پر قابو پانے کے بعد ان کو معاف کردیا جائے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے فتح الملہم میں واقعہ حرہ سے متعلق جو بات لکھی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یزید نے مدینہ میں موجود بنوامیہ کو محاصرے سے نجات دلانے اور اپنے خلاف بغاوت کرنے والوں کو طاعت پر لانے کے لئے مسلم بن عقبہ کو بھیجا تھا، لیکن جب مدینہ میں بغاوت کرنے والوں نے طاعت سے انکار کردیا اور قتال پر مصر رہے تو مسلم بن عقبہ نے جواباً ان سے قتال کیا، اور مسلم بن عقبہ کامیاب ہوئے، یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ آپ نے اہل مدینہ کے خلاف سازش کرنے والے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ

پانی میں نمک کے پگھلنے کی طرح پگھل جائے گا اس کو بنیاد بنا کر بہت سے لوگ یزید کو مطعون کرتے ہیں، حالانکہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اہل مدینہ میں سے جو شخص قابل تعزیز یا قابل حد جرم کا ارتکاب کرے اس پر ہاتھ نہ ڈالا جائے، بلکہ اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو اہل مدینہ کے خلاف ہمیشہ سازشوں میں ملوث رہتے تھے۔

**نوٹ:** حدیث باب ضعیف ہے، یہ روایت سعید بن المسیب کے حوالے سے دو لوگوں نے بیان کی ہے (۱) سعید بن عبدالعزیز التوخی، (۲) ابوحازم سلمٰی بن دینار، سعید بن عبدالعزیز کی روایت مرسل ہے کیونکہ سعید بن عبدالعزیز واقعہ حرہ کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، واقعہ حرہ ۶۳ رہجری میں پیش آیا اور سعید بن عبدالعزیز ۹۰ رہجری میں پیدا ہوئے۔ (سیر اعلام النبلا) معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کسی سے سنا ہے لیکن اسکا نام نہیں لیا ہے، لہٰذا روایت مرسل ہے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ سعید بن عبدالعزیز نے یہ روایت سعید ابن المسیب سے سنی ہو کیونکہ سعید بن عبد العزیز کی پیدائش کے تقریباً تین سال بعد ۹۳ رہجری میں سعید بن المسیب کی وفات ہوگئی۔ (حوالہ بالا) اور جہاں تک ابوحازم کی سند والی روایت ہے تو اسکی تمام سندوں میں ایک راوی عبدالحمید بن سلیمان الخزاعی ہے جو بالاتفاق ضعیف راوی ہے، معلوم ہوا کہ کوئی ایسی روایت ثابت نہیں کہ اسمیں یہ ذکر ہو کہ واقعہ حرہ کیوقت مسجد نبوی میں اذان ہوئی ہی نہیں، واقعہ حرہ کو رافضیوں، سبائیوں نے بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ مدینہ میں تین دن تک لوٹ کھسوٹ ہوئی اور بڑی تعداد میں خواتین کی عصمت دری ہوئی یہ سب فرضی باتیں ہیں، اکثر روایات موضوع اور من گھڑت ہیں، جنھیں محمد بن عمر واقدی جیسے کذاب راویوں نے گھڑا ہے۔

## حدیث نمبر ۲۷۵۳ ﴿حضرت انسؓ کی کرامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵۲

وَعَنْ أَبِي خَلْدَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي الْعَالِيَةِ سَمِعَ أَنَسٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَدَمَهُ عَشْرَ سِنِيْنَ وَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لَهُ بُسْتَانٌ يَحْمِلُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ الْفَاكِهَةَ مَرَّتَيْنِ وَكَانَ فِيهَا رَيْحَانٌ يَجِيْءُ مِنْهُ رِيْحُ الْمِسْكِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۳ ج ۲، باب مناقب انس بن مالکؓ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۳۳

**حل لغات:** بستان (ج) بَسَاتِين باغ۔ خدمہ خَدَمَ (ض) خِدْمَةً خدمت کرنا۔ یحمل حَمَلَ (ض) حَمْلاً لادنا، اٹھانا۔ الفاکھة (ج) فَوَاكِهُ میوہ۔ ریحان (ج) رَيَاحِيْنُ ہر خوشبودار پودا، رِيْحُ (ج) رِيَاحٌ خوشبو، مہک۔ المِسْك (ج) مِسَكٌ خوشبو۔

**ترجمہ:** حضرت ابوخلدہؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابوالعالیہ سے کہا کہ حضرت انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سنی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت انسؓ نے دس سال تک آپ کی خدمت کی ہے اور آپؐ نے ان کے لیے دعا کی تھی، چنانچہ حضرت انسؓ کا ایک باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اس میں پھول تھے، اُن سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** حضرت انسؓ بن مالک خادم رسول ہیں، ان کی ماں ام سلیم نے بچپن میں انھیں آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور اپنے بیٹے کے حق میں دعا کی درخواست کی تھی، چنانچہ آپؐ نے ان کے حق میں دعائیں کیں جو قبول ہوئیں، اور یہ نبی کا معجزہ ہوا اور چوں کہ آپ کی وفات کے بعد بھی حضرت انسؓ کے حق میں غیر معمولی برکتوں کا ظہور ہوتا رہا، مثلاً حضرت انسؓ کا باغ دو مرتبہ ایک سال میں پھل دیتا تھا، اس لیے یہ ان کی کرامت بھی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** سمع انس من النبی صلی اللہ علیہ وسلم دراصل حضرت انسؓ کے بارے میں لوگوں کو تردد تھا کہ آیا انھوں نے آپؐ سے براہ راست احادیث سنی ہیں یا کسی واسطے سے (اگرچہ مراسیل صحابہ بھی

حجت ہیں) اسی پس منظر میں ابوخلدہ نے ابوالعالیہ سے یہ سوال کیا تو حضرت ابوالعالیہ نے اس سوال کا جواب اس طرح دیا کہ حضرت انسؓ کی شان اُن کے سامنے بیان کی کہ انھوں نے آپؐ کی دس سال خدمت کی، اور انھیں حضورؐ کی خصوصی دعائیں ملیں، حضورؐ نے ان کے مال اور عمر میں برکت کی دعا کی، جسکا اثر یہ ہوا کہ انکی عمر ایک سو تین سال ہوئی اور انکی اولاد کی تعداد ایک سو بیس سے متجاوز تھی اور اُنکا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا اور اُنکے باغ میں ریحان کے پودے تھے جنسے سے مشک کی خوشبو آتی تھی، تو جس شخص کو آپؐ کی اس درجہ صحبت و محبت حاصل ہو، اس کے براہِ راست آپؐ سے احادیث نقل کرنے میں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ (ملخص جدید مظاہر حق، مرقات)

## الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۵۷۲ ﴿حضرت سعید بن زید کی کرامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵۳**

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِؓ أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍؓ خَاصَمَتْهُ أَرْوٰى بِنْتُ أَوْسٍ إِلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَادَّعَتْ أَنَّهُ أَخَذَ شَيْئًا مِنْ أَرْضِهَا فَقَالَ سَعِيْدٌ أَنَا كُنْتُ آخُذُ مِنْ أَرْضِهَا شَيْئًا بَعْدَ الَّذِيْ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ إِلٰى سَبْعِ أَرَضِيْنَ فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ لَا أَسْأَلُكَ بَيِّنَةً بَعْدَ هٰذَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَأَعْمِ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِيْ أَرْضِهَا قَالَ فَمَا مَاتَتْ حَتّٰى ذَهَبَ بَصَرُهَا وَبَيْنَمَا هِيَ تَمْشِيْ فِيْ أَرْضِهَا إِذْ وَقَعَتْ فِيْ حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِمَعْنَاهُ وَأَنَّهُ رَآهَا عَمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُوْلُ أَصَابَتْنِيْ دَعْوَةُ سَعِيْدٍ وَأَنَّهَا مَرَّتْ عَلٰى بِئْرٍ فِي الدَّارِ الَّتِيْ خَاصَمَتْهُ فِيْهَا فَوَقَعَتْ فِيْهَا فَكَانَتْ قَبْرَهَا.

**حوالہ:** بخاری، ص۴۵۴ ج۱، باب ما جاء سبع ارضین، کتاب بدء الخلق، حدیث ۳۱۹۸، مسلم، ص۳۳ ج۱، باب تحریم الظلم وغصب الارض وغیرھا، کتاب المساقاۃ، حدیث ۱۶۱۰

**حل لغات:** خاصمته خَاصَمَ (مفاعلة) مُخَاصَمَةً جھگڑا کرنا۔ ادعت اِدَّعیٰ اِدِّعاءً دعویٰ کرنا۔ شبر (ج) اَشْبَارٌ بالشت، چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان کا فاصلہ۔ ظلما ظَلَمَ (ض) ظُلْمًا زیادتی کرنا، ناانصافی کرنا۔ طوقه (تفعیل) تَطْوِيْقًا گلے میں طوق یا مالا ڈالنا۔ بینة (ج) بینات دلیل۔ اعم امر حاضر، اَعْمَاهُ (افعال) اِعْمَاءً اندھا کرنا، بینائی سے محروم کرنا۔ بصر (ج) اَبْصَارٌ نگاہ، آنکھ۔ وقعت وَقَعَ (ف) وَقْعًا گرنا۔ حفرة (ج) حُفَرٌ گڑھا۔

**ترجمہ:** حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ کے خلاف اروی بنت اوس نے مروان بن حکم کی عدالت میں جھگڑا پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ انہوں نے اس کی کچھ زمین لے لی ہے۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ میں اس کی زمین میں سے کیسے لے سکتا ہوں جب کہ میں نے رسولؐ سے خود سنا ہے، مروان نے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ سعیدؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے ظلم کے ساتھ کسی کی بالشت بھر زمین بھی لی، تو ساتویں زمین تک اسے طوق پہنایا جائے گا۔ مروان نے کہا: اس کے بعد میں آپ سے کوئی گواہ طلب نہیں کرتا۔ حضرت سعیدؓ نے کہا: اے اللہ اگر یہ جھوٹی ہے تو اسے اندھی کر اور اس کو اس کی زمین میں مار۔ پس وہ نہ مری جب تک اندھی نہ ہوئی اور وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر کر مر گئی۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر سے معناً مروی ہے کہ انہوں نے اسے

اندھی دیکھا دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے اور کہتی کہ مجھے حضرت سعیدؓ کی بددعا لگ گئی اور وہ اسی گھر کے ایک کنوئیں کے پاس سے گزری جس پر جھگڑا کیا تھا اس میں گر پڑی اور وہیں اس کی قبر بنی۔



**خلاصۂ حدیث** حضرت سعید بن زیدؓ عدوی قریشی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی اُن دس صحابہ میں سے ہیں کہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی، قدیم الاسلام تھے اور غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں نبی کریمؐ کے ساتھ رہے۔ حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے، حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ حضرت فاطمہؓ ان کے نکاح میں تھیں، بہت زیادہ عابد زاہد اور مستجاب الدعوات تھے، اروی بنت اوس جس کے متعلق جامع الاصول میں یہ لکھا ہے کہ اس کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ یہ صحابیہ تھیں یا تابعیہ تھیں، اس نے حضرت سعیدؓ کے خلاف زمین کے متعلق مروان بن حکم کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، حالانکہ وہ زمین حضرت سعیدؓ کی اپنی تھی، مروان بن حکم جو کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے گورنر تھے، اس کے سامنے حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ اس حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سننے کے بعد میں کیسے ناجائز زمین ہتھیا سکتا ہوں کہ جس میں آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے ظلماً کسی کی ایک بالشت بھی زمین لی تو اس زمین کے ساتوں طبقے طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیئے جائیں گے، تو مروان نے کہا اس حدیث کے بعد میں آپؓ سے کسی گواہ کا مطالبہ نہیں کروں گا، مروان کی اس بات کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ مروان یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کی اندرونِ خانہ زندگی سے میں واقف ہوں آپؓ کسی پر ظلم نہیں کر سکتے، خصوصاً اس حدیث کے بعد تو اس بات میں کوئی شک نہیں رہا، اس لیے آپؓ سے مزید کسی دلیل کا مطالبہ نہیں کروں گا، یا مروان یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپؓ سے یہ حدیث سننے کے بعد اس روایت کی تصدیق کے لیے مزید دوسرے شخص کی روایت کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ آپؓ اپنی عدالت کیوجہ سے دو یا دو سے زائد راویوں کے قائم مقام ہیں، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ: عورت مدعیہ تھی اور حضرت سعیدؓ مدعا علیہ تھے، جب حضرت سعیدؓ نے اسکا دعویٰ ماننے سے انکار کیا تو اس عورت کے ذمہ گواہ پیش کرنے تھے، لیکن جب وہ گواہ پیش نہ کرسکی تو حضرت سعیدؓ کے ذمہ قسم تھی، لیکن مروان نے انکی روایت کو قسم کے قائم مقام قرار دے دیا، لیکن باب الدعویٰ میں مروان کا یہ فعل شرعی اصول کے مطابق نہیں ہے، صحیح بات وہ ہے جو علامہ کرمانیؒ نے بیان فرمائی کہ حضرت سعیدؓ اس عورت کے حق میں زمین سے دست بردار ہو گئے تو گویا مروان کو فیصلہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، لیکن یہ ضرور دعا کی کہ اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو یہ نابینا ہو جائے اور یہ زمین ہی اسکی قبر بنے، چونکہ یہ عورت جھوٹی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت سعیدؓ کی دعا قبول فرمائی، چنانچہ: عورت مرنے سے پہلے اندھی ہوگئی اور اسی زمین کے کسی گہرے گڑھے یا کنویں میں گر کر مر گئی، لوگوں نے اس کو نکالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اس لیے وہ کنواں ہی اس کی قبر بن گئی۔ (جدید مظاہر حق) حضرت سعیدؓ نے بددعا کی اور وہ قبول ہوئی، یہی ان کی کرامت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** طوقهٗ الله الی سبع ارضین اس حدیث کی شرح میں ائمہ حدیث سے مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں، جن میں سے چند یہاں نقل کئے جاتے ہیں کہ ساتوں زمینوں کے طوق سے کیا مراد ہے؟ ایک قول تو یہ ہے کہ زمین غصب کرنے والے کو غصب کردہ زمین کے برابر سات زمینوں کو محشر میں اٹھا کر لے جانے کا حکم ہوگا، اور وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا ہوگا تو یہ حکم اس گردن میں طوق کی طرح ہوگا، حقیقتاً طوق نہیں ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ اسے غصب کی ہوئی زمین میدان حشر میں لے جانے کا حکم ہوگا، پھر اس کی گردن کو بڑا کر کے اس زمین کو اس کے گلے میں بطور طوق ڈالا جائے گا، تیسرا قول یہ ہے کہ اسے سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا اور ہر زمین اس کے گلے کا طوق بن جائے گا، چوتھا قول یہ ہے کہ طوق سے مراد گناہوں کا طوق ہے اور یہ ظلم اس کی گردن میں طوق کی طرح پڑ جائے گا، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حدیث کے ان الفاظ من سبع ارضین سے متعدد استدلالات اور استنباط کئے ہیں، ایک استدلال تو یہ کیا ہے کہ جو شخص زمین کے کسی حصہ کا مالک ہو وہ اس کے نیچے زمین کے انتہا تک کا

مالک ہوگا اور اسے اختیار ہے کہ دوسروں کو اس سے اجازت لیے بغیر اپنی زمین کے نیچے کنواں کھودنے یا سرنگ وغیرہ نکالنے سے منع کردے، کیونکہ غاصب کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالنے کی سزا اسلئے ہے کہ مالک کی ملکیت زمین کی گہرائیوں تک تھی اسپر تبصرہ کرتے ہوئے صاحب تکملہ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال محل نظر ہے کیونکہ سزا کیلئے ضروری نہیں کہ وہ زمان ومکان میں معصیت کے برابر ہو، ممکن ہے کہ مالک کیلئے دوسروں کی اپنی زمین میں کنواں وغیرہ کھودنے سے منع کرنے کا حق صرف اس حد تک ہو کہ اسکی زمین کو نقصان پہنچے، لیکن اگر بہت زیادہ گہری کھدائی کی جائے تو کھدائی کرنا جائز ہوگا اور مالک کو روکنے کا حق نہ ہوگا جیسے آج کل ریل کی لائنیں زیر زمین اتنی گہرائی میں بچھائی جاتی ہیں کہ سطح زمین پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا (واللہ اعلم)۔ دوسرا استدلال یہ ہے کہ زمین کا مالک اس میں چھپی معدنیات کا بھی مالک ہوگا، تیسرا استدلال یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ زمین سات ہیں، واللہ اعلم، (فتح الباری، تکملہ فتح الملہم، تفہیم المسلم)

## حدیث نمبر ۲۷۵۵ ﴿حضرت عمر فاروقؓ کی کرامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵٤

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ أَنَّ عُمَرَ بَعَثَ جَيْشًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا يُدْعٰى سَارِيَةَ فَبَيْنَمَا عُمَرُ يَخْطُبُ فَجَعَلَ يَصِيْحُ يَا سَارِيَ الْجَبَلَ فَقَدِمَ رَسُوْلٌ مِنَ الْجَيْشِ فَقَالَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَقِيْنَا عَدُوَّنَا فَهَزَمُوْنَا فَإِذَا بِصَائِحٍ يَصِيْحُ يَا سَارِيَ الْجَبَلَ فَأَسْنَدْنَا ظُهُوْرَنَا إِلَى الْجَبَلِ فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

**حواله:** البيهقي في دلائل النبوة، ص ۳۷۰ ج ٦

**حل لغات:** بَعَثَ (ف) بَعْثًا بھیجنا۔ جَيْشًا (ج) جُيُوْشٌ لشکر۔ اَمَّرَ (تفعیل) تَاْمِيْرًا فلاناً امیر مقرر کرنا۔ يَصِيْحُ صَاحَ (ض) صَيْحًا وصِيَاحًا چیخنا، چلانا۔ اَلْجَبَلُ (ج) جِبَالٌ پہاڑ۔ لَقِيْنَا لَقِيَ (س) لِقَاءً پانا، ملنا۔ عَدُوٌّ (ج) اَعْدَاءٌ دشمن۔ هَزَمُوْا هَزَمَ (ض) هَزْمًا الْعَدُوَّ شکست دینا۔ صَائِحٌ اسم فاعل واحد مذکر، چیخنے والا (ج) صَائِحُوْنَ۔ اَسْنَدْنَا اَسْنَدَ اِلَيْهِ (افعال) اِسْنَادًا سہارا لینا، بھروسہ کرنا۔ ظُهُوْرٌ واحد ظَهْرٌ پیٹھ۔

**ترجمه:** حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک شخص کو امیر مقرر فرمایا جن کو حضرت ساریہ کہا جاتا تھا۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ آپؓ اچانک آواز دینے لگے اے ساریہ! پہاڑ، پس لشکر کا قاصد آیا اور کہا اے امیر المومنین! جب دشمن سے ہماری ٹکر ہوئی تو ہمیں شکست ہونے والی تھی کہ ایک آواز آئی اے ساریہ! پہاڑ، پس ہم نے اپنی پیٹھیں پہاڑ سے لگالیں، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں شکست دی۔ اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** فارس کے معرکوں میں قادسیہ کا معرکہ اور نہاوند کا معرکہ مشہور ترین معرکوں میں سے ہیں، نہاوند کے معرکہ میں دشمن پیچھے سے حملہ کرنے والا تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے دورانِ خطبہ منبر نبوی پر بیٹھے ہوئے آواز دی کہ پہاڑ کی طرف پشت کرو یا فرمایا پہاڑ سے خطرہ ہے، لوگ اس بے جوڑ کلام پر متحیر ہوئے کہ خطبہ جمعہ میں اس کلام کا کیا مطلب ہے؟ لیکن جب وہاں سے لوگ آئے اور میدان جنگ میں آواز سننے کا قصہ بیان کیا تب حقیقت سمجھ میں آگئی، اس ایک واقعہ میں حضرت عمر فاروقؓ کی کئی کرامات ظاہر ہوئیں، پہلی کرامت یہ ہے کہ آپ نے نہاوند کے میدانِ جنگ کا نقشہ ہزاروں میل دور سے دیکھا، دوسری کرامت یہ کہ مدینہ سے انکی آواز اتنی دور تک جا پہنچی، تیسری کرامت یہ کہ نقشۂ جنگ کو آپؓ نے مدینہ سے تبدیل کیا، جسکی برکت سے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی عبادات جسطرح نماز روزہ اور حج ہیں، اسی طرح جہاد بھی سنتِ پیغمبری اور عبادت ہے۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** الجبل پہاڑ کی طرف ہو جاؤ پہاڑ کو پشت کی جانب رکھو، روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ جب لوگوں نے خطبہ کے دوران حضرت عمرؓ کو اس طرح باواز بلند ساریہ کو مخاطب کرتے سنا تو حیرت زدہ ہو کر کہا

کہ یہاں ساریہ کو پکار رہے ہیں، وہ تو سیکڑوں میل دور نہاوند کے مقام پر دشمن کا مقابلہ کرنے میں مصروف ہیں؟ فاروق اعظمؓ نے فرمایا دراصل میں نے ایسا ہی منظر دیکھا کہ مسلمان مصروفِ جنگ ہیں اور ان کے لیے پہاڑ کو پشت بان بنالینا نہایت ضروری ہے، اس لیے بے اختیار میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے، جب ساریہؓ کا خط اور ایلچی آیا تو ٹھیک جمعہ کے روز عین نماز جمعہ کے وقت اس تاریخ کا واقعہ اس خط میں لکھا ہوا تھا اور ایلچی نے زبانی بھی بیان کیا۔ (مرقات، مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۷۵۶ ﴿حضرت کعبؓ کی کرامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵۵**

وَعَنْ نُبَيْهَةَ بْنِ وَهْبٍ أَنَّ كَعْبًا دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَذَكَرُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ كَعْبٌ مَا مِنْ يَوْمٍ يَطْلُعُ إِلَّا نَزَلَ سَبْعُوْنَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ حَتّٰى يَحُفُّوْا بِقَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْرِبُوْنَ بِأَجْنِحَتِهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا أَمْسَوْا عَرَجُوْا وَهَبَطَ مِثْلُهُمْ فَصَنَعُوْا مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى إِذَا انْشَقَّتْ عَنْهُ الْأَرْضُ خَرَجَ فِيْ سَبْعِيْنَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَزِفُّوْنَهُ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** دارمی، ص ۵۷ ج ۱، حدیث ۹۹

**حل لغات:** يَطْلُعُ طَلَعَ (ن) طُلُوْعًا الشَّمْسُ طلوع ہونا، نکلنا، مراد آنا۔ يَحُفُّوْا حَفَّ الشَّيْءَ (ن) حَفًّا گھیرنا، احاطہ کرنا۔ يَضْرِبُوْنَ ضَرَبَ ضَرْبًا مارنا۔ أَجْنِحَةٌ (واحد) جَنَاحٌ بازو، پہلو، پر۔ يُصَلُّوْنَ صَلّٰى (تفعيل) تَصْلِيَةً عَلٰى درود پڑھانا۔ أَمْسَوْا أَمْسٰى (افعال) إِمْسَاءً شام کے وقت میں داخل ہونا۔ عَرَجُوْا عَرَجَ (ن) عُرُوْجاً چڑھنا۔ هَبَطَ (ض) هَبْطًا و هُبُوْطًا اترنا۔ صَنَعُوْا صَنَعَ (ف) صَنْعًا بنانا، کرنا۔ اِنْشَقَّتْ اِنْشَقَّ اِنْشِقَاقًا پھٹ جانا۔ خَرَجَ (ن) خُرُوْجًا نکلنا۔ يَزِفُّوْنَ زَفَّ (ض) زَفًّا جلدی کرنا، دوڑنا۔ قرآن پاک میں ہے فَأَقْبَلُوْا إِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ. زَفَّ (ن) زِفَافاً دلہن کو رخصت کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت نُبَیْہَہ ابن وہب سے روایت ہے کہ حضرت کعبؓ احبار حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے رہے، حضرت کعبؓ نے کہا کہ کوئی دن طلوع نہیں ہوتا مگر ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور رسول اللہ کی قبر انور کو گھیر لیتے ہیں، اس سے اپنے پروں کو مس کرتے ہیں اور رسول اللہؐ پر درود بھیجتے ہیں اور جب شام ہو جاتی ہے تو وہ چلے جاتے ہیں اور اتنے ہی آجاتے ہیں، جو اسی طرح کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب آپؐ کی قبر انور شق ہوگی تو آپؐ ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں باہر تشریف لائیں گے۔ (دارمی)

**خلاصۂ حدیث** روضۂ مبارک پر فرشتوں کے نزول کا علم حضرت کعبؓ کو یا تو کتب سابقہ سے ہوا یا ان کو اپنے سے پہلے لوگوں سے اس کا علم ہوا یا بطور کرامت فرشتوں کا نزول ان کے سامنے منکشف ہوا اور انھوں نے اس کی خبر دی اور یہ وجہ زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی سے اُن کی کرامت ثابت ہوتی ہے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** يضربون باجنحتهم گرد و غبار صاف کرنے کے لیے یا انوار قبر سے برکت حاصل کرنے کے لیے فرشتے اپنے پر قبرِ اطہر سے مس کرتے ہیں۔ يزفونه جیسے ایک محبوب کو دوسرے محبوب کی طرف لے جانے کے لیے جلوس کی شکل میں لے جایا جاتا ہے، اسی طرح فرشتے قیامت کے روز آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف پر وقار جلوس میں لے جائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

# باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

## (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیان)

یہاں یہ باب عنوان کے بغیر رکھا گیا ہے، صاحب مشکوٰۃ کبھی کبھی ایسا کرتے ہیں، اس قسم کا بلاعنوان باب اکثر و بیشتر سابقہ باب کے ذیلی مضمون پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن یہاں اس باب کو سابقہ باب کا ذیلی مضمون نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ سابقہ باب کرامتوں پر مشتمل ہے اور یہ باب وفات النبیؐ کی احادیث پر مشتمل ہے، لہٰذا تمام شارحین نے کہا ہے کہ اس بلاعنوان باب کا عنوان یقیناً یہی ہے، باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد بھی ایک باب بلاعنوان آرہا ہے، لیکن اس کا عنوان خود بخود احادیث کو دیکھ کر سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس باب کا عنوان باب ترکۃ النبیؐ ہے، لہٰذا وہ باب اس مذکورہ باب کے ساتھ بالکل ملحق اور مناسب ہے، اس کی تمام احادیث ترکہ سے متعلق ہیں، وہ باب سابق باب کے لیے بطور ذیل ہے۔ (توضیحات)

وفاۃ موت (ج) وفیات، اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۱۷ احادیث نقل فرمائی ہیں، جن میں آپؐ کی ہجرت نیز وفات نبیؐ پر حضرت فاطمہؓ کا رنج وغم، واقعہ قرطاس، مرض الوفات کا آغاز، صدیق اکبرؓ کی خلافت کے بارے میں وصیت کا ارادہ، انبیا کو موت سے پہلے اختیار، محل تدفین کے بارے میں صدیق اکبرؓ کی رہنمائی اور دیگر امور کا ذکر ہے، آپؐ کی وفات کے بارے میں اس پر تو محدثین اور اہل سیر و تاریخ کا اتفاق ہے کہ ۱۱ ہجری ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا، لیکن تاریخ کے بارے میں تاریخ ولادت ہی کی طرح روایات اور اقوال مختلف ہیں، جہاں تک اپنا مطالعہ ہے (حضرت مولانا منظور نعمانیؒ) حدیث کی کسی کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے جس میں حضورؐ کی تاریخ وفات کا ذکر کیا گیا ہو، تاریخ اور سیر کی کتابوں میں تین تاریخوں کی روایات ذکر کی گئی ہیں، ربیع الاول کی پہلی دوسری اور بارہویں اور تاریخ ولادت کی طرح وفات کی تاریخ بھی بارہویں ہی زیادہ مشہور ہے، لیکن بعض محققین نے لکھا ہے تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ بات مسلّم اور صحیح ترین روایت سے ثابت ہے کہ وفات سے قریباً پونے تین مہینے پہلے آپؐ نے جو حج کیا (حجۃ الوداع) تو ۹ ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا اور یہ بھی مسلّم اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضورؐ کی وفات دوشنبہ کے دن ہوئی، تو ۹ ذی الحجہ کو جمعہ ہونے کی صورت میں ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن کسی طرح نہیں ہوسکتا، ذی الحجہ، محرم، صفر، تینوں مہینوں کو خواہ تیس تیس دن کا فرض کیا جائے یا انتیس انتیس دن کا فرض کیا جائے یا بعض کو انتیس اور بعض کو تیس دن کا، کسی صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں ہوسکتا، ہاں اگر تین مہینوں کو ۲۹ دن کا مانا جائے (جو بہت مستبعد ہے اور جسکا امکان بہت کم ہے) تو ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو ۲ تاریخ ہوگی اور اگر ایک مہینہ کو ۲۹ دن کا اور دو مہینوں کو تیس تیس دن کا مانا جائے (جو بکثرت ہوتا ہے) تو ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو ایک تاریخ ہوگی، ان سب حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ قریب قیاس یکم ربیع الاول والی روایت ہے۔ (معارف الحدیث)

### الفصل الاول

**حدیث نمبر ۲۷۵۷ ﴿آپؐ کی مدینہ آمد پر خوشیاں﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵۶**

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ فَجَعَلَا يُقْرِآنِنَا الْقُرْآنَ ثُمَّ جَاءَ عَمَّارٌ وَبِلَالٌ وَسَعْدٌ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِيْ عِشْرِيْنَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ فَرَحَهُمْ بِهٖ حَتّٰى رَأَيْتُ الْوَلَائِدَ وَالصِّبْيَانَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَاءَ فَمَا جَاءَ حَتّٰى قَرَأْتُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى فِيْ سُوَرٍ مِثْلِهَا مِنَ الْمُفَصَّلِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۷۳۶ ج ۲، باب سبح اسم ربك الاعلیٰ، کتاب التفسیر، حدیث ۴۹۴۱

**حل لغات:** قدم (س) قُدُوْمًا آنا۔ یقرآن، اَقْرَأَ (افعال) اِقْرَاءً ا فلانا، پڑھوانا۔ فرحوا (س) فَرْحًا خوش ہونا، فَرحٌ (ج) اَفْرَاحٌ خوشی۔ الوَلَائد (واحد) وَلِيدٌ نابالغ لڑکے۔ الصبیان (واحد) صَبِیٌّ بچہ۔

**ترجمہ:** حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے سب سے پہلے جو ہمارے پاس تشریف لائے، وہ حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ تھے پس وہ ہمیں قرآن پڑھانے لگے، پھر حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سعدؓ تشریف لائے، پھر حضرت عمرؓ بھی نبی کریمؐ کے بیس صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے آئے، پھر نبی کریمؐ تشریف لائے، میں نے اہل مدینہ کو اور کسی بات پر اتنا خوش نہیں دیکھا، یہاں تک کہ میں نے لڑکیوں اور لڑکوں کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ رسول اللہؐ تشریف لے آئے، یہاں تک کہ میں نے سورۂ اعلیٰ اور اس جیسی اوساط مفصل سورتیں سیکھ لیں تھی۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث**

نبوت کے گیارہویں سال جب موسم حج آیا، تو مدینہ سے قبیلۂ خزرج کے کچھ لوگ مکہ آئے، آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے اسلام قبول کرلیا یہ چھ لوگ تھے، یہ لوگ آپؐ سے رخصت ہوکر مدینہ منورہ پہنچے تو ہر مجلس میں آپؐ کا ذکر کرتے، اس طرح مدینہ کے ہر گھر میں آپؐ کی آمد سے پہلے ہی آپؐ کا ذکر خیر پہنچ گیا، جب دوسرا سال آیا جو نبوت کا بارہواں سال تھا، تو بارہ لوگ آپؐ سے ملنے مکہ آئے، سات نئے لوگ تھے اور پانچ پچھلے لوگ تھے، ان چھ میں سے ایک حضرت جابر بن عبداللہ تشریف نہیں لائے تھے، یہ بارہ حضرات رات کے وقت منیٰ میں عقبہ کے قریب آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اسی کو عقبہ اولیٰ کہتے ہیں، یہ لوگ بیعت کر کے مدینہ منورہ جانے لگے تو عبداللہ ابن ام مکتومؓ اور مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن اور احکامِ اسلام کے سکھلانے کے لیے ان کے ہمراہ کیا اور انھوں نے مدینہ پہنچ کر اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر قیام کیا، مصعب بن عمیر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مسلمانانِ مدینہ کو نماز پڑھاتے اور ان دونوں حضرات کے ہجرت کے بعد حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سعدؓ نے ہجرت کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا سلسلہ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد جب شروع ہوا تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومیؓ نے ہجرت کی، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولین ہجرت کرنے والوں میں حضرت عمرؓ بھی ہیں، حضرت عمرؓ کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں سے بعض یہ ہیں (۱) زید بن خطاب (۲) عمرو بن سراقہ (۳) عبداللہ بن سراقہ (۴) خنیس بن حذافہ سہمی (۵) سعید بن عمرو بن نفیل (۶) واقد بن عبداللہ (۷) خولی بن ابی خولی (۸) مالک بن ابی خولی (۹) ایاس بن بکیر (۱۰) عامر بن بکیر (۱۱) عاقل بن بکیر (۱۲) خالد بن بکیر رضوان اللہ علیہم اجمعین، پھر ہجرت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور یکے بعد دیگرے تمام صحابہ، ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے، رسول اللہؐ کے پاس سوائے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے کوئی باقی نہ رہا، یا وہ چند کمزور مسلمان تھے جو کفار کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے، پھر آپ نے مع صدیق اکبر کے ہجرت فرمائی، جس کی تفصیلات گزر چکی ہیں، آپؐ کی مکہ مکرمہ سے روانگی کی خبر مدینہ منورہ پہنچ چکی تھی، مدینہ کا ہر فرد شوقِ دیدار میں مقام حرہ پر آکر کھڑا ہو جاتا، دوپہر ہو جاتی تو لوگ اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے روزانہ یہی معمول تھا، ایک روز انتظار کر کے واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے ٹیلہ پر سے آپ کو رونق افروز ہوتے دیکھا تو بے اختیار پکار کر کہا "یا بنی قیلہ هذا جد کم" (اے بنی قیلہ تمہارا بختِ مبارک اور خوش نصیبی کا سامان جو آپہنچا) اس خبر کا کانوں میں پڑنا تھا کہ انصار والہانہ و بیتابانہ آپ کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے اور نعرۂ تکبیر سے بنی عمرو بن عوف کی تمام آبادی گونج اٹھی، سارے مدینہ میں جشن کا ماحول تھا، انصار ہر طرف سے جوق در جوق آکر جوشِ عقیدت میں عاشقانہ والہانہ سلام کر رہے تھے۔ (مستفاد سیرت المصطفیٰ)

**کلمات حدیث کی تشریح** رایت الولائد والصبیان آپ کا استقبال کرنے والوں میں بچے اور بچیاں بھی شامل تھیں اور سب مل کر یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

| طلع البدر علینا | ☆ | من ثنیات الوداع |
|---|---|---|
| وجب الشکر علینا | ☆ | ما دعا للہ داع |
| ایھا المبعوث فینا | ☆ | لقد جئت بالأمر المطاع |

بعض بچیاں یہ کہہ رہی تھیں:

| نحن جوار من بنی النجار | ☆ | یا حبذا محمدًا بجار |
|---|---|---|

قرأت سبح اسم ربك الاعلیٰ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے اس وقت میں سورۂ اعلیٰ اور دیگر اوساط مفصل سورتیں پڑھ چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکی ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغرض ہجرت مدینہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی، لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس سورت کی آیات "قد افلح من تزکی" میں صدقۂ فطر اور "وذکر اسم ربہ فصلی" میں نماز عید کا حکم دیا گیا ہے اور صدقۂ فطر اور نماز عید کا وجوب ۲ھ میں ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت کی باقی آیتیں تو مکی ہیں، لیکن یہ دو آیتیں مدنی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تو یہ اعتراض درست ہے اور نہ ہی اس کا یہ جواب، اس لیے کہ صحیح ترین روایات کی بنا پر یہ مکمل سورت مکی ہے "قد افلح من تزکی" ان آیات میں بدنی اور مالی عبادات کی ترغیب دی گئی ہے، اصل مراد یعنی صدقۂ فطر اور نمازِ عید کو واضح نہیں کیا گیا ہے ۲ھ میں مدینہ آکر جو صدقۂ فطر اور نمازِ عید کو واجب قرار دیا گیا، تو رسول اللہ نے اس وقت ان دونوں آیتوں کی مراد بیان فرمائی، ان آیات میں صدقۂ فطر اور نماز عید کی ترغیب دی گئی ہے، ہوسکتا ہے کہ اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہو کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی اور وہ اس کے مدنی ہونے کے قائل ہوگئے۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۷۵۸ ﴿حضرت ابوبکرؓ کی فراست﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵۷**

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ فَبَكَى أَبُوْبَكْرٍ قَالَ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا فَعَجِبْنَا لَهُ فَقَالَ النَّاسُ اُنْظُرُوْا إِلَى هٰذَا الشَّيْخِ يُخْبِرُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ وَهُوَ يَقُوْلُ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا فَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُخَيَّرُ وَكَانَ أَبُوْبَكْرٍ أَعْلَمَنَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۵۲ ج ۱، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۹۰۴، مسلم، ص ۲۷۲ ج ۲، باب من فضائل ابی بکر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۳۸۲

**حل لغات:** جَلَسَ (ض) جُلُوْسًا بیٹھنا، اَلْمِنْبَرُ جمع مَنَابِرُ بلند جگہ۔ خَيَّرَ (تفعیل) تَخْيِيْرًا اختیار دینا۔ يُؤْتِيْ آتيٰ (افعال) إِيْتَاءً دینا، عطا کرنا۔ زَهْرَةٌ بہار، زَهْرَةُ الدُّنْيَا دنیا کی رونق و بہار۔ إِخْتَارَ (افتعال) إِخْتِيَارًا انتخاب کرنا، پسند کرنا۔ بَكيٰ (ض) بُكَاءً رونا۔ الشَّيْخُ جمع شُيُوْخٌ بوڑھا، عمر رسیدہ۔ يُخْبِرُ أَخْبَرَ (افعال) إِخْبَارًا خبر دینا، بتلانا۔ عَبْدٌ (ج) عِبَادٌ بندہ۔ اَلْمُخَيَّرُ اسم مفعول اختیار دیا ہوا۔ خَيَّرَ (تفعیل) تَخْيِيْرًا اختیار دینا۔ أَعْلَمُ اسم تفضیل، زیادہ جاننے والا۔ عَلِمَ (س) عِلْمًا جاننا۔

**ترجمه:** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپؐ نے صحابۂ کرام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی بہار ونعمتوں میں سے جس قدر چاہے لے لے یا آخرت کی جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں ان کو لے لے، تو اس بندے نے آخرت کی وہ نعمتیں پسند کر لیں جو اللہ کے پاس ہیں، یہ سن کر ابوبکرؓ رونے لگے اور انھوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں (حدیث کے راوی ابوسعید خدری کہتے ہیں) کہ ہم کو ابوبکرؓ کی اس بات پر تعجب ہوا اور لوگوں نے آپس میں کہا کہ ان بزرگوار کو دیکھو تو حضورؐ اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا تا کہ یا تو وہ دنیا کی بہار ونعمتوں میں سے جس قدر چاہے پسند کرے یا آخرت کی وہ نعمتیں جو اللہ کے پاس ہیں پسند کرے اور یہ بزرگوار ابوبکر کہہ رہے ہیں کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں (آگے ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جب جلدی ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو معلوم ہو گیا کہ) آپ ہی وہ بندے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ اختیار دیا تھا (اور معلوم ہو گیا کہ) ابوبکر علم ودانش اور فراست میں ہم سب سے فائق تھے (انھوں نے وہ حقیقت سمجھ لی جو ہم میں سے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکا)۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث**

اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہؐ نے منبر پر رونق افروز ہو کر یہ خطاب کب فرمایا تھا صاحب مشکوٰۃ نے الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ سنن دارمی کے حوالے سے اس خطبہ کے متعلق حضرت ابوسعید خدری کی روایت نقل کی ہے اسمیں یہ صراحت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے یہ خطاب مرضِ وفات ہی میں فرمایا تھا اور یہ حضرت کا آخری خطاب تھا، اسکے بعد حضورؐ نے مسجد شریف میں کوئی خطاب نہیں فرمایا، یہاں تک کہ وصال فرما گئے اور صحیح مسلم کی روایت سے (جسکے راوی حضرت جندبؓ ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ وفات سے چار دن پہلے (یعنی جمعرات کے دن) آپ نے یہ خطاب فرمایا تھا صاحب مشکوٰۃ نے باب وفات النبیؐ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے یہ حدیث صرف اتنی ہی نقل کی ہے جو یہاں درج کی گئی، لیکن صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث حضرت ابوبکرؓ کے فضائل کے باب میں بھی نقل کی گئی ہے اور دونوں میں یہ اضافہ ہے کہ حضورؐ نے اسی خطاب میں یہ بھی فرمایا: ''اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ مَالِهٖ وَصُحْبَتِهٖ اَبُوْبَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّيْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهٗ لَا يُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّا سُدَّ اِلَّا بَابَ اَبِيْ بَكْرٍ'' یہ حقیقت ہے کہ لوگوں میں سے جس شخص نے میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کیا اپنے مال سے اور اپنی صحبت (یعنی خادمانہ رفاقت) سے وہ ابوبکرؓ ہیں اور اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو خلیل (یعنی جانی دوست) بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت ومودت کا خاص تعلق ابوبکرؓ سے ہے (اسی کے ساتھ آپ نے یہ ہدایت فرمائی کہ) مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے ابوبکرؓ کے دروازے کے (بس اسی کو باقی رکھا جائے) اس سے معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطاب میں (جو کہ وفات سے صرف چار دن پہلے آپؐ نے فرمایا تھا اور جو مسجد شریف میں آپ کی زندگی کا آخری خطاب تھا) اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کی طرف اشارہ فرمانے کے ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا تھا کہ امت میں جو مقام ومرتبہ ابوبکر کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں اور ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا کہ میرے بعد ابوبکرؓ ہی کا وہ تعلق مسجد سے رہے گا جو میرا تھا (ملحوظ رہے کہ عہد نبوت کی مسجد نبوی ہماری مسجدوں کی طرح صرف نماز کی مسجد نہیں تھی بلکہ وہ تمام کارہائے نبوت کا مرکز تھا) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطاب میں اور بھی چند اہم ہدایات فرمائی تھیں۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح**

جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ یہ مرض وفات سے چند روز قبل کا واقعہ ہے۔ زهرة الدنيا دنیا کی نعمتیں اور ساز وسامان مراد ہے اور پیغمبر کو اختیار ملا کہ اگر چاہیں تو ایک عرصہ تک دنیا میں مزید قیام کر سکتے ہیں، تا کہ

اللہ کے وعدہ کو پورا ہوتا ہوا دیکھ لیں اور اس کے بعد آ جائیں اور اگر اسی وقت آنا چاہیں تو اس کا بھی اختیار ہے۔ عَبْدًا بندہ کو مبہم رکھا نام ذکر نہیں فرمایا، لیکن ابوبکرؓ بھانپ گئے کہ اس سے آپ کی ذاتِ اقدس مراد ہے، چنانچہ وہ رونے لگے جوان کے اعلم ہونے کی دلیل ہے۔

**حدیث نمبر ۲۷۵۹ ﴿آپ کا آخری خطاب﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵۸**

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَتْلٰى أُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ إِنِّيْ بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ فَرَطٌ وَأَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَإِنِّيْ لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ وَأَنَا فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا وَإِنِّيْ قَدْ أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ وَإِنِّيْ لَسْتُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ وَلٰكِنِّيْ أَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا وَزَادَ بَعْضُهُمْ فَتَقْتَتِلُوْا فَتَهْلِكُوْا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۷۸ ج ۲، باب غزوۃ احد، کتاب المغازی، حدیث ۴۰۴۲، مسلم، ص ۲۵۰ ج ۲، باب اثبات حوض نبینا وصفاتہ، کتاب الفضائل، حدیث ۲۲۹۶

**حل لغات:** قَتْلٰى یہ مقتول کے معنی میں ہے بمعنی مقتول، شہید۔ اَلْمُوَدِّعُ وَدَّعَ (تفعیل) النَّاسَ رخصت کرنا، النَّاسَ رخصت ہونا۔ اَلْاَحْيَاءُ واحد حَيٌّ زندہ۔ اَلْاَمْوَاتُ واحد مَيِّتٌ مردہ۔ طَلَعَ (ن) طُلُوْعًا الشَّيْءَ وَفِيْهِ چڑھنا، اوپر ہونا۔ فَرَطٌ واحد جمع دونوں کے لیے آگے بڑھنے والا، پہلے پہنچنے والا۔ شَهِيْدٌ (ج) شُهَدَاءُ وَاَشْهَادٌ گواہ۔ مَوْعِدٌ (ج) مَوَاعِدُ وعدہ کی جگہ۔ اَلْحَوْضُ (ج) حِيَاضٌ پانی جمع ہونے کی جگہ، تالاب۔ اُعْطِيْتُ اَعْطٰى (افعال) اِعْطَاءٌ فُلَانًا عطیہ دینا۔ مَفَاتِيْحُ (واحد) مِفْتَاحٌ کنجی، چابی۔ خَزَائِنُ (واحد) خَزِيْنَةٌ خزانہ، بیت المال۔ اَخْشٰى خَشِيَ (س) خَشْيَةً ڈرنا۔ تُشْرِكُوْا اَشْرَكَ (افعال) اِشْرَاكًا شریک ٹھہرانا۔ تُنَافِسُوْا نَافَسَ (مفاعلت) مُنَافَسَةً رغبت دلانا۔ زَادَ (ن) زِيَادَةً زیادہ ہونا، بڑھنا۔ تَقْتَتِلُوْا اِقْتَتَلَ الْقَوْمُ (افتعال) لڑنا، باہم ماردھاڑ کرنا۔ تَهْلِكُوْا هَلَكَ (ض) هَلَاكَةً ہلاک ہونا، برباد ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر آٹھ سال کے بعد نماز پڑھی، اس شخص کی طرح جو الوداع کہنے والا ہو زندوں کو اور مردوں کو، پھر آپ (مسجد شریف آکر) منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے آگے فرط (میر منزل) کے طور پر جانے والا ہوں اور میں تمہارے بارے میں شہادت دینے والا ہوں اور تم سے ملاقات کی جگہ حوضِ کوثر ہے اور میں اپنی اسی جگہ سے اس حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں، اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دی گئی ہیں اور مجھے تمہارے بارے میں اس کا خطرہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ میرے بعد تمہاری رغبت اور چاہت کا رخ دنیا کی طرف ہو جائے اور تم اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو، اور کچھ راویوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ تم اس دنیا کی حرص کی وجہ سے آپس میں لڑ پڑو جس کے نتیجہ میں تم ہلاک ہو جاؤ، جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ احد میں جو صحابۂ کرامؓ شہید ہوئے تھے (جن میں حضورؐ کے محبوب ومحترم چچا حضرت حمزہؓ بھی تھے) ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی (بغیر نمازِ جنازہ ہی دفن کیے گئے تھے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آں حضرتؐ پر منکشف کیا گیا کہ آپ کا سفرِ آخرت قریب ہے، تو آپؐ ایک دن مشہد احد تشریف لے گئے (جہاں شہدائے احد مدفون ہیں) اور آپ نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز کی اسی حدیث کی روایت میں ہے "صَلّٰى عَلٰى

اَھْلِ اُحُدٍ صلوتہٗ علی المیت" اس میں صراحت ہے کہ آپؐ نے آٹھ سال پہلے شہید ہو کر دفن ہونے والوں پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، آگے حدیث کے راوی عقبہ بن عامر کے الفاظ ہیں "کالمودع للاحیاء والاموات" مطلب یہ ہے کہ اس نماز میں حضورؐ کا حال وہ تھا جو زندوں اور مردوں کو الوداع کہنے اور رخصت کرنے والے کسی شخص کا ہوتا ہے، آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ پھر وہاں سے آپ مسجد تشریف لائے (غالباً نماز کا وقت ہوگا اور مسجد میں لوگ جماعت سے نماز ادا کرنے کے لیے جمع ہوں گے) آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور خاص اہتمام کے ساتھ یہ چند باتیں ارشاد فرمائیں۔ اول یہ کہ تم سے پہلے اور تم سے آگے عالم آخرت کی طرف فرط کی طرح جانے والا ہوں، عرب میں دستور تھا کہ جب قافلہ کسی طرف جانے والا ہوتا تو ایک سمجھدار اور تجربہ کار آدمی آگے کی منزل کی طرف پہلے روانہ ہو جاتا، جو قافلہ سے پہلے منزل پر پہنچ کر قافلہ کے لیے ضروری انتظامات کر لیتا اس کو فرط کہا جاتا تھا۔ اس ارشاد میں حضورؐ نے اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کا اشارہ دینے کے ساتھ صحابہ کرام کو تسلی دی کہ میرا تم سے پہلے چلا جانا تمہارے لیے باعث خیر ہوگا، میں آگے جا کر تمہارے لیے وہ کروں گا جو فرط کرتا ہے اور جس طرح قافلہ روانہ ہونے کے بعد منزل پر پہنچ کر پھر فرط سے مل جاتا ہے، اسی طرح تم بھی مجھ سے آملو گے، آگے آپؐ نے فرمایا اور میں تمہارے بارے میں شہادت دوں گا کہ تم ایمان لائے تھے اور تم نے میرا اتباع کیا اور راہِ حق میں ساتھ دیا تھا۔ آگے حضورؐ نے فرمایا کہ وہاں ملاقات حوض کوثر پر ہوگی۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوضِ کوثر کو میں اس وقت اپنی اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ نے سارے پردے اٹھا کر آخرت کے حوضِ کوثر کو میرے سامنے کر دیا ہے) اس کے ساتھ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمین اور اس دنیا کی خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرمادی گئی ہیں۔ یہ بشارت تھی کہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں میری امت کو عطا فرمائے جانے کا خداوندی فیصلہ ہو چکا (واقعہ یہ ہے کہ اس کا ظہور عہد صحابہ ہی میں ہو گیا) اس خطاب کے آخر میں حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اس کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم پھر مشرک ہو جاؤ گے۔ اس طرف سے مجھے اطمینان ہے۔ ہاں یہ خطرہ ضرور ہے کہ تمہاری رغبت اور طلب کا رخ دنیا کی زینتوں اور لذتوں کی طرف ہو جائے، حالانکہ مومن کے لیے رغبت اور چاہت کی چیز صرف جنت و نعمہائے آخرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

علی قتلی احد آپؐ نے آٹھ سال بعد شہدائے احد پر نماز پڑھی، احد کے شہدا پر شہادت کے بعد نماز ہوئی تھی یا نہیں؟ اور شہدا کی نماز جنازہ ہے یا نہیں؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ اس کی ذیل میں وضاحت ہوگی۔ کالمودع زندوں کو رخصت کرنا تو واضح ہے اور مردوں کو رخصت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کی قبروں پر آنا اور ان کے لیے دعائیں کرنا یہ سلسلہ اب ختم ہو گیا، گویا آپؐ نے ان سب کو رخصت کیا۔ فرط اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی آنے والے کے لیے پہلے سے جگہ اور سامان تیار کر کے انتظام کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری امت کے لیے بطور شفیع المذنبین پہلے چلے گئے۔ شہید اس کا معنی حاضر ناظر نہیں ہے۔ بلکہ یہ امت جب سابقہ امتوں پر گواہی دے گی، تو وہ لوگ جرح کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہمارے زمانے میں یہ لوگ موجود نہیں تھے، ہم پر ان کی گواہی غلط ہے، اس جرح کی تزکیہ کے لیے حضور اکرمؐ گواہی دیں گے کہ میری امت نے صحیح کہا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا" اگر شہید کا معنی حاضر ناظر ہے تو پھر یہ امت اپنے نبی سے زیادہ حاضر ناظر ہو جائیگی کیونکہ امت تو تمام انسانوں پر گواہ ہے اور نبی مکرمؐ صرف اپنی امت پر گواہ ہیں۔ (توضیحات)

وانی لانظر الیہ میں اس وقت اپنی حوض کو دیکھ رہا ہوں، یہ تکوینی چیزیں ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے اسی مقام پر حوض کو حاضر کر دیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حوض تک کے پردے اٹھا دیئے ہوں، یہ اللہ کا تصرف ہے، یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس موقع پر ظاہری معنی

لینے میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ آپ حوض کو اپنی انہی آنکھوں سے بروقت ملاحظہ فرمار ہے ہوں۔ **وانی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض** آپ نے فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا ہوئیں، یا یہ فرمایا کہ مجھے زمین کی کنجیاں دی گئیں، یعنی اللہ نے آپ کو اس دنیا میں موعود خزانوں پر مالکانہ اختیار دیا اور زمین کے خزانوں کو آپ کی ملکیت میں دے دیا، اسے بھی اپنے ظاہر پر محمول کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے، مالک ہونے کے لیے استعمال لازمی چیز نہیں ہے، تو اللہ نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے تمام خزانوں کا مشاہدہ کرایا اور انھیں آپ کی ملکیت میں دیا، اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ آپ اس دنیا کے بھی بادشاہ ہیں، اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس وقت تو آپ کو فقط بشارت سنائی گئی اور فیصلہ خداوندی سے آگاہ کرایا گیا، پھر خلفا کے دور میں اس کا ظہور ہوا کہ پوری دنیا زیر نگیں یا زیر اثر آئی، مزید آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے یہ خوف تو اب نہیں ہے کہ تم سب اجتماعی طور پر مشرک بن جاؤ گے، ہاں یہ ڈر ضرور دامن گیر ہے کہ تم دنیاداری میں ایک دوسرے سے مقابلہ آرائی کرو گے۔ (ایضاح البخاری)



**شہید کی نماز جنازہ کا مسئلہ:** امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہید کی نمازِ جنازہ بھی دیگر عام موتی کی طرح فرض کفایہ ہے، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی، سفیان ثوری اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے، حضرات شوافع، مالکیہ اور حنابلہ شہید کی نمازِ جنازہ کے قائل نہیں ہیں، پھر ان میں قائل نہ ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ حنابلہ نماز نہ پڑھنے کو افضل اور مستحب کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے یہاں شہید کی نمازِ جنازہ خلافِ اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے، مالکیہ کے یہاں دونوں طرح کی روایات ہیں، کراہتِ تنزیہی کی بھی اور تحریمی کی بھی، لیکن تحریمی ہی راجح ہے۔ شوافع کا مسلک تحریمی ہی کا ہے۔ ان کے یہاں شہید کی نمازِ جنازہ کے حرام ہونے کی تصریح ملتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث ہے "**امر بدفنهم فی دمائهم ولم یغسلوا ولم یصل علیهم**" بخاری حدیث ۱۳۴۳، اس میں صراحت آئی ہے کہ حضورؐ نے نہ تو شہدائے احد کو غسل دیا اور نہ ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، تو شوافع یہ کہتے ہیں کہ جس طرح ان کو غسل دینا ناجائز ہے، اسی طرح ان کی نمازِ جنازہ پڑھنا بھی جائز نہیں، عقلی دلائل کے طور پر بھی یہ حضرات کئی باتیں فرماتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ نمازِ جنازہ اپنی اصل میں دعا اور استغفار ہے اور شہید چوں کہ مغفور ہے اور اللہ کے یہاں خصوصی اکرام میں ہے، اس لیے اسے نماز کی حاجت نہیں، وہ یہ بھی قیاس کرتے ہیں کہ نماز جنازہ تو میت کے لیے مشروع ہوئی ہے، جب کہ شہید زندہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں منصوص ہے، لہٰذا شہید کی نماز جنازہ جائز نہیں، وہ غسل پر بھی قیاس کرتے ہیں کہ جب غسل نہیں دیا گیا تو نماز بھی نہیں ہوگی، اس لیے کہ جس کے لیے غسل نہیں اس کے لیے نماز نہیں۔

**احناف کے مستدلات، عقبہ ابن عامر کی حدیث باب:** حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث باب میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً آٹھ سال بعد شہدائے احد کی نماز پڑھی اور اس نماز کا ذکر دیگر احادیث میں بھی آیا ہے، بعض روایات میں مزید تفصیل بھی ہے اور اس نماز میں حضورؐ کی خصوصی کیفیت کا بیان بھی آیا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور شہدائے احد کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی گئی ہے، علامہ نوویؒ اور دیگر شوافع اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد دعا ہے، مگر یہ توجیہ دو وجہ سے درست نہیں، ایک تو اس لیے کہ شرعی مصطلحات میں شرعی مفہوم ہی مراد ہوتا ہے، لغوی معنی مراد نہیں ہوتے، لہٰذا صلوٰۃ سے شرعی معنی نماز ہی مراد ہوں گے، محض دعا و استغفار نہیں، دوسرے اسی حدیث میں "**صلاته علی المیت**" کے الفاظ ہیں، یہ مفعول مطلق ہے جو بیان نوع کے لیے آتا ہے، تو یہ واضح کیا گیا کہ شہدائے احد پر نماز جنازہ کی طرح نماز پڑھی گئی، اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ کہ اگر یہ دعا ہوتی تو اس اضافہ کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں اور اگر آپ اس اضافہ میں بھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ "**صلوتهٔ علی المیت**" ای "**کدعائه علی المیت**" تو یہ ایسی بعید تاویل ہے جس کی الفاظ میں گنجائش نہیں، بعض شوافع اس حدیث

سے استدلال کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ نماز دفن کے آٹھ سال بعد ہوئی۔ جب احناف کے یہاں زیادہ مدت کے بعد نمازِ جنازہ درست نہیں، تو یہ حدیث تو احناف کے خلاف ہوئی، اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے جو بیان کیا ہے وہ احناف کا مسلک نہیں ہے، احناف نے قبر پر نماز کے جواز کی کوئی مدت مقرر نہیں کی ہے، بلکہ اس کے بارے میں احناف کا اصول یہ ہے کہ میت کے پھٹنے اور اس میں تغیر پیدا ہونے تک نماز پڑھ سکتے ہیں، جسم کے پھٹ جانے کے بعد نہیں اور شہدا کے اجسام میں اس طرح کا تغیر ضروری نہیں، اس لیے ان کی نمازِ جنازہ آٹھ سال بعد بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

**تحقیق یہی ہے کہ شہدائے احد کی نماز اسی موقع پر ہوئی ہے:** مذکورہ بالا روایت کا تعلق احد کے شہداء سے ہے، حضرت جابرؓ نے بہت واضح لفظوں میں نمازِ جنازہ کی نفی کی ہے، لیکن شہدائے احد پر نمازِ جنازہ پڑھے جانے کی روایات اتنی زیادہ ہیں کہ نفی کے مضمون کی کوئی گنجائش نہیں، حضورؐ نے متعدد غزوات میں شرکت فرمائی ہے، ان میں لوگ شہید بھی ہوئے اور بہت سے موقع پر حضورؐ کا نماز پڑھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم آگے ذکر کرنے والے ہیں، لیکن نمازِ جنازہ کا جو اہتمام آپ نے احد کے موقع پر فرمایا وہ اور کسی موقع پر مروی نہیں ہے، اس لیے اس کے راویوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور مرویات بھی بہت ہیں، ان روایات پر نظر ڈالنے سے ایک طرف تو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ حضورؐ نے بنفس نفیس احد کے شہدا کی نمازِ جنازہ پڑھائی ہے، دوسری طرف یہ بھی محقق ہوجاتا ہے کہ شہدا کی نمازِ جنازہ بھی فرض کفایہ ہے اور اس کا انکار کرنا دلائل کی روشنی میں بہت مشکل ہے۔

**حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء پر نماز جنازہ کی روایات:** غزوۂ احد میں کل ستر صحابہ شہید ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنازے کی اتنی بڑی تعداد پہلی بار آئی تھی، اب جنازہ کی نماز کا جو عام طریقہ تھا یعنی ایک ایک کی نماز پڑھنا اس پر عمل دشوار تھا، اس لیے حضورؐ نے دس دس صحابہ کو ملا کر نمازِ جنازہ پڑھی اور حضرت حمزہؓ جن کی شہادت کا حضورؐ کی طبیعت پر گہرا اثر تھا اور جن کو حضورؐ نے سید الشہداء فرمایا ہے، ان کو ہر مرتبہ سامنے رکھا گیا اور وہ ہر جماعت میں موجود رہے، اسی طرح کل سات نمازیں ہوئیں اور حضرت حمزہؓ پر بھی سات ہی مرتبہ نماز پڑھی گئی، روایات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

**حضرت ابن عباسؓ کی روایت:** ''عن ابن عباس قال أتی بهم النبی صلی الله علیه وسلم یوم احد فجعل یصلی علی عشرة عشرة وحمزة وهو کما هو یرفعون وهو کما هو موضوع.'' (ابن ماجہ) کہ حضورؐ نے احد کے شہداء پر دس دس کی جماعت بنا کر نماز پڑھی اور حضرت حمزہ ہر جماعت میں شامل تھے دیگر جنازوں کو اٹھالیا جاتا تھا حضرت حمزہ کا جنازہ وہیں رکھا رہتا تھا، اسی روایت کو طحاوی نے اس طرح بیان کیا ہے: ''عن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یوضع بین یدیه یوم احد عشرة فیصلی علیهم وعلی حمزة ثم توضع العشرة وحمزة موضوعة ثم توضع عشرة فیصلی علیهم وعلیٰ حمزة معهم'' بزار نے اس روایت کو بہت تفصیل سے ایک طویل سیاق کے ساتھ نقل کیا ہے، اس میں بھی اسی اجتماعی نماز کا ذکر ہے حاکم اور طبرانی نے بھی دس دس کی جماعت بنا کر نماز پڑھنا ذکر کیا ہے ان کی روایات میں بعض تفصیلات کا فرق ہے، لیکن اصل مضمون وہی ہے، حافظ ذہبی نے مختصر السنن میں ان روایات کا خلاصہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح سات نمازیں ہوئیں اور شہدا کی تعداد ستر تھی۔ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں حضرت جابرؓ کی روایت نقل ہوئی ہے، وہی روایت ائمہ ثلاثہ کی اصل دلیل ہے، لیکن حضرت جابرؓ ہی سے اثبات بھی مروی ہے۔ عن ابن عقیل قال سمعت جابر بن عبدالله یقول فقد رسول الله صلی الله علیه وسلم حمزة الی قوله ثم جیء بحمزة فصلی علیه ثم جیء بالشهداء فیوضعون الی جانب حمزة..... حتی صلی علی الشهداء کلهم'' اسی روایت کو حاکم نے مستدرک میں نقل کر کے کہا صحیح الاسناد ولم یخرجاه۔

**حضرت جابر بن عبداللہؓ کے انکار کی توجیہ:** بخاری کی روایت میں حضرت جابر بن عبداللہؓ نے نماز سے بہت صاف انکار کیا ہے۔ انہوں نے نماز اور غسل دونوں کی ایک ساتھ نفی کی ہے۔ روایت کی سند بھی اعلیٰ درجہ کی ہے، اس سلسلے میں کئی توجیہ منقول ہیں، مگر ان میں سب سے مناسب توجیہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کی نفی سے معمول کے مطابق نماز جنازہ پڑھنے کی نفی مراد ہے۔ یعنی حضرت جابرؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عام حالات میں ایک ایک پر علاحدہ علاحدہ نماز جنازہ ہوتی ہے احد کے موقعہ پر اس طرح نہیں ہوئی۔ ہم نے حضرت جابرؓ سے بھی ایک روایت نماز جنازہ کے اثبات کی دی ہے، اس کی سند اگرچہ کمزور ہے، لیکن اگر اسے سامنے رکھیں تو یہ توجیہ مناسب اور بے تکلف معلوم ہوتی ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ دراصل احد کی جنگ کا دن حضرت جابر بن عبداللہؓ کی زندگی کا سب سے نازک دن ہے، وہ اپنے والد کے اکیلے فرزند تھے، اس دن آپؐ کے والد اور چچا دونوں شہید ہو گئے تھے، جنگ ختم ہوتے ہی حضرت جابرؓ ان کی تجہیز و تکفین میں لگ گئے تھے۔ اور حضرت جابرؓ ان صحابہ میں ہیں جن کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ حضورؐ شہدا کو اسی مقام پر دفن کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ بات ان کو بعد میں معلوم ہوئی۔ اس لیے حضرت جابرؓ انتظامی امور کے لیے مدینہ منورہ چلے گئے تھے، بس اسی دوران ادھر شہدا کی نماز جنازہ ہوتی ہے اور نماز جنازہ چوں کہ کوئی نیا اور انوکھا عمل نہیں تھا، اس لیے بہت ممکن ہے کہ کسی نے حضرت جابرؓ سے اس کا ذکر نہ کیا ہو، حضرت جابرؓ کی حدیث میں یہ بات آپ کو تسلیم کرنی ہی ہوگی، ورنہ آپ دیگر صحابہ کے بیان کا کیا کریں گے جن کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ان کا بیان تفصیل کے ساتھ ہے۔ جس میں نماز جنازہ کا طریقہ اور ایک ایک بار میں رکھے جانے والے جنازوں کی تعداد تک کی وضاحت ہے اور ان کی سندیں بھی صحیح ہیں۔ حضرت علامہ کشمیریؒ نے حدیث جابر کا جواب یہ دیا ہے کہ لم یصل سے مراد یہ ہے کہ اس طرح نہیں پڑھی جس طرح حضرت حمزہؓ کی پڑھی کہ ان کی ایک بار تنہا الگ پڑھی اور پھر سب کے ساتھ بھی پڑھی۔ اس طرح یہ روایات باہم مطابق ہو گئیں۔

**شوافع کے عقلی دلائل اور قیاسات کا جواب:** رہا شوافع کا یہ کہنا کہ شہدا مغفور ہیں ان کو نماز جنازہ کی حاجت نہیں، جس کا اصلی مقصود استغفار ہے اور وہ استغفار سے بے نیاز ہیں۔ یہ قیاس درست نہیں۔ نماز کی مشروعیت کا تعلق گناہ گار ہونے سے نہیں بلکہ مومن ہونے سے ہے، اگر شہید کے بارے میں مذکورہ وجہ کو تسلیم کیا جائے تو پھر انبیا اور نابالغ بچوں کو بھی مستثنیٰ کرنا ہوگا۔ پھر اللہ کی رحمت دعا اور خیر کی طلب سے کوئی بھی بے نیاز نہیں، اسی طرح ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میدان جہاد میں مصروفیات زیادہ ہوتی ہیں، پریشانی کا عالم ہوتا ہے ایسے میں نماز میں دقت ہوگی لہٰذا آسانی کے لیے نماز ختم کر دی گئی۔ یہ اس لیے غلط ہے کہ نماز کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ اصل دقت و پریشانی یا مصروفیت و مشغولیت تو تجہیز و تکفین اور تدفین میں ہوتی ہے، جب وہ سب امور ضروری ہیں، شہدا کے ساتھ انجام دیئے جاتے ہیں ان میں تخفیف نہیں کی گئی، تو نماز میں تخفیف کی بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ جب کہ نماز خود ہی بہت خفیف اور معمولی عمل ہے، چار تکبیروں میں کون سا وقت لگتا ہے؟ ان کی یہ بات بھی درست نہیں کہ شہدا کو قرآن نے زندہ کہا ہے اور نماز جنازہ تو میت کی ہوتی ہے، کیوں کہ ان کی زندگی اخروی زندگی ہے، حکم آخرت میں زندہ ہیں، مگر احکام دنیا میں وہ مردہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے مال میں میراث جاری ہوتی ہے، دوسروں کے لیے ان کی بیوہ سے نکاح کرنا جائز ہوتا ہے، اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ احکام کیسے جاری ہوتے؟ اور نماز جنازہ دنیاوی حکم ہے۔ (ایضاح البخاری، ج ششم)

**حدیث نمبر ۲۷۶۰ ﴿آپؐ کی حیات مبارکہ کے آخری لمحات﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵۹**

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ عَلَيَّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ فِيْ بَيْتِيْ وَفِيْ يَوْمِيْ وَبَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ وَأَنَّ اللّٰهَ جَمَعَ بَيْنَ رِيْقِيْ وَرِيْقِهٖ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَدَخَلَ عَلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ

وَبِيَدِهِ سِوَاكٌ وَأَنَا مُسْنِدَةٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُهُ يَنْظُرُ إِلَيْهِ وَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ السِّوَاكَ فَقُلْتُ آخُذُهُ لَكَ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ أَنْ نَعَمْ فَتَنَاوَلْتُهُ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ وَقُلْتُ أُلَيِّنُهُ لَكَ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ أَنْ نَعَمْ فَلَيَّنْتُهُ فَأَمَرَّهُ وَبَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فِيهَا مَاءٌ فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ وَيَقُوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ فَجَعَلَ يَقُوْلُ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى حَتّٰى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص ۶۴۰، ج ۲، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ، کتاب المغازی، حدیث ۴۴۴۹

**حل لغات:** نِعَمٌ (واحد) نِعْمَةٌ انعام، دولت۔ تُوُفِّي تَوَفِّي (تفعل) فلانا وفات پانا۔ سَحْرٍ (ج) أَسْحَارٌ کسی چیز کا کنارہ۔ نَحْرٌ سینہ کا بالائی حصہ۔ رِيْقٌ (ج) أَرْيَاقٌ رال، لعاب۔ سِوَاكٌ (ج) أَسْوِكَةٌ وسُوْكٌ مسواک، داتون۔ مُسْنِدَةٌ أَسْنَدَ إليه (افعال) سہارا لینا، بھروسہ کرنا۔ آخُذُ أَخَذَ (ن) أَخْذًا لینا۔ أَشَارَ (افعال) إِشَارَةً اشارہ کرنا۔ تَنَاوَلْتُ تَنَاوَلَ (تفاعل) تناول لینا۔ أُلَيِّنُهُ لَيَّنَهُ (تفعیل) نرم کرنا۔ أَمَرَّهُ (افعال) إِمْرَارًا گزارنا، پھیرنا۔ رَكْوَةٌ (ج) رِكَاءٌ چھوٹا ڈول، برتن۔ يَمْسَحُ مَسَحَ (ف) مَسْحًا پونچھنا۔ نَصَبَ (ض) نَصْبًا کھڑا کرنا۔ سَكَرَاتٌ (واحد) سَكْرَةٌ شدت وسختی۔ الرَّفِيْقُ (ج) رُفَقَاءُ ساتھی، دوست۔ الْأَعْلٰى بلندتر، بلندرتبہ۔ قُبِضَ فُلَانٌ روح قبض ہونا، مرنا۔ مَالَتْ مَالَ (ض) مَيْلًا جھکنا۔

**توجمه:** حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جن خاص نعمتوں سے نوازا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہؐ نے میرے گھر میں اور میری ہی باری کے دن وفات پائی، اور یہ بھی کہ آپؐ نے میرے سینہ اور میری ہنسلی کے درمیان وفات پائی، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے آخری وقت میں میرا آبِ دہن اور حضورؐ کا آب دہن ملا دیا، میرے بھائی عبدالرحمٰن گھر میں آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں حضورؐ کو سینہ سے لگائے بیٹھی تھی، تو میں نے دیکھا کہ حضورؐ عبدالرحمٰن کی مسواک کی طرف نظر فرما رہے ہیں، میں نے سمجھا کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ کیا میں عبدالرحمٰن سے یہ مسواک آپؐ کے لیے لے لوں؟ تو آپؐ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں لے لو، لہٰذا میں نے وہ مسواک عبدالرحمٰن سے لے کر دے دی، آپؐ نے اس سے مسواک کرنی چاہی تو وہ سخت محسوس ہوئی، میں نے عرض کیا کہ میں اس کو آپؐ کے لیے نرم کر دوں؟ تو آپؐ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں، تو میں نے اس کو نرم کر دیا، پھر آپؐ نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا، اس وقت حضورؐ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، آپؐ بار بار اس پانی میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے اور وہ ہاتھ چہرے مبارک پر پھیر لیتے، اور اسی حال میں زبان مبارک سے فرماتے: لا الٰه الا اللّٰه ان للموت سكرات. (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، بے شک موت کے لیے سختی ہیں) پھر آپؐ نے دست مبارک اوپر کی طرف اٹھایا اور فرمانے لگے: في الرفيق الاعلىٰ اسی حال میں روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپؐ کا اوپر اٹھا ہوا ہاتھ نیچے کی طرف آ گیا۔ (صحیح بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت صدیقہؓ نے صرف ان خاص الخاص انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو حضورؐ کی زندگی کے آخری لمحاتِ حیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ہوئے۔ ایک یہ کہ حضورؐ نے میرے گھر میں وفات پائی اور حسنِ اتفاق سے وہ دن میری نوبت کا تھا، یعنی اگرچہ حضورؐ وفات سے آٹھ دن پہلے اپنی خواہش اور دیگر ازواجِ مطہرات کی اجازت سے میرے گھر میں مستقل طور پر تشریف لے آئے تھے، لیکن جس دوشنبہ کو وفات پائی وہ دن باری کے حساب سے بھی حضورؐ کے میرے ہاں قیام کا دن تھا، اور دوسرا خصوصی انعام اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ فرمایا کہ جس وقت حضورؐ نے وفات پائی اس وقت آپؐ میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان تھے، یعنی حضورؐ کی کمر مبارک میرے سینہ سے لگی ہوئی تھی اور سر مبارک میری ہنسلی سے لگا ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ کا تیسرا خاص انعام مجھ پر یہ ہوا کہ اس آخری وقت میں میرے بھائی عبدالرحمٰن گھر میں آ گئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، ان کی مسواک کی طرف حضورؐ

نے اس طرح دیکھا کہ میں نے سمجھا کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے حضورؐ کا اشارہ پا کر وہ مسواک اپنے بھائی سے لے کر حضورؐ کو دے دی، آپؐ نے اس کو استعمال کیا تو وہ سخت محسوس ہوئی، پس میں نے عرض کیا کہ میں اس کو آپؐ کے لیے نرم کروں تو آپؐ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں اس کو نرم کردو، تو میں نے اس کو چبا کر اور نرم کر کے آپ کو دیا تو آپؐ نے اس کو حسب معمول دانتوں پر پھیرا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آخری وقت میں آپؐ کا آبِ دہن میرے حلق میں اور میرا آبِ دہن آپ کے دہن مبارک میں جمع فرما دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان خاص خاص انعامات الٰہیہ پر حضرت صدیقہؓ کو جتنی بھی خوشی اور جتنا بھی فخر ہو، برحق ہے، آگے حضرت صدیقہؓ نے آخری وقت کا جو حال بیان فرمایا ہے، اس میں اس آخری وقت کی شدت کا ذکر ہے، فرماتی ہیں کہ اس وقت حضورؐ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، آپؐ بار بار اس میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے اور اس حال میں زبانِ مبارک سے فرماتے: "لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات" مقربین کو اس طرح کی تکلیف ان کے رفع درجات کے لیے ہوتی ہے، آگے حضرت صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ اسی حال میں آپؐ نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: فی الرفیق الاعلیٰ یوں سمجھنا چاہئے کہ اس وقت وہ اعلیٰ علیین آپؐ کے سامنے کر دیا گیا تھا جو حضرات انبیا حضرات صدیقین، شہداء اور صالحین کا مقام و مستقر ہے، آپؐ نے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ مجھے اسی رفیق اعلیٰ میں پہنچا دیا جائے، چنانچہ روح مبارک قبض کر لی گئی اور اٹھا ہوا دست مبارک نیچے آ گیا قرآن پاک میں حضرت انبیا علیہم السلام، صدیقین، شہدا اور صالحین کے لیے اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہے۔ وحسن اولئك رفيقاً (سورۂ نسا، آیت: ۶۹)

**کلمات حدیث کی تشریح**

يدخل يديه فی الماء فيمسح بهما وجهه آپؐ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا، چوں کہ اس وقت مزاج میں حرارت کا بہت غلبہ تھا، اس لیے ہاتھ تر کر کے چہرہ پر پھیر لیتے، تا کہ کچھ سکون حاصل ہو اور ساتھ ہی اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری اور عبدیت کا اظہار بھی ہے۔ آپؐ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ سکرات الموت کے وقت انسان کو یہ عمل کرنا چاہئے، اگر مریض خود قادر نہ ہو تو تیمارداروں کو چاہئے کہ وہ پانی میں ہاتھ بھگو کر مریض کے چہرے پر پھیریں یا حلق میں پانی ٹپکائیں تا کہ سنت پر بھی عمل ہو جائے اور کرب میں بھی تخفیف ہو، بلکہ اگر حاجت سخت ہو تو پھر یہ عمل یعنی پانی ٹپکانا واجب ہو جاتا ہے۔ ان للموت سکرات. سکرات جمع ہے سکرۃ کی بمعنی سختی۔ سکرات الموت سے مراد وہ تنگی اور سختی ہے جو اندرونی سوزش اور تپش اور مزاج و طبیعت کی تلخی کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے، انبیا، اولیا اور ارباب کمال بھی اس سختی سے مستثنیٰ نہیں ہیں، اس لیے ایسی حالت میں خدا کی پناہ مانگنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے اس وقت آسانی کی دعا کرنی چاہئے، جیسا کہ شمائل ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپ کو وقت نزع میں اس حال میں دیکھا کہ آپؐ کے پاس پانی کا پیالہ تھا اور وہ اس میں ہاتھ ڈالتے تھے اور اپنے چہرہ پر پھیرتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: اللهم اعنى علىٰ منكرات الموت اور ایک روایت میں علیٰ سکرات الموت کے الفاظ ہیں۔ الرفيق الاعلیٰ: رفیق اعلیٰ سے کون مراد ہیں؟ اسمیں کئی احتمال ہیں: (۱) رفیق اعلیٰ سے مراد حظیرۃ القدس ہے جو انبیا مرسلین کا مسکن ہے (۲) رفیق اعلیٰ سے مراد انبیا ہیں جو اعلیٰ علیین میں ہیں جیسا کہ دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: مع النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا (۳) رفیق اعلیٰ سے مراد ملاء اعلیٰ اور عالم ملکوت یعنی آسمان پر رہنے والے فرشتے وغیرہ (۴) رفیق اعلیٰ سے مراد خود حق تعالیٰ شانہ ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے مشتاق ہیں اور آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ چاہے آپؐ دنیا میں رہ لیں چاہے آخرت قبول کر لیں تو آپؐ نے فرمایا: اخترت الرفيق الاعلیٰ. (واللہ اعلم) میں تو رفیق اعلیٰ یعنی بارگاہِ الٰہی کو پسند کرتا ہوں۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۷۶۱ ﴿انبیاء کرام کو موت سے پہلے اختیار ملنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۰**

وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ نَبِيٍّ يَمْرَضُ إِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَكَانَ فِي شَكْوَاهُ الَّذِيْ قُبِضَ أَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِيْدَةٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ خُيِّرَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۶۰ ج ۲، سورۃ النساء باب فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين، كتاب التفسير، حدیث ۴۵۸۶، مسلم، ص ۲۸۶ ج ۲، باب فی فضل عائشة، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۴۴

**حل لغات:** يَمْرَضُ مَرِضَ (س) مَرَضًا بیمار ہونا۔ خُيِّرَ خَيَّرَهُ (تفعیل) تَخْيِيْرًا اختیار دینا۔ شكوىٰ (ج) شكاوىٰ شکایت۔ قُبِضَ قبض فلانٌ روح قبض ہونا۔ بُحَّةٌ آواز کا بھاری پن۔ اَنْعَمْتَ اَنْعَمَ (افعال) اِنْعَامًا انعام کرنا۔ النَّبِيِّيْنَ (واحد) نَبِيٌّ پیغمبر الصِّدِّيْقِيْنَ (واحد) صِدِّيْقٌ ہمیشہ سچ بولنے والا۔ اَلشُّهَدَاءُ (واحد) شَهِيْدٌ اللہ کی راہ میں مارا جانے والا۔ الصَّالِحِيْنَ (واحد) صَالِحٌ ٹھیک، صحیح، درست۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہے کہ جب وہ مریض ہوتے ہیں تو ان کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر دنیا میں ابھی کچھ مدت اور رہنا چاہیں تو رہیں اور اگر عالم آخرت کا قیام پسند کریں تو اس کو اختیار کرلیں۔ آگے حضرت صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ کو آپؐ کے مرضِ وفات میں سانس کی سخت تکلیف ہوتی تھی تو میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا: مع الذين انعمت عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين. تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ کو وہ اختیار دے دیا گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت صدیقہؓ نے حضورؐ کے مرض وفات کے آخری مرحلہ کا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب سانس کی شدید تکلیف شروع ہوئی تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ "مع الذين انعمت عليهم الخ" (اے اللہ اب اپنے ان مقبول بندوں کے پاس پہنچا دے جن پر تیرا خصوصی انعام ہوا، انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہدا اور صالحین) سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۹ میں ان چاروں طبقات پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خیر تمام انبیاء کرام کو دنیا میں رہنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے، یہ اختیار ایک اعزاز ہوتا ہے، دیگر انسانوں کا جب وقت پورا ہوتا ہے تو موت کا فرشتہ ان کو لے جاتا ہے ذرا بھی مہلت نہیں ملتی۔ بُحّة آواز میں بھاری پن اور حلق کی خشونت اور خشکی کو کہتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۷۶۲ ﴿وفات نبیؐ پر حضرت فاطمہؓ کا رنج﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۱**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ يَتَغَشَّاهُ الْكَرْبُ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَاكَرْبَ أَبَاهُ فَقَالَ لَهَا لَيْسَ عَلٰى أَبِيْكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ يَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ يَا أَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ يَا أَبَتَاهُ إِلٰى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَةُ يَا أَنَسُ أَطَابَتْ أَنْفُسُكُمْ أَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۴۱ ج ۲، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاته، كتاب المغازی، حدیث ۴۴۶۲

**حل لغات:** ثَقُلَ (ك) ثِقَلًا وَثَقَالَةً بھاری اور وزنی ہونا۔ يَتَغَشَّا تَغَشّٰى (تفعل) تَغَشِّيًا ڈھانک لینا۔ اَلْكَرْبُ (ج) كُرُوْبٌ

بے چینی، پریشانی۔ مَاتَ (ن) مَوْتًا مرنا۔ اَجَابَ (افعال) اِجَابَةً قبول کرنا۔ رَبًّا (ج) اَرْبَابٌ و رُبُوْبٌ پروردگار۔ فِرْدَوْسٌ (ج) فَرَادِيْسُ سرسبز وشاداب وادی، جنت۔ مَاْوٰی ٹھکانہ۔ نَنْعًا نعیٰ فلانا (ف) نَعْيًا کسی کے مرنے کی خبر دینا۔ دُفِنَ دَفَنَ (ض) دَفْنًا الشَّیْءَ چھپانا، دفن کرنا۔ طَابَتْ نفسُهٗ (ض) طِيبًا دل خوش ہونا، راضی ہونا۔ تَحْثُوْا حَثَا (ن) حَثْوًا التُّرابَ مٹی ڈالنا۔ التُّرَابُ (ج) اَتْرِبَةٌ وتِرْبَانٌ مٹی۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھ گیا تو تکلیف کے باعث بیہوشی طاری ہونے لگی۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا ہائے میرے ابا جان کو کیسی تکلیف نے آگھیرا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے ابا جان کے لیے آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو انہوں نے کہا: اے ابا جان! آپ نے رب کے بلاوے کو قبول کرلیا۔ ابا جان! آپؐ نے جنت الفردوس میں ٹھکانا بنالیا، ابا جان! آپ کی خبر ہم حضرت جبرئیل تک پہنچاتے ہیں، جب آپ کو دفن کیا گیا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: اے انس! تمہارے دلوں نے رسول اللہؐ پر مٹی ڈالنا کس طرح گوارا کیا؟ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ کا جس دن وصال ہوا یعنی دوشنبہ کے دن، صبح کے وقت آپؐ نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ صف باندھے ہوئے نماز فجر میں مشغول تھے، لوگوں کو دیکھ کر خوشی سے مسکرائے، اس دن صبح کو آپؐ کی طبیعت پرسکون تھی، لیکن دن چڑھنے کے ساتھ ساتھ آپؐ پر غشی طاری ہونا شروع ہوئی اور وقفہ وقفہ سے غشی طاری ہوتی رہی، حضرت فاطمہؓ یہ کیفیت دیکھ کر بے چین ہوگئیں، آپؐ نے بیٹی کو تسلی دی کہ آج کے بعد تمہارے ابا کے لیے بے چینی نہیں رہے گی، یہ وصال کی طرف اشارہ تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یتغشاہ الکرب کرب ناقابل برداشت شدید غم کو کہتے ہیں، یہاں بیہوش ہونا مراد ہے اور یتغشیٰ ڈھانپنے کے معنی میں ہے۔ آنحضرتؐ پر جب شدتِ مرض کی وجہ سے غشی طاری ہوجاتی تھی تو فاطمۃ الزہراؓ فریاد کرنے لگتی تھیں اور فرماتی تھیں: "وا کرب اباہ" ہائے ابا جان کی مصیبت! حضرت فاطمہؓ نے تین مراحل میں آنحضرتؐ سے الگ الگ انداز میں غم کا اظہار فرمایا ہے، ایک بیماری کے مرحلہ میں دوسرا وفات کے بعد اور تیسرا تدفین کے بعد تینوں مراحل میں انتہائی درد کے انداز سے غم کا اظہار فرمایا۔ "لیس علی ابیك" آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ کو تسلی دی کہ آج کے بعد تیرے ابا جان پر کوئی مصیبت نہیں ہوگی، یہ جسمانی بوجھ ہے جب ختم ہوگا تو ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔ "یا ابتاہ" اس جملہ میں الف ندبہ کے لیے ہے یعنی ہائے میرے پیارے ابا جان! "الی جبرئیل ننعاہ" یعنی آپ کی موت کی خبر ہم جبرئیل امین کو دیتے ہیں، کیونکہ دنیا میں یہ دونوں محبوب ایک دوسرے کے غم میں شریک تھے۔ "اطابت انفسکم" یعنی او انسؓ! تمہارے دلوں نے یہ کیسے گوارہ کیا کہ اپنے ہاتھوں سے آنحضرتؐ کی قبر پر مٹی ڈال دی۔ (توضیحات)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۷۶۳ ﴿آپؐ کے مدینہ آنے پر اظہار مسرت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۲

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ لَعِبَتِ الْحَبَشَةُ بِحِرَابِهِمْ فَرَحًا لِقُدُوْمِهٖ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) وَفِیْ رِوَايَةِ الدَّارِمِيِّ قَالَ مَا رَاَيْتُ يَوْمًا قَطُّ كَانَ اَحْسَنَ وَلَا اَضْوَاَ مِنْ يَّوْمٍ دَخَلَ عَلَيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا رَاَيْتُ يَوْمًا كَانَ اَقْبَحَ وَلَا اَظْلَمَ مِنْ يَّوْمٍ مَاتَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَفِیْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِیْ دَخَلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَیْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِیْ مَاتَ فِيْهِ اَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَیْءٍ

وَمَا نَفَضْنَا أَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ حَتّٰى أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا.

**حوالہ:** ابوداود، ص۶۷۴ ج۲، باب فی النهی عن الغناء، کتاب الادب، حدیث ۴۹۲۳، ترمذی، ص۲۰۳ ج۲، باب المناقب، حدیث ۳۶۱۸، دارمی، ص۵۴ ج۱، حدیث ۸۸

**حل لغات:** لَعِبَتْ لَعِبَ (س) لَعِبًا کھیلنا۔ اَلْحَبَشَۃُ حبشہ میں رہنے والے۔ حِرَابٌ واحد اَلْحَرْبَۃُ برچھی، نیزہ۔ فَرَحًا جمع اَفْرَاحٌ خوشی۔ قُدُوْمٌ قَدِمَ (س) قُدُوْمًا آنا۔ اَضْوَأُ اسم تفضیل زیادہ روشن، ضَاءَ (ن) ضَوْءٌ روشن ہونا۔ اَقْبَحُ زیادہ برا، قَبُحَ قَبَاحَۃً برا ہونا۔ اَظْلَمُ زیادہ تاریک، أظلم (افعال) إظلامًا تاریک ہونا۔ اَضَاءَ (افعال) اِضَاءَۃً روشن کرنا۔ نَفَضْنَا نَفَضَ (ن) نَفْضًا الشَّیْءَ ہٹانا، زائل کرنا۔ اَلتُّرَابُ جمع اَتْرِبَۃٌ مٹی۔ دَفْنٌ دَفَنَ (ض) دَفْنًا چھپانا، دفن کرنا۔ اَنْكَرْنَا اَنْكَرَ الشَّیْءَ (افعال) اِنْكَارًا کسی چیز کو نہ پہچاننا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری ہوئی تو حبشی آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں اپنے نیزوں سے کھیلے۔ (ابوداود) اور دارمی کی روایت میں فرمایا میں نے اس دن سے زیادہ حسین اور چمکدار کوئی دن نہیں دیکھا جس روز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور میں نے اس دن سے زیادہ کوئی برا اور تاریک دن نہیں دیکھا جس روز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، اور ترمذی کی روایت میں فرمایا کہ جس روز رسول اللہؐ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو اس سے ہر چیز جگمگا اٹھی، اور جب وہ دن آیا جس میں آپ نے وفات پائی تو اس دن ہر چیز تاریک ہوگئی اور آپ کے دفن کے بعد ہم نے مٹی سے ابھی اپنے ہاتھ نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں (کی کیفیت) کو بدلا ہوا پایا۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کی مدینہ آمد سے اہلِ مدینہ خوشی سے جھوم اٹھے اور آپ کی رحلت پر غموں میں ڈوب گئے اور وفات کے فوراً بعد دلوں کی طمانیت وسکون رخصت ہوگیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لَعِبَتِ الحبشة خوشی کے موقع پر جائز حدود میں رہ کر کھیل کود کی اجازت ہے۔ کان احسن آپؐ جس دن مدینہ تشریف لائے وہ دن نہایت حسین بھی تھا اور خوب روشن بھی تھا، کیوں کہ وہ دن مشتاقانِ جمال کے لیے وصال وقرب کا دن تھا، ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کا دن تھا، نہ صرف یہ کہ ان کے دل ودماغ کھل اٹھے تھے، بلکہ ان کے در و دیوار تک نورِ نبوت کی جلوہ ریزی سے جگمگا اٹھے تھے اور پھر جب وہ دن آیا کہ آفتابِ نبوت اس دنیا سے رخصت ہوا تو مدینہ والوں کی دنیا اندھیری ہوگئی، ہر سو غم واندوہ کی تاریکی چھاگئی کیوں کہ وہ دن مشتاقانِ جمالِ نبوت کے لیے فراق کا دن تھا، ان کی مسرتوں اور شادمانیوں کی جدائی کا دن تھا۔ أنكرنا قلوبنا ہمارے درمیان سے آپؐ کے اٹھ جانے اور اس دنیا سے آفتابِ نبوت کے رخصت ہوجانے کے سبب ہم پر جو تاریکی چھائی تو ہمیں بین طور پر محسوس ہوا کہ ہمارے دلوں کی وہ پاکیزگی اور نورانیت جو ذاتِ رسالت کے مشاہدہ اور صحبت کے نتیجہ میں حاصل ہوتی رہتی تھی، اس کا سلسلہ منقطع ہوگیا، ہمارے قلوب کی پہلی والی کیفیت باقی نہیں رہی، اسی کو نا آشنائی سے تعبیر کیا ہے۔ (مظاہر حق)

### حدیث نمبر ۲۷۶٤ ﴿آپؐ کی جائے تدفین کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۳

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهِ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ أَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ اِدْفِنُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۹۷-۱۹۸، ج ۱، باب، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۱۸

**حل لغات:** اِخْتَلَفُوْا اِخْتَلَفَ (افتعال) اختلافًا مختلف ہونا۔ دَفَنُوْہُ دَفَنَ (ض) دَفْنًا چھپانا، دفن کرنا۔ نَبِیًّا جمع اَنْبِیَاءُ نبی، پیغمبر۔ اَلْمَوْضَعُ (ج) مَوَاضِعُ جگہ، مقام۔ یُحِبُّ اَحَبَّ فُلَانًا (افعال) اِحْبَابًا محبت کرنا، دوستی کرنا۔ فِرَاشٌ (ج) فُرُشٌ بستر۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو آپ کی تدفین کے بارے میں لوگوں میں رائے کا اختلاف ہوا، تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہؐ سے اس بارے میں ایک بات سنی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اسی جگہ وفات دیتا ہے جہاں وہ اس کا دفن کیا جانا پسند فرماتا ہے، لہٰذا آپؐ کے بستر علالت کی جگہ ہی دفن کیا جائے۔ (جامع ترمذی)

**خلاصہ حدیث**

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد اس بارے میں صحابہؓ کی رائیں مختلف ہوئیں کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے، شارحین نے نقل کیا ہے کہ بعض حضرات کی رائے تھی کہ آپ کو بلد اللہ الحرام مکہ مکرمہ لے جا کر دفن کیا جائے، بعض کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں بقیع میں دفن کیا جائے، اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اس بارے میں میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی ہے آپ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ رہا ہے کہ ان کی وفات خاص اسی جگہ ہوتی ہے، جہاں ان کا دفن ہونا ان پیغمبر کو یا خود اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے، لہٰذا حضورؐ کو آپؐ کے اسی بستر کی جگہ دفن کیا جائے، جس پر آپؐ نے وفات پائی، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اسی جگہ دفن کئے گئے، جہاں بستر پر آپ آرام فرماتے تھے اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی، کیسا خوش نصیب ہے زمین کا وہ قطعہ جس نے سید المرسلین خاتم النبیین محبوب رب العالمین کو قیامت تک کے لیے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ دَائِمًا اَبَدًا. (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح**

اختلفوا فی دفنه آپؐ کے انتقال کے بعد کئی مسئلوں میں اختلاف ہوئے اور وہ مختلف طریقوں سے حل ہوئے، ایک اختلاف جس کا ذکر عالمی حدیث ۵۹۴۸ میں ہو چکا ہے کہ آپؐ کو کپڑے اتار کر نہلایا جائے یا کپڑے سمیت نہلایا جائے، اس حدیث میں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ یہ تھا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب حدیث باب سنائی تو اختلاف ختم ہو گیا، اور آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کیا گیا، اور جس چارپائی پر آپ کی روح قبض ہوئی تھی ٹھیک اس کے نیچے قبر تیار کی گئی۔ گھر میں کسی نیک آدمی کی یا عام آدمی کی قبر بنانا جائز نہیں ہے، سب کی تدفین گورغریباں میں ہونی چاہئے۔ آپ کا ارشاد ہے صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوها قبورا اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور ان کو قبریں مت بناؤ۔ آپ کی تدفین جو مکان میں ہوئی ہے وہ آپ کی خصوصیت ہے، پھر یہ خصوصیت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی شامل ہوئی؛ کیونکہ شیخین ہی کو نبی کے ساتھ قرب میں امتیازی شان حاصل تھی، لہٰذا حجرۂ مقدسہ میں ان کی تدفین پر عام اموات کو قیاس نہیں کیا جائے گا، اگر گھروں میں قبریں ہوں گی تو ہو سکتا ہے نماز میں قبر سامنے پڑے حالاں کہ قبر کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۲۷۶۵ ﴿آپؐ کی حیات مبارکہ کا آخری کلمہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۴**

**عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ اِنَّهُ لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهٖ وَرَاْسُهُ عَلٰى فَخِذِيْ غُشِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ**

فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلٰى قُلْتُ إِذَنْ لَا يَخْتَارُنَا قَالَتْ وَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَدِيثُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا بِهِ وَهُوَ صَحِيحٌ فِي قَوْلِهِ إِنَّهُ لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهُ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلٰى. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۶۴ ج ۲، باب من احب لقاء اللہ، کتاب الرقاق، حدیث ۶۵۰۹، مسلم، ص ۲۸۵ ج ۲، باب فضل عائشۃ، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۴۴۴



**حل لغات:** يَرَى رأى (ف) رؤية دیکھنا۔ مَقْعَدٌ (ج) مَقَاعِد بیٹھک، سیٹ۔ فَخِذٌ (ج) أَفْخَاذٌ ران۔ غُشِيَ عليه غَشْيَةً بے ہوش ہونا، غشی طاری ہونا۔ أَفَاقَ (افعال) إفَاقَة بے ہوشی یا غشی کی کیفیت کا دور ہونا۔ أَشْخَصَ (افعال) إشخاصًا البصر نگاہ اٹھانا۔ السَّقْفُ (ج) سُقُوفٌ چھت۔ لا يختار اختار (افتعال) اختيارا اختیار کرنا، پسند کرنا۔ يُحَدِّثُنا، حَدَّثَ (تفعیل) تَحْدِيثًا بات کرنا، بیان کرنا۔ تكلّم (تفعّل) تكلُّما بات کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تندرستی کی حالت میں بیان فرمایا کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک کہ اس کا ٹھکانہ جنت میں اس کو دکھا نہ دیا جائے، پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے (یعنی خواہ وہ دنیا میں رہے یا عالم آخرت میں چلا جائے)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضورؐ کی وفات کا وقت قریب آیا اس وقت آپؐ کا سر مبارک میری ران پر تھا کہ آپؐ پر غشی طاری ہوگئی، پھر آپؐ کو ہوش آیا اور آپؐ نے چھت کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: اللھمّ الرفيق الاعلىٰ اے اللہ میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں، میں نے کہا کہ آپؐ ہمیں اختیار نہیں کریں گے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کے الفاظ سن کر مجھے آپؐ کی وہ بات یاد آگئی جو آپؐ نے تندرستی کی حالت میں ہم سے بیان کی تھی کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک کہ اس کا ٹھکانہ جنت میں نہ دکھا دیا جائے اور پھر اسے اس کا اختیار دیا جاتا ہے کہ خواہ وہ دنیا میں قیام کرے یا وہ عالم آخرت کو چلا جائے، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کا آخری کلام اللھم الرفيق الاعلىٰ کے الفاظ تھے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر نبی کو وفات سے قبل دنیا میں رہنے یا آخرت کی طرف منتقل ہونے کا اختیار ملتا ہے، آپؐ کو بھی یہ اختیار ملا تو آپؐ نے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہونے کو اختیار فرمایا اور آپؐ کی زبان پر جو آخری کلمہ آیا وہ تھا ''اللھم الرفيق الاعلىٰ'' معلوم ہوا کہ جب زندگی جاری ہو تو موت کی تمنا نہیں کرنی چاہئے، لیکن جب موت کا وقت قریب آجائے اور عالم برزخ کا مشاہدہ ہونے لگے تو اللہ سے ملاقات کی خواہش ہونی چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** افاق ہوش میں آنے کو افاقہ کہتے ہیں، اشخص بصرہ چھت چونکہ آسمان کی جہت میں تھی اسلئے اسکو دیکھا ورنہ مقصد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا تھا، اس حدیث میں آپؐ کے جس آخری کلمہ کا ذکر ہے وہ اپنے رب کے لئے ہے اور دوسری روایت میں ''نماز پڑھو'' اور ''ماتحت لوگوں پر ظلم نہ کرو'' کو آخری کلام بتایا جانا امت کے حق میں ہے۔ پیدائش کے وقت آپ نے پہلا کلمہ اللہ اکبر ادا فرمایا تھا اور عہدِ الست میں سب سے پہلے آپؐ نے بلیٰ کا لفظ ادا فرمایا۔ (توضیحات)

## حدیث نمبر ۲۷۶۶ ﴿مرض وفات میں زہر کا اثر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۵

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ يَا عَائِشَةُ مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ وَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِي مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۳۷ ج ۲، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب المغازی، حدیث ۴۴۲۸

**حل لغات:** مَرَضٌ (ج) اَمْرَاضٌ بیماری۔ اَجِدُ وَجَدَ (ض) وُجُوْدًا وَوِجْدَانًا پانا، حاصل کرنا۔ اَکَلْتُ اَکَلَ (ن) اَکْلًا الطَّعَامَ کھانا۔ اِنْقِطَاعٌ اِنْقَطَعَ (انفعال) اِنْقِطَاعًا منقطع ہونا، بند ہونا۔ اَلسُّمُّ (ج) سُمُوْمٌ زہریلا مادہ، زہر۔ اَوَانٌ واحد آنِیَۃٌ برتن، پیالہ۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرضِ وفات میں مجھ سے فرماتے تھے کہ اے عائشہؓ میں اس (زہرآلود) کھانے کی کچھ تکلیف برابر محسوس کرتا رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب اس وقت میں محسوس کرتا ہوں کہ اس زہر کے اثر سے میری رگِ جان کٹی جارہی ہے۔ (صحیح بخاری)

**خلاصۂ حدیث** ۷ ہجری میں جب خیبر فتح ہوا اور جنگ کے خاتمہ پر معاہدہ بھی ہوگیا، تو یہود کی طرف سے حضورؐ کے لیے ایک بھنی ہوئی بکری ہدیہ کے طور پر بھیجی گئی۔ مشکوٰۃ المصابیح ہی میں ابوداود اور دارمی کی ایک روایت ہے جس میں یہ وضاحت اور صراحت ہے کہ اس بھنی ہوئی بکری میں ایک یہودی عورت نے ایسا زہر ملایا تھا جس کو آدمی اگر کھالے تو فوراً ہی اس کی زندگی ختم ہوجائے اور اس یہودی عورت نے کسی طرح یہ بھی معلوم کرلیا تھا کہ حضورؐ دست کا گوشت زیادہ پسند فرماتے ہیں، تو اس قتالہ نے اس بکری کی دست میں وہ زہر بہت زیادہ ملایا تھا، بہرحال وہ بھنی بکری کھانے کے لیے حضورؐ کے سامنے رکھی گئی، آپؐ کے ساتھ چند اصحاب اور بھی اس کھانے میں شریک تھے، جیسے ہی حضورؐ نے اس بکری کے دست میں سے ایک لقمہ کھایا فوراً ہاتھ روک لیا اور ساتھیوں سے بھی فرمایا کہ ہاتھ روک لو بالکل نہ کھاؤ اس میں زہر ملایا گیا ہے، اسی وقت آپ نے اس یہودیہ کو بلوایا، آپؐ نے اس سے پوچھا کیا تو نے اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا کہ کس نے یہ بات بتلائی؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بکری کے دست نے جو میرے ہاتھ میں ہے، اسی نے بحکم خدا مجھے بتلایا ہے کہ میرے اندر زہر ملایا گیا ہے۔ یہودیہ عورت نے اقرار کرلیا کہ ہاں میں نے زہر ملایا تھا اور یہ میں نے اس لیے کیا تھا کہ اگر تم سچے نبی ہوگے تو تم پر زہر کا اثر نہیں ہوگا، اور اگر تم جھوٹے مدعی نبوت ہوگے تو ختم ہو جاؤ گے اور تمہارے ختم ہوجانے سے ہمیں راحت اور چین نصیب ہوجائے گا، اور اب مجھے معلوم ہوگیا کہ آپؐ سچے نبی ہیں۔ اسی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اس کو معاف فرمادیا، تفصیل کے لیے عالمی حدیث ۵۹۳۱ دیکھیں۔ یہاں خیبر کے اس واقعہ کا ذکر صرف یہ بتلانے کے لیے کیا گیا ہے کہ خیبر میں زہرآلود لقمہ کے کھانے کا وہ واقعہ معلوم ہوجائے، جس کا ذکر زیرِ تشریح حدیث میں کیا گیا ہے۔ جو زہر بکری کی دست میں ملایا تھا وہ ایسا ہی تھا کہ اس کا لقمہ کھا کر آدمی ختم ہی ہوجائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے معجزانہ طور پر حضورؐ کو بچالیا، لیکن اس کا کچھ اثر باقی رہا جس کی کچھ تکلیف کبھی کبھی آپ محسوس فرماتے تھے، اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ جب دعوت حق، امت کی تعلیم و تربیت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا وہ کام آپؐ کے ذریعہ پورا ہوجائے جس کے لیے آپؐ کی بعثت ہوئی تھی، تو پھر اس زہر کا اثر پوری طرح ظاہر ہوکر آپؐ کی وفات کا وسیلہ بنے اور اس طرح آپؐ کو "شہادت فی سبیل اللّٰہ" کی سعادت و فضیلت بھی حاصل ہو۔ اس تفصیل کی روشنی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب و مفہوم پوری طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اس حدیث میں حضورؐ کا جو ارشاد اور حال بیان کیا ہے وہ بظاہر اسی دن کا ہے جس روز حضورؐ کی وفات ہوئی اور تکلیف میں شدت شروع ہوئی۔ (معارف الحدیث)

**کلماتِ حدیث کی تشریح** الم درد اور تکلیف کو الم کہتے ہیں۔ بخیبر جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ جنگ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر حضور اکرمؐ کو کھلایا تھا، اللہ تعالیٰ نے زہر کو اثر نہ کرنے کا حکم دے دیا، چنانچہ اس کا اثر ایک مقررہ وقت تک محدود پیمانے پر موقوف ہوگیا، مگر جب آپ کی زندگی کے دن پورے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے

اس زہر کا پورا اثر ظاہر کر دیا؛ جس سے آپ ﷺ کی رگ جان کٹ گئی اور وفات ہوگئی، اسی طرح خاموش زہر سے صدیق اکبرؓ کی موت بھی واقع ہوئی، یہ کامل رفاقت کی طرف اشارہ ہے۔ ابہری یہ اس رگ کا نام ہے جس کا تعلق دل سے ہے اس کے کٹنے سے آدمی مرجاتا ہے اس کو رگ جان کہتے ہیں، ملاعلی قاریؒ نے اس رگ کی دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ یہ رگ جسم میں قدم تک نیچے چلی گئی ہے پھر اس سے چھوٹی چھوٹی رگیں پورے بدن میں پھیلی ہوتی ہیں، یہ رگ جب دماغ میں ہوتی ہے تو اس کو "نامہ" کہتے ہیں اور جب یہ رگ گلے میں آتی ہے تو اس کو "ورید" کہتے ہیں، جب یہ رگ گلے سے نیچے سینہ میں پہنچتی ہے تو اس کو "ابہر" کہتے ہیں اور جب یہ رگ نیچے پنڈلی تک چلی جاتی ہے تو اس کو "صافن" کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ رگ جب گردن میں ہوتی ہے تو یہ اُبہر کہلاتی ہے، جب بازو میں اور گھٹنے میں ہوتی ہے تو اس کو اکحل کہتے ہیں اور جب پنڈلی میں ہوتی ہے تو اس کو عرق النساء کہتے ہیں بہرحال یہی رگ جان ہے۔ (توضیحات)

### حدیث نمبر ۲۷۶۷ ﴿واقعه قرطاس﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۶

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمُّوا أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ فَقَالَ عُمَرُ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغَطَ وَالْاِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا عَنِّيْ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذٰلِكَ الْكِتَابَ لِاخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ. وَفِيْ رِوَايَةِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِيْ مُسْلِمِ نِ الْأَحْوَلِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمُ الْخَمِيْسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ ثُمَّ بَكٰى حَتّٰى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصٰى قُلْتُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ قَالَ اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَجَعُهُ فَقَالَ ائْتُوْنِيْ بِكَتِفٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ أَبَدًا فَتَنَازَعُوْا وَلَا يَنْبَغِيْ عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَا شَأْنُهُ أَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ دَعُوْنِيْ ذَرُوْنِيْ فَالَّذِيْ أَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِيْ إِلَيْهِ فَأَمَرَهُمْ بِثَلَاثٍ فَقَالَ أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَأَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيْزُهُمْ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ أَوْ قَالَهَا فَنَسِيْتُهَا قَالَ سُفْيَانُ هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمَانَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** الرواية الاولىٰ، بخاری، ص۲۲ ج۱، باب کتابة العلم، کتاب العلم، حدیث۱۱۴، مسلم، ص۴۳ ج۲، باب ترك الوصية، کتاب الوصية، حدیث ۱۶۳۷، الرواية الثانية، بخاری، ص ۶۳۸ ج۲، باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب المغازی، حدیث۴۴۳۱، مسلم، حوالہ مذکورہ۔

**حل لغات:** هلموا کلمہ ندا دعوت، آؤ، بلاؤ۔ تضلوا ضَلَّ (ض) ضَلَالَةً گمراہ ہونا، بھٹکنا۔ غلب (ض) غَلْبًا غالب ہونا۔ الوجع (ج) اَوْجَاعٌ دکھ درد۔ اختصموا اِخْتَصَمَ (افتعال) اِخْتِصَامًا لڑنا، جھگڑنا۔ قربوا قَرَّبَ (تفعیل) تَقْرِيبًا کسی کو اپنے قریب کرنا۔ اللغط (ج) اَلْغَاطٌ شور وغل، ہنگامہ۔ الرَّزِيَّةُ مصیبت (ج) رَزَايَا۔ حَالَ (ض) حَيْلُولَةً حائل ہونا۔ بَكىٰ (ض) بُكَاءً رونا، آہ و بکا کرنا۔ بل (ن) بَلًّا تر ہونا۔ دمع (ج) دُمُوعٌ آنسو۔ الحصى (واحد) حَصَاةٌ پتھری، سنگریزہ، کنکری۔ کتف (ج) اَكْتَافٌ مونڈھا، کاندھا، شانہ۔ تنازعوا (تفاعل) باہم جھگڑا کرنا۔ هجر (ن) هِجرانًا الشیءَ چھوڑنا۔ استفهموا (استفعال) پوچھنا، دریافت کرنا۔ اجیزوا اَجَازَ (افعال) انعام دینا، مراد احترام کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ گیا تھا اور گھر میں چند اشخاص تھے، جن میں ایک حضرت عمر بن الخطابؓ بھی تھے، آپؐ نے فرمایا آؤ میں تمہارے لیے ایک نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے، تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضورؐ کو اس وقت سخت تکلیف ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور اللہ کی کتاب تمہارے لیے کافی ہے، پس جو لوگ اس وقت گھر میں تھے، ان کی رائیں مختلف ہو گئیں اور وہ آپس میں بحث کرنے لگے، ان میں سے کچھ کہتے تھے کہ آپؐ کے پاس لے آؤ تاکہ آپؐ وہ لکھا دیں، اور بعض وہ کہتے تھے جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا، تو جب اختلاف اور شور و شغب زیادہ ہوا تو رسولؐ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ (حضرت ابن عباس سے اس واقعہ کے روایت کرنے والے راوی) عبیداللہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس اس واقعہ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ مصیبت ساری مصیبت وہ ہے جو حائل ہوئی رسولؐ کے درمیان اور اس نوشتہ کی کتابت کے درمیان، ان لوگوں کے باہمی اختلاف رائے اور شور و شغب کی وجہ سے۔ سلیمان بن مسلم احول کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ جمعرات کا دن اور کیسا تھا جمعرات کا وہ دن، وہ ایسے روئے کہ ان کے آنسوؤں سے فرشِ زمین کے سنگریزے تر ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ اے ابن عباس کیا تھا وہ جمعرات کا دن؟ تو انہوں نے بیان کیا کہ رسولؐ کی بیماری بڑھ گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ کتف لے آؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے، تو اس معاملہ میں اختلاف رائے ہو گیا..... اور نبی کے پاس تنازعہ اور اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کیا آپؐ ہم کو چھوڑ رہے ہیں؟ آپؐ سے دریافت کرو، پھر لوگ آپؐ سے بار بار اس بارے میں عرض کرنے لگے، تو آپؐ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو، میں جس شغل اور جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے، جسکی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ پھر آپؐ نے تین باتوں کا حکم فرمایا ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے باہر کر دیا جائے اور وفود یا قاصدوں کے ساتھ اسی طرح کا حسن سلوک کیا جائے جس طرح میں کرتا تھا، سعید ابن جبیرؓ سے اس حدیث کے روایت کرنیوالے راوی سلیمان کہتے ہیں کہ سعید ابن جبیر نے تیسری بات بیان ہی نہیں کی یا میں بھول گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**خلاصۂ حدیث** ایک ہی واقعہ سے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے یہ دو بیان ہیں، ان میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے، صرف بعض اجزا کی کمی زیادتی کا فرق ہے، بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ واقعہ عبیداللہ بن عبداللہ کے سامنے بیان کیا تو صرف وہ اجزاء بیان کئے جو پہلی روایت میں ذکر کئے گئے ہیں اور اس وقت حضورؐ کے پاس حضرت عمرؓ کا ہونا اور انہوں نے جو فرمایا تھا اس کا بھی ذکر کیا اور جب سعید بن جبیرؓ کے سامنے بیان کیا تو اس میں حضرت عمرؓ کا تو کوئی ذکر نہیں کیا، لیکن کئی باتیں وہ بیان کیں جو پہلے بیان میں ذکر نہیں کی تھیں اور ایسا بکثرت ہوتا ہے، دونوں روایتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو پورا واقعہ اس طرح سامنے آتا ہے کہ جمعرات کا دن تھا (یعنی وفات سے چار دن پہلے، کیونکہ یہ بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ حضورؐ کی وفات دوشنبہ کو ہوئی) تو اس جمعرات کو آنحضرتؐ کے مرض میں شدت ہو گئی، بخار بہت تیز ہو گیا اور تکلیف بہت بڑھ گئی، اس وقت آپؐ کے پاس چند حضرات تھے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے، اسی حالت میں حضورؐ نے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لے آؤ، میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے ایک تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے (صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: اِئْتُوْنِی بِالْکَتِفِ وَالدَّوَاۃِ یعنی شانہ کی ہڈی اور دوات لے آؤ) اس موقع پر حضرت عمرؓ نے وہاں موجود دوسرے لوگوں سے کہا کہ اس وقت حضورؐ کو بہت تکلیف ہے، آپؐ ہی کے ذریعہ آیا ہوا قرآن مجید تمہارے پاس موجود ہے، ہماری تمہاری ہدایت کے لیے اور ہر طرح کی ضلالت اور گمراہی سے بچانے کے لیے اللہ کی وہ کتاب کافی ہے (جیسا کہ خود قرآن میں بار ہا فرمایا گیا ہے)، حاضرین میں اس بارے میں اختلاف رائے ہو گیا، کچھ حضرات نے کہا کہ لکھنے کا سامان لانا چاہئے، تاکہ حضورؐ جو لکھوانا چاہتے ہیں وہ لکھا جائے، اور کچھ حضرات نے وہ کہا جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ اس

سخت تکلیف کی حالت میں حضورؐ کو کچھ لکھوانے کی زحمت نہ دی جائے، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت قرآن مجید کافی ہے، اسی موقع پر بعض حضرات نے کہا "مَا شَانُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ" (حضورؐ کا کیا حال ہے، کیا آپؐ جدائی اختیار فرما رہے ہیں، ہم کو چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپؐ سے دریافت کرو) پھر لوگ اس بارے میں بار بار آپؐ سے عرض کرتے رہے، اس سے آپ کی توجہ الی اللہ اور اس وقت کی خاص قلبی کیفیت میں خلل پڑا، چنانچہ آپؐ نے فرمایا اس وقت تم لوگ مجھے چھوڑ دو اور اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہ کرو، میں جس شغل اور جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، یعنی میں اس وقت اپنے رب کریم کی طرف متوجہ ہوں اس کے حضور میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہا ہوں اور تم مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو، مجھے چھوڑ دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپؐ نے اسی مجلس میں تین باتوں کا حکم فرمایا، ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے باہر کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ حکومتوں یا قبیلوں کی طرف سے آنے والے وفود اور قاصدوں کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک کیا جائے (ان کو مناسب تحائف دیئے جائیں) جیسا کہ میرا طرز عمل رہا ہے..... حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اس حدیث کے روایت کرنے والے سعید بن جبیرؒ کے شاگرد سلیمان نے تین باتوں میں سے یہی دو باتیں بیان کیں، اور تیسری بات کے بارے میں کہا کہ یا تو سعید بن جبیرؒ نے وہ بیان ہی نہیں کی تھی یا میں بھول گیا ہوں۔

یہ ہے پورا واقعہ جو "حدیث قرطاس" کے نام سے معروف ہے، اس میں چند باتیں خاص طور سے قابلِ لحاظ اور وضاحت طلب ہیں، ایک یہ کہ یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے، اس کے پانچویں دن دوشنبہ تک آں حضرتؐ اس دنیا میں رہے، ان دنوں میں آپ نے وہ تحریر نہیں لکھوائی، بلکہ اس لکھوانے کا کسی دن ذکر بھی نہیں فرمایا، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس تحریر کے لکھانے کا آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں ہوا تھا، بلکہ آپ کو بطور خود ہی اس کا خیال ہوا تھا اور بعد میں خود آپ کی رائے اس کے لکھانے کی نہیں رہی۔ اگر اس کے لکھوانے کا حکم اللہ کی طرف سے ہوا ہوتا یا آپ کی رائے میں تبدیلی نہ ہوئی ہوتی اور آپ کے نزدیک گمراہی سے امت کی حفاظت کے لیے اس کا لکھنا ضروری ہوتا تو ان پانچ دنوں میں آپؐ اس کو ضرور لکھواتے اور اس کا نہ لکھوانا (معاذ اللہ) فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی (حاشا ثم حاشا) اور یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح آپؐ نے اسی مرض وفات کے بالکل ابتدا میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا اور اس کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو بلوانے کا بھی ارادہ فرمایا تھا، لیکن بعد میں خود آپؐ نے اس کو غیر ضروری سمجھ کر اس کے لکھانے کا خیال چھوڑ دیا..... اور فرمایا کہ "يَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ" تو سمجھنا چاہئے کہ جمعرات کے دن اس واقعہ میں بھی ایسا ہوا اور خود حضورؐ نے اس تحریر کا لکھانا غیر ضروری سمجھ کر اس کے لکھانے کا ارادہ ترک فرمادیا۔

اس حدیث قرطاس کے بارے میں ایک دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جب حضورؐ نے تیز بخار اور شدید تکلیف کی حالت میں لکھوانے کے لیے لکھنے کا سامان لانے کے لیے فرمایا، تو حضرت عمرؓ نے جو اس وقت حاضر خدمت تھے، حضورؐ سے تو کچھ عرض نہیں کیا، البتہ حاضرین مجلس کو خطاب کر کے ان کو رسولؐ کی اس وقت کی غیر معمولی حالت اور تکلیف کی شدت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ان سے کہا کہ اس وقت حضورؐ کو سخت تکلیف ہے، اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اس حالت میں ہم لوگوں کو کچھ لکھوانے کی زحمت حضورؐ کو نہیں دینا چاہئے، خود قرآن مجید کے نصوص اور حضورؐ کی تعلیم و تربیت سے یہ یقین ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا کہ انسانی دنیا کی ہدایت اور ہر قسم کی گمراہی اور ضلالت سے حفاظت کے لیے رسولؐ ہی کے ذریعہ آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت قرآن مجید کافی ہے، اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" اور "تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ" اور "تَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ" اور ابھی "حجۃ الوداع" میں یہ آیت نازل ہو چکی ہے: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ" ان آیات میں اللہ

تعالیٰ نے واضح اعلان فرمادیا ہے کہ انسانی دنیا کے لیے جو کچھ بتلانا ضروری تھا وہ قرآن مجید میں بیان فرمادیا گیا، اس سلسلے کی کوئی ضروری بات بیان کرنے سے نہیں چھوڑی گئی ہے۔ دین یعنی ضابطۂ حیات و ہدایت بالکل مکمل ہو گیا ہے۔ اس لیے ہم لوگوں کو حضورؐ سے کچھ لکھانے کی زحمت اس تکلیف کی حالت میں نہ دینی چاہئے، قرآن آپ لوگوں کے پاس موجود ہے، اللہ کی وہ کتاب ہماری آپ کی ہدایت کے لیے اور ہر قسم کی ضلالت اور گمراہی سے حفاظت کے لیے کافی ہے (عِنْدَکُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُکُمْ کِتَابُ اللّٰہِ)......

جیسا کہ عرض کیا گیا اس مجلسی گفتگو کے بعد حضورؐ پانچ دن تک اس دنیا میں رہے اور وہ تحریر نہیں لکھوائی، بلکہ اس کے بعد کبھی اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا..... آپؐ کے اس طرز عمل نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کی تصویب وتائید فرمادی۔ بلاشبہ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے عظیم فضائل ومناقب میں سے ہے۔ شارحین حدیث نے عام طور سے یہی سمجھا اور یہی لکھا ہے۔ اس حدیث قرطاس کے سلسلہ میں ایک تیسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں (جو صحیحین کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے) اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضورؐ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم کس کو دیا تھا۔ لیکن اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے ابن حجرؒ نے فتح الباری میں مسند احمد کے حوالہ سے خود حضرت علی مرتضیٰؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں صراحت ہے کہ رسول اللہؐ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم انہیں کو دیا تھا خود علی مرتضیٰؓ کا بیان ہے کہ اَمَرَنِیَ النبیُّ اَنْ اٰتِیَہٗ بِطَبَقٍ (ای کَتَفٍ) یَکْتُبُ مَا لَا تَضِلُّ اُمَّتُہٗ بَعْدَہٗ (فتح الباری، جزاول، ص ۱۰۶) رسولؐ نے مجھ کو حکم فرمایا تھا کہ میں طبق (یعنی کتف) لے آؤں، تاکہ آپ ایسی تحریر لکھوا دیں جس کے بعد آپ کی امت گمراہ نہ ہو...... یہ معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ لکھنا جانتے تھے، ان کو لکھنے کا سامان لانے کے لیے حکم فرمانے کا مطلب بظاہر یہی تھا کہ وہ لکھنے کا سامان لے آئیں اور حضورؐ جو لکھوانا چاہتے ہیں وہ اس کو لکھیں..... اور یہ بات بطور واقعہ معلوم اور مسلم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی وہ تحریر نہیں لکھی۔ یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرح انہوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ حضورؐ اس شدید تکلیف کی حالت میں کچھ لکھوانے کی زحمت نہ فرمائیں اور غالباً ان کی رائے بھی یہی ہوئی کہ امت کی ہدایت اور ہر قسم کی ضلالت سے حفاظت کے لیے کتاب اللہ کافی ہے۔ اس حدیث میں ایک اور وضاحت طلب بات یہ ہے کہ سعید ابن جبیرؓ کی مندرجہ بالا روایت کے مطابق جب حضورؐ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم فرمایا تو بعض لوگوں نے کہا، مَا شَانُہٗ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ اس کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے یہ صورت حال پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جب حضورؐ نے بیماری کی شدت اور سخت تکلیف کی حالت میں بطور وصیت ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ ظاہر فرمایا جس کے بعد آپ کی امت کبھی گمراہ نہ ہو، تو بعض حضرات کو محسوس ہوا کہ شاید حضورؐ کے سفر آخرت کا وقت قریب آ گیا ہے، اس وجہ سے بطور وصیت ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ فرما رہے ہیں، یہ لوگ اس احساس سے سخت مضطرب اور بے چین ہو گئے، اور انہوں نے اس اضطراب اور بے چینی کی حالت میں کہا "مَا شَانُہٗ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ" (حضورؐ کا کیا حال ہے، کیا آپؐ جدائی اختیار فرما رہے ہیں، ہم کو چھوڑ کے جا رہے ہیں؟ آپؐ سے دریافت کیا جائے) اس میں لفظ "ھجر" ھَجْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی جدائی اختیار کرنے اور چھوڑ کے جانے کے ہیں..... یہ لفظ اسی معنی میں اردو میں بھی مستعمل ہے، وَصَلَ کے مقابلہ میں ھجر بولا جاتا ہے اور ہجرت کے معنی ترک وطن کے ہیں..... بعض حضرات نے اس کو ھُجْرٌ سے مشتق سمجھا جس کے معنی ہیں بیمار آدمی کا بے ہوشی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کرنا۔ جس کو ہذیان کہا جاتا ہے، اس صورت میں حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضورؐ کچھ لکھوانے کے لیے جو فرما رہے ہیں کیا یہ ہذیان ہے؟ آپ سے دریافت کرو، ظاہر ہے کہ یہ مطلب کسی طرح درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو مریض بے ہوشی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کرتا ہو تو وہ ایسے حال میں نہیں ہوتا کہ اس سے دریافت کیا جائے۔ الغرض اِسْتَفْھِمُوْہُ کا لفظ اس کا قرینہ ہے ہجر کا لفظ ھُجْر سے مشتق نہیں ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔ اس کے علاوہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ "لکھنے کا سامان لے آؤ میں ایک تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ ہرگز ایسی

بات نہیں تھی جس کے بارے میں کسی کو ہذیان کا شبہ بھی ہو۔ اگر چہ اَھَجَرَ کو استفہام انکاری قرار دے کر یہ معنی بھی بن سکتے ہیں، لیکن واقعہ یہی ہے کہ یہاں اس لفظ کا ہذیان کے معنی میں ہونا بہت مستبعد ہے۔ حدیث کے اس جملہ اَھَجَرَ استفھموہ کے بارے میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس کے کہنے والے حضرت عمرؓ نہیں ہیں، یہ بات کچھ دوسرے حضرات نے کہی تھی جن کے نام بھی حدیث میں مذکور نہیں ہیں، بلکہ فقالوا کا لفظ ہے (یعنی کچھ لوگوں نے کہا)۔ شیعہ مصنفین حضرت عمرؓ کو لعن طعن کا نشانہ بنانے کے لیے یہ جملہ زبردستی ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ کے اس ارشاد کو ہذیان کہا (معاذ اللہ)، حالاں کہ اہل سنت کی حدیث کی کسی معتبر کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہ بات حضرت عمرؓ نے فرمائی تھی.....انہوں نے اس موقع پر وہی فرمایا تھا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مندرجہ پہلی روایت میں ذکر کیا گیا ہے، عِنْدَکُمُ القرآنُ حَسْبُکُمْ کِتَابُ اللّٰہِ، اَھَجَرَ استفھموہ بھی بعض صحابہ کرام ہی نے کہا تھا، لیکن اس کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور وہ بلاشبہ رسولؐ کے ساتھ ان کے عشق و محبت کی دلیل ہے۔ شارحین حدیث نے اس حدیث کی تشریح میں اس پر بھی گفتگو کی ہے کہ آپؐ نے جو فرمایا تھا کہ 'لکھنے کا سامان لے آؤ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے، تو آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس سلسلہ میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، لیکن ظاہر ہے سب قیاسات ہیں، شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضورؐ حضرت علیؓ کے لیے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے؟ جو حضرت عمرؓ کی مداخلت کی وجہ سے نہیں لکھا جاسکا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ شیعوں کے لیے اس کے کہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے؟ کیوں کہ ان کا دعویٰ ہے اور اسی پر ان کے بنیادی عقیدہ امامت کی بلکہ ان کے پورے مذہب کی بنیاد ہے کہ رسولؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی میں وفات سے صرف ستر بہتر دن پہلے غدیر خم کے مقام پر سفر حج کے تمام رفقا ہزاروں مہاجرین وانصار کو خاص اہتمام سے جمع کرا کے منبر پر کھڑے ہو کر (جو خاص اسی کام کے لیے تیار کیا گیا تھا) اپنے بعد کے لیے حضرت علیؓ کی خلافت و امامت کا اعلان فرمایا تھا، اور صرف اعلان ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت علیؓ کے لیے سب سے بیعت بھی لی تھی (اگر چہ ہمارے نزدیک یہ گھڑا ہوا افسانہ ہے، لیکن شیعہ حضرات کا اس پر ایمان ہے اور ان کی مستند ترین کتابوں 'الجامع الکافی' اور 'احتجاج طبرسی' وغیرہ میں اس کی پوری تفصیلات ہیں) تو جب ایک کام ہو چکا اور ہزاروں کے مجمع میں اس شان اور اس دھوم دھام سے ہو چکا، تو اس کے لیے بطور وصیت کچھ لکھوانے کی کیا ضرورت رہی؟ ہاں اس حدیث کی شرح میں جن حضرات نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ حضورؐ نے اپنے بعد کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا، لیکن بعد میں جب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ تقدیر الٰہی میں یہ طے ہو چکا ہے تو آپؐ نے تحریر لکھوانے کا ارادہ ترک فرما دیا تو یہ بات قابل فہم ہے، علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں اسی حدیث قرطاس کی شرح میں لکھا ہے، قَالَ الْبَیْھَقِیْ وَقَدْ حَکٰی سُفْیَانُ ابنُ عُیَیْنَۃَ عَنْ اَھْلِ الْعِلْمِ قِیْلَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم اَرَادَ اَنْ یَکْتُبَ اِسْتِخْلَافَ اَبِیْ بَکْرٍ رضی اللہ عنہ ثُمَّ تَرَکَ ذٰلِکَ اِعْتِمَادًا عَلٰی مَا عَلِمَ مِنْ تَقْدِیْرِ اللّٰہِ تعالی ذالک کما ھَمَّ فی اوّلِ مَرَضِہٖ حِیْنَ قال وارَأْسَاہُ ثُمَّ تَرَکَ الْکِتَابَ وقال یَاْبَی اللّٰہُ والمومنون الا اَبابکرٍ ثُمَّ قَدَّمَہٗ فی الصلاۃ۔ (عمدۃ القاری، ج ۲ ص ۱۷۱) امام بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے (جو اس حدیث قرطاس کے ایک راوی ہیں) اہل علم سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے ارادہ فرمایا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیں (اور اس کے لیے تحریر لکھوا دیں) پھر آپؐ نے یہ معلوم ہونے پر کہ تقدیر الٰہی میں یہ طے ہو چکا ہے، اس کے لکھانے کا خیال ترک فرما دیا، جب کہ اسی مرض کے ابتدا میں جب آپؐ نے فرمایا تھا وارأساہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا خیال فرمایا تھا پھر لکھوانے کا خیال ترک فرما دیا تھا اور فرمایا تھا "یَاْبَی اللّٰہُ والمومنون اِلَّا ابابکرٍ (اور بجائے کچھ لکھوانے کے) آپ نے ان کو نماز کی امامت کرنے کا حکم فرما دیا۔ (یہ گویا عملی استخلاف تھا) ملحوظ رہے کہ سفیان بن عیینہ تابعین میں سے ہیں، انہوں نے

جن اہل علم سے نقل کیا ہے ان میں غالباً حضرات تابعین بھی ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث قرطاس کے بارے میں یہ رائے کہ حضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا حضرات تابعین کی بھی رہی ہے۔ اس حدیث قرطاس کی تشریح کے سلسلہ میں یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ اس کو تسلیم کر کے لکھا گیا ہے کہ رسولؐ نے لکھنے کا سامان لانے کے لیے جو فرمایا تھا وہ کچھ لکھوانے کی نیت ہی سے فرمایا تھا اور آپ کا ارادہ اس وقت کوئی تحریر لکھوانے کا تھا۔ (جو بعد میں نہیں رہا اور آپ نے کچھ نہیں لکھوایا) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسی حدیث قرطاس کی تشریح کے سلسلہ میں ایک احتمال یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ دراصل حضور کا ارادہ کچھ تحریر کرانے کا تھا ہی نہیں، بلکہ آپ اپنے صحابہ کا امتحان لینا چاہتے تھے اور دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کے قلوب میں یہ بات پوری طرح راسخ ہوگئی یا نہیں کہ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید امت کی ہدایت کے لیے کافی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت عمرؓ نے جو کہا "عندکم القرآن حسبکم کتاب اللّٰہ" اور حاضرین مجلس میں سے اور بھی لوگوں نے اس کی تائید کی تو حضورؐ کو اطمینان ہوگیا۔ (فتح الباری، ج ۱۸ص ۱۰۱)

ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں جابجا "اطیعوا اللّٰہ" کے ساتھ "اطیعوا الرسول" فرما کر اور دوسرے عنوانات سے بھی رسولؐ کے احکام وارشادات کی تعمیل اور آپؐ کے طریقہ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے وہ بھی قرآن کی ہدایت میں شامل ہے اور قرآن مجید اس کو بھی حاوی ہے، اس لیے یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ "حسبکم کتاب اللّٰہ" میں رسولؐ کی سنت اور ہدایت سے استغنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث کا آخری جزیہ ہے کہ رسولؐ نے اسی مجلس میں تین باتوں کا حکم خاص طور سے دیا (صحیح بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں، واوصاھم بثلاثٍ یعنی آپ نے اس موقعہ پر زبانی ہی تین باتوں کی وصیت فرمائی) ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا جائے۔ واضح رہے کہ یہاں مشرکین سے مراد عام کفار ہیں خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب، دوسری روایات میں "واخرجوا الیھود والنصاریٰ" بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ، جزیرۂ عرب اسلام کا مرکز اور خاص قلعہ ہے، اس میں صرف اہل اسلام کی آبادی ہونی چاہئے، اہل کفر کو آبادی کی اجازت نہ دی جائے اور جو ابھی تک آباد ہیں ان کو اس علاقہ سے باہر بسا دیا جائے (حضورؐ کے اس حکم اور وصیت کی تعمیل کی سعادت حضرت فاروق اعظمؓ کے حصے میں آئی، انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کی تکمیل فرمادی) جزیرۂ عرب کے حدود اور رقبہ کے بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں، راجح یہ ہے کہ اس حدیث میں جزیرۂ عرب سے مراد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ یمامہ اور ان سے متصل علاقے ہیں۔ دوسری وصیت آپؐ نے یہ فرمائی تھی کہ حکومتوں یا قبیلوں یا علاقوں کے جو وفود اور قاصد آئیں (اگر چہ وہ غیر مسلم ہوں) ان کے ساتھ حسن سلوک کا ویسا ہی معاملہ کیا جائے جو میرا معمول ہے۔ آپؐ ان سب کو مناسب تحائف بھی عطا فرماتے تھے، حضورؐ کا یہ حسن سلوک قدرتی طور پر ان کو متاثر کرتا تھا..... یہ دو باتیں ہوئیں۔ تیسری وصیت کے بارے میں حدیث کے ایک راوی سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے روایت کرنے والے ہمارے شیخ سلیمان نے یہی دو باتیں بیان کیں اور تیسری بات کے بارے میں کہا کہ یا تو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سعید ابن جبیر نے وہ بیان نہیں کی تھی یا میں بھول گیا ہوں۔ شارحین نے مختلف قرینوں کی بنیاد پر اس تیسری وصیت کو بھی متعین کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ آپ کی وہ تیسری وصیت یہ تھی کہ اللہ کی کتاب قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ وہ تیسری وصیت یہ تھی کہ "لا تتخذوا قبری وثناً یعبد" (یعنی ایسا نہ ہو کہ میری قبر کو بت بنا کر اس کی پرستش کی جائے)، مؤطا امام مالک میں 'اخرجوا الیھود" کے ساتھ حضورؐ کی یہ وصیت بھی روایت کی گئی ہے، بہرحال یہ سب قیاسات ہیں، تاہم یہ سب ہی حضورؐ کے ارشادات اور آپ کی ہدایات ہیں۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** کتابا میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ، تا کہ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھوادوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو گے۔

**سوال:** حضورؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟

**جواب:** علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ آپ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کا نام لکھوانا چاہتے تھے، تاکہ لوگ اختلاف نہ کریں کہ اس سے فتنہ وضلال کا دروازہ کھل جاتا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضورؐ احکامِ دین لکھوانا چاہتے تھے تاکہ اختلاف رفع ہوجائے۔ امام سفیان بن عیینہؒ کے علاوہ دوسرے اہل علم نے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے۔ (عمدۃ القاری، ص ۱۷۱ ج ۲)

**سوال:** حضرت عمرؓ کا کیا منشا تھا کہ انہوں نے حکم رسولؐ کی تعمیل نہیں کی؟

**جواب:** حضرت عمرؓ نے تحریر کو معرض وجود میں نہ لانے کے لیے جو مصلحت پیش فرمائی تھی اس کے منشا کے سلسلے میں شراح حدیث نے مختلف باتیں بیان فرمائی ہیں۔ نووی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی تحریر کا ملتوی کردینے کی تجویز رکھنا ان کے علم وفضل اور گیرائی وگہرائی کی دلیل ہے، دراصل انھیں یہ خیال ہوا کہ شاید آپ ایسی باتیں لکھوانا چاہتے ہیں کہ جو گو امت کے لیے انفع واصلح ہوں گی، لیکن مبادا کہ امت ان سے کماحقہ عہدہ برآنہ ہوسکے اور اس نافرمانی کی وجہ سے عقوبت وعتاب کی مستحق قرار پائے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا منشا صرف یہ تھا کہ رسولؐ کو اس شدت مرض میں مزید تکلیف دینا درست نہیں ہے، خطابی کی رائے یہ ہے کہ شدتِ مرض میں یہ تحریر حضرت عمرؓ اس لیے رکوانا چاہتے تھے کہ گو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات بہرحال واجب التسلیم ہیں اور گو عوارض بشریہ اس پر طاری ہوسکتے ہیں، لیکن دین کے بارے میں اختلال حواس کے طریان میں علما کا فیصلہ یہ ہے کہ انبیا سے ایسا ہونا ممکن نہیں، اس لیے گو آپؐ کی یہ تحریر یقینی طور پر درست ہوگی، لیکن منافقین کو کہنے کے لیے ایک بات مل جائے گی کہ لیجئے شدت مرض کے ایام میں جب کہ ہوش حواس میں اختلال تھا، ایک تحریر لکھوالی۔ منافقین کی اس زبان بندی کی مصلحت سے حضرت عمرؓ نے یہ تحریر مؤخر کرادی۔ (ایضاح البخاری) اور اگر خلافت ہی کی بات لکھوانا چاہتے تھے تب بھی بات واضح ہے کہ حضورؐ ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج بنا چکے تھے مرض وفات کے ایام میں آپ کو امامت کا حکم بھی دے چکے تھے، اس سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ آپؐ خلیفہ کے طور پر کس کو نامزد کرنا چاہتے تھے، اس لیے بھی یہ تحریر لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی، حاصل یہ کہ حضور اکرمؐ کے بعض ارشادات وجوبی ہوتے ہیں ان میں نہ کسی سے آپؐ مشورہ لیتے ہیں اور نہ ہی صحابہ میں سے کوئی مراجعت کرتا ہے، لیکن بعض اوقات آپؐ کے ارشادات وجوبی نہیں ہوتے، ایسی صورت میں آپؐ مشورے بھی کرتے ہیں اور آپؐ کی بات پر صحابہ کرامؓ مراجعت بھی کرلیتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمرؓ نے قرائن وشواہد سے جان لیا کہ اس وقت حضورؐ سخت تکلیف میں بھی ہیں اور یہ ارشاد آپؐ کا وجوبی بھی نہیں، پھر یہ کہ آپ جو کچھ تحریر کروانا چاہ رہے ہیں، اس پر عمل ہو بھی رہا ہے اور آئندہ بھی ہوگا، اس لیے انہوں نے اس موقع پر تحریر کی مخالفت کی۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی وجوبی حکم ہوتا تو حضرت عمرؓ ہی نہیں پوری دنیا بھی آپؐ کی مخالفت کرتی تو آپؐ کو اس حکم کے بجالانے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا، آپ کا اس موقع پر یا اس کے بعد فرصت ملنے کے باوجود تحریر کا نہ لکھوانا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ حکم وجوبی نہیں تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے آپؐ کی راحت کی خاطر اس تحریر کو لکھوانے کی مخالفت کی، یہ کسی قسم کی بے ادبی یا گستاخی ہرگز نہیں، دیکھئے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ لکھواتے ہوئے جب مشرکین نے رسول اللہؐ کے لفظ پر اعتراض کیا تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم فرمایا "امحه" لیکن حضرت علیؓ نے غایتِ محبت ووفورِ جذبات میں عرض کیا "واللہ لا امحو ابدا" اس پر نہ آپؐ ناراض ہوئے اور نہ کوئی اور ناراض ہوا، پھر یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس حکم کے مخاطب صرف حضرت عمرؓ ہی تو نہیں تھے، بلکہ سب اہل بیت تھے، وہاں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، تو سب شور وغل کرتے تھے مگر کوئی کاغذ نہیں لایا، کیا حضرت عمرؓ ان سب کا راستہ روکے کھڑے تھے کہ ان میں کوئی ایسا نہ نکلا جو قلم دوات لے آتا، اگر کہا جائے کہ کاغذ حضرت عمرؓ کے ڈر سے لے کر نہیں آئے، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ تو شیر خدا تھے، ان کے بہادر

اور شجاع ہونے میں کوئی شک نہیں تھا پھر وہ حضرت عمرؓ سے کیسے ڈر گئے؟ حاصل یہ کہ آپؐ فریقین میں سے کسی کی رائے سے ناراض نہیں تھے، ورنہ سزا دیتے یا بلیغ تنبیہ فرماتے یا کم از کم دوبارہ تاکیدی حکم فرماتے اور حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیتے، البتہ اس شور کی وجہ سے وقتی طور پر کچھ متاثر ہوئے اور اس پر ایک درجہ میں ناگواری بھی ہوئی۔ (فضل الباری، ص۱۴۹ تا ۱۵۲ ج۲) یہاں یہ بھی امکان ہے کہ آپؐ اس موقع پر وہ وصیتیں لکھوانا چاہ رہے ہوں جو بعد میں آپ نے کیں، چنانچہ آپؐ نے (۱) مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکالنے، (۲) آنے والے وفود کو انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے کے ساتھ (۳) عمل بالقرآن کرنے، (۴) جیش اسامہ کو اپنے ہدف کی طرف بھیجنے، (۵) نمازوں کا اہتمام کرنے، (۶) غلاموں کے حقوق کی رعایت کرنے، (۷) آپ کی قبر مبارک کو بت پرستی کی آماج گاہ نہ بنانے کی وصیتیں فرما دیں۔ (کشف الباری)

بہر حال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں حضرت عمرؓ نے ایسا کیا، اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حب رسول کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کا مقام کیا تھا، حالاں کہ مجمع میں آپؐ کے خاندانی حضرات بھی موجود تھے، لیکن بیماری کا خیال آیا تو وہ حضرت عمرؓ کو آیا، حب رسول میں سرشاری اور وارفتگی کا جو درجہ حضرت عمرؓ کو حاصل تھا وہ حاضرین میں سے کسی کو نہ تھا؛ کیوں کہ حب رسول کا تعلق خاندانی رشتوں اور نسبی قرابتوں سے نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کا فیضان بقدر ایمان ہوتا ہے۔ (ایضاح البخاری)

## روافض کے اعتراضات مع جوابات

**اعتراض:** رسول اکرمؐ کا قول وحی ہوتا ہے، حضرت عمرؓ نے آپؐ کا قول رد کیا، گویا وحی کی مخالفت کی؟

**جواب:** اول یہ کہ حضرت عمرؓ نے آپؐ کا قول رد نہیں کیا، بلکہ آپ کی راحت و آرام اور بیماری کی شدت کے پیش نظر یہ گزارش فرمائی کہ حضرت یہ کام اس وقت ملتوی کر دیا جائے اور لوگوں کے اطمینان کے لیے آیت قرآن سے یہ ثابت کیا کہ نوشتہ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تین ماہ پیشتر آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" نازل ہوئی تھی، معلوم ہوا کہ یہ صرف عرض مصلحت تھی جو قابل قبول قرار دی گئی، لیکن اگر روافض کو اصرار ہے کہ مصالح کا پیش کرنا بھی رد وحی ہے، تو حضرت علیؓ سے بھی ایسے متعدد واقعات ثابت ہوئے ہیں، بخاری شریف میں ہے کہ آپؐ حضرت فاطمہؓ کے پاس رات میں تشریف لے گئے حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کو جگایا اور نماز تہجد کے لیے ارشاد فرمایا، حضرت علیؓ نے عرض کیا واللّٰہ لا نصلی الا ما کتب اللّٰہ لنا وان انفسنا بید اللّٰہ آپؐ یہ کہتے ہوئے واپس تشریف لائے، وکان الانسان اکثر شی جدلا حضرت علیؓ کے اس جواب میں دو باتیں ہیں ایک سرکار رسالت مآبؐ سے جدل، دوسرے تمسک بشبہ فرقۂ جبریہ، لیکن چوں کہ دل صاف اور بے غبار تھا اس لیے آپؐ نے ملامت نہیں فرمائی۔ دوم یہ کہ رسول کا ہر قول وحی ہوتا ہے درست نہیں، کیونکہ رسول کے معنی پیغام رساں کے ہیں؛ وہ اللہ کا پیغام رساں ہوتا ہے اور اس کی وساطت سے اللہ اپنا فرمان بندوں تک پہنچاتا ہے، رہا آیت وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی سے استدلال تو یہ آیت صرف قرآن مجید کے لیے مخصوص ہے، کیونکہ اللہ کے فرامین ہیں، رہی دوسری باتیں تو وہ سب وحی منزل من اللہ نہیں ہیں، جیسا کہ دنیاوی پیغام رسانوں میں ہوتا ہے کہ جو پیغام ان کے ساتھ بھیجا جاتا ہے وہ تو شاہی ہوتا ہے، لیکن اس کی دوسری باتوں کی ذمہ داری حکومت پر نہیں ہوتی، بلکہ وہ خود پیغام رساں کی طرف منسوب ہوتی ہیں چنانچہ قرآن و حدیث میں خود آپؐ کے اور دوسرے انبیا کے متعلق ایسے واقعات موجود ہیں جن پر عتاب ہوا ہے ارشاد ہے، عفا اللّٰہ عنک لم اذنت لھم. ولا تکن للخائنین خصیما واستغفر اللّٰہ ان اللّٰہ کان غفوراً رحیما. لولا کتاب من اللّٰہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم. اس لیے پیغمبر کا ہر قول وحی نہیں ہوتا۔

**اعتراض**: حضرت عمرؓ نے پیغمبر کی طرف بہکی باتیں کرنے کی نسبت کی؟

**جواب**: خلاصۂ حدیث کے تحت تفصیلی جواب آ گیا۔

**اعتراض**: رسول اللہؐ کے سامنے رفع صوت ہوا، حالاں کہ آپؐ کے سامنے رفع صوت گناہ کبیرہ ہے ارشاد رب ہے: **لا ترفعوا اصواتکم الخ** ؟

**جواب**: آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو اور یہاں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز کا سوال ہی نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ باہم آوازیں بلند ہو رہی ہیں اور پیغمبر کی موجودگی میں باہمی آوازوں کی بلندی سے قرآن کریم میں منع نہیں کیا گیا، بلکہ ایسا ہو جایا کرتا تھا، ہاں اگر لا ترفعوا اصواتکم بینکم عند النبی فرمایا جاتا تو یہ بات درست ہو سکتی تھی، بلکہ اگر پوری آیت پر نظر ڈالی جائے تو اس کا جواز نکلتا ہے فرماتے ہیں کجھر بعضکم لبعض اس سے معلوم ہوا کہ بعض کا بعض کے ساتھ بلند آہنگی سے بولنا درست ہے۔ رسول اکرم کا ارشاد لا ینبغی بھی یہی بتلاتا ہے کہ تم خلاف اولیٰ کر رہے ہو یہ بات اگر حرام یا کبیرہ ہوتی تو لا ینبغی کا لفظ نہ فرماتے۔ اسی طرح مجلس سے نکل جانے کا حکم تنہا حضرت عمرؓ کو نہیں دیا گیا تھا، بلکہ قوموا عنی کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سب کے سب چلے جاؤ، اس میں بیماری کی وجہ سے جو مزاج میں ترشی پیدا ہو جاتی ہے اس کا دخل ہے اور امت پر شفقت کا بھی باعث ہے؟ کیوں کہ اس جھگڑے سے پیغمبر علیہ السلام کو کوفت محسوس ہو رہی تھی اور پیغمبر کی کوفت امت کے حق میں یقیناً نقصان دہ ہو سکتی ہے اور اسی اندیشۂ نقصان کے باعث آپؐ نے اٹھنے کا حکم دیا۔

**اعتراض**: حضرت عمرؓ نے امت کی حق تلفی کی، اگر تحریر سامنے آ جاتی تو اختلافات ختم ہو جاتے؟

**جواب**: اس سے امت کی حق تلفی ہوئی یہ بھی درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر اللہ کی طرف سے کوئی نئی چیز آنے والی ہوتی تو یہ بات درست ہو سکتی تھی اور الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کے بعد دین کے بارے میں کسی نئی چیز کی توقع غلط ہے، ہاں آپ کا یہ ارشاد ملکی مصلحتوں اور نیک مشوروں سے متعلق تھا اور تیئس سال کی نبوت کی زندگی اور قرآن کریم کے اعلان تکمیل دین کے بعد بھی کسی چیز کا انتظار اور وہ بھی دین کے معاملہ میں درست نہیں ہے، پھر اگر وہ اس وقت کے اختلاف یا حضرت عمرؓ کی وجہ سے لکھنے سے رہ گئی تھی، تو آپؐ اس کے بعد کئی دن حیات رہے لکھا سکتے تھے، لیکن آپؐ نے نہیں لکھایا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ کوئی اہم چیز نہ تھی، یہ صرف آپؐ کی غایت شفقت اور مہربانی کی بات تھی اور اگر عقل سے کام لیا جائے تو یہ بات اور صاف ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ اگر سرکار رسالت مآبؐ اس نوشتہ کے لیے خداوند قدوس کی طرف سے مامور تھے تو بالفرض اگر اس وقت حضرت عمرؓ غالب آ گئے تھے (معاذ اللہ) تو ان چند دنوں میں جو بخیریت گزرے ہیں کیوں یہ نوشتہ تحریر نہیں کیا گیا، جب کہ یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلّغت رسالته، ارشاد فرمایا گیا ہے، اور اگر مامور نہیں تھے بلکہ اپنے اجتہاد سے تحریر لکھا رہے تھے تو اب دو صورتیں ہیں یا حضرت عمرؓ کے عرض مصلحت کے بعد آپؐ نے اجتہاد سے رجوع فرما لیا یا نہیں فرمایا، اگر رجوع فرما لیا تو الزام کی ساری عمارت منہدم ہو گئی اور نہ صرف منہدم ہو گئی بلکہ اس سے حضرت عمرؓ کی فضیلت معلوم ہوئی کہ آخر وقت بھی ان کا مشورہ زندگی کے دوسرے واقعات کی طرح بالکل صائب ثابت ہوا اور اگر آپؐ نے اجتہاد سے رجوع نہیں فرمایا، تو یہ آپ کی شان رحمت کے خلاف ہے کہ جس چیز کو امت کے حق میں نفع بخش تصور فرمائیں وہ صرف چند لوگوں کی مخالفت کے باعث امت کے لیے تحریر نہ کریں، حالاں کہ قرآن میں ارشاد ہے: لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیمؔ۔

**قال ابن عباس ان الرزیة کل الرزیة** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے: کہ بڑی مصیبت یہ ہو گئی کہ

تحریر کی نوبت ہی نہ آئی اور آپس کا اختلاف اس گرامی قدر تحریر سے حرماں نصیبی کا باعث ہوا، اگر فریقین سنجیدگی سے گفتگو کر کے ایک بات پر متفق ہو جاتے تو یہ تحریر سامنے آ جاتی اور آپ کے بعد پیدا ہونے والے اختلافات نہ ہو سکتے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس واقعہ کے وقت شریک مجلس تھے اور وہاں سے نکلتے ہوئے آپ نے ان کلمات کے ساتھ اظہار افسوس کیا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ مختلف شواہد کی بنا پر اس کے یہ ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتے بلکہ معنی یہ ہیں کہ ابن عباسؓ اپنے تلامذہ کے سامنے حدیث بیان کرتے وقت یہ فرمایا کرتے تھے۔ (ایضاح البخاری) ذرونی ذرونی فالذی انا فیه خیر مما تدعوننی کچھ حضرات نے دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا ''مجھے چھوڑ دو، جس میں میں ہوں وہ خیر ہے''۔

**سوال:** وہ کون سی چیز تھی جس میں آپؐ نے اپنے آپ کو خیر قرار دیا؟

**جواب:** (۱) مشہور بات یہ ہے کہ آپؐ مشاہدۂ جمال وجلال رب میں مشغول تھے، آپؐ نے فرمایا مجھے اسی مشاہدۂ جمال وجلال میں رہنے دو مجھے تم اب اپنی طرف متوجہ نہ کرو۔ (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ اب تم تحریر کی بات پھر شروع کر رہے ہو، جب کہ میں نے ترک کا ارادہ کر لیا ہے، اب یہ ترک تحریر ہی زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے، تم پھر تحریر کے لیے مجھ سے نہ کہو۔ (عمدۃ القاری، ص ۶۲ ج ۱۸، فتح الباری، ص ۱۳۴ ج ۸) فامرهم بثلاث خلاصہ حدیث میں تفصیل گذر گئی۔

## حدیث نمبر ۲۷۶۸ ﴿وحی کا سلسلہ منقطع ہونے پر صدمہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۷

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ لِعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْطَلِقْ بِنَا إِلٰى أُمِّ أَيْمَنَ نَزُوْرُهَا كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهَا فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَيْهَا بَكَتْ فَقَالَا لَهَا مَا يُبْكِيْكِ أَمَا تَعْلَمِيْنَ أَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنِّيْ لَا أَبْكِيْ أَنِّيْ لَا أَعْلَمُ أَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ أَبْكِيْ أَنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ فَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۹۱ ج ۲، باب فضائل ام ایمن، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۵۴

**حل لغات:** انطلق امر حاضر اِنْطَلَقَ (انفعال) اِنْطِلَاقًا چلنا۔ نَزُور زَارَ (ن) زِيَارَةً زیارت کرنا، ملاقات کرنا۔ انتهينا اِنْتَهٰى (افتعال) اِنْتِهَاءً إليه کسی کے پاس پہنچنا۔ يبكى اَبْكٰى (افعال) اِبْكَاءً رلانا۔ هيجتهما هَيَّجَ (تفعيل) تَهْيِيْجًا جوش دلانا، برانگیختہ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ایک روز حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا آؤ ام ایمنؓ کے ہاں چلیں اور ان سے ملاقات کریں جیسا کہ حضورؐ ان سے ملاقات فرمایا کرتے تھے، جب ہم ان کے ہاں پہنچے تو وہ رو پڑیں، حضرت ابو بکرؓ وحضرت عمرؓ نے کہا (ام ایمن) کیوں روتی ہو؟ تم کو معلوم نہیں کہ خدا کے پاس جو کچھ رسول اللہؐ کے لیے ہے وہ بہتر ہی بہتر ہے۔ ام ایمن نے کہا میں اس لیے نہیں روئی کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ خدا کے پاس رسول اللہؐ کے لیے جو کچھ ہے وہ خیر ہی خیر ہے۔ بلکہ میں تو اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ام ایمن کے ان الفاظ نے ان حضرات پر رقت طاری کر دی اور وہ بھی ان کے ساتھ خوب روئے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کی رحلت سے نبوت کا سلسلہ تو ختم ہوا ہی۔ نزول وحی کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور دنیا والے وحی کے نزول کی برکتوں سے محروم ہو گئے اس چیز سے صحابہؓ بھی آبدیدہ ہوئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فجعلا یبکیان معھا اس سے پتہ چلا کہ اللہ والوں اور شہدا کی وفات پر اظہار افسوس درست ہے، اگر چہ وہ عالم مشقت سے عالم راحت میں چلے گئے، لیکن فراق وجدائی کا غم اور اس کا اظہار بلا جزع وفزع درست ہے۔ (نووی) یہیں سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے رخصت ہونے سے بسا اوقات بہت سی برکتیں بھی اٹھ جاتی ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۷۶۹ ﴿آخری مرتبہ منبر پر کھڑا ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۸**

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ وَنَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ عَاصِبًا رَأْسَهُ بِخِرْقَةٍ حَتّٰى أَهْوٰى نَحْوَ الْمِنْبَرِ فَاسْتَوٰى عَلَيْهِ وَاتَّبَعْنَاهُ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنِّيْ لَأَنْظُرُ إِلَى الْحَوْضِ مِنْ مَّقَامِيْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ إِنَّ عَبْدًا عُرِضَتْ عَلَيْهِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا فَاخْتَارَ الْآخِرَةَ قَالَ فَلَمْ يَفْطِنْ لَهَا أَحَدٌ غَيْرُ أَبِيْ بَكْرٍ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَبَكٰى ثُمَّ قَالَ بَلْ نَفْدِيْكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا وَأَنْفُسِنَا وَأَمْوَالِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ثُمَّ هَبَطَ فَمَا قَامَ عَلَيْهِ حَتّٰى السَّاعَةِ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** دارمی، ص۴۹-۵۰ ج۱، المقدمة، باب وفات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، حدیث ۷۷

**حل لغات:** عاصباً عَصَبَ (ض) عَصْبًا الشيء باندھنا۔ خِرْقَةٌ (ج) خِرَق کپڑے کا ٹکڑا۔ اھوی (افعال) إهواءً چلنا۔ استوی (افتعال) استواءً سیدھا کھڑا ہونا۔ اِتَّبَعْنَا اتَّبَعَ (افتعال) اِتِّبَاعًا اتباع کرنا، پیچھے پیچھے چلنا۔ عرضت عَرَضَ (ض) عَرْضًا پیش کرنا۔ لَمْ يَفْطِنْ فَطَنَ (ض) فِطْنَةً جاننا سمجھنا۔ نَفْدِيْ فَدَى (ض) فِدَاءً قربان کرنا۔ آبَاء (واحد) أَبٌ آباء اجداد۔ أُمَّهَاتٌ (واحد) أُمٌّ ماں۔ ھبط (ض) هُبُوْطًا اترنا۔



**ترجمہ:** حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اپنے اس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جس میں آپ کا وصال ہوا تھا اور ہم مسجد میں تھے اور سر مبارک سے پٹی باندھ رکھی تھی، آپ منبر کی طرف مائل ہو کر اس پر جلوہ افروز ہوئے اور ہم بھی بیٹھ گئے، آپؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں اس جگہ سے بھی حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں، پھر فرمایا کہ ایک بندے پر دنیا اور اس کی زینت پیش کی گئی تو اس نے آخرت کو پسند کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس بات کو حضرت ابو بکرؓ کے سوا کوئی دوسرا نہ سمجھ سکا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور رونے لگے پھر انھوں نے کہا: بلکہ یا رسول اللہ! ہم اپنے باپوں اور ماؤں، اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو آپؐ کے فدیہ میں دے دیتے ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر آپ اتر آئے اور اس وقت (وفات) تک پھر اس پر جلوہ افروز نہ ہو سکے۔ (دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے آخری خطاب کا ذکر ہے، اس میں آپؐ نے اپنی رحلت کی طرف اشارہ کیا، جس کو صرف صدیق اکبرؓ نے سمجھا۔ اس کی تفصیل عالمی حدیث ۵۹۵۷ کے تحت گزر چکی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عاصبا رأسه مریض جب سر پر سر کے درد کی وجہ سے کپڑا باندھتا ہے تو اس کو "عصابة" کہتے ہیں، آپ سر پر کپڑا باندھے حضرت عباسؓ وحضرت علیؓ کے سہارے مسجد تشریف لائے اور نماز پڑھائی، یہ ظہر کی نماز تھی، بعد ازاں آپ نے خطبہ دیا اور یہ آپ کا آخری خطبہ تھا، یہ خطبہ وفات سے چار روز قبل جمعرات کے روز ارشاد فرمایا۔ اس روایت میں ہے کہ اللہ کے ایک بندے کے سامنے دنیا اور اس کی زیب وزینت پیش کی گئی، لیکن اس نے آخرت کو اختیار کیا، جب کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ آپؐ دنیا میں مزید رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دنیا کے خزانے آپ کو سونپ دیں گے اور پہاڑ کو آپ کے لیے سونے چاندی کا بنا دیں گے اور آخرت

کے ثواب و درجات میں کوئی کمی نہ آئے گی اور اگر چاہیں تو ہمارے پاس آجائیں، آپؐ نے سر جھکا لیا گویا کہ آپؐ اس میں غور و فکر کر رہے ہوں، ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ کے غلاموں میں سے کوئی غلام آپؐ کے پاس حاضر تھے، انھوں نے جب اس دنیاوی فراخی کو سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ! چند دن رہنا اختیار فرمالیں، تاکہ ہمیں بھی کچھ دنیاوی آسائش و آرام میسر آجائے۔ آپؐ نے حضرت جبرئیل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا گویا آپؐ ان سے مشیت الٰہی پوچھنا چاہتے ہوں، جب آپؐ کو معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بلانا چاہتے ہیں، تو آپؐ نے دنیا کی فانی اور زوال پذیر نعمتوں کو ترک کر کے آخرت کی دائمی اور باقی رہنے والی نعمتوں کو اختیار کیا اور فرمایا کہ میں وہاں آنا چاہتا ہوں۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۷۷۰ ﴿حضرت فاطمہؓ کا رونا پھر ہنسنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶۹**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ وَقَالَ نُعِيَتْ إِلَيَّ نَفْسِيْ فَبَكَتْ قَالَ لَا تَبْكِيْ فَإِنَّكِ أَوَّلُ أَهْلِيْ لَاحِقٌ بِيْ فَضَحِكَتْ فَرَآهَا بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَ يَا فَاطِمَةُ رَأَيْنَاكِ بَكَيْتِ ثُمَّ ضَحِكْتِ قَالَتْ إِنَّهُ أَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ قَدْ نُعِيَتْ إِلَيْهِ نَفْسُهُ فَبَكَيْتُ فَقَالَ لِيْ لَا تَبْكِيْ فَإِنَّكِ أَوَّلُ أَهْلِيْ لَاحِقٌ بِيْ فَضَحِكْتُ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَجَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً وَالْإِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** دارمی، ص ۵۱ ج ۱، المقدمة، باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۷۹

**حل لغات:** نُعِيَتْ نَعٰی (ف) نَعْيًا کسی کے مرنے کی خبر دینا۔ ضَحِكَتْ ضَحِكَ (س) ضَحْكًا ہنسنا۔ اَزْوَاجٌ (واحد) زَوْجٌ بیوی۔ اَخْبَرَ (افعال) خبر دینا، بتلانا۔ لَاحِقٌ لَحِقَ (س) لَحْقًا کسی سے جاملنا۔ اَرَقُّ اسم تفضیل زیادہ نرم۔ اَفْئِدَةٌ (واحد) فُؤَادٌ دل۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو بلا کر فرمایا: مجھے میری وفات کی خبر دی گئی ہے۔ وہ روئیں تو فرمایا، نہ روؤ کیوں کہ میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملنے والی ہو۔ پس وہ ہنس پڑیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے بعض نے انہیں دیکھ لیا تھا لہٰذا کہا اے فاطمہ! ہم نے تمہیں روتے اور پھر ہنستے دیکھا؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ حضورؐ نے مجھے بتایا کہ مجھ کو اپنی وفات کی خبر دی گئی تو میں رو پڑی، آپؐ نے فرمایا نہ روؤ؛ کیوں کہ میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملنے والی ہو، تو میں ہنس پڑی، رسول اللہؐ نے فرمایا جب اللہ کی مدد حاصل ہوگئی، اہل یمن حاضر بارگاہ ہوئے کہ وہ دل کے نرم ہیں، کیوں کہ ایمان یمنی اور حکمت بھی یمانی ہے۔ (دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے متعلق صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ حضورؐ کے مرض وفات میں جس دن یہ واقعہ ہوا اور حضرت صدیقہؓ نے حضرت سیدہ فاطمہؓ سے دریافت کرنا چاہا کہ حضورؐ نے تم سے کیا بات فرمائی تھی جس کی وجہ سے تم پہلے رونے لگی تھیں اور پھر ہنسنے لگی تھیں؟ تو حضرت فاطمہؓ نے اس دن نہیں بتلایا بلکہ یہ کہا کہ جو بات حضورؐ نے رازداری کے ساتھ فرمائی ہے اس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی..... جب حضورؐ کی وفات ہوگئی تو حضرت صدیقہؓ نے پھر ان سے دریافت کیا تو انھوں نے بتلایا کہ پہلی دفعہ حضورؐ نے مجھے یہ بتلایا تھا کہ میں اسی مرض میں دنیا سے اٹھالیا جاؤں گا، تو میں رنج و صدمہ سے رونے لگی تھی، پھر دوسری دفعہ آپؐ نے مجھے بتلایا کہ آپؐ کے گھر والوں میں سے سب سے پہلے میں ہی آپ سے جاملوں گی، تو رنج و غم کی کیفیت ختم

ہوگئی اور میں خوشی سے ہنسنے لگی تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دونوں باتیں اسی طرح واقع ہوئیں، ایک یہ کہ حضورؐ نے جیسا کہ فرمایا تھا اسی مرض میں وفات پائی اور آپؐ کے بعد آپ کے اہل وعیال میں سے سب سے پہلے سیدہ فاطمہؓ کی ہی وفات ہوئی۔ صرف چھ مہینے کے بعد یقیناً یہ ان پیشین گوئیوں میں سے ہے جو آپؐ کی نبوت کی دلیل ہے۔

## کلمات حدیث کی تشریح

نعیت الی نفسی یعنی مجھے میری موت کی خبر دی گئی ہے، حضورؐ کو اپنی وفات کی کیسے خبر ہوئی؟ تو اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی، تو اس سے آپؐ نے سمجھ لیا کہ آخرت کی طرف رحلت کا وقت قریب ہے، اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مدد ونصرت اور فتح وفوز مندی اور دین میں لوگوں کے فوج در فوج داخل ہونے کی خبر دی ہے، اور اس کے ساتھ تسبیح وتقدیس اور استغفار کا حکم دیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ کی بعثت کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوگیا، اب آپؐ کو توبہ واستغفار کے ذریعہ آخرت کی تیاری اور اللہ کی طرف متوجہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ جبرئیل مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن پاک کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے، اس سال دو مرتبہ دور کیا ہے میرا خیال ہے کہ اسی بیماری میں میری وفات ہوگی۔ فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِىْ لَاحِقٌ بِىْ حضرت فاطمہؓ کے ہنسنے کا سبب کیا تھا؟ تو اس روایت میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آملے گی یہ سن کر حضرت فاطمہؓ ہنس پڑیں، چنانچہ آپؐ کے سانحہ ارتحال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ اس دنیا سے رخصت ہوئیں، چھ ماہ والا یہ قول زیادہ صحیح ہے جب کہ اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں مثلاً ایک قول کے مطابق حضرت فاطمہؓ کا انتقال حضورؐ کے انتقال کے آٹھ ماہ بعد ہوا، ایک قول کے مطابق تین ماہ بعد ہوا، ایک قول کے مطابق دو ماہ بعد اور ایک قول کے مطابق ستر دن بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا، ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ سے یہ فرمایا تھا کہ تم بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہوگی، یہ سن کر حضرت فاطمہؓ ہنس پڑیں۔ وَجَاءَ اَهْلُ الْيَمَنِ یہاں اہل یمن سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کی قوم کی طرف اشارہ ہے جو مسلمان ہوکر تشریف لائے تھے۔ جَاءَ اَهْلُ الْيَمَنِ کا عطف جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ پر اور یہ جملہ تفسیر اور وضاحت ہے وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ... کی یعنی جن لوگوں کے جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہونے کی اطلاع دی گئی ہے، ان سے اہل یمن مراد ہیں اور وہ آچکے ہیں اور ان کو آپؐ نے دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ هم ارق افئدة اس میں آپؐ نے اہل یمن کی مدح وتوصیف فرمائی کہ وہ نہایت نرم دل ہیں یعنی ان کے دل احکام کو جلدی قبول کر لیتے ہیں اور وعظ ونصیحت ان میں بہت زیادہ موثر ہوتی ہے اور وہ قساوت قلبی سے بالکل محفوظ ہیں۔ والایمان یمان یعنی ایمان تو اہل یمن کا ہے اہل یمن سے کون لوگ مراد ہیں اور یہ مدح کن لوگوں کی ہے اس میں چند اقوال ہیں: (۱) ایک قول یہ ہے کہ اس سے یمن ہی کے لوگ مراد ہیں، ان میں کچھ خصوصیات ہیں ان خصوصی امتیازات کی وجہ سے ان کے ایمان کو سراہا گیا ہے، مگر یاد رہے یہ اس زمانے کے یمن کے مسلمان لوگوں کی مدح ہے قیامت تک آنے والے اہل یمن کی تعریف نہیں ہے۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اہل یمن سے مراد اہل مکہ ہیں اور چونکہ یہ حدیث حضور اکرمؐ نے تبوک کے مقام پر ارشاد فرمائی ہے اور یمن کی طرف اشارہ بھی فرمایا اس طرف مکہ ومدینہ واقع ہے تو یمن بول کر مکہ ومدینہ مراد لیا گیا ہے، ویسے یمان جانب یمین کو بھی کہتے ہیں اور مکہ ومدینہ جانب یمین میں تھا اس لیے یمان سے اہل مکہ ومدینہ مراد ہیں، اس توجیہ سے اس حدیث کا مطلب بھی سمجھ میں آجائے گا اور تعارض بھی ختم ہوجائے جس سے حدیث میں یہ الفاظ ہیں: الایمان فی الحجاز۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یمان سے انصار مدینہ مراد ہیں کیوں کہ ان کی نسل اور ان کی اصل یمن سے ہے، گویا یہ انصار کی تعریف ہے، بہرحال پہلا قول حقیقت ہے باقی مجاز ہے، یمن میں خیر ہے۔ والحکمة مستقبل کے بارے میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا حکمت کہلاتا ہے، حکمت دانشمندی عقل وتدبر اور حقائق کی تہہ تک پہنچنے اور علم ومعرفت کا نام ہے یمن کے لوگوں

میں یہ چیزیں زیادہ ہیں۔(مرقات،جدید مظاہر حق،توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۷۷۱ ﴿حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت بلافصل﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷۰**

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ وَارَأْسَاهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكِ لَوْ كَانَ وَاَنَا حَيٌّ فَاَسْتَغْفِرُ لَكِ وَاَدْعُوْ لَكِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ وَاثُكْلَيَاهُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ تُحِبُّ مَوْتِيْ فَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ لَظَلِلْتَ آخِرَ يَوْمِكَ مُعْرِسًا بِبَعْضِ اَزْوَاجِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ اَنَا وَارَأْسَاهُ لَقَدْ هَمَمْتُ اَوْ اَرَدْتُّ اَنْ اُرْسِلَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ وَابْنِهٖ وَاَعْهَدَ اَنْ يَّقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ اَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّوْنَ ثُمَّ قُلْتُ يَاْبَى اللّٰهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ اَوْيَدْفَعُ اللّٰهُ وَيَاْبَى الْمُؤْمِنُوْنَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری،ص ۸۴۶ج ۲، باب ما رخص للمریض ان یقول، کتاب المرض،حدیث ۵۶۶۶

**حل لغات:** استغفر، اَسْتَغْفِرَ (استفعال) اِسْتِغْفَارًا مغفرت طلب کرنا۔تُحِبّ، اَحَبَّ (افعال) اِحْبَابًا محبت کرنا۔ظللت، ظَلَّ (ض) ظَلَالَةً سایہ دار ہونا۔مُعْرِسًا، اَعْرَسَ (افعال) اِعْرَاسًا شب زفاف منانا۔هَمَمْتُ هَمَّ (ن) هَمًّا قصد کرنا۔اعهدُ عَهِدَ (س) عَهْدًا وصیت کرنا۔یتمنّی تَمَنّٰی (تفعل) تَمَنِّيًا تمنا کرنا،آرزو کرنا۔اَلْمُتَمَنُّوْنَ (واحد)مُتَمَنٍّ تمنا کرنے والا۔یَاْبٰی اَبٰی (ف) انکار کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سر درد کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا آہ میرا سر،آپؐ نے فرمایا کہ وہ اگر واقع ہوئی اور میں زندہ ہوا تو تیرے لیے دعاء مغفرت کروں گا اور تیرے لیے دعا کروں گا۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا آہ مصیبت و ہلاکت خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ آپؐ چاہتے ہیں کہ میں مرجاؤں اگر ایسا ہوا تو آپؐ اس دن کے آخر ہی میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ شب باشی فرمائیں گے،آپؐ نے فرمایا بلکہ میرا سر درد میں نے قصد کیا تھا یا میں نے اس کا ارادہ کیا تھا کہ کسی شخص کو بھیج کر ابوبکرؓ اور ان کے بیٹے کو بلواؤں اور ان کے لیے وصیت کردوں تاکہ پھر کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں یا آرزو کرنے والے آرزو نہ کرسکیں، پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ خداوند تعالیٰ ابوبکرؓ کے علاوہ کسی اور کی خلافت سے انکار کردیں گے اور مسلمان بھی اس کی خلافت کی مخالفت کریں گے،یا آپؐ نے یوں فرمایا کہ خود اللہ تعالیٰ مدافعت کریں گے اور مسلمان بھی انکار کردیں گے۔(بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے آخری وقت میں کتابت کا جو ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے متعلق تھا،مگر چونکہ سرکار دو عالمؐ کو معلوم ہوگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی اور کی خلافت منظور نہیں اور مومنین بھی کسی اور کے خلیفہ بننے پر راضی نہ ہوں گے،اس لیے حضورؐ نے کتابت پر اصرار نہیں فرمایا،عورت کی طبیعت اور فطرت میں اپنے شوہر کے متعلق جو غیرت اور حساسیت ہوتی ہے حدیث سے وہ ظاہر ہورہی ہے۔گھر والوں کے ساتھ مزاح کرنا بھی اس سے معلوم ہورہا ہے اور یہ بات بھی کہ درد و تکلیف کا اظہار جزع وفزع میں داخل نہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وا رأساہ ہائے میرا سر تو درد سے پھٹا جارہا ہے۔وا ثکلیاہ، ثکل موت و ہلاکت کو بھی کہتے ہیں اور بیٹے یا محبوب کے گم ہوجانے کو بھی کہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ہائے میری مصیبت،یہ کلمہ مصیبت کے وقت بولا جاتا ہے۔معرساً یہ عروس سے ہے یعنی میرا تو خیال ہے کہ اگر میں مرجاؤں تو دن کے آخری حصہ میں آپ کسی بیوی کے ساتھ شادی رچائیں گے۔بل انا وا رأساہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حقیقت میں درد سے میرا سر پھٹا جارہا ہے،اس میں ایک پوشیدہ اشارہ ہے کہ درحقیقت موت میرے سر پر منڈلا رہی ہے،آنے والی حدیث میں اس کی تفصیل ہے،ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ

اور حضرت عائشہؓ کے سر کا درد ایک ساتھ شروع ہونے میں دونوں میں کمال محبت کی طرف اشارہ ہے کہ ایک کے سر کے درد کی وجہ سے دوسرے کے بھی درد اٹھا، واعھد یعنی صدیق اکبرؓ کیلئے خلافت کی وصیت کردوں پھر میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ اور پھر مسلمان ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ ان یقول یہاں پر لا محذوف ہے ای لئلا یقول القائلون او لئلا یتمنی المتمنون۔ (توضیحات)

## حدیث نمبر ۲۷۷۲ ﴿مرض الوفات کی ابتدا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷۱

وَعَنْهَا قَالَتْ رَجَعَ إِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ جَنَازَةٍ مِنَ الْبَقِيْعِ فَوَجَدَنِيْ وَاَنَا أَجِدُ صُدَاعًا وَأَنَا أَقُوْلُ وَارَأْسَاهُ قَالَ بَلْ أَنَا يَا عَائِشَةُ وَارَأْسَاهُ قَالَ وَمَا ضَرَّكِ لَوْ مُتِّ قَبْلِيْ فَغَسَلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَصَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ قُلْتُ لَكَأَنِّيْ بِكَ وَاللّٰهِ لَوْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ لَرَجَعْتَ إِلٰى بَيْتِيْ فَعَرَّسْتَ فِيْهِ بِبَعْضِ نِسَائِكَ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بُدِئَ فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

**حوالہ:** دارمی، ص ۵۱ ج ۱، المقدمہ، باب فی وفاۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، حدیث ۵۶۶۶

**حل لغات:** جنازۃ (ج) جَنَائز مردہ۔ صداعٌ دردسر۔ ضرَّ (ن) ضرًّا نقصان پہنچانا۔ غسلت، غَسَلَ (ض) غسلاً غسل دینا۔ کفنت، کفّن (تفعیل) تکْفِیْنًا کفن دینا۔ صلّیت، صَلّٰی (تفعیل) تَصْلِیَۃً نماز پڑھنا۔ دفنت دَفَنَ (ض) دَفْنًا دفن کرنا، چھپانا۔ نِسَاءٌ (واحد) مرأۃ من غیر لفظہ عورت۔ تبسّم (تفعل) تَبَسُّمًا مسکرانا۔ بُدِئَ، بَدَأَ (ف) بَدْأً شروع کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں ایک جنازہ کو دفن کر کے میرے پاس تشریف لائے تو مجھ کو اس حالت میں پایا کہ میں سر کے درد میں مبتلا تھی اور میں کہہ رہی تھی ہائے میرا سر، آپؐ نے فرمایا کہ عائشہؓ میں کہتا ہوں کہ میرا سر درد کر رہا ہے، اور آپؐ نے فرمایا کہ اس میں نقصان کیا ہے اگر تم مجھ سے پہلے مرجاؤ تو میں تمہیں غسل دوں گا، میں تمہیں کفناؤں گا، میں تمہاری نماز جنازہ پڑھاؤں گا، اور میں تمہیں دفناؤں گا، میں نے کہا خدا کی قسم اگر آپؐ نے ایسا کیا تو آپ ان سب امور سے فارغ ہو کر میرے گھر واپس آتے ہی اپنی کسی بیوی کے ساتھ شب باش ہوجائیں گے، آنحضرتؐ میرے ان الفاظ کو سن کر مسکرائے اور پھر آپؐ کی اس بیماری کا سلسلہ شروع ہوا جس میں آپؐ نے وفات پائی۔ (دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ آپ کی زندگی میں رحلت فرماتیں تو ان کو سعادت حاصل ہوتی کہ آپؐ خود اپنے دست مبارک سے ان کو غسل دیتے، ان کی نماز جنازہ پڑھاتے اور اپنے ہاتھ سے تدفین فرماتے، لیکن چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پرملال پہلے ہوگیا، اس لیے حضرت عائشہؓ یہ سعادت حاصل نہ کرسکیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وا رأساہ یہ ندبہ کا لفظ ہے ایسی حالت میں بولا جاتا ہے کہ گویا تکلیف سے موت آجائے گی۔ فعرست فیہ ببعض نساء لك حضرت عائشہؓ نے بطور ناز یہ بات فرمائی کہ گویا آپؐ میری موت چاہتے ہیں، اگر میں اس جہان سے رخصت ہوگئی تو آپؐ اس روز میرے ہی گھر میں کسی اور زوجہ کے ساتھ آرام کریں گے، یعنی آپؐ مجھے میرے مرتے ہی بھول جائیں گے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کو مقام ناز حاصل تھا، اس لیے آپؐ سے یہ بات کہی اور آپ کو ان کی بات ناگوار نہیں ہوئی، بلکہ مرض کے باوجود آپ مسکرا اٹھے۔ ثم بدی فی وجعہ الذی مات فیہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ بقیع سے واپسی کے بعد حضرت عائشہؓ کے گھر میں حضورؐ کو درد سر شروع ہوا یہ حضورؐ کے مرض الموت کی ابتدا ہے، اور اکثر محدثین اسی کو ابتداء حقیقی کہتے ہیں، لیکن صحیحین میں حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ کی روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے حضورؐ کی بیماری حضرت میمونہؓ کے گھر میں شروع ہوئی، ان روایتوں میں بظاہر تعارض ہے، لیکن علما اس کی تاویل کرتے ہیں کہ مرض کی حقیقی ابتداء بقیع سے آنے کے بعد

حضرت عائشہؓ کے مکان میں ہوئی اور حضرت میمونہؓ کے مکان میں اشتداد مرض کی ابتداء ہوئی، مرض کی نہیں لیکن تاویل قابل غور ہے، صحیح روایات میں یہ نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے یہاں بقیع سے واپس آنے کے بعد مرض شروع ہوا، ہوسکتا ہے کہ اس وقت حضرت عائشہؓ کو اس کا علم نہ ہو، مگر حضرت میمونہؓ کے مکان میں عارضہ شروع ہوگیا ہو، تکلیف ہی کی حالت میں آپؐ جنازہ کے ساتھ بقیع گئے ہوں اور اس کی وجہ سے دردسر زیادہ ہوگیا ہو اور جس سے آپؐ کو بل انا و ا راساہ کہنے کی ضرورت پیش آئی ہو جو نا قابل برداشت تکلیف کی حالت میں کہا جاتا ہے، حضورؐ کے دردسر کی خبر حضرت عائشہؓ کو نہ تھی، حضرت عائشہؓ کو اس کے بعد تحقیق کرنے پر معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں آپؐ کو عارضہ شروع ہو چکا ہے جو انہوں نے بعد میں بیان کیا۔ (اصح السیر)

**حدیث نمبر ۲۷۷۳ ﴿وفات نبیؐ پر تسلی دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷۲**

وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ دَخَلَ عَلٰى أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ فَقَالَ أَلَا أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَلٰى حَدِّثْنَا عَنْ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا مَرِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ تَكْرِيْمًا لَكَ وَتَشْرِيْفًا لَكَ خَاصَّةً لَكَ يَسْأَلُكَ عَمَّا هُوَ أَعْلَمُ بِهِ مِنْكَ يَقُوْلُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ أَجِدُنِي يَا جِبْرِيْلُ مَغْمُوْمًا وَأَجِدُنِي يَا جِبْرِيْلُ مَكْرُوْبًا ثُمَّ جَاءَهُ الْيَوْمَ الثَّانِي فَقَالَ لَهُ ذٰلِكَ فَرَدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا رَدَّ أَوَّلَ يَوْمٍ ثُمَّ جَاءَهُ الْيَوْمَ الثَّالِثَ فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ يَوْمٍ وَرَدَّ عَلَيْهِ كَمَا رَدَّ عَلَيْهِ وَجَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ يُقَالُ لَهُ إِسْمَاعِيْلُ عَلٰى مِائَةِ أَلْفِ مَلَكٍ كُلُّ مَلَكٍ عَلٰى مِائَةِ أَلْفِ مَلَكٍ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ جِبْرِيْلُ هٰذَا مَلَكُ الْمَوْتِ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْكَ مَا اسْتَأْذَنَ عَلٰى آدَمِيٍّ قَبْلَكَ وَلَا يَسْتَأْذِنُ عَلٰى آدَمِيٍّ بَعْدَكَ فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ فَأَذِنَ لَهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ فَإِنْ أَمَرْتَنِي أَنْ أَقْبِضَ رُوْحَكَ قَبَضْتُ وَإِنْ أَمَرْتَنِي أَنْ أَتْرُكَهُ تَرَكْتُهُ فَقَالَ وَتَفْعَلُ يَا مَلَكَ الْمَوْتِ قَالَ نَعَمْ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأُمِرْتُ أَنْ أُطِيْعَكَ قَالَ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ جِبْرِيْلُ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللّٰهَ قَدِ اشْتَاقَ إِلٰى لِقَائِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَلَكِ الْمَوْتِ امْضِ لِمَا أُمِرْتَ بِهِ فَقَبَضَ رُوْحَهُ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَتِ التَّعْزِيَةُ سَمِعُوْا صَوْتًا مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ إِنَّ فِي اللّٰهِ عَزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَخَلَفًا مِنْ كُلِّ هَالِكٍ وَدَرَكًا مِنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَاتَّقُوْا وَإِيَّاهُ فَارْجُوْا فَإِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ فَقَالَ عَلِيٌّ أَتَدْرُوْنَ مَنْ هٰذَا هُوَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

**حوالہ:** البیھقی فی دلائل النبوۃ.

**حل لغات:** اُحدّث، حَدَّثَ (تفعیل) تحدیثا حدیث بیان کرنا۔ تکریما کَرَّمَ (تفعیل) تَکْرِیْمًا عزت کرنا۔ تَشْرِیْفًا، شَرَّفَ (تفعیل) تَشْرِیْفًا عزت بخشنا، حیثیت بلند کرنا۔ مغموما غَمَّ (ن) غَمًّا مغموم کرنا، رنجیدہ کرنا۔ استاذن (استفعال) اسْتِئْذَانًا اجازت طلب کرنا۔ ائذن، اَذِنَ (س) إذْنًا اجازت دینا۔ اُطِیع، أطَاعَ (افعال) إطَاعَةً اطاعت کرنا، حکم ماننا۔ اِمض، مَضَى (ض) مُضِيًّا گزرنا۔ التَّعْزِيَةُ عَزّٰى (تفعیل) تَعْزِيَةً تعزیت کرنا۔ عزاء عَزَا (ن) عَزَاءً منسوب کرنا۔ هَالِكٌ، هَلَكَ (ض) هَلَاكَةً ہلاک ہونا۔ المُصَابُ أصَابَ (افعال) إصَابَةً کسی پر مصیبت آنا۔

**ترجمہ:** حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک قریشی شخص ان کے والد حضرت علی بن حسین یعنی حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے، تو حضرت زین العابدین نے ان سے کہا کیا تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہ بیان کروں؟ اس شخص نے عرض کیا جی ہاں کیوں نہیں ہمارے سامنے ابوالقاسمؐ کی حدیث بیان کریں، حضرت علی بن حسینؓ نے فرمایا جب حضورؐ بیمار ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آپؐ کی خدمت میں آئے اور کہا اے محمدؐ! خدا نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے آپؐ کی تعظیم وتکریم کے لیے خصوصیت کے ساتھ اور وہ آپؐ سے اس بات کو دریافت کرتا ہے جس کو وہ آپؐ سے زیادہ جانتا ہے آپ اپنے آپ کو کیسے پاتے ہیں، آپؐ نے فرمایا جبرئیل میں اپنے آپ کو مضطرب و پریشان پاتا ہوں اور اے جبرئیل میں اپنے آپ کو رنجیدہ و غمگین پاتا ہوں، دوسرے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر آپؐ کے پاس آئے اور وہی الفاظ کہے جو پہلے دن کہے تھے اور حضورؐ نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دن ان کو دیا تھا، تیسرے دن پھر جبرئیل علیہ السلام آئے اور وہی سوال کیا جو پہلے ان سے کیا تھا اور آپؐ نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دن دیا تھا، آج جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ اور تھا جس کا نام اسماعیل تھا جو ایک لاکھ فرشتوں کا افسر تھا، جن میں سے ہر ایک فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا سردار تھا، اسماعیل فرشتے نے حاضری کی اجازت طلب کی، حضورؐ نے جبرئیل امین سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ موت کا فرشتہ ہے جو حاضری کی اجازت چاہتا ہے اور آج سے پہلے نہ تو اس نے کسی سے اجازت طلب کی اور نہ اس کے بعد کسی آدمی سے اجازت طلب کرے گا، آپؐ نے فرمایا اس کو حاضری کی اجازت دے دو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی اس نے حاضر ہو کر سلام کیا پھر عرض کیا اے محمدؐ خدا نے مجھے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے، اگر آپؐ حکم دیں گے تو میں آپؐ کی روح کو قبض کروں گا اور اگر منع فرمائیں گے تو روح کو آپؐ کے جسم میں چھوڑ دوں گا، حضورؐ نے فرمایا کیا تو میری مرضی کے مطابق عمل کرے گا تو اس نے عرض کیا جی ہاں مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ آپؐ فرمائیں میں اس کی اطاعت کروں، راوی کا بیان ہے یہ سن کر نبی کریمؐ نے جبرئیل کی طرف دیکھا، جبرئیل نے عرض کیا اے محمدؐ خدا تعالیٰ آپؐ کی ملاقات کا مشتاق ہے، نبی کریمؐ نے فرشتہ موت کو حکم دیا کہ جس کام کا تجھ کو حکم دیا گیا ہے وہ کر گزر، چنانچہ ملک الموت نے آپؐ کی روح قبض کر لی، جب آپؐ نے وفات پائی اور تعزیت کا سلسلہ شروع ہوا تو مکان کے گوشہ سے ایک آواز سنائی دی جو گھر والوں کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی اے نبیؐ کے اہل بیت تم پر سلامتی ہو اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں خدا کی کتاب یا خدا کے دین میں، ہر مصیبت کے اندر تسکین و تسلی کا سامان موجود ہے، حق تعالیٰ ہر ہلاک ہونے والی چیز کا بدلہ دینے والا ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کا تدارک کرنے والا ہے، (جب یہ صورت حال ہے) تو خدا کی مدد سے تقویٰ اختیار کرو۔ اور اسی سے امید رکھو، حقیقت میں مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم کر دیا گیا، حضرت علیؓ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ تسکین دینے والا کون شخص ہے؟ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ انبیاء کے سردار ہیں، لہٰذا آپؐ کی رحلت کے وقت بھی آپؐ کے خصوصی مقام و مرتبہ کا خیال رکھا گیا اور ملک الموت سے قبل آسمانِ دنیا کے فرشتہ نے آ کر آپؐ سے رحلت کے بارے میں دریافت کیا، نیز آپؐ کے اہل و عیال اور متعلقین کی خصوصی دلجوئی و تسلی کا بھی اہتمام کیا گیا اور حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعہ سے تعزیت کرائی گئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کیف تجدك حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب حضورؐ کی طبیعت گرامی معلوم کی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں پریشان و غمگین ہوں آپؐ کا پریشان ہونا دین اور امت کی فکر کی وجہ سے تھا، یعنی میرے بعد میری امت کا یا دین کا کیا ہوگا؟ حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ اسماعیل نامی ایک فرشتہ آیا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ اسماعیل فرشتہ پہلے

آسمان کا داروغہ ہے، اس روایت میں ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے اس کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں: (۱) حضرت عزرائیل کا آنا بالکل ظاہر بات تھی، اس لیے ان کے آنے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ (۲) حضرت عزرائیل حضرت جبرئیل اور اسماعیل کے ساتھ نہ آئے تھے، بلکہ یہ عین اس وقت آئے تھے جب جبرئیل نے ان کی حاضری کی اطلاع دی اور حاضر ہونے کی اجازت چاہی تھی۔ (۳) یہ روایت مختصر ہے دوسری روایت میں حضرت عزرائیل کا ذکر ہے جس کو علامہ سیوطیؒ نے بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، وہ روایت اس طرح ہے کہ جب تیسرا دن ہوا تو جبرئیل امین آئے اور ان کے ساتھ ملک الموت بھی تھے اور ان دونوں کے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو ہوا میں تھا جس کا نام اسماعیل تھا، جس کے ماتحت ستر ہزار ایسے فرشتے تھے کہ ان میں سے ہر فرشتہ ستر ہزار فرشتوں کا امیر تھا۔ باقی رہا سوال کہ نبی کریمؐ کی جو گفتگو ان فرشتوں کے ساتھ ہوئی ان کا دوسرے لوگوں کو کیسے علم ہوا؟ تو اس کا جواب تو یہ ہے کہ جب ان فرشتوں کے آنے کے بعد ان سے آپ کی گفتگو ہوئی تو آپ کو تھوڑا سا وقت مل گیا تھا، اس تھوڑے سے وقت میں حضورؐ نے اس کی اطلاع صحابہؓ کو دے دی پھر اس کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ یا بعض صحابہ کرامؓ جو وہاں موجود تھے بطور کرامت یہ ساری گفتگو ان کے سامنے منکشف ہو گئی، انہیں میں سے کسی شخص نے حضرت زین العابدینؒ کے سامنے یہ واقعہ بیان کر دیا۔ جس کو حضرت زین العابدینؒ نے رجل من قریش کہہ کر بیان کیا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ایک قریشی کی شکل میں متشکل ہو کر آئے اور انہوں نے حضرت زین العابدین سے یہ واقعہ بیان کیا، اسی لیے انہوں نے بھی لفظ مبہم کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ انّ فی اللّٰہ عزاءً اس عبارت کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں: (۱) فی اللّٰہ بحذف المضاف اصل میں تھا فی کتاب اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہر مصیبت اور غم کے موقعہ پر تسلّی اور صبر کی تلقین ہے، گویا اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے: وبشر الصابرین الّذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا للّٰہ وانا الیه راجعون گویا اس میں عزا بمعنی تعزیہ ہے۔ (۲) فی اللّٰہ اصل میں فی دین اللّٰہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے دین میں ہر مصیبت وغم پر صبر کی تلقین ہے جیسا کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: الصبر عند الصدمة الاولیٰ۔ (۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں صنعت تجرید سے کام لیا گیا ہے جیسے کہ عربی میں کہا جاتا ہے رأیت فی زید اسدا میں نے زید میں شیر دیکھا ہے، مطلب یہ ہے کہ میں نے زید کو شیر کی طرح بہادر اور طاقتور دیکھا ہے۔ ان فی اللّٰہ عزا یعنی اللہ تعالیٰ میں تسلّی کا سامان ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر پریشانی اور غم میں صبر اور تسلّی دینے والا ہے۔ خلفا من کل ہالك ودرکاً من کل فائت اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ہلاک ہونے والی چیز اور ہر نقصان کی تلافی اور تدارک کرنے والے ہیں اور یہ دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کی کتاب یا اللہ کے دین میں ایسی ہدایات اور تعلیمات ہیں کہ جن پر عمل کر کے انسان ہر نقصان کو اپنے حق میں نعم البدل یعنی اخروی ثواب میں بدل سکتا ہے یعنی انسان صبر کر کے ہر مصیبت کو اپنے حق میں باعثِ ثواب بنا سکتا ہے جیسا کہ کسی صاحب حال بزرگ کا شعر ہے، لکل شیء اذا فارقته خلف ☆ ولیس اللّٰہ ان فارقت من عوضٍ، یعنی جس چیز کو تو چھوڑے گا اس کا بدلہ مل سکتا ہے، لیکن اگر خدا کو چھوڑ دو گے تو کوئی دوسرا اس جیسا رحیم ورزاق نہیں مل سکتا۔ فباللّٰہ فاتقوا پس تقویٰ اختیار کرو یعنی اس مصیبت کے وقت جزع وفزع سے بچو، گویا اس میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے۔ واصبر وما صبرك الا باللّٰہ اور بعض روایات میں فثِقُوا یعنی ثا پر زیر اور قاف تخفیف کے ساتھ مضموم یعنی اللہ پر اعتماد کرو، گویا اس میں اشارہ ہے اللہ کے فرمان وتوکل علی الحی الذی لا یموت کی طرف۔ فانما المصاب من حرُم الثوب یعنی دنیا کی کوئی مصیبت خواہ کتنی بڑی ہو کوئی مصیبت نہیں اس لیے کہ ہر مصیبت اور ہر تکلیف پر آخرت میں ثواب ملے گا، حقیقی مصیبت یہ ہے کہ انسان پر کوئی مصیبت آئے اور وہ اس پر صبر نہ کرے اور ثواب سے محروم ہو جائے۔ فقال علی علی سے کون مراد ہیں؟ سیاق کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ علی سے مراد امیر المومنین حضرت علیؓ ہیں، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ علی سے مراد علی بن حسین یعنی

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(جدید مظاہر حق)

## باب

یہاں یہ باب بلاعنوان ہے۔دراصل یہ گذشتہ "باب وفاة النبی صلی اللہ علیه وسلم" کے تتمات ولواحقات میں سے ہے،یعنی گذشتہ باب کے لیے بطورتابع وتکمیل ہے،چونکہ وفات کے بعد ترکہ کا مسئلہ آتا ہے،لہٰذا اس باب کی احادیث آپؐ کے ترکہ سے متعلق ہیں،اس باب میں صرف "الفصل الاول" ہے فصل ثانی اور فصل ثالث نہیں ہے،اس باب کے تحت صاحب کتاب نے چھ احادیث ذکر کی ہیں،جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کوئی مالی وصیت نہیں کی،آپؐ کے ترکہ میں میراث نہیں چلے گی،آپؐ نے معمولی ترکہ چھوڑا اوراس کے علاوہ مضامین بھی مذکور ہیں۔

## الفصل الاول

### حدیث نمبر۲۷۷۴ ﴿آپؐ کا مالی وصیت نہ کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷۳

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيْرًا وَلَا أَوْصٰى بِشَيْءٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم،ص۴۲،ج۲،باب ترك الوصية لمن ليس له شيء، كتاب الوصية،حدیث۱۶۳۵

**حل لغات:** شَاةٌ (ج) شَاءٌ وشِيَاهٌ بکری۔بَعِيْرٌ (ج) اَبَاعِرُ واَبَاعِيْرُ اونٹ یااونٹنی جوسواری وباربرداری کے لیے ہوں۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد نہ کوئی دینار چھوڑا اور نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ کوئی بکری چھوڑی اور نہ کوئی اونٹ چھوڑا اور نہ آپؐ نے کسی چیز کی وصیت کی۔(مسلم)

**خلاصۂ حدیث** مرض الموت میں وفات کے قریب حضورؐ کے پاس کل سات دینار تھے،ان کو حضورؐ نے خود اپنے ہاتھ سے صدقہ کردیا،چند مکانات تھے وہ ازواج مطہرات میں بٹے ہوئے تھے اورانہی کے قبضے میں تھے،امام بخاریؒ نے ایک باب اسی کے ثبوت میں باندھا ہے کہ وہ حجرے حضورؐ کی حیات ہی میں ازواج مطہرات کی طرف منسوب تھے،وفات کے بعد بھی انہی کے قبضہ میں رہے،کچھ زمینیں تھیں،جلیل القدر اصحاب میں ان کی ملکیت میں اختلاف ہے،مگر صحیح یہی ہے کہ فیٔ یا صدقہ کی زمینیں تھیں،اور منجانب اللہ اس پر تصرف کا حضورؐ کو کامل اختیار تھا،لیکن وہ ذاتی ملکیت نہ تھی جس میں وراثت جاری ہوسکے۔(اصح السیر)

**کلمات حدیث کی تشریح** ولا اوصی یعنی آپؐ نے کوئی ایسی وصیت نہیں کی جس کا تعلق مال اور جائیداد کے ساتھ ہو،ہاں دین سے متعلق آپ نے آخر وقت میں وصیتیں فرمائیں چونکہ آپؐ نے کوئی مال اپنے پاس رکھا نہیں تھا،اس لیے وصیت کی ضرورت نہیں تھی،جو کچھ آپؐ کے پاس تھا وہ آپؐ نے اپنی زندگی میں صدقہ کردیا تھا،صرف چند جہادی اسلحے چھوڑے،اسی طرح آپؐ نے اپنی وفات کے بعد کسی کو وصی مقرر نہیں کیا تھا،اور نہ خلافت کے لیے صراحۃً کسی کو چنا تھا،اس جملہ سے شیعوں کے اس غلط عقیدے کی تردید ہوگئی جو ان کا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرمؐ کے مالی وصی تھے اور خلافت کی وصیت بھی ان کے لیے ہوئی تھی،چنانچہ شیعہ اپنی اذانوں میں اس غلط عقیدے کی ترویج کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ وَوَصِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔(توضیحات)

اصل بات یہ ہے کہ شیعہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ آپؐ نے حضرت علیؓ کے لیے خلافت کی وصیت فرمائی تھی اوراپنے اس بے بنیاد دعویٰ کا وہ خوب پروپیگنڈہ بھی کرتے تھے،جس کی وجہ سے لوگ صحابہؓ سے اس بارے میں سوال کیا کرتے تھے تو وہ اس کی واضح تردید

فرماتے تھے، حیرت کی بات یہ ہے کہ خود حضرت علیؓ نے بھی زندگی بھر بجائے اس کے کہ وہ اپنی خلافت کی وصیت کا دعویٰ کرتے، ہمیشہ اس کی تردید فرمائی، لیکن شیعوں کی جسارت دیکھیے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے تقیہ کی بنا پر اس وصیت کو پوشیدہ رکھا اور اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا، امام قرطبیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ شیعہ بظاہر حضرت علیؓ کی تعظیم کرنا چاہتے ہیں، لیکن فی الواقع انہوں نے ان کی تنقیص کردی ہے، کیوں کہ ان کی شجاعت و بسالت کی محیر العقول داستانیں اور دین پر استقامت کے واقعات بیان کرنے کے باوجود شیعہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مداہنت اور تقیہ سے کام لیا اور قدرت کے باوجود اپنے حق کا مطالبہ نہیں کیا، اگر واقعۃً حضورؐ نے حضرت علیؓ کی خلافت کی وصیت فرمائی تھی، جیسا کہ شیعہ دعویٰ کرتے ہیں تو پھر یہ حضرت علیؓ کا ذاتی حق نہیں رہا، بلکہ یہ تو شرعی فریضہ تھا جس کی بجا آوری ان پر لازم تھی، مگر بقول شیعہ حضرت علیؓ نے محض تقیہ کی وجہ سے اس شرعی فریضہ کی ادائیگی سے پہلوتہی کی، اسے کہتے ہیں کہ ناداں کی محبت اور عقیدت کہ تعظیم کے پردہ میں تنقیص وتحقیر کردی۔ العیاذ باللہ (تفہیم المسلم)

## حدیث نمبر ٢٧٧٥ ﴿آپؐ نے مال و دولت نہیں چھوڑا﴾ عالمی حدیث نمبر ٥٩٧٤

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ أَخِي جُوَيْرِيَةَؓ قَالَ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا أَمَةً وَّلَا شَيْئًا إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ٣٨٣ ج ١، باب الوصایا، کتاب الوصایا، حدیث ٢٧٣٩

**حل لغات:** عَبْدٌ (ج) عِبَادٌ غلام۔ اَمَةٌ (ج) اَمَاءٌ باندی۔ بَغْلَةٌ (ج) بِغَالٌ خچر۔ سِلَاحٌ (ج) اَسْلِحَةٌ ہتھیار۔

**ترجمہ:** ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو بن ابی الحارثؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ دینار، نہ غلام نہ باندی اور نہ کوئی اور چیز علاوہ اپنے سفید خچر کے اور اپنے ہتھیاروں کے اور ایسی زمین کے جس کو آپ نے صدقہ کردیا تھا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے تمام زندگی فقیرانہ شان سے گذاری اس لیے بوقت وفات بھی آپؐ کے پاس مال و دولت، غلام و باندی کچھ بھی نہ تھا۔



**کلمات حدیث کی تشریح** ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته دينارا ولا درهما نبی کریمؐ نے جب اس دنیا سے رحلت فرمائی تو آپؐ کی ملکیت میں کوئی روپیہ پیسہ، غلام، باندی وغیرہ کچھ نہیں تھا اور جن روایتوں میں آپؐ کے غلاموں اور باندیوں کا ذکر ہے تو ان سے مراد وہ ہیں جو آپؐ کی حیات میں مر گئے تھے، یا آپؐ نے ان کو آزاد کردیا تھا، وفات کے وقت آپؐ کے پاس کوئی غلام یا باندی نہیں تھی بوقت انتقال آپؐ کے پاس چند چیزیں تھیں: (۱) خچر جس کو دلدل کہا جاتا ہے جو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور ہدیہ آپؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ (۲) ہتھیار یعنی وہ اسلحہ تلوار، نیزے، زرہ، خود، برچھا وغیرہ جو خاص آپؐ کے استعمال میں رہتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کی ملکیت میں صرف ایک زرہ تھی جو بوقت وفات ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ (۳) کچھ زمین تھی جس کو آپؐ نے صدقہ کردیا تھا۔

**فائدہ:** اس حدیث میں جو یہ ہے کہ ان چند چیزوں کے علاوہ آپ کے پاس کوئی چیز نہ تھی یہ حصر اضافی ہے، مراد یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جو مال و جائیداد میں شمار ہوتی معمولی چیزیں مثلاً استعمال کے کپڑے، معمولی گھر کے استعمال کا سامان ان کی نفی نہیں ہے، چنانچہ ثابت ہے کہ آپؐ کے کچھ استعمال کے کپڑے بھی تھے۔

**جَعَلَهَا صَدَقَةً، "جعلها" کی ضمیر مونث کا مرجع کیا ہے، اور اس جملے کا کیا مطلب ہے؟ اس میں شارحین کی مختلف آراء ہیں،**

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ جعلھا کی ضمیر مونث مذکورہ تینوں چیزوں یعنی خچر، ہتھیار اور زمین کی طرف راجع ہے نہ کہ صرف زمین کی طرف یعنی یہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا لا نورث ما ترکناہ صدقۃ ہماری یعنی جماعت انبیا کی میراث جاری نہیں ہوتی، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ جعلھا کی ضمیر مونث صرف ارضا کی طرف راجع ہے اور زمین کو صدقہ کرنے کا مطلب زمین کی منفعت کو صدقہ کرنا ہے، گویا صدقہ بمعنی وقف، مطلب یہ ہوا کہ آپؐ نے اس زمین کو اپنی زندگی میں صدقہ جاریہ بنا دیا تھا، اس طرح جب تک وہ زمین رہے گی آپ کو صدقہ کا ثواب ملتا رہے گا۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۷۷۶ ﴿ آپؐ کے ترکہ میں میراث نہیں چلتی ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷۵**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِيْ دِيْنَارًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِيْ وَمُؤْنَةِ عَامِلِيْ فَهُوَ صَدَقَةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۳۸۹ ج ۱، باب نفقۃ القیم للوقف، کتاب الوصایا، حدیث ۲۷۷۶، مسلم، ص ۹۲ ج ۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث، کتاب الجہاد، حدیث ۱۷۶۰

**حل لغات:** لَا يَقْتَسِمُ اِقْتَسَمَ (افتعال) اِقْتِسَامًا تقسیم کرنا، بانٹنا۔ مُؤْنَةٌ (ج) مُؤَنٌ کفالت۔

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے وارث دینار نہیں بانٹیں گے میرا جو کچھ بھی ترکہ ہوگا وہ عورتوں کے خرچ اور عامل کی اجرت کے بعد باقی سب صدقہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میرے ترکہ میں سے میری بیویوں کو نفقہ دیا جائے اور میرے خلفا اس کو اپنے مصارف میں خرچ کریں، اس کے بعد جو کچھ بچ جائے اس کو فقرا و مستحقین پر خرچ کیا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تقتسم ورثتی دینارا ما ترکت نبی کریم کا یہ فرمان کہ میرے وارث دینار تقسیم نہ کریں گے، یہ خبر ہے، یعنی آپ یہ خبر دے رہے ہیں کہ چوں کہ میرے مرنے کے بعد میری ملکیت میں کوئی دینار ہی نہ ہوگا، اس لیے میرے وارث کوئی دینار تقسیم نہ کر سکیں گے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ صورۃً تو اخبار ہو، لیکن معنیً انشاء یعنی نہی ہو، آپؐ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میں جو کچھ چھوڑ کر جاؤں وہ ورثا آپس میں تقسیم نہ کریں گے، آگے اس ممانعت کی علت بیان کی ہے کہ میری ازواج کے مصارف اور عاملوں کی اجرت کے بعد جو کچھ بچے گا وہ صدقہ ہے۔ (جدید مظاہر حق)

حضورؐ کی زمینوں کا حال یہ ہے کہ اول بنی النضیر میں سات مکانات تھے، جو مخیرق یہودی نے غزوۂ احد کے روز آپ کے نام ہبہ کیے تھے، دوئم ابوطلحہ بن سہل انصاریؓ نے بیرحا کی بلند زمین آپ کو دے دی تھی، لیکن یہ بہت پہلے کیوں کہ حضورؐ نے یہ زمین حضرت حسان بن ثابتؓ کو دے دی تھی، اس وقت جب کہ صفوان بن معطل نے ان کو افک کے قصہ کے بعد تلوار ماری تھی، سویم بنی النضیر کی زمین حضورؐ کو فئی میں ملی تھی جس کا ذکر قرآن میں ہے اور یہ زمین برابر حضورؐ کے قبضہ میں رہی، خیبر کے دو قلعے الوطیح اور السلالم جو تقسیم نہیں ہوئے تھے اور الکتیبہ جس میں آپ کا سہم تھا اور ازواج مطہرات کے نفقے مقرر تھے، فدک کی نصف زمین، وادی القری کا ایک ثلث، یہ سب زمینیں رسول کریمؐ کی سمجھی جاتی تھیں اور رسول اکرمؐ کے قبضہ میں تھیں، ان اراضی پر رسول اللہ کا قبضہ تھا، اور بیرحاء کی زمین کے سوا سب پر وفات کے وقت تک حضورؐ کا کامل قبضہ تھا، اس میں سے حضورؐ ازواج مطہرات کو، بعض اہل بیت کو اور بعض بنی ہاشم کو نفقات دیتے تھے، باقی غزوات میں وفود پر اور مختلف قسم کے کار خیر پر خرچ کرتے تھے اور حاجتمندوں کی امداد کرتے تھے۔ (اصح السیر)

**نفقة نسائي:** آپؐ کی ازواج کے لیے آپ کی وفات کے بعد نکاح کرنا منع تھا، کیوں کہ آنحضرتؐ کی حیات برزخی کا اثر دنیا پر پڑتا

ہے، لہٰذا ازواج مطہرات کی حیثیت ایسی تھی گویا کہ وہ عدت میں بیٹھی تھیں، اس لیے ان کا خرچ آپؐ کے ذمے پر تھا۔ مؤنة عاملی، مؤنة بوجھ کو کہتے ہیں اور عامل سے مراد آنحضرتؐ کے بعد خلفا ہیں، جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرتؐ کی اس وقفی زمین کی سرپرستی کی، پھر حضرت عمر فاروقؓ نے سرپرستی کی، پھر حضرت عثمانؓ نے اس کی تولیت مروان کے حوالہ کی، پھر اس میں کچھ ذاتی قبضہ آگیا پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس قبضہ کو چھڑا کر وقفی بنا دیا پھر جو کچھ ہوا وہ اللہ کو معلوم ہے۔ (توضیحات) فھو صدقة نبی پوری امت کے باپ کے درجہ میں ہیں اگر وہ مال کی وراثت چھوڑتے تو وارث اس کے حقدار ہوتے اور طلب کرتے، اس طرح پوری امت وارث ہوتی، لہٰذا فرمایا جو مال ہم چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہے اور پوری امت کے لیے ہے۔ (تکملہ فتح الملہم)

## حدیث نمبر ۲۷۷۷ ﴿نبی کا ترکہ صدقہ ہوگا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷۶

وَعَنْ أَبِي بَكْرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۹۹۵ ج۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث، کتاب الفرائض، حدیث ۶۷۲۶، مسلم، ص۹۲ ج۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث، کتاب الجهاد، حدیث ۱۷۵۹

**حل لغات:** نُوْرِثُ اَوْرَثَ (افعال) اِيْرَاثًا وارث بنانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصہ حدیث** حضورؐ کے انتقال کے بعد جلیل القدر اصحاب اور خاص لوگوں میں انہی اموال کے متعلق اختلاف پیدا ہوگیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ فرماتے تھے کہ یہ سب رسول اللہؐ کی ملکیت خاص تھی اور جس طرح ہر مسلمان کی ملک اس کے ورثہ پر تقسیم ہوتی ہے، اسی طرح قرآن کے مطابق اس کو بھی رسول اللہؐ کے ورثہ پر تقسیم ہونا چاہئے لیکن حضرت صدیقؓ، حضرت فاروقؓ اور دوسرے صحابہ کہتے تھے کہ یہ رسول اللہؐ کی ملک خاص نہ تھی، اور انبیا کی ملکیت ایسی ہوتی ہی نہیں ہے، جس میں وارثت جاری ہو سکے، اس کی سند میں حضرت صدیقؓ نے خود حضورؐ کا فرمان پیش کیا: نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقة یعنی حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ہم انبیا کی جماعت (کے اموال) میں ورثہ نہیں دیا جاتا، انبیا جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے (یعنی ملک خداوندی ہے)، اس کے علاوہ بعض اراضی کے متعلق نص قرآنی موجود ہے کہ وہ فئی ہے مثلاً بنی النضیر کی زمین اور بعض کے متعلق حضورؐ کا قول وعمل شاہد ہے کہ آپ نے اس کو فئی سمجھا، اور فئی کے اموال کا حکم خدا نے قرآن میں بتا دیا ہے کہ اس میں تمام مسلمانوں کا حق ہے، تو ایسے مال میں وراثت کیوں کر جاری ہو سکتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات نے بھی حصہ کا مطالبہ کیا تھا، جیسا کہ صحیحین میں روایت سے معلوم ہوتا ہے، مگر بعد میں جب ان کو حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ نے مسئلہ کی حقیقت سمجھائی، تو انہوں نے اقرار کیا کہ یہ رسول اللہؐ کا صدقہ ہے اس میں ورثہ نہیں ہو سکتا۔ (اصح السیر)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا نورث یعنی ہم انبیا کی جماعت نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں کہ میراث کا مال لے لیں اور نہ ہمارا کوئی وارث ہو سکتا ہے، کہ ہمارے مال میں سے کوئی حصہ میراث لے لے، ہم نے جو کچھ ترکہ چھوڑا وہ عام مسلمانوں کے لیے وقفی صدقہ ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ حدیث اس وقت بطور دلیل بیان فرمائی، جب کہ حضرت فاطمہؓ نے حضور اکرمؐ کے فدک کے باغ اور اموال بنی نضیر کا مطالبہ کیا، حضرت صدیقؓ کا یہ فیصلہ ان کی اپنی ذاتی رائے نہیں تھی، بلکہ صحابہ کرامؓ کے جم غفیر نے یہ فیصلہ منظور کیا تھا اور حدیث اس پر دلالت کر رہی تھی، ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کے مال میں میراث اس

لیے نہیں چلتی کہ آپؐ حیات ہیں، گویا آپؐ کے ہاتھ سے مال نکلا ہی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا حرام تھا، ملاعلی قاریؒ نے یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ آیا یہ حکم تمام انبیا کے مال کا ہے یا حضورؐ کے ساتھ خاص ہے، راجح اور معتمد قول یہی ہے کہ یہ تمام انبیا کے لیے عام ہے، علما نے لکھا ہے کہ حضورؐ کے مال میں میراث اس لیے بھی نہیں جاری ہوتی کہ کوئی شخص نبی کی موت پر اس لیے خوش نہ ہو کہ اس کو نبی کے مال سے میراث ملے گی۔ (توضیحات) یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آپؐ کی حیات میں جو زمینیں آپؐ کے پاس تھیں، ان پر آپ کا تصرف مالکانہ نہیں تھا، ان زمینوں پر آپ کا تصرف متولیانہ تھا، ان زمینوں کی آمدنی سے آپ بحکم خداوندی اپنی ازواج مطہرات کو سالانہ نفقہ دیتے تھے، لہٰذا آپؐ کی وفات کے بعد ان میں وراثت جاری ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ مزید کے لیے گزشتہ احادیث دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۲۷۷۸ ﴿امت سے پہلے نبی کی وفات رحمت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷۷

وَعَنْ أَبِي مُوسَىٰ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ رَحْمَةَ أُمَّةٍ مِنْ عِبَادِهِ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا فَجَعَلَهُ لَهَا فَرَطًا وَّسَلَفًا بَيْنَ يَدَيْهَا وَإِذَا أَرَادَ هَلَكَةَ أُمَّةٍ عَذَّبَهَا وَنَبِيُّهَا حَيٌّ فَأَهْلَكَهَا وَهُوَ يَنْظُرُ فَأَقَرَّ عَيْنَيْهِ بِهَلَكَتِهَا حِينَ كَذَّبُوهُ وَعَصَوْا أَمْرَهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۴۹ ج ۲، باب اذا اراد اللّٰہ رحمۃ امۃ، کتاب الفضائل، حدیث ۲۲۸۸

**حل لغات:** اَرَادَ (افعال) اِرَادَۃً ارادہ کرنا، چاہنا۔ فَرَطًا فَرَطَ (ض) فرطا آگے نکل جانا۔ سَلَفًا (ج) اَسْلَافٌ گزرے ہوئے۔ عَذَّبَهَا (تفعیل) تَعْذِيْبًا عذاب مسلط کرنا۔ اَهْلَكَهَا (افعال) اِهْلَاكًا ہلاک کرنا۔ اَقَرَّ (افعال) اِقْرَارًا عَيْنَهُ ٹھنڈی کرنا۔ كَذَّبُوْا كَذَّبَ (تفعیل) تَكْذِيْبًا جھوٹ بولنا۔ عَصَوْا عَصَىٰ (ض) عِصِيًّا نافرمانی کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس قوم پر اپنی مہربانی کا ارادہ کرتا ہے، اس کے نبی کو اس قوم سے پہلے وفات دیتا ہے، پھر اس نبیؐ کو اس امت کا میر منزل اور پیش رو قرار دیتا ہے، اور جب خداوند تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنیکا ارادہ کرتا ہے، تو اسکے نبی کی زندگی میں ہی اس کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے، وہ نبی اس قوم کو عذاب میں گرفتار دیکھتا ہے، اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے، جب کہ وہ قوم اپنے نبی کو جھٹلاتی ہے اور اس کے احکام کی نافرمانی کرتی ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب نبی دنیا سے رحلت فرماتا ہے تو یہ امت کے لیے صدمہ ہے، کیونکہ نبی کی وفات سے بڑا صدمہ امت کے لیے کوئی نہیں اور جب اتنے بڑے صدمہ پر امت صبر کرتی ہے اور شریعت پر کاربند رہتی ہے تو اس صبر وعمل کی وجہ سے اجر عظیم پاتی ہے، جب نبی بقید حیات ہو اور امت ہلاک ہو جائے تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ امت نافرمانی اور سرکشی میں غرق ہو جاتی ہے اور اپنے نبی کی بددعا اور غضب الٰہی سے ہلاک کردی جاتی ہے، جیسے کہ قوم نوح، قوم لوط، قوم شعیب، نبی کی وفات سے یقین ہو گیا کہ یہ قوم نبی کی بددعا کے سبب ہلاک ہونے سے محفوظ ہوگی، لہٰذا نبی کی وفات بھی امت کے حق میں رحمت بن گئی، اور وفات پر صبر سے اجر عظیم کی مستحق ہوگی، آپؐ نے فرمایا "حیاتی لکم رحمۃ ومماتی لکم رحمۃ" میری حیات بھی تمہارے لیے رحمت ہے اور میری وفات بھی تمہارے حق میں رحمت ہے۔ (نووی، تکملہ)

**کلمات حدیث کی تشریح** قبض نبیها قبلها آپؐ سے پہلے جتنے پیغمبر آئے سب اپنے وقت پر دنیا سے رخصت ہو گئے، آپؐ کی رحلت بھی یقینی تھی، لیکن امت کے لیے بڑے صدمہ کی بات تھی، لہٰذا آپؐ نے اس فرمان کے ذریعہ امت کو تسلی دی کہ میرا تم سے پہلے رخصت ہونا بھی رحمت ہے۔

**حدیث نمبر ۲۷۷۹ ﴿آپ کے دیدار کا شوق﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷۸**

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أَحَدِكُمْ يَوْمٌ وَلَا يَرَانِيْ ثُمَّ لَأَنْ يَرَانِيْ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهٖ وَمَالِهٖ مَعَهُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم،ص۲۶۴،ج۲،باب فضل النظر الیہ، کتاب الفضائل،حدیث۲۳۶۴

**حل لغات:** لَيَأْتِيَنَّ اَتٰى (ض) اِتْيَانًا آنا۔ لَا يَرَانِيْ رَآى (ف) رُؤْيَةً دیکھنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے ایک دن تم لوگوں پر ایسا آئے گا کہ کوئی شخص مجھ کو نہیں دیکھ سکے گا، پھر اس کو میرا دیکھنا اپنے مال کے مقابلے میں اور اپنے اہل وعیال کے مقابلہ میں زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے صحابہ کو مخاطب کر کے ایک پیشین گوئی فرمائی ہے، میری وفات کے بعد مجھ سے محبت کرنے والے ہوں گے، جو اس بات کو چاہیں گے کہ ان کے اہل وعیال مال ومنال سب قربان ہو جائیں، مگر میرا دیدار ہو جائے، معلوم ہوا کہ صحابہ کے علاوہ بعد والے بھی آپؐ کے امتی آپؐ کی محبت کو ہر چیز سے بڑھ کر تصور کریں گے۔ اس حدیث سے صحابہؓ کو آپؐ کی مجلس کے التزام واہتمام کی ترغیب دینا بھی مقصود ہے کہ یہ موقع آپؐ کی رحلت کے بعد نصیب نہ ہوگا، لہٰذا اس کو غنیمت جانو اور سفر وحضر میں آپؐ کے پاس رہ کر علوم خداوندی اور زیارت رسول سے لطف اندوز ہو۔ (نووی)

**کلمات حدیث کی تشریح** لیاتین علی احدکم بعض شراح حدیث اس حدیث کی یوں بھی شرح کرتے ہیں کہ حضورؐ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میرے اس دنیا سے رحلت کے بعد بھی میری امت کی میرے ساتھ جو عقیدت ہے اس میں کوئی کمی نہ آئے گی، بلکہ وہ اپنے اہل وعیال مال ومتاع کے ساتھ تعلق ومحبت سے کہیں زیادہ میرے دیدار وملاقات کو محبوب رکھیں گے، خواہ خواب میں ہو یا بیداری میں، چنانچہ یہی کیفیت ہے ان مشتاقان جمال کی جو ذات رسالتؐ کے جمال وکمال میں مستغرق رہتے ہیں، اور یہی حالت ان کے لیے سرمایہ افتخار اور سرمایہ حیات بنی رہتی ہے، البتہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس حدیث کا تعلق آپؐ کی حیات میں آپ کو دیکھنے کے ساتھ ہو، مطلب یہ ہے کہ میرے صحابہ کو میرے ساتھ اتنی محبت ہے کہ اگر وہ ایک دن میرا دیدار نہ کریں تو ان کو چین و سکون نہیں آتا، ان کو اپنے اہل وعیال مال ومتاع کے ساتھ رہنے اور ان کو دیکھنے سے کہیں زیادہ میرا دیدار محبوب ہے۔ (جدید مظاہر حق)

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ وَالثَّالِثِ • (اس باب میں فصل ثانی اور فصل ثالث نہیں ہے)

## باب مناقب قریش و ذکر القبائل

## (قریش کے مناقب اور قبائل کے تذکرہ کا باب)

مناقب منقبۃ کی جمع ہے، منقبت اس فضیلت اور برتری وبزرگی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت وشرافت والا بن جائے، اور مخلوق خدا کے نزدیک بھی عزت وسرفرازی اور رفعت وبلندی حاصل کر لے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و شرافت کا مقام پالیتا ہے وہ مخلوق کے ہاں بھی بلند مقام حاصل کر لیتا ہے، البتہ مخلوق کے ہاں معزز ہونا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جب مقبولیت کا مقام ہوگا تو مخلوق کے ہاں بھی مقبولیت کا اعتبار ہوگا ورنہ نہیں۔

لفظ ''قریش'' آنحضرتؐ کے جد امجد فہر بن مالک کا لقب تھا، بعض کہتے ہیں کہ قریش نام ہے فہر لقب ہے، ان کی اولاد کو قریشی کہا جاتا ہے اور جو شخص فہر کی اولاد سے نہ ہو اس کو کنانی کہتے ہیں، اور بعض علما کہتے ہیں کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔ حافظ علائی

فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور محققین کا قول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں، اور بعض احادیث مرفوعہ بھی اسی کی مؤید ہیں، امام شافعیؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔ بعض حفاظ حدیث فرماتے ہیں کہ فہر کے باپ مالک بن نضر نے سوائے فہر کے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، اس لیے جو شخص فہر کی اولاد سے ہے وہ نضر کی اولاد سے بھی ہے، لہٰذا قریش کی تعیین میں جو اقوال مختلف تھے وہ سب بحمد اللہ متفق ہو گئے، قریش ایک بحری جانور کا نام ہے، جو اپنی قوت کی وجہ سے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے، وہ جس جانور کو چاہتا ہے کھالیتا ہے لیکن اس کو کوئی نہیں کھا سکتا، اسی طرح قریش بھی اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے سب پر غالب رہتے تھے، کسی سے مغلوب نہیں ہوتے تھے، اس لیے قریش کے نام سے موسوم ہوئے، حافظ بدرالدین عینیؒ نے قریش کو قریش کہنے کی پندرہ وجہ تسمیہ بیان کی ہیں ان کی تفصیل عمدۃ القاری شرح بخاری میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

قبائل جمع ہے اس کا مفرد قبیلة ہے، یہاں اس باب میں اولاد آدم کے مختلف قبائل کی خصوصیات و امتیازات اچھائیاں اور برائیاں اجمالی طور پر بیان کی گئی ہیں ہر قبیلہ کا ایک بڑا ہوتا ہے اور وہ اپنے چھوٹوں کے لیے قواعد اور قوانین اور طور طریقے مقرر کرتا ہے اس کو "شیخ القبیلہ" کہتے ہیں۔

عدنان کی نسل سے خاندان قریش کے مورث اعلیٰ فہر کا جس سے اس خاندان کی بنیاد پڑی ظہور ہوا، اس کا لقب قریش تھا، اس نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے، قریش کے کل خانوادے اسی کی نسل سے تھے، اس کے پانچویں پشت میں قریش کا تاریخی شخص قصی پیدا ہوا، قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوتا ہے، قصی کا باپ اس کے بچپن میں مر گیا تھا، ماں نے قبیلۂ بنی عذرہ میں دوسری شادی کر لی تھی، اس لیے قصی کا بچپن عذرہ میں گذرا، جوان ہوا تو اپنے اصلی خاندان اور اس کی عظمت کا پتہ چلا، غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارا نہیں کیا، اس لیے وہ بنی عذرہ کو چھوڑ کر حجاز پہنچا، اس کے ناصیۂ اقبال پر آثار بلندی دیکھ کر دادھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اس زمانہ میں قریش کی حالت نہایت ابتر ہو رہی تھی ان کا کوئی نظام نہیں تھا، وہ حجاز کے مختلف گوشوں میں منتشر تھے، حرم کی تولیت پر بنی خزاعہ قابض ہو گئے تھے اور قصی کے ورود مکہ کے وقت حرم کی تولیت خلیل خزاعی کے ہاتھوں میں تھی، قصی بچپن سے نہایت حوصلہ مند، عاقل و فرزانہ اور امارت پسند تھا، اسے اس منصب جلیل کا غیروں کے ہاتھوں میں رہنا گوارا نہ ہوا، چنانچہ اس نے بنی کنانہ کی مدد سے خزاعہ کو حرم سے نکالا اور قریش کو جو مختلف مقامات پر منتشر تھے، سمیٹ کر مکہ لایا اور ان کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی، اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی اور ان کا تاریخی دور شروع ہوا، قصی نے یہ چھوٹی سی ریاست جمہوری اصول پر قائم کی، اس کے کئی شعبے تھے، جو مختلف قبائل میں تقسیم تھے، بڑے شعبے تین تھے: (۱) فوجی (۲) عدالت (۳) اور مذہبی، پھر یہ تینوں کئی شعبوں پر تقسیم تھے فوجی میں "عقاب" یعنی قومی نشان کی علمبرداری، "قبہ" فوجی کیمپ کا انتظام، "آعنہ" سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری، "سفارہ" دوسری حکومتوں اور قبائل کے درمیان خط و کتابت اور گفتگو وغیرہ کے عہدے، عدالتی شعبہ میں "ندوہ" عدالت اور قومی جلسہ گاہ کا انتظام، "مشورہ" اہم امور میں صلاح و مشورہ، "اشناق" جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت، "حکومت"، مقدمات کے فیصلہ کے عہدے، مذہبی شعبہ میں "سقایہ"، حاجیوں کے خورد و نوش کا انتظام، "عمارہ" خانۂ کعبہ کا انتظام، "رفادہ" حاجیوں کی مالی اعانت، "سدانہ" خانۂ کعبہ کی کلید برداری، "ایسار" بتوں سے استخارہ کی خدمت، "اموال الحجر ہ" بتوں کے چڑھاوے کا انتظام، یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے، ظہور اسلام کے وقت ان کی تقسیم یہ تھی، عقاب کا عہدہ بنو امیہ میں، قبہ اور آعنہ کا بنی مخزوم میں، سفارت بنی عدی میں، ندوہ بنی عبدالدار میں، مشورہ بنی اسد میں، اشناق بنی تمیم میں، حکومت بنی سہم میں، سقایہ اور عمارہ بنی ہاشم میں، رفادہ بنی نوفل میں، سدانہ بنی عبدالدار میں، ایسار بنی جمح میں، اور اموال الحجر ہ بنی سہم میں تھے، خانۂ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا، حج

کے موقع پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے تھے، قصی سے پہلے ان کے آرام وآسائش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا، سب سے پہلے قصی نے اس طرف توجہ کی اور قریش سے کہا کہ حجاج صدہا کوس کی مسافت طے کر کے حرم کی زیارت کے لیے آتے ہیں، ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے، اس تحریک پر قریش نے اس کام کے لیے سالانہ ایک رقم مقرر کر دی، جس سے منی میں حجاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا، مکہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ مقام تھا، قصی نے چرمی حوض بنوا کر پانی کا معقول انتظام کیا، قصی کی چھ اولادیں تھیں: (۱) عبددار (۲) عبدمناف (۳) عبدالعزی (۴) عبد (۵) تخمر (۶) برہ۔ مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام مناصب عبددار کو دیئے اور قریش کی سیاست عبدمناف نے حاصل کر لی عبدمناف کے چھ لڑکے تھے ان میں ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا سب سے زیادہ بااثر تھے، بنی عبددار کی نااہلی کی وجہ سے انھوں نے سقایہ اور رفادہ کے عہدہ ان سے لے لیے۔ (تاریخ اسلام، توضیحات)

## الفصل الاول

### حدیث نمبر ۲۷۸۰ ﴿قریش کی سیادت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷۹

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِيْ هٰذَا الشَّأْنِ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِكَافِرِهِمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص۴۹۶ ج۱، باب قول اللّٰہ تعالیٰ یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر الخ، کتاب المناقب، حدیث ۳۴۹۵، مسلم، ص۱۱۹ ج۲، باب الناس تبع لقریش، کتاب الامارۃ، حدیث ۱۸۱۸

**حل لغات:** تَبَعٌ (واحد) تَابِعٌ محکوم وماتحت۔ كَافِرٌ (ج) كُفَّار کافر، غیر مسلم۔

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات میں لوگ قریش کے تابع ہیں، قریش کے مسلمان تمام مسلمانوں کے اور قریش کے کافر تمام کافروں کے سردار ہیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** زمانۂ جاہلیت میں قریش کو دوسرے عربوں پر حکومت کے معاملہ میں فوقیت حاصل تھی، اور اب مسلمان ہونے کے بعد بھی انہی کو فوقیت حاصل ہے، یہ حدیث خبر ہے اور دوسری روایت میں امر ہے: قَدِّمُوْا قُرَيْشًا وَلَا تَقَدَّمُوْهَا قریش کو آگے بڑھاؤ، اور خود ان سے آگے مت بڑھو، اور مشہور حدیث ہے: اَلْاَئِمَّةُ مِن قریش خلفا قریش میں سے ہوں گے، یہ حدیثیں عام ہیں یا وفات نبوی کے بعد جو نزاع پیش آئے گا اس کے ساتھ خاص ہیں؟ دونوں رائیں ہیں، عام طور پر ان کو عام سمجھا جاتا ہے اور محققین ان کو پیشین گوئی قرار دیتے ہیں۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** الناس تبع لقریش فی هذا الشان سب لوگ قریش کے تابع ہیں۔ اس حدیث کے مختلف مفہوم بیان کئے ہیں: (۱) هذا الشان سے مراد دین وشریعت ہے، لوگ دین کے معاملہ میں قریش کے تابع ہیں، یعنی دین کو قبول کرنے اور ان کی مخالفت کرنے میں لوگ قریش کے تابع ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب دینِ اسلام کا ظہور ہوا تو سب سے پہلے قریش میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوئے، ان کی اتباع میں دوسرے لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا اور قریش کے اکثر لوگوں نے اسلام کی مخالفت کی تو اکثر عرب اسلام کے مخالف رہے، لیکن فتح مکہ کے بعد جب تمام قریش مشرف بہ اسلام ہوئے، تو دوسرے قبائل بھی فوج درفوج اسلام میں داخل ہوئے، گویا وہ قریش کے انتظار میں تھے اور اسی کیفیت کا بیان سورۃ اذا جاء نصر اللّٰہ میں ہے۔ (۲) هذا الشان سے مراد قیادت وسیادت ہے، یعنی قیادت وسیادت میں لوگ قریش کے تابع ہیں، لیکن یہ قیادت وسیادت باعث فضیلت اس وقت بنے گی جب کہ حالت اسلام میں حاصل ہو، ورنہ محض قیادت وسیادت قریش کو حالت کفر میں بھی حاصل تھی،

چنانچہ قبیلہ قریش تمام قبائل کے سردار کی حیثیت رکھتا تھا، نیز اس وقت مذہبی معاملات میں بھی قریش ہی مقتدا اور پیشوا سمجھے جاتے تھے، چنانچہ تولیت بیت اللہ، سقایہ وغیرہ سب مناصب قریش کے پاس تھے۔ (۳) ھذا الشان سے مراد خلافت اور امامت اکبری ہے، یعنی خلافت قریش کا حق ہے، باقی لوگوں کو ان کی قیادت تسلیم کر کے ان کی اتباع کرنی چاہیے۔

**اشکال:** اس پر شبہ ہوتا ہے کہ کئی صدیاں بیت چکی ہیں کہ قریش تو موجود ہیں، لیکن وہ خلیفہ نہیں ہوئے، تو اس پیشین گوئی میں تخلف ہوگیا؟

**جواب:** اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث پیشین گوئی پر محمول نہیں، بلکہ اس کا مقصد صرف قریش کے لیے خلافت کا استحقاق بیان کرنا ہے یعنی خلافت قریش کا حق ہے، اب اگر لوگ اس حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل نہیں کرتے تو یہ اس ارشاد گرامی کے اثبات کے منافی نہیں ہے، اس لیے کہ کسی حکم کے اثبات کے لیے عملاً اس کا رونما ہونا ضروری نہیں ہوتا، دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس کو پیشین گوئی تسلیم کرلیا جائے تو یہ مقید ہے ایک قید اور شرط کے ساتھ وہ قید ہے ما اقام الدین یعنی خلافت قریش کے لیے رہے گی، جب تک وہ دین پر عمل پیرا رہیں گے، اور عدل وانصاف سے کام لیں گے۔ (جدید مظاہر حق) اس حدیث کی وجہ سے بعض علما فرماتے ہیں کہ خلافت اور امارت کے لیے قریشی ہونا شرط ہے، اور بعض حضرات نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ علماء امت کا اس پر اجماع ہے، لیکن بظاہر اجماع والی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی، اس لیے کہ دوسری بہت سے روایات سے اس بات کی تردید ہوتی ہے، روایات کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت اور امارت کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں، بلکہ فضیلت واہمیت کے لحاظ سے یہ بات کہی گئی ہے۔ (تکملہ فتح الملہم)

## حدیث نمبر ۲۷۸۱ ﴿سب لوگ قریش کے تابع ھیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸۰

وَعَنْ جَابِرٍؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص۱۱۹ ج۲، باب الناس تبع لقریش، کتاب الامارۃ، حدیث ۱۸۱۹

**حل لغات:** الشر (ج) شرورٌ برائی۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ خیر اور شر میں قریش کے تابع ہیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** تمام قبائل عرب میں قریش افضل قبیلہ ہے، اللہ تعالیٰ نے قریش میں قیادت وسیادت کی خصوصی صلاحیت رکھی ہے، کفر وشرک کے زمانہ میں بھی ان کے بعض اخلاق نہایت اعلیٰ تھے، ان میں قبولِ حق کی استعداد بھی بہت کامل تھی اور حالت کفر میں بھی لوگ ان کی قیادت کو تسلیم کرتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الناس تبع لقریش فی الخیر والشر لوگ خیر وشر میں قریش کے تابع ہیں "خیر" سے اسلام اور "شر" سے کفر مراد ہے، قریش زمانہ کفر میں سارے قبائل کے سردار تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی اہمیت کم نہیں ہوئی، بلکہ اسلام میں بھی وہ سردار رہے۔ مزید کے لیے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۲۷۸۲ ﴿خلافت کے قریش مستحق ھیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸۱

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ هٰذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمُ اثْنَانِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۴۹۷ ج۱، باب مناقب قریش، کتاب المناقب، حدیث ۳۵۰۱، مسلم، ص۱۱۹ ج۲، باب الناس تبع لقریش، کتاب الامارہ، حدیث ۱۸۲۰

**حل لغات:** بقی (س) بقاء باقی رہنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ یہ امر (خلافت یا

دین) قریش کے پاس رہے گا، جب تک کہ ان میں دو آدمی بھی باقی رہیں گے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خلافت قریش ہیں رہے گی جب تک ان میں دو شخص بھی باقی ہیں یعنی جب تک دو آدمی بھی قریش میں سے باقی ہیں حکومت قریش کے حصہ میں رہے گی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یزال هذا الامر فی قریش منهم اثنان خلافت کا استحقاق سب سے زیادہ قریش رکھتے ہیں، لہٰذا آپؐ نے لوگوں کو ترغیب دی ہے کہ اس منصب کے لیے قریش ہی کا انتخاب ہونا چاہئے، گویا یہ خبر امر کے معنی میں ہے، آپؐ نے خبر کے اسلوب میں قریش کی سیادت تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے اور جب تک قریش کے دو آدمی بھی باقی رہیں، ان کو خلافت کا حقدار سمجھا جائے، یہ بات آپؐ نے قریش کی ترجیحی استحقاق کو زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کرنے کے لیے فرمائی۔

### حدیث نمبر ۲۷۸۳ ﴿قریش سے دشمنی کا انجام﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸۲

وَعَنْ مُعَاوِيَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِيْ قُرَيْشٍ لَا يُعَادِيْهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ مَا أَقَامُوا الدِّيْنَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص ۴۹۷ ج ۱، باب مناقب قریش، کتاب المناقب، حدیث ۳۵۰۰

**حل لغات:** لَا يُعَادِيْ عَادٰى (مفاعلت) مُعَادَاةً دشمنی کرنا۔ كَبَّهُ كَبَّ (ن) كَبًّا اوندھا کرنا۔ اَقَامُوْا اَقَامَ (افعال) اِقَامَةً قائم کرنا۔



**ترجمه:** حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا بیشک یہ خلافت قریش میں رہے گی، جو ان کی مخالفت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے منھ کے بل اوندھا کردے گا جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** یہاں حدیث مختصر ہے بخاری حدیث ۳۵۰۰ میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ عنقریب قحطان میں ایک بادشاہ ہوگا، حضرت معاویہؓ کو غصہ آیا اور وہ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے انھوں نے اللہ کے شایانِ شان اللہ کی تعریف کی، حمد کے بعد فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور نہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، یہ تم میں نادان لوگ ہیں، پس تم ایسی آرزوئیں باندھنے سے بچو، آرزوئیں، آرزو باندھنے والے کو گمراہ کردیتی ہیں، میں نے نبی کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خلافت قریش میں رہے گی، ان کی جو بھی مخالفت کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ منھ کے بل پچھاڑ دیں گے، جب تک قریش دین کو قائم رکھیں گے، فتح الباری میں ہے کہ حضرت معاویہؓ کا مطلقاً اعتراض محلِ نظر ہے، کیوں کہ جو حدیث انھوں نے بیان کی ہے وہ دین قائم رکھنے کے ساتھ مقید ہے، پس جب قریش دین قائم نہیں رکھیں گے، تو قحطانی غلبہ پاکر بادشاہ بن جائیں گے اور حضرت معاویہؓ نے اعتراض بایں وجہ کیا ہے کہ قحطانی قریب زمانے میں بادشاہ بنے گا، حالاں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہ بنے گا، دوسری وجہ اعتراض کی یہ تھی کہ حضرت عبداللہؓ اہل کتاب سے نقل کرتے تھے، حضرت معاویہؓ نے سمجھا کہ یہ اسرائیلی بات ہے نبیؐ سے مروی نہیں، اگر وہ حدیث مرفوع بیان کرتے تو حضرت معاویہؓ اعتراض نہ کرتے، بہر حال خلافت کا قریش میں مسلسل رہنا یہ قریش کی فضیلت ہے۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** ما اقاموا الدین یعنی قریش کا استحقاقِ خلافت اس بات سے مشروط ہے کہ تنفیذ شریعت کریں گے، دین کے حدود کی حفاظت کریں گے، چوں کہ خلافت کا اصل مقصد دین کی تنفیذ اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنا ہے، اگر قریش نے یہ کام چھوڑ دیا تو پھر خلافت کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ وہ واجب العزل ہوں گے، بعض روایات میں ما

اقاموا الصلوٰۃ کے الفاظ آئے ہیں، لہٰذا شارحین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی بادشاہ خود نماز نہ پڑھتا ہو اور نماز پڑھنے کے لیے کوئی نظام بھی قائم نہ کرتا ہو تو وہ بھی واجب العزل ہے، تنفیذ شریعت اور اقامت صلوٰۃ اگر کسی بادشاہ میں نہ ہو تو وہ واجب العزل ہے، اور اس کے خلاف خروج و بغاوت ضروری ہے۔ (توضیحات)

## حدیث نمبر ۲۷۸٤ ﴿قریش کے بارہ خلفاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸۳

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيْزًا إِلٰى اِثْنَىْ عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَزَالُ أَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمْ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ قَائِمًا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ أَوْيَكُوْنَ عَلَيْهِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۱۰۷۲ ج ۲، باب وھو ما بعد باب الاستخلاف، کتاب الاحکام، حدیث ۷۲۲۲، مسلم، ص۱۱۹ ج ۲، باب الناس تبع لقریش، کتاب الامارۃ، حدیث ۱۸۲۱

**حل لغات:** وَلِيَهُمْ وَلِيَ (س) وَلْيًا حاکم بننا۔ تَقُوْمُ قَامَ (ن) قَوْمًا کھڑا ہونا، قائم ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بارہ خلفاء تک اسلام متواتر غالب رہے گا اور وہ سب قریش سے ہوں گے، دوسری روایت میں ہے کہ ہمیشہ لوگوں کا کام جاری رہے گا، جب تک ان کے بارہ حکمران ہوں گے جو سارے قریش سے ہوں گے، ایک اور روایت میں ہے کہ دین ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی، یا ان پر بارہ خلفا ہوں گے جو سارے قریش سے ہوں گے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کے بعد مختلف ادوار میں بارہ ایسے خلفا ہوں گے، جن کے ادوار میں اسلام کو ترقی واستحکام نصیب ہوگا اور مسلمان اُن خلفاء پر اجتماعی شکل میں اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے ان کی قیادت و خلافت کو قبول کریں گے، مگر ان کا طریقہ انتخاب کیا ہوگا یہ نہیں بتلایا، معلوم ہوا کہ یہ لوگوں کی صوابدید پر موقوف ہے، پھر یہاں بارہ کے ذکر سے حصر مقصود نہیں ہے لہٰذا زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ (مستفاد تکملہ فتح الملہم تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** اثنا عشر خلیفۃ یعنی قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک قریش کے بارہ خلفا ظاہر نہ ہو جائیں، اس حدیث کا سمجھنا اور اس کا مصداق متعین کرنا کافی مشکل ہے، اس حدیث میں مذکورہ خلفا سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ حضور اکرمؐ کے بعد متصلاً پے در پے آئیں گے، کیوں کہ آنحضرتؐ کے بعد متصلاً خلافت علی منہاج النبوۃ تو حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق صرف تیس سال تک رہی، اس کے بعد خلافت علی طریق العموم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لہٰذا اس حدیث میں بارہ خلفا سے مراد ایسے خلفا ہیں جو قیامت تک مختلف اوقات میں آئیں گے، جن کے عدل وانصاف کے چرچے ہوں گے، اسی تناظر میں یہاں اس حدیث کی تشریح میں چند اقوال ہیں۔

**پہلا قول:** قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بارہ خلفا سے مراد وہ خلفا ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد سے لے کر بنو امیہ کے دور تک بارہ خلیفہ بنے ہیں، ان کے مجموعی حالات اچھے تھے، اگر چہ بعض ان میں خراب آئے ہیں مگر ان کا اعتبار نہیں ہے۔

**دوسرا قول:** یہ ہے کہ ان بارہ خلفا سے مراد وہ خلفا ہیں جو عادل متقی پرہیزگار ہوں گے جو تسلسل کے ساتھ نہیں ہوں گے، بلکہ قیامت تک اس قسم کے بارہ عادل خلیفہ ہوں گے، جب یہ پورے ہوں گے تب قیامت آئے گی۔ سمجھنے کے اعتبار سے یہ قول آسان ہے۔

**تیسرا قول:** یہ ہے کہ ان بارہ خلفا سے مراد وہ خلفا ہیں جو حضرتِ مہدی کے بعد شروع ہوں گے، وہ اولادِ مہدی میں ہوں گے اور ڈیڑھ سو سال تک نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حکومت قائم کریں گے، گویا یہ علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے، جو قربِ قیامت کے وقت ظاہر ہوگی۔

**چوتھا قول:** چوتھا قول یہ ہے کہ ان بارہ خلفا سے ایک ہی زمانے کے ایسے خلفا مراد ہیں جو بلادِ اسلامیہ میں مختلف ممالک میں حاکم ہوں گے، ان کا وجود باعث اتفاق واتحاد نہیں بلکہ باعث شورش ونزاع ہوگا، حدیث کا مطلب یہ ہوجائے گا کہ ان کے آنے سے پہلے عدل وانصاف ہوگا، مگر ان کے آنے کے بعد طوائف الملوکی کا دور شروع ہوگا اور اختلافات ہوں گے، اب سوال یہ ہے کہ شیعہ حضرات جو اپنے بارہ اماموں کو اس حدیث کا مصداق بتاتے ہیں، کیا وہ صحیح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ حضرات غلط کہتے ہیں، حدیث شریف میں انکے بارے اماموں کیطرف اشارہ تک نہیں ہے صرف اثنی عشر کا لفظ ہے، انہوں نے اپنے آپ کو اثناء عشریہ کہہ دیا اور ایک اختلافی پارٹی کی بنیاد رکھ دی، یہ لوگ اس حدیث میں تحریف کرتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں، تعجب تو اس پر ہے کہ انکے بارہ اماموں میں حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے علاوہ کوئی خلیفہ ہوا بھی نہیں، جس شخص نے ایک دن بھی خلافت نہیں کی اسکو خلیفہ کہنا کتنا بڑا جھوٹ ہے، حقیقت کو اگر دیکھا جائے تو روافض کے مذہب کی بنیاد جھوٹ پر رکھی گئی ہے، جنکا قرآن اب تک غائب ہے تو انکا دین کہاں ہوگا۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۷۸۵ ﴿قبیلہ غفار، اسلم اور عصیہ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸٤**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ وَعُصَيَّةُ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۹۸ ج ۱، باب ذکر اسلم و غفار، کتاب المناقب، حدیث ۲۵۱۳، مسلم، ص ۳۰۶ ج ۲، باب دعاء النبیؐ لغفار، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۵۱۸

**حل لغات:** غفار ایک قبیلہ کا نام ہے۔ غفر (ض) غفرانا بخشش کرنا۔ سالم (مفاعلۃ) مسالمۃ سلامت رکھنا۔ عصت عصی (ض) عصیًا نافرمانی کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قبیلہ غفار اللہ تعالیٰ انکی مغفرت کرے، اور قبیلہ اسلم اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے، اور قبیلہ عصیہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تین قبائل کا ذکر ہے دو قبائل کے لیے دعا ہے اور ایک قبیلہ کی نافرمانی کا ذکر ہے، قبیلۂ غفار کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، یہ قبیلہ زمانہ جاہلیت میں حاجیوں کا سامان چرانے کی وجہ سے بدنام تھا، اور اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، ان کے لیے آپؐ نے دعا فرمائی کہ چونکہ یہ اب مسلمان ہوگئے ہیں، اس لیے اے اللہ ان کے اس گناہ کو معاف فرما، قبیلہ اسلم کے بارے میں فرمایا کہ قبیلہ اسلم کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے، چونکہ اس قبیلہ نے نبی کریمؐ سے جنگ نہیں کی تھی، بغیر لڑے اسلام قبول کرلیا تھا، اس لیے ان کے لیے سلامتی کی دعا فرمائی، اور عصیہ قبیلہ جس نے بیر معونہ میں ستر قراء کو شہید کیا تھا، ان کے بارے میں فرمایا اس نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کی۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** غفار مبدأ اشتقاق کو دیکھ کر ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غفر اللہ لھا جملہ دعائیہ نہ ہو بلکہ جملہ خبریہ ہو، اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قبیلہ کو ایمان قبول کرنے کی

وجہ سے بخش دیا۔ اسلم اس قبیلہ کے متعلق آپؐ نے یہ فرمایا کہ و اسلم سالمھا اللّٰہ اس جملہ میں بھی دو احتمال ہیں جملہ انشائیہ دعائیہ ہو، اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ قبیلہ بغیر جنگ و جدال کے مسلمان ہو گیا اس لیے اللہ اس قبیلہ کو سلامت رکھے، یا یہ جملہ خبریہ ہے اس صورت میں مطلب ہوگا کہ اللہ نے اس قبیلہ کو مسلمانوں کے خون اور ان کے خلاف لڑائی سے محفوظ رکھا۔ عصیہ ماہ صفر ۴ھ میں ستر صحابہ کرام کو جو قراء کہلاتے تھے، ابوالبراء نامی ایک شخص کے ساتھ تعلیم دین کے لیے بھیجا گیا، جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو اس قبیلے نے رعل اور ذکوان کے ساتھ ان قراء صحابہ کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی اتنا صدمہ نہیں ہوا اور ایک مہینے تک صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر ان لوگوں کے حق میں بددعا فرماتے رہے اور صحابہ کو اس واقعہ کی خبر دی کہ تمہارے اصحاب و احباب شہید ہو گئے، اور انہوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ ہمارے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچا دیں کہ ہم اپنے رب سے جا ملے اور ہم ان سے راضی ہیں اور ہمارا رب ہم سے راضی ہے، چوں کہ عصیہ نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا تو اس لیے ان کے بارے میں فرمایا عصت اللّٰہ و رسولہ یعنی اس قبیلہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے، یہ جملہ قطعاً اخبار ہے لیکن آپؐ نے یہ ارشاد چوں کہ بطور شکایت کے فرمایا تھا، اس لیے اس کو بددعا لازم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اس ظلم عظیم کی وجہ سے دنیا و آخرت میں رسوا ہوں، نہ یہ کہ وہ خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کرتے رہیں۔ (تحفۃ القاری، جدید مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۷۸۶ ﴿عرب قبائل کی فضیلت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸۵

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشٌ وَالْأَنْصَارُ وَجُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةُ وَأَسْلَمُ وَغِفَارٌ وَأَشْجَعُ مَوَالِيَّ لَيْسَ لَهُمْ مَوْلًى دُوْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۹۸ ج ۲، باب ذکر اسلم، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۱۲، مسلم، ص ۳۰۶ ج ۲، باب من فضائل غفار، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۵۲۰

**حل لغات:** جُهَيْنَة قضاعہ کا ایک قبیلہ ہے۔ أَشْجَع ایک قبیلہ کا نام ہے۔ مَوَالِي (واحد) مَوْلٰی مخلص دوست۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریش، انصار، جُہینہ، مُزینہ اسلم، غفار، اور اشجع میرے مددگار اور دوست ہیں اور ان کا مددگار و دوست خدا اور اس کے پیغمبرؐ کے سوا کوئی نہیں۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں قریش و انصار کے ساتھ چند قبائل کا ذکر ہے، جن میں سے اسلم اور غفار کا تعارف ما قبل میں ہو چکا ہے۔ مزینہ یہ عمر بن اد بن طابخہ کی بیوی کا نام ہے یہ مزینہ بنت کلب بن وبرہ ہے، اس کے بطن سے عمرو کے دو بیٹے اوس اور عثمان ہیں ان کی اولاد کو بنو مزینہ اور مزنی کہا جاتا ہے، قدیم الاسلام صحابی عبداللہ بن مغفل مزنی اسی قبیلے سے ہیں، ان کے چچا تزاعی بن عبدنہم اور ایاس بن ہلال اور ایاس کا بیٹا قرہ بن ایاس وغیرھم اسی قبیلے سے ہیں۔ جھینہ زید بن لیث بن سود بن اسلم کی اولاد ہیں۔ جن کو بنو جہنی کہا جاتا ہے عقبی بن عامر جہنی مشہور صحابی اسی قبیلے سے ہیں۔ اشجع بروزن احمر یہ اشجع بن ریث کی اولاد سے ہیں، نعیم بن مسعود بن عامر بن انیف صحابی اسی قبیلے سے ہیں۔ (انعام المنعم)

**کلمات حدیث کی تشریح** قریش قبیلہ قریش کے مسلمان افراد مراد ہیں۔ والانصار مدینہ کے انصار مراد ہیں۔ جھینہ، مزینہ، اسلم، غفار اور اشجع پانچوں مضری قبائل ہیں۔ اور مضر عدنان کی شاخ ہے۔ یہ ابو قبیلہ کے نام ہیں، جن کی طرف ان قبائل کی نسبت ہے مراد یہاں ان کی مومن اولاد ہیں۔ موالی یہ قبائل میرے دوست ہیں، اور ان کے دوست صرف اللہ اور اس کے رسولؐ ہیں۔

## حدیث نمبر ۲۷۸۷ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸۶

## ﴿اسلام میں سبقت کی وجہ سے قبائل کی فضیلت﴾

وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمُ وَغِفَارٌ وَمُزَيْنَةُ وَجُهَيْنَةُ خَيْرٌ مِنْ بَنِي تَمِيْمٍ وَمِنْ بَنِي عَامِرٍ وَالْحَلِيْفَيْنِ مِنْ بَنِي أَسَدٍ وَغَطْفَانَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص۴۹۸ ج۱، باب ذکر اسلم، کتاب المناقب، حدیث۳۵۱۲، مسلم، ص۳۰۷ ج۲، باب من فضائل غفار، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۲۵۲۱

**حل لغات:** اَلْحَلِيْفَيْنِ تثنیہ ہے (واحد) حَلِيْفٌ (ج) أَحْلَافٌ دوست۔

**ترجمه:** حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ چاروں بنی تمیم سے بہتر ہیں اور بنی عامر اور دو حلیف قبیلوں یعنی بنی اسد اور غطفان سے بھی بہتر ہیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** قبیلہ اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، بنوتمیم وغیرہ سے افضل ہیں، قبولیت اسلام میں سبقت کرنے کی وجہ سے اور اچھے اعمال کے اظہار کی وجہ سے۔ عرب کا عام دستور تھا کہ دشمن کے خلاف ایک دوسرے سے مدد ونصرت کا عہد و پیمان کرتے تھے، ایسے دو یا دو سے زائد قبیلے جو آپس میں مدد وتعاون کا عہد کریں ان کو ایک دوسرے کا حلیف کہا جاتا ہے، چنانچہ غطفان اور بنواسد نے بھی ایک دوسرے سے اسی طرح کا عہد کیا ہوا تھا، اس لیے یہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اسلم و غفار حدیث میں مذکور قبائل زمانہ جاہلیت میں قبائل بنوعامر بن صعصعہ اور بنوتمیم سے کم درجہ والے تھے، لیکن اسلم غفار وغیرہ قبائل نے پہلے اسلام قبول کیا تو معاملہ برعکس ہوگیا۔

## حدیث نمبر ۲۷۸۸ ﴿بنو تمیم کی خصوصیات کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸۷

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا زِلْتُ أُحِبُّ بَنِي تَمِيْمٍ مُنْذُ ثَلَاثٍ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْهِمْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ هُمْ أَشَدُّ أُمَّتِي عَلَى الدَّجَّالِ قَالَ وَجَاءَتْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ صَدَقَاتُ قَوْمِنَا وَكَانَتْ سَبِيَّةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَ أَعْتِقِيْهَا فَإِنَّهَا مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص۳۴۵ ج۱، باب من ملك من العرب رقيقاً، کتاب العتق، حدیث۲۵۴۳، مسلم، ص۳۰۷ ج۲، باب من فضائل غفار، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۲۵۲۵

**حل لغات:** أُحِبُّ أَحَبَّ فلانا (افعال) إحبابًا محبت کرنا۔ صَدَقَاتٌ (واحد) صَدَقَةٌ خیرات، بنیت ثواب دی جانے والی چیز۔ سَبِيَّةٌ (ج) سَبَايَا لونڈی، عورت۔ أَعْتِقِيْهَا امر حاضر واحد مونث حاضر أَعْتَقَ فُلَانًا (افعال) إِعْتَاقًا آزاد کرنا۔

**ترجمه:** حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تین باتوں کے باعث میں ہمیشہ بنی تمیم سے محبت رکھتا ہوں؛ کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق فرماتے ہوئے سنا: (۱) میری امت میں یہ دجّال پر سب سے سخت ہوں گے۔ (۲) ان کے صدقے آئے تو رسول اللہؐ نے فرمایا یہ ہماری قوم کے صدقے ہیں۔ (۳) ان میں سے ایک لونڈی حضرت عائشہؓ کے پاس تھی تو فرمایا کہ اسے آزاد کردو، کیوں کہ یہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابوہریرہؓ کے قبیلہ دوس کی قبیلہ تمیم سے زمانۂ جاہلیت سے ناموافقت چلی آرہی تھی، مگر اسلام کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کو بنوتمیم سے گہری محبت ہوگئی، ان تین باتوں کی وجہ سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوتمیم کے

متعلق بیان فرمائی تھیں۔ اِن سے معلوم ہوا کہ بنوتمیم بہادر قوم ہے، نیز آپؐ نے ان کو اپنی قوم ہونے کا اعزاز بخشا ہے، اور ان کی اہمیت کے اظہار کے لیے ان کو بنو اسماعیل کہا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** هم اشد امتی علی الدجال جب دجال کا فتنہ ظاہر ہوگا تو قبیلہ بنوتمیم کے لوگ اس فتنہ کی خوب سرکوبی کریں گے۔ مسلم کی ایک روایت میں "اشد الناس قتالا فی الملاحم" ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ قوم میدانِ جہاد میں نڈر اور دلیر ہے، بالخصوص قتال دجال میں، جب یہ عام لڑائیوں میں بے جگری سے لڑتے ہیں تو دجال کے مقابلہ میں اور زیادہ سخت ہوں گے۔ صدقات قومنا آپؐ نے بنوتمیم کی نسبت اپنی قوم کی طرف کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ بنوتمیم کا نسب الیاس بن مضر پر آپؐ سے مل جاتا ہے۔ و کانت سبیّة منهم آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو بنوتمیم کی ایک قیدی عورت کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ فانها من من ولد اسماعیل یہ باندی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہے، یہ فضیلت اگرچہ تمام عربوں کو حاصل ہے کہ وہ اولاد اسماعیلؑ ہیں، لیکن بنوتمیم کی اہمیت کے اظہار کے لیے خاص طور پر ان کے لیے فرمایا کہ یہ بنو اسماعیل ہیں۔

**سوال:** اس حدیث میں بنوتمیم کی تعریف کی گئی ہے، جب کہ حدیث ۵۹۸۶ میں ہے "جهينة خير من بني تميم" یہ تو تعارض ہوا؟

**جواب:** "خیر" اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو کہ "اخیر" تھا، اس کے معنی ہیں زیادہ بہتر، عالمی حدیث ۵۹۸۶ میں مذکورہ قبائل کو بہتر و افضل کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قبائل بنوتمیم سے بہتر ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بنوتمیم کے لیے کوئی فضیلت ہی نہیں، نفس فضیلت تو بنی تمیم کے لیے بھی ہے، جو کہ حدیث باب سے ثابت ہے۔ یاد رہے کہ جن قبائل کی مذمت آئی ہے، یہ ان کے بدعمل اور غلط عقیدہ ہونے کی وجہ ہے، ان میں جو ایمان قبول کر چکے تو وہ قابلِ تعریف ہیں، اسی طرح کسی قبیلہ کا کوئی فرد جاہلیت میں رہا، تو اس کے لیے فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ (انعام المنعم)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۷۸۹ ﴿قریش کا ذکر خیر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸۸

عَنْ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُرِدْ هَوَانَ قُرَيْشٍ أَهَانَهُ اللّٰهُ. (رَوَاهُ التِّرمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۹ ج ۲، باب فی فضل الانصار، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۲۷

**حل لغات:** هَوَانٌ اہانت، تحقیر۔

**ترجمہ:** حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے گا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں قریش کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا گیا ہے، یعنی یہ لوگ بہرحال قابل تعظیم ہیں، کوئی ان کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا تو خدا اس کو ذلیل اور رسوا کر دیں گے، خواہ وہ امامت کے مرتبہ پر فائز ہوں یا نہ ہوں، اس لیے کہ اگر وہ امامت کے مرتبہ پر فائز ہیں تو امام و خلیفہ ہونے کی وجہ سے قابل تعظیم ہیں، اور اگر نہیں تو بھی قابل تعظیم ہیں؛ کیوں کہ ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** من یرد مقصد یہ ہے کہ قریش کی نسبت آپؐ کی طرف ہے، لہٰذا آپ کی محبت کی بنا پر قریش کی عزت کرو، ان کی تذلیل کے ارادہ سے بھی گریز کرو؛ کیوں کہ ان کی تذلیل کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا اور ان کو ذلیل کرنے والے کو اللہ ذلیل و رسوا کر دے گا۔

### حدیث نمبر ۵۷۹۰ ﴿قریش کے حق میں دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ أَذَقْتَ أَوَّلَ قُرَيْشٍ نَكَالًا فَأَذِقْ اٰخِرَهُمْ نَوَالًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۹ ج۲، باب فی فضل الانصار، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۰۸

**حل لغات:** اَذَقْتَ اَذَاقَ (افعال) إِذَاقَةً چکھانا۔ نَكَالًا عبرتناک سزا، آفت ومصیبت۔ نَوَالًا عطیہ، بخشش۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اے اللہ تو نے قریش کے پہلے لوگوں کو عذاب چکھایا، تو ان کے پچھلے لوگوں پر عنایتیں فرما۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لیے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ تو نے شروع شروع میں قریش کو غزوۂ بدر و غزوۂ احزاب کے موقع پر تباہی کا مزہ چکھایا، اس لیے کہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے مخالف تھے، لیکن اب وہ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو گئے ہیں، اس لیے اب ان کو اپنے کرم ونوازش سے نواز دے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اول قریش قریش کے ابتدائی لوگ اور ابتدائی حصہ ان لوگوں کا تھا جو بدر میں آئے اور انکو عبرتناک سزا ملی، نکالًا نکال بلا ومصیبت اور عبرتناک سزا کو کہتے ہیں۔ قحط سالی اور اشیا کی قلت پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے، یہ سب سزائیں قریش کو ملی تھیں۔ نوالًا عطایا، انعامات اور فتوحات مراد ہیں، قریش کے آخری حصہ کو یہ نعمتیں غلبہ اسلام کی وجہ سے ملی تھیں، قریش چونکہ بیت اللہ کے متولی تھے، اسلئے انکا ایک مقام تھا جب کفر سے تائب ہوئے تو دعا کے مستحق ہوئے۔

### حدیث نمبر ۵۷۹۱ ﴿قبیلہ اسد اور اشعر کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹۰

وَعَنْ أَبِيْ عَامِرِنِ الْأَشْعَرِيِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْحَيُّ الْأَسَدُ وَالْأَشْعَرُوْنَ لَا يَفِرُّوْنَ فِي الْقِتَالِ وَلَا يَغُلُّوْنَ وَهُمْ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۳۲ ج۲، باب مناقب ثقیف، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۴۷

**حل لغات:** لَا يَفِرُّوْنَ فَرَّ (ض) فِرَارًا بھاگنا، فرار ہونا۔ اَلْقِتَالُ قَاتَلَ (مفاعلت) مُقَاتَلَةً و قِتَالًا قتال کرنا، جہاد کرنا۔ يَغُلُّوْنَ غَلَّ (ن) غُلُوْلًا خیانت کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو عامر اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسد اور اشعر بہترین قبیلے ہیں، جنگ میں بھاگتے نہیں اور مال غنیمت میں خیانت نہیں کرتے، وہ میرے ہم مزاج ہیں اور میں ان کا ہم مزاج ہوں۔ ترمذی نے یہ حدیث نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے قبیلہ اسد اور اشعر کی تعریف فرمائی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ ان کے نمایاں اوصاف بہادری اور امانت داری ہیں، وہ آپ کے طریقہ پر چلنے والے ہیں۔ یمن کے ایک قبیلہ کے بڑے سردار کا نام اسد تھا، اسی شخص کے نام سے اسد قبیلہ متعارف اور مشہور ہوا، اس قبیلہ کو ازد بھی کہتے ہیں اور ازد شنوئۃ بھی کہتے ہیں، انصار مدینہ کا تعلق اس قبیلہ سے تھا، اسی قبیلہ میں ایک سردار تھا جس کا نام عمرو بن حارثہ تھا اور لقب اشعر تھا، اسی اشعر کی طرف منسوب لوگوں کو اشعری اور اشعرون اور اشعریون کہتے ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اسی قبیلہ سے تھے گویا اسد، ازد، شنوئہ اور ازد اللہ اور اشعرون سب ایک ہی قبیلہ کے نام ہیں۔ (توضیحات)

**کلماتِ حدیث کی تشریح** نِعْمَ حَیٌّ وہ میری اتباع کرنے والے ہیں اور میرے طریقہ پر چلنے والے ہیں، یا یہ کہ ان کے قبیلہ والے میرے دوست اور مددگار ہیں۔ وانا منھم' میں اُن کا دوست و مددگار ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ متقی اور اللہ والے ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۷۹۲ ﴿قبیلہ ازد کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹۱**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْأَزْدُ أَزْدُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ وَيُرِيْدُ النَّاسُ أَنْ يَّضَعُوْهُمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يَّرْفَعَهُمْ وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَّقُوْلُ الرَّجُلُ يَا لَيْتَ أَبِيْ كَانَ أَزْدِيًّا وَيَالَيْتَ أُمِّيْ كَانَتْ أَزْدِيَّةً. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۳۱ ج ۲، باب في فضل اليمن، كتاب المناقب، حدیث ۳۹۳۷

**حل لغات:** اَزْدٌ قبیلہ کا نام ہے۔ يَضَعُوْا، وَضَعَ فلانا من فلان (ف) وضعًا کسی کی حیثیت گرانا، درجہ گھٹانا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبیلہ ازد والے زمین میں اللہ کی فوج ہیں۔ لوگ انہیں پست کرنا چاہیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں چاہے گا، بلکہ انھیں رفعت دے گا اور لوگوں پر ایک زمانہ ایسا ضرور آئیگا، جب کہ آدمی کہے گا: کاش! میرے ابا جان ازدی ہوتے۔ کاش! میری امی جان ازد قبیلے سے ہوتیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں یمن کے ایک قبیلہ ازد کی فضیلت کا ذکر ہے، انصار کا تعلق اوپر جا کر قبیلہ ازد ہی سے تھا، ازد کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اگر ہم ازد سے نہیں ہیں تو ہم انسان ہی نہیں ہیں۔ (ترمذی)

**کلماتِ حدیث کی تشریح** ازد اللہ فی الارض اضافت تشریف کے لیے ہے، یعنی یہ اللہ کے دین کے معاون ہیں یا پھر "اسد اللہ" کے معنی میں ہیں، یعنی یہ اللہ کے شیر ہیں؛ کیوں کہ یہ بہت نڈر اور بہادر ہیں۔ ان یضعوھم لوگ ان کی حیثیت گرانا چاہیں گے، لیکن اللہ انھیں خصوصی عزت ووقار عطا کرے گا۔

**حدیث نمبر ۲۷۹۳ ﴿ناپسندیدہ قبائل کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹۲**

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَكْرَهُ ثَلَاثَةَ أَحْيَاءٍ ثَقِيْفٍ وَبَنِيْ حَنِيْفَةَ وَبَنِيْ أُمَيَّةَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۳۱ ج ۲، باب مناقب ثقیف، كتاب المناقب، حدیث ۳۹۴۳

**حل لغات:** يَكْرَهُ كَرِهَ (س) كرهًا ناپسند کرنا، مکروہ سمجھنا۔

**ترجمہ:** حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ تین قبائل کو ناپسند فرماتے تھے: ثقیف، بنی حنیفہ اور بنی امیہ کو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ غریب حدیث ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپؐ مذکورہ تین قبائل کو ناپسند کرتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قبیلہ میں آگے بعض ایسے افراد پیدا ہونے تھے، جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے والا تھا۔ اور یہ بات آپؐ کو معجزانہ طور پر پہلے ہی معلوم ہوگئی تھی۔

**کلماتِ حدیث کی تشریح** یکرہ ثلاثۃ احیاء اس حدیث کے ضمن میں اکثر شارحین نے جو لکھا ہے اس کی رہنمائی حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی اس تقریر سے ہوتی ہے جو تحفۃ الالمعی میں منقول ہے۔

کہتے ہیں ثقیف کو مختار بن ابی عبید اور حجاج بن یوسف کی حرکتوں کی وجہ سے، اور بنوحنیفہ کو مسیلمہ کذاب کے جھوٹے دعویٰ نبوت کی وجہ سے اور بنوامیہ کو عبیداللہ بن ابی زیاد کی خباثت کی وجہ سے ناپسند کیا ہے۔ جس طرح ماضی میں پیش آنے والے اچھے برے واقعات اثر انداز ہوتے ہیں، اسی طرح آئندہ پیش آنے والے واقعات بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ مختار، مسیلمہ اور ابن زیاد آئندہ پیدا ہوں گے، مگر ان کی نحوست ان کے قبائل پر ان کے وجود سے پہلے اثر انداز ہوگئی، چنانچہ آپؐ نے ان قبائل کو ناپسند کیا، اور ہم صرف گذشتہ احوال ہی جانتے ہیں، مگر انبیا کو آئندہ کے احوال سے بھی واقف کیا جاتا ہے، اس لیے آپؐ نے ان تینوں کے قبائل کو ناپسند کیا۔ (تحفۃ الالمعی)

لیکن اس حدیث کو سامنے رکھ کر بنوامیہ سے بدظن ہونے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ بنوامیہ کی روشن خدمات سے انکار ممکن نہیں ہے، اور ان کا دور حکومت اگر چہ خلفائے راشدین جیسا نہ رہا ہو لیکن بعد کے ادوار سے تو بہت بہتر تھا، اور حدیث باب ضعیف بھی ہے، اس میں ہشام بن حسان ہے جنھوں نے عن سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے انہیں تیسرے طبقے کا مدلس بتایا ہے، (طبقات المدلسین لابن حجر) اور تیسرے طبقے کا مدلس جب عن سے روایت کرے تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔

**حدیث نمبر ۲۷۹٤ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹۳-۵۹۹٤**

## ﴿قبیلہ ثقیف کے ایک کذاب اور ایک مفسد کا ذکر﴾

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيْرٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَصْمَةَ يُقَالُ الْكَذَّابُ هُوَ الْمُخْتَارُ بْنُ أَبِيْ عُبَيْدٍ وَالْمُبِيْرُ هُوَ الْحَجَّاجُ بْنُ يُوْسُفَ وَقَالَ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ أَحْصَوْا مَا قَتَلَ الْحَجَّاجُ صَبْرًا فَبَلَغَ مِائَةَ أَلْفٍ وَّعِشْرِيْنَ أَلْفًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَرَوَى مُسْلِمٌ فِي الصَّحِيْحِ حِيْنَ قَتَلَ الْحَجَّاجُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ قَالَتْ أَسْمَاءُ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا اَنَّ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابًا وَمُبِيْرًا فَأَمَّا الْكَذَّابُ فَرَأَيْنَاهُ وَأَمَّا الْمُبِيْرُ فَلَا أَخَالُكَ إِلَّا إِيَّاهُ وَسَيَجِيْءُ تَمَامُ الْحَدِيْثِ فِي الْفَصْلِ الثَّالِثِ.



**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۳۱ ج ۲، باب ما جاء فی ثقیف کذاب، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۴۳، مسلم، ص ۳۱۲ ج ۲، باب ذکر کذاب ثقیف، کتاب المناقب، حدیث ۲۵۴۵

**حل لغات:** مُبِيْرٌ أَبَارَهٗ (افعال) إِبَارَةً ہلاک کرنا۔ أَحْصَوْا أَحْصٰى (افعال) إِحْصَاءً شمار کرنا۔ صَبْرًا صَبَرَ (ض) صَبْرًا ڈٹا رہنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک انتہا درجے کا جھوٹا اور ایک مفسد و سفاک ہوگا، عبداللہ بن عصمہ راوی کا بیان ہے کہ اس حدیث میں جس جھوٹے کا ذکر ہے اس سے مراد مختار بن ابی عبید ہے اور جس مفسد و سفاک کا ذکر ہے اس سے حجاج بن یوسف مراد ہے اور ہشام بن حسان نے کہا کہ حجاج بن یوسف نے جسقدر لوگوں کو قید کر کے مارا ہے انکی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ (ترمذی) مسلم کی روایت میں ہے کہ جب حجاج نے عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا، تو حضرت اسماء نے فرمایا، ہم سے رسول اللہ ؐ نے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک بڑا جھوٹا پیدا ہوگا اور ایک بڑا مفسد و سفاک، چنانچہ بڑے جھوٹے کو تو ہم دیکھ چکے ہیں، اب رہا مفسد و سفاک وہ میرے خیال میں تو ہی ہے۔ اور مکمل حدیث عنقریب تیسری فصل میں آرہی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے بلا تعیین یہ بات فرمائی ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک مفسد شخص پیدا ہوگا، بعد میں لوگوں نے اپنے قیاس سے تعیین کی کوشش کی ہے اور کذاب کا مصداق مختار کو اور مفسد کا مصداق حجاج کو قرار دیا ہے، لیکن یہ ان کا قیاس ہے قول رسول نہیں، لہٰذا محض اس بنیاد پر ان حضرات پر لعن طعن مناسب نہیں، اور جہاں تک حجاج کا تعلق ہے

بلاشبہ بعض قتل اس کے حکم سے ایسے ہوئے جو نہیں ہونے چاہئے تھے، لیکن حق بات ہے کہ اس نے اپنے اعتبار سے ظلماً قتل نہیں کئے، بلکہ اپنے اعتبار سے اس نے بنوامیہ کی منتخب حکومت کے ساتھ وفاداری روا رکھی، اور سچ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں سبائیوں کی سازش نہ صرف بنوامیہ بلکہ عالم اسلام کے لیے بڑا خطرہ تھی اور اس سازش کا شکار بہت سے اہل اللہ اور تابعین بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے ہوئے، حجاج نے تو اصلاً سبائیوں ہی کی کمر توڑی، لہٰذا سبائیوں ہی نے حجاج کے خلاف خوب پروپیگنڈہ کیا اور بڑھا چڑھا کر اس کے ظلم کو بیان کیا ورنہ حجاج کا اس امت پر بڑا احسان بھی ہے، یہ الگ بات ہے کہ حکومت کے تحفظ میں کچھ وہ لوگ جو اپنی جگہ نہایت دین دار تھے، لیکن ان سے سبائی فتنہ کو ان کی سادگی کی وجہ سے طاقت مل سکتی تھی حجاج نے قتل کرادیا۔ لیکن اگر حجاج سخت فیصلہ نہ لیتا تو یہ امت جتنے اختلافات کا شکار ماضی میں ہوئی ہے، اس سے کہیں زیادہ ہوتی۔ (ابن علی)

**کلمات حدیث کی تشریح**

اما المبیر حضرت اسماء نے حجاج کو مفسد کہا تو حجاج نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا؛ کیوں کہ بہرحال حضرت اسماء صحابیہؓ ہیں اور حجاج کے دل میں ان کی عظمت تھی۔

## حدیث نمبر ۲۷۹۵ ﴿ثقیف کے لیے ہدایت کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹۵

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحْرَقَتْنَا نِبَالُ ثَقِيْفٍ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۳۱ ج ۲، باب مناقب ثقیف، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۴۲

**حل لغات:** اَحْرَقَتْنَا، أَحْرَق (افعال) إِحْرَاقًا جلانا، بھوننا۔ نِبَالٌ (واحد) نَبْلٌ تیر۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ لوگ عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلا ڈالا ہے۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں بددعا کریں۔ آپؐ نے کہا، اے اللہ! ثقیف کو ہدایت فرما۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث**

ثقیف قبیلہ ہوازن کی شاخ ہے۔ غزوۂ حنین کے بعد غزوۂ طائف پیش آیا، ثقیف قبیلہ طائف میں رہتا تھا، وہ قلعہ بند ہوگیا، اور اندر سے تباہ کن تیراندازی شروع کردی، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلا دیا۔ آپ ان کے لیے بددعا فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا اے اللہ ثقیف کو ہدایت عطا فرما۔ چنانچہ بعد میں پورا ثقیف قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح**

احرقتنا نبال ثقیف ثقیف کی ایک جماعت حنین سے بھاگ کر طائف چلی گئی تھی اور یہاں ایک قلعہ میں اپنے کو بند کرلیا تھا، ایک سال کے خرچ کا سامان قلعہ میں محفوظ کرلیا تھا، اور پوری طرح لڑنے کے لیے مستعد تھے، حضورؐ اور اسلامی لشکر جب قلعہ کے قریب آکر ٹھہرے تو انھوں نے بڑی سخت تیراندازی کی، ثقیف تیراندازی میں بہت ماہر تھے، بہت سے مسلمان زخمی اور شہید ہوئے، حضورؐ مسلمانوں کو وہاں سے ہٹا کر اس مقام پر لے آئے، جہاں اب مسجد طائف ہے، اٹھارہ یا بیس روز تک محاصرہ رہا، محاصرہ کے ایام میں آپؐ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ دودھ سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ مجھ کو دیا گیا، لیکن ایک مرغ نے آکر چونچ ماردی، جس کی وجہ سے پیالہ میں جو تھا سب گرگیا، حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا میرا گمان ہے کہ آپ کا ارادہ جو اس قلعہ کے فتح کرنے کا ہے وہ ابھی حاصل نہ ہوگا، آپؐ نے فرمایا میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ ابھی فتح نہ ہوگی، کوچ کا اعلان ہوا تو صحابہؓ نے بڑے جوش سے قلعہ فتح کرنے کی درخواست کی، آپؐ نے صحابہؓ کا اشتیاق دیکھ کر جنگ کی اجازت دی، لیکن اس میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا، بالآخر بلا فتح کے واپسی ہوئی، واپسی پر صحابہؓ نے ثقیف کے حق میں بددعا کی درخواست کی، لیکن آپؐ نے ہدایت کی دعا کی جو کہ قبول ہوئی اور ثقیف مسلمان ہوئے۔

**حدیث نمبر ۲۷۹۶ ﴿قبیلہ حمیر کے لیے دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹۶**

وَعَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مِينَاءَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ أَحْسِبُهُ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الْعَنْ حِمْيَرًا فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ حِمْيَرًا أَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ وَأَيْدِيهِمْ طَعَامٌ وَهُمْ أَهْلُ أَمْنٍ وَإِيمَانٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَيُرْوٰى عَنْ مِينَاءَ هٰذَا أَحَادِيثُ مَنَاكِيرُ.

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۳۱ ج۲، باب فی فضل الیمن، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۳۹

**حل لغات:** اَحْسِبُہٗ حَسِبَ یَحْسِبُ حسبًا گمان کرنا۔ اَفْوَاہٌ (واحد) فُوْہٌ منہ۔ اَیْدِیْ (واحد) یَدٌ ہاتھ۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالرزاق، اپنے والد ماجد سے اور وہ حضرت میناء سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے، تو ایک آدمی آیا جو میرے خیال میں قیس سے تھا اور عرض گذار ہوا، یارسول اللہ! حمیر پر لعنت فرمایئے، آپؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیرلیا، پھر وہ دوسری جانب سے آیا تب بھی منہ پھیرلیا۔ پھر وہ سامنے آیا اور تب بھی منہ پھیرلیا اور نبی کریمؐ یوں گویا ہوئے: اللہ تعالیٰ حمیر پر رحم فرمائے کہ ان کے منہ سلامتی والے اور ان کے ہاتھ کھانے والے اور وہ امن وایمان والے ہیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اسے ہم نہیں پہچانتے مگر حدیثِ عبدالرزاق سے اور اس میناء سے منکر حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔

**خلاصہ حدیث** آپؐ نے حمیر قبیلہ کے لیے رحمت کی دعا اور ان کی چند خوبیوں کا ذکر فرمایا اور ان کے حق میں بددعا کی درخواست کو ناپسند فرمایا، حمیر کی نسلیں عام طور پر یمن کے جنوبی ساحلوں پر آباد تھیں، اور انھوں نے قبائل سبا کے زوال کے بعد خاصا عروج حاصل کیا، یہ یمن کے جنوب مغربی ساحلوں پر آباد تھے، ان کا پایۂ تخت شہر ظفار تھا، جو بندرگاہ لُخا سے مشرق جانب آباد تھا، قبائل سبا کے دور ترقی میں قبائل حمیر زیادہ بااقتدار اور ترقی یافتہ نہ تھے، بلکہ اپنی مستقل حکومت رکھنے کے باوجود ایک طرح سے مغلوب تھے، لیکن سبا کے زوال کے بعد ان کو ترقی ہوئی، خصوصا تجارتی ترقی اور کامیابیوں میں ایک طرح سے ان کو جانشینی حاصل ہوئی۔ حمیری حکومت کے بادشاہ اولاً حمیر اور بعد میں تبع کہے جاتے تھے، تبع حمیریوں ہی کی ایک نسل تھی، جس نے حمیریوں کے آخری دور میں بادشاہت کی ہے۔ حمیری قبائل میں سب سے بڑا قبیلہ قضاعہ تھا، یہ اپنی بڑائی کی وجہ سے ساری حمیری نسلوں پر چھا گیا، جس کی وجہ سے بعد میں تمام حمیری نسلوں کو حمیری کے بجائے قضاعہ کہا جاتا رہا، قضاعہ کی اولاد میں قبیلہ بہرہ جرم، راسب، تنوخ، جہینہ، عذرہ اور نہد تھے، تنوخی شام میں جاکر مقیم ہوئے، ان ہی میں مشہور عربی شاعر ابوالعلا المعرّی گذرا ہے، جہینہ حجاز میں آکر آباد ہوئے، اور ان ہی کے قریب بنوعذرہ بھی آکر آباد ہوئے، پاکیزہ محبت کے واقعات میں بنوعذرہ نے بڑی شہرت حاصل کی حتی کہ پاکیزہ محبت کے لیے الحب العذری اصطلاح بن گئی، ان کا ہیرو جمیل بن معمر ہے، جس کو بثینہ سے محبت تھی، جمیل بن معمر کے محبت بھرے جذبات اس کی شاعری میں بہت نمایاں ہیں، حمیر کی اولاد میں ایک قبیلہ شعبان نامی تھا جس کی طرف حضرت شعبی فقیہہ منسوب ہوئے، اس کے علاوہ زید الجمہور اور سکاسک بھی حمیری نسل سے بتائے جاتے ہیں۔ (جزیرۃ العرب)

**کلمات حدیث کی تشریح** افواھم سلام و ایدیھم طعام ''ان کے منہ سلام ہیں اور ان کے ہاتھ طعام ہیں'' کے ذریعہ حمیر کی دو بڑی خوبیوں کی طرف اشارہ فرمایا، ایک تو یہ کہ ان کے ہاں سلام کا بہت چرچا ہے، جب بھی ایک

دوسرے سے ملتے ہیں ان کے منھ سے سلام علیک ضرور نکلتا ہے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے لوگوں کو کھانا خوب کھلاتے اور خوب تقسیم کرتے ہیں، اس اعتبار سے یہ لوگ انکساری اور سخاوت جیسی دونوں عظیم صفتوں کے جامع ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ ان کو فضیلت و بزرگی کا مقام اور حقوق العباد کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہے۔ ''وہ اہل امن بھی ہیں اور اہل ایمان بھی'' یعنی یہ لوگ کامل و پختہ ایمان کے حامل بھی ہیں، اور ہر قسم کی آفات و بلیات اور مضرات سے محفوظ و مامون بھی ہیں۔ (مظاہر حق جدید)

## حدیث نمبر ۲۷۹۷ ﴿قبیلہ دوس کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹۷

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أَنْتَ قُلْتُ مِنْ دَوْسٍ قَالَ مَا كُنْتُ أُرٰى أَنَّ فِيْ دَوْسٍ أَحَدًا فِيْهِ خَيْرٌ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۳ ج ۲، باب مناقب لابی ہریرۃؓ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۳۸

**حل لغات:** اُری، رآی (ف) رؤیۃً دیکھنا، سمجھنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: تم کس قبیلہ کے ہو؟ میں نے کہا: دوس کا ہوں، آپؐ نے فرمایا: نہیں گمان کرتا تھا میں کہ قبیلہ دوس کے کسی آدمی میں خیر ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں ایک طرف تو حضرت ابوہریرہؓ کی مدح ہے کہ ان میں خیر اور بھلائی پائی جاتی ہے، دوسری طرف باقی قبیلہ دوس کی مذمت ہے کہ اگر ان میں حضرت ابوہریرہؓ نہ ہوتے تو اس قبیلہ میں کوئی خیر و برکت نہ ہوتی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قلت من دوس حضرت ابوہریرہؓ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ ما کنت اری اے ابوہریرہؓ تم کو دیکھ کر اندازہ ہوگیا کہ قبیلہ دوس میں کچھ نہ کچھ خیر ہے، ورنہ پہلے تو میرا خیال تھا کہ اس قبیلہ میں کچھ بھلائی نہیں، یہ بھی درحقیقت ابوہریرہؓ پر آپ کی شفقت کا ایک انداز ہے۔ آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کے قبیلہ کے لیے دعا بھی کی ہے: "اللّٰھمّ اھد دوسًا وائت بھم" ''الٰہی قبیلہ دوس کے لوگوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس پہنچا دے''۔ مزید کے لیے عالمی حدیث ۶۰۰۵ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۲۷۹۸ ﴿عرب سے بغض کا انجام﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹۸

وَعَنْ سَلْمَانَؓ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبْغِضْنِيْ فَتُفَارِقَ دِيْنَكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ أُبْغِضُكَ وَبِكَ هَدَانَا اللّٰهُ قَالَ تُبْغِضُ الْعَرَبَ فَتُبْغِضُنِيْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۳۰ ج ۲، باب مناقب فی فضل العرب، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۲۷

**حل لغات:** لَا تُبْغِضْنِيْ اَبْغَضَ (افعال) اِبْغَاضًا غصہ کرنا، دشمنی رکھنا۔ تُفَارِقُ فَارَقَ (مفاعلة) مُفَارَقَةً جدا ہونا، علاحدہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو مجھ سے دشمنی نہ رکھنا ورنہ تو دین سے جدا ہو جائے گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کیوں کر آپؐ سے دشمنی رکھ سکتا ہوں، حالاں کہ آپؐ کے ذریعہ خدا نے ہمیں ہدایت دی ہے، آپؐ نے فرمایا اگر تو عرب سے دشمنی رکھے گا تو گویا مجھ سے دشمنی رکھے گا۔'' (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** الفت و محبت اور بغض و عداوت کا معاملہ یکساں ہے، اور مقتدیٰ اور اس کے متعلقین میں چولی دامن کا ساتھ ہے؛ پس اگر کسی کو اپنے مقتدیٰ سے محبت ہوگی تو وہ اس کے متعلقین کی محبت کا سبب بنے گی۔ یہی حال بغض و نفرت کا

ہے، پس اگر کسی کو عربوں سے نفرت ہوگی، تو وہ نبی کی نفرت تک مفضی ہوگی، اس لیے فرمایا "مجھ سے بغض مت رکھو" یعنی عربوں سے بغض مت رکھو، ورنہ تمہارے دین کی خیر نہیں۔ مشہور روایت کہ "عربوں سے تین وجوہ سے محبت کرو! اس لیے کہ میں عربی ہوں، قرآن کریم عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہے"۔ یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے، اور ذہبی نے اس کو نہایت ضعیف قرار دیا ہے، بلکہ موضوع ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی) مشکوٰۃ میں بھی یہ حدیث آگے آرہی ہے، عالمی حدیث ۶۰۰۶ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تبغضنی فتفارق دینك حضرت سلمان فارسیؓ فارس کے تھے اور فارس کی زبان اور وطنیت کا تقاضا تھا کہ عرب کے متعلق ان میں بغض و عداوت پیدا ہو، خواہ مستقبل میں کیوں نہ ہو، اس پر آنحضرتؐ نے عرب سے بغض و عداوت کو زوالِ ایمان کا ذریعہ بتایا، حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ عرب سے بغض آنحضرتؐ سے بغض ہے لہٰذا ہر مسلمان کو عرب کا احترام کرنا چاہئے۔ (توضیحات)

### حدیث نمبر ۲۷۹۹ ﴿عرب کو دھوکہ دینے کا انجام﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹۹

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَشَّ الْعَرَبَ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ شَفَاعَتِيْ وَلَمْ تَنَلْهُ مَوَدَّتِيْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ حُصَيْنِ بْنِ عُمَرَ وَلَيْسَ هُوَ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ بِذَالِكَ الْقَوِيِّ.

**حواله:** ترمذی، ص۲۳۰ ج۲، باب مناقب فی فضل العرب، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۲۸

**حل لغات:** غَشَّ (ن) غَشًّا دھوکہ دینا، فریب دینا۔ لَمْ تَنَلْهُ، نَالَ (س) نَيْلًا پانا، حاصل کرنا۔ مَوَدَّتِيْ اَلْمَوَدَّةُ محبت، تعلق، دوستی۔

**ترجمه:** حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اہل عرب کو دھوکہ دے وہ میری شفاعت پانے والوں میں داخل نہیں ہوگا اور اسے میری محبت میسر نہیں آئے گی۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے نہیں پہچانتے مگر حدیث حصین بن عمر سے اور وہ محدثین کے نزدیک زیادہ قوی نہیں ہے۔

**خلاصۂ حدیث** کسی بھی مسلمان کو دھوکہ دینا گناہ کبیرہ ہے۔ آپ کا فرمان ہے "مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا" جس نے ہم کو دھوکہ دیا اس کا ہم سے تعلق نہیں ہے۔ لیکن دھوکہ دہی کی شناعت و قباحت اس وقت دو چند ہو جاتی ہے جب اس کا شکار اہل عرب کو بنایا جاتا ہے، ایسا شخص بہت بد بخت اور محروم القسمت ہے جو اہل عرب کو دھوکہ دے، اس کو حضرت نبی پاکؐ اور آپؐ کی نسبت سے سچا تعلق نصیب نہ ہوگا، اور وہ شفاعت سے محروم ہوگا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من غش العرب، غش (فریب و دغابازی) کا مطلب ہے دھوکہ دینا، دل میں تو کچھ ہو مگر زبان سے کچھ اور کہنا، خیر خواہی نہ کرنا، کینہ رکھنا اور کسی کو اس بات پر ابھارنا جو اس کے مفاد اور مصلحت کے خلاف ہو۔ شفاعتی "شفاعت" سے شفاعتِ صغریٰ یعنی "خصوصی شفاعت" مراد ہے، نہ کہ شفاعت کبریٰ جو بہر حال ہر ایک امتی کے لیے ہوگی۔ لم تنله مودتی "دوستی کی سعادت حاصل نہ ہونے" سے یا تو یہ مراد تھی کہ اس شخص کو کبھی یہ سعادت حاصل نہیں ہوسکتی کہ وہ مجھے اپنا دوست و محبوب رکھے، بہر حال دونوں صورتوں میں مراد نفی کمال ہے۔ إلا من حصين "حصین راوی اس درجہ کے قوی نہیں ہیں" امام ترمذی کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہوا کہ حصین بن عمر چوں کہ روایت حدیث میں "قوی" نہیں سمجھے جاتے، اس لیے ان کی روایت کردہ یہ حدیث "ضعیف" کہلائے گی، لیکن اول تو فضائل کے سلسلہ میں ضعیف حدیث بھی معتبر مانی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ اس روایت کی تائید ان بہت سی حدیثوں سے ہوتی ہے جو تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں، مثلاً حاکم نے حضرت انسؓ سے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد

نقل کیا ہے: "حب العرب ایمان و بغضهم نفاق" ''اہل عرب کی دوستی ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق ہے''۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے: حب قریش ایمان و بغضهم کفر و حب العرب ایمان و بغضهم کفر فمن احب العرب فقد احبنی و من ابغض العرب فقد ابغضنی" ''قریش سے دوستی رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے، نیز عرب سے محبت رکھنا ایمان ہے جب کہ عرب سے بغض رکھنا کفر ہے، پس جس نے عرب سے محبت رکھی اس نے درحقیقت مجھ سے محبت رکھی اور جس نے عرب سے بغض رکھا اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھا''۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت سہل بن سعد سے یہ حدیث نقل کی ہے: احب قریشا فانه من احبهم احبه الله" ''قریش کو دوست رکھو کیوں کہ جس نے قریش کو دوست رکھا اس کو اللہ دوست رکھے گا''۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہؓ سے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے: احب الفقراء و جالسهم واحب العرب من قلبك و یسرك من الناس ما تعلم من نفسك" ''فقراء و مساکین سے محبت رکھو اور ان میں بیٹھا کرو، اور اہل عرب سے دلی محبت رکھو، اور چاہیے کہ وہ عیوب جو تم خود اپنے میں پاتے ہو تمہیں دوسروں کی عیب گیری سے باز رکھیں''۔ (مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۸۰۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰۰

## ﴿عربوں کی ہلاکت قرب قیامت کی علامت ہے﴾

وَعَنْ أُمِّ الْحَرِيْرِ مَوْلَاةِ طَلْحَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مَوْلَایَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلَاكُ الْعَرَبِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۳۰ ج۲، باب مناقب فی فضل العرب، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۲۹

**حل لغات:** اِقْتِرَابٌ اِقْتَرَبَ (افتعال) اِقْتِرَابًا مِنْهُ کسی سے قریب ہونا۔ اَلسَّاعَةُ (ج) سَاعَاتٌ گھڑی، مراد قیامت۔ هَلَاكٌ هَلَكَ (ض) هَلَاكًا ہلاک ہونا۔

**ترجمہ:** ام حریر مولاۃ طلحہ بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے اپنے آقا کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل عرب کا ہلاک ہونا قیامت کے قریب آجانے کی نشانی ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کی راویہ ام الحریر کا یہ حال تھا کہ جب بھی کسی عرب کا انتقال ہوتا تو ان کو سخت صدمہ پہنچتا، ان سے پوچھا گیا ہم آپؓ کو دیکھتے ہیں کہ جب بھی کوئی عرب فوت ہوتا ہے تو آپؓ کو سخت صدمہ پہنچتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے صدمہ کی وہ وجہ بیان کی جو حدیث باب میں مذکور ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اقتراب الساعة هلاك العرب جب اہل عرب دنیا سے اٹھ جائیں تو سمجھ لو کہ قیامت آنے والی ہے، عرب سے مراد یا تو ان میں کے مسلمان ہیں یا جنس عرب مراد ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ باقی لوگ عرب کے تابع ہیں اور قیامت بدکار لوگوں پر ہی قائم ہوگی، یعنی جب کہ زمین میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔

## حدیث نمبر ۲۸۰۱ ﴿قبائل عرب میں مناصب کی تقسیم﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰۱

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُلْكُ فِيْ قُرَيْشٍ وَالْقَضَاءُ فِي الْأَنْصَارِ وَالْأَذَانُ فِي الْحَبْشَةِ وَالْأَمَانَةُ فِي الْأَزْدِ يَعْنِي الْيَمَنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَوْقُوْفًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا أَصَحُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۳۱ ج۲، باب فی فضل الیمن، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۳۶

**حل لغات:** اَلْمُلْكُ (مذکر و مونث) بادشاہت و حکومت۔ القَضَاءُ (ج) اَقْضِيَةٌ فیصلہ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بادشاہت قریش میں، قضا انصار میں، اذان حبشہ میں اور امانت ازد یعنی یمن میں ہے۔ اس حدیث کی ایک روایت موقوف ہے، اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ زیادہ صحیح ہے۔

**خلاصۂ حدیث** حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جن مناصب کا آپؐ نے جن قبائل کیلئے تذکرہ فرمایا ہے وہی اس کے لائق ہیں۔ لہٰذا ان امور کے لیے ان کو ترجیح دی جائے؛ چنانچہ ایسا ہوا بھی ''حکومت قریش میں ہے'' صحابہ نے ایسا ہی فیصلہ فرمادیا اور حکومت حضرت صدیق اکبرؓ کے حوالے کردی جو قریش میں سے تھے۔ ''قضا وعدالت انصار میں ہے'' صحابہ نے ایسا ہی کیا اور حضرت معاذ بن جبلؓ یمن کے قاضی مقرر ہوئے جو انصاری تھے۔ ''اذان حبشہ میں ہے'' صحابہ نے ایسا ہی کیا اور حضرت بلالؓ منصب اذان پر مقرر ہوئے جو حبشہ کے تھے۔ ''امانت ازد میں ہے'' ازد قبیلہ یمن کا مشہور قبیلہ ہے اس سے مراد اہل یمن ہیں اور یمن کی دیانت معروف ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الملك في قريش خلافت وحکومت قریش کا حق ہے اس بارے میں وضاحت شروع باب میں گزر چکی ہے۔ القضاء في الانصار بعض حضرات نے کہا کہ قضا سے حکم جزئی مراد ہے، اور آپؐ نے انصار کے تطییب قلب کے لیے ارشاد فرمائی ہے، اس لیے کہ انھوں نے مسلمانوں کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی اور انھیں کی وجہ سے دین اسلام کو مضبوطی حاصل ہوئی، بعض حضرات نے کہا کہ قضا سے مراد نقابت ہے، اس لیے کہ نبی کریمؐ نے انصار میں سے بارہ آدمیوں کو نقیب مقرر فرمایا تھا، چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا موسیٰ کے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب تھے، اسی طرح میں بھی جبرئیل کے اشارہ سے تم میں سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں، اور ان بارہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم اپنی اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہو جیسے حواریین حضرت عیسیٰ کے کفیل تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قضا اپنے حقیقی معنی میں ہے انصار میں قضا کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اچھے طریقے سے یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں، جب کہ آگے ارشاد ہے کہ اذان حبشیوں میں ہے یعنی یہ لوگ اذان کی خدمت اچھے انداز اور احساس ذمہ داری کے ساتھ سرانجام دے سکتے ہیں، چنانچہ حضرت بلالؓ موذنوں کے سردار تھے اور وہ حبش سے تھے۔ والامانة في الازد ظاہر کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ازد سے مراد تمام اہل یمن ہیں، یعنی یہ لوگ امانت کی ذمہ داری نہایت حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرسکتے ہیں، اس لیے کہ نرم دل امن وایمان والے لوگ ہیں، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ازد سے مراد یمن کا مخصوص قبیلہ ہو جو ازد وشنوءہ کے نام سے مشہور ہے۔ (جدید مظاہر حق) هذا اصح صحیح بات یہی ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے، بلکہ موقوف ہے، یعنی آپ کا فرمان نہیں ہے بلکہ حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے۔

## الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۲۸۰۲ ﴿قریش کے بارے میں ایک تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰۲**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُطِيْعٍ عَنْ أَبِيْهِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا يُقْتَلُ قُرَشِيٌّ صَبْرًا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم،ص۱۰۴،ج۲،باب لا يقتل قريشي صبرا بعد الفتح، كتاب الجهاد، حدیث۱۷۸۲

**حل لغات:** لَا يُقْتَلُ قَتَلَ (ن) قَتْلًا قتل کرنا، مار ڈالنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مطیعؓ اپنے والد مطیعؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آج کے بعد سے قیامت تک کسی قریشی کو حبس وقید کرکے نہ مارا جائے گا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس روایت کا ایک مطلب علامہ طیبیؒ نے بیان کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ یہاں نفی نہی کے معنی میں ہے، یعنی کسی قریشی کو جیل میں ڈال کر پہلے قید کیا جائے اور پھر باندھ کر قتل کیا جائے ایسا نہ کرو۔ ملاعلی قاری نے اس توجیہ پر

سخت اعتراض کیا ہے اور پھر حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں آنحضرتؐ نے ایک پیش گوئی فرمائی ہے کہ اس طرح اب نہیں ہوگا کہ کوئی قریشی اسلام میں آنے کے بعد مرتد ہو جائے اور ارتداد کے بعد اس کو قید کر کے اور باندھ کر قتل کیا جائے، ملا علی قاری نے اس مطلب کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ تاریخ میں یہ بات تو کثرت سے ملتی ہے کہ قریش کو باندھ کر قتل کیا گیا ہو۔ بہرحال علامہ طیبیؒ کی بات حدیث سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے، ملا علی قاری کی بات بعید معلوم ہوتی ہے۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** عبدالله بن مطیع عن ابیه اس حدیث کو آپؐ سے آپؐ کے صحابی حضرت مطیعؓ نقل فرما رہے ہیں، ان کا اصل نام عاص یا عاصی تھا، لیکن آپؐ نے تبدیل فرما کر مطیع نام رکھ دیا۔ **لا یقتل قریشی صبرا بعد هذا الیوم** "صبرا" کا مطلب باندھ کر قتل کرنا۔ مرتد کی سزا شریعت میں یہ ہے کہ اس کو تین دن تک قید میں رکھا جائے، اگر پھر بھی وہ اسلام کی طرف نہ لوٹے تو اس کو قتل کر دیا جائے، یہاں آپؐ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تمام قریش آج مسلمان ہو گئے ہیں اور ان میں سے کوئی مرتد نہ ہوگا، لہٰذا ارتداد کی وجہ سے کوئی قتل بھی نہ ہوگا، البتہ اگر حد یا قصاص میں قتل ہوں تو وہ مراد نہیں ہے۔ (تکملہ فتح الملہم)

**حدیث نمبر ۲۸۰۳ ﴿حضرت اسماء کی جرأت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰۳**

وَعَنْ أَبِي نَوْفَلٍ مُعَاوِيَةَ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ عَلَى عَقَبَةِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ فَجَعَلَتْ قُرَيْشٌ تَمُرُّ عَلَيْهِ وَالنَّاسُ حَتّٰى مَرَّ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَوَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَبَا خُبَيْبٍ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَبَا خُبَيْبٍ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَبَا خُبَيْبٍ أَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كُنْتُ أَنْهَاكَ عَنْ هٰذَا أَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كُنْتُ أَنْهَاكَ عَنْ هٰذَا أَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كُنْتُ أَنْهَاكَ عَنْ هٰذَا أَمَا وَاللّٰهِ إِنْ كُنْتَ مَا عَلِمْتُ صَوَّامًا قَوَّامًا وَصُوْلًا لِلرَّحِمِ أَمَا وَاللّٰهِ لَأُمَّةٌ أَنْتَ شَرُّهَا لَأُمَّةُ سَوْءٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَأُمَّةٌ خَيْرٍ ثُمَّ نَفَذَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ مَوْقِفُ عَبْدِ اللّٰهِ وَقَوْلُهُ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَأُنْزِلَ عَنْ جِذْعِهِ فَأُلْقِيَ فِيْ قُبُوْرِ الْيَهُوْدِ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلٰى أُمِّهِ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ فَأَبَتْ أَنْ تَأْتِيَهُ فَأَعَادَ عَلَيْهَا الرَّسُوْلَ لَتَأْتِيَنِّيْ أَوْ لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكِ مَنْ يَسْحَبُكِ بِقُرُوْنِكِ قَالَ فَأَبَتْ وَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَا آتِيْكَ حَتّٰى تَبْعَثَ إِلَيَّ مَنْ يَسْحَبُنِيْ بِقُرُوْنِيْ قَالَ فَقَالَ أَرُوْنِيْ سِبْتَيَّ فَأَخَذَ نَعْلَيْهِ ثُمَّ انْطَلَقَ يَتَوَذَّفُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَالَ كَيْفَ رَأَيْتِنِيْ صَنَعْتُ بِعَدُوِّ اللّٰهِ قَالَتْ رَأَيْتُكَ أَفْسَدْتَ عَلَيْهِ دُنْيَاهُ وَأَفْسَدَ عَلَيْكَ آخِرَتَكَ بَلَغَنِيْ أَنَّكَ تَقُوْلُ لَهُ يَا ابْنَ ذَاتِ النِّطَاقَيْنِ أَنَا وَاللّٰهِ ذَاتُ النِّطَاقَيْنِ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكُنْتُ بِهِ أَرْفَعُ طَعَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَامَ أَبِيْ بَكْرٍ مِنَ الدَّوَابِّ وَأَمَّا الْآخَرُ فَنِطَاقُ الْمَرْأَةِ الَّتِيْ لَا تَسْتَغْنِيْ عَنْهُ أَمَا إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا أَنَّ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابًا وَمُبِيْرًا فَأَمَّا الْكَذَّابُ فَرَأَيْنَاهُ وَأَمَّا الْمُبِيْرُ فَلَا إِخَالُكَ إِلَّا إِيَّاهُ قَالَ فَقَامَ فَلَمْ يُرَاجِعْهَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم ص ۳۱۲ ج ۲، باب ذکر کذاب و ثقیف، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۵۴۵

**حل لغات:** عَقَبَةٌ (ج) عِقَابٌ گھاٹی۔ تَمُرُّ مَرَّ (ن) مُرُوْرًا گزرنا۔ وَقَفَ (ض) وَقْفًا کھڑا ہونا۔ أَنْهٰى نَهٰى (ف) نَهْيًا روکنا، منع کرنا۔ صَوَّامًا اسم مبالغہ، بہت روزہ رکھنے والا۔ صَامَ (ن) صومًا روزہ رکھنا۔ قَوَّامًا اسم مبالغہ، بہت زیادہ قیام کرنے والا۔ قَامَ (ن) قَوْمًا و قيامًا کھڑا ہونا، قیام کرنا۔ وَصُوْلًا صلہ رحمی کرنے والا۔ وَصَلَ (ج) صِلَةً صلہ رحمی کرنا۔ نَفَذَ (ن) نُفُوْذًا إلى مكان جانا۔ جِذْعٌ (ج) اَجْزَاعٌ وَجُزُوْعٌ درخت کا تنا۔ اُلْقِيَ اَلْقٰى (افعال) القاءً ڈالنا۔ قُبُوْرٌ (واحد) قَبْرٌ مردے دفن کرنے کی جگہ، قبر۔ لَا يَبْعَثَنَّ بَعَثَ (ف) بَعْثًا بھیجنا۔ يَسْحَبُ، سَحَبَ (ف) سَحْبًا زمین پر گھسیٹنا۔ قُرُوْنٌ (واحد) قَرْنٌ انسان کے سر کا کنارہ۔ سِبْتَيَّ

سِبْتٌ صاف کی ہوئی یا رنگی ہوئی کھال۔ نَعْلَیْهِ (واحد) نَعْلٌ (ج) اَنْعَالٌ جوتا تسمہ۔ اِنْطَلَقَ (انفعال) اِنْطِلَاقًا جانا، چلنا۔ یَتَوَذَّفُ تَوَذَّفَ (تفعل) تَوَذُّفًا تیز چلنا۔ عَدُوٌّ (ج) اَعْدَاء دشمن۔ اَفْسَدْتُ اَفْسَدَ (افعال) اِفْسَادًا خراب کرنا، فاسد کرنا۔ اَلنِّطَاقَیْنِ (و) نطاق کمر پر باندھی جانے والی پٹی۔ اَلدَّوَابُّ (واحد) دَابَّة چوپایا۔ لَمْ یُرَاجِعْهَا راجع (مفاعلة) مراجعة دوہرانا، جواب دینا۔

**ترجمہ:** حضرت ابونوفل معاویہ ابن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو مدینہ کی گھاٹی میں (ایک سولی پر لٹکے ہوئے) دیکھا ابونوفل کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں نے اس نعش کے پاس آنا شروع کیا اور دوسرے لوگ بھی آتے جاتے رہے، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ وہاں آئے اور نعش کے سامنے کھڑے ہو کر یوں گویا ہوئے: السلام علیک اے ابوخبیب! السلام علیک اے ابوخبیب! السلام علیک اے ابوخبیب! آگاہ ہو خدا کی قسم میں تم کو اس سے منع کرتا تھا، آگاہ ہو خدا کی قسم میں تم کو اس سے منع کرتا تھا، آگاہ ہو خدا کی قسم میں تم کو اس سے منع کرتا تھا۔ آگاہ ہو خدا کی قسم بلاشبہ تم وہ شخص تھے جس کو میں جانتا تھا کہ تم بہت روزہ رکھنے والے، بہت زیادہ شب بیدار اور اہل قرابت سے بہت زیادہ احسان وسلوک کرنے والے ہو۔ آگاہ ہو، خدا کی قسم وہ گروہ جس کی نظر میں تم برے ہو یقیناً ایک برا گروہ ہے اور ایک روایت میں "لامة سوء" کے بجائے "لامة خیر" کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ وہاں سے چلے گئے، پھر جب یہ خبر حجاج کے پاس پہنچی کہ عبداللہ ابن عمرؓ نے عبداللہ بن زبیرؓ کی نعش کے ساتھ کھڑے ہو کر ایسا ویسا کہا ہے، تو اس نے ایک آدمی کو بھیجا اور نعش کو اس لکڑی پر سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں ڈلوا دیا، پھر حجاج نے ابن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ کو بلا بھیجا۔ حضرت اسماءؓ نے اس کے ہاں آنے سے انکار کر دیا، حجاج نے دوبارہ آدمی بھیجا اور کہلا بھیجا کہ یا تو فوراً چلی آؤ، ورنہ پھر ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو تمہاری چوٹی پکڑ کر کھینچتا ہوا یہاں لائے گا، ابونوفل کہتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ نے پھر انکار کر دیا اور حجاج کو کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم میں تیرے پاس ہرگز نہیں آؤں گی! اب تو تو کسی ایسے شخص کو بھیج کر دیکھ لے جو میری چوٹی پکڑ کر کھینچتا ہوا لے جائے۔ راوی کہتا ہے کہ حجاج بولا: لاؤ میری جوتیاں میرے سامنے رکھو، پھر اس نے اپنی جوتیاں پیروں میں ڈالیں اور اکڑتا تیز تیز چل کر حضرت اسماءؓ کے ہاں پہنچا اور ان سے بولا تم نے اس دشمن خدا (یعنی اپنے بیٹے ابن زبیر) کے ساتھ سلوک کرنے میں مجھے کیسا پایا؟ حضرت اسماءؓ بولیں میں نے تجھے ایسا پایا کہ تو نے اس کی دنیا تباہ کر دی اور اس نے تیری عاقبت کو خراب کر دیا اور ہاں مجھے معلوم ہے کہ تو میرے بیٹے ابن زبیر کو دو کمر بند والی عورت کا بیٹا کہہ کر مخاطب کرتا تھا (تو سن لے) خدا کی قسم میں بلاشبہ دو کمر بند والی عورت ہوں، ایسے دو کمر بند کہ جن میں ایک کمر بند تو وہ تھا جس کے ذریعہ میں آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ کا کھانا جانوروں سے محفوظ رکھتی تھی اور دوسرا کمر بند عورت کا وہ کمر بند تھا جس سے کوئی عورت بے پرواہ نہیں ہو سکتی اور یاد رکھ! ہم سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی کہ قبیلہ ثقیف میں ایک نہایت درجہ کا جھوٹا شخص پیدا ہوگا اور ایک نہایت درجہ کا مفسد، بہر حال جھوٹا تو ہم نے دیکھ لیا اور رہا مفسد تو میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو، راوی ابونوفل کا بیان ہے کہ حجاج حضرت اسماء کے پاس سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور ان کو کوئی جواب نہیں دیا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** حجاج بن یوسف اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان سیاسی اختلاف مشہور و معروف ہے۔ حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر جب وہ مکہ کے حاکم تھے زبردست حملہ کیا، آخر میں اس نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو پھانسی دے دی تھی۔ اور ان کو پھانسی کے تختہ پر تین روز تک لٹکا چھوڑا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے وہاں سے گزرتے ہوئے ان کی نعش کو خطاب کر کے تین بار سلام کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت کو سلام کرنا تدفین سے قبل بھی جائز ہے اور تین بار سلام کرنا بھی جائز ہے۔ اور انھیں ان کی کنیت سے تین بار خطاب کر کے کہا میں نے آپ کو اس سے روکا تھا یعنی حکمرانوں سے جنگ مول لینے سے کیوں کہ وہ مقتدر ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ حکام سے صلح کرنا زیادہ بہتر ہے، بہ نسبت ان کی مخالفت کے کہ اس میں دین وایمان اور

جان و مال کے اعتبار سے آزمائش زیادہ ہے، جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی رائے اس کے برعکس تھی۔ اس کے بعد ابن عمرؓ نے ابن زبیرؓ کی بڑی تعریف فرمائی اور یہ ابن عمرؓ کی کمال جرأت، حق گوئی اور بے باکی کی دلیل ہے، کیوں کہ حجاج کے اقتدار کا سورج سوا نیزہ پر تھا۔ اور اس نے ابن زبیر کو ظالم، فاسق اور اللہ کا دشمن گردانا تھا۔ لیکن ابن عمرؓ نے برملا وہی بات کہی جو حق تھی اور اس بات کی پروانہ کی کہ یہ اطلاع حجاج کو ہوسکتی ہے اور وہ انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ حجاج نے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کو بلوایا اور ان کو اتنے سخت الفاظ میں دھمکی دی۔ لیکن وہ بھی صدیق اکبرؓ کی بیٹی اور ابن زبیرؓ کی ماں تھیں۔ انہوں نے انکار کردیا اور جب وہ خود ہی خجل ہوکر ان کے پاس آیا اور اپنی فاتحانہ شان کا اظہار کیا تو حضرت اسماءؓ نے ایک مختصر مگر عجیب اثر انگیز جملہ میں اسے اس کی حقیقت بتلادی کہ ”تو نے اس کی دنیا بگاڑ دی اور اس نے تیری آخرت بگاڑ دی“۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر محترم خاتون ہیں جنہوں نے سفر ہجرت کے دوران رسول اللہؐ اور ابوبکر صدیقؓ کو غار ثور میں راتوں کو کھانا پہنچایا اور وہ اپنے کمر بند کے ذریعہ کھانا باندھ کر لائی تھیں۔ اس وجہ سے رسول اللہؐ نے انہیں ”ذات النطاقین“ دو کمر بند والی کا خطاب دیا تھا۔ حجاج نے اسے ان کی اہانت کا جملہ بنانا چاہا کیوں کہ دو کمر بند والی سے مراد خادمہ ہوتی تھی، جو خدمت کے لیے کمر بستہ رہنے کی خاطر دو کمر بند باندھتی تھی۔ مگر صدیق اکبرؓ کی بیٹی نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں دو کمر بند والی ہی ہوں اور انہوں نے حجاج کو رسول اللہؐ کی حدیث سنادی کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”ثقیف میں ایک کذاب پیدا ہوگا اور ایک سفاک وخونریزی کرنے والا“۔ اور فرمایا کہ ہم نے کذاب تو دیکھ لیا اس سے مراد مختار بن ثقفی تھا جس نے نبوت کا دعوائے باطل کیا تھا، پھر اللہ نے اسے تباہ کیا، اور سفاک کے بارے میں حضرت اسماءؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ وہ تو ہی ہے۔ کیوں کہ حجاج بھی ثقفی تھا۔ یہ حضرت اسماءؓ کی دلیری، جرأت اور حق گوئی کی دلیل ہے کہ ایسے سفاک وظالم حاکم کے سامنے بھی کلمہ حق جو حجاج کے لیے تازیانہ تھا کہنے سے دریغ نہ فرمایا۔ (تفہیم المسلم)

یہ جو نقل کیا ہے یہ وہی ہے جو اکثر شارحین لکھتے ہیں اور حق بھی یہی ہے کہ حجاج سے بعض اولیاء اللہ قتل ہوئے، چنانچہ اس کا ظلم مشہور ہوا، لیکن حجاج کو زیادہ بدنام کرنے میں سبائیوں کا کردار بڑا ہے، حجاج نے جو کیا اس کا بنیادی مقصد بنوامیہ کی منتخب حکومت کا تحفظ تھا، جن صحابہ یا تابعین نے اس سے اختلاف کیا ان کی نیت صاف تھی۔ لیکن منتخب حکومت کے خلاف لشکر کشی کو اجتہادی غلطی ہی سے تعبیر کیا جائے گا، جو لوگ حجاج پر بہت زیادہ لعن طعن کرتے ہیں ان کو عبداللہ بن عمرؓ کے موقف کو سامنے رکھنا چاہئے، جو کہ اگلی احادیث میں ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ اور حجاج کی جنگ سے اپنے کو الگ رکھا اور صاف کہا کہ یہ مسلمانوں کے آپس کے جھگڑے ہیں، کفار کے فتنہ کو تو ہم نے ختم کردیا، اب تم اس لیے لڑتے ہوتا کہ فتنہ مزید بھڑک اٹھے، اور دین اللہ کے بجائے غیر اللہ کا ہوجائے۔ سبائیوں کو بنوامیہ اور حجاج وغیرہ سے اس لیے خلش نہیں ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کا خاتمہ کیا، بلکہ ان کو تو افسوس اس بات کا ہے کہ اسلام کو وہ جزیرۃ العرب میں محدود کرکے ختم نہیں کرپائے اور بنوامیہ کے حکام نے یورشوں پر قابو پاکر اسلام کو پوری دنیا میں پہنچا دیا۔ ہمارے بعض سادہ لوح لوگ بھی کہیں نہ کہیں سازش کا شکار ہوتے آئے ہیں اور سبائیوں کے سُر میں سُر ملاتے رہے ہیں۔ (ابن علی)

## کلمات حدیث کی تشریح

عقبة المدينة مدینہ کی گھاٹی سے مراد مکہ کی وہ گھاٹی ہے جو مکہ سے مدینہ جانے والے راستے پر واقع تھی، اس سے مراد مدینہ کی گھاٹی نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مکہ میں تھے اور حجاج نے ان کو وہیں شہید کیا تھا اور سولی پر لٹکایا تھا، اسی لیے ان کی قبر مکہ کی گھاٹی کے قریب حجون جگہ میں بنائی گئی، لیکن اب قبر متعین طور پر کسی کو معلوم نہیں ہے اور تقریباً یہی حال صحابہ کرامؓ کی ان قبروں کا ہے جو مکہ میں ہیں کہ صحیح طور پر تعیین کے ساتھ معلوم نہیں ہیں۔ باقی حضرت خدیجہؓ کی قبر پر قبہ بنا کر اس کو جو متعین کیا گیا ہے وہ بھی حتمی اور یقینی نہیں ہے، بلکہ کسی بزرگ کے خواب کی بنیاد پر اس کو متعین کیا گیا ہے۔

حتى مر عليه عبدالله بن عمر حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی نعش کے پاس سے گذرے تو سلام کیا، ان کی تعریف

میں بلند کلمات کہے اور اپنے مشورہ کا ذکر کیا، جس میں ابن زبیرؓ کو امورِ سلطنت وحکومت سے روکا تھا، اس سے میت پر دفن سے پہلے اور بعد دونوں حالتوں میں سلام کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، ابن عمرؓ نے یہ تعریف اس لیے کی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عبداللہ بن زبیرؓ صوم وصلاۃ کے پابند اور منصف مزاج تھے، ظالم ومتکبر نہ تھے۔ قوا ما قرطبی کہتے ہیں کہ ابن زبیرؓ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے، بسا اوقات وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ وصولا للرحم صلہ رحمی اور قرابت داری کا لحاظ کرنے والے تھے۔ (انعام المنعم)

لامة انت شرها یعنی جو گروہ آپ کو شریر، فسادی سمجھتا ہے وہ گروہ خود ہی فسادی، شریر ہے، ایک روایت میں لامة خير کے الفاظ ہیں لیکن مقصود وہی ان کی برائی اور کج روی بیان کرنا ہے لیکن بطور طنز وتعریض کے جیسا کہ کسی فسادی شخص کو کہا جائے آپ کتنے اچھے انسان ہیں کہ دنیا میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں، اسی طرح یہاں پر بھی ہے کہ وہ گروہ کتنا اچھا ہے کہ جو آپ جیسے دیندار، متقی، صحبت رسولؐ سے فیض یاب شخص کو ظالم کہتا ہے۔ سبتی یہ تثنیہ ہے سبتية کا اور مضاف ہے یائے متکلم کی طرف۔ سبتية ایسی جوتی کو کہا جاتا ہے جو ایسی دباغت کئے ہوئے چمڑے سے بنائی گئی ہو جس پر سے بال صاف کر دیئے گئے ہوں۔ ذات النطاقين یہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا لقب ہے جو آنحضرتؐ نے ان کو دیا تھا، واقعہ اس کا یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ نے سفر ہجرت کے لیے ناشتہ تیار کیا اور عجلت میں کوئی تسمہ رسی نہ پانے کی وجہ سے اپنے نطاق یعنی پٹکے کو پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا اس روز سے حضرت اسماءؓ ذات النطاقين کے نام سے موسوم ہوئیں۔ ابن سعد کی روایت میں یہ ہے کہ ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ بند کیا۔ نطاق کمر بند کو کہا جاتا ہے عرب کی عورتوں کی عادت تھی وہ اپنے تہہ بند کے اوپر کمر پٹہ استعمال کیا کرتی تھیں، تاکہ کام کاج کرتے وقت تہہ بند کھلنے کا امکان نہ رہے۔ یہ لقب حضرت اسماءؓ کے لیے باعث فخر تھا، کیوں کہ یہ لقب ان کو حضورؐ کی خدمت کرنے کے صلہ میں ملا تھا جس پر تمام نعمتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ واما الأخر فنطاق المرأة اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر کی خدمت اور اپنے گھر میں کام کاج کرنا کوئی باعثِ عار نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو عورت کے لیے فخر وقابل تحسین ہوتا ہے اور جو عورت گھر کا کام کاج کرتی ہے وہ نطاق اور کمر بند سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ نطاق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تہہ بند مضبوط بندھا رہے اور اس کے کھلنے کا خوف نہ ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ عرب کی عورتوں میں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے پیٹ کو بڑھنے سے بچانے کے لیے نطاق اور کمر بند باندھتی تھیں، تاکہ پیٹ کی ہیئت درست رہے، بلکہ مالدار عورتیں تو سونے چاندی سے مزین کمر بند باندھتی تھیں، گویا حضرت اسماءؓ یہ بیان کرنا چاہتی ہیں کہ دوسرا نطاق میں اس مقصد کے لیے باندھتی تھی اور یہ ایسا مقصد ہے کہ کوئی عورت اس سے بے پرواہ نہیں ہوسکتی۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۸۰٤ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٦٠٠٤**

## ﴿حضرت ابن عمرؓ کا حکومت کے خلاف شورش سے انکار﴾

وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَتَاهُ رَجُلَانِ فِي فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَا إِنَّ النَّاسَ صَنَعُوْا مَا تَرَىٰ وَأَنْتَ ابْنُ عُمَرَ وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَخْرُجَ فَقَالَ يَمْنَعُنِيْ أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَىَّ دَمَ أَخِي الْمُسْلِمِ قَالَا أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ قَاتَلْنَا حَتّٰى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ وَكَانَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ وَأَنْتُمْ تُرِيْدُوْنَ أَنْ تُقَاتِلُوْا حَتّٰى تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِغَيْرِ اللّٰهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ٦٤٨ ج ٢، باب وقاتلوهم حتىٰ لا تكون فتنة، كتاب التفسير، حدیث ۴۵۱۳

**حل لغات:** صَنَعُوْا صَنَعَ (ف) صُنْعًا کرنا۔ حَرَّمَ (تفعيل) تَحْرِيْمًا حرام کرنا۔ فِتْنَةٌ (ج) فِتَنٌ فتنہ۔

**ترجمہ:** حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن زبیر کی جنگوں کے دوران حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر دو آدمی عرض

گذار ہوئے: لوگوں نے جو کچھ کیا وہ آپؓ نے ملاحظہ فرمایا، آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے اور رسولؐ کے صحابی ہیں، آپ کو نکلنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ فرمایا مجھے یہ چیز روکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میرے مسلمان بھائی کا خون حرام فرمایا ہے۔ دونوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا، ان سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے (۲/۱۹۳) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم ان سے لڑے، یہاں تک کہ فتنہ نہ رہا، اور دین اللہ کے لیے ہوگیا۔ اور تم ان لوگوں سے لڑنا چاہتے ہو کہ فتنہ برپا ہو اور دین غیر اللہ کے لیے ہو جائے۔ (بخاری)

**خلاصہ حدیث** ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کر رکھا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی کے ساتھ نہیں تھے اور کنارہ کش تھے، دو آدمی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ کیوں نہیں نکلتے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میرے لیے یہ چیز مانع ہے کہ اللہ نے اپنے مسلمان بھائی کا خون حرام کیا ہے، اس پر ان دونوں نے قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا "وقاتلوهم حتّٰی لا تکون فتنة" حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ ہم تو کفار سے لڑے حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین خالص اللہ کے لیے ہوگیا، لیکن اب تم آپس میں قتال کر کے چاہتے ہو کہ فتنہ پیدا ہو جائے اور دین غیر اللہ کے لیے ہو جائے۔ عثمان بن صالح نے اضافہ کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور آپؓ سے سوال کیا کہ آپؓ ایک سال حج کرتے ہیں اور ایک سال عمرہ کرتے ہیں، لیکن جہاد فی سبیل اللہ کو آپ نے کیوں چھوڑ دیا ہے، حالاں کہ جہاد کی جو ترغیب دی گئی ہے وہ آپؐ کو معلوم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب میں کہا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد کی فضیلت اپنی جگہ، لیکن بہرحال وہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے نہیں ہے۔ اس پر اس شخص نے سورۂ حجرات کی آیت "وإن طائفتان من المؤمنين" پڑھی اور آیت "وقاتلوهم حتّٰی لا تکون فتنة" پڑھی۔ حضرت ابن عمرؓ نے وہی جواب دیا کہ ہم رسول اللہؐ کے زمانے میں قتال کر چکے ہیں، حتیٰ کہ اسلام غالب آگیا اور فتنہ باقی نہ رہا۔ حضرت ابن عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جس جہاد کی اللہ نے ترغیب دی ہے وہ جہاد مع الکفار ہے اور وہ ہم نے کیا ہے، لیکن موجودہ قتال جہاد مع الکفار نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ باغیوں کے ساتھ قتال کرنے میں بھی ثواب ہے، لیکن ترغیب جس جہاد کی دی گئی ہے وہ جہاد مع الکفار ہی ہے۔ پھر باغیوں کے ساتھ قتال کی صورت حال مخدوش ہوتی ہے۔ بسا اوقات یہ واضح نہیں ہوتا کہ حق کس کے ساتھ ہے، قتال کرنے والوں کی نیت کا بھی صحیح علم نہیں ہوتا کہ اقتدار کا حصول مقصد ہے یا اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کی راہ سے رکاوٹ ختم کرنا مطلوب ہے۔ اس بنا پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا خیال تھا کہ عافیت اسی میں ہے کہ کسی کا ساتھ نہ دیا جائے اور دین کی بنیادی باتوں پر عمل کیا جائے۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان تخرج یہ بغاوت کے معنی میں ہے، یہ دونوں حضرات چاہتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ خود خلافت کا دعویٰ کر کے نیا محاذ کھولیں، ورنہ کم از کم حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت میں لڑیں۔ انتم تریدون ان تقاتلوا حتی تکون فتنة حضرت ابن عمرؓ نے نہایت ہوش مندانہ بات فرمائی اور لوگوں سے صاف کہا کہ جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اس سے فتنہ ختم نہیں بلکہ فتنہ مزید بھڑکے گا، ابن زبیرؓ کے حق میں بھی انھوں نے یہی مناسب خیال کیا کہ وہ منتخب حکومت کے خلاف قتل و قتال کو ترک کر دیں اور بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت ابن عمرؓ کا موقف نہایت مناسب تھا۔

## حدیث نمبر ۲۸۰۵ ﴿قبیلہ دوس کے لیے ہدایت کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰۵

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ جَاءَ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو الدَّوْسِيُّ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ دَوْسًا قَدْ هَلَكَتْ وَعَصَتْ وَأَبَتْ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ فَظَنَّ النَّاسُ أَنَّهُ يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِهِمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۹۴۶ ج۲، باب الدعاء للمشرکین، کتاب الدعوات، حدیث ۶۳۹۷، مسلم، ص۳۰۷ ج۲، باب من فضائل غفار، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۵۲۴

**حل لغات:** هَلَكَتْ هَلَكَ (ض) هَلَاكًا ہلاک ہونا۔ عَصَتْ عَصٰی (ض) عِصِيًا نافرمانی کرنا۔ ائت اَتٰی (ض) اِتْيَانًا بِهِمْ لانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرؓ دوسی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قبیلہ دوس ہلاک ہوا اور اسنے نافرمانی کی اور اطاعت سے انکار کر دیا، آپؐ اس کیلئے بددعا کر دیں، لوگوں کا خیال یہی تھا کہ آپؐ ان کے لیے بددعا کریں گے، آپؐ نے فرمایا اے اللہ قبیلہ دوس کو راہِ راست دکھا اور ان کو مدینہ کی جانب لا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث:** یمن اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں قبیلہ دوس آباد تھا، اس قبیلہ کا سب سے پہلا فرد جس نے اسلام قبول کیا، وہ طفیل بن عمرؓ تھے، یہ قبیلہ دوس کے سردار تھے، قریش کے ساتھ ان کے حلیفانہ تعلقات تھے، ہجرت سے قبل یہ مکہ مکرمہ آئے تو قریش کے بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ آج کل ہمارے ہاں ایک شخص پیدا ہوا ہے جس نے سارے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا ہے، اس کا کلام بڑا ساحرانہ ہے، باپ بیٹے اور میاں بیوی تک میں جدائی کرا دیتا ہے، اس لیے آپ کوشش کریں کہ اس کی کوئی بات آپ کے کان تک نہ پہنچے، حضرت طفیل بن عمرؓ کو قریش نے اس قدر خوف زدہ کیا کہ انھوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، تاکہ آپؐ کا کوئی کلام کہیں کان میں نہ پڑ جائے، ایک روز صبح سویرے حضرت طفیلؓ خانہ کعبہ گئے دیکھا کہ وہاں رسول اللہؐ نمازِ فجر پڑھتے ہوئے قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے ہیں، انھوں نے سوچا، آخر میں عقل و دانش رکھتا ہوں، اچھے اور برے کلام میں تمیز کر سکتا ہوں آپ کا کلام مجھے سن لینا چاہئے اگر اچھا ہوگا تو قبول کر لیں گے اور اگر برا ہوگا تو چھوڑ دیں گے۔ حضرت طفیل بن عمرؓ نے قرآن سنا اور اتنے متاثر ہوئے کہ رسول اللہؐ جب فارغ ہو کر گھر تشریف لے آئے، تو حضرت طفیلؓ بھی آپؐ کے گھر پہنچے، اور تمام واقعہ سنانے کے بعد آپؐ سے عرض کیا کہ آپ اپنا دین پیش فرمائیں، رسول اللہؐ نے اسلام کا تعارف کرایا اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضور اکرمؐ نے انھیں قبیلہ دوس کی طرف اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا انھوں نے کہا "اجعل لی آیۃ" یا رسول اللہؐ مجھے کوئی نشانی عطا فرمائیں، آپؐ نے فرمایا "اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ لَهٗ" (اے اللہ ان کو نور عطا فرما دیجئے) چنانچہ ان کے آنکھوں کے درمیان ایک نور اللہ جل شانہ نے پیدا فرمایا، لیکن انھوں نے پھر دعا کی: "یا ربی اخاف أن یقولوا انہ مثلۃ" اے رب مجھے ڈر ہے کہ لوگ یہ نور دیکھ کر کہیں یہ نہ کہیں (آبائی دین ترک کرنے کی وجہ سے) یہ مثلہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ نور ان کے کوڑے کی طرف منتقل کر دیا، ان کا وہ کوڑا تاریک رات میں چراغ کی طرح روشن رہتا تھا، انھوں نے آ کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کی جس سے ان کے والد مسلمان ہوئے لیکن ان کی والدہ نے اسلام قبول نہیں کیا، حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی انھیں کی دعوت سے اسلام قبول کیا، باقی لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہ مایوس ہو کر حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا جیسا کہ یہاں باب کی پہلی روایت میں آ رہا ہے۔ ان دوسا قد هلكت، وابت فادع الله عليهم یعنی قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا، نافرمانی کر کے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، لہٰذا آپؐ ان کے لیے بددعا کیجئے، رسول اللہؐ نے بددعا کے بجائے دعا فرمائی "اللهم اهد دوسا وائت بهم اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت فرما دیجئے اور انھیں میرے پاس لے آیئے، چنانچہ اس کے بعد اس قبیلہ کو اللہ نے ہدایت دی اور ستر یا اسی آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے، دوس کا یہ وفد ۷ھ میں آیا ہے۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح:** اللهم اهد دوسا آپؐ نے دوس کی ہدایت کے لیے دعا کی، آپؐ کی دعا سے وہ قبیلہ مسلمان ہوا، کافر کیلئے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں، کافر کی مغفرت نہیں ہوگی، البتہ جبتک وہ زندہ رہے اس کیلئے

دعاء ہدایت کر سکتے ہیں اور دعائے مغفرت بھی کر سکتے ہیں، کیوں کہ اس صورت میں دعائے مغفرت کا مطلب ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق دیں تاکہ آخرت میں اس کی مغفرت ہو۔ (تحفۃ القاری) واٰت بھم اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: (۱) نبی کریمؐ ان کے لیے دعا فرما رہے ہیں اے اللہ ان کو ایمان کی دولت سے نواز کر ہجرت مدینہ کی توفیق بھی عطا فرما۔ (۲) یا نبی کریمؐ یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اللہ ان کو ایمان نصیب فرما اور سنت المسلمین یعنی مسلمانوں کے طریقہ کے قریب فرما اور ان کے قلوب کو قبول دین کی طرف متوجہ فرما۔

**حدیث نمبر ۲۸۰۶ ﴿عربوں سے محبت کی تلقین﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰۶**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِأَنِّيْ عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنُ عَرَبِيٌّ وَكَلَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

**حوالہ:** البیهقی فی شعب الایمان، ص۲۳۰ ج۲، باب فی تعظیم النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، حدیث۱۶۱۰

**حل لغات:** احبوا اَحَبَّ (افعال) اِحْبَابًا محبت کرنا۔ الجنة (ج) جَنَّاتٌ باغ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین باتوں کے باعث اہل عرب سے محبت رکھو کیوں کہ (۱) میں عربی ہوں، (۲) قرآن مجید عربی میں ہے اور (۳) اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔ روایت کیا اسے بیہقی نے شعب الایمان میں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں عرب سے محبت کرنے کی تین وجوہ کا ذکر ہے، عرب سے محبت کرنے کی یہ تین وجوہ تو اعلیٰ اور اہم ہیں، اس کے علاوہ بھی ان کے ساتھ محبت کی وجوہ ہیں، مثلاً انھوں نے سب سے پہلے شریعت کو سیکھا اس کی حفاظت کی اور ہم تک اس کو پہنچایا، اسلام کا آغاز عرب سے ہوا، عرب نے اپنے جان ومال کی قربانی دے کر جہاد کیا اور دنیا کو فتح کر کے تمام اطراف میں اسلام کو پھیلایا، وہ نبی برحق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، نیز قبر میں سوال وجواب عربی زبان میں ہوگا۔ حاصل یہ کہ عرب کو دنیا وآخرت میں فضیلت حاصل ہے، اس لیے ان سے محبت کی جائے اور ان کے ساتھ بغض وعداوت سے اپنے دلوں کو صاف رکھا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** احبوا العرب عربوں سے محبت کی تاکید ہے، عربوں سے محبت آپؐ سے اور اسلام سے محبت کی علامت ہے، اس سلسلہ میں بہت سی روایات ہیں، لیکن حدیث باب نہایت ضعیف ہے، تفصیل کے لیے عالمی حدیث ۵۹۹۸ دیکھیں۔

## باب مناقب الصحابة رضی الله عنهم اجمعین

## (صحابہ کرامؓ کے مناقب کا بیان)

اس باب کے تحت صاحبِ کتاب نے گیارہ احادیث ذکر فرمائی ہیں، جن میں صحابہ کی عزت، عظمت اور ان کے بلند مقام ومرتبہ کا ذکر ہے، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو برا کہنے والا لعنت کا مستحق ہے، صحابہ کا وجود امت کے لیے باعث امن ہے، پوری امت میں سب سے افضل جماعت صحابہؓ کی ہے، صحابہؓ کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ تمام صحابہ نجوم ہدایت ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض خصوصیات کا ذکر ہے۔ صحابہ، صحابی کی جمع ہے، ساتھی، صَحِبَ (س) صَحَابَةً وَصُحْبَةً ساتھ ہونا، ساتھ رہنا۔

**صحابی کی تعریف:** حافظ ابن حجرؒ، ملا علی قاری، شاہ عبدالحق محدث دہلوی صحابی کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں، "هو من لقی النبی صلی الله علیه وعلی آله وصحبه وسلم مومناً به و مات علی الاسلام ولو تخللت بردة فی الاصح"

اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے استاذی الجلیل محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی محدث دار العلوم دیوبند رقم طراز ہیں، صحابی وہ شخص ہے جنہوں نے حضور اکرمؐ سے بحالت ایمان ملاقات کی ہو اور اسلام ہی پر ان کا خاتمہ ہوا ہو، اگر ملاقات نبوی کے بعد نعوذ باللہ مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہوئے ہوں تو امام شافعی کے نزدیک بدستور صحابی رہیں گے، مگر امام مالک اور امام اعظمؒ کے نزدیک جب تک اسلام لانے کے بعد دوبارہ زیارت نبوی نہ ہو ان کو صحابی نہیں کہیں گے، کیوں کہ جس طرح اسلام قبول کرنے سے سابقہ تمام برائیاں کالعدم ہو جاتی ہیں، مرتد ہونے سے بھی سابقہ تمام نیکیاں کالعدم ہو جاتی ہیں، حافظ ابن حجرؒ چونکہ شافعی ہیں اس لیے اول مذہب کو اصح کہا ہے، حالانکہ دلائل کی قوت کے اعتبار سے دوسرا قول اصح ہے۔ (تحفۃ الدرر)

**صحابہ کی عدالت:** صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں یعنی وہ اسباب فسق سے نیز خلاف مروت افعال سے محفوظ ہیں، درمختار میں عدالت کی تفسیر یہ ہے کہ جن سے صغیرہ گناہ بغیر اصرار (مداومت) کے صادر ہو جاتا ہو، بشرطیکہ وہ تمام کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور اس کے درست افعال اس کے صغیرہ گناہوں سے زیادہ ہوں اور کوئی شخص جب گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی، یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف امت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ صحاب کرام معصوم نہیں ان سے کبیرہ صغیرہ ہر طرح کے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے، دوسری طرف یہ عقیدہ اوپر لکھا گیا ہے کہ سب کے سب عدول ہیں اور عدل کے معنی اصطلاحی بھی سب کے نزدیک یہ ہیں کہ جو کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہوا اور صغیرہ پر مصر نہ ہو اور جس سے گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا یا صغیرہ پر اصرار ثابت ہو گیا، وہ ساقط العدالت کہلائے گا، جس کا اصطلاحی نام فاسق ہے، یہ کھلا ہوا تضاد ان دونوں عقیدوں میں ہے، اس کا جواب جمہور علما کے نزدیک یہ ہے کہ صحابہ کرام سے اگرچہ کوئی بڑا کبیرہ گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے، مگر ان میں اور عام افراد امت میں ایک فرق ہے کہ گناہ کبیرہ وغیرہ سے جو کوئی شخص ساقط العدالت یا فاسق ہو جاتا ہے اب اس کی مکافات توبہ سے ہو سکتی ہے جس نے توبہ کر لی یا کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی حسنات کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس کا یہ گناہ معاف کر دیا تو وہ پھر عادل اور متقی کہلائے گا، اور جس نے توبہ نہ کی وہ ساقط العدالۃ فاسق قرار دیا جائے گا۔ اب توبہ کے معاملہ میں عام افراد امت اور صحابہ کرام میں ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ عام افراد امت کے بارے میں اس کی ضمانت نہیں ہے کہ انہوں نے توبہ کی یا نہیں کی، اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس کی حسنات نے سب سیئات کا کفارہ کر دیا۔ ان کے بارے میں جب تک توبہ کا ثبوت نہ ہو جائے یا کسی ذریعہ سے عند اللہ معافی کا علم نہ ہو جائے ان کو ساقط العدالۃ فاسق ہی قرار دیا جائے گا، نہ ان کی شہادت مقبول ہوگی نہ دوسرے معاملات میں ان کا اعتبار کیا جائے گا، مگر صحابہ کرامؓ کا معاملہ ایسا نہیں، اول تو ان کے حالات کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ گناہ سے کتنے ڈرتے اور بچتے تھے، اور کبھی کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس کی توبہ صرف زبانی کرنے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ کوئی اپنے آپ کو بڑی سے بڑی سزا کے لیے پیش کر دیتا ہے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا ہے، جب تک قبول توبہ کا اطمینان نہیں ہو جاتا۔ اس کو صبر نہیں آتا، صحابہ کرام کی اس خوف وخشیت کا تقاضہ یہ ہے کہ جن حضرات سے توبہ کرنے کا اظہار بھی نہیں ہوا ہم ان کے بارے میں یہی ظن رکھیں کہ انہوں نے ضرور توبہ کر لی ہوگی، دوسرے ان کے حسنات اور سوابق اتنے عظیم اور بھاری ہیں کہ ان کے مقابلے میں عمر بھر کا ایک آدھ گناہ حق تعالیٰ کے وعدے کے مطابق معاف ہی ہو جانا چاہئے۔ وعدہ یہ ہے: ان الحسنات یذھبن السیئات یہاں تک تو ہر مسلمان کو خود بھی بغیر کسی واضح دلیل کے یہ اعتقاد واعتماد رکھنا عقل وانصاف کا تقاضہ ہے۔ مگر صحابہ کرامؓ کے معاملے میں ہمارا صرف یہ گمان ہی نہیں، قرآن کریم نے اس گمان کی تصدیق بار بار کر دی، کبھی صحابہ کرامؓ کی خاص خاص جماعتوں کے لیے اس کا اعلان کر دیا، کبھی صحابہ کرامؓ وسابقین وآخرین کے لیے اعلان عام کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

**صحابہ عام امت سے ممتاز ہیں:** یہ حقیقت ہے کہ صحابہ معصوم نہیں، لیکن مغفور ومقبول ہیں، بلاشبہ ان سے خطائیں ہوئی

ہیں، جن پر رسول اللہ ﷺ نے سزائیں دی ہیں اور حدود بھی جاری کی ہیں، تاہم عام افرادامت سے صحابہ کو بچند وجوہ خاص امتیاز حاصل ہے۔ (۱) اول یہ کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو ایسا بنا دیا تھا کہ شریعت ان کی طبیعت بن گئی تھی، خلاف شرع کوئی کام یا گناہ ان سے صادر ہونا انتہائی شاذ و نادر تھا۔ ان کے اعمالِ صالحہ نبی کریم ﷺ اور دین اسلام پر اپنی جانیں اور مال و اولاد سب کو قربان کرنا اور ہر کام پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مرضیات کے اتباع کو وظیفۂ زندگی بنانا اور اس کے لیے ایسے ایسے مجاہدات کرنا جس کی نظیر پچھلی امتوں میں نہیں ملتی، ان بے شمار اعمالِ صالحہ اور فضائل وکمالات کے مقابلہ میں عمر بھر میں کسی گناہ کا سرزد ہو جانا اس کو خود ہی کالعدم کر دیتا ہے۔ (۲) دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت و عظمت اور ادنیٰ گناہ کے صدور کے وقت ان کا خوف و خشیت اور فوراً توبہ کرنا بلکہ اپنے آپ کو سزا جاری کرنے کے لیے پیش کر دینا اور اس پر اصرار کرنا روایات و احادیث میں معروف و مشہور ہے۔ بحکم حدیث توبہ کر لینے سے گناہ مٹا دیا جاتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔ (۳) قرآنی ارشاد کے مطابق انسان کی حسنات بھی اس کی سیئات کا خود بخود کفارہ ہو جاتی ہیں۔ ان الحسنات یذهبن السیئات. (۴) اقامت دین اور نصرت اسلام کے لیے نبی کریم ﷺ کے ساتھ انتہائی عسرت و تنگ دستی اور مشقت و محنت کے ساتھ ایسے معرکے سر کرنا کہ اقوام عالم میں ان کی نظیر نہیں۔ (۵) ان حضرات کا رسول ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ اور رابطہ ہونا کہ باقی امت کو قرآن و حدیث اور دین کی تمام تعلیمات انہیں حضرات کے ذریعہ پہنچیں، ان میں خامی و کوتاہی رہتی تو قیامت تک دین کی حفاظت اور دنیا کے گوشے گوشے میں اشاعت کا کوئی امکان نہیں تھا، اس لیے حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی صحبت کی برکت سے ان کے اخلاق و عادات اور ان کے حرکات و سکنات کو دین کے تابع بنا دیا تھا، ان سے اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوتا تھا اور اگر عمر بھر میں کبھی شاذ و نادر کسی گناہ کا صدور ہو گیا تو فوراً اس کا کفارہ توبہ و استغفار اور دین کے معاملہ میں پہلے سے زیادہ محنت و مشقت اٹھا کر دینا ان میں معروف و مشہور تھا۔ (۶) حق تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا اور دین کا واسطہ اور رابطہ بنایا تو ان کو یہ خصوصی اعزاز بھی عطا فرمایا کہ اس دنیا میں ان سب حضرات کی خطاؤں سے درگذر اور معافی اور اپنی رضا و رضوان کا اعلان کر دیا اور ان کے لیے جنت کا وعدہ قرآن میں نازل فرما دیا۔ (۷) نبی کریم ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی کہ ان سب حضرات سے محبت و عظمت علامت ایمان ہے اور ان کی تنقیص و توہین خطرۂ ایمان اور رسول ﷺ کی ایذا کا سبب ہے۔ یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ان کے معصوم نہ ہونے اور شاذ و نادر گناہ کے صدور کے باوجود ان کے متعلق امت کا یہ عقیدہ قرار پایا کہ ان کی طرف کسی عیب و گناہ کی نسبت نہ کریں، ان کی تنقیص و توہین کے شائبہ سے بھی گریز کریں، انکے درمیان جو باہمی اختلافات اور مقاتلہ تک کی نوبت آئی، ان مشاجرات میں اگرچہ ایک فریق خطا پر دوسرا حق پر تھا۔ اور علمائے امت کے اجماع نے ان مشاجرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق پر ہونا اور انکے بالمقابل جنگ کرنے والوں کا خطا پر ہونا پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا، لیکن ساتھ ہی قرآن و سنت کی نصوص مذکورہ کی بنا پر اس پر بھی سب کا اجماع و اتفاق ہوا کہ جو فریق خطا پر بھی تھا، اس کی خطا بھی اولاً اجتہادی تھی جو گناہ نہیں، بلکہ اس پر ایک اجر ملنے کا وعدہ حدیث صحیح میں مذکور ہے اور اگر قتل و قتال اور جنگ کے ہنگاموں میں کسی سے واقعی کوئی لغزش اور گناہ ہوا بھی ہے تو وہ اس پر نادم و تائب ہوئے جیسا کہ اکثر حضرات سے ایسے کلمات منقول ہیں۔ (مقام صحابہ رضی اللہ عنہم)

**عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم:** صحابہ سب کے سب تنقید سے بالاتر ہیں اور مشاجرات صحابہ کے معاملہ میں امت کا عقیدہ و عمل اور دیگر اہم امور آگے احادیث کے ذیل میں منقول ہیں مطالعہ فرمالیں۔

## الفصل الاول

### حدیث نمبر ۲۸۰۷ ﴿صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰۷

عَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ

أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَّا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۱۸ ج ۱، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لو کنت متخذا خلیلا، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۷۳، مسلم، ص ۳۱۰ ج ۲، باب تحریم سب الصحابة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۵۴۱

**حل لغات:** لا تسبوا فعل نہی جمع مذکر حاضر، مت برا بھلا کہو۔ سَبًّا (ن) سَبًّا گالی دینا، برا کہنا۔ انفق (افعال) اِنْفَاقًا خرچ کرنا۔ مُد (ج) اَمْدَادٌ ایک قدیم پیمانہ۔ نصیف (ج) اَنْصِفَۃٌ ہر چیز کا آدھا۔

**ترجمه:** حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو! حقیقت یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کا ثواب میرے صحابہؓ کے ایک مد یا آدھے مد کے ثواب کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** شریعت اسلامی کی اصطلاح میں صحابہ سے مراد وہ قدسی صفات ہستیاں ہیں، جنھوں نے بحالتِ ایمان نبیؐ کی صحبت پائی اور تا دمِ مرگ ایمان پر قائم رہے۔ یہ ایسی بزرگ ہستیاں ہیں کہ انبیا کے بعد کوئی بھی شخص خواہ کتنی ہی عبادت و ریاضت کر ڈالے ان کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، ان کی عظمت و تقدیس ہمارا دین و ایمان ہے۔ آپؐ کے اس ارشاد میں اس بات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ اصحاب رسول کو کردار و عمل کی ترازو پر نہیں، بلکہ نسبتِ رسولؐ کی ترازو پر تولا جائے گا۔ جس نے اس اصول کو نظر انداز کیا اس نے ٹھوکر کھائی۔ جو لوگ یہ اصول مقرر کر کے کہ انبیا کے علاوہ کوئی تنقید سے بالاتر نہیں، صحابہ کرامؓ پر تنقید کی گنجائش نکالتے ہیں، خواہ وہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر آئیں، ان کے اندر سبائیت اور یہودیت کے جراثیم بول رہے ہوتے ہیں اور بقول امام شعبیؒ وہ یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں اور یہود و نصاریٰ ان کے مقابلہ میں اپنے رسول کے ساتھیوں کے زیادہ مرتبہ شناس اور قدر دان ہیں کہ جب ان سے پوچھا گیا تمہاری امت میں زیادہ بہتر کون لوگ ہیں تو یہود نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور نصاریٰ نے کہا کہ حواریین یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور ایک یہ لوگ ہیں کہ اپنے رسول کے اصحاب کو بدترین امت ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ اگر دین کے یہ اولین محافظ (خاکم بدہن) خود غرض اقرباء پرور اور ظالم و جابر تھے تو جو کتاب و سنت ان کے ذریعہ ہم تک پہنچی اور اس پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی تو یہ ساری منہدم ہوگی کہ نہیں۔ (بیان الفوائد)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تسبوا اصحابی بعض روایات میں اس ارشاد نبویؐ کی شان ورود کا ذکر ہے اور ان میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے درمیان کچھ نزاع اور اختلاف پیدا ہوا تھا اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو برا بھلا کہا تھا، اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ کو گالی نہ دو، ظاہر ہے اس کا مطلب یہی تھا کہ فتح مکہ کے بعد والے صحابہؓ متقدمین صحابہؓ کو گالیاں نہ دیں، ورنہ تو صحابہؓ تو دونوں فریق تھے، اگر مطلق صحابی مراد ہوتا پھر تو آپ کو یہ کہنا چاہئے تھا میرے صحابی ایک دوسرے کو گالی نہ دیں، اور اس صورت میں اس ارشاد سے مقصود فقط گالی کی شناعت بیان کرنا ہوتا، جبکہ یہاں مقصود ہے ان صحابہؓ کے مقام اور شان کی بلندی کا اظہار جن کو گالی دی گئی، لہٰذا لامحالہ یوں معنی بیان کرنا ہوگا کہ میرے بعد والے صحابہ متقدمین اور سابقین صحابہ کی تنقیص نہ کریں کیوں کہ ان (سابقین) کا بڑا مقام ہے۔ (فتح الباری، ۴۱ ج ۹)

**تقی الدین سبکی کی توجیهه اور اس کا رد:** شیخ ابن عطا اسکندری جو شیخ تقی الدین سبکیؒ کے شیخ ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ رسولؐ کو کسی تجلی میں آئندہ آنے والے حالات دکھائے گئے تھے اور اس میں وہ افراد آپؐ کو دکھائے گئے تھے، جو صحابہ کرام کی تنقیص اور ان پر تنقید کرتے ہیں، تو آپؐ نے ان کو خطاب کر کے فرمایا تھا: ''لا تسبوا اصحابی'' میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو۔ حضرت تھانویؒ

نے بھی اپنے بعض ملفوظات میں اس طرح کی بات ارشاد فرمائی ہے، علامہ سبکی کے شیخ کی یہ بات صوفیانہ ہے اور اگر اس کو ثابت مان لیا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ ''اصحابی'' میں تمام صحابہ شامل ہیں، متقدمین بھی اور متاخرین بھی، یعنی فتح مکہ کے بعد اسلام میں داخل ہونے والے بھی اور پہلے والے بھی اور یہ خطاب گویا امت کو ہو رہا ہے جو بعد میں آنے والی ہے از **قبیل تنزیل المفروض منزلة الموجود**، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کا تعلق صرف متقدمین صحابہ سے ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ خالد بن ولیدؓ جو بعد میں ایمان لانے والوں میں سے تھے، انھوں نے متقدم صحابی عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو برا بھلا کہا اس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور اس طرح صحابہ میں سے بعد میں ایمان لانے والوں کو خبردار کیا کہ وہ اس طرح کی زیادتی نہ کریں اور قدماء صحابہ کی شان میں کوئی بے ادبی اور گستاخی نہ کریں۔

**تمام صحابہ ''بطریقِ اولی'' مراد ہوسکتے ہیں:** حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مابعد الصحابہ جو امت ہے اس کو مخاطب قرار دینا غلط ہے، اس لیے کہ حدیث کا قصہ ورود اس کی تردید کر رہا ہے، بہرحال اگر اس حدیث میں ''اصحابی'' کا مصداق متقدمین اور متاخرین سب کو قرار دیا جائے تو یہ خلافِ مقصود اور خلاف شانِ ورود ہوگا جب کہ اگر اس کا مخاطب متاخرین صحابہ کو قرار دیا جائے تو پھر اس سے یہ بات تو صراحت وعبارت سے ثابت ہوگی کہ متاخرین صحابہ متقدمین کو برا بھلا نہ کہیں اور یہ بات **دلالة النص** سے اور بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگی کہ اگر ایک صحابی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے سے بہتر صحابی کو برا بھلا کہے تو بعد کے کسی عام آدمی کو یہ کیسے حق پہنچتا ہے کہ وہ صحابی جیسے خود سے بے شمار درجے بہتر شخص کو برا بھلا کہے۔

**خطاب متاخرین صحابہ کو ہے:** فلو ان احدکم بظاہر تو اس خطاب کا تعلق تمام صحابہ سے ہے، مگر اس کا مطلب اور مراد ایسی صورت میں مشکل ہے اس لیے شارحین فرماتے ہیں کہ ''اصحابی'' سے مخصوص صحابہ مراد ہیں اور ''لو ان احدکم'' کا خطاب بھی صرف متاخرین صحابہ کو ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہارا کوئی بہت بڑا عمل ان سابقین کے چھوٹے سے عمل کا بھی مقابل نہیں ہوسکتا اور یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا**'' یعنی فتح مکہ سے قبل، انفاق وقتال جیسی فضیلت فتح مکہ کے بعد انفاق وقتال میں کہاں؟ اگرچہ صحابیت میں دونوں برابر ہیں۔

**صحابہ کو سب و شتم کا حکم:** دوسرا مسئلہ یہاں یہ قابل تفصیل وتحقیق ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے اور ان کی گستاخی کا کیا حکم ہے، تو اس حوالے سے یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ صحابہ کو گالی دینا بہت بڑا جرم اور کبیرہ گناہ ہے، تاہم اس کی سزا کیا ہو، اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض مالکیہ تو کہتے ہیں کہ اسے قتل کیا جائے گا اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ اسے تعزیری سزا دی جائے، جب کہ بعض شوافع کی رائے یہ ہے کہ شیخینؓ (ابوبکر وعمر) کو اگر گالی دیتا ہے تو اسے قتل کیا جائے گا، اسی طرح حسنینؓ (حسن وحسین) کو گالی دینے والا بھی قتل کیا جائے گا، علامہ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ سرکار کائنات نے جن کو جنت کی بشارت دی ہے، ان کی اگر کوئی تکفیر کرتا ہے تو وہ کافر ہے اس طرح اگر شیخین کی کوئی تکفیر کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے؟ اس لیے کہ آپ نے ان کو جنت کی بشارت دی، اب ان کو کافر قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہنمی ہیں اور یہ رسول کی کھلی تکذیب ہے اور اللہ کے رسول کی تکذیب تو صریح کفر ہے۔

**کیا گستاخ صحابہ کی توبہ قبول ہوگی؟:** ایک مسئلہ پھر یہ ہے کہ صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ کیا قبول ہوگی یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی، ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے ''**سب الصحابة ذنب لا یغفر**'' سب صحابہ ایسا گناہ ہے جو معاف نہیں ہوتا۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو گالی دینا بہت بڑا گناہ ہے لیکن یہ کہنا اس گناہ کی معافی نہیں، یہ درست نہیں ہے۔ جیسے اور گناہوں کی معافی ہوسکتی ہے، اسی طرح اس کی معافی بھی ہوسکتی ہے۔ رہا

"سب الصحابة ذنب لا يغفر" والی حدیث تو یہ بے اصل ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ بات علامہ ابن تیمیہؒ کی مضبوط ہے کہ شرک جیسا گناہ اور پیغمبر اسلام کی دشمنی جیسی چیزیں اللہ تعالیٰ نے سچی توبہ کے بعد معاف کر دی ہیں اور معاف کرتے ہیں تو صحابہ کو گالی دینا ان سے بڑا جرم تو بہر حال نہیں ہے۔ انفق مثل احد بعض روایات میں اس کے ساتھ "کل یوم" کے الفاظ کا اضافہ ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، "وهی زيادة حسنة" یہ ایک اچھا اضافہ ہے اور حصولِ غرض میں زیادہ ممد و معاون ہے۔ مد احدهم یعنی کسی غیر صحابی نے یا متاخرین صحابہ نے اگر 'احد' جتنا سونا خرچ کر دیا تو وہ صحابہ سابقین کے ایک مد کے برابر بھی نہیں ہوگا، وہ چاہے کسی بھی چیز اور کسی بھی جنس سے ہو۔ نصیف رغیف کے وزن پر ہے، بمعنی نصف۔ جیسے عشیر اور "عشر" یا "ثمین" "ثمن" دونوں کا ایک معنی ہے (اسی لیے کہا جاتا ہے "معشر عشیر") اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جیسے مد ایک پیمانہ ہے، "نصیف" بھی ایک مستقل پیمانہ ہے، جو مد سے کم ہوتا ہے اور مد بضم المیم ایک معروف پیمانہ ہے، جس کی مقدار معلوم و متعین ہے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ بفتح المیم مروی ہے اور اس سے مراد فضل اور طول ہے، یعنی صحابہ کی فضیلت اور قوت تک نہیں پہنچ سکتا۔ بیضاوی کہتے ہیں: حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی احد پہاڑ جتنے سونے کو خرچ کرنے سے اتنا اجر اور ثواب حاصل نہیں کر سکتا، جتنا کہ ان صحابہ میں سے ایک شخص ایک مد یا اس کے نصف مقدار میں طعام خرچ کرنے سے حاصل کر سکتا ہے، اور اس تفاوت کی وجہ وہ اخلاص اور صدقِ نیت ہے، جو ان حضرات سابقین کو حاصل تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: خلوص اور صدقِ نیت کی وجہ سے سابقین اولین کے عمل کے افضل ہونے اور ان کے اجر و ثواب کے زیادہ ہونے کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے، جو اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ سابقین اولین کے عمل کو افضلیت اس واسطے حاصل ہے کہ انھوں نے جس موقع پر قتال و انفاق کیا وہ موقع بڑا احساس اہم اور غیر معمولی تھا اور اس وقت جو ضرورت اور حاجت تھی انفاق کی وہ نہایت شدید تھی، اس لیے اس میں بہت کم چیز خرچ کرنے کا بھی بہت زیادہ اجر تھا۔ (فتح الباری، ص ۴۲ ج ۹)

پھر فرمایا اس روایت میں تو صرف اتنا ذکر ہے کہ بعد والوں کا بہت زیادہ انفاق بھی سابقین کے بہت کم انفاق کے برابر نہیں ہو سکتا، لیکن اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ بعد والے اس واسطے بھی سابقین کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے کہ انھوں نے نہایت بے سروسامانی کے عالم میں جان ہتھیلی پر رکھ کر قتال کیا اور دین کے لیے جانی قربانی دی، اس کا قرآن کریم کی آیت "لا يستوی منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل" میں ذکر ہے۔ اس تفاوتِ رتبی کی وجہ واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں قتال اور انفاق فی سبیل اللہ جتنا مشکل اور جتنا ضروری تھا، اتنا بعد میں نہ تھا یعنی جب دین اسلام طاقت ور ہوا اور لوگ اس میں جوق در جوق داخل ہوئے، اور خرچ کرنا آسان بھی ہوا اور خرچ کرنے والے زیادہ بھی ہوئے۔ (کشف الباری)



**حدیث نمبر ۲۸۰۸ ﴿صحابہؓ کا وجود امن کا باعث ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰۸**

وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِؓ قَالَ رَفَعَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ وَكَانَ كَثِيْرًا مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ النُّجُوْمُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِيْ فَإِذَا ذَهَبْتُ أَنَا أَتَى أَصْحَابِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ وَأَصْحَابِيْ أَمَنَةٌ لِأُمَّتِيْ فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِيْ أَتَى أُمَّتِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم ص ۳۰۸ ج ۲، باب بیان ان بقاء النبیؐ امان لا صحابہ، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۵۳۱

**حل لغات:** اَلنُّجُوْمُ واحد نَجْمٌ ستارہ۔ تُوْعَدُ وَعَدَ (ض) وَعْدًا وعدہ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو بردہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور آپؐ

اکثر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا کرتے تھے اور فرمایا ستارے آسمان کے لیے امن کا سبب ہیں جس وقت یہ ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان کے لیے وہ چیز آئے گی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور میں اپنے اصحاب کے لیے امن کا سبب ہوں، جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر وہ چیز نازل ہوگی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور میرے اصحاب میری امت کے لیے امن کا سبب ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز نازل ہوگی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ صحابہ کا وجود امت کے لیے باعث امن وسلامتی ہے، جب صحابہ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے خیر ختم ہو جائے گا اور شر کا دور دورہ ہوگا اور قیامت انہیں شریر لوگوں پر قائم ہوگی، نہایہ میں فرمایا گیا ہے کہ اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ شر کا آنا اہل خیر کے جانے کے بعد ہی ہوگا، اس لیے کہ شر وفساد پھیلتا ہے بے جا اختلافات کی وجہ سے، جب تک نبیؐ حیات تھے تو صحابہؓ میں جب بھی کوئی اختلاف ہوتا تو آپؐ اس کو رفع فرما دیتے، جب آپؐ کا انتقال ہو گیا تو آراء میں اختلاف ہوا لیکن صحابہ کرام ایسے موقعوں پر نبی کریمؐ کے قول وفعل یا دلالتِ حال سے استدلال کر کے رہنمائی حاصل کر لیتے، اس طرح وہ شر سے محفوظ ہو گئے، لیکن ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد انوارات کم ہو گئے، اور تاریکیاں پھیل گئیں، اس لیے خیر دھیرے دھیرے ختم ہو گیا، اور شر کا راج ہونے لگا، نبی اکرمؐ نے آسمان کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جب تک آسمان پر سورج چاند ستارے رہتے ہیں، تو تاریکی دور رہتی ہے، جونہی یہ چیزیں غروب ہوتی ہیں، تو تاریکی چھا جاتی ہے، اسی طرح صحابہ بھی گویا سورج چاند تاروں کے مانند ہیں، جب تک اس دنیا میں رہے تو روشنیاں پھیلاتے رہے، ظلمت وتاریکی قریب بھی نہ آئی، لیکن ان کے جانے کے بعد اندھیرے پھیل گئے، آں حضرتؐ نے صحابہ کو تاروں سے تشبیہ دی ہے، جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے: اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِأَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اهْتَدَیْتُمْ (میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے)۔

**کلمات حدیث کی تشریح** انا امنة لاصحابی اس میں تمثیلاً فرمایا کہ جب تک ستارے سیارے چاند وسورج موجود ومزین ہیں تو آسمان صحیح وسالم ہے، قیامت قائم نہیں ہوگی، جب ستارے جھڑیں گے تو آسمان ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ اذا الشمسُ کوّرت، واذا النجوم انکدرت اور اذا السماء انفطرت، واذا الکواکب انتثرت" جب سورج بے نور کر دیا جائے گا اور جب ستارے ٹوٹ جائیں گے۔ جب آسمان پھٹے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے۔ اسی طرح میری موجودگی میرے صحابہؓ کے لیے امن وسلامتی اور فتنوں سے حفاظت ہے۔ ما یوعدون اس کا مصداق ہیں نبی کی رحلت کا صدمہ، وحی موقوف ہونے کا صدمہ، آپؐ کی دعاؤں سے محرومی، فتنہ ارتداد عرب، گوناگوں فتنے اور باہمی اختلافات۔ ذهب اصحابی اتی امتی ما یوعدون صحابہ کی تعلیم وتربیت وزیارت سے محرومی، بدعات وخرافات، نت نئے فتنے، کفار کا غلبہ وغیرہ۔ (انعام المنعم)

## حدیث نمبر ۲۸۰۹ ﴿قرون ثلاثہ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰۹

وَعَنْ أَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیَقُوْلُوْنَ هَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ هَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ هَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَهُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یُبْعَثُ مِنْهُمُ الْبَعْثُ فَیَقُوْلُوْنَ انْظُرُوْا

هَلْ تَجِدُوْنَ فِيكُمْ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُوْجَدُ الرَّجُلُ فَيُفْتَحُ لَهُمْ بِهِ ثُمَّ يُبْعَثُ الْبَعْثُ الثَّانِي فَيَقُوْلُوْنَ هَلْ فِيهِمْ مَنْ رَأَى أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُفْتَحُ لَهُمْ بِهِ ثُمَّ يُبْعَثُ الْبَعْثُ الثَّالِثُ فَيُقَالُ انْظُرُوْا هَلْ تَرَوْنَ فِيهِمْ مَنْ رَأَى مَنْ رَأَى أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَكُوْنُ الْبَعْثُ الرَّابِعُ فَيُقَالُ انْظُرُوْا هَلْ تَرَوْنَ فِيهِمْ أَحَدًا رَأَى مَنْ رَأَى أَحَدًا رَأَى أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُوْجَدُ الرَّجُلُ فَيُفْتَحُ لَهُ بِهِ.

**حواله:** بخاری، ص۵۱۵ ج ۱، باب فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۳۶۴۹، مسلم، ص۳۰۸ ج ۲، باب فضائل الصحابة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۲۵۳۲

**حل لغات:** يَغْزُوْ غَزَا (ن) غَزْوًا جہاد کرنا، جنگ کرنا۔ فِئَامٌ (ج) قَوْمٌ جماعت، گروہ۔ صَاحَبَ (مفاعلة) مُصَاحَبَةً ساتھ رہنا، ساتھی ہونا۔ يُبْعَثُ بَعَثَ (ف) بَعْثًا بھیجنا۔ يُفْتَحُ فَتَحَ (ف) فَتْحًا فتح ہونا۔

**ترجمه:** حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا لوگوں پر آئے گا کہ جماعتوں کی جماعتیں جہاد کریں گی، ان سے پوچھا جائے گا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے؟ وہ کہیں گے، ہاں! (ان کی برکت سے) فتح ہوگی، پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جماعتیں کی جماعتیں جہاد کریں گی، ان سے پوچھا جائے گا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو کسی صحابی کی صحبت سے فیضیاب ہوا ہو؟ (تابعی ہو) وہ کہیں گے ہاں ہے، تب ان کی فتح ہوگی، پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا جماعتیں جہاد کریں گی ان سے پوچھا جائے گا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو ایسے شخص کی صحبت میں رہا ہو جو تابعی کا صحبت یافتہ ہو، (تبع تابعی ہو) وہ کہیں گے ہاں، تب ان کی فتح ہوگی۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں سے ایک لشکر کو بھیجا جائے گا پس وہ کہیں گے دیکھو کیا تم اپنے اندر کوئی صحابیٔ رسول پاتے ہو، پس ایک شخص ملے گا پس (اس کی برکت سے) ان کو فتح ہوگی، پھر دوسرا لشکر بھیجا جائے گا پس وہ کہیں گے کیا تم میں وہ شخص ہے جس نے صحابیٔ رسول کو دیکھا ہو، پس (ایسا شخص) مل جائے گا پس (اس کی برکت سے) فتح ہوگی، پھر ایک تیسری جماعت بھیجی جائے گی اور کہا جائے گا تلاش کرو کیا تم میں وہ آدمی نظر آتا ہے جس نے اس کو دیکھا ہو جس نے اصحاب رسول کو دیکھا ہے، (تبع تابعی) پھر چوتھا لشکر ہوگا پس کہا جائے گا تلاش کرو کیا تم ان میں کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہو جس نے اس کو دیکھا ہو جس نے اصحاب رسولؐ کے دیکھنے والے کو دیکھا ہے پس ایک آدمی ملے گا اور اس کے سبب فتح نصیب ہوگی۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** صحابہ کی فضیلت و امتیازی شان حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے، ساتھ ہی تابعین یعنی اتباع صحابہ اور پھر اتباع تابعین کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے، یہ دراصل تین قرنوں اور تین طبقوں کی بات ہے، جس کی تعبیر عموماً قرونِ ثلاثہ سے بھی ہوتی ہے اور خیر القرون سے بھی، ان تین عہدوں کی ایک خاص اہمیت و فضیلت ہے، جو کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فِئَام کے معنی جماعت کے ہیں اس لفظ کا کوئی واحد نہیں اور اس کا اطلاق ہمیشہ جماعت پر ہوتا ہے، جیسا کہ لفظ قوم ہے، نبی کریمؐ نے حدیث ابی سعید خدریؓ میں ایسے تین طبقات اور جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جن کی موجودگی کسی بھی لشکر کے لیے فتح و نصرت کی ضمانت ہے، کہ ان کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ فتح و کامرانی سے نوازیں گے، تو اوپر ذکر کردہ عبارت میں پہلی جماعت یا پہلے طبقہ کا بیان ہے وہ طبقہ یا جماعت صحابہ کرامؓ کی ہے، نبی علیہ السلام کے یہ الفاظ مبارکہ ان تینوں طبقات کی فضیلت پر دال ہیں اور اس حدیث کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ "خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم" ثم یاتی زمان پھر ایک زمانہ آئے گا تو پوچھا جائے گا کہ کیا لشکروں میں کوئی ایسا ہے جس نے

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کی صحبت اٹھائی ہو؟ کہا جائے گا کہ ہاں، تو فتح ہوگی اور اس عبارت میں جس جماعت کا ذکر کیا گیا ہے وہ تابعین کی جماعت ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحبت میں رہے، ان حضرات تابعین کی شرکت اور برکت سے بھی اہل اسلام کو فتح نصیب ہوگی "ثم یاتی زمان" پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ کہا جائے گا کہ تم میں کوئی ایسا فرد بھی ہے جس نے نبی علیہ السلام کے اصحاب کے کسی ساتھی کی صحبت اٹھائی ہو؟ تو کہا جائے گا جی ہاں تو ان کو بھی فتح نصیب ہوگی، اس عبارت میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے ان سے تبع تابعین مراد ہیں کہ انکی برکت سے بھی فتح وکامرانی اہل اسلام کا مقدر ہوگی۔ ثم یکون البعث الرابع اس روایت میں قرن رابع کا تبع تابعین کے بعد والوں کا بھی ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت شاذ ہے اکثر روایت میں تین قرن پر اکتفا ہے۔

**حدیث نمبر ۲۸۱۰ ﴿قرونِ ثلاثه کے بعد فتنوں کا ظهور﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۱۰-۶۰۱۱**

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ أُمَّتِىْ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ إِنَّ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَيَنْذُرُوْنَ وَلَا يَفُوْنَ وَيَظْهَرُ فِيْهِمُ السِّمَنُ وَفِىْ رِوَايَةٍ وَيَحْلِفُوْنَ وَلَا يُسْتَحْلَفُوْنَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِىْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ ثُمَّ يَخْلُفُ قَوْمٌ يُحِبُّوْنَ السَّمَانَةَ.

**حواله:** بخاری، ص ۵۱۵ ج ۱، باب فضائل اصحاب النبیؐ، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۵۰، مسلم، ص ۳۰۹ ج ۲، باب فضائل الصحابة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۵۳۵

**حل لغات:** قَرْنٌ جمع قُرُوْنٌ ایک صدی کے لوگ، نسل۔ يَلُوْنَهُمْ ولاه (ض) وَلْيًا متصل ہونا۔ يشهدون، شَهِدَ (س) شَهَادَةً گواہی دینا۔ يستشهدون اِسْتَشْهَدَ (استفعال) استشهادًا گواہی لینا۔ يَخُوْنُوْنَ خَانَ (ن) خِيَانَةً خیانت کرنا۔ لا يؤتمون اِئْتَمَنَ (افتعال) ائتمانًا امان دینا۔ ينذرون اَنْذَرَ (افعال) اِنْذَارًا نذر ماننا۔ لَا يَفُوْنَ وَفٰى (ض) وفاءً پورا کرنا۔ اَلسِّمَنُ موٹاپا۔ يَحْلِفُوْنَ حَلَفَ (ض) حَلْفًا حلف لینا، قسم کھانا۔ يُسْتَحْلَفُوْنَ اِسْتَحْلَفَ (استفعال) قسم کھلانا۔ يَخْلُفُ حَلَفَ فُلَانًا (ن) حَلْفًا کسی کے پیچھے ہونا۔ اَلسَّمَانَةُ موٹاپا۔

**ترجمه:** حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت میں بہتر زمانہ میرا ہے، پھر ان کے ساتھ والوں کا، پھر ان کے ساتھ والوں کا، پھر ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے کہ گواہی دیں گے، اور انہیں گواہ بنایا نہیں جائے گا، خیانت کریں گے اور امین نہیں بنائے جائیں گے، نذر مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے، اور ان پر موٹاپا چھا جائے گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ حلف اٹھائیں گے، اور ان سے قسم لی نہیں جائے گی۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے ہے کہ پھر بعد میں ایسی قوم آئے گی جو موٹاپے کو پسند کرے گی۔

**خلاصۂ حدیث** ایک قرن پورا ہونے پر صحابہ کا دور ختم ہو جائے گا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک ماہ قبل سے پورے سو سال بعد تک صحابہ کا عہد اختتام کو پہنچ جائے گا۔ اور اس کے بعد پھر کسی صحابی کا وجود نہیں رہے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا آپؐ کے آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی کا انتقال ۱۰۰ھ ہجری کو ہوا۔ دوسرے قول کے مطابق ۱۰۷ھ ہجری کو ہوا اور تیسرا قول یہ ہے کہ ۱۱۰ھ ہجری کو ہوا، اس آخری قول کو زیادہ راجح قرار دیا گیا ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد مبارک کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپؐ کے وصال جو دس ہجری کو ہوا اس کے پورے سو سال یعنی ۱۱۰ھ ہجری کو ہی آخری صحابی کی وفات ہوئی، اصحاب الحدیث کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوالطفیلؓ ہی آخری صحابی رسول ہیں، آخری صحابی کے حوالے سے تو بتایا گیا کہ وہ تقریباً

حضرت ابوالطفیل ہیں، انقراض عہد صحابہ کی طرح انقراض واختتام قرون ثلاثہ بھی اہمیت کا حامل امر ہے، چنانچہ آخری صحابی کی طرح آخری تبع تابعی کا بھی اصحاب الحدیث نے ذکر فرمایا ہے، تبع تابعی کے آخری شخص کا نام تو نہیں بتایا گیا ہے؛ مگر اس زمانہ کی تعیین کی گئی ہے، جس میں قرونِ ثلاثہ اور عہد اتباع تابعین کا اختتام ہوا، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آخری اتباعِ تابعین وہ شمار ہوں گے جو ۲۲۰ ہجری کی حدود تک زندہ رہے ہوں اور اس کے بعد کسی کا دعویٰ تبع تابعی ایسا ہی ناقابل قبول ہوگا جیسے کہ سو سال یعنی ۱۱۰ ہجری کے بعد دعویٰ صحابیت غلط اور نامسموع ہے۔ (فتح الباری، ص۹ ج۷) قرون ثلاثہ کے بعد سے فتنوں کی بھر مار ہے، چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے قرون ثلاثہ کو خیر قرار دے دیا ہے اور ان کے بعد ظہور شر کی پیشین گوئی فرمائی، تو تاریخ اور واقعات بتاتے ہیں کہ ۲۲۰ھ کے بعد فتنوں اور بدعتوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا ہے، ایک طرف اعتزال اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کیساتھ ظہور پذیر ہوا، معتزلہ نے اسلام کے عقائد واضحہ اور مسلمانوں میں اتفاقی حیثیت کے کامل احکام کے حوالے سے زبان درازیاں شروع کیں، تو دوسری جانب خود ساختہ فلسفے کے علمبرداروں نے سر اٹھایا، یونان کے زیغ وضلال نے جسدِ اسلام کو شکوک وشبہات کے اتھاہ اندھیروں کی جانب کھینچنا شروع کر دیا اور طرح طرح کی آفتوں اور آزمائشوں سے علماءِ اسلام کو دوچار ہونا پڑا اور امت ایسے بھنور میں پھنس گئی کہ آج تک پھنستی چلی جا رہی ہے، اس صورت حال میں ثم یفشوا الكذب کا ایسا منظر دکھائی دینے لگا کہ جو پہلے کبھی نہ رہا تھا یعنی اقوال میں، افعال میں، اعتقادات میں، معاملات میں، جھوٹ، افتراء اور غلط بیانی کھلم کھلا شروع ہوئی۔ (فتح الباری، ص۴ ج۹) قرون ثلاثہ کو جو خیر القرون قرار دیا گیا اور ان کے بعد ایسے لوگوں کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو بغیر مطالبہ کے گواہی دیں گے، خیانت کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرون ثلاثہ خصوصاً عہد تابعین وتبع تابعین میں یہ خرابیاں بالکل نہیں ہوں گی، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان تین زمانوں میں خیر غالب ہوگا، اکثریت اچھے لوگوں کی ہوگی اور صحابہ کے بعد والے دو زمانوں میں کم لوگ ایسے ہوں گے جو ان خامیوں سے آلودہ ہوں گے۔ جب کہ صحابہ میں ان صفات ذمیمہ کے حامل لوگ تقریباً نہیں ہوں گے اور قرون ثلاثہ کے بعد کے زمانوں میں بکثرت ایسے لوگ ہوں گے۔ (کشف الباری)

## کلمات حدیث کی تشریح

خير أمتي قرني اس حدیث میں آپؐ نے ان تین زمانوں کا ذکر فرمایا ہے جو بعد کے قرون سے بہتر ہیں، ان میں سب سے بہتر آپؐ نے اپنا قرن قرار دیا ہے۔

قرن کیا ہے؟ قرن کی تعریف کی گئی ہے: "اهل زمان واحد متقارب اشتركوا فى امر من الامور المقصودة" ایک زمانے کے لوگ جو کسی خاص مقصود امر میں اشتراک رکھتے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ جب ہے کہ وہ لوگ کسی خاص نبی یا رئیس کے زمانہ میں پائے جائیں، اس نبی یا رئیس کے مخصوص دین، مذہب یا مخصوص عمل کی وجہ سے وہ پہچانے جائیں اور وہ مذہب یا عمل ان میں قدر مشترک اور ان کے لیے جامع ہو، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ويقال: ان ذلك مخصوص بما اذا اجتمعوا فى زمان نبى او رئيس يجمعهم على صلة او مذهب او عمل. (فتح الباری، ص۶ ج۹) اسی طرح قرن کا اطلاق "مدة من زمان" پر بھی ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کی تحدید بھی کی ہے اور ایک متعین مدت پر اس کا اطلاق کیا ہے، اس میں دس سال سے لے کر ایک سو بیس سال تک کے مختلف اقوال منقول ہیں۔ عبداللہ بن بشرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرن سو سال کی مدت کو کہا جاتا ہے، یہی مشہور بھی ہے، چالیس سال کا قول بھی منقول ہے۔ (حوالہ بالا) بعض حضرات نے ستر سال کی مدت کو قرن قرار دیا ہے اور فرمایا، قرن، "اقران" سے ہے، یا اقران "قرن" سے ہے اور تقریباً ہر زمانے میں اوسط عمر ستر سال ہی رہتی ہے، یعنی اس عمر میں اقران اور ہم عمر لوگ اکثر ختم ہو جاتے ہیں، اس لیے ستر سال ہی مدت قرن ہے، ابن العربی نے بھی اس کی تصریح کی ہے، جہاں تک قرن النبی کا تعلق ہے تو اگر اس کا بعثت نبوی کے بعد سے شمار اور اعتبار ہوتا ہے، تو پھر وہ لگ بھگ ایک سو بیس سال ہے، اور اگر اس کا اعتبار وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد سے ہو تو پھر سو سال یا نوے یا ستانوے سال کو قرن کہا جائے گا، کیوں کہ آخری صحابی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن کے آخری آدمی حضرت ابوالطفیل ہیں اور ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، مگر بعثت کے بعد سے ان کی وفات تک تقریباً ایک سو بیس سال بنتے ہیں، جب کہ وفات النبیؐ سے تقریباً نوے، ستانوے یا سو سال بنتے ہیں اور رہا قرنِ تابعین تو اگر اس کا سو سال یا ۱۰۰ھ سے اعتبار ہو تو پھر وہ ستر یا اسّی سال بنتے ہیں اور قرن اتباع التابعین کا اگر ۱۷۰ھ شمار ہوتا ہے تو پھر وہ پچاس سال کا بنتا ہے، کیونکہ محدثین نے عہد اتباع التابعین کے خاتمے کا وقت ۲۲۰ھ بتایا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہے کہ قرن مختلف اہل زمانہ کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، یعنی بعض کا قرن طویل ہوتا ہے اور بعض کا مختصر۔ (فتح الباری، ص ۸-۹، ج ۷)

**قرون ثلاثہ میں افضلیت کا مسئلہ:** "ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ تابعین سے اور تابعین اتباع التابعین سے افضل ہوتے ہیں، لیکن اس بات میں بحث کی گنجائش ہے کہ کیا یہ افضلیت من حیث المجموع ہے یا من حیث الافراد، یعنی کیا ہر ہر صحابی، تابعین سے اور پھر ہر تابعی ہر تبع تابعی سے بہتر ہے یا یہ کہ صحابہ کے مجموعی طبقے کو طبقۂ تابعین پر اور تابعین کو اتباع التابعین پر من حیث الجماعت فضیلت حاصل ہے اور افراد میں یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض تابعین بھی صحابہ سے افضل ہو سکتے ہیں۔

**جمہور اور ابن عبدالبر کا اختلاف:** جمہور کی رائے یہ ہے کہ صحابہؓ تابعین سے اور تابعین اتباع التابعین سے من حیث الافراد بھی افضل ہیں، جیسے کہ من حیث المجموع بہتر ہیں، جب کہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں، افضلیت من حیث المجموع ہے من حیث الافراد ضروری نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میری سمجھ میں جو بات آتی ہے، وہ یہ ہے کہ جن حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد اور قتال میں حصہ لیا، یا آپؐ کے زمانے میں آپؐ کے حکم سے جہاد کیا، یا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاطر اپنا مال خرچ کیا، فضیلت و مرتبہ میں کوئی ان کی ہم سری نہیں کر سکتا، وہ جو بھی ہو اور جب بھی آئے، اور جن کو یہ فضیلت حاصل نہیں، ان کی افضلیت میں بحث کی گنجائش ہو سکتی ہے، اول الذکر جماعت (نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قتال کرنے والے) کی افضلیت اور کسی کے لیے ان کی ہم سری ممکن نہ ہونے کی دلیل ہے ارشاد باری تعالیٰ "لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل، اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد، وقاتلوا" کہ یہاں تصریح کی گئی ہے کہ جس نے فتح مکہ سے قبل انفاق کیا اور جہاد کیا وہ بعد میں انفاق اور قتال کرنے والوں سے درجے میں بڑے ہیں اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ کا استدلال اس حدیث سے ہے "مثل امتی مثل المطر لا یدری اوله خیر ام اخره" (میری امت کی مثال بارش کی سی ہے، جس کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول زیادہ بہتر اور مفید ہے یا اس کا آخر) طریقِ استدلال یوں ہے کہ حدیث میں اولِ امت کے بہتر ہونے یا آخری امت کے بہتر ہونے کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ امر معلوم نہیں ہے، لہٰذا اگر صحابہؓ میں سے ہر ایک کا (جو امت کا اول ہیں) بعد میں آنے والوں میں سے ہر ایک سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا جائے، تو اس سے حدیث کی مخالفت لازم آئے گی، کیونکہ حدیث میں بہتر کے نامعلوم ہونے کا ذکر ہے اور ہم اس کی تعیین اور معلوم ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں، علامہ ابن عبدالبرؒ کے مستدل "مثل امتی مثل المطر" کے متعلق حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں، "حدیث حسن له طرق قد یرتقی بها الی الصحة" یہ حسن درجے کی حدیث ہے اور بعض طرق میں درجۂ صحیح کو پہنچتی ہے، جب کہ نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی بروایت انسؓ مسند ابی یعلیٰ کی طرف نسبت کی ہے، اور فرمایا اس کے اسناد ضعیف ہیں، جب کہ ترمذی نے انسؓ ہی کی روایت سے اس سے زیادہ قوی سند سے روایت کیا ہے، حافظ نے اسی لیے نووی کی بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کو بروایت عمار ذکر کر کے صحیح قرار دیا ہے۔

**علامہ نووی کی توجیہ:** علامہ نوویؒ نے بصورت صحت اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہ روایت ان لوگوں کے متعلق ہے، جو حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پائیں گے اور اس زمانے میں زبردست خیر و برکت دیکھیں گے، وہ جب اسلام کی سربلندی اور کفر کی سرکوبی کا کھلا مشاہدہ کریں گے، تو انھیں یہ اشتباہ ہوگا کہ آیا عہدِ اول کے لوگ زیادہ بہتر تھے جن کے ہاتھوں اسلام کو عزت و مرتبہ ملا تھا اور اسلام کی شان و شوکت کا وہ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے، یا پھر اس عہدِ اخیر کے لوگ زیادہ افضل اور خوش قسمت ہیں، جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں، نووی فرماتے ہیں، لیکن یہ اشتباہ تو ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد، خیر القرون قرنی سے رفع ہوتا ہے۔

**ابن عبدالبرؒ کے دلائل:** ابن عبدالبرؒ کی رائے کی متعدد دوسری روایات سے بھی تائید ہوتی ہے، مثلاً ابن ابی شیبہ، عبدالرحمان ابن جبیر بن نفیر تابعی سے باسنادِ حسن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لیدرکن المسیح اقواماً انهم لمثلکم او خیر —ثلاثاً— ولن یخزی الله امة انا اولها والمسیح آخرها. حضرت مسیح کے زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو تم جیسے یا تم سے بہتر ہوں گے، آپ نے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا اور پھر کہا اللہ تعالیٰ اس امت کو ہرگز رسوا نہیں کریں گے، جس کا اول میں ہوں اور جس کا آخر حضرت مسیح ہیں۔ ابوداود اور ترمذی میں بھی ابوثعلبہ کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں: "تاتی ایام للعامل فیهن اجر خمسین" (ایک وقت آئے گا جس میں عمل کرنے والوں کو پچاس کا اجر ملے گا)، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا، "منهم او منا یا رسول الله؟" (اس آخر زمانے کے عامل کو ہم (صحابہ) میں سے پچاس کے برابر اجر ملے گا، یا خود ان میں سے پچاس (افراد جتنا؟)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "بل منکم" (نہیں، تم میں سے پچاس جتنا اجر ان کو ملے گا) یہ حدیث اس روایت، مثل امتی مثل المطر، کے لیے شاہد ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے حضرت عمرؓ کی ایک اور مرفوع روایت سے بھی استدلال کیا ہے، جس کے الفاظ ہیں: "افضل الخلائق ایماناً قوم فی اصلاب الرجال یومنون بی ولم یرونی" "ایمان کے اعتبار سے خلائق میں سے بہترین وہ لوگ ہیں، جو مردوں کی پشتوں میں ہیں، وہ مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائے ہیں، یعنی وہ ابھی موجود نہیں ہیں، بلکہ آئندہ زمانے میں مردوں کی پیٹھ سے عورتوں کے بطن میں بصورت نطفۂ منی منتقل ہوں گے اور پھر وہاں افزائش کے بعد ان کی ولادت ہوگی، جب وہ دنیا میں آئیں گے تو میں (اللہ کا رسول) موجود نہیں ہوں گا، تاہم وہ مجھ پر بن دیکھے ایمان لائیں گے اور مقام و مرتبہ میں وہ تمام خلائق سے بہتر ٹھہریں گے، البتہ اس روایت کی اسناد کو ضعیف قرار دیا گیا، جس کی بنا پر یہ قابل استدلال نہیں ہے، ایک اور روایت ہے جسے احمد، دارمی اور طبرانی نے از حدیث ابی جمعہ روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ نے کہا، "یارسول اللہ! احد خیر منا اسلمنا معك، وجاهدنا معك" اللہ کے رسول، کیا ہم سے بھی کوئی بہتر ہو سکتا ہے، جب کہ ہم نے آپ کے ساتھ اسلام قبول کیا، اور آپ کے ہمراہ جہاد کیا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، قوم یکونون من بعدکم یومنون بی ولم یرونی، "جی ہاں، کچھ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے، وہ مجھ پر ایمان لائیں گے، جب کہ انھوں نے مجھ کو دیکھا نہیں ہوگا" اس کی سند حسن ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، ابن عبدالبرؒ اپنی رائے کی تائید میں یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ قرن اول کے خیر القرون ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ کفار کی کثرت کی بنا پر غربا اور اجنبی تھے اور کفار و مشرکین سے ان کو سخت اذیتیں اور مصیبتیں پہنچتی تھیں اور بڑے آزما اور کٹھن کے حالات میں وہ اپنے دین سے تعلق جوڑے ہوئے تھے اور ایسے ہی آخری زمانے کے مسلمان ہوں گے، کہ جب ہر طرف فتنوں اور آزمائشوں کا دور دورہ ہوگا اور دینِ حق پر قائم رہنا مشکل بھی ہوگا اور غربت اور اجنبیت کا باعث بھی، تب اس پر قائم رہنے والے ظاہر میں عہد اول کے مسلمانوں کی طرح افضل اور بہتر ہونے چاہیے اور ہوں گے بھی۔ اس کا ایک اور شاہد حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت بھی ہے، جسے مسلم نے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: "بدأ الاسلام غریبًا وسیعود غریبًا کما بدأ فطوبیٰ للغرباء" اسلام شروع ہوا ہے، اجنبی حالت میں اور دوبارہ اجنبیت کی طرف لوٹ جائے گا، سو خوش خبری ہے اجنبیوں کے لیے۔

**ابن عبدالبر کی رائے کا جائزہ:** ابن عبدالبرؒ کے اس کلام کا تعاقب کیا گیا ہے، اور یہ کہہ کر اسے غلط قرار دیا گیا ہے کہ اس قول سے لازم آتا ہے کہ صحابہ کے بعد کوئی ایسا آدمی آسکتا ہے، جو تمام صحابہ سے بہتر ہو، چنانچہ قرطبی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔لیکن حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں، ابن عبدالبر کی بات علی الاطلاق تمام صحابہ کے متعلق نہیں ہے کہ ہر صحابی سے بہتر بعد کے زمانوں میں آسکتے ہیں، کیوں کہ اہل بدر کا انہوں نے خود استثنا کیا ہے، اہل حدیبیہ کا بھی استثنا کیا ہے۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ جمہور کے ہاں فضیلت صحابیت کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا، لہٰذا بعد کے زمانوں میں جتنے بھی افضل لوگ آئیں گے، وہ صحابہ سے بہتر کیا ان کے برابر بھی نہیں ہوسکتے اور محض ایک شرف صحبت ہی صحابہ کی ایسی خصوصیت ہے کہ اس کی بدولت وہ سب غیر صحابہ سے بہتر ہیں اور رہا ابن عبدالبر کا اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو قضیہ تفاضل سے مستثنیٰ کرنا، یا پھر جن کو اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری کے زمانے میں رسولؐ کے دفاع کا موقع ملا، یا ہجرت اور نصرت میں جن کو سابقیت حاصل ہوئی اور شریعت کے ضبط و تحمل اور تبلیغ کی جنہوں نے سعادت حاصل کی، یقیناً ان کا بھی کوئی سہیم اور مقابل نہیں؛ کیوں کہ ان کی صفات و خصائل میں سابق کو لاحق کا اجر بھی ملے گا اور اپنا تو ملے گا ہی، مگر یہ تفاضل تو صحابہ میں آپس میں بھی ہوسکتا ہے اور اس پر تو سب کا اتفاق ہے جیسے کہ "لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل" کا تقاضہ ہے جب کہ شرف صحبت کی ہمسری ممکن نہ ہونے کی بات دوسری اور اس کے علاوہ ہے، جس میں ابن عبدالبر جمہور کے مقابلے میں اپنا تفرد رکھتے ہیں۔

**ثمرۂ اختلاف:** اس اختلاف کا ثمرہ اس شخص کے متعلق ظاہر ہوگا جس کو صرف اللہ کے رسولؐ کی زیارت نصیب ہوئی اور دوسرے مناقب و فضائل اسے حاصل نہیں ہوئے، ظاہر ہے یہ شخص جمہور کے نزدیک بعد میں آنے والے سب ہی بزرگوں سے اور علماء صلحاء سے شرف صحبت کی وجہ سے افضل ہوگا، جب کہ ابن عبدالبرؒ کے ہاں بعد کے اہل علم و صلاح میں اس شخص سے افضل لوگ ہوسکتے ہیں۔بعض حضرات نے تطبیق کی صورت اپنائی ہے اور فرمایا، شرف صحبت میں تو اس کا کوئی ہمسر نہیں ہوسکتا اور یہ امتیاز و برتری اسے حاصل رہے گی، مگر دوسرے مناقب میں ان سے بہتر ہوسکتے ہیں، تاہم یہ درست ہے کہ شرف صحبت میں تو ہمسری ممکن نہیں، ہاں! یہ کہا جاسکتا ہے کہ کئی فضیلتوں کا شرف دوسرے اعمال سے بھی حاصل ہوسکتا ہے، جیسے فضیلت شہادت کا اجر، فضیلت حج کا اجر، فضیلت جہاد کا اجر وغیرہ اور صحابیت کا شرف کسی اور عمل سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس کے بعد کے زمانوں میں کوئی متبادل نہیں رہا، حافظ صاحب فرماتے ہیں، ومحصل النزاع يتمحض في من لم يحصل له الا مجرد المشاهدة كما تقدم. (فتح الباری، ص ۸ ج ۹)

**جمہور کی طرف سے ابن عبدالبر کے دلائل کا جواب:** رہا ابن عبدالبر کا مختلف احادیث سے استدلال جیسے: للعامل منهم أجر خمسين منكم وغیرہ۔ تو ان کا جواب یہ ہے کہ اجر کی کثرت سے کثرتِ فضیلت تو ثابت نہیں ہوتی اور اگر ثابت ہوتی بھی ہے تو زیادہ سے زیادہ اس عمل میں افضلیت ثابت ہوجائے گی اور ایک خاص عمل میں افضلیت، افضلیتِ مطلقہ کے لیے مستلزم نہیں ہے، خصوصاً شرف صحبت تو ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا مثل اور بدل نہیں ہے، لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو کتنے ہی اجور اور کتنی ہی فضیلتیں حاصل ہوں، وہ اس شرف (صحبت پانے) والے سے افضل نہیں ہوسکتا۔ باقی رہا روایت ابی جمعہ تو اس کے الفاظ پر راویوں کا اتفاق نہیں ہے، چنانچہ بعض روایتوں میں اس میں خیریت کا ذکر ہے، جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے اور بعض میں الفاظ یہ ہیں: قلنا يا رسول الله! هل من قوم أعظم منا أجرًا کیا اللہ کے رسولؐ! ہم سے اجر میں بڑے لوگ بھی ہیں؟ اور یہ ثانی الذکر روایت پہلی روایت سے زیادہ قوی السند ہے، تو اس سے بھی غیر صحابی کی صحابی سے افضلیت مطلقہ ثابت نہیں ہوسکتی، زیادہ سے زیادہ اجر میں بڑھا ہوا ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔ (کشف الباری)

**ثم ان بعدهم قوم يشهدون لوگ بغیر گواہی طلب کیے گواہیاں دیتے پھریں گے۔** علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت

سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ طلب سے پہلے گواہی دینا قابل مذمت ہے جب کہ ایک دوسری روایت میں ہے "خیر الشھود من یاتی بالشھادۃ قبل ان یسأل" (یعنی بہترین گواہ وہ شخص ہے جو سوال اور طلب سے پہلے ہی گواہی دے دے) تو ان دونوں روایتوں بظاہر تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بغیر طلب کے گواہی دینے میں جلدی کرنا اس وقت مذموم ہے، جب کہ گواہ کا علم ہو اور محمود اس وقت ہے جب صاحب حق کو گواہ کا علم نہیں، صاحب حق کو اس کا حق دلوانے کی غرض سے بغیر طلب کے گواہی دے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ مذموم وہ صورت ہے کہ جس میں گواہ گواہی کا اہل نہ ہو، یا جھوٹی گواہی دے، بعض حضرات نے کہا کہ بغیر طلب کے گواہی دینا ان معاملات میں مذموم ہے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور مدح ان معاملات میں ہے کہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، بعض حضرات کے نزدیک شہادت بمعنی قسم ہے کہ یہ لوگ بغیر قسم کے مطالبہ کے قسمیں کھائیں گے، جیسا کہ قسم کھانے کا عام رواج ہے، بات بات پر بلاوجہ قسم کھائی جاتی ہے، ویخونون ولا یؤتمنون دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ خیانت کریں گے ان کی دیانت وامانت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ صیغے جمع کے ذکر کرکے اس طرف اشارہ ہے کہ ان سے خیانتیں اس کثرت سے ظاہر ہوں گی کہ ان پر اعتماد بالکل ختم ہو جائے گا، برخلاف اس شخص کے کہ جس سے کبھی کوئی معمولی سی خیانت ظاہر ہو جائے، تو وہ اس خیانت کی وجہ سے قابلِ اعتماد ہونے سے نہیں نکلتا۔ وینذرون ولا یفون اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگ نذریں اور منتیں مانیں گے، لیکن ان کو پورا نہیں کریں گے، اور نہ ان کو ان کے چھوڑنے کی پرواہ ہوگی، جب کہ اس کے برعکس نیک لوگوں کی عادت اللہ جل شانہٗ یہ بیان فرماتے ہیں کہ "یوفون بالنذر ویخافون یومًا کان شرہ مستطیرًا"۔ ویظھر فیھم السمن یہ چوتھی صفت ہے کہ ان میں موٹاپا پیدا ہوگا، لفظ سمن سین اور میم کے فتحہ کے ساتھ بمعنی فربہی اور موٹاپا، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں فربہی سے مراد احوال کے اعتبار سے فربہی ہے، یعنی وہ لوگ تکبر کریں گے اور اپنے بارے میں ایسے فضل وشرف کا دعویٰ کریں گے جو ان میں موجود نہیں ہوگا، بعض نے کہا کہ اس سے مراد مال جمع کرنا اور تن پروری ہے۔ علامہ توربشتی فرماتے ہیں کہ سمن کنایہ ہے غفلت اور قلتِ اہتمام سے دین کے معاملات میں، اس لیے کہ اکثر وہ لوگ جن پر موٹاپا غالب ہوتا ہے، ان میں نفس کو مشکلات وریاضات میں ڈالنے کی عادت نہیں ہوتی، بلکہ یہ لوگ سونے اور حظ نفس کے زیادہ عادی ہوتے ہیں۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ علما کے نزدیک وہ موٹاپا مذموم ہے، جو بالقصد ہو اور جو خلقی اور طبعی موٹاپا ہے، وہ اس میں داخل نہیں ہے، اس سے اس روایت کی بھی وضاحت ہوگئی کہ جس میں ہے، "إن اللہ یبغض الحبر السمین" (اللہ تعالیٰ فربہ عالم کو ناپسند کرتے ہیں) تو یہاں السمین سے مراد وہ شخص ہے جو بالقصد موٹا ہو نہ کہ قدرتی طور پر فربہ مراد ہے۔ (جدید مظاہر حق)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۸۱۱ ﴿صحابہؓ کی تعظیم کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۱۲

عَنْ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْرِمُوْا اَصْحَابِيْ فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَظْهَرُ الْكِذْبُ حَتّٰى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَحْلِفُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ أَلَا مَنْ سَرَّهُ بُحْبُوحَةُ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْفَذِّ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمْ وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ إِلَّا إِبْرَاهِيْمَ بْنَ الْحَسَنِ الْخَثْعَمِيَّ فَإِنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ عَنْهُ الشَّيْخَانِ وَهُوَ ثِقَةٌ ثَبْتٌ.

**حوالہ:** صاحب کتاب نے صرف رَوَاهُ لکھا ہے حوالہ نہیں دیا۔ مرقات میں نسائی کا حوالہ ہے، سنن النسائی الکبریٰ، ص ۳۸۷-۳۸۸،

**حل لغات:** اَکْرِمُوْا امر حاضر اَکْرَمَ (افعال) اِکْرَامًا اکرام کرنا، عزت کرنا۔ خِیَارُ واحد خَیْرٌ زیادہ اچھا، زیادہ بہتر۔ سَرَّ (ن) سُرُوْرًا خوش کرنا۔ بُحْبُوحَۃٌ جمع بَحَابِیحُ ہرشی کا درمیانی حصہ۔ اَلْفَذُّ جمع اَفْذَاذ اکیلا، تنہا۔ لَا یَخْلُوَنَّ خَلَا (ن) خُلُوًّا وَخَلَاءً تنہا رہنا۔

**ترجمہ:** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کی عزت کرو؛ کیونکہ وہ تم میں بہتر ہیں، پھر ان کے ساتھ والے، پھر ان کے ساتھ والے، پھر جھوٹ غالب ہوجائیگا، یہاں تک کہ آدمی قسم کھائے گا اور اس سے قسم طلب نہیں کی جائے گی، اور گواہی دے گا، جب کہ گواہی اس سے طلب نہیں کی جائے گی، آگاہ ہوجاؤ جس کو جنت کے اندر درمیان میں رہنا خوش کرتا ہے، تو جماعت کو لازم پکڑے؛ کیوں کہ اکیلے کے ساتھ شیطان ہے، اور وہ دو سے بھی دور رہتا ہے، اور آدمی کسی عورت کے پاس تنہا نہ رہے؛ کیوں کہ تیسرا شیطان ہوگا، جس کو نیکی اچھی لگے اور برائی کو برا سمجھے وہ مومن ہے۔ (نسائی) (اور اس کی اسناد صحیح ہیں اور اس کے رجال بخاری والے ہیں سوائے ایک ابراہیم بن حسن خثعمی کے؛ کیوں کہ شیخین نے اس سے تخریج نہیں کی، لیکن وہ ثقہ ثبت ہے۔)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں چند باتیں مذکور ہیں (۱) تمام صحابہ کی دل میں عزت وعظمت ہونا چاہئے، کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی نہیں ہونا چاہئے؛ کیوں کہ ان کو نبی کی صحبت حاصل ہے، اور یہ اتنی اعلیٰ نسبت ہے جس کی وجہ سے تمام صحابہ بعد والوں سے افضل وبہتر ہیں۔ (۲) صحابہ کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کی دل میں قدر ومنزلت ہونا چاہئے، کہ یہ تینوں قرن وہ ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجموعی طور پر ان میں خیر غالب رہے گا اور شر مغلوب رہے گا۔ (۳) قرونِ ثلاثہ کے بعد جھوٹ کا عموم، بات بات میں قسم کھانے کا رواج، اور بے طلب گواہی کا عموم ہوجائے گا۔ (۴) جو صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے طریقہ سے الگ ہوگا، شیطان اس کو آسانی سے گمراہ کردے گا، لہٰذا جمہور کے ساتھ رہنا چاہئے، اہل سنت والجماعت کی اتباع کرنا چاہئے، تاکہ شیطان گمراہ نہ کرسکے۔ (۵) تنہائی میں نامحرم عورت سے ملاقات بالکل نہ کرے؛ کیوں کہ کتنا بڑا عابد اور زاہد شخص ہو، اگر وہ نامحرم عورت سے تنہائی میں ملاقات کرے گا، تو شیطان اس کو ورغلا کر گناہ کے دلدل میں غرق کردے گا۔ (۶) مومن کامل نیکی کرکے خوش ہوتا ہے، جب کہ گناہ سرزد ہونے پر دل سے غمگین ہوتا ہے، اور توبہ واستغفار کرتا ہے، جب کہ کافر ومنافق کے لیے نیکی وبدی سب برابر ہے؛ کیوں کہ ان کو قیامت کے دن اور اچھے برے اعمال پر جزاوسزا ہونے کا یقین نہیں ہوتا ہے۔

**کلماتِ حدیث کی تشریح** اکرموا اصحابی تمام صحابہ تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں، لہٰذا سب کی تعظیم وتکریم فرض ہے، کسی بھی صحابی کی تنقیص گناہ کبیرہ ہے، صحابہ کے آپسی اختلافات کو ذکر کرکے کسی ایک فریق یا شخص کو برا کہنا بھی ناجائز ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "اذا ذکر القدر فاسکتوا او ذکر اصحابی فاسکتوا (مسئلہ قدر اور صحابہ کو زیر بحث لانے سے اجتناب کرو) فانھم خیارکم سب کے سب صحابہ بلا استثناء بعد والے تمام لوگوں سے افضل ہیں، بعد والا کوئی شخص کسی صحابی سے افضل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل گذشتہ حدیث میں ہے دیکھ لیں۔ ثم الذین یلونھم تابعین کا دور مراد ہے۔ ثم الذین یلونھم تبع تابعین کا دور مراد ہے۔ ثم یظھر الکذب قرونِ ثلاثہ کے بعد گناہوں کا عام رواج ہوگا، گذشتہ حدیث دیکھیں۔ ان الرجل لیحلف ولا یستحلف ویشھد ولا یستشھد ان اجزاء کی تحقیق بھی گذشتہ حدیث میں گزر چکی ہے۔ فیلزم الجماعۃ اگر کوئی شخص بہترین اور عمدہ جنت چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اہل حق کے ساتھ وابستہ رہے، جماعت سے الگ ہونا ایمان کے لیے خطرہ ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "من فارق الجماعۃ شبرًا فقد خلع ربقۃ الاسلام جس نے جماعت سے بالشت بھر بھی جدائی اختیار کی، اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی کا پھندا اتار دیا۔ (ابوداود) فان الشیطان مع الفذ اہل حق کی جماعت کی

رائے سے الگ رائے قائم کرنے والے کے ساتھ شیطان لگ جاتا ہے، اور اس کو تباہ کر دیتا ہے، اس کو ایک موقع پر آپ نے یوں فرمایا: "إن الشيطان كذئب الغنم يأكل الشاة القاصية والناحية وإياكم الشعاب" بلاشبہ شیطان انسان کا ایسا ہی بھیڑیا ہے جیسا کہ بھیڑیا بکری کا، وہ ریوڑ سے الگ ہو جانے والی، دور ہو جانے والی، اور جدا ہو جانے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے، لہٰذا تم پہاڑ کے دروں سے بچو۔ (مسند احمد) وهو من الاثنين ابعد دو لوگ جو متحد ہوں شیطان ان سے دور رہتا ہے، اسی کو کہتے ہیں اکیلے سے دو بھلے۔ لا يخلون رجلٌ بامرأة اجنبی مرد و عورت تنہائی میں قطعاً یکجا نہ ہوں، ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا "اياكم الدخول على النساء (غیر محرم عورتوں سے تنہائی میں ہرگز ملاقات نہ کرو)؛ کیوں کہ اس میں بہت بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ فان الشيطان ثالثهم مرد و عورت تنہائی میں جمع ہوتے ہیں تو شیطان تیسرے فرد کی شکل میں موجود ہوتا ہے، یہ پورا زور لگا کر شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے، اور بظاہر گناہ سے رکنے کا کوئی خارجی سبب موجود نہیں ہوتا، لہٰذا بہت جلد گناہ وجود میں آ جاتا ہے، ومن سرتهٔ حسنته نیکی کر کے خوشی محسوس کرنا اس یقین کے ساتھ کہ اس پر ثواب ملے گا اور گناہ سرزد ہونے پر غمگین ہونا ایمان کی علامت ہے، ایک موقع پر صحابی نے آپؐ سے پوچھا ما الايمان؟ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اذا سرتك حسنتك وساء تك سيئتك فانت مومن (مسند احمد) ہر مسلمان اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اپنے اندر ایمان کی کیفیت پیدا کرے۔

## حدیث نمبر ۲۸۱۲ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۱۳

## ﴿صحابہؓ اور تابعین کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی﴾

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِي أَوْ رَأَى مَنْ رَآنِي. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۵ ج ۲، باب ما جاء في فضل من رأى النبي ﷺ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۵۸

**حل لغات:** لَا تَمَسُّ مَسَّ (س) مَسًّا چھونا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھ کو دیکھا ہو یا اس شخص کو دیکھا ہو جس نے مجھ کو دیکھا ہو۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں صحابہ و تابعین کے لیے بہت بڑی بشارت ہے کہ وہ جنتی ہیں، اس سے صحابہ و تابعین کی عظمت سمجھ میں آتی ہے، اس فضیلت میں تبع تابعین شامل نہیں ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لَا تَمَسُّ النَّارُ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی ہے کہ صحابہ اور تابعین کو جہنم کی آگ تک نہ چھوئے گی، بشرطیکہ ان کا انتقال ایمان کی حالت پر ہوا ہو، ویسے تو ہر مسلمان جس کا ایمان کی حالت میں انتقال ہو وہ انشاء اللہ جنت میں جائے گا، اگرچہ گناہوں کے بقدر کچھ دن عذاب جھیل کر ہی جائے، لیکن یہ جنتی ہونے کی مخصوص بشارت کہ دنیا میں ہی ان کا جنتی ہونا بیان فرما دیا جیسا کہ صحابہ و تابعین کے بارے میں عمومی بشارت دی ہے، اس طرح عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔ (جدید مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۸۱۳ ﴿صحابہؓ سے محبت نبیؐ سے محبت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۱۴

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِيْ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ أَنْ يَّأْخُذَهٗ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۵ج۲، باب فی فضل من بایع تحت الشجرة، کتاب المناقب، حدیث۳۸۶۲

**حل لغات:** لَا تَتَّخِذُوْهُمْ اِتَّخَذَ (افتعال) اِتِّخَاذًا بنانا۔ غَرَضًا جمع اَغْرَاضٌ نشانہ، مقصد۔ حُبٌّ محبت۔ بُغْضٌ دشمنی، نفرت۔ آذٰی (افعال) اِيْذَاءً تکلیف دینا۔ يَاْخُذُ اَخَذَ (ن) اَخْذًا پکڑنا، لینا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا، میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنالینا، جو ان سے محبت کرتا ہے تو مجھ سے محبت رکھنے کے باعث محبت کرتا ہے، اور جو ان سے عداوت رکھتا ہے، وہ مجھ سے عداوت رکھنے کے باعث عداوت رکھتا ہے، جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی، اور جس نے اللہ کو تکلیف دی، تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ جس نے صحابہ کرامؓ سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے محبت رکھی، اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ صحابی سے محبت رکھنا میری محبت کی علامت ہے۔ ان سے وہی شخص محبت رکھے گا جس کو میری محبت حاصل ہو، دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی صحابی سے محبت رکھتا ہے، تو میں اس سے محبت رکھتا ہوں اس طرح اس کی محبت صحابی کے ساتھ علامت اس کی سمجھو کہ مجھے اس شخص سے محبت ہے، یہی دو معنی اگلے جملے بغض صحابہ کے ہو سکتے ہیں کہ جو شخص کسی صحابی سے بغض رکھتا ہے وہ دراصل مجھ سے بغض رکھتا ہے، یا یہ کہ جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے تو میں اس شخص سے بغض رکھتا ہوں دونوں معنی میں سے جو بھی ہوں، یہ حدیث ان حضرات کی تنبیہ کے لیے کافی ہے جو صحابہ کرامؓ کو آزادانہ تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں، جن کو دیکھنے والا ان سے بدگمان ہو جائے، یا کم از کم ان کا اعتماد اس کے دل میں نہ رہے، غور کیا جائے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کے حکم میں ہے۔ (مقام صحابہؓ) اور صحابہؓ کو کسی طرح کی تکلیف پہنچانا، یہ نبی کے واسطے سے اللہ کو تکلیف پہنچانا ہے، اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ عذاب ضرور دیں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الله الله ای اتقوا الله اتقوا الله میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو، یعنی ان کے بارے میں ایسی بات نہ کہو جو ان کی عظمت کے خلاف ہو۔ غرضًا غرض نشانہ کو کہتے ہیں یعنی ان پر اعتراض کر کے ان کو نشانہ مت بناؤ۔ فببغضی ابغضهم یعنی پہلے میرے ساتھ بغض رکھتا ہے اس کا پرتو اور عکس اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ میرے صحابہ سے بغض رکھتا ہے تو صحابہ سے بغض رکھنا حضور اکرمؐ سے بغض رکھنے کا نتیجہ اور اثر ہے۔

### حدیث نمبر ۲۸۱٤ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٦٠١٥

## ﴿صحابہؓ امت کے حق میں مانند نمک ہیں کھانے میں﴾

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ أَصْحَابِيْ فِيْ أُمَّتِيْ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ لَا يَصْلُحُ الطَّعَامُ إِلَّا بِالْمِلْحِ قَالَ الْحَسَنُ فَقَدْ ذَهَبَ مِلْحُنَا فَكَيْفَ نَصْلُحُ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنة، ص۷۲-۷۳ج۱۴، باب فی فضل الصحابة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۳۸۶۳

**حل لغات:** اَلْمِلْحُ جمع اَمْلَاحٌ نمک۔ لَا يَصْلُحُ صَلُحَ (ك) صَلَاحًا درست ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اصحاب کھانے میں

نمک کے مانند ہیں، کھانا اس وقت تک خوش ذائقہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں نمک نہ ڈالا جائے۔ حسن بصریؒ نے یہ حدیث سن کر فرمایا کہ ہمارا نمک جاتا رہا پھر اپنے کھانے کو کس طرح خوش ذائقہ بنائیں۔ (شرح السنۃ)

**خلاصۂ حدیث** امت کے درمیان صحابہؓ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے، کھانا اس وقت تک اچھا اور خوش ذائقہ نہیں ہوتا، جب تک کہ اس میں نمک نہ ہو، حاصل یہ کہ امت کے درمیان صحابہؓ کا وجود امت کے بناؤ سنگار کا ضامن ہے، صحابہؓ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کے اقوال وافعال، ارشادات وہدایات، حالات وسانحات زندگی، اخلاق واوصاف امت کی رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قال الحسن فقد ذهب ملحنا حضرت حسن بصریؒ نے اس حدیث کو سن کر اپنا جو تاثر بیان کیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ امت کے درمیان صحابہؓ کا وجود چوں کہ امت کے بناؤ اور سنگار کا ضامن تھا، اس لیے اب جب کہ صحابہؓ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہم اچھے اور سنورے ہوئے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کے اس تاثر میں زبردست حسرت ہے اور انھوں نے اس حسرت کا اظہار اس حقیقت کے باوجود کیا کہ ان کے زمانہ میں کچھ صحابہؓ موجود تھے۔ واضح رہے کہ حضرت حسن کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے حضرت حسن بصریؒ کے اس حسرت آمیز قول کو نقل کرنے کے بعد بڑی عارفانہ بات کہی ہے کہ اگرچہ اس دنیا میں اور امت کے درمیان صحابہؓ موجود نہیں ہیں، لیکن ہم اچھے بن سکتے ہیں اور سنور سکتے ہیں، ان کے اقوال وارشادات سے، ان کی نقل کردہ روایتوں سے، ان کے بلند کردار وحالات کی روشنی سے اور ان کے اخلاق واوصاف کی پیروی سے؛ کیوں کہ اصل اعتبار تو ان ہی چیزوں کا ہے نہ کہ ذات واجسام کا۔ (مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۸۱۵ ﴿صحابہؓ کی قیادت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۱۶

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِيْ يَمُوْتُ بِأَرْضٍ إِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَنُوْرًا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَا يُبَلِّغُنِيْ أَحَدٌ فِيْ بَابِ حِفْظِ اللِّسَانِ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۵ ج ۲، باب کتاب المناقب، حدیث ۳۸۶۵

**حل لغات:** مَاتَ (ن) مَوْتًا مرنا۔ قَائِدًا قَادَ (ن) قَوْدًا قیادت کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن بریدہؓ نے اپنے والد ماجد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ میں سے جو بھی کسی سرزمین میں فوت ہوگا تو ان لوگوں کا قائد بنا کر اٹھایا جائے گا اور قیامت کے روز ان کے لیے نور ہوگا۔ روایت کیا ہے اسے ترمذی نے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث "لا يبلغني احد" باب حفظ اللسان میں بیان ہوئی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** صحابہ کرام نے ساری دنیا میں دین پہنچایا ہے، پس وہ انسانوں کے دینی قائد اور منارۂ نور ہیں، انکی یہ شان قیامت کے دن بھی جلوہ گر ہوگی، پس اپنے محسنوں پر کیچڑ اچھالنا کہاں کی عقلمندی ہے، اپنے ماں باپ کو کوئی برا نہیں کہتا جو صرف جسم کے وجود کا ذریعہ ہیں، پس صحابہ کو برا کہنا جو حیاتِ روحانی کے باعث ہیں کتنی بڑی احسان فراموشی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** ما من احد من اصحابي پہلا "من" زائدہ ہے، استغراق کی نفی کے لیے تاکید ہے اور دوسرا "من" بیانیہ ہے۔ قائدا جو صحابی جہاں فوت ہوئے ہوں گے، وہاں کی زمین والوں کو جنت میں کھینچ کرلے جائیں گے۔ ونورًا لهم یعنی ان کے حق میں صحابی ہادی ہوں گے۔ حدیث غریب اس کی سند میں ایک راوی عثمان بن ناجیہ

ہیں جوکہ مجہول ہیں۔ حدیث مسعود یہ حدیث ایسی ہے جس میں صحابہؓ کا ذکر ہے، صاحب مصابیح نے اس کو اس باب میں ذکر کیا ہے، لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو "باب فی حفظ اللسان" میں ذکر کیا ہے، یہاں ذکر نہیں کیا۔

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۲۸۱۶ ﴿صحابہ کا گستاخ موجب لعنت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۱۷

عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ أَصْحَابِيْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۵ ج ۲، باب کتاب المناقب، حدیث ۳۸۶۶

**حل لغات:** يَسُبُّوْنَ سَبَّ (ن) سَبًّا گالی دینا، برا کہنا۔ شَرٌّ جمع شُرُوْرٌ برائی۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو برا کہتے ہیں، تو تم ان سے کہو کہ خدا کی لعنت ہے اس پر، جو تم دونوں میں بدتر ہے۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث** ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے مقابلہ میں بدتر وہی ہے جو ان کو برا کہنے والا ہے، اس حدیث میں صحابی کو برا کہنے والا مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے، لفظ "سبّ" عربی زبان کے اعتبار سے صرف فحش گالی ہی کو نہیں کہتے، بلکہ ہر ایسا کام جس سے کسی کی تنقیص وتوہین یا دل آزاری ہوتی ہے وہ لفظ سبّ میں داخل ہے، لفظ سبّ کا ترجمہ اردو میں عموماً گالی دینا کیا جاتا ہے، جو اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں، کیوں کہ گالی کا لفظ اردو زبان میں فحش کلام کے لیے آتا ہے، حالاں کہ لفظ سب عربی زبان میں اس سے زیادہ عام ہے، گالی کے لیے ٹھیٹ لفظ عربی میں شتم آتا ہے۔ (مقام صحابہؓ)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا رأیتم صحابہ کو برا بھلا کہنا نہ صرف حرام بلکہ قابلِ تعزیر جرم ہے۔ ایمان والوں کو چاہئے کہ وہ گستاخِ صحابہ سے صاف کہیں لعنت اللّٰه علی شرکم ایسا کہنے سے لعنت گستاخِ صحابہ پر ہی لوٹے گی۔ مزید کے لیے عالمی حدث ۶۰۰۷ دیکھیں۔

### حدیث نمبر ۲۸۱۷ ﴿سارے صحابہؓ نجوم ہدایت ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۱۸

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَأَلْتُ رَبِّيْ عَنِ اخْتِلَافِ أَصْحَابِيْ مِنْ بَعْدِيْ فَأَوْحٰى إِلَيَّ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ أَصْحَابَكَ عِنْدِيْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَاءِ بَعْضُهَا أَقْوٰى مِنْ بَعْضٍ وَلِكُلٍّ نُوْرٌ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ فَهُوَ عِنْدِيْ عَلٰى هُدًى قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

**حوالہ:** رزین۔

**حل لغات:** إِخْتِلَافٌ اِخْتَلَفَ (افتعال) اِخْتِلَافًا اختلاف کرنا، نزاع کرنا۔ اَلنُّجُوْمُ واحد اَلنَّجْمُ ستارہ۔ اِقْتَدَيْتُمْ اِقْتَدٰى (افتعال) اِقْتِدَاءً اقتداء کرنا، پیچھے چلنا۔ اِهْتَدَيْتُمْ اِهْتَدٰى (اِفْتِعَال) اِهْتِدَاءً ہدایت پانا۔

**ترجمہ:** حضرت عمر ابن خطابؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنے صحابہ کے درمیان اختلاف کے بارے میں پوچھا جو میرے بعد واقع ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھ کو آگاہ کیا کہ اے محمد! حقیقت یہ ہے کہ تمہارے صحابہ میرے نزدیک ایسے ہیں، جیسے آسمان پر ستارے ہیں، ان ستاروں میں سے اگرچہ بعض زیادہ قوی یعنی

زیادہ روشن ہیں، لیکن نوران میں سے ہر ایک میں ہے، پس جس شخص نے ان کے اختلاف میں سے جس چیز کو بھی اختیار کرلیا، میرے نزدیک وہ ہدایت پر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔ (رزین)

**خلاصہ حدیث** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے آپس کے اختلاف کے بارے میں سخت تشویش تھی، تب ہی تو آپؐ نے رب تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کیا کہ اس کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ آپ کے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، کہ بعض ستاروں کا نور بعض سے تیز ہوتا ہے، اس سے بظاہر اختلاف نظر آتا ہے، لیکن نور سب میں ہے، لہٰذا آپس کی جنگوں کے باوجود صحابہ ہدایت کے مینار ہیں، ان کی یہ جنگیں بدنیتی پر مبنی نہیں ہیں، اجتہادی اختلاف ہے، جو معاف ہے، کوئی بغض وعداوت اور عناد نہیں ہے۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** **إن اصحابك عندي بمنزلة النجوم** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسمان میں ستاروں کی مانند ہیں، یعنی جس طرح ستاروں کے ذریعے انسان بر و بحر میں درست راستہ معلوم کرلیتا ہے، اور گمراہ ہونے سے بچ جاتا ہے، اسی طرح صحابہ کرام بھی راہِ حق کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں، ان کی اتباع کرنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا۔ **اصحابی کالنجوم** اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر صحابی علم وفقہ کا اپنے مرتبہ کے مطابق نور رکھتا ہے اور کوئی صحابیؓ بھی اس معنی سے خالی نہیں کہ بالضرور ہر ایک کے پاس دین وشریعت کا علم ہے، اگرچہ مراتب میں تفاوت ہے۔ (جدید مظاہر حق)

**مشاجرات صحابہؓ کے معاملہ میں امت کا عقیدہ اور عمل:** لفظ مشاجرہ شجر سے مشتق ہے جس کے اصل معنی تنے دار درخت کے ہیں، جس کی شاخیں اطراف میں پھیلتی ہیں، باہمی اختلافات ونزاع کو اس مناسبت سے مشاجرہ کہا جاتا ہے کہ درخت کی شاخیں بھی ایک دوسرے ٹکراتی اور ایک دوسرے کی طرف بڑھتی ہیں، حضراتِ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو اختلافات پیش آئے، اور کھلی جنگوں تک نوبت پہنچ گئی، علماءِ امت نے ان کی باہمی حروب اور اختلافات کو جنگ وجدال سے تعبیر نہیں کیا، بلکہ ازروئے ادب مشاجرہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے؟ کیوں کہ درخت کی شاخوں کا ایک دوسرے میں گھس جانا اور ٹکرانا مجموعی حیثیت سے کوئی عیب نہیں، بلکہ درخت کی زینت اور کمال ہے۔

**ایک سوال اور جواب:** اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا درجہ اور مقام جو اوپر قرآن وسنت کے نصوص اور اجماع امت اور اکابرِ علماء کی تصریحات سے ثابت ہوچکا ہے، اس کے بعد ایک قدرتی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرام سب کے سب واجب التعظیم اور عدل وثقہ، متقی و پرہیزگار ہیں، تو اگر ان کا آپس میں کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آئے، تو ہمارے لیے طریق کار کیا ہونا چاہیے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ دو متضاد اقوال میں دونوں کو صحیح سمجھ کر دونوں ہی کو معمول نہیں بنایا جاسکتا، عمل کرنے کے لیے کسی ایک کو اختیار کرنا، اور دوسرے کو چھوڑنا لازم ہے، تو اس ترک واختیار کا معیار کیا ہونا چاہیے، نیز اس میں دونوں طرف کے بزرگوں کا ادب واحترام اور تعظیم کیسے قائم رہے گی، جب کہ ایک کے قول کو مرجوح قرار دے کر چھوڑا جائے گا، خصوصاً یہ سوال ان معاملات میں زیادہ سنگین ہوجاتا ہے، جن میں ان حضرات کا اختلاف باہمی جنگ وخونریزی تک پہنچ گیا، ان میں سے ظاہر ہے کہ کوئی ایک فریق حق پر ہے، دوسرا خطا پر، اس خطا وثواب کے مقابلے کو طے کرنا عمل وعقیدہ کے لیے ضروری ہے، مگر اس صورت میں دونوں فریق کی یکساں تعظیم واحترام کیسے رکھا جاسکتا ہے؟ جس کو خطا پر قرار دیا جائے اس کی تنقیص ایک لازمی امر ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطا یا مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازم ہے، اسلاف امت نے ان دونوں کاموں کو اس

طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لیے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا، لیکن جس کے قول کو ترک کیا ہے، اس کی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا، جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو، خصوصاً مشاجرات صحابہؓ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب ہے اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے، ان کا مقابلہ کرنے والے خطا پر، اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب خطا پر، البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطا قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو، بلکہ اصولِ اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطا ہوگئی تو ایسی خطا کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوئے، ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے باجماع امت، ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس اختلاف کو بھی اس طرح کا اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے، جس سے کسی فریق کے حضرات کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں، اس طرح ایک طرف خطا و ثواب کو بھی واضح کر دیا گیا، دوسری طرف صحابہ کرامؓ کے مقام اور درجہ کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا، اور مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں کفِ لسان اور سکوت کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی کہ بلاوجہ ان روایات و حکایات میں خوض کرنا جائز نہیں، جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے متعلق نقل کی گئی ہیں۔

## باب مناقب ابی بکر

**سیدنا صدیق اکبرؓ کے مناقب کا بیان:** اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۱۶/احادیث نقل فرمائی ہیں، جن میں حضرت ابوبکرؓ کے ہزارہا فضائل و مناقب میں سے چند کا ذکر ہے، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ خلیفہ بلافصل ہیں، صدیق اکبرؓ امت میں سب سے افضل اور حضورؐ کے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ قیامت کے دن امت میں سب سے پہلے صدیق اکبرؓ قبر سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے جنت میں جائیں گے، صدیق نے راہ خدا میں اپنا سارا مال لگا دیا، دین اسلام کو جو نفع صدیق کے مال سے ہوا کسی کے مال سے نہیں ہوا، اور صدیق کا جو احسان ہے کسی کا نہیں، اس کے علاوہ بھی بعض خصوصیات و فضائل کا ذکر ہے۔

**ولادت:** آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دو سال کچھ مہینے کے بعد ۵۷۳ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ جاہلیت کا نام عبدالکعبہ اور اسلامی نام عبداللہ ہے، والد کا نام عثمان ہے جو کہ ابوقحافہ سے مشہور تھے، کنیت آپؓ کی ابوبکرؓ۔ عتیق اور صدیق لقب ہے۔ معراج کی صبح ابوجہل حضورؐ کی اس خبر معراج کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اتنے میں صدیق اکبرؓ دکھائی پڑے، اس نے آپ سے کہا کہ بتاؤ اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے راتوں رات ساتوں آسمانوں کا سفر طے کیا، جنت دیکھی دوزخ دیکھی.....تو اس شخص کو کیا کہو گے؟ آپ نے فرمایا جھوٹا یا پاگل، ابوجہل بہت خوش ہوا اور کہا یہ خبر تمہارے نبی محمدؐ نے اڑائی ہے، آپؓ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے کہا تو سچ ہے۔ حضورؐ نے جب یہ سنا تو آپؐ نے صدیق کا باوقار لقب مرحمت فرمایا۔ حضورؐ ہی نے عتیق کا لقب بھی مرحمت فرمایا۔ سرکار دو عالمؐ سے بچپن ہی سے بہت محبت تھی، آپؓ نے کبھی بت پرستی، شراب نوشی نہیں کی، حضورؐ کے اعلان نبوت کرنے کے بعد بغیر معجزہ طلب کیے ہوئے سب سے پہلے ایمان لائے اور پوری زندگی آپ کا ساتھ دیا اور حق رفاقت ادا کر دیا، جانی و مالی ہر طرح کی قربانیوں میں آپ سب سے آگے رہتے، جس وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے اسلام قبول کیا اس وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم نقد اور اس کے، اوہ مال تجارت تھا، جو سب کا سب بعد میں انہوں نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں خرچ کر دیا۔ (ہمارے اسلاف، ص ۱۳)

**ہجرت:** مدینہ منورہ میں اسلام پھیل جانے کے بعد دوسرے صحابہ کی طرح آپ نے بھی وہاں کا قصد کیا، لیکن بارگاہِ نبوت سے حکم ملا کہ ابھی جلدی نہ کرو، مجھے بھی عنقریب ہجرت کا حکم ہوگا، تم میرے ساتھ چلنا، چنانچہ ہجرت کے سفر میں ابوبکرؓ ہی حضورؐ کے ساتھ تھے اور غار

ثور سے قبا تک ہر جگہ تاریخ میں آپ کی جانثاری کے واقعات ملتے ہیں، مکہ کے برعکس مدینے میں اسلام آزاد تھا، اس لیے حضورؐ نے دینی تعلیم و تربیت اور دنیا کی امامت و قیادت کے لیے اللہ کے گھر کی تعمیر ضروری سمجھی، اس سلسلے میں جو زمین خریدی گئی اس کی قیمت بھی حضرت ابوبکرؓ ہی نے ادا کی، حارثہ ابن زبیر سے آپؓ کی مواخاۃ قائم ہوئی، مکی دعوت کی طرح مدنی جہاد میں بھی وہ حضورؐ کے ساتھ رہے، اور تقریباً ہر غزوے ہی میں آپ نے شرکت کی اور تبوک کے موقع پر تو گھر کا سارا اثاثہ لاکر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا، اس لیے حضورؐ نے اپنی آخری تقریر میں فرمایا تھا کہ ابوبکرؓ کے مال سے مجھے جتنا فیض پہنچا ہے، اُتنا کسی کی دولت سے نہیں پہنچا۔ ۹ ہجری میں جب حضورؐ نے صحابہ کو حج کے لیے روانہ فرمایا، تو ان کا امیر ابوبکرؓ ہی کو مقرر کیا، اس طرح مرض الوفات میں بھی وہ مسجد نبوی کے امام رہے۔

**خلافت:** وفات نبوت کے بعد ثقیفہ بنوساعدہ میں خلافت کے بابت جو اختلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا، اسے بھی ختم کرنے میں بلاشبہ صدیقی حکمت و تدبر کو دخل تھا، آپ ایک منفرد شان رکھتے تھے، اس لیے صحابہ نے بالاتفاق آپ کو خلیفہ بنایا، جس وقت حضرت ابوبکرؓ خلافت کی عظیم منصب پر فائز ہوئے ہیں، وہ بڑا خطرناک اور بھیانک وقت تھا، ایک طرف مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے، تو دوسری طرف منکرین زکوٰۃ نے ایک بحران کھڑا کر دیا تھا، جب کہ تیسری طرف ارتداد کی لہر نے پورے عرب میں بغاوت کی آگ لگادی تھی، صدیق اکبرؓ نے نہایت اولوالعزمی کے ساتھ ان طوفانوں کا مقابلہ کیا، حضرت اسامہؓ کی فوجی مہم کو روانہ فرمایا، سجاح، طلحہ، اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کا قلع قمع کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا، مرتدین کی خبر لینے کے لیے حضرت علاء ابن حضرمیؓ روانہ ہوئے، اور منکرین زکوٰۃ کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آئے، نتیجتاً چند ہی مہینوں میں فضا بدل گئی ارتداد کا قصہ پاک ہوا، انکارِ زکوٰۃ کا فتنہ دب گیا، جھوٹی نبوت کا قلع قمع ہو گیا اور حالات پھر اسی ڈگر پر آگئے، جیسا کہ حضورؐ کے زمانے میں تھے، اندرونی انتشار کو ختم کرنے کے بعد صدیق اکبرؓ نے بیرونی فتوحات پر توجہ دی، جہاد کا طویل سلسلہ شروع ہوا، روم و ایران پر فوج کشی کی گئی اور بہت سارے علاقے اسلامی قلمرو میں داخل ہوئے۔ جنگ یمامہ میں حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہو جانے کے بعد آپ کو قرآن کی حفاظت کی فکر ہوئی، صحابہ کے مشورے سے آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ اسے ایک صحیفے میں جمع فرما دیا، اس طرح ملک کی نظم و نسق میں نئے اضافے کئے، تعزیر و حدود کی تعین کی، بیت المال کی عمارت تعمیر کرائی، افتاء کا شعبہ قائم کیا، مجاہدین کی اخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ دی، جنگی سامان کی فراہمی ہوئی، آپ کے فضائل و منقبت اور دینی خدمات کا شمار مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، حدیث کی کتابوں میں آپ کی بابت بے شمار روایات موجود ہیں، صدیق اکبرؓ کو شعر و ادب کا ذوق بھی تھا، خطابت کے شہسوار تھے، نسب دانی میں مرجع شمار کئے جاتے تھے، اور تفسیر و حدیث اور فقہ و اجتہاد میں انکا مقام بلاشبہ سب سے بلند تھا۔

**وفات:** ۲۱ یا ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ دوشنبہ کی رات کو آپ کا وصال ہوا اس وقت عمر تریسٹھ سال تھی، حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے آپ کو غسل دیا، حضرت عمرؓ نے نماز پڑھائی، حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور خلیفہ دوم نے حضورؐ کے پہلو میں آخری آرام گاہ تک پہنچایا، انہوں نے چار شادیاں کیں پہلی بیوی قتیلہ یا قتلہ ہیں، ان سے عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے، دوسری ام رومان ہیں، یہ حضرت عائشہؓ اور عبدالرحمٰن کی ماں تھی، تیسری اسماء بنت عمیس ہیں، محمد بن ابی بکر ان ہی کے بیٹے ہیں، اور چوتھی حبیبہ بنت خارجہ تھیں، جو حضرت ابوبکرؓ کی سب سے چھوٹی بیٹی ام کلثوم کی ماں ہیں۔ (ضیاء السنن)

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۲۸۱۸ ﴿صدیق اکبرؓ کا مرتبہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۱۹**

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ أَبُوْبَكْرٍ وَعِنْدَ الْبُخَارِيِّ أَبَا بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ

وَمَوَدَّتُهُ لَا تُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةُ أَبِي بَكْرٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّي لَا تَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۵۲ ج۱، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب مناقب الانصار، حدیث۳۹۰۴، مسلم، ص۲۷۲ج۲، باب من فضائل ابی بکر الصدیق، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۲۳۸۲

**حل لغات:** امنّ ، اسم تفضیل، منّ (ن) منا، احسان کرنا۔ صُحبۃً ساتھ، دوستی، تعلق۔ متخذًا، اتخذ (افتعال) اتخاذا بنانا، کرنا۔ خلیلا (ج) اخلاء گہرا دوست۔ اُخُوَّۃٌ بھائی چارگی۔ مودۃٌ محبت، تعلق، دوستی۔ لا تبقین فعل نہی مجہول بقي (س) بقاءً باقی رہنا۔ خوخۃٌ روشن دان، بڑے پھاٹک کے اندر چھوٹا دروازہ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صحبت اور مال کے ساتھ سب لوگوں سے بڑھ کر مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکر ہیں، بخاری کے نزدیک لفظ ابا بکر ہے، اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا، لیکن ان سے اسلامی اخوت و مودت ہے، اور مسجد میں ابوبکر کے سوا کسی کی کھڑکی باقی نہ چھوڑی جائے، دوسری روایت میں ہے کہ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا۔ (بخاری ومسلم)



**خلاصۂ حدیث** ترمذی شریف میں حضرت ابوبکرؓ کی روایت میں یہ مضمون زیادہ واضح ہے کہ میرے اوپر جتنے لوگوں کے احسانات تھے میں ان کا بدلہ دے چکا ہوں، علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے، اس لیے کہ ان کا احسان باقی ہے، اور اس کا بدلہ قیامت کے دن پروردگار ہی عطا فرمائے گا، اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل یعنی دل کی گہرائیوں سے اپنا دوست بناتا، تو ابوبکرؓ اس کے مستحق تھے، لیکن خلت خاص پیغمبر علیہ السلام کے دل میں صرف اللہ کے لیے ہے اور جب خلت کا معاملہ خداوند کریم سے ہے، تو کسی دوسرے کی گنجائش نہیں، لیکن دوسرا درجہ اخوتِ اسلامی اور مودتِ اسلامی کا ہے اور اس میں صدیق اکبرؓ سب سے اعلیٰ و افضل ہیں، ان کے برابر نہ کسی کی مودت ہے اور نہ اخوت، ان الفاظ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جو منقبت ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ پوری امت میں ان کے درجہ کا کوئی نہیں ہے، حضرت ابوبکرؓ کے احسان کی قدر افزائی کے بعد آپؐ نے مسجد میں آنے کے لیے صحابہؓ کے گھروں سے جتنی کھڑکیاں یا دروازے کھلے ہوئے تھے، اب سب کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب دروازے بند کر دیئے جائیں اور صرف ایک حضرت ابوبکرؓ کی کھڑکی کو کھلا رہنے دیا جائے، کیونکہ انہیں پیغمبر علیہ السلام کی جانشینی کے سبب مسجد میں آنے جانے کی ضرورت ہوگی، اور اس خصوصیت میں دوسروں کی شرکت سے حقیقت حال واضح نہ ہو سکے گی، اس لیے ابوبکرؓ کی کھڑکی کے علاوہ تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان من امن الناس علی فی صحبته وماله لوگوں میں ابوبکرؓ کا احسان مال اور صحبت کے لحاظ سے مجھ پر سب سے زیادہ ہے۔ اَمَنّ کی بات یہ ہے کہ المنُّ سے ہے، المنّۃ سے نہیں، المنّ بدون الثناء کا معنی ہے، عطا اور بذل (خرچ) اور احسان جب کہ المنۃ کا معنی ہے احسان جتانا جو کہ افساد الصنیعة یعنی احسان کو ضائع اور خراب کر دینا ہے، احسان کرنا کمال اور احسان جتانا عیب ہے، سیدنا ابوبکرؓ رسول اللہؐ پر احسان جتانے والے نہ تھے، بلکہ رسول اللہؐ پر احسانات کرنے والے تھے، اور ایسے احسانات آپؐ کے ساتھ کر گئے ہیں جس کی مثال نہیں ملتی اور انہیں احسانات کی وجہ سے ان کا مقام اتنا بلند ہوا کہ کوئی اس کی ہم سری نہ کر سکا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے داودی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں یہ منّۃ سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی کا رسولؐ پر احسان جتانے کا حق بنتا اور کوئی اگر آپؐ پر احسان جتانا چاہتا، تو یہ ابوبکرؓ ہوتے، حافظؒ نے اس توجیہ کو

غریب قرار دیا ہے اور پہلی توجیہ یعنی مَنٌّ بمعنی عطا سے قرار دینے کو راجح کہا ہے۔ (فتح الباری، ص ۱۴-۱۵ ج ۹)

**سوال:** آپ ﷺ نے کن احسانوں کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو سب سے بڑا محسن قرار دیا ہے؟

**جواب:** بعض روایات میں اس تفصیل کا ذکر ہے مثلاً ایک روایت کے الفاظ ہیں: منة اعتق بلالا و منة هاجر بنبيه، ایک احسان بلال کو آزاد کرنے کا، اور ایک اللہ کے رسول کے ساتھ ہجرت کا ہے، ایک اور روایت میں ہے ما احد اعظم عندي يدامن ابي بكر واساني بنفسه وماله وانكحني ابنته یعنی مجھ پر ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں کہ انہوں نے اپنی جان و مال سے میرے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کیا، اور اپنی بیٹی مجھے نکاح میں دی، اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں، حضرت انسؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ان اعظم الناس علينا منًّا ابوبكر زوجني ابنته وواساني بنفسه وان خير المسلمين مالا ابوبكر اعتق منه بلالا وحملني الىٰ دار الهجرة، یعنی ابوبکرؓ ہی لوگوں میں ہم پر سب سے بڑے احسان کرنے والے ہیں، کہ انہوں نے مجھے اپنی بیٹی نکاح میں دی، اور جان و مال سے میرے ساتھ ہمدردی کی، اور مسلمانوں میں سب سے بہتر مال ابوبکر کا ہے، کہ انہوں نے اس مال سے بلال کو آزاد کیا، اور مجھے دار الھجرۃ (یعنی مدینہ منورہ) لے کر آئے، بعض روایات میں اس مال کی مقدار بھی بتائی گئی ہے جو انہوں نے رسول ﷺ پر خرچ کیا، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے انفق ابو بكر علي النبي صلى الله عليه وسلم اربعين الف درهم، یعنی ابوبکرؓ نے نبی کریم ﷺ پر چالیس ہزار درہم خرچ کیے، ولو كنت متخذا خليلا لاتخذت ابابكر خليلاً، یہاں اس حدیث کے دو جملے ہیں پہلے جملے میں جو شرط حرف لَو کے ساتھ لایا گیا ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خلیل کسی کو نہیں بنایا، خلیل بنائے جانے کی نفی ہے، اس میں ایک بات تو یہ قابل لحاظ ہے کہ اس سے مراد نفی الخليل من الناس ہے جیسا کہ متعدد روایات میں اس کی تصریح بھی ہے، مثلاً ایک روایت ہے اس میں غير ربي کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ (فتح الباری، ص ۲۶ ج ۹)

**تعارض:** حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے اس میں وہ فرماتے ہیں میرا جو رسول ﷺ کے ساتھ ملاقات کا قریب ترین زمانہ ہے، وہ آپ ﷺ کے وصال سے پانچ روز قبل کا زمانہ ہے، میں آپ علیہ السلام کے پاس گیا جب کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے، ہر نبی نے اپنی امت میں سے ایک خلیل بنایا ہے اور میرے خلیل ابوبکرؓ ہیں اور سنو اللہ تعالیٰ نے ہمیں خلیل بنایا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، یہ روایت حدیث باب کے معارض ہے، کیوں کہ اس میں خلت غير الله کا اثبات ہے اور حدیث باب میں اس کی نفی ہے۔ (عمدۃ القاری، ص ۲۴۷ ج ۱۶)

**دفع تعارض:** مذکورہ روایت حدیث باب کے معارض نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ صحیح کی روایت ہے، جو روایت غیر صحاح کے مقابلے میں اقوی ہے اور پھر مسلم کی ایک روایت بھی اس روایت ابی بن کعب سے معارض ہے، اس کے الفاظ ہیں، "انی ابرا ای الله تعالىٰ ان يكون لي منكم خليلًا" میں اللہ کے لیے اس بات سے برأت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو، یہ جندب کی روایت ہے اور ان کے بھی یہ الفاظ ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی وفات سے پانچ دن قبل یہ سنا ہے، البتہ اگر یہ کہا جائے کہ روایت ابی بن کعب صحیح ہو، تو پھر اس میں اور حدیث باب میں یا اس مضمون کی دوسری احادیث میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ علامہ عینی فرماتے ہیں دونوں روایتوں میں تطبیق اور عدم منافات کی صورت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تو از راہ انکسار اور تو اضعا للہ کسی بھی انسان کو خلیل بنانے سے برأت کا اظہار کیا، مگر پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب آپ کا خلیل بنانے کا شوق دیکھا تو آپ کو اس کی اجازت دے دی اور اس سے حضرت ابوبکرؓ کا اکرام اور اعزاز بھی مطلوب تھا۔ (عمدۃ القاری، ص ۲۴۷ ج ۱۶)

**سوال:** خلیل ہونے کا کیا معنی و مطلب ہے؟

**جواب:** خلیل اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو تیرے ساتھ موافقت کرے تیری خصلتوں میں اور تیرے طریقے پر تیرے ساتھ چلے، یا پھر

خلیل وہ ہے جو تیری کمی اور خلاء کو پُر کرے اور تم اس کی کمی کو پُر کرو اور یا خلیل وہ ہے جو تیرے ساتھ تیرے گھر کے اندر تک جائے اور ظاہر ہے، تمام چیزیں قربِ تعلق اور حد درجہ باہمی مناسبت و موافقت کی علامتیں ہیں، اور زمخشری نے ان تمام وجوہ کو وجوہ اشتقاق بنانے کو جائز قرار دیا ہے، اس سلسلے میں دوسرے بھی متعدد اقوال ہیں، ایک اور قول اس حوالہ سے یہ ہے کہ خلت کا اصل معنی ہے انقطاع الخلیل الیٰ خلیله ایک دوست کا دوست کے لیے دوسروں سے کٹ جانا یا علیحدہ ہو جانا، دوسرا قول ہے الخلیل من یتخللہ سرّك خلیل وہ ہے جس کے پاس آپ کے راز ہوں ایک اور قول ہے من لا یسع قلبه غیرك جس کے دل میں تیرے سوا کسی کی وسعت اور گنجائش نہ ہو، ایک قول یہ ہے کہ خلت کا اصل معنی استصفاء ہے یعنی کسی کو صفی بنانا یا خلیل کا معنی المختص بالمودۃ جس کو محبت ومودت کے لیے خاص کیا جائے، ایک اور قول یہ ہے کہ خلیل کا اشتقاق اصل میں خلّة بفتح الخاء سے جس کے معنی ہیں، حاجت وضرورت، تو اس طرح آدمی کا خلیل وہ ہوگا جس کے لیے اسے حاجت وضرورت ہو اور احتیاج میں جس کی طرف وہ رجوع کرے، لیکن یہ اس صورت میں ہوگا جب انسان، انسان کا خلیل ہو اور جب انسان اللہ کا خلیل ہو خلّة الله کا معنی ہوگا "نصرة الله وعون الله" یعنی اللہ کی مدد و نصرت۔ (فتح الباری، ص ۱۷ ج ۹) اخوۃ الاسلام ومودته ابوبکرؓ سے خلت کا تو نہیں لیکن اخوت ومحبت کا رشتہ ہے۔

**سوال:** اخوت اور مودت اسلام کی فضیلت تو سبھی صحابہؓ کو حاصل ہے اور وہ سب اس میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ شریک ہیں، پھر یہ ابوبکرؓ کا کوئی امتیازی وصف تو نہ رہا بلکہ سبھی صحابہ کو رسول اللہؐ سے اخوت کا رشتہ ہے؟

**جواب:** حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دوسرے صحابہ اخوت اسلام میں شریک تو ہیں، مگر ان سب کے مقابلے میں جو فضیلت اور ترجیح حضرت صدیقؓ کو حاصل ہے، وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں اور کئی دلائل وشواہد سے روز روشن کی طرح ثابت ہے، یہی ان کا امتیاز ہے، یعنی اخوت ومودت اسلام میں صحابہ کے درمیان تفاوت (یعنی مراتب کا فرق) ہے کہ کسی نے دین اسلام کی مدد ونصرت اعلاء کلمۃ الحق اور تحصیل ثواب میں زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کسی کو اس کا کم موقعہ ملا اور ابوبکرؓ کا حصہ اس حوالے سے بہت بڑا ہے، سو ان کا مرتبہ اخوت بھی بڑا ہے۔ (فتح الباری، ص ۱۸ ج ۷)

**سوال:** اخوت افضل ہے یا خلت۔

**جواب:** بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اخوت، خلت سے افضل ہے۔ طبرانی کی روایت ہے: ولکن اخوۃ الایمان والاسلام افضل (۱۹۱ ج ۱۱) اخوت ایمان واسلام افضل ہے، اسی طرح ابویعلیٰ کی روایت ہے "ولکن اخوۃ الاسلام افضل"

(مسند ابی یعلی، ص ۴۵۷ ج ۴)

**اشکال:** اخوت کیسے بہتر ہو سکتی ہے؟ بہتر تو خلت ہے کیوں کہ وہ اخوت اسلام کو بھی شامل ہے، اور اس کے ساتھ ایک زائد شی کو بھی، پھر آپؐ کا فرمان "غیر ربی" اگر میں اپنے رب کے علاوہ خلیل بنانے والا ہوتا، صاف بتا رہا ہے کہ خلت کا درجہ بڑھا ہوا ہے، کیوں کہ آپؐ کی خلت صرف اللہ سے ہے، جب کہ محبت ومودت کا تعلق بندوں سے بھی ہو سکتا ہے، جب بات یوں ہے تو اخوت کو افضل کیسے قرار دیا؟

**جواب:** اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ "افضل" سے مراد یہ نہیں کہ اخوت خلت سے بہتر ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ رسول اللہ کی اخوت ومودت کسی بھی دوسرے شخص کی اخوت ومودت سے بہتر ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ افضل بمعنی فاضل ہے یعنی آپؐ کی اخوت ومودت بہترین چیز ہے، یعنی تفضیل کا معنی اس میں نہیں ہوگا صرف فضیلت کا ذکر مقصود ہے۔ (فتح الباری، ص ۱۶ ج ۹)

**اشکال:** خلت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی تھا جب کہ محمدؐ سے اللہ کا تعلقِ محبت تھا، حالاں کہ محمدؐ درجہ میں تمام انبیاء ورسل سے افضل تھے تو پتہ چلا محبت خلت سے بڑھ کر ہے۔

**جواب:** ٹھیک ہے کہ محمدؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت ثابت ہے، مگر اس کے ساتھ آپؐ کے لیے خلت بھی ثابت ہے اور جب آپ خلت و محبت کے جامع ہیں تو آپؐ کی فضیلت کی بناپر درجۂ محبت کا مرتبہ خلت سے کیوں کر بڑھا مانا جائے؟

**لا تبقین خوخة الا خوخة ابی بکر** آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے مسجد نبوی میں کھلنے والے دروازہ یا کھڑکی کے علاوہ سب کے دروازے اور روشن دان بند کرادیئے، یہ حضرت ابوبکرؓ کی واضح خصوصیت ہے، اور اس سے استحقاق خلافت کی طرف اشارہ مقصود تھا، خوخہ کہا جاتا ہے کھڑکی، روشن دان اور اس روزن کو جس سے آدمی دیوار سے آر پار آتا جاتا ہے، جب کہ وہ دروازہ نہیں ہوتا، اس سے چھوٹا اور کافی مختلف ہوتا ہے، عموماً یہ روشن دان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور اس سے روشنی کی آمد مقصود ہوتی ہے، اور اس بنا پر یہ عموماً اوپر ہی ہوتا ہے، مگر یہ خوخہ کے لیے شرط نہیں ہے کہ وہ اوپر ہی ہوگا، بلکہ خوخہ نیچے بھی ہوسکتا ہے، جو عموماً راستہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور یہاں یہ دوسرا معنی ہی مراد ہے، اسی لیے اس پر باب کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ باب کا اطلاق اس پر جب صحیح ہوگا کہ اس کو مغلق (بند) کرنا ممکن ہو۔ (فتح الباری، ص ۷، ج ۹)

**اشکال:** حضرت ابوبکرؓ کا گھر تو عوالی میں تھا پھر یہ کیسے کہا جارہا ہے کہ انکی کھڑکی کھلی رکھی گئی، اور اس سے خلافت کا اثبات پھر کیوں کر صحیح ہوگا؟

**جواب:** حضرت ابوبکرؓ کا اگر عوالیٔ مدینہ میں گھر تھا، تو اس سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کا مکان مسجد سے متصل نہ تھا، بیشک ان کا وہاں بھی گھر تھا اور ادھر مسجد سے متصل بھی، عوالی کا ان کا گھر دراصل ان کے سسرال کا تھا، جو انصار میں سے تھے اور آپ کی حضرت امّ رومان کے علاوہ ایک بیوی تھیں اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

**سوال:** کیا آپؐ نے حضرت علیؓ کے لیے بھی مسجد میں دروازہ کھلے رکھنے کا حکم دیا تھا؟

**جواب:** یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ مسجد میں دروازہ باقی رہنے کی یہ فضیلت حضرت علیؓ کے بارے میں بھی منقول ہے، آپؐ نے حضرت علیؓ کے دروازے کے علاوہ تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا، ارشاد ہے، **سدوا ابواب المسجد غیر باب علی** (مسند احمد، ص ۳۳۱، ج ۱) مسجد کے تمام دروازے علیؓ کے دروازے کے علاوہ بند کردیئے جائیں، بلکہ حضرت علیؓ کے مسجد کے احکام میں سے ایک خصوصیت بھی منقول ہے کہ انہیں جنابت کی حالت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت تھی، ارشاد ہے، **یا علی لا یحل لاحد ان یجنب فی هذا المسجد غیری و غیرك**، اے علی! اس مسجد نبوی میں جنابت کی حالت میں میرے اور تمہارے علاوہ کسی کا گزرنا جائز نہیں ہے۔ (ترمذی شریف، ص ۲۱۴، ج ۲) حضرت علیؓ کے لیے بحالت جنابت مسجد نبوی سے گزر کر جانے کی اباحت اسی مجبوری کی بنیاد پر تھی کہ ان کے گھر کا دروازہ مسجد نبوی میں کھلتا تھا ترمذی شریف میں بھی حضرت علیؓ کے دروازے کے علاوہ تمام دروازوں کو بند کردینے کی روایت ہے، **امر بسد الابواب الا باب علی**، (ترمذی، ص ۲۱۴، ج ۲) لیکن ابن جوزی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ روافض نے حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت میں آنے والی روایت سے معارضہ کے لیے اس کو وضع کیا ہے، لیکن اس معاملے میں ابن جوزی کا تشدد اہل علم کے درمیان مشہور ہے، اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت پر کلام کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ حضرت علیؓ کی منقبت میں وارد روایت متعدد طرق سے ثابت ہے اور ان سندوں میں کچھ سندیں درجہ حسن کی بھی ہیں، اس لیے اس کو موضوع قرار دینا درست نہیں، رہا روایت کا تعارض تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک وقت کی بات نہیں ہے. دوبارا الگ الگ اوقات میں دروازے بند کرنے کے واقعات پیش آئے ہیں، حضرت علیؓ کے دروازے کا کھلا رہنا بہت پہلے کی بات ہے، اور اس کا سبب یہی تھا کہ ان کے گھر کا دروازہ ہی ایک تھا، اور وہ مسجد میں کھلتا تھا، اور اسی مجبوری کے سبب جب پہلی بار دروازے بند کرائے گئے، تو حضرت علیؓ کا دروازہ کھلا رہا، اور بقیہ دروازے بند کردیئے گئے، لیکن مسجد نبوی میں آتے وقت فاصلہ کم کرنے کے لیے کھڑکیاں باقی رکھی گئیں، لیکن

جب وفات سے چند یوم پہلے آپؐ تشریف لائے تو ان تمام کھڑکیوں کو بھی بند کر دیا گیا اور صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کھڑکی کھول دی گئی، تاکہ جو نماز پڑھانے کی خدمت انہیں رسول اللہؐ کی وفات کے بعد انجام دینی ہے، اس میں سہولت رہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے لیے واضح ہدایت ہو جائے، علامہ ابن حجر نے دونوں روایات کے درمیان تطبیق کے اس مضمون کو ابوبکر کلاباذی اور امام طحاوی کی طرف منسوب کر کے بیان فرمایا ہے۔ (فتح الباری مختصر ص۱۶ ج ۸؛ ایضاح البخاری ج ۳)

**حدیث نمبر ۲۸۱۹ ﴿حضرت ابوبکر صدیقؓ کا امتیازی مقام﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۰**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنَّهُ أَخِيْ وَصَاحِبِيْ وَقَدِ اتَّخَذَ اللّٰهُ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حواله:** مسلم ص ۲۷۳ ج ۲، باب من فضائل ابی بکر، فضائل الصحابة، حدیث ۳۲۸۲

**حل لغات:** صاحب (ج) صواحب ساتھی، ایک ساتھ زندگی بسر کرنے والا۔

**ترجمه:** اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، تاہم ابوبکر میرے بھائی ہیں اور میرے ساتھی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے صاحب کو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں کسی کو اپنا ایسا دوست کہ جس کی طرف اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے وقت رجوع کروں اور اپنے جملہ معاملات و مہمات میں اس پر اعتماد و اعتبار کروں تو لاریب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بناتا، مگر ایسے تمام امور مہمہ میں میرا رجوع صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس لیے مخلوق میں کسی کو بھی اپنا ایسا دوست نہیں بنایا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وقد اتخذ الله صاحبکم خلیل الله اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صاحب سے مراد خود نبیؐ کی ذات اقدس ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ خلیل اور حبیب دونوں ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف خلیل اللہ ہیں حبیب اللہ نہیں (تکمیل الحاجة) مزید کیلئے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۸۲۰ ﴿صدیقؓ کی خلافت بلافصل﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۱**

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهٖ اُدْعِيْ لِيْ أَبَا بَكْرٍ أَبَاكِ وَأَخَاكِ حَتّٰى أَكْتُبَ كِتَابًا فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ أَنَا وَلَا وَيَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ أَنَا أَوْلٰى بَدَلَ أَنَا وَلَا.

**حواله:** مسلم ص ۲۷۳ ج ۲، باب من فضائل ابی بکر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۲۸۷

**حل لغات:** أدعی، دعا (ن) دعوة بلانا اور دعوت دینا۔ یتمنّی، تمنی (تفعیل) تمنّیا تمنا کرنا، آرزو کرنا۔

**ترجمه:** حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں مجھ سے فرمایا اپنے ابا جان ابوبکر اور اپنے بھائی جان کو میرے پاس بلاؤ، تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں مجھے ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہنے والا کہے گا کہ میں (خلافت کا مستحق) ہوں، حالاں کہ وہ (خلافت کے لائق) نہیں ہوگا، جب کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان نہیں مانیں گے، مگر ابوبکر کو (مسلم) اور کتاب الحمیدی میں انا ولا کی جگہ انا اولیٰ ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے آخری مرض میں آپؐ کے قلب مبارک میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لیے مجھے مبعوث فرمایا ہے اور جو کام مجھ سے لیتا رہا ہے، اپنے بعد اس کی ذمہ داری سنبھالنے

کے لیے (جس کا عنوان خلافت نبوت ہے) ابوبکر کو نامزد کر دیا جائے اور اس بارے میں وصیت لکھا دی جائے، چنانچہ آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اپنے والد ابوبکرؓ اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو میرے پاس بلا دو، مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی دوسرا تمنا کرنے لگے اور کوئی تیسرا کہنے والا کہنے لگے میں اس کا زیادہ مستحق ہوں اور اس خدمت اور ذمہ داری کو میں بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہوں، اور اس سے اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ ہے، اس خطرے سے امت کی حفاظت کے لیے میں چاہتا ہوں کہ ابوبکرؓ کے بارے میں وصیت نامہ لکھا دوں، لیکن پھر آپؐ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی، آپ کو اطمینان ہو گیا کہ ایسا ہی ہوگا، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خود مومنین یہی فیصلہ کریں گے، چنانچہ آپؐ نے خود ہی حضرت صدیقہؓ سے فرمادیا کہ یابی اللّٰہ والمومنون الا ابابکر، اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکرؓ کے سوا کسی کو قبول نہیں کریں گے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح**

اکتب کتاباً اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واقعہ قرطاس میں بھی آنحضرتؐ کا مقصد ابوبکرؓ کی خلافت کی تحریر لکھوانی تھی، واقعہ قرطاس کے لیے عالمی حدیث ۵۹۶۶ دیکھیں، پھر آپ کا ارادہ بدل گیا۔ یہ حدیث نص صریح ہے کہ خلافت بلافصل حضرت ابوبکرؓ کو ملی تھی، اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہو گیا تھا اور دو سال تک حضرت ابوبکرؓ نے خلافت بھی کی اور حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کی، ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھیں، ان کو خلیفہ کے نام سے تسلیم بھی کیا، اور اس نام سے ان کو پکارتے بھی رہے، اور اپنی خلافت کا دعویٰ بھی نہیں کیا، اظہار بھی نہیں کیا، آپؓ سے کسی خفیہ وصیت کا پوچھا بھی گیا تو آپ نے فرمایا مجھے کوئی وصیت نہیں کی گئی، اس کے بعد بھی اگر شیعہ شور کرتے ہیں کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا اور ان کو وصی بنایا گیا تھا، وہ خلیفہ بلافصل تھے تو یہ ان حضرات کی بے عقلی ہے، ظاہر میں تو حضرت علیؓ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، اگر باطن میں کچھ تھا تو شیعہ اس کو بتادیں، ویسے کافر بننے کی کیا ضرورت ہے کہ اجماع صحابہ کا انکار کرتے ہیں، اور ان احادیث کو جھٹلاتے ہیں۔ ولا یہ ایک لغت ہے جو اولیٰ کے معنی میں ہے، یعنی میں زیادہ مستحق ہوں، چنانچہ کتاب حمیدی میں انا اولیٰ کے صریح الفاظ بھی آئے ہیں۔ صدیق اکبرؓ کی "خلافت بلافصل" کے حوالہ سے طبرانی نے ایک روایت نقل کی ہے جو اس سے زیادہ صریح ہے، ایک شخص نے عرض کیا، "یا رسول اللّٰہ الیٰ من ندفع صدقات اموالنا بعدك" ہم آپؐ کے بعد اپنے مالوں کی زکوٰۃ کس کو دیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: الیٰ ابی بکر الصدیق" ابوبکر کو، حدیث باب میں نبی کریمؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا آپؐ کے خلیفہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، طبرانی کی یہ روایت اگر ثابت ہو جائے، تو یہ ابوبکر صدیقؓ کے جانشین پیغمبر ہونے کی زیادہ صریح دلیل ہوگی، لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اسی مضمون کی ایک روایت اسماعیل نے اپنے معجم میں سہل بن ابی خیثمہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں "بایع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اعرابیًا فسأله إن اتی علیه اجله من یقضیه فقال ابوبکر ثم سأله من یقضیه بعدہٗ قال عمر" ایک اعرابی نے رسول اللہؐ کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا تو آپؐ سے کہا اگر آپ کا وقت مقررہ آپؐ پر آ جائے تو اس (آدمی) کا حق کون دے گا؟ پیغمبرؐ نے فرمایا ابوبکر، انہوں نے کہا وہ نہ ہوں تو پھر؟ آپؐ نے فرمایا عمرؓ، اس کو طبرانی نے اپنی اوسط میں بھی ذکر کیا ہے۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۲۸۲۱ ﴿آپ کے بعد آپ کے جانشین ابوبکرؓ ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۲**

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ امْرَأَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ كَأَنَّهَا تُرِيْدُ الْمَوْتَ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدِيْنِيْ فَأْتِيْ أَبَا بَكْرٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص۵۱۶ ج۱، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، لو کنت متخذاً، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۳۶۵۹، مسلم، ص۲۷۳ ج۲، باب فضائل ابی بکر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۲۳۸۶

**حل لغات:** کلمته، کلّم (تفعیل) تکلیما بات کرنا۔ ترید، اراد (افعال) ارادۃ ارادہ کرنا، چاہنا۔ لم تجدنی، وجد (ض) وجدانا پانا، حاصل کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی چیز اور کسی معاملہ کے بارے میں آپؐ سے اس نے گفتگو کی، آپؐ نے اس کو فرمایا کہ پھر (بعد میں کبھی) آنا، اس عورت نے عرض کیا کہ یہ بتلائیے کہ اگر میں آئندہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں؟ حدیث کے راوی جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ غالباً اس عورت کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں آئندہ آؤں اور حضورؐ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہوں تو میں کیا کروں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس آجانا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

**خلاصۂ حدیث** بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت مدینہ منورہ سے دور کسی مقام کی رہنے والی تھی، اس نے حضورؐ سے شاید کچھ طلب کیا تھا، جو آپؐ اس وقت عنایت نہ فرما سکے، یہ فرمادیا کہ آئندہ کبھی پھر آنا، اس نے عرض کیا کہ اگر آئندہ میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں آپؐ دنیا سے رحلت فرما چکے ہوں تو میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا اس صورت میں تم ابوبکر کے پاس آنا۔ اس حدیث میں آپؐ کی وفات کے بعد متصلاً بلافصل حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہونے کی طرف کھلا اشارہ ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان جئت ولم اجدك اگر میں آؤں اور آپؐ کو نہ پاؤں یعنی آپؐ وفات پاچکے ہوں، یہ موت سے کنایہ ہے علامہ عینی فرماتے ہیں اس کی مراد ہے ان جئت فوجدتك قد مِتَّ ماذا اعمل. (عمدۃ القاری، ص ۲۴۸ ج ۱۶) کہ اگر میں آجاؤں اور دیکھوں کہ آپؐ مرچکے ہیں تو میں کیا کروں گی؟ اور حافظ صاحبؒ نے یزید بن ہارون عن ابراہیم بن سعد کے طریق سے بلاذری کی روایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں، قالت فان رجعت فلم اجدك تعرّض الخ (فتح الباری، ص ۲۸ ج ۹) انھوں نے کہا کہ اگر میں لوٹ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں، وہ موت کی طرف تعریض واشارہ کررہی ہے۔ صحیح بخاری کتاب الاحکام میں عبدالعزیز بن عبداللہ کے طریق سے یہ الفاظ مذکور ہیں کانها ترید الموت اور کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں حمیدی کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں کانّها تعنی الموت وہ گویا موت کی طرف اشارہ کررہی تھی اور ان کا مطلب یہ کہ اگر میں آجاؤں اور آپ کا وصال ہوچکا ہو تو پھر میں کیا کروں؟ اب کانّها کا قائل کون ہے، اس میں اختلاف ہے اور قاضی عیاضؒ نے جس بات پر جزم اور یقین کا اظہار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے قائل راوئ حدیث حضرت جبیر بن مطعم ہیں اور اسی کو حافظ ابن حجرؒ نے بھی مختار قرار دیا ہے، اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا قائل نیچے کے کوئی اور راوی ہوں۔ (فتح الباری، ص ۲۸ ج ۹)

**حدیث نمبر ۲۸۲۲ ﴿ابوبکرؓ سب سے محبوب صحابی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۳**

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ عَلٰى جَيْشِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ قَالَ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ أَبُوْهَا قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ فَعَدَّ رِجَالًا فَسَكَتُّ مُخَافَةَ أَنْ يَّجْعَلَنِيْ فِيْ آخِرِهِمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۲۵ ج ۲، باب غزوۃ ذات السلاسل، کتاب المغازی، حدیث ۴۳۵۸، مسلم، ص ۲۷۳ ج ۲، باب من فضائل ابی بکر، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۳۸۴

**حل لغات:** جَیشٌ (ج) جُیُوْشٌ لشکر، فوج۔ عدّ (ن) عَدًّا شمار کرنا، گننا۔ سکت، سَکَتَ (ن) سَکْتًا وَ سُکُوْتًا خاموش رہنا۔

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر کا امیر مقرر کرکے ذات السلاسل کے مقام پر بھیجا، کہتے ہیں کہ پھر جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے دریافت کیا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟

فرمایا عائشہؓ سے، پھر میں نے پوچھا مردوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ عائشہؓ کے والد سے، میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ آپؐ نے فرمایا عمرؓ سے، عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں اسی طرح چند آدمیوں کو شمار کیا، پھر میں اس خیال سے خاموش ہو گیا کہ کہیں میرا نام بالکل آخر میں نہ آئے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس غزوہ کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہؐ کو یہ خبر ملی کہ قبیلۂ بنی قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ منورہ پر حملہ کا ارادہ رکھتی ہے، یہ خبر سن کر آپؐ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کے زیر سرکردگی تین سو آدمیوں کی جماعت مقام "ذات السلاسل" کی طرف روانہ فرمائی، جب صحابہؓ کی یہ جماعت دشمن کے علاقہ کے قریب پہنچی، تو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے، اس لیے صحابہ نے رافع بن مکیثؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا کہ مدد کے لیے مزید آدمی بھیجیں، رسول اللہؐ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو امیر بنا کر دو سو آدمیوں کو مدد کے لیے روانہ کیا، جس میں حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ بھی تھے اور یہ نصیحت فرمائی کہ عمرو بن عاصؓ سے جاملو اور آپس میں متفق رہنا، کسی قسم کے اختلاف سے دور رہنا، حضرت ابوعبیدہؓ جب وہاں پہنچے اور نماز کا وقت آیا، تو انہوں نے امامت کرنا چاہی، حضرت عمروؓ نے کہا کہ امیر لشکر تو میں ہوں تم تو میری مدد کے لیے آئے ہو نماز میں پڑھاؤں گا، ابوعبیدہؓ نے کہا کہ تم اپنی جماعت کے امیر ہو اور میں اپنی جماعت کا، لیکن پھر رسول اللہؐ کے حکم کے مطابق اختلاف سے بچنے کے لیے حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کی اطاعت کی، اور فرمایا کہ میں تمہاری اطاعت کروں گا، اگرچہ تم میری مخالفت کرو، پھر صحابہؓ نے مل کر حملہ کیا اور بنو قضاعہ مرعوب ہو کر بھاگ گئے، صحابہؓ نے دشمن کا تعاقب کرنا چاہا، لیکن حضرت عمروؓ نے منع کر دیا، اس غزوے میں حضرت عمروؓ نے صحابہ کو آگ روشن کرنے سے بھی منع کر دیا تھا، سردی کا زمانہ تھا، حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ نے اس سلسلے میں ان سے بات کی، لیکن انہوں نے کہا کہ اگر کسی نے آگ جلائی تو میں اس کو اسی آگ میں پھینک دوں گا، اسی طرح ایک دن حضرت عمروؓ کو احتلام ہو گیا، تو صبح کی نماز انہوں نے تیمم کر کے پڑھائی، صحابہ جب واپس مدینہ منورہ آئے، تو حضرت عمرو بن عاصؓ کی یہ تینوں باتیں رسول اللہؐ سے بیان کر دیں، حضورؐ نے ان سے دریافت کیا، تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ دشمن کے تعاقب سے میں نے اس لیے روکا تھا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم ان کا تعاقب کریں اور آگے ان کی مدد کے لیے دوسرے لوگ موجود ہوں، تو خواہ مخواہ ہمیں نقصان اٹھانا پڑ جائے گا اور آگ جلانے سے میں نے اس لیے روکا تھا کہ کہیں آگ روشن دیکھ کر دشمن کو اس کے ذریعہ ہماری قلت کا اندازہ نہ ہو جائے اور احتلام کے بعد تیمم کر کے میں نے نماز اس لیے پڑھائی کہ سخت سردی تھی اور مجھے غسل کرتے ہوئے جان کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تقتلوا أنفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیما، حضورؐ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور ان سے کچھ نہیں فرمایا، چوں کہ اس سریہ میں بڑے بڑے صحابہ بھی، حضرت عمروؓ کے زیر قیادت تھے، اس لیے انہیں یہ خیال ہوا کہ وہ رسول اللہ کو صحابہؓ میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا "ای الناس احبّ الیك" لوگوں میں کون آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اسی طرح انہوں نے کئی لوگ گنوائے اور پھر اس خوف کی وجہ سے خاموش ہو گئے کہ کہیں ان کا نام سب سے آخر میں نہ آجائے، عام اہل سیر نے غزوۂ ذات السلاسل کو ماہ جمادی الثانیہ ۸ھ میں قرار دیا ہے، بعض نے کہا یہ غزوہ ۷ھ میں واقع ہوا ہے۔ (کشف الباری، ج ۸)

**کلمات حدیث کی تشریح** السلاسل علامہ کرمانیؒ نے فرمایا پہلے سین کے فتحہ اور دوسرے سین کے کسرہ کے ساتھ، بعض نے پہلے سین کا ضمہ پڑھا ہے، علامہ عینی وغیرہ نے فرمایا کہ ذات سلاسل ایک چشمہ تھا، چوں کہ اس کا پانی سلسال یعنی خوشگوار تھا، اس لیے اس چشمہ کو ذات السلاسل کہتے ہیں، یہ غزوہ اسی مقام پر پیش آیا تو اس کی طرف نسبت کر کے اس غزوہ کو غزوۂ ذات السلاسل کہتے ہیں، بعض حضرات نے کہا سلاسل، سِلسلة کی جمع ہے، سلسلہ زنجیر اور بیڑی کو کہتے ہیں، چوں کہ اس

غزوہ میں مشرکین نے جم کر لڑنے کی غرض سے اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں، اس لیے اس غزوہ کو غزوۂ ذات السلاسل کہتے ہیں، قاضی عیاض نے فرمایا کہ سلاسل درحقیقت اس ریت کو کہتے ہیں، جو تہہ بہ تہہ جمی ہوئی ہوتی ہے، جس جگہ یہ غزوہ پیش آیا وہاں چوں کہ تہہ بہ تہہ ریت جمی ہوئی تھی، اس لیے اس کو غزوۂ ذات السلاسل کہا جاتا ہے۔ (کشف الباری) ای الناس احب الیك حضرت عمرو بن عاصؓ کے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید میں آپ کو دوسروں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوں؟ اس لیے ان کی موجودگی میں مجھے امیر بنادیا یعنی امیر بنایا جانا میرے احب الی الرسول ہونے کی علامت ہے، اور پھر چوں کہ رسول اللہ کا محبوب ترین ہونا بہت بڑے شرف اور سعادت کی بات ہے، تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس معاملے کو صاف کرنا چاہا کہ آیا وہ ہیں بھی اللہ کے رسول کے نزدیک احب یا یہ محض ان کا خیال ہے۔ (فتح الباری، ص ۳۱ ج ۹) فقلت من الرجال؟ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے قیس بن ابی حازم عن عمرو کے طریق سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں انی لست اعنی النساء انی اعنی الرجال میں عورتوں کی بات نہیں کر رہا میں مردوں کی بات کر رہا ہوں، ابن حبان نے انسؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں، سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم من احب الناس الیك، قال عائشة قیل له لیس عن اهلك نسأ لك، رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا عائشہؓ سے، کہا گیا آپؐ کے گھر والوں کے متعلق آپؐ سے نہیں پوچھ رہے ہیں فعد رجالًا فسکت مخافة ان یجعلنی فی اخرهم، میں اس خدشہ کے پیش نظر خاموش ہوا کہ کہیں آپؐ میرا نام سب سے آخر میں نہ لیں، رجال سے کون مراد ہے؟ عبداللہ ابن شقیق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں قلت لعائشة ای اصحاب النبیؐ کان احب الیه قالت ابوبکر قلت ثم من قالت عمر قلت ثم من قالت ابوعبیده بن الجراح قلت ثم من فسکتت، فرمایا میں نے عائشہؓ سے پوچھا کون صحابی رسول اللہؐ کو سب سے زیادہ پسندیدہ تھے، عائشہ نے کہا ابوبکر میں نے کہا پھر کہا عمرؓ میں نے کہا پھر کہا ابوعبیدہ بن الجراحؓ میں نے کہا پھر، پھر آپؓ خاموش ہوگئیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے ذکر کے بعد جو حدیث باب میں رجالا آیا ہے اس میں بعض رجال کا مصداق حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہو سکتے ہیں۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۲۸۲۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۴**

## ﴿صحابہؓ میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبرؓ ہیں﴾

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ وَخَشِيْتُ أَنْ يَقُوْلَ عُثْمَانُ قُلْتُ ثُمَّ أَنْتَ قَالَ مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۱۸ ج ۱، باب قول النبی ﷺ، لو کنت متخذا، کتاب فضائل الصحابه، حدیث ۳۶۷۱

**حل لغات:** خشیت، خشی (س) خشیة ڈرنا۔ المسلمین (واحد) مسلمٌ مسلم، فرماں بردار۔

**ترجمہ:** حضرت محمد بن حنفیہؒ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت علیؓ) سے دریافت کیا کہ امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر و افضل شخص کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ابوبکرؓ، میں نے کہا ان کے بعد کون ہے، فرمایا عمرؓ، (محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں) کہ پھر مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ (اگر میں اسی طرح دریافت کروں کہ عمر کے بعد کون) تو یہ نہ کہہ دیں کہ عمر کے بعد عثمان (اس لیے میں نے سوال اس طرح کیا) پھر عمر کے بعد آپ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں۔ (بخاری)



**خلاصۂ حدیث** محمد بن الحنفیہؒ حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں، حضرت فاطمہؓ کے بطن سے نہیں، بلکہ حضرت علیؓ کی حرم میں داخل ایک دوسری خاتون حنفیہ سے، جن کا اصل نام خولہ تھا، اپنے قبیلہ کی نسبت سے حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں،

حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے جو جہاد ہوا تو فتح کے بعد جنگی قانون کے مطابق جو مرد وعورت گرفتار ہو کر آئیں، ان میں یہ خولہ بھی تھیں، یہ حضرت علیؓ کے حوالہ کر دی گئیں، اور ان کے حرم میں داخل ہو گئیں، محمد بن الحنفیہ انہیں کے بطن سے حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں، علم او رصلاح وتقویٰ اور دوسری صفات کمال کے لحاظ سے بلند مقام کے تابعی ہیں، انہی کا یہ بیان ہے کہ میں نے والد ماجد حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہؐ کے بعد امت میں کون افضل ہے؟ تو انہوں نے پہلے نمبر پر حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے نمبر پر حضرت عمرؓ کا نام لیا اور اپنے بارے میں فرمایا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں، ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے بطور تواضع وانکساری فرمایا، ورنہ امت میں اس وقت سب سے افضل حضرت علیؓ ہی تھے، حضرت عثمانؓ اس سے پہلے شہید کئے جا چکے تھے، یہ روایت تو محمد ابن الحنفیہ کی ہے، محدثین کے نزدیک حضرت علیؓ سے یہ روایت تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے بعد امت میں سب سے افضل اور بلند مرتبہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں اور یہ کہ جو کوئی مجھے ان دونوں سے افضل قرار دے تو میں اس پر حد (شرعی سزا) جاری کروں گا۔ (معارف الحدیث)

## کلمات حدیث کی تشریح

قال ابوبکر ، یہ حدیث اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت کے اثبات کے لیے لائی گئی ہے، اور یہ چیز اس میں صریح لفظوں کے ساتھ مذکور ہے، تاہم روافض اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں آنحضرتؐ کے بعد سب سے افضل حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے، دوسرا مسئلہ اس کے ضمن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں سے افضل کون تھا؟ اس میں روافض کا مذہب ظاہر ہے کہ علی ہی افضل ہیں، کیوں کہ وہ جب ابوبکرؓ سے ان کے خیال میں بہتر ہیں تو حضرت عثمانؓ سے تو بطریق اولیٰ بہتر ہوں گے، البتہ اس میں کچھ اہل سنت بھی توقف کرتے ہیں، یا پھر تفضیل علی کے قائل ہیں، اگرچہ جمہور اہل سنت تفضیل عثمان کے ہی قائل ہیں۔ (کشف الباری) خشیت ان یقول عثمان حضرت عثمانؓ بھی شہید ہو گئے تھے اور اس وقت افضل الناس بلاشبہ حضرت علیؓ تھے اور حضرت علیؓ خود اس بات کو جانتے تھے، جہاں تک محمد بن الحنفیہ کا یہ قول ہے کہ حضرت علیؓ کہیں عثمان کا نام نہ لے لیں تو یہ بھی اسی واسطے تھا کہ محمد بن حنفیہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل تھے، جب کہ حضرت علیؓ سے رسول اللہؐ اور شیخین کے بعد تیسرے درجے میں حضرت عثمانؓ کا نام اپنے اعتقاد کے مطابق سننے کے لیے تیار نہ تھے، اب یہ کہ شیخین کے بعد عثمانؓ کا مرتبہ تھا یا علیؓ کا؟ تو اس حوالہ سے روایات اور اقوال میں کافی اضطراب ہے، خیثمہ فضائل الصحابہ میں عبید بن ابی الجعد عن أبیہ کے طریق سے کہتے ہیں ان علیا قال الا اخبر کم بخیر امتکم بعد عمر، ثم سکت فظننا انه یعنی نفسه علیؓ نے فرمایا کہ میں عمرؓ کے بعد تمہاری امت کا سب سے بہتر آدمی تمہیں نہ بتاؤں پھر حضرت علیؓ خاموش ہو گئے، جس سے ہم نے یہ سمجھا کہ وہ بہتر آدمی خود علیؓ ہیں، اس لیے انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی، جب کہ عبد خیر کی روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ ارشاد جنگ نہروان کے بعد یعنی ۳۸ھ میں فرمایا اور اس حدیث کے آخر میں انہوں نے یہ بھی اضافہ فرمایا: احدثنا أمورًا یفعل اللّٰه فیها ما یشاء ہم نے کئی نیک چیزیں ایجاد کیں ان سے متعلق اللہ تعالیٰ جو چاہیں گے فیصلہ کر دیں گے۔ ابن عساکر ایک ضعیف طریق سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا ان الثالث عثمان وہ تیسرے آدمی عثمانؓ ہیں اور ایک اور طریق سے ابو جحیفہ فرماتے ہیں۔ فرجعت الموالی یقولنا کنی عن عثمان والعرب تقول کنی عن نفسه. (فتح الباری، ص ۳۴ ج ۷) یعنی تیسرے آدمی یا حضرت عمرؓ کے بعد افضل امت کی تصریح تو نہیں ہوئی، البتہ بتانے کا کہہ کر حضرت علیؓ خاموش ہو گئے اب موالی حضرات (وہ غیر عرب آزاد کردہ غلام جو علم دین حاصل کر کے امت کے مقتداء بنے) نے عموماً یہ کہہ دیا ہے کہ ان کا اشارہ عثمانؓ کی طرف تھا، جب کہ عرب یعنی اہل علم کہتے ہیں ان کا اشارہ اپنے آپ کی طرف تھا اور یہ اختلاف ہی اس بات کی دلیل ہے کہ

انہوں نے تصریح نہیں فرمائی نہ اپنی افضلیت کی اور نہ عثمانؓ کی۔ (کشف الباری، ج۶)

**اہل سنت کا موقف:** اہل سنت کے اس سلسلے میں تین اقوال ہیں، لیکن قوتِ دلائل کی روشنی میں اس بات پر اجماع ہوگیا ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں، جیسا کہ امام نوویؒ نے فرمایا ''والصحیح المشهور تقدیم عثمان، اب وہ تین اقوال اور تفصیلات ملاحظہ کریں، ایک قول یہ کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں، دوسرا قول توقف کا، تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں اور اس قول کے قائل بہت سارے علماء ہیں، سفیان ثوریؒ سے بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے، لیکن کہا گیا ہے کہ حضرت سفیانؒ نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا تھا، ابن خزیمہ اور ان سے پہلے اور ان کے بعد ایک جماعت اور بھی اس کی قائل رہی ہیں، حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ محدث ابوالفضل سلیمان فرماتے ہیں کہ اعمش اور نعمان ابن ثابت (یعنی امام ابوحنیفہؒ) شعبہ عبدالرزاق، ابن ہمام، عبیداللہ بن موسیٰ عبدی، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی اور دوسرے بعض لوگ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل قرار دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت میں ایک جماعت حضرت علیؓ کی تفضیل کی قائل ہے۔

**عثمانؓ خلافت سے پہلے مفضول اور بعد میں افضل ہوجانے کا قول:** یہاں ایک چوتھا قول شمس الائمہ سرخسی نے شرح سیر کبیر میں نقل کیا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل تھے، لیکن خلافت ملنے کے بعد حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہوگئے، شمس الدین السرخسی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے قبل الخلافۃ اور بعد الخلافۃ افضل تھے، امام احمد بن حنبل سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ خلفاء اربعہ میں جو ترتیب خلافت کی ہے، وہی ترتیب فضیلت کی بھی ہے، یہ قول حافظ بن عبدالبر نے امام احمد اور حافظ ابوزرعہ الرازی سے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری، ج۷ ص۱۹)

**خلافت اور فضیلت میں فرق کا قول:** امام احمد ابن حنبلؒ سے ابن عبدالبرؒ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے خلافت اور فضیلت میں فرق کیا ہے، خلافت میں تو وہ تربیع علیؓ کے قائل ہیں، لیکن فضیلت میں وہ عثمانؓ کے بعد سکوت کرتے ہیں، اس لیے کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم فنخیر ابابکر ثم عمر ثم عثمان اور بعض روایات میں اس کے بعد یہ بھی وارد ہے ثم نترك اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم لا نفاضل بینهم لیکن حافظ ابن عبدالبرؒ نے اس روایت پر بڑی شدومد کے ساتھ نکیر کی ہے اور فرمایا اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے بعد باقی سارے اصحاب سے افضل ہیں، پھر حضرت عثمانؓ کے بعد سکوت کے کیا معنی؟ (کشف الباری، ج۶)

**علیؓ کو عثمانؓ سے افضل قرار دینا صحابہؓ کی توہین ہے:** شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ایوب السجستانی احمد ابن حنبل اور دارقطنی فرماتے ہیں کہ جس نے علیؓ کو عثمانؓ سے افضل کہا اس نے صحابہ کی توہین کی؛ کیوں کہ شہادت عمرؓ کے بعد تمام صحابہ نے بالاجماع حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر تفضیل اور ترجیح دے کر خلیفہ بنایا، اب اگر حضرت علیؓ کو افضل کہا جائے گا تو اس کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ مہاجر وانصار صحابہ ان کی افضلیت سے جاہل تھے اور یا یہ مطلب ہوگا کہ وہ سب اظہار حق سے قاصر وعاجز تھے، اور یہ دونوں باتیں توہین صحابہ کے زمرے میں آتی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی تخیر اور تفضیل کی صراحت ہے، اور اس میں اہل سنت والجماعت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، پھر حضرت عثمانؓ کے بقیہ صحابہ کے مقابلے میں افضلیت کا ذکر ہے، اور اس تفضیل عثمانؓ کی صحت د ثبوت میں کوئی کلام نہیں، ابن عبدالبرؒ نے جو اس پر طعن کیا ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں میرے خیال میں ابن عبدالبر نے اس اضافہ پر اعتراض کیا ہے جو عبیداللہ بن عمر کی روایت میں مذکور ہے اور وہ ابن عمر کے یہ الفاظ ہیں ثم نترك اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم لیکن ابن عبدالبرؒ کی زیادتی پر تنقید کرنا قابل قبول نہیں، کیوں کہ اس میں نافع متفرد نہیں ہے، بلکہ اس کا متابع موجود ہے،

چنانچہ خیثمہ نے یوسف بن الماجشون عن أبیه عن ابن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے "کنا نقول فی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ابوبکر و عمر و عثمان ثم ندع اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فلا نفاضل بینهم" ہم عہد نبوی میں کہا کرتے تھے ابوبکر وعمر وعثمان پھر اصحاب رسول کو چھوڑ دیتے تھے اور ان میں تفاضل نہ کرتے (کسی کو افضل اور کسی کو مفضول قرار نہ دیتے) تھے، لیکن اس ترک تفاضل سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ ان تین حضرات کے بعد کسی کے افضلیت کے قائل ہی نہ تھے، ترک تفاضل سے عدم اعتقاد افضلیت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لازم نہیں آتا، کچھ تفصیلات اگلی حدیث میں بھی ملاحظہ کریں۔ (کشف الباری)

حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر بلا شبہ فضیلت حاصل ہے، اور اس پر اہل سنت کا اجماع ہو چکا ہے۔ لیکن جن اہل سنت نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی ہے تو انہوں نے بعض احادیث کی روشنی میں دی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ اس سے صحابہؓ کی توہین ہوتی ہے غیر مناسب بات ہے، اور جہاں تک عام صحابہؓ کا حضرت عثمانؓ کو خلیفہ ثالث تسلیم کر کے بیعت کرنا ہے تو وہ اس وجہ سے نہ تھا کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل تھے، بلکہ حضرت عمرؓ نے جو چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی تھی، اس میں حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا۔ اس لئے تمام صحابہؓ نے بیعت کر لی، اگرچہ یہ انتخاب اپنی جگہ ترتیب فضیلت کے اعتبار سے ہوا۔ لیکن اگر بالفرض یہ چھ حضرات کسی اور کو منتخب کرتے تو صحابہؓ اس کی بیعت کر لیتے۔ (ابن علی)

**حدیث نمبر ۲۸۲۴ ﴿صحابہؓ میں ابوبکرؓ کا کوئی ہمسر نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۵**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ كُنَّا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِأَبِيْ بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ أَفْضَلُ أُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهُ أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۳ ج ۱، باب مناقب عثمان بن عفان، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۹۷، ابوداود، ص ج ۲، باب فی التفضیل، کتاب السنة، حدیث ۴۶۲۸

**حل لغات:** نترك ترك (ن) ترکا چھوڑنا۔ لا يعدل، عدل (ض) عدلا الشيء سیدھا کرنا، برابر کرنا۔ لا نفاضل، فاضله (مفاعلة) مفاضلة فضل وکمال میں کسی سے مقابلہ کرنا۔ حيٌّ زندہ، حی (س) حَيَاةً زندہ ہونا، زندہ رہنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے (یعنی ان سے افضل اور بہتر کسی کو قرار نہیں دیتے تھے) اور ان کے بعد عمرؓ کو اور پھر عثمانؓ کو، اور حضرت عثمانؓ کے بعد ہم صحابہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے۔ (بخاری) اور ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ کی موجودگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی کے بعد امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ ہیں۔ رضی اللہ عنہم

**خلاصۂ حدیث** حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں حضورؐ کا طرزِ عمل دیکھ کر ہم یہ سمجھتے تھے کہ سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمرؓ ان کے بعد حضرت عثمانؓ، یہ تینوں حضرات سن رسیدہ تھے، اہم امور میں حضورؐ اکثر ان سے مشورہ فرماتے تھے، اگرچہ ان تین حضرات کے بعد حضرت علیؓ بلا شبہ امت میں سب سے افضل ہیں، اور بعض خصوصیات میں بہت اعلیٰ و بالا ہیں، یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ بیان شخصیات کے بارے میں ہے، طبقات و صفات کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ میں جو درجات و مراتب کا فرق ہے، اس سے حضرت ابن عمرؓ نے تعرض نہیں کیا ہے **مثلاً عشرۂ مبشرہ،**

اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان، سابقین اولین من المہاجرین والانصار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) حضرت ابن عمرؓ کے اس بیان میں ان کے فضائل کی نفی نہیں کی گئی ہے، انہوں نے جو فرمایا اس کا تعلق اس خاص فضیلت سے ہے جو ان تین بزرگوں کو حضورؐ کے زمانے میں حاصل تھی۔ واللہ اعلم (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا نعدل بابی بکر احدا خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کی اس ترتیب ذکری کے مطابق افضلیت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ موقف ہے کہ ابوبکر افضل الصحابہ ہیں ان کے بعد عمر پھر عثمانؓ اور اس کے حوالہ سے حدیث باب کے علاوہ ترمذی کی بھی روایت ہے، جسے انہوں نے صحیح غریب کہا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں، کنا نقول ورسول اللّٰہ حیٌّ ابوبکر و عمر و عثمان، اور طبرانی کی روایت اس سے بھی زیادہ صریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کنا نقول و رسول اللّٰہ حیٌّ افضل ھذہ الأمة بعد نبیھا ابوبکر و عمر و عثمان فیسمع ذالك رسول اللّٰہ فلا ینکرہ مگر سوال یہ ہے کہ اس ظاہری مفہوم کا بیان ہی اگر اس حدیث کا منشاء و مراد ہے، تو پھر تو حضرت علیؓ کسی شمار میں ہی نہیں ہیں، حالاں کہ ان کا چوتھا مرتبہ تو اہل سنت کے یہاں مسلم ہے، اس کے متعلق علامہ خطابیؒ کہتے ہیں انما لم یذکر ابن عمر علیا لانہ اراد الشیوخ وذوی الاسنان الذین کان رسول اللّٰہ اذا حزبہ امر شاورھم وکان علی فی زمانہ حدیث السن ولم یُرد ابن عمر الازراء بعلی ولا تأخرہ ورفعہ عن الفضیلة بعد عثمان فضلہ شھورٌ لا ینکرہ ابن عمر لا غیرہ من الصحابة، وانما اختلفوا فی تقدیم عثمان علیہ.

یعنی حضرت ابن عمرؓ راوی حدیث نے جو حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن عمرؓ بڑی عمر والے ان حضرات کا ذکر کرنا چاہ رہے ہیں، جو رسول اللہؐ کے ساتھ ہوتے تھے، اور آپ کو جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو آپؐ ان سے مشاورت کرتے تھے، اور حضرت علیؓ اس وقت نوعمر تھے، اور اس قابل نہ تھے کہ ان سے رائے لی جائے، لہٰذا حضرت علیؓ کا نام اس لیے ترک نہیں کیا گیا کہ وہ صاحب فضیلت یا اپنے بعد والے صحابہ سے افضل نہ تھے، اور نہ ابن عمرؓ ان کی تحقیر و توہین کرنا چاہتے تھے، بلکہ صرف نوعمر ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا گیا، ورنہ ان کی فضیلت تو مشہور ہے، اس کا ابن عمرؓ یا کوئی اور انکار نہیں کرسکتا، اختلاف اگر ہے تو وہ اس میں ہے کہ علیؓ کیا عثمانؓ سے افضل ہیں یا عثمانؓ افضل ہیں؟ حافظ ابن حجرؒ نے خطابی کی اس رائے کو مسترد کیا اور فرمایا کہ حضرت علیؓ کا ذکر نہ کرنے کی وجہ صرف ان کی نوعمری کو قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ عمر کا افضلیت میں کوئی اثر اور دخل نہیں ہوتا، اور چوں کہ جمہور اہل سنت کے یہاں حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا ہی سب سے افضل ہونا پھر عشرۂ مبشرہ کا بقیہ تمام صحابہ سے پھر اہل بدر کا دوسروں (غیر بدریین) سے افضل ہونا محقق اور مسلّم ہے، اس لیے وہ (جمہور اہل سنت) اس روایت کی تاویل پر متفق ہیں، چنانچہ ایک تاویل تو یہ کی گئی ہے کہ حضرت ابن عمر نے جو حضرات اصحاب ثلاثہ کے درمیان تفضیل کی ترتیب ذکر کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ تفضیل کے باب میں اجتہاد کرتے تھے، تو ان تین حضرات کی فضیلت بہ ترتیب مذکور تو بالکل واضح ہوتی ہے، چنانچہ اسے بالجزم ذکر کیا جاتا تھا، جب کہ دوسرے حضرات کا درجہ بالجزم ذکر نہیں کیا جاتا اور تخصیص اس وقت کسی کی افضلیت پر نہیں ہوئی تھی، اس کی تائید بزاز کی روایت سے ہوتی ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کنا نتحدث ان افضل اھل المدینة علی بن ابی طالب، (مسند بزاز) ہم کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے بہتر علی بن ابی طالب ہیں، یہاں یہ تصریح کی گئی کہ یہ صحابہ کے آپس کی بات ہوئی تھی اور وہ اپنی آراء کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے۔ (کشف الباری)

**حضرت علیؓ کے افضل الصحابہ ہونے کا تاثر:** پھر اگر یہ کہا جائے کہ اس سے تو حضرت علیؓ کا سب سے افضل

ہونا معلوم ہوتا ہے، جب کہ روایتِ باب میں حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت مذکور ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول کا تعلق حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد کے زمانے سے ہے، اور اس زمانے میں موجود لوگوں میں حضرت علیؓ کے افضل ترین قرار دیئے جانے میں کوئی تشویش کی بات نہیں، سوائے اس کے کہ ان کا عثمانؓ سے افضل ہونا لازم آئے گا بہر حال ابن عمرؓ کی حدیثِ باب سے صحابہ میں ابوبکر عمرؓ عثمانؓ کا یکے بعد دیگرے افضل الصحابہ ہونا معلوم ہوتا ہے، رہی یہ بات کہ حضرت علیؓ بھی اہل سنت کے یہاں اصحاب ثلاثہ کے بعد دوسروں سے افضل ہیں، جب کہ یہاں ان کا ذکر ہی نہیں ہے تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اصحابِ ثلاثہ کی ترتیب وفضیلت حضرت ابن عمرؓ کی روایت باب جیسی روایت سے ثابت ہے، جب کہ حضرت علیؓ کا چوتھا خلیفہ ہونا اور فضیلت میں چوتھے نمبر پر ہونا سفینہ کی مرفوع روایت سے ثابت ہوتا ہے جس میں الخلافة ثلثون سنة ثم تصير ملكا کے الفاظ آئے ہیں یعنی خلافت (راشدہ) تیس سال ہوگی پھر بادشاہت آئے گی۔ (حوالہ بالا)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۸۲۵ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۶

### ﴿ابوبکرؓ کے مال نے سب سے زیادہ نفع پہنچایا﴾

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِأَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ إِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِيْهِ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِيْ مَالُ أَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ أَبِيْ بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا أَلَا وَإِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۷ ج ۲، باب کتاب المناقب، حدیث ۳۶۶۱

**حل لغات:** ید (ج) ایدی ہاتھ، طاقت، قدرت۔ کافینا، کافیٰ (مفاعلة) مکافاة بدلہ دینا۔ خلا بمعنیٰ سوا، علاوہ۔ نفع (ف) نفعا نفع پہنچانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہو اور ہم نے اس کی مکافات نہ کر دی ہو سوائے ابوبکرؓ کے، انھوں نے ہمارے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس کی مکافات اللہ تعالیٰ ہی کرے گا قیامت کے دن، اور کسی شخص کا بھی مال کبھی اتنا میرے کام نہیں آیا جتنا ابوبکر کا مال کام آیا، اور اگر میں (اپنے دوستوں میں) کسی کو خلیل (جانی دوست) بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، اور معلوم ہونا چاہئے کہ میں بس اللہ کا خلیل ہوں (اور میرا حقیقی دوست اور محبوب بس اللہ ہے)۔ (جامع ترمذی)

**خلاصۂ حدیث**

آنحضرتؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ کو ہدیہ پیش کرتا تو آپؐ اس کو قبول فرمالیتے اور اسی وقت یا بعد میں کسی وقت اسے اتنا ہی یا زیادہ کسی شکل میں عطا فرما کر مکافات فرما دیتے، زیر تشریح حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ ابوبکر کے سوا جس کسی نے بھی ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہم نے دنیا ہی میں اس کی مکافات کردی، لیکن ابوبکرؓ نے جو حسن سلوک کیا اس کی مکافات آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی دیں گے، حضرت ابوبکرؓ کے نواسے حضرت عروہؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب اسلام قبول کیا، تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، وہ سب رسول اللہؐ کی مرضی کے مطابق دین کی خدمت میں خرچ ہو گئے، سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، اور ان کے کافر و مشرک مالک وآقا اسلام قبول کرنے ہی کے جرم میں ستاتے اور ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے، حضرت بلالؓ بھی انہیں میں سے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا تھا کہ میں اور میرا سارا مال گویا آپ

کی ملک ہے، جس طرح چاہیں استعمال فرمالیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** ما نفعني مال احد قط ما نفعني مال ابی بکر اسلام کے ابتدائی دور میں جب مال کی سخت ضرورت تھی، اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے بے دریغ اپنی دولت خرچ کی، ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی کی قیمت بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی ادا کی تھی، اور غزوۂ تبوک کے موقع پر کل اثاثہ آپؐ کے قدموں پر لاکر ڈال دیا تھا مزید تفصیلات کے لیے عالمی حدیث ۶۰۱۹ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۸۲۶ ﴿حضرت ابوبکرؓ کی امتیازی محبوبیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۷**

وَعَنْ عُمَرَؓ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَأَحَبُّنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۰۶ ج ۲، باب مناقب ابی بکر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۵۶

**حل لغات:** احبّ، احب (افعال) احبابا محبت کرنا۔

**ترجمه:** حضرت عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ابوبکرؓ ہمارے سید (سردار) ہیں، ہم میں سب سے بہترین ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت اور بلند مقامی کے بارے میں یہ حضرت عمرؓ کا بیان ہے، جس کی بنیاد رسول اللہؐ کے ارشادات اور ان کے ساتھ آپ کے طرز عمل کے مشاہدے پر ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** احبنا حضورؐ کی محبوبیت کا جو مقام ابوبکرؓ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے اور یہ محبوبیت ابوبکرؓ کی افضلیت کی دلیل ہے، چنانچہ امت کا اجماع ہے کہ ابوبکرؓ افضل امت ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۸۲۷ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۸**

**﴿ابوبکرؓ دنیا اور آخرت میں آپؐ کے ساتھی ہیں﴾**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِيْ بَكْرٍ أَنْتَ صَاحِبِيْ فِي الْغَارِ وَصَاحِبِيْ عَلَى الْحَوْضِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۰۸ ج ۲، باب مناقب ابی بکر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۷۰

**حل لغات:** الغار (ج) غیرانٌ پست جگہ، نشیب۔ الحوض (ج) حیاضٌ حوض، چھوٹا تالاب۔

**ترجمه:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم غار میں میرے ساتھی تھے اور آخرت میں حوض کوثر پر بھی میرے ساتھی ہوگے۔ (جامع ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** معلوم ہے کہ رسول اللہؐ نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو تین دن تک مکہ مکرمہ کے قریب ثور پہاڑ کے ایک غار میں روپوش رہے تھے، اس غار میں حضرت ابوبکرؓ ہی آپ کے ساتھ تھے، ہجرت کے اس سفر میں اور خاص کر اس غار میں حضورؐ کے ساتھ رہنا (جس میں آخری حد تک کے خطرات تھے) وفاداری اور فدائیت کا بے مثال عمل تھا، اسی لیے حضورؐ نے خاص طور سے اس کو یاد رکھا، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے ثاني اثنين اذهما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا (سورہ توبہ، آیت ۴۰) اردو زبان میں یار غار کا لفظ قرآن پاک کی اسی آیت اور رسول اللہ کے اس سلسلہ کے ارشادات ہی سے آیا ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** صاحبی فی الحوض حضرت ابوبکرؓ دنیا میں خطرناک مواقع پر آپؐ کے ساتھ رہے اس لیے آخرت میں عزت کے مقام میں آپؐ کے ساتھ ہوں گے۔

**حدیث نمبر ۲۸۲۸ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲۹**

## ﴿حضرت ابوبکرؓ کی موجودگی میں دوسرے کے لیے امامت مناسب نہیں﴾

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِيْ لِقَوْمٍ فِيْهِمْ أَبُوْبَكْرٍ أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۸ ج ۲، باب مناقب ابی بکر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۷۳

**حل لغات:** لا ینبغی، انبغی (انفعال) انبغاء ا مناسب ہونا۔ یَؤمُّ، امَّ (ن) اَمًّا امامت کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی قوم کے لیے جس میں ابوبکرؓ موجود ہوں مناسب نہیں ہے کہ ابوبکرؓ کے سوا کوئی دوسرا ان کا امام ہو۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا صریح مقتضیٰ اور مفاد یہ ہے کہ امت میں جب تک ابوبکرؓ ہیں اہل ایمان انہیں کو اپنا امام بنائیں، ان کے سوا کسی کو امام بنانا صحیح نہ ہوگا، بلاشبہ یہ بھی رسول اللہؐ کے اُن ارشادات میں سے ہے جن کے ذریعہ حضورؐ نے اپنے بعد کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا ینبغی لقوم ابوبکرؓ صحابہ میں سب سے افضل ہیں جس قوم میں وہ ہوں تو وہی نماز پڑھائیں، آپؐ نے اپنے مرض الوفات میں ابوبکرؓ ہی کو اپنے مصلّی پر کھڑا کیا، اور انہوں نے آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں سترہ نمازیں پڑھائیں کسی اور کو امامت کے لیے پسند نہیں کیا، اس موقعہ پر حضرت عائشہؓ نے تین یا چار بار گفتگو کی کہ امامت کا کام حضرت ابوبکرؓ کے بجائے حضرت عمرؓ کو سونپا جائے، ایک بار حضرت حفصہؓ سے بھی یہ بات کہلوائی، مگر آپؐ ہر بار یہی فرماتے رہے کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، بلکہ آخر میں تو ڈانٹ پلائی کہ تم یوسفؑ والی عورتیں ہو، ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، اس طرح آپؐ نے آخرِ حیات میں امامت صُغریٰ حضرت ابوبکرؓ کو سونپی، اسی میں امامت کبریٰ کی طرف صاف اشارہ تھا، ممکن ہے کہ آپ نے حدیث باب بھی اسی وقت ارشاد فرمائی ہو جب عائشہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے بجائے حضرت عمرؓ سے نماز پڑھوانے کی سفارش کی ہو۔ حدیث غریب یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں لیا ہے؛ کیوں کہ عیسیٰ بن میمون ضعیف راوی ہیں بلکہ امام بخاری نے اس کو منکر الحدیث (نہایت ضعیف) قرار دیا ہے مگر دیگر محدثین نے شواہد صحیحہ کی وجہ سے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۲۸۲۹ ﴿ابوبکرؓ نے سارا مال صدقہ کردیا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳۰**

وَعَنْ عُمَرَؓ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَتَصَدَّقَ وَوَافَقَ ذٰلِكَ عِنْدِيْ مَالًا فَقُلْتُ الْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَا بَكْرٍ إِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا قَالَ فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ وَأَتٰى أَبُوْبَكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ يَا أَبَابَكْرٍ مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ فَقَالَ أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ قُلْتُ لَا أَسْبِقُهُ إِلٰى شَيْءٍ أَبَدًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۸ ج ۲، باب مناقب ابی بکر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۷۵، ابوداود، ص ۲۳۶ ج ۱، باب فی الرخصه فی ذالك، کتاب الزکاۃ، حدیث ۱۶۷۸

**حل لغات:** نتصدق، تَصَدَّقَ فُلَانٌ (تفعل) تَصَدُّقًا صدقہ کرنا۔ وافق (مفاعلة) مُوَافَقَةً موافق ہونا۔ اسبق سَبَقَ (ض) سَبْقًا سبقت کرنا، بازی لے جانا۔ اتی (ض) اِتْیَانًا آنا۔

**ترجمہ:** حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں خدا کے راستے میں صدقہ وخیرات کا حکم دیا، حسن اتفاق اس وقت میرے پاس کافی مال تھا، میں نے دل میں کہا کہ اگر ابوبکرؓ سے سبقت لے جانا کسی دن میرے لیے ممکن ہوگا تو آج کے دن ہی ممکن ہوگا، چنانچہ میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر خدمت ہوا، رسول اللہؐ نے پوچھا گھر والوں کے لیے تو نے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا آدھا مال، پھر ابوبکرؓ جو کچھ ان کے پاس تھا سب لے آئے، رسول اللہؐ نے ان سے پوچھا ابوبکر گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ عرض کیا ان کیلئے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو چھوڑ آیا ہوں، میں نے دل میں کہا میں ابوبکرؓ پر کبھی سبقت نہ لے جاسکوں گا۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** غزوۂ تبوک کے موقع پر صدیق اکبرؓ نے اپنا کل مال راہ خدا میں دے دیا، حضرت عمرؓ کا جذبہ بھی کتنا پیارا اور مبارک ہے کہ دنیا کے معاملے میں بہت سے صحابہ ان سے آگے ہیں، لیکن ان سے آگے نکلنے کا دل میں داعیہ نہیں ہے، اور دین کے حوالے سے صرف صدیق اکبرؓ ان سے آگے ہیں، تو دل میں آرزو ہے کہ کبھی ان سے آگے بڑھ جاؤں، یعنی مال حاصل کرنے میں آگے بڑھنے کی خواہش نہیں، بلکہ راہِ خدا میں خوب مال خرچ کرنے کی تمنا ہے، ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ جو اپنی کل دولت کا نصف لائے تھے وہ مقدار میں حضرت ابوبکرؓ کے لائے ہوئے سے زیادہ ہو، مگر حضرت ابوبکرؓ کا یہ عمل اور حال کہ انہوں نے گھر والوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا، بس اللہ اور رسول پر ایمان اور ان کی رضا جوئی کو سب کچھ سمجھ کر اس پر قناعت کر لی بلاشبہ یہ مقام بہت بلند ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلماتِ حدیث کی تشریح** اتی ابوبکر بکل ما عندہٗ حضرت ابوبکرؓ نے سارا مال راہِ خدا میں دے دیا، اس واقعہ سے تصدق بجمیع مال کی اولویت یا کم از کم جواز ثابت ہو رہا ہے، لیکن یہ ایسے ہی شخص کے لیے ہے جو یقین و توکل میں کمال رکھتا ہو، صاحب منہل لکھتے ہیں بہتر یہی ہے کہ اس کو جواز کا درجہ دیا جائے، نہ کہ استحباب کا، اس لیے کہ دوسری احادیث صحیحہ سے تصدق بالبعض کا افضل ہونا ثابت ہے، اسی طرح کعب بن مالک کا قصہ بھی اسی کو مقتضی ہے اور وہ قصہ وہ ہے جس کو امام ابوداود کتاب الایمان والنذور میں، باب من نذر ان یتصدق بماله کے تحت لائے ہیں، جس میں یہ ہے کہ انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا - ان من توبتی ان اخرج من مالی کلّه الی اللّٰه والیٰ رسوله صدقة قال لا یعنی میرے توبہ کی تکمیل اس میں ہے کہ میں اپنے سارے مال کو صدقہ کردوں، آپؐ نے فرمایا نہیں، ایسا نہ کرو، انہوں نے پھر عرض کیا اچھا! نصف مال صدقہ کردوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، انہوں نے عرض کیا ثلث مال صدقہ کردوں، آپؐ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے ایک ثلث کردو، اسی کے جمہور علماء قائل ہیں، اور بعض علماء جیسے امام مالک واوزاعی فرماتے ہیں لا یجوز التصدق الا بالثلث ویُردّ علیه الثلثان، احادیث شریفہ سے صدقہ کی بڑی فضیلت اور فوائد معلوم ہوتے ہیں چنانچہ ترمذی شریف میں ہے عن انس بن مالك مرفوعا ''ان الصدقة لتطفیء غضب الرب وتدفع میتة السوء'' وفی حدیث اخر ''بادورا بالصدقة فان البلاء لا یتخطاها'' صدقہ میں جلدی کرو اس لیے کہ بلاء اور مصیبت صدقہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ (الدرالمنضود)

**تعارض:** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا مال صدقہ کرنا اچھی بات ہے، جب کہ ایک روایت ہے ''خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنیً'' بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد متصدق میں غنا باقی رہے، اس کی شکل یہ ہے کہ آدمی اپنی اور اپنی عیال کی ضرورت کے بقدر روک کر صدقہ کردے، اس سے معلوم ہوا کہ تصدق بجمیع المال کے مقابلہ میں تصدق بما فضل عن الحاجة جو مال اپنی ضرورت سے فاضل ہو اس کا صدقہ کرنا، افضل ہے۔

**دفع تعارض:** یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو زیادہ صابر وشاکر وقانع نہ ہوں اور جو لوگ صفت صبر وقناعت اور کمال یقین وتوکل کے ساتھ متصف ہوں، جیسے صدیق اکبرؓ ان کے حق میں تصدق بالجمیع ہی افضل ہے۔ اس سے ان دونوں حدیثوں میں بظاہر جو تعارض نظر آرہا ہے وہ بھی دور ہو گیا کہ یہ اختلاف، اختلاف احوال واشخاص کے اعتبار سے ہے، اور دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ "عن ظهر غنیٰ" میں غنٰی سے عام مراد لیا جائے خواہ غنی المال ہو جو کہ عام لوگوں کے اعتبار سے ہے اور خواہ غنی النفس جو کہ قانعین اور صابرین کے اعتبار سے ہے، پھر اس کے اندر تصدق بجميع المال بھی آجانے گا اور علامہ سندھی اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ غنی سے مراد عام ہے خواہ غنی قلبی یا قالبی اور ظهر کی اضافت غنی کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔ آدمی جس طرح کمر کے سہارے سے ٹیک لگا کر بیٹھتا ہے جس سے اس کو آرام وسکون ملتا ہے، اسی طرح جس صدقہ کے بعد غنی باقی ہوگا وہ غنی اس کے لیے بمنزلہ ظہر اور پشت کے ہوگا، کیوں کہ صدقہ کے بعد اس کا سہارا اس غنی پر ہوگا۔

حضرت ابوبکرؓ سارا مال لائے اور حضرت عمرؓ آدھا لائے، اب اگر حضرت ابوبکرؓ کا مال مقدار میں حضرت عمرؓ کے مال سے زیادہ تھا تو ابوبکرؓ کی فضیلت ہے ہی اور اگر مقدار میں کم تھا تو بھی انہیں کو فضیلت حاصل ہوگی، کیوں کہ انہوں نے کل مال دے دیا، اس سے معلوم ہوا کہ فقیر (غنی القلب) کا صدقہ اگرچہ مقدار میں کم ہو وہ افضل ہے غنی اور مالدار کے صدقہ سے اگرچہ اس کا صدقہ کتنی ہی بڑی مقدار میں ہو، جیسے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث مرفوع میں ہے، سبق درهم مائة الف درهم (اخرجه النسائی وابن حبان والحاکم) یعنی ایک درہم بعض مرتبہ ایک لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک شخص جس کے پاس صرف دو درہم ہیں وہ ان میں سے ایک درہم صدقہ کرتا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جس کے پاس دراہم کا ڈھیر لگا ہوا ہے وہ ان میں سے ایک لاکھ اٹھا کر صدقہ کرتا ہے۔ (بذل، الدر المنضود)

## حدیث نمبر ۲۸۳۰ ﴿حضرت ابوبکرؓ کو نجات کا پروانہ مل گیا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳۱

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَابَكْرٍ دَخَلَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَنْتَ عَتِيْقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ فَيَوْمَئِذٍ سُمِّيَ عَتِيْقًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۳۰۸، ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۷۹۔

**حل لغات:** دخل (ن) دخولا داخل ہونا۔ عتیق (ج) عُتَقَاءُ آزاد کیا ہوا۔ عتق (ض) عتقا العَبْدُ غلام کا آزاد ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا، تم دوزخ کی آگ سے اللہ کے آزاد کردہ ہو، اسی دن سے ان کا نام عتیق پڑ گیا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث**

عتیق کے مختلف معانی ہیں مثلاً عتیق بمعنی حسن وجمال، عتیق بمعنی کرم ونجابت وخیریت۔ عتیق بمعنی آزاد، بری۔ حضرت ابوبکرؓ میں یہ تمام صفات پائی جاتی تھیں، لیکن اس روایت میں آپؓ کا لقب عتیق پڑنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کو "عتیق الله من النار" فرمایا چوں کہ حدیث میں اس کی صراحت آچکی ہے، اس لیے آپؓ کا لقب عتیق بمعنی آزاد، یعنی جہنم سے آزاد ہوگا دوسرے وجہ تسمیہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح**

انت عتیق الله یہ حدیث ضعیف ہے اسحق بن یحییٰ ضعیف راوی ہیں اور سند میں اختلاف بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث اسحق بن طلحہ روایت کرتا ہے یا موسیٰ بن طلحہ، اول صرف مقبول راوی ہے، اور دوم ثقہ اور ثبت ہیں، مگر دو حدیثیں اس کی شاہد ہیں، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں حضرت ابوبکرؓ رسول ﷺ کے پاس گزرے آپ ﷺ نے

فرمایامن اراد ان ینظر الیٰ عتیق من النار فلینظر الیٰ ھذا، جوجہنم سے آزادکو دیکھنا چاہے وہ ان کو دیکھے۔ یہ روایت مستدرک حاکم (۶۱:۳) میں ہے، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کہتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کا نام عبداللہ بن عثمان تھا، ان سے نبیؐ نے مذکورہ بات فرمائی تو ان کا نام عتیق پڑگیا۔ یہ روایت صحیح ابن حبان اور طبرانی وغیرہ میں ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۲۸۳۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳۲

## ﴿امت میں سب سے پہلے ابوبکرؓ قبر سے نکلیں گے﴾

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْأَرْضُ ثُمَّ أَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ آتِیْ أَھْلَ الْبَقِیْعِ فَیُحْشَرُوْنَ مَعِیْ ثُمَّ أَنْتَظِرُ أَھْلَ مَکَّۃَ حَتّٰی أُحْشَرَ بَیْنَ الْحَرَمَیْنِ. (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۰ ج۲، باب فی مناقب عمر بن الخطابؓ، کتاب المناقب، حدیث۳۶۹۲

**حل لغات:** تنشق، اِنْشَقَّ (انفعال) اِنْشِقَاقًا ظاہر ہونا۔ یحشرون، حَشَرَ (ن) حَشْرًا جمع کرنا، اکٹھا کرنا۔ انتظر، اِنْتَظَرَ (افتعال) اِنْتِظَارًا انتظار کرنا۔ الحرمین اس سے مکہ اور مدینہ دونوں مراد ہیں۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ ہوں کہ سب سے پہلے زمین میرے اوپر سے پھٹے گی، پھر ابوبکرؓ سے، پھر عمرؓ سے، پھر میں بقیع والوں کے پاس آؤں گا، تو میرے ساتھ اکٹھا کئے جائیں گے، پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا، یہاں تک کہ حرمین کے درمیان حشر کیا جائے گا۔ (ترمذی)



**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سب سے پہلے نبی کریمؐ اپنی قبر سے باہر تشریف لائیں گے، آپؐ کے بعد سب امت سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اپنی قبر سے اٹھیں گے، اس کے بعد حضرت عمرؓ اپنی قبر سے باہر آئیں گے، فرمایا کہ اسکے بعد میں جنت البقیع یعنی مدینہ کے قبرستان میں آؤں گا اور اہل بقیع اپنی قبروں سے اٹھیں گے، پھر آپؐ اہل مکہ کا بقیع میں انتظار کریں گے، یہاں تک کہ سب جمع ہوجائیں، پھر محشر کی طرف روانہ ہوں گے اور تمام مخلوق وہاں جمع ہوگی، ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے شیخین کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، اس لیے بہتر یہ تھا کہ یہ حدیث باب مناقب الشیخین میں ذکر کی جاتی۔ (مرقات، جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** اول من تنشق قیامت کے دن قبر پھٹے گی یہ حدیث ضعیف ہے، عاصم عمری امام ترمذی کے نزدیک حافظ (اچھی طرح حدیثوں کو یاد رکھنے والے) نہیں، اور محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں اور عبداللہ صائغ کی کتاب تو صحیح تھی، مگر حافظہ میں کمزوری تھی اور یہ حدیث انہوں نے معلوم نہیں کتاب سے بیان کی ہے یا حافظہ سے اور یہ حدیث صرف ترمذی میں ہے باقی کتب خمسہ میں نہیں ہے، البتہ مستدرک حاکم (۴۶۵:۲) میں ہے، مگر ذہبی نے صائغ کی تضعیف کی ہے، اور مستدرک میں سند بھی مختلف ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۲۸۳۲ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳۳

## ﴿امت میں سب سے پہلے ابوبکرؓ جنت میں داخل ہوں گے﴾

وَعَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَأَخَذَ بِیَدِیْ فَأَرَانِیْ بَابَ الْجَنَّۃِ الَّذِیْ یَدْخُلُ مِنْہُ أُمَّتِیْ فَقَالَ أَبُوْبَکْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَدِدْتُّ أَنِّیْ کُنْتُ مَعَکَ حَتّٰی أَنْظُرَ إِلَیْہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّکَ یَا أَبَا بَکْرٍ أَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ أُمَّتِیْ. (رَوَاہُ أَبُوْدَاوُدَ)

**حوالہ:** ابوداود، ص۶۴۰ ج۲، باب فی الخلفاء، کتاب السنہ، حدیث۴۶۵۲

**حل لغات:** وددت، ود (س) وُدًا محبت کرنا، چاہنا۔ یدخل، دخل (ن) دخولا داخل ہونا، آنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین میرے پاس آئے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت کا جنت میں داخلہ ہوگا، ابوبکرؓ نے (حضورؐ سے یہ سن کر عرض کیا کہ) حضورؐ میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میں بھی اس وقت حضورؐ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی اس دروازہ کو دیکھتا، رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضورؐ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جبرئیل امین آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے اور جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی، ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ شب معراج کا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کسی دوسرے موقع پر جبرئیل بحکم خداوندی حضورؐ کو جنت کا وہ دروازہ دکھانے کے لیے لے گئے ہوں، یہ معراج کی طرح ملاء اعلیٰ کا سفر بھی ہوسکتا ہے اور مکاشفہ بھی ہوسکتا ہے، بہر حال جب حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ سے یہ سن کر عرض کیا کہ حضرتؐ میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی جنت کا وہ دروازہ دیکھتا، تو حضورؐ نے ان کو وہ بشارت سنائی کہ تم جنت کا دروازہ دیکھنے کی آرزو کرتے ہو جب کہ میں تم کو اس سے بڑی خداوندی نعمت کی خوشخبری سناتا ہوں، یقین کرو کہ میری امت میں سب سے پہلے جنت میں تم داخل ہوگے، بلاشبہ یہ اس کی روشن دلیل ہے کہ امت میں سب سے افضل اور عالی مرتبت حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** وددت انی کنت معك علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جنت کا دروازہ دیکھنے کی تمنا کا اظہار کیا اور تمنا ایسی چیز کی ہوتی ہے جو ممکن الحصول نہ ہو، تو نبی کریمؐ نے ان کو تسلی دی کہ تم صرف جنت کے دروازہ دیکھنے کی تمنا کرتے ہو، جب کہ تمہیں تو اس سے بھی اعلیٰ وارفع فضیلت حاصل ہونے والی ہے یعنی جنت میں سب سے پہلے داخل ہونا۔ (جدید مظاہر حق)

## الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۲۸۳۳ ﴿حضرت ابوبکرؓ کے دو عظیم عمل﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٠٣٤**

عَنْ عُمَرَؓ ذُکِرَ عِنْدَهُ أَبُوْبَکْرٍ فَبَکٰی وَقَالَ وَدِدْتُ أَنَّ عَمَلِیْ کُلَّهُ مِثْلُ عَمَلِهٖ یَوْمًا وَاحِدًا مِّنْ اَیَّامِهٖ وَلَیْلَةً وَّاحِدَةً مِنْ لَیَالِیْهِ أَمَّا لَیْلَتُهٗ فَلَیْلَةٌ سَارَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِلَی الْغَارِ فَلَمَّا انْتَهَیَا إِلَیْهِ قَالَ وَاللّٰهِ لَا تَدْخُلُهٗ حَتّٰی أَدْخُلَ قَبْلَكَ فَإِنْ کَانَ فِیْهِ شَیْءٌ أَصَابَنِیْ دُوْنَكَ فَدَخَلَ فَکَسَحَهٗ وَوَجَدَ فِیْ جَانِبِهٖ ثُقُبًا فَشَقَّ إِزَارَهٗ وَسَدَّهَا بِهٖ وَبَقِیَ مِنْهَا اِثْنَانِ فَأَلْقَمَهُمَا رِجْلَیْهِ ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُدْخُلْ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ رَأْسَهٗ فِیْ حَجْرِهٖ وَنَامَ فَلُدِغَ أَبُوْبَکْرٍ فِیْ رِجْلِهٖ مِنَ الْجُحْرِ وَلَمْ یَتَحَرَّكْ مَخَافَةَ أَنْ یَنْتَبِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ دُمُوْعُهٗ عَلٰی وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالَكَ یَا أَبَابَکْرٍ قَالَ لُدِغْتُ فِدَاكَ أَبِیْ وَاُمِّیْ فَتَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَ مَا یَجِدُهٗ ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَیْهِ وَکَانَ سَبَبَ مَوْتِهٖ وَأَمَّا یَوْمُهٗ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ارْتَدَّتِ الْعَرَبُ وَقَالُوْا لَا نُؤَدِّیْ زَکٰوةً فَقَالَ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا لَجَاهَدْتُّهُمْ عَلَیْهِ فَقُلْتُ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ فَقَالَ لِیْ أَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّةِ

وَخَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ إِنَّهُ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّيْنُ أَيَنْقُصُ وَأَنَا حَيٌّ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

**حواله:** (رزین)

**حل لغات:** سار (ض) سیرا چلنا، جانا۔ انتهیا، انتهیٰ (افتعال) انتهاء الیه پہنچنا۔ اصاب (افعال) اصابة پانا۔ کسح (ف) کسحا جھاڑو دینا۔ ثقبا (ج) اثقابٌ سوراخ۔ شق (ن) شقا پھاڑنا۔ سدّ (ن) سدا روکنا، بند کرنا۔ اَلْقَمَ (افعال) اِلْقامًا بند کرنا۔ لُدغ، لَدَغَ (ف) لَدْغًا سانپ کا ڈسنا۔ لم یتحرّك، تحرك (تفعل) تحرکا ہلنا، حرکت کرنا۔ ینتبه، انتبه (افتعال) انتباها بیدار ہونا۔ انتقض (افتعال) انتقاضا ختم ہوجانا۔ ارتدّ، (افتعال) ارتدادا مرتد ہونا۔ جاهدت، جاهد (مفاعلة) مجاهدة مجاہدہ کرنا۔ تألّف (تفعل) تالّفا نرمی کرنا، محبت کرنا۔ خوّارٌ پست حوصلہ۔

**ترجمه:** حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ اُن کے پاس حضرت ابوبکرؓ کا ذکر ہوا تو رو پڑے اور فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میرے سارے اعمال دنوں میں سے ان کے ایک دن کے اعمال جیسے اور راتوں میں سے ان کی ایک رات کے اعمال جیسے ہوتے، پس رات تو ان کی وہ رات ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار کی طرف چلے، جب اس تک پہنچے تو عرض گذار ہوئے، خدا کی قسم آپ اس میں داخل نہیں ہوں گے، جب تک میں اس میں داخل نہ ہو جاؤں؛ کیوں کہ اگر کوئی چیز ہے تو اس کی تکلیف آپ کی جگہ مجھے پہنچے، پس وہ داخل ہوئے اور اسے جھاڑا، اس کے ایک جانب سوراخ تھے، تو اپنی ازار کو پھاڑ کر انہیں بند کیا، دو سوراخ باقی رہ گئے انہیں اپنی ایڑیوں سے روک لیا، پھر رسول اللہ کی بارگاہ میں عرض گذار ہوئے کہ آپ تشریف لے آئیں، پس رسول اللہؐ اندر داخل ہوئے اور ان کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے، پس ایک سوراخ سے حضرت ابوبکرؓ کے پیر میں ڈنک مارا گیا کہ انہوں نے اس ڈر سے حرکت نہ کی کہ رسول اللہ بیدار ہو جائیں گے، لیکن ان کے آنسو رسول اللہؐ کے نورانی چہرے پر گر پڑے، فرمایا کہ ابوبکر کیا بات ہے، عرض گذار ہوئے میرے ماں باپ آپؐ پر قربان مجھے ڈنک مارا گیا ہے، چنانچہ رسول اللہؐ نے لعاب دہن لگا دیا، تو ان کی تکلیف جاتی رہی، پھر اسی زہر نے عود کیا اور وہی زہر آپ کی وفات کا سبب بنا، رہا ان کا دن تو جب رسول اللہؐ نے وفات پائی تو اس وقت بعض اہل عرب مرتد ہو گئے، اور کہا کہ ہم زکوۃ ادا نہیں کریں گے، انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی رسی بھی روکیں گے، تو میں اس پر ان کے ساتھ جہاد کروں گا، میں عرض گزار ہوا کہ اے رسول اللہؐ کے خلیفہ، لوگوں سے الفت کیجئے اور ان سے نرمی سے سلوک فرمایئے، مجھ سے فرمایا کہ کیا تم دور جاہلیت میں بہادر اور اسلام میں بزدل ہو گئے ہو، بیشک وحی منقطع ہوگئی اور دین مکمل ہو گیا، کیا یہ میرے جیتے جی گھٹ جائے گا؟ (رزین)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابوبکرؓ کی پوری زندگی آپؐ سے لازوال عشق اور جان و مال کی قربانی دیتے گزری، لیکن دو دن کے اعمال ایسے خاص و ممتاز ہیں کہ حضرت عمرؓ جیسے خلیفہ راشد ثانی کہتے ہیں، وہ اعمال میری ساری زندگی کے اعمال سے بڑھے ہوئے ہیں: (۱) ہجرت کی شب میں آپؐ کی رفاقت اور غار ثور میں آپؐ کی خدمت جس کا تفصیلی ذکر عالمی حدیث ۵۸۶۸ کے تحت ہو چکا ہے۔ (۲) آپؐ کی وفات کے بعد جو مشکل حالات سامنے آئے اور ان کے آگے پوری قوت سے ڈٹ جانا اور حضرت عمرؓ جیسے جری اور دلیر صحابی کا مصلحت سے کام لینے کی فرمائش کو نہ صرف ٹھکرا دینا، بلکہ اس پر تنبیہ کرنا ایک بڑا عظیم کارنامہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ کی وفات سے اسلام اور مسلمانوں کے لیے عام اسباب کے لحاظ سے بڑی خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی، حضور کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے جو شکستہ دلی عام صحابہ میں پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے، علاوہ ازیں رسول اللہؐ نے مرض وفات ہی میں حضرت اسامہؓ کی قیادت میں ایک بڑی مہم پر ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا، حضور کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق یہ لشکر بلا تاخیر روانہ ہو جائے، چنانچہ وہ روانہ ہو گیا۔ اس طرح اس وقت کی فوجی طاقت کا ایک بڑا حصہ اس

محاذ پر چلا گیا، اس کے علاوہ حجاز مقدس کے قریب علاقہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے حضورؐ کے آخری دور حیات ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور کچھ قبیلے اس کے ساتھ ہو گئے تھے، اس طرح ایک حکومت سی قائم ہو گئی تھی، صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کی وفات کے بعد فوراً فیصلہ فرمایا کہ اس فتنہ کو بھی جلد از جلد ختم کیا جائے، چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں اس کے لیے بھی ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا، انھیں حالات میں حجاز ہی کے بعض علاقوں کے لوگوں نے (جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے) زکوٰۃ کی ادائیگی سے اجتماعی طور پر انکار کر دیا، صدیق اکبرؓ نے ان کو مرتد قرار دیا اور ان کے خلاف بھی جہاد اور لشکر کشی کا فیصلہ فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہونا تھا کہ اس وقت کی ساری فوجی طاقت ان محاذوں پر چلی جاتی اور مرکز اسلام مدینہ منورہ کا حال یہ ہو جاتا کہ اگر کوئی دشمن حملہ کر دے یا آس پاس کے منافقین کوئی فتنہ برپا کر دیں، تو اس کی مدافعت اور اس پر قابو پانے کے لیے فوجی طاقت موجود نہ ہو، اس لیے حضرت عمرؓ اور روایات میں ہے کہ ان کے ساتھ حضرت علیؓ کی بھی رائے تھی کہ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر اسی وقت زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد اور لشکر کشی نہ کی جائے، مصلحت اندیشی اور حکمت عملی کے طور پر ان کے معاملہ میں تالیف اور نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے دل میں یقین پیدا فرما دیا تھا کہ اس فتنہ ارتداد کا استیصال فوراً ضروری ہے، کسی مصلحت اندیشی کے تحت اس کو نظر انداز کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، زکوٰۃ دین کا اہم رکن ہے، نماز ہی کی طرح گویا جزء ایمان ہے، اس کی ادائیگی سے انکار کو برداشت کرنے کا مطلب دین کی قطع و برید برداشت کرنا ہوگا، آپؓ نے فرمایا دین مکمل ہو چکا ہے، وحی کا سلسلہ ختم اور منقطع ہو چکا ہے، رسول اللہؐ نے دین کو جس شکل و صورت میں چھوڑا ہے، اپنی جان دے کر بھی اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے، اس سلسلہ کلام کے آخر میں آپؓ نے فرمایا اینقص الدین وانا حیّ صدیق اکبرؓ کے ان دو لفظوں سے دین کے ساتھ ان کے جس خاص الخاص عاشقانہ تعلق اور اس کی راہ میں قربانی اور فدائیت کے جس جذبہ کا اظہار ہوتا ہے اردو زبان اس کے ادا کرنے سے عاجز ہے، اس واقعہ میں یہ نقطہ خاص طور سے قابل غور اور ہمارے لیے سبق آموز ہے، کہ حضرت عمرؓ کی رائے حضرت ابوبکرؓ کے اس فیصلہ اور اقدام کے خلاف تھی، بعد میں وہی فیصلہ ان کی نظر میں اتنا عظیم ہو گیا کہ اپنے زندگی بھر کے اعمال کو وہ حضرت ابوبکرؓ کے اسی ایک عمل سے کمتر سمجھنے لگے اور اس کا برملا اعتراف فرمایا۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح**

وددت ان عملی مجھ کو میرے زندگی بھر کے اعمال کا اللہ تعالیٰ وہ اجر عطا فرما دے جو ابوبکرؓ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کا عطا ہوگا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ رات سے مراد وہ خاص رات ہے جب وہ حضورؐ کے ساتھ ہجرت کے سفر میں غار میں روپوش ہوئے۔ بقی منها اثنان دو سوراخ بند ہونے سے باقی رہ گئے یعنی تہبند میں سے جو کچھ پھاڑا تھا، اس میں سے اتنا باقی نہیں رہا کہ ان دونوں سوراخوں کو بھی بند کیا جا سکتا۔ وکان سبب موته ابوبکرؓ کی وفات سے کچھ پہلے غار ثور میں سانپ کے کاٹنے کا اثر لوٹ آیا اور وہی ان کی وفات کا سبب بنا اور یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ خیبر میں کھائے ہوئے زہر کا اثر تقریباً چار سال کے بعد حضورؐ کی وفات کے قریب لوٹ آیا تھا اور وہی آپؐ کی وفات کا سبب بنا۔ واما یومه حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے اس عمل کا ذکر فرمایا جس کے بارے میں انھوں نے کہا تھا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میری ساری عمر کے اعمال ان کے ایک دن کے عمل کے برابر ہو جائیں، اس سلسلے میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دن سے مراد ابوبکر کی زندگی کا وہ دن ہے جب رسول اللہؐ وفات فرما گئے اور عرب کے بعض علاقوں کے لوگ مرتد ہو گئے۔ لو منعونی عقالا حدیث میں عقال کا لفظ ہے اس کے عام مشہور معنی اس رسی کے ہیں جس سے اونٹ کے پاؤں اس طرح باندھ دیئے جاتے ہیں کہ اس کے بھاگ جانے کا خطرہ بالکل نہیں رہتا، اس لفظ عقال کے دوسرے معنی اونٹ یا بکری کے بچے کے بھی ہیں، اگر یہ معنی لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والے یہ لوگ اگر اونٹ یا بکری کا بچہ دینے سے انکار کریں گے جس کا ادا کرنا ان پر واجب تھا تو میں ان سے جہاد کروں گا، زکوٰۃ دین کا

رکن ہے، اس کا انکار موجب کفر ہے، اگر کسی قوم یا علاقہ کے لوگ اجتماعی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کریں تو وہ مرتد اور واجب القتال ہیں۔ تالف الناس حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے خلیفہ رسول، اس وقت ان لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیجئے۔ حضرت عمرؓ کا منشا تھا کہ کلمہ گو ہیں تمام اعمال کے قائل ہیں، صرف زکوٰۃ کے منکر ہیں لہٰذا ابھی ان سے درگذر کیا جائے، اور دوسرے فتنوں کی سرکوبی کی جائے، حضرت ابوبکرؓ نے غصہ میں جو جواب دیا اس کی تفصیل خلاصہ حدیث میں گذر چکی، حضرت صدیق اکبرؓ نے بڑی دلیری کے ساتھ تمام مرتدین سے قتال کیا اور پھر ایک سال کے عرصہ میں دین اسلام جزیرۂ عرب میں پھر اسی طرح قائم ہو گیا جس طرح حضور چھوڑ کر گئے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابتدا میں صدیق اکبرؓ کی بات کو عجیب سمجھا، لیکن آخر میں ہم نے اس رائے کی تعریف کی، حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ مرتدین کے مقابلے میں صدیق اکبرؓ نبیوں کے مقام پر کھڑے ہو گئے تھے کہ اکیلے تھے مگر ڈٹ گئے قام فی الردۃ مقام الانبیاء۔

## باب مناقب عمرؓ

## (حضرت عمرؓ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ)

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۱۸؍ احادیث نقل فرمائی ہیں، جن میں حضرت عمرؓ کے محدث و ملہم ہونے، شیطان کے ان کے سایہ سے فرار ہونے اور دین کو ان کے ذریعہ تقویت ملنے و دیگر امور کا ذکر ہے۔

**نام و نسب اور خاندان:** عمر نام، ابوحفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب، والدہ کا نام ختمہ، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے اجداد میں سے ہیں، اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جا کر مل جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آ جاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے۔ دادھیال کی طرح حضرت عمرؓ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ختمہ، ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ ہجرت نبویؐ سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے۔ ایام طفولیت کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ بلکہ سن رشد کے حالات بھی کم معلوم ہیں۔ شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفاء عرب میں عموماً رائج تھے، یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی۔ خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا۔ اسی زمانے میں انھوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان میں سے ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔ تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکرِ معاش کی طرف متوجہ ہوئے، عرب میں لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لئے انھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اسی سلسلہ میں دور دراز ممالک کے اسفار کیے، اس سے آپؓ کو بڑے تجربے اور فوائد حاصل ہوئے۔ آپ کی خودداری اور بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی اس کا نتیجہ تھی، اور انھیں اوصاف کی بنا پر قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی، تو آپؓ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم و تدبر اور تجربہ سے عقدہ کو حل کرتے تھے، حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ ریگستان عرب میں آفتاب اسلام پرتو افگن ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی، حضرت عمرؓ کے لئے یہ آواز نہایت نامانوس تھی، اس لئے سخت برہم ہوئے، یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے، اس کے دشمن بن

جاتے۔ ان کے خاندان کی ایک کنیز بسینہ نامی مسلمان ہوگئی تھی، اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے۔ بسینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ (سیر الصحابہ)

**اسلام:** شروع میں اسلام کے مخالف ۔ے اور مسلمانوں کو ستایا کرتے تھے۔ ۶ نبوی میں انھوں نے دین کو قبول کیا ان کے ایمان لانے کا جو قصہ عموماً مشہور ہے دارقطنی، ابن الجوزی اور حافظ ذہبی نے اس پر تنقید کی ہے کیوں کہ رواۃ پائے اعتبار سے ساقط ہیں، مسند احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق وہ حضورؐ کا مسجد الحرام میں قرآن سن کر متاثر ہوئے تھے، جب کہ بخاری میں تصریح ہے کہ انھیں ایک بت سے لا إله الا الله کی آواز آئی تھی، بہرحال چالیسویں مسلمان تھے، آپؓ کے اسلام سے مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی اور انھوں نے علی الاعلان کعبے میں جا کر نماز ادا کی، حضورؐ نے اس وقت انھیں فاروق کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

**ھجرت:** چھ سال بعد جب مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا تو یہ فریضہ بھی دوسرے صحابہؓ کے برخلاف ڈنکے کی چوٹ ادا کیا، مدینے میں آپ کا قیام عوالی میں تھا اور مواخاۃ عتبہ بن مالک سے کرائی گئی تھی، جب دعوت و جہاد کا وسیع سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عمرؓ چھوٹے بڑے تمام معرکوں میں حضورؐ کے ساتھ تھے اور تبوک کے موقع پر تو انھوں نے اپنا آدھا مال لا کر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا، حضورؐ آخر تک آپؓ سے خوش رہے، وفاتِ نبویؐ کے بعد جب خلافت کے مسئلے پر بنوساعدہ میں اختلاف رونما ہوا، تو اسے فرو کرنے اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو قائم کرنے میں سب سے اہم رول حضرت عمرؓ کا ہی تھا، دورِ صدیقیؓ میں وہ خلیفہ اول کے دست راست بنے رہے اور تمام اہم امور خصوصاً تدوینِ قرآن میں بھی آپؓ کی شرکت رہی۔

**خلافت** ۱۳ھ بروز دوشنبہ جمادی الثانیہ کے آخری عشرہ میں حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا، انھوں نے بحیثیت خلیفہ حضرت عمرؓ کا تقرر کر دیا تھا، چنانچہ مسند خلافت پر فائز ہوتے ہی حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ کی مہمات کی تکمیل شروع کی، روم و ایران پر یلغار کر کے آپؓ نے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں الٹ دیں، ایک طرف قادسیہ اور نہاوند جیسی عظیم فتوحات ملیں، تو دوسری جانب شام و اردن اور فلسطین و مصر پر بھی اسلام کا پھریرا لہرا دیا، مسجد و مدرسے قائم ہوئے، عدالتیں بنیں، امام اور قاضیوں کا تقرر ہوا، مسافروں کے لئے سراؤں کا قیام عمل میں آیا، ہر طرف نئے نئے شہر بسائے گئے، دارالخزانہ اور جیل کی تعمیر بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، آپؓ کے فضائل اتنی بڑی تعداد میں مذکور ہیں کہ ان کا شمار بھی آسان نہیں۔ (ضیاء السنن)

**شادی اور اولاد:** آپؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں، اور ان سے متعدد اولاد پیدا ہوئیں سب سے پہلا نکاح زمانہ جاہلیت میں زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح سے کیا، ان کے بطن سے عبداللہ، عبدالرحمٰن اور حضرت حفصہؓ زوجہ رسولؐ پیدا ہوئیں، زینبؓ مکہ میں ایمان لائیں اور وہیں وفات پائی، یہ عثمان بن مظعونؓ کی بہن تھیں۔ دوسرا نکاح دورِ جاہلیت میں ملیکہ بنت جرول خزاعی سے کیا ان کے بطن سے عبیداللہ پیدا ہوئے سنہ ۶ھ میں ان کو طلاق دی۔ تیسرا نکاح تاریخ الاسلام کے مطابق قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی سے کیا اور مولانا زین العابدینؒ کے قول کے مطابق ام حکیم بنت حارث سے کیا، ان کو بھی طلاق دے دی۔ چوتھا نکاح ۷ھ میں جمیلہ بنت عاصم سے کیا جن کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ پانچواں نکاح عاتکہ بنت زیدؓ، چھٹا نکاح ام کلثومؓ بنت علیؓ سے چالیس ہزار مہر پر کیا ان کے بطن سے حضرت زید اور رقیہ پیدا ہوئے اور ساتواں نکاح قریبہ بنت امیہ سے کیا، حضرت عمرؓ کی کل اولاد یہ تھیں: زید اکبر، زید اصغر، عاصم، عبداللہ، عبدالرحمٰن اکبر، عبدالرحمٰن اوسط، عبدالرحمٰن اصغر، عبیداللہ، عیاض، حفصہ، رقیہ، زینب، فاطمہ۔

**حضرت عمرؓ کا انتخاب:** حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مرض میں زیادتی ہوئی اور آپؓ نے یہ محسوس کیا کہ اب دنیا سے جانے کا

وقت بالکل قریب آپہنچا ہے، تو آپ کو خلیفۃ المسلمین کی فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر اس کو نہ طے کیا گیا، تو مسلمانوں میں باہم نزاع اور اختلاف وانتشار ہوگا، اور ان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ لہٰذا آپؓ نے کافی غور وفکر کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ کو خلیفۃ المسلمین کے لئے نامزد کیا، جس کی تمام اکابر صحابہؓ نے تصدیق وتصویب فرمائی، گو بعض صحابہ نے یوں بھی کہا کہ عمر بہترین شخص تو ضرور ہیں، مگران کے مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ جب خلافت کا بوجھ پڑے گا تو خود یہ سختی دور ہو جائے گی۔ بالآخر سب نے حضرت ابوبکرؓ کی اس نامزدگی سے اتفاق کیا اور خلیفۃ المسلمین مان کران کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

**شہادت عمر فاروقؓ:** مدینہ منورہ میں مغیرہ بن شعبہ کا ایک نصرانی غلام فیروز نامی تھا، جس کی کنیت ابولولو تھی، اس نے ایک روز برسر بازار حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کی شکایت کی کہ مغیرہ مجھ سے زیادہ ٹیکس وصول کرتا ہے آپؓ نے معلوم کیا کتنا وصول کرتا ہے؟ کہا روزانہ دو درہم اور میں نجاری نقاشی اور آہنگری کا پیشہ کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہاری آمدنی کے اعتبار سے کچھ زیادہ نہیں ہے، غلام ابولولو ناراض ہو کر چلا گیا، اور آپؓ کے خلاف دل میں نفرت وعداوت کی آگ سلگانے لگا، یہاں تک کہ وہ منحوس دن بھی آ گیا کہ ۲۷/ ذی الحجہ ۲۳ھ بروز چہارشنبہ کو ابولولو بدبخت نے آپؓ پر عین نماز میں قاتلانہ حملہ کر دیا، اور لگاتار چھ وار کیے اور خود بھی اپنے آپ کو خنجر مار کر خودکشی کر لی، آپؓ کے زخمی ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز پوری فرمائی، حضرت عمرؓ کو اسی خون آلود شکل میں گھر لایا گیا۔ ہوش آنے کے بعد لیٹے لیٹے نماز ادا کی اور قاتل کے بارے میں معلوم کیا کہ کون میرا قاتل ہے لوگوں نے کہا مغیرہ کا غلام ابولولو ہے، آپؓ نے شکر ادا کیا کہ کسی مسلمان کے ہاتھ میری موت نہیں ہو رہی ہے۔ الغرض بے مثال قائد وعدل انصاف کا درخشاں ستارہ یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو اپنے وارثوں کو روتا بلکتا عالم اسلام کو غمگین چھوڑ کر غروب ہو گیا، جنازہ کی نماز حضرت صہیب رومیؓ نے پڑھائی اور آپؓ کے بیٹے عبداللہؓ نے آپؓ کو روضۂ رسول میں بائیں جانب سپرد خاک کیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (تکمیل الحاجۃ)

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۲۸۳۴ ﴿حضرت عمرؓ کے بلند مرتبہ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳۵**

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَإِنْ يَّكُ فِيْ أُمَّتِيْ أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۲۱ ج۱، باب مناقب عمر بن الخطاب، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۸۹، مسلم، ص۲۷۶ ج۲، باب من فضائل عمر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۱۸۶۴

**حل لغات:** مُحَدَّثُوْنَ جن کا گمان صحیح ہو۔ حَدَّثَ (تفعیل) تَحْدِيْثًا بات کرنا۔ اَلْأُمَمُ واحد اُمَّةٌ امت، جماعت۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے پہلی امتوں میں محدَّث ہوتے تھے اگر میری امت میں سے کوئی محدَّث ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** "محدث" اللہ تعالیٰ کے اس خوش نصیب بندے کو کہا جاتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بکثرت الہامات ہوتے ہوں اور اس بارے میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہو اور وہ نبی نہ ہو، کسی نبی کا امتی ہو، حضور کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے اور میری امت میں اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے خصوصیت کے ساتھ نوازا ہے تو وہ عمرؓ ہیں، حدیث کے الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ حضور کو اس بارے میں کوئی شک وشبہ تھا، آپؐ کی امت جب خیر الامم اور اگلی تمام امتوں سے افضل ہے، تو ظاہر ہے کہ اس میں بھی ایسے خوش نصیب بندے ہوں گے، جو کثرت

الہامات کی نعمت سے نوازے جائیں گے، حضورؐ کے اس ارشاد کا مقصود و مدعا اس بارے میں حضرت عمرؓ کی خصوصیت اور امتیاز سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے بارے میں حضرت عمرؓ کو تخصص و امتیاز حاصل تھا۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** محدثون مُحَدَّثٌ اسم مفعول، باتیں کیا ہوا، یعنی ملہم جس کے دل میں اللہ کی طرف سے کوئی بات ڈالی جائے یا فرشتہ آکر خواب میں یا خواب اور بیداری کے درمیان میں یا بالکل بیداری میں کوئی بات بتا جائے، جاننا چاہئے کہ سب سے اونچا مقام نبی کا ہے، پھر صدیق کا پھر ملہم کا، ملہم کے لیے دوسرا لفظ مُحَدَّث ہے، آپؐ کے بعد نبوت کا تو سلسلہ ختم ہوگیا، کوئی نیا نبی آنا نہیں، البتہ آپؐ کی امت میں صدیقین اور ملہمین ہوتے رہیں گے، بنی اسرائیل میں انبیاء صدیقین اور محدثین ہوتے تھے نبیؐ کی امت میں نبوت تو باقی نہیں رہی۔ البتہ صدیقین اور ملہمین ہوتے رہیں گے، پہلے صدیق حضرت ابوبکر اور پہلے ملہم حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اصطلاح میں مُحَدَّث وہ ہے جس کا نفس عالم ملکوت (فرشتوں کی دنیا) کے بعض علمی خزانوں کی طرف سبقت کرے اور وہاں اللہ تعالیٰ نے جو علوم شرعیہ مہیا کیے ہیں، ان میں سے بعض نزولِ وحی سے پہلے اخذ کرے، جن کا تعلق آئین و شریعت سے ہو یا نظام انسانی کی اصلاح سے ہو، جیسے بعض نیک بندے عالم ملکوت میں جو باتیں طے پا چکی ہیں، ان کو خواب میں دیکھ لیتے تھے۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۲۸۳۵ ﴿حضرت عمرؓ سے شیطان کا ڈرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳۶**

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ اِسْتَأْذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ نِسْوَةٌ مِّنْ قُرَيْشٍ يُكَلِّمْنَهُ وَيَسْتَكْثِرْنَهُ عَالِيَةً أَصْوَاتُهُنَّ فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ قُمْنَ فَبَادَرْنَ الْحِجَابَ فَدَخَلَ عُمَرُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ فَقَالَ أَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِيْ كُنَّ عِنْدِيْ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ قَالَ عُمَرُ يَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ أَتَهَبْنَنِيْ وَلَا تَهَبْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَ نَعَمْ أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيْهٍ يَا بْنَ الْخَطَّابِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَالَ الْحُمَيْدِيُّ زَادَ الْبَرْقَانِيُّ بَعْدَ قَوْلِهٖ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا أَضْحَكَكَ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۰ ج ۱، باب مناقب عمر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۸۳، مسلم، ص ۲۷۶ ج ۲، باب من فضائل عمر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۳۹۶

**حل لغات:** يُكَلِّمْنَ كَلَّمَ (تفعیل) تَكْلِيْمًا بات کرنا۔ يَسْتَكْثِرْنَ استكثر (استفعال) اِسْتِكْثَارًا زیادہ سمجھنا۔ أَصْوَاتٌ واحد صَوْتٌ آواز۔ بَادَرْنَ بَادَرَ (مفاعلت) مُبَادَرَةً جلدی کرنا، سبقت کرنا۔ الحجاب جمع حُجُبٌ پردہ، رکاوٹ۔ اِبْتَدَرَ (افتعال) اِبْتِدَارًا سبقت کرنا۔ تَهَبْنَ هَابَ (س) هَيْبَةً ڈرنا۔ سَالِكًا سَلَكَ (ن) سُلُوْكًا چلنا۔ فَجٌّ جمع فِجَاجٌ طویل، کشادہ راستہ۔

**ترجمہ:** حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی عورتیں تھیں، وہ آپؐ سے کسی معاملے میں بات کر رہی تھیں اور آپؐ سے کسی چیز کی زیادتی کا مطالبہ کر رہی تھیں، ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، پس جب حضرت عمرؓ نے اجازت مانگی، تو وہ سب اٹھ کر تیزی سے پردہ میں چلی گئیں، وہ آئے تو آپؐ ہنس رہے تھے، حضرت عمرؓ نے کہا اللہ تعالیٰ آپؐ کے دانتوں کو ہنسائے، یعنی خوش رکھے، اے اللہ کے رسولؐ!

آپ نے فرمایا مجھے حیرت ہوئی ان عورتوں پر جو میرے پاس تھیں، جب انھوں نے آپؐ کی آواز سنی تو وہ ایک دم پردہ میں چلی گئیں، حضرت عمرؓ نے کہا اے اپنی ذاتوں کی دشمنو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہؐ سے نہیں ڈرتیں، انھوں نے جواب دیا تم بداخلاق اور سخت مزاج ہو، آپؐ نے فرمایا اے ابن خطاب اس بات کو چھوڑ دو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، نہیں ملاقات کرتا آپ سے شیطان کبھی کسی کشادہ گلی میں، مگر چلتا ہے وہ اس گلی کے علاوہ گلی میں۔ (بخاری و مسلم) اور حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ برقانی نے یارسول اللہ کے لفظ کے بعد ما اضحکك کا اضافہ کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اندر دینی حمیت کا عنصر بہت غالب تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی آمد سن کر عورتیں وہاں سے ہٹ گئیں، اور شیطان حضرت عمرؓ کے سایہ سے بھاگتا تھا اور یوں بھی حضرت عمرؓ کی غیرت بہت مشہور ہے، آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب میں پردہ کا رواج نہ تھا یہاں تک خود ازواج مطہرات پردہ نہیں کرتی تھیں، حضرت عمرؓ کی غیرت اس بے حجابی کو نہایت ناپسند کرتی تھی، بار بار رسول اللہؐ سے ملتجی ہوئے کہ آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیں، اس خواہش کے بعد ہی آیت حجاب نازل ہوئی۔ آپ کی غیرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب آپ کو خبر ملی کہ مسلمان عورتیں حماموں میں عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں، تو تحریری حکم نامہ جاری کیا کہ مسلمان عورت کا غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔ (سیر الصحابہ)

**کلمات حدیث کی تشریح** وعندہٗ نسوۃ من قریش آپؐ کے پاس قریش کی عورتیں تھیں۔

**سوال:** یہ عورتیں کون تھیں؟

**جواب:** بظاہر یہ آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات تھیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے علاوہ دوسری عورتیں بھی ہوں، لیکن یہ جو الفاظ ہیں "یستکثرنہ" کے اس سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ غیر عورتیں آنحضرتؐ سے زیادہ (نان ونفقہ وغیرہ) کا مطالبہ کس طرح کرسکتی ہیں۔ یستکثرنہ کا معنی یہ ہے کہ وہ خواتین یہ مطالبہ کررہی تھیں کہ ان کو اس سے زیادہ دیا جائے جو انھیں دیا جارہا ہے، جب کہ داؤدی کا خیال یہ ہے کہ "یستکثرنہ" کا معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہؐ سے زیادہ باتیں کررہی تھیں، لیکن یہ تاویل مردود ہے؛ کیوں کہ مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت ذکر کی ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ وہ عورتیں نفقہ میں کثرت اور اضافے کی خواہش ظاہر کررہی تھیں، ظاہر ہے کہ تصریح کے بعد یہ احتمال نہیں رہتا کہ دوسرا کوئی معنی مراد ہوگا۔ (فتح الباری، ص ۵۷ ج ۹) **عالیۃ اصواتھن، عالیۃ** بنائے بر صفت ہونے کے مرفوع ہے اور یا حال ہونے کے باعث منصوب ہے۔

**سوال:** اب یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اللہ کے رسول کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنا شرعاً ممنوع ہے، پھر یہ خواتین کیوں اونچی آواز سے بات کررہی تھیں؟ خاص کر جب وہ تھیں بھی منتخب عورتیں اور پیغمبرؐ کی گھر والیاں، پھر تو ان کے لیے یہ عمل اور بھی زیادہ شنیع اور نامناسب ہونا چاہیے۔

**جواب:** اس بات کی کئی تاویلات کی گئی ہیں اور مختلف جوابات اس کے دیئے گئے ہیں۔ ابن التین فرماتے ہیں اس میں یہ احتمال ہے کہ رفع صوت کی ممانعت سے قبل ہی انھوں نے اونچی آواز میں بات کی ہو، یا پھر ممکن ہے یہ رفعِ صوت ان کی طبیعت میں تھا، یعنی وہ قدرتی اور طبعی طور پر جہور الصوت عورتیں ہوں، اور ممانعت اس رفعِ صوت کی ہے جو اختیاری یا بالقصد ہو۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ رفعِ صوت ہر مسلمان کے لیے ممنوع ہے اور ان خواتین میں سے ہر ایک کے لیے بھی بے شک اونچی آواز سے بولنا ممنوع تھا، مگر یہاں جو رفع صوت تھا، وہ سب کے ایک ساتھ بولنے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا، یعنی ان میں سے کوئی خاتون متعین اور مشخص طور پر آداب کی خلاف

ورزی نہیں کر رہی تھیں، بلکہ ان کے اجتماع کی وجہ سے یہ بات پیدا ہوگئی تھی، اور ظاہر ہے اس کی وجہ سے متعین طور پر کوئی ایک خاتون خلاف ورزی کا ارتکاب کرنے والی نہیں ٹھہرائی جا سکتی ہے، تاہم یہ جواب محل نظر ہے؛ کیوں کہ اگر ایک ایک آواز پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ تھی تو لامحالہ مجموعہ اصوات بھی آپ کی آواز کے مقابلہ میں بلند نہیں ہو سکتا، ایک قول یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ان میں سے کوئی ایک عورت ''جھیر ہ''یعنی ایسی ہوں کہ اس کی آواز اونچی ہو، ایک قول یہ بھی ہے کہ رفع صوت کی ممانعت مردوں کے لیے تھی نہ کہ عورتوں کے لیے، اور ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کے لیے اس کی کراہت تنزیہی تھی نہ کہ تحریمی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں جو رفع صوت تھا وہ مخاصمت اور منہ ماری کی وجہ سے تھا اور مخاصمت میں غیر ارادی طور پر اونچی آواز ہو جاتی ہے، جب کہ ممنوع رفعِ صوت وہ ہے جو ارادی اور بالقصد ہو، یہ بھی جواب میں کہا گیا ہے کہ ازواج مطہرات نے آواز تو اونچی کی، مگر انھیں یہ اعتماد اور یقین تھا کہ یہ ان کے حق میں معاف ہے اور خلوت میں کئی ایسی چیزیں جائز ہوتی ہیں جو مجلس میں اور جلوت میں جائز نہیں ہوتیں، تو ہو سکتا ہے کہ رفعِ صوت کی ممانعت یا خفض صوت کا ادب، آداب مجلس میں سے ہو اور میاں بیوی کے درمیان اس میں کوئی مذائقہ نہ ہو۔ (فتح الباری، ص ۵۸ ج ۹) اضحك الله سنك بظاہر یہ حضرت عمرؓ کی جانب سے رسول اللہؐ کے لیے کثرت ضحک کی دعا ہے، تاہم حافظؒ صاحب فرماتے ہیں اس جملے سے یہ مراد نہیں ہے بلکہ لازم ضحک کی دعا مراد ہے اور لازم ضحک ''سرور'' ہے، یا پھر لازم ضحک (یعنی سرور) کی ضد کی نفی کی دعا ہے، اور سرور کی ضد حزن ہے، تو حضرت عمرؓ نے گویا یوں دعا فرمائی ''اللہ آپؐ کو پریشانی سے بچائے'' یا ''اللہ آپؐ کو سدا خوش رکھے''۔ (حوالہ بالا) اتھبننی یہ الھیبة سے ہے یعنی کیا تم لوگ مجھ سے ڈرتی ہو اور میری ہیبت اور وقار تمہارے دلوں میں زیادہ ہے اور رسول اللہ کا کم.....؟ حضرت عمرؓ کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ رعب، دبدبہ اور ہیبت تو مومن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کا ہونا چاہئے جب کہ یہ خواتین رسول اللہؐ سے زیادہ (عمرؓ) سے ڈر اور ہیبت محسوس کر رہی ہیں۔ یہ سوال یا نکیر اور شکوہ بھی ازواج مطہرات سے تھا جو اپنے صفاءِ قلب، اور ایمان و اخلاص میں ممتاز مقام کی حامل تھیں، انھوں نے جواب دیا کہ آپ سے مرعوب ہونے کی وجہ آپ کی سخت مزاجی اور سخت گیری ہے جب کہ رسول اللہؐ سراپا رحمت ہیں، سو آپؐ سے مرعوب نہ ہونا ہی آپؐ کی عظمت و رفعت کی دلیل ہے اور رہا آپؐ کا وقار و احترام سو وہ ازواج مطہرات کے دل میں پوری قوت کے ساتھ موجزن ہوتا ہوگا۔

**سوال:** یہاں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کیسے کہہ رہے ہیں کہ تم مجھ سے ہیبت زدہ ہو رہی ہو اور رسول اللہؐ سے نہیں..... ہیبت زدہ ہونے کا کیسے اندازہ ہوا؟



**جواب:** علماء نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ ساری عورتیں پردہ کرنے کے لیے بھاگیں، حالاں کہ پردہ کر کے یہیں بیٹھا جا سکتا تھا، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہؐ کی طرف سے عمر کو اجازت ملنے یا نہ ملنے سے واقف ہوئے بغیر حجاب کے لیے دوڑ لگائی، جو ڈرنے کی علامت ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ ساری عورتوں کا پردہ کے لیے اٹھنا ہیبت کی علامت ہے، ورنہ تو ان میں بعض حضرت عمرؓ کی محرمات بھی تھیں۔ (لامع الدراری، ص ۱۵۹ ج ۸) انت افظ و اغلظ: افظ اور اغلظ ''فظاظة'' اور ''غلظة'' سے اسم تفضیل کے صیغے ہیں اور اسم تفضیل کا قانون یہ ہے کہ وہ اصل فعل میں شرکت کا تقاضہ کرتا ہے تو گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ فظاظة اور غلظة کی صفات رسول اللہؐ میں بھی ہیں مگر آپ (عمرؓ) میں ان کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

**تعارض:** اشکال یہ ہے کہ حدیث کا مفہوم تو یہی ہوا کہ کم سہی مگر ہیں یہ صفات رسول اللہؐ کی ذات میں بھی، جب کہ قرآن آپؐ کی ذات سے اس کی نفی کرتا ہے، ''لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولك'' میں لو کے ساتھ فظاظة اور غلظة کا ذکر کر کے اس کی نفی ہی کی گئی ہے۔ (فتح الباری، ص ۵۸ ج ۹)

**دفع تعارض:** قرآن اور حدیث میں بظاہر موجود اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جو آپؐ سے فظاظة اور غلظة کی نفی کر رہا ہے وہ صفت لازمہ ہونے کی حیثیت سے اس کے وجود کی نفی ہے، للہٰذا مطلق وجود صفت مذکورہ کی نفی اس سے نہیں ہو رہی ہے، اور حدیث میں جو مذکور ہے وہ اس صفت کو بطور صفت لازمہ کے رسول اللہؐ کے لیے ثابت کرنے کا تقاضہ نہیں کرتا بلکہ اس کے مجرد وجود کا تقاضہ کرتا ہے اور مجرد وجود اس صفت کا اللہ کے رسولؐ کے لیے یوں ثابت ہے کہ جس وقت رسول اللہ کوئی امر منکر دیکھتے تو آپؐ میں سختی آجاتی اور عام کیفیت آپ کی نرمی اور شفقت کی ہے، للہٰذا قرآن اور سنت میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ بعض حضرات نے تطبیق کی صورت یوں بیان کی ہے کہ قرآن میں صفت مذکورہ کی رسول اللہؐ سے نفی ہے اور یہاں حدیث میں اس کا حضرت عمرؓ کے لیے اثبات ہے۔ رہا اسم تفضیل تو وہ اپنے معنی پر محمول نہیں ہے یعنی نسبتاً زیادہ ہونے کا ذکر مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کا مجرد وجود ثابت کیا گیا ہے یعنی "الافظ" بمعنی "الفظ" ہے، مگر اس توجیہ میں نظر اور اشکال ہے اور وہ یوں کہ یہاں ترجیح صریح طور پر مذکور ہے، اور وہ یوں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم رسول اللہؐ سے نہیں ڈرتی اور مجھ سے ڈر رہی ہو۔ یعنی اس حوالے سے آپ مجھے رسول اللہؐ پر ترجیح دے رہی ہیں اور جواب میں انھوں نے وجہ ترجیح ذکر کرتے ہوئے اسم تفضیل استعمال کیا جس کا معنی یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے مقابلے میں آپؓ سے زیادہ ڈرنے کی وجہ، پیغمبرؐ کے مقابلے میں آپ کا زیادہ سخت گیر ہونا ہے، من رسول اللہ میں رسول اللہ مفضل علیہ ہیں، اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ فظا اور غلیظ تو رسول اللہ بھی ہیں، مگر آپؓ (عمر) ان سے زیادہ ہیں، معلوم ہوا کہ "أفظ" بمعنی "الفظ" نہیں ہے اور مطلق فظاظة ثابت کرنا حضرت عمرؓ کے لیے مقصود نہیں ہے بلکہ اوروں کے مقابلے میں زیادہ غلظة و فظاظت ثابت کرنا ہے۔ (فتح الباری، ص ۵۸ ج ۹)۔

**سوال:** مذکورہ تشریح میں یہ بات آگئی ہے کہ مطلق غلظة اور فظاظت رسول اللہؐ میں بھی تھی، چنانچہ آپؐ جب کوئی امر منکر دیکھتے تو اس پر نکیر فرماتے اور سختی کا اظہار کرتے تھے، جب کہ حضرت عمرؓ میں سختی زیادہ تھی، اس کا یہ مطلب تو یقیناً نہیں ہے کہ ضروری سختی اور مطلوب درشتی حضرت عمر میں زیادہ اور آپؐ میں کم تھی؟ کیوں کہ منکر اور ناجائز پر ناراضگی اور دل گرفتگی تو اللہ کے رسول میں سب سے زیادہ تھی اور اس میں کمی ثابت کرنے سے گویا آپ کی تنقیص ہوگی، دوسرا مطلب اس پر یہ ہوسکتا ہے کہ ضرورت کے وقت تو رسول اللہ بھی سختی کرتے تھے اور غلظة اور فظاظت کا مظاہرہ کرتے تھے، مگر عام حالات میں ایسا نہ کرتے تھے جب کہ حضرت عمرؓ عام حالات میں بھی سخت تھے، حالاں کہ غیر ضروری حد تک سختی اور بے رحمی دین میں ناپسندیدہ اور خوش اخلاقی کے منافی ہے، پھر حضرت عمرؓ جلیل القدر صحابی رسولؐ میں یہ بات کس طرح ہوسکتی ہے؟

**جواب:** اس بات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عمر مکروہات سے روکنے اور مندوبات پر راغب کرنے اور زور دینے میں مبالغہ کرتے تھے، جب کہ رسول اکرم کے ہاں زجر عن المکروھات اور ترغیب الی المندوبات میں اتنی سختی نہ ہوتی تھی۔ بالفاظ دیگر رسول اللہؐ طبعاً نہایت نرم دل اور نرم مزاج تھے اور شدت آپ میں دینی اور شرعی تھی، جو نہایت ضروری اور مجبوری کے وقت سامنے آتی تھی، جب کہ حضرت عمرؓ طبعاً شدید اور سخت مزاج تھے، اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد یہ شدت انھوں نے اللہ کے لیے استعمال کی تو معمولی کوتاہیوں پر بھی سختی کرتے اور چھوٹے چھوٹے آداب کے لیے بھی شدت سے کام لیتے تھے بس اتنی سی بات ہے۔ ایه یا ابن الخطاب ابن التین سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ بغیر تنوین کے صحیح ہے اور معنی ہے "کف عن لومھن" یعنی آپ انھیں ملامت نہ کریں اور اس سے آپ کا منشا شاید یہ ہو کہ ان کا مطالبہ کوئی غیر شرعی اور گستاخانہ نہیں ہے۔ للہٰذا انھیں ڈانٹنا درست نہیں ہے، ہاں اگر وہ خود قناعت اور صبر کا دامن تھامیں تو یہ اچھا ہوگا۔ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول کی توقیر اور تکریم مطلوب لذاتہ ہے اور اس میں اضافہ اور کثرت قابل ستائش اور ضروری ہے، للہٰذا رسول اللہؐ کا "ایه" کہہ کر حضرت عمرؓ سے اس میں مزید کہنے کی خواہش ظاہر کرنا ہی معقول اور اقرب الی الفہم ہے اور اس کا

قرینہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے اس کے بعد فرمایا: و الذی نفسی بیدہٖ" اس جملے میں حضرت عمرؓ کی زبردست تعریف کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور آپ کی اصابت رائے اور حق گوئی کی تعریف کی۔ علامہ تورپشتی کلمہ "ایہ" کے متعلق کہتے ہیں "ایہ" اسم ہے، جس سے فعل کو موسوم کہا گیا ہے؛ کیوں کہ اس کا معنی امر کا ہے، چنانچہ جب کسی سے قول یا عمل میں اضافے کی اور مزید کی طلب ہوتی ہے تو اسے "ایہ" بکسر الہاء کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے، پھر جب اسے آگے کلام سے ملانا ہوتا ہے تو اس کو تنوین کے ساتھ یوں پڑھا جائے گا، "ایہ حدیثا" یعنی بات آگے بڑھایئے اور جب مخاطب کو اسکات اور خاموش کرنا مطلوب ہو تو "ایھاً عنا" بالالف کہا جاتا ہے، اور اس حدیث میں معلوم ہوتا ہے اسی طرح الف کے ساتھ ہے اور اس کا معنی ہے "کف یا ابن الخطاب عن ھٰذا الحدیث" یعنی اس بات کو جانے دو اور اس سے باز رہو، اور امام بخاری نے اسے مجرور و منون روایت کیا ہے جب کہ درست "ایھا" (بالفتح) ہے اور مسلم نے اس روایت کو ذکر کیا ہے مگر اس میں کلمہ مذکور ہی نہیں ہے۔ الا سلك فجا غیر فجك یہ حضرت عمرؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ وہ شیطان سے اکثر محفوظ ہوتے ہیں، اور شیطان ان کی راہ تک سے دور بھاگتا ہے، ساتھ چلنا اور حملہ کرنا تو دور کی بات ہے۔

**کیا حضرت عمرؓ معصوم تھے؟** اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ سے شیطان اتنا ہی دور بھاگتا تھا تو پھر تو وہ معصوم ٹھہرے؟ کیوں کہ شیطان جب ان کے قریب نہیں آسکتا تو ان سے گناہ کیا صادر کرائے گا، جب کہ اہل سنت والجماعت عصمت کا عقیدہ صرف انبیاء کے لیے رکھتے ہیں کوئی غیر چاہے جتنا بڑا کیوں نہ ہو، اہل سنت کے ہاں معصوم نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ نے یہ دیا ہے کہ روایت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ شیطان کے لیے حضرت عمرؓ تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں ہے اور وہ ان سے بھاگتا ہے، لیکن یہ ان کی عصمت کا تقاضہ اس لیے نہیں کرتی کہ اس میں اس بات کی نفی اور ممانعت تو نہیں ہے کہ شیطان کے بذریعہ وسوسہ ان کے دل میں کوئی بات ڈالنے کی بھی قدرت نہیں ہے، سو یہ قدرت اسے حاصل ہے اور وسوسہ کے ذریعہ حضرت عمرؓ کے دل میں بھی بات ڈال سکتا ہے، لہٰذا حدیث سے ان کی عصمت کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتی۔ (فتح الباری، ص ۵۹ ج ۹) یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ مذکورہ روایت سے بطور مفہوم موافق کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ معصوم تھے اور شیطان بطریق وسوسہ بھی ان کے دل میں کوئی بات ڈال کر اپنے کسی فعل بد پر نہیں ڈال سکتا تھا اور وہ یوں کہ جب شیطان حضرت عمرؓ کے اختیار کردہ راستے پر نہیں آسکتا تھا تو پھر اسے اتنا قریب آنے اور میل ملاپ اختیار کر کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی کیوں کر جرأت اور ہمت ہوگی، ظاہر ہے اگر راستہ چلنے تک کی اس میں ہمت نہ تھی تو میل ملاپ اور وسوسہ ڈالنے کی طاقت تو بطریق اولیٰ اس میں نہ ہوگی اور یوں حضرت عمرؓ اس کے دسترس سے محفوظ ہوں گے اور یہی عصمت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح سے حضرت عمرؓ کے لیے عصمت ثابت ہونا لازم نہیں آتا، کیوں کہ ممکن ہے اللہ نے شیطان سے ان کی حفاظت کی ہو اور عصمت ثابت بھی ہو جائے تو عصمت نبی کے حق میں واجب، جب کہ غیر کے حق میں ممکن ہے، اسی مضمون کی ایک روایت طبرانی "اوسط" میں ذکر کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں "ان الشیطان لا یلقی عمر منذ أسلم إلا خرّ بوجھہ" یعنی حضرت عمرؓ نے جب سے اسلام قبول کیا ہے، شیطان ان سے نہیں ملتا، مگر منہ کے بل گر جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ سے شیطان کے فرار ہونے کا مطلب کے بارے میں علامہ تورپشتی کہتے ہیں: تنبیہ علی صلابتہ فی الدین واستمرار حالہ علی الجد الصرف الخ یعنی حدیث کے ان الفاظ میں تنبیہ ہے حضرت عمرؓ کی صلابت فی الدین (دین میں پختگی) پر اور ان کے ہمیشہ خالص سنجیدگی اور حق محض پر قائم رہنے پر، چنانچہ وہ رسول اللہؐ کے لیے بمنزلہ ننگی تلوار اور سیف قاطع کے تھے کہ جب رسول اللہؐ اسے چلاتے تو وہ چل جاتی اور جب روکتے رک جاتی، تو شیطان پر حضرت عمرؓ کا یہ تسلط اللہ کے رسول کی جانب سے تھا اور اس حوالہ سے ان کی مثال بادشاہ کے ایک محافظ اور کمانڈر کی

تھی، اس لیے شیطان ہمیشہ اس راستے سے انحراف کرتا تھا جس پر حضرت عمرؓ چلتے؛ کیوں کہ وہ رسول اللہؐ کے سپاہی تھے۔

**راستے الگ ہونے کے دو مطلب:** (۱) نوویؒ کہتے ہیں یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان جب حضرت عمرؓ کو دیکھتا تھا، بھاگ جاتا تھا اور وہ راستہ ہی چھوڑ جاتا تھا، (۲) جب کہ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضرب المثل ہو اور اس کا معنی یہ ہوں کہ حضرت عمرؓ نے شیطان کا راستہ چھوڑ دیا ہے اور ایسے صحیح راستے اور درست طریقے پر چلے ہیں کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیا ہے جو شیطان کو پسند ہے اور گویا عمرؓ کے اور شیطان کے راستے بالکل الگ الگ ہیں، تاہم پہلی بات کو زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے؛ کیوں کہ اس میں لفظ کو اپنے ظاہر اور متبادر معنی پر محمول کیا گیا ہے۔

**سوال:** رسول اللہؐ ایسی سختی کیوں نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہؐ نے اپنے مذکورہ ارشاد میں ازواج مطہرات کے حضرت عمرؓ سے ڈرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمرؓ دین کے معاملے میں بڑے سخت اور دوٹوک تھے اور شیطان ان کے قریب بھی نہیں بھٹک سکتا تھا، اور یوں آپؐ نے انہیں "ایہ" کہہ کر وہ بات مزید تصریح و تفصیل کے ساتھ کہنے کا مطالبہ کیا، جو انہوں نے خود سے ازواج مطہرات کے ڈر جانے اور رسول اللہؐ سے نہ ڈرنے پر کہی تھی۔ یعنی "اتھبننی ولا تھبن رسول اللّٰہ"۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کا یہ دو ٹوک اور سخت انداز رسول اللہؐ کو اس قدر پسند اور دین میں مطلوب تھا، تو پھر رسول اللہؐ خود ایسے کیوں نہ تھے اور خود آپؐ سے ازواج مطہرات اس قدر کیوں نہ ڈرتی تھیں؟

**جواب:** اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ توربشتیؒ کہتے ہیں: ولما كان النبي صلى الله عليه وسلم رحمة مهداة إلى العالمين الخ یعنی جہاں تک رسول اللہؐ کا تعلق ہے تو آپؐ چونکہ تمام عالم کے لیے سراپا رحمت اور ذریعۂ ہدایت ہیں، خطا کاروں کو معاف کرنے پر معمور ہیں اور نادانوں سے درگزر کا اہتمام کرنے والے ہیں، اس لیے آپؐ لوگوں سے ان کے ناپسندیدہ افعال اور بے ادبانہ حرکات جیسے ناقابل ستائش کاموں پر سختی اور درشتی سے پیش آنے والے نہ تھے، اور ان کے زجر و توبیخ کے درپے نہیں ہوسکتے تھے، کیوں کہ عفو اور درگزر ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، بلکہ عفو اور صفح کا تحقق اس وقت ہوگا جب سختی اور درشتی سے بچا جائے گا، اسی بنا پر یہاں اور اس جیسے بعض دوسرے مواقع پر آپ خود تو تسامح، درگزر اور خاموشی کا مظاہرہ کرتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کے سختی سے پیش آنے کی بھی تحسین کرتے تھے۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۲۸۳۶ ﴿حضرت عمرؓ کا محل﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳۷**

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ امْرَأَةِ أَبِي طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْفَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا فَقَالَ هٰذَا بِلَالٌ وَرَأَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهٖ جَارِيَةٌ فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا فَقَالُوْا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهٗ فَأَنْظُرَ إِلَيْهِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ فَقَالَ عُمَرُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَعَلَيْكَ أَغَارُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۰ ج ۱، باب مناقب عمر، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۷۹، مسلم، ص ۲۷۵ ج ۲، باب من فضائل عمر، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۳۹۵

**حل لغات:** خشفة حرکت، آواز۔ فِنَاءٌ (ج) اَفْنِيَةٌ گھر کا صحن۔ اَغَارُ غَارَ (س) غَيْرَةً غیرت کھانا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں ابوطلحہ کی بیوی رمیصاء تھیں۔ میں نے قدموں کی آہٹ سنی تو کہا کون ہے؟ کہا یہ بلالؓ ہے۔ میں نے ایک محل دیکھا جس کے صحن میں ایک عورت تھی۔ میں نے

کہا یہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا کہ عمرؓ بن خطاب کا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اندر داخل ہو کر اسے دیکھوں لیکن تمہاری غیرت یاد آ گئی، حضرت عمرؓ عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، کیا میں آپؐ پر غیرت کروں گا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** نبیؐ نے خواب میں تین منظر دیکھے، اول: حضرت ابوطلحہ کی اہلیہ حضرت ام سلیمؓ کو آپؐ نے جنت میں دیکھا، ان کا لقب رمیصاء اور نام سہلہ بنت ملحان تھا۔ دوم: نبیؐ نے جنت میں اپنے سامنے آہٹ (چاپ) سنی، پوچھا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا یہ بلالؓ ہیں۔ سوم: آپ نے جنت میں ایک محل دیکھا جس کے آنگن میں ایک لڑکی وضو کر رہی تھی، آپؐ نے پوچھا "یہ محل کس کا ہے؟" بتایا گیا: حضرت عمرؓ کا، آپؐ نے چاہا کہ اندر جا کر اس محل کو دیکھیں مگر آپ کو حضرت عمرؓ کی غیرت یاد آ گئی، تو آپؐ اندر نہیں گئے، جب آپؐ نے یہ خواب سنایا تو حضرت عمرؓ رونے لگے اور کہا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ کے داخل ہونے سے میں غیرت کروں گا؟

**کلمات حدیث کی تشریح** دخلت الجنة معراج کے موقع پر جنت میں داخل ہونا مراد ہے، یا خواب کا واقعہ ہے، ترمذی کی ایک روایت میں "دخلت البارحة الجنة" ہے، یعنی میں نے گزشتہ رات خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، بعض احادیث میں خواب کی صراحت ہے، بہر حال انبیاء کے خواب سچے اور وحی کے درجے میں ہوتے ہیں۔ **الرمیصاء** رمیصاء کے اصل نام کے بارے میں اختلاف ہے، ان کو ام سلیم بھی کہا جاتا تھا اور غمیصاء بھی کہا جاتا تھا۔ ان کا پہلا نکاح مالک بن نضر سے ہوا جن سے حضرت انس بن مالکؓ پیدا ہوئے، ان کے بعد ان کا نکاح حضرت ابوطلحہؓ سے ہوا۔ **سمعت خشفة** آپؐ نے جنت میں اپنے آگے بلالؓ کو چلتے ہوئے محسوس کیا۔

**سوال:** امتی اپنے نبی سے جنت میں آگے کیسے بڑھ گیا؟

**جواب:** حضرت بلالؓ نبیؐ کے خادم تھے، اور خادم مخدوم سے آگے چلتا ہے، پس یہ امتی کا نبی سے آگے ہونا نہیں ہے، بلکہ خادم کا مخدوم سے آگے چلنا ہے، خواب میں وہی تصورات پیکر محسوس اختیار کرتے ہیں جو خزانہ خیال میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ تاہم یہ آگے ہونا فی نفسہٖ ایک فضیلت رکھتا ہے۔

رأیت قصرًا آپؐ نے جنت میں جو محل دیکھا وہ سونے کا تھا، ترمذی میں روایت ہے "اتیت علی قصر مربع مشرف من ذهب" (میں سونے کے بہت اونچے چوکور محل کے پاس پہنچا)۔

### حدیث نمبر ۲۸۳۷ ﴿شانِ حضرت عمرؓ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳۸

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُ النَّاسَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَعَلَیْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا یَبْلُغُ الثُّدِیَّ وَمِنْهَا مَا دُوْنَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَیَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَیْهِ قَمِیْصٌ یَجُرُّهٗ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّیْنَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۲۱ ج۱، باب مناقب عمرؓ، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۳۶۹۱، مسلم، ص۲۷۴ ج۲، باب من فضائل عمرؓ، کتاب فضائل الصحابة، حدیث۲۳۹۰

**حل لغات:** یُعْرَضُوْنَ عرض (ض) عرضًا پیش کرنا۔ قُمُصٌ واحد قَمِیْصٌ کرتا۔ اَلثُّدِیَّ جمع اَلثَّدْیِ پستان، یَجُرُّهٗ جَرَّ (ن) جَرًّا گھسیٹنا۔ اَوَّلْتَ اَوَّلَ (تفعیل) تَاْوِیْلًا تعبیر بیان کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ

اس حالت میں کہ میں سویا ہوا تھا، میں نے خواب میں دیکھا لوگوں کو وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں اور وہ سب کرتے پہنے ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ کے کرتے ایسے ہیں جو صرف سینے تک ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے کرتے سینے سے کچھ نیچے تک ہیں اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی میرے سامنے لائے گئے، ان کا کرتا اتنا لمبا تھا کہ زمین تک پہنچتا تھا، اور وہ اس کو زمین پر گھسیٹ کر چلتے تھے، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ آپ نے فرمایا کہ "دین"۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** لباس اور دین میں یہ مناسبت اور مشابہت ظاہر ہے کہ لباس سردی اور دھوپ کی تپش وغیرہ اور اس عالم کی آفات و تکالیف سے جسم انسانی کی حفاظت کرتا ہے اور سامان زینت ہے اور دین عالم آخرت میں سامان زینت ہوگا اور عذاب سے حفاظت کا ذریعہ و وسیلہ ہوگا، خواب میں جو لوگ آنحضرتؐ کے سامنے پیش کئے گئے تھے، وہ بظاہر امت کے مختلف طبقات اور درجات کے لوگ تھے، کچھ وہ تھے جن کے دین میں مختلف درجات کا نقص تھا، اور ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے جن کا دین بہت کامل تھا، وہ سراپا دین تھے، ان کا دین ان کی اپنی ہستی سے بھی زیادہ تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** رأیت الناس یعرضون علیّ وعلیهم قمص پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے چھوٹے بڑے کرتے پہنے ہوئے پیش کئے جا رہے ہیں، کسی کا کرتہ سینہ تک اور کسی کا اور نیچے، اس حال میں عمرؓ سامنے آئے تو ان کا کرتہ پورے جسم کو ڈھکنے کے بعد زمین پر گھسٹ رہا تھا، صحابہ نے عرض کیا آپ نے اس کا کیا مصداق متعین فرمایا؟ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا "الدین" یعنی مجھے لوگوں کی دینی کیفیت دکھلائی گئی، معلوم ہوا کہ لوگوں میں دین کے اعتبار سے تزاید و تفاوت ہے اور چوں کہ پیش کئے گئے تمام افراد میں حضرت عمرؓ کا قمیص سب سے بڑا تھا، اس لیے ان کا دین سب سے فزوں تر ہے، یہ قمیص کیا چیز ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ اعمال ہی سے تعبیر ہے، کیوں کہ قمیص باہر کی چیز ہے، قمیص کے ذریعہ انسان اپنے بدن کی حفاظت کرتا ہے، یہ بدن کو گرمی سردی سے بچاتا ہے، زیبائش بدن کا کام دیتا ہے، پھر یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے سنبھالنے میں تکلف کم ہے چادر ہو تو سنبھالتے سنبھالتے پریشان ہو جاؤ، تہبند کا معاملہ بھی یہی ہے، ہوا لگی اور ادھر سے ادھر ہو گیا، کشف ستر کا خوف رہتا ہے، لیکن یہ لباس ایسا ہے کہ پہن لیجیے اور بے خطر ہو جائیے، دوسرے کام انجام دینے میں بھی دقت پیش نہیں آتی، بدن کا ہر حصہ پوری طرح ڈھک جاتا ہے، کیوں کہ وہ قمیص خود بھی ایک بدن بن جاتا ہے، اسی طرح دین انسان کا محافظ ہے، انسان کے لیے اعلیٰ زینت و زیبائش اور جہنم کے طبقۂ نار اور طبقۂ زمہریر سے محافظ بھی، گویا یہ دین بدن انسان کی ایسی جگہ حفاظت کرتا ہے جہاں کوئی دوسری چیز حفاظت نہیں کر سکتی، اور جب دین حاصل ہو جاتا ہے تو ہر چیز کی جانب قدم بڑھانے میں سہولت رہتی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ روحانی زیبائش بھی حاصل ہوتی ہے، سچا دین دار انسان خداوند کریم کے یہاں معزز و مقبول ہوتا ہے، اور دنیا والے بھی اس کی عزت کرتے ہیں، اور اس کے سامنے سرنیاز خم کرتے ہیں؛ کیوں کہ اس نے ایک ایسی زینت حاصل کی ہے جو سب کے نزدیک محمود ہے، اور محمود چیز سب کو پسند ہوتی ہے، اب وہ بات کہ اہل ایمان میں دین کے اعتبار سے تفاضل ہے اس حدیث کے اندر بھی آ گئی۔

**اشکال:** یہاں ایک سرسری اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں حضرت عمرؓ کے قمیص کو سب سے بڑا دکھلایا گیا ہے اور اس کی مراد دین بتلائی گئی ہے، حالاں کہ اس پر اجماع ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے بڑا دین درجہ صدیق اکبرؓ کا ہے، اور صدیق اکبرؓ کے بعد فاروق اعظمؓ کا درجہ ہے، اور یہاں سے معلوم ہو رہا ہے کہ دینی حیثیت سے حضرت عمرؓ کی شان تمام لوگوں کے مقابل زائد ہے، کیوں کہ حدیث میں الناس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو حسب تقاضائے مقام استغراق پر محمول ہو سکتا ہے، **اشکال گو وزن دار نہیں ہے لیکن بہر کیف شبہ ضرور پیدا کر سکتا ہے۔**

**جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حدیث میں بیان کردہ تقسیم حاصر نہیں ہے، ان تین درجات کے علاوہ اور بھی بہت سے مراتب اور درجات قائم ہو سکتے ہیں، حدیث میں تین چیزیں ہیں ایک ثدی اور دوسری بات ما دون ذلك اور تیسری بات "يجر قميصه" عقلی طور پر اور بھی احتمالات پیدا ہو سکتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کا قمیص اس سے بھی زائد ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ صدیق اکبرؓ کو پیش نہ کیا گیا ہو کہ ان کا کمال ایمانی مسلم ہے، ان کی عرض کی حاجت نہیں، البتہ حضرت عمرؓ اور دوسرے اصحاب کو پیش فرما کر بلحاظ دین حضرت عمرؓ کا تفوق دکھلانا مقصود ہو، اس صورت میں الف لام کا استغراق عرفی ہوگا، نہ کہ حقیقی، البتہ اگر صدیق اکبرؓ کا نام لے کر حضرت عمرؓ کے متعلق یہ ارشاد ہوتا تو اعتراض کا موقع ہو سکتا تھا، مگر یہاں ایسا نہیں ہوا، دوسری بات یہ کہ اگر تقسیم حاصر بھی ہو تو زائد سے زائد یہ ایک منام کا واقعہ ہوگا اور صدیق اکبرؓ کی فضیلت کا اظہار بحالت یقظہ ہوتا رہا ہے، اس اعتبار سے بھی صدیق اکبرؓ ہی کو فضیلت رہی کجا یقظہ اور کجا منام، مانا کہ یہ منام پیغمبر علیہ السلام کا ہے جو حکماً وحی ہوتا ہے، مگر پھر بھی یہ تو ماننا پڑے گا کہ حالت یقظہ کی تصریحات کے بالمقابل منامی اشارہ ادنیٰ درجہ میں رہے گا، پھر اگر برابر مسلم بھی ہو تو یہ خبر واحد کا نتیجہ ہوگا، اور صدیق اکبرؓ کی افضلیت نصوص قطعیہ متواترہ سے ثابت ہے، اور خبر واحد اعلیٰ سے اعلیٰ ہو کر بھی ظنی ہی رہے گی، تو پھر قطعیات سے ظنیات کا کیا مقابلہ، اور اگر مان لیں کہ روایات میں دونوں جانب قطعیت ہے، تب بھی صدیق اکبرؓ کی افضلیت پر امت عادلہ کا اجماع ہے، جو تمام قطعیات سے اوپر کے درجہ میں ہے، بہر صورت پیش کردہ صحابہؓ میں حضرت عمرؓ کا تفوق دکھانا اس روایت کا مقصد ہے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں، حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب کا رجحان یہ ہے کہ اس حدیث میں فاروق اعظمؓ کی ایک جزئی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ان کے عہدۂ خلافت میں فتوحات کی کثرت ہوگی، جو صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں نہ ہو سکے گی، جر "قميص على الارض" میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس جزئی فضیلت کو لے کر صدیق اکبرؓ کی افضلیت کا مقابلہ نہیں ہو سکتا، صدیق اکبرؓ کا فضل کلی ہے، اور عند التقابل ترجیح فضل کلی ہی کو رہے گی، مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ قیامت کے دن مؤذنین کو نورانی منبروں پر بٹھایا جائے گا اور وہ ایسے اعلیٰ قسم کے ہوں گے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انھیں دیکھ کر غبطہ فرمائیں گے، حالاں کہ بے چارہ مؤذن کہاں اور رفیع الدرجات حضرات انبیاء کرام کہاں؟ کوئی نسبت ہی نہیں، ان کی نشست گاہیں مؤذنین سے بدرجہا اعلیٰ اور افضل ہوں گی، مگر پھر غبطہ کی نوبت آئے گی، ظاہر ہے کہ غبطہ ایسی چیز پر ہوا کرتا ہے جو اپنے پاس موجود نہ ہو، اگر چہ اس سے اعلیٰ اعلیٰ چیزیں خود کو حاصل ہوں، مگر یہ مؤذن کی ایک فضیلت جزئی ہوئی، جو فی ذاتہٖ فضیلت ہوتے ہوئے بھی انبیاء علیہم السلام کے فضائل کلیہ کے مقابل میں محض بے حقیقت ہے، ٹھیک اسی طرح حضرت عمرؓ کی اس فضیلت کو سمجھئے، یا مثلاً کوئی شخص کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اور ایک دوسرا تخت پر ہے اور وہ تخت شاندار ہونے کے باوجود کرسی سے نیچا ہے، ایسی صورتِ حال میں گو تخت پر بیٹھنے والی کی حیثیت اونچی ہے، لیکن کرسی والے کو اونچا ہونے کی ایک جزئی فضیلت حاصل ہے، اور جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو آنحضرتؐ پر ایک جزئی فضیلت حاصل تھی، یعنی وہ آنحضورؐ سے زیادہ صبیح تھے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا زمانۂ خلافت بہت مختصر رہا، صرف دو سال چار ماہ دورِ خلافت ہے اور اس دورِ خلافت میں زیادہ تر ان لوگوں کی اصلاح کی گئی ہے، جنھوں نے پیغمبر علیہ السلام کے وصال کے بعد ارتداد اختیار کیا تھا، صدیق اکبرؓ کی خلافت کا بیشتر حصہ انھیں لوگوں کی سرکوبی میں صرف ہوا، جس کے نتیجہ میں اکثر افراد تائب ہو کر پھر اسلام میں داخل ہوئے اور فاروق اعظمؓ کے دور کی فتوحات کا سلسلہ بہت وسیع ہے، حضرت صدیق اکبرؓ فتنۂ ارتداد کی اصلاح کے بعد اس طرف متوجہ ہوئے تھے، لیکن ابھی سلسلہ دمشق تک پہنچا تھا کہ ان کی وفات ہوگئی، حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک ہزار شہر اسلامی سلطنت میں داخل کیے، لیکن یہ ایک جزئی فضیلت ہے، صدیق اکبرؓ کی فضیلت تو وہاں معلوم ہوتی ہے، جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ما صب الله في قلبي صببته في قلب ابي بكر. اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں

میرے قلب میں القا فرمائی ہیں، میں نے ان کو حضرت ابوبکرؓ کے قلب میں ڈال دیا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر شرط لگائی گئی کہ اگر مشرکین کا کوئی آدمی مسلمانوں کے پاس آجائے گا تو اسے واپس کیا جائے گا اور اگر مسلمان مشرکین کے پاس پہنچے گا تو اسے واپس نہ کریں گے، اس شرط پر بظاہر مسلمانوں کا پہلو کمزور ہو رہا ہے، اسی وجہ سے فاروق اعظمؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "السنا علی الحق وھم علی الباطل" کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں، پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا، اللہ نے مجھے پیغمبر بنایا ہے میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا، پھر حضرت عمرؓ جوش میں بھرے ہوئے صدیق اکبرؓ کے پاس پہنچے اور یہی کہا، صدیق اکبرؓ نے بھی وہی جواب دیا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، صدیق اکبرؓ کو کہاں کہاں دیکھوگے، پیغمبر علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ کس قدر بے حال تھے اور حضرت ابوبکرؓ مستقیم الحال تھے، باوجودیکہ ان کا کلیجہ جل رہا تھا، حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کلیجہ جلنے کی بو سونگھی تھی، دفن کا مسئلہ آیا تو سب لوگ مختلف الخیال تھے، ہر شخص جسد اطہر کو اپنے قریب رکھنا چاہتا تھا، لیکن صدیق اکبرؓ نے فیصلہ کیا کہ پیغمبرانِ کرام کو اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے، جہاں ان کی وفات ہوتی ہے، جیش اسامہؓ کو بھیجنے کے سلسلہ میں سارے مسلمانوں کا دماغ ایک طرف تھا اور صدیق اکبرؓ کا ایک طرف، تمام لوگ مخالف تھے کہ اگر یہ لشکر بھیج دیا گیا تو مدینہ خالی ہو جائے گا، صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ لشکر روکا نہیں جا سکتا، پیغمبر علیہ السلام کا تیار کردہ لشکر ضرور جائے گا، جس کی مصلحت بعد میں ظاہر ہوئی؛ کیوں کہ اگر یہ لشکر نہ جاتا تو دشمن سمجھتا کہ مسلمان ڈرے ہوئے ہیں، پیغمبرؐ کے امور نافذ کرنے میں بھی تردد ہو رہا ہے، اور لشکر چلا گیا تو تمام دشمن یہ سوچ کر دب گئے کہ ضرور کوئی ناقابل شکست طاقت مسلمانوں کے پاس ہے، اسی لیے تو ان حالات میں اتنا بڑا لشکر بغیر کسی پرواہ کے بھیج دیا گیا ہے، اور جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی دماغی اور عملی کاوشوں سے فتنۂ ارتداد کو فرو کر دیا اور فتوحات کے لیے راہ ہموار ہو گئی، تو فاروق اعظمؓ نے ان کی صاف شاہراہ پر چلنا شروع کیا، اور اس طرح فتوحات کا ایک طویل وعریض سلسلہ شروع ہو گیا، اس لیے گو سب سے بڑا کام حضرت صدیق اکبرؓ نے انجام دیا، لیکن فتوحات کی کثرت کی جزئی فضیلت حضرت عمرؓ کے حصہ میں آئی۔ "علیه قمیص یجره" میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، جدھر سے گزرتے ہیں فتح ہی فتح ہوتی ہے، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک کنویں سے پانی نکالا، پھر میرے بعد ابوبکرؓ نے نکالا اور پھر عمرؓ کی باری آئی تو ڈول ایک بڑے چرس کی صورت میں تبدیل ہو گیا، عمرؓ نے بڑی قوت کے ساتھ کھینچنا شروع کیا، حتی کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ آرام سے پہنچ گئے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ثم جاء عمر بن الخطاب فاستحالت غربا فلم ار عبقريا يفرى فريه حتى روى الناس وضربوا العطن. (مسلم، ص ۲۷۵ ج ۲)۔ پھر عمر بن خطابؓ آئے پس وہ ڈول چرس کی صورت میں تبدیل ہو گیا، پس نہیں دیکھا میں نے کسی عبقری کو جوان جیسا عظیم الشان کام کرے، حتی کہ لوگ سیراب ہو گئے اور آرام پا گئے، تو فرض کیجیے کہ حضرت عمرؓ کا قمیص زمین پر گھسٹ رہا تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ کا قمیص ان سے کم تھا، تو یہ حضرت فاروق اعظمؓ کی جزئی فضیلت رہی، جس کا کلی فضیلت کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں۔ (ایضاح البخاری)

### حدیث نمبر ۲۸۳۸ ﴿حضرت عمرؓ کی علمی شان﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳۹

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِيْ ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۰ ج ۱، باب مناقب عمر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۸۱، مسلم، ص ۲۷۴ ج ۲، باب من فضائل عمر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۳۹۱

**حل لغات:** قَدَحٌ جمع اَقْدَاحٌ گلاس۔ اَلرِّیُّ تری، تازگی۔ اَظْفَارٌ واحد ظُفُرٌ ناخن۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے بیان فرمایا کہ میں سو رہا تھا اسی حال میں میرے پاس دودھ کا بھرا ہوا پیالہ لایا گیا تو میں نے خوب سیر ہو کر پیا، یہاں تک کہ میں نے سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں تک محسوس کیا، پھر میں نے وہ دودھ جو میرے پینے کے بعد بچ گیا تھا، عمر بن خطاب کو دے دیا کہ وہ اس کو پی لیں، بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ آپؐ نے فرمایا کہ علم۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث**

علماء عارفین نے کہا ہے کہ علم حق کی صورت مثالیہ دوسرے عالم میں دودھ کی ہے، جو شخص خواب میں دیکھے کہ اس کو دودھ پلایا جا رہا ہے، اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو علم حق نافع عطا ہوگا، دودھ اور علم حق میں یہ مناسبت ظاہر ہے کہ دودھ جسم انسانی کے لیے بہترین نافع غذا ہے، اسی طرح علم حق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو، روح کے لیے بہترین اور نافع ترین غذا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ کو عطا فرمائے ہوئے علم حق میں حضرت عمرؓ کا خاص حصہ تھا، اور صدیق اکبرؓ کے بعد جس طرح دس سال انھوں نے خلافت اور نبوت کی نیابت کا کام انجام دیا اور جس طرح امت کی رہنمائی فرمائی، وہ اس کی دلیل اور شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم حق سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ (معارف الحدیث)

**کلماتِ حدیث کی تشریح**

بینا انا نائم اتیت بقدح. نبی اکرمؐ نے اپنا خواب بیان فرمایا کہ مجھے سوتے ہوئے دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا، میں نے دودھ پیا اور اس قدر پیا کہ جو تراوٹ بدن میں پیدا ہوئی وہ داخل جسم سے تجاوز کر کے جسم کے بیرونی حصوں تک آ گئی، حتی کہ شادابی اور تروتازگی میں نے ناخن میں دیکھی، فرماتے ہیں کہ لاری الری فی اظفاری ناخنوں میں سیرابی دیکھی، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ فی بمعنی علی ہے، جیسے "لاصلبنکم فی جذوع النخل" میں ہے، معنی یہ ہوئے کہ ناخنوں پر تازگی نظر آ رہی تھی، لیکن اس کی ضرورت نہیں، بلکہ فی کے اندر مبالغہ زیادہ ہے، اور من اظفاری والی روایت میں تو معنی اور واضح ہو جاتے ہیں، یعنی ناخنوں سے تروتازگی ٹپک رہی تھی، بہر کیف مفہوم یہ ہے کہ اس دودھ کی تروتازگی ہڈیوں تک پہنچ گئی تھی، اس کے بعد پیالہ میں جو دودھ بچ رہا تھا وہ حضرت عمر بن خطابؓ کو دے دیا، انھوں نے بھی پی لیا، آپ نے یہ واقعہ خواب کا بیان فرمایا، صحابہؓ نے عرض کیا آپؐ نے اس سے کیا تعبیر لی؟ آپؐ نے فرمایا علم یعنی عالم مثال میں دودھ علم کی مثال ہے، دودھ پلانا علم عطا کرنا ہے، جس طرح دودھ سے بچے کی غذا اور غذا سے حیات اور جسمانی نشو ونما کا تعلق ہے، اسی طرح علم روح کی غذا ہے، اس سے حیات قلب و روح کا تعلق ہے، جس قدر علم زائد ہوگا اسی قدر قلب میں بصیرت اور روح میں تازگی ہوگی، دودھ کا تعلق اجساد کی تربیت سے ہے، تو علم کا ارواح کے ساتھ، اب اس روایت میں صاف آ گیا کہ آپؐ کو دودھ کا بھرا ہوا پیالہ یعنی علم تام عطا ہوا، جس کو آپؐ نے خوب شکم سیر ہو کر نوش فرمایا، حتی کہ آپ کا تمام جسم اطہر مجسمہ علم بن گیا، پھر آپ نے اس میں سے کچھ حصہ حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا، معلوم ہوا کہ فاضل از حاجت کے ساتھ وہ عمل کرنا چاہئے جو حضور علیہ السلام نے کیا، علم جس قدر بھی زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکتے ہو کرو، یہ انعام خداوندی ہے، بقدر ضرورت خود فائدہ اٹھاؤ اور زائد کو دوسروں کی ضروریات میں صرف کرو، مسئلہ بتاؤ، فتاویٰ دو، لوگوں کے جھگڑے قضیے شریعت کے مطابق نمٹاؤ، تعلیم کا سلسلہ جاری کرو، غرض علم کے مقاصد میں تبلیغ اور تعلیم بھی داخل ہے، جس کے لیے علم زائد کی ضرورت ہے، یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ پیالہ کا فاضل دودھ جب حضرت عمرؓ کو دیا گیا تو معاذ اللہ آپ کے علم میں نقصان آ گیا، آفتاب کے نور سے چاند اور تمام ستارے نور حاصل کرتے ہیں، تو کیا آفتاب کا نور کم ہو جاتا ہے؟ خداوند کریم نے رحمت کے سو حصہ کر کے ننانوے حصے اپنے پاس محفوظ رکھے اور ایک حصہ تمام عالم میں پھیلا دیا، تو کیا وہ حصہ خدا کی رحمت سے کٹ گیا؟ اسی طرح یہ سمجھنا بھی غلط ہوگا کہ جب حضورؐ کا فضل حضرت عمرؓ کو

پہنچ گیا تو ان کے علوم صدیق اکبرؓ کے علوم سے بڑھ گئے اور افضلیت صدیقی خطرہ میں پڑ گئی، یہ خام خیالی ہے، بلا شبہ اس میں حضرت عمرؓ کا علمی کمال ثابت ہو رہا ہے، لیکن یہ بالنسبۃ الی الصدیق نہیں ہے، صدیق اکبرؓ کی شان سمجھنی ہو تو پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ارشاد "ما صب اللہ فی صدری صببته فی صدر ابی بکر" سامنے رکھ کر سمجھو کہ حضرت عمرؓ کے پاس بقیہ ہے تو صدیق اکبرؓ کے پاس کل ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا وہ میں نے ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا۔ فافہم۔ ہاں حضرت عمرؓ کے علوم و معارف اپنی جگہ پر بے انتہا ہیں۔ اگر حضرت عمرؓ کے علوم دیکھنے ہوں تو حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی کتاب ازالۃ الخفاء دیکھیے۔ مستقل عنوانات کے ساتھ شاہ صاحبؒ نے حضرت عمرؓ کے علوم جمع فرمائے ہیں، شاید ہی دین کا کوئی باب ایسا ہو جس میں حضرت کی روایت یا اثر نہ ملتا ہو، جائز و ناجائز کے مسائل سے لے کر اخلاقیات اور علم الحقائق تک پر حضرت عمرؓ کے علوم حاوی ہیں، مگر صدیق اکبرؓ بہر حال صدیق اکبرؓ ہیں، ان کا مقابلہ کسی سے نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضاح البخاری) اور ایک بات اس سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ خواب کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کرنا ضروری نہیں، اگر چہ وہ انبیاء کا خواب ہی کیوں نہ ہو، جو کہ از قبیل وحی ہوتا ہے، بلکہ بعض خوابوں کو تو ان کے ظاہر پر حمل کیا جاتا ہے، جب کہ بعض کی تاویل اور تعبیر بیان کی جاتی ہے۔ (فتح الباری، ص ۵۶ ج ۹)



**علم سے مراد علم سیاست ہے:** حافظ ابن حجرؒ نے یہاں ایک عجیب بات کہی ہے جو معقول بھی ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں، "والمراد بالعلم هنا العلم بسياسة الناس بكتاب الله وسنة رسول الله" علم سے مراد یہاں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق لوگوں کی سیاست یعنی کار حکومت کا علم ہے، کہ قرآن و سنت کے مطابق پبلک کی سیاست اور سیاست مدنیہ کس طرح کی جائے گی، اور انسانیت کی خدمت کیسے کی جائے گی؟ پھر فرمایا "واختص عمر بذلك لطول مدته بالنسبة إلى ابى بكر الخ" یعنی علم سیاست کے حضرت عمرؓ کے ساتھ اختصاص کی کیا وجہ ہے، جب کہ سیاست تو دوسرے خلفاء بھی کرتے رہے؟ فرمایا اس کے اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ ان کی مدت خلافت حضرت ابوبکرؓ کی نسبت زیادہ تھی اور عثمانؓ کی بنسبت لوگ ان کی اطاعت پر زیادہ متفق رہے، ابوبکرؓ کی مدت خلافت کم تھی، اس لیے ان کے زمانہ میں فتوحات کم ہوئیں اور عمرؓ کے زمانے میں زیادہ ہوئیں، جو اختلاف کا ایک بڑا سبب ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود حضرت عمر فاروقؓ نے طویل عرصے تک ایسی فتوحات سے بھری حکمرانی اور سیاست کی کہ کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی، پھر عہد عثمان میں خلافت میں اور وسعت آگئی، تو طرح طرح کی باتیں پھیل گئیں اور آراء میں اختلاف رونما ہوا، اور ان کی ایسی فرمانبرداری نہیں ہو سکی، جیسی طاعت و حکم برداری کا عمر فاروقؓ کو اتفاق ہوا تھا، اسی وجہ سے فتنے پھوٹے، اور بات حضرت عثمانؓ کے قتل تک جا پہنچی، پھر حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا گیا، مگر ان کے زمانے میں بھی معاملے میں مزید اختلاف اور فتنوں کے پھیلاؤ میں اضافہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ جیسی سیاسی بصیرت، کار حکومت کی رمز آشنائی اور تدبیر و دانش کسی کو نہیں ملا، اسی لیے انہیں "عبقری" کا لقب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ملا، جو اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے، سو خواب کی تعبیر اور حضرت عمرؓ کا علم سیاست پر عبور بالکل واضح ہے۔ (فتح الباری، کشف الباری)

**حدیث نمبر ۲۸۳۹ ﴿حضرت عمرؓ کے دور خلافت کی شان﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۴۰-۶۰۴۱**

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِيْ عَلٰى قَلِيْبٍ عَلَيْهَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِيْ قُحَافَةَ فَنَزَعَ مِنْهَا ذَنُوْبًا أَوْ ذَنُوْبَيْنِ وَفِيْ نَزْعِهٖ ضُعْفٌ وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهٗ ضَعْفَهٗ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَأَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ حَتّٰى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ. وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ مِنْ يَدِ أَبِيْ بَكْرٍ فَاسْتَحَالَتْ فِيْ يَدِهٖ غَرْبًا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِيْ فَرِيَّهٗ حَتّٰى رَوَى النَّاسُ وَضَرَبُوْا بِعَطَنٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ**: بخاری، ص۵۱۷ ج۱، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذاً خلیلا، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث۳۶۶۴، مسلم، ص۲۷۵ ج۲، باب من فضائل عمر، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث۲۳۹۲

**حل لغات**: قَلِیبٌ (ج) قُلُبٌ کنواں۔ ذَنُوبٌ جمع اَذْنِبَۃٌ بڑا ڈول۔ اِسْتَحَالَتْ اِسْتَحَالَ (استفعال) اِسْتِحَالَۃٌ بدلنا۔ عَبْقَرِیٌّ باکمال و بے مثال چیز۔ عَطَنٌ پانی کے قریب اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ۔ یَفْرِیْ فَرَی (ض) فَرْیًا پھاڑنا، چیرنا۔ فَرِیٌّ عجیب بات۔

**ترجمہ**: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میں سویا ہوا تھا کہ اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا، جس پر ڈول تھا، میں نے اس سے پانی نکالا جتنا اللہ نے چاہا، پھر وہ ابن ابی قحافہؓ نے لے لیا، اور اس سے ایک یا دو ڈول نکالے، ان کے نکالنے میں کمزوری تھی، اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری کو معاف فرمائے، پھر وہ چرس بن گیا اور اسے ابن خطابؓ نے لے لیا، کسی جوان مرد کو عمر کی طرح پانی نکالتے ہوئے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ لوگ اپنے اونٹوں کو پانی پلا کر بٹھانے کی جگہ لے گئے، حضرت ابن عمرؓ کی دوسری روایت میں فرمایا پھر ابن خطابؓ نے وہ ابوبکر کے ہاتھ سے لے لیا، تو ان کے ہاتھ میں وہ چرس ہو گیا، میں نے ایسا جوانمرد اور طاقتور آدمی نہیں دیکھا، یہاں تک لوگوں نے سیراب کیا اور باڑوں کی طرف لے گئے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث**: اس خواب میں تینوں حضرات کی مدتِ خلافت اور ان کے کاموں کی منظر کشی کی گئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین رہیں گے، جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے، پھر ابوبکرؓ امیر المومنین ہوں گے اور ان کی خلافت دو سال ہوگی اور ان کی امارت کے زمانہ میں حالات ڈانواڈول رہیں گے، چنانچہ آپؓ (کفار کے خلاف) کوئی (بڑی) اقدامی کاروائی نہیں کرسکیں گے، اور حالات کے بگاڑ میں آپؓ کا کوئی دخل نہیں ہوگا، اس لیے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری کو معاف فرمائیں، پھر حضرت عمرؓ امیر المومنین بنیں گے اور وہ کارنامہ انجام دیں گے جو کسی کے بس میں نہیں، پڑوسی ممالک فتح کریں گے اور مسلمان سکون کا سانس لیں گے۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح**: بینا انا نائم یہ خواب کا واقعہ ہے یعنی کنویں کے پاس ہونا حالتِ بیداری میں نہیں واقع ہوا بلکہ خواب میں دکھایا گیا۔ فنزع ذنوبا او ذنوبین، نَزَعَ کا معنی ڈول کو پانی سے بھر کر نکالنا، ذنوب کا معنی الدلو الکبیر اذا کان فیھا الماء بڑا ڈول جس میں پانی بھی ہو، شارحین حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ذنوب سے مراد یہاں مدتِ خلافت ہے، لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یوں کہ مدتِ خلافت تو حضرت ابوبکرؓ کی تھی دو سال پورا اور تیسرے سال کا کچھ حصہ، تو اگر ذنوب سے سالہائے خلافت کی طرف اشارہ مقصود ہے، پھر تو ذنوبین او ثلثہ کہنا چاہئے تھا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں والذی یظھر لی ان ذلک اشارۃ إلی ما فتح فی زمانہ من الفتوح الکبار وھی ثلثۃ" جو بات میری سمجھ میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے ان فتوحات کی طرف اشارہ مقصود ہے جو بڑی بڑی فتوحات آپؓ کے عہد خلافت میں ہوئیں، اور وہ تین ہیں، شاید غزوۂ حیرہ، فتح الانبار اور فتوح الشام مراد ہیں، یا پھر فتنۂ ارتداد، فتنۂ انکار زکوٰۃ اور جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی مراد ہے، اشکال تو اس پر بھی ہوسکتا ہے کہ اگر فتوحات تین ہیں تو پھر ذنوبین او ثلثۃ کہنا چاہئے تھا، نہ کہ ذنوبًا او ذنوبین تاہم اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے ذنوبًا او ذنوبین یعنی ایک دو ڈول سے عدد مراد نہیں ہے، بلکہ قلت اور اختصار کی طرف اشارہ مقصود ہے، جیسے کہ کہا جاتا ہے ایک آدھ، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے متعلق پھر کسی عدد خاص کا ذکر نہیں ہوا ہے، حالاں کہ ان کے سالہائے خلافت اور اسی طرح تعدادِ فتوحات بھی معلوم و معدود ہیں، مگر اس کے متعلق صرف ڈول نکالنے میں قوت اور مضبوطی کا ذکر ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ ان کی فتوحات زیادہ ہیں، اور وہ بڑے فاتح ہیں، واللہ اعلم۔ (فتح الباری، ص۴۷ ج۹) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الأم" میں اس حدیث

کو ذکر کرنے کے بعد اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا "ومعنی قوله وفی نزعه ضعف قصر مدته وعجلة موته وشغله بالحرب لاهل الردة عن الافتتاح والتزيد الذی بلغهٔ مر فی طول مدته" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوبکرؓ کے بارے میں ارشاد "وفی نزعه ضعف" کا معنی ہے، ان کی مدتِ خلافت کا اختصار، ان کی موت کا جلد واقع ہونا اور اہلِ ارتداد کے ساتھ لڑنے میں مصروف ہونے کی وجہ سے ان کا فتوحات اور خلافت اسلامیہ کو توسیع دینے سے رہ جانا اور اس کا موقع نہ پانا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اپنے اس قول میں وہ تمام باتیں یکجا کی ہیں جو دوسروں نے متفرق کہی ہیں، یعنی کسی نے مدت خلافت کا اختصار مراد لیا ہے، کسی نے فتوحات کی کمی وغیرہ کو، امام شافعیؒ نے ان تمام کو مراد لیا ہے، اس کی تائید اسی طرح کے اس قصہ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے، جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس کے الفاظ ہیں "قال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فاعبرها یا ابابکر قال إلی الامر من بعدك ثم یلیه عمر قال كذلك عبرها الملك" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر اس کی تعبیر بتا، انھوں نے کہا آپؐ کے بعد خلافت مجھے حاصل ہوگی پھر (میرے بعد) اسے عمر سنبھالیں گے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسی طرح فرشتے نے بھی اس کی تعبیر بتائی، یہ حدیث طبرانی نے روایت کی ہے، مگر اس کی سند میں ضعف ہے، علامہ قسطلانی وفی نزعه ضعف کے متعلق فرماتے ہیں "اشاره الی ما کان فی زمنه من الارتداد واختلاف الکلمة ولین جانبه ومداراته مع الناس" اس ضعف سے اشارہ مقصود ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اٹھنے والے فتنۂ ارتداد اور لوگوں میں پیدا ہونے والے اختلاف کی طرف اور حضرت ابوبکر کی نرم مزاجی اور لوگوں سے حسنِ سلوک کی طرف، جو ان کی ایک طرح سے کمزوری تھی اور اس نرمی اور خاطر مدارات کی وجہ سے ظاہر ہے ان کا رعب و دبدبہ اور خلافت کی جلالت بھی اتنی نہ ہوئی ہوگی جتنی کہ حضرت عمر فاروقؓ کی تھی۔ واللّٰه یغفر اس جملہ کے مختلف مقاصد بیان کیے گئے ہیں، ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ متکلم کی طرف سے دعائیہ جملہ ہے اور اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے، یعنی جیسے بظاہر اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شاید ان (حضرت ابوبکرؓ) میں خلافت کے حوالے سے کوتاہیاں پائی جاتی تھیں، اس لیے ان کے واسطے مغفرت کی دعا کی گئی، یہ ممکنہ مفہوم یہاں مراد نہیں ہے، بلکہ اسے عرب کی عادت کے مطابق استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ عرب کہا کرتے ہیں افعل كذا واللّٰه یغفر لك یوں کر اللہ تعالیٰ تیری مغفرت کرے، ہمارے ہاں اپنے مرحوم باپ دادا کے ذکر کے وقت کہا کرتے ہیں اللہ بخشے والد صاحب یا دادا جان کی یہ عادت تھی، دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں حضرت ابوبکرؓ کے قرب وفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (فسبح بحمد ربك واستغفره) کی نظیر ہے؛ کیوں کہ یہ سورۂ نصر کی آیت ہے اور مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی طرف اشارہ ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں "قلت ویحتمل ان یکون فیه اشارة إلی أن قلة الفتوح فی زمانه لا صنع له فیه لان سببه قصر مدته فمعنی المغفرة له، رفع الملامة عنه" یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتوحات کی قلت میں آپؓ کا کوئی دخل اور قصور نہ تھا، بلکہ اس کی وجہ ان کو ملنے والے موقع اور زمانے کی کمی تھی، جس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ تھا فتوحات کی کمی اور خلافت کا عدم پھیلاؤ، اس واسطے مغفرت کی دعا کر کے ان سے کسی بھی قسم کی ملامت کو رفع کیا گیا۔ غربًا ای دلوًا عظیمًا یعنی وہ معمولی ڈول پھر بہت بڑے ڈول میں تبدیل ہوگیا۔ فلم ارَ عبقریًا، عبقری بفتح العین و سکون الباء موحدة وفتح القاف و کسر الراء اس سے مراد ہے کل شئ بلغ النهایة ہر وہ چیز جو انتہا کو پہنچ جائے، یعنی کسی بھی کمال میں آخری حدوں کو چھوڑنے والی چیز عبقری کہلاتی ہے، اور عبقر اصل میں کہا جاتا ہے "ارض الجن" کو یعنی وہ زمین جہاں جنات کا اور پریوں کا بسیرا ہو، یا یہ ایک بستی کا نام ہے، جہاں خوبصورت کپڑے بنتے تھے، چوں کہ جنات کے وجود میں اچنبھاپن اور مختلف عجائبات ہوتے ہیں، اس لیے عرب عموماً ہر اس چیز کو عبقر، یا ارض الجن

کی طرف منسوب کرتے ہیں جس میں حسن یا کسی دوسری چیز میں کمال اور حیرت انگیزی ہو، جیسے ہمارے ہاں بھی پری زادہ وغیرہ الفاظ اسی معنی میں بولے جاتے ہیں۔ "حتی ضرب الناس بعطن" لوگ سیراب ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے اور بزاز اور طبرانی نے بسند حسن ابوطفیل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بینا انا انزع لیلۃ اذ وردت علی غنم سود وعفر فجاء ابو بکر فنزع" اس دوران کہ میں ایک رات پانی نکال رہا تھا کہ مجھ پر کالی اور خاکی رنگ کی بکریاں آگئیں، پھر ابوبکرؓ آئے اور پانی نکالا، پھر حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا "فملأ الحیاض واروی الواردۃ" عمر نے حوض بھر دیئے اور آنے والی بکریوں کو سیراب کیا اور پھر فرمایا "فاولت السود العرب والعفر العجم" میں نے کالی بکریوں کی تعبیر عربوں سے کی اور مٹیالی بکریوں کی تعبیر عجمیوں سے کی۔ اس تفصیل میں اشارہ ہے اس عزت و اکرام کی طرف جس سے اللہ نے حضرت عمرؓ کو سرفراز فرمایا، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلافت کی مدت کو لمبا فرمایا، پھر اس خلافت میں اسلام کو عزت و غلبہ دینے کے لیے انھیں کھڑا ہونے کو موقع دیا، اسلام کے حدود کی حفاظت اور اہل اسلام کو طاقت ور بنانے کا موقع دیا، یہاں تک لوگوں نے ضرب عطن کر لیا یعنی خود سیراب ہوئے اور اپنے اونٹوں کو سیراب کر دیا اور ان کو اپنے ٹھکانوں پر پہنچا دیا، پھر ضرب عطن کا معنی بیان کیا کہ عطن پانی کے ارد گرد اونٹوں کے ٹھکانوں کو کہا جاتا ہے "اعطنت الابل فھی عاطنہ" کا معنی ہے اونٹوں کو پانی پلا کر حوضوں کے پاس چھوڑ دیا جائے اور پھر بعد میں آکر انھیں لوٹایا جائے۔ (کشف الباری)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۸۴۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۴۲-۶۰۴۳

### ﴿حضرت عمرؓ کی زبان پر حق جاری ہونا﴾

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّؓ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۹ ج ۲، باب مناقب عمر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۸۲، ابوداود، ص ۴۱۱ ج ۲، باب فی تدوین العطاء، کتاب الخراج، حدیث ۲۹۶۲

**حل لغات:** لِسَانٌ جمع اَلْسِنَۃٌ زبان۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری فرما دیا ہے۔ (ترمذی) اور ابوداود کی ایک روایت حضرت ابوذرؓ سے ہے آپ ؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان پر رکھ دیا ہے، چنانچہ وہ حق ہی کہتا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے اور دوسری حضرت ابوذر غفاریؓ سے، دونوں کا حاصل اور مدعی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن خاص انعامات سے نوازا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے دل میں جو کچھ آتا ہے اور جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہیں وہ حق ہی ہوتا ہے، وہ حق ہی سوچتے اور حق ہی بولتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے اجتہادی غلطی بھی نہیں ہوتی، اجتہادی غلطی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی ہو جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مطلع کر کے اصلاح کرا دی جاتی ہے، حضرت عمرؓ سے بھی کبھی کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی تھی، لیکن حق واضح ہو جانے پر رجوع فرما لیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کے خلاف ان کی جو رائے تھی وہ ان کی اجتہادی غلطی ہی تھی، بعد میں حق واضح ہو جانے پر انھوں نے

رجوع کرلیا اور حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے سے اتفاق فرمالیا، بہرحال اجتہادی غلطی کے اس طرح سے چند استثنائی واقعات کے علاوہ (جن میں حق واضح ہوجانے پرانھوں نے رجوع فرمالیا) انھوں نے جو سوچا سمجھا اور جو احکام جاری کیے وہ سب حق ہی تھے، بلاشبہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام تھا۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** إن الله جعل الحق علی لسان عمر ہمیشہ دل میں حق بات کا آنا اور وہی زبان پر جاری ہونا حضرت عمرؓ کی ایک ایسی فضیلت ہے، جس میں کوئی ان کا شریک و سہیم نہیں، حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق ہی مقامِ ابراہیم کو طواف کا دوگانہ ادا کرنے کی جگہ تجویز کیا گیا اور ازواج مطہرات کے لیے خصوصی پردے کا حکم نازل ہوا اور بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں بھی آپؓ کی رائے کو مستحسن قرار دیا گیا تھا۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۲۸۴۱ ﴿حضرت عمرؓ کی زبان پر سکینہ بولتا تھا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۴۴

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كُنَّا نُبْعِدُ أَنَّ السَّكِينَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

**حواله:** البيهقي في دلائل النبوة.

**حل لغات:** نُبْعِدُ اَبْعَدَ (افعال) ابعاداً بعید سمجھنا، دور سمجھنا۔ السکینۃ اطمینان، سکون۔ تنطق نطق (ض) نُطْقًا بولنا۔

**ترجمه:** حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ کی زبان پر سکینہ بولتا ہے۔ (دلائل النبوة للبيهقي)

**خلاصۂ حدیث** حضرت علی مرتضیٰؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب خطاب فرماتے یا بات کرتے، تو دلوں میں ایک خاص قسم کا سکون و اطمینان پیدا ہوتا تھا، ہم اس بات کو بعید نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی زبان و بیان میں یہ خاص تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے، یہ مطلب لیا جائے تو حضرت علیؓ کے اس کلام میں "السکینۃ" سے مراد یہی خداداد تاثیر ہے، شارحین نے لکھا ہے کہ السکینۃ سے مراد خاص فرشتہ بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم یہ بات بعید نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب بات فرماتے ہیں تو انکی زبان سے اللہ کا ایک خاص فرشتہ کلام کرتا ہے جس کا نام السکینہ ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** السكينة تنطق علی لسان عمر حضرت عمرؓ کے کلام میں عجیب شان اور تاثیر تھی، آپؓ کلام کرتے تو ایسا لگتا کہ فرشتہ آپؓ کی زبان سے بات کررہا ہے اور اس فرشتہ کا لقب سکینہ ہے، اور اس کی تائید حضرت علیؓ کی ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو طبرانی نے معجم اوسط میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ لوگو! صالحین کا تذکرہ کرنے کے وقت حضرت عمرؓ کو مقدم رکھو، کیوں کہ عین ممکن ہے کہ ان کا قول الہام ہو، اور وہ فرشتہ کی زبانی بیان کررہے ہوں، اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی حضرت عمرؓ کو دیکھا تو مجھے ان کی آنکھوں کے درمیان فرشتہ نظر آیا جو ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ (جدید مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۸۴۲ ﴿فاروق اعظمؓ کا قبولیتِ اسلام﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۴۵

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَبِيْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَصْبَحَ عُمَرُ فَغَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ ثُمَّ صَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ظَاهِرًا. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۰۹ ج ۲، باب في مناقب عمر، كتاب المناقب، حدیث ۳۶۸۳، مسند احمد، ص ۹۵ ج ۲

**حل لغات:** اَعَزَّ (افعال) اِعْزَازًا عزت دینا۔ غَدَا (ن) غُدُوًّا صبح ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی (رات میں) کہ اے میرے اللہ! اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ یا عمر بن خطاب کے ذریعہ، پس صبح کو اٹھے تو عمرؓ رسول اللہ کی خدمت میں آئے اور اسلام لے آئے اور مسجد حرام میں اعلانیہ نماز پڑھی۔ (مسند احمد و جامع ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، یہاں پر ہر بڑے کام اور ہر عظیم مقصد کے لیے اس کے مطابق تدبیر اور عملی جدوجہد اور خاص صلاحیت رکھنے والے جانباز کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے، ابوجہل بن ہشام اور عمر بن خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کے درجہ اول کے دشمن تھے، اسی کے ساتھ ان دونوں میں وہ صلاحیتیں تھیں جو کسی بڑے کام کے لیے درکار ہوتی ہیں، غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کردیا گیا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو ہدایت دی جاسکتی ہے، تو آپؐ نے ایک رات کو یہ دعا فرمائی جس کا حدیث میں ذکر ہے، تقدیر الٰہی میں یہ سعادت حضرت عمرؓ کے لیے مقدر ہوچکی تھی، ان کے حق میں دعا قبول ہوگئی اور ان کو توفیق مل گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے جو کام لیا خاص کر خلافت کے دس سالوں میں وہ بلاشبہ امت میں ان کا اور صرف ان کا حصہ ہے، مسند احمد اور جامع ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، مشکوٰۃ المصابیح کے بعض شارحین نے ابوعبداللہ الحاکم کی دلائل النبوۃ کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت سے یہ واقعہ مفصل روایت کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوجہل جو مشرکین مکہ کا سردار اور بڑا سرمایہ دار بھی تھا، اس نے اعلان کیا کہ جو کوئی محمد کو قتل کردے میں اس کو سو اونٹنیاں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی بطور انعام دینے کی ذمہ داری لیتا ہوں، عمرؓ نے ابوجہل سے کہا کہ تمہاری یہ بات پکی ہے؟ ابوجہل نے کہا بالکل پکی فوراً ادا کردوں گا، اس کے بعد عمر تلوار لے کر اس ناپاک ارادے سے نکلے، راستہ میں ایک شخص نے ان کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا عمر کہاں اور کس ارادہ سے جارہے ہو؟ عمرؓ نے کہا محمدؐ کو قتل کرنے کے لیے جارہا ہوں، اس شخص نے کہا کیا تم ان کے کنبہ بنی ہاشم سے بے خوف ہو (وہ ان کی حمایت میں میدان میں آجائیں گے اور پھر خونریز جنگ ہوگی) عمرؓ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو نے بھی باپ دادا کا دین چھوڑ کے محمد کا دین قبول کرلیا ہے، اس شخص نے کہا کہ میں تم کو بتلاتا ہوں کہ تمہاری بہن (فاطمہ) اور بہنوئی (سعید بن زیدؓ) نے بھی محمد کا دین قبول کرلیا ہے، یہ سن کر عمرؓ سیدھے بہن کے گھر کی طرف گئے، وہ اس وقت سورۂ طٰہٰ تلاوت کررہی تھیں، عمرؓ نے دروازے پر کھڑے ہوکر سنا، پھر دروازہ کھلوایا اور کہا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں؟ ان کی بہن نے بتایا کہ ہم لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور اس میں قرآن کی آیتیں پڑھ رہی تھی؟ عمرؓ نے کہا مجھے بھی پڑھ کر سناؤ! چنانچہ ان کی بہن نے سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی، جب یہ آیت تلاوت کی "اللّٰہ لا الٰہ الا ھو لہُ الاسماء الحسنیٰ" تو عمرؓ کے دل کی دنیا میں انقلاب آگیا اور بول اٹھے کہ بیشک وہی اور صرف وہی الٰہ اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور کلمۂ شہادت پڑھا، پھر بہن ہی کے گھر میں رات گزاری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی تڑپ دل میں پیدا ہوگئی، بار بار کہتے تھے "واشوقاہ الی محمدٍ" اسی حال میں خباب بن ارتؓ ان کے پاس آئے اور ان کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج رات برابر دعا کرتے رہے کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما اور میرا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی، اس کے بعد صبح کو عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، اور اسی وقت کہا کہ ہم لات اور عزیٰ کی پرستش کرتے تھے وادیوں کے نشیب میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر، اور خدا کی عبادت کریں ہم چھپ چھپا کر؟ یہ نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم ہم اللہ کی عبادت اعلانیہ خانۂ کعبہ کے صحن میں کریں گے (اس وقت تک مسلمان اعلانیہ مسجد حرام میں نماز ادا نہیں کرپاتے تھے)۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابوجعفر بن ابی شیبہؒ کی تاریخ کے حوالے سے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرکے فوراً بعد طے کیا کہ ہم ابھی چل کر اعلانیہ مسجد حرام میں نماز پڑھیں گے، اور ایسا ہی کیا گیا، فتح الباری ہی میں ابن ابی شیبہ اور طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان نقل کیا گیا ہے "واللّٰہ ما استطعنا ان نصلی حول البیت ظاھرین حتی اسلم عمر" خدا کی قسم عمر کے اسلام لانے سے پہلے ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم بیت اللہ کے قریب میں اعلانیہ نماز پڑھ سکتے (عمر کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہی ہمارے لیے یہ ممکن ہوا) حافظ ابن حجرؒ نے حضرت عمرؓ کی قبول اسلام کی بہت سی روایات مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت سے، حدیث کی مختلف کتابوں کے حوالوں سے نقل کی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ حضرت علی مرتضیٰؓ بھی ہیں۔ (فتح الباری، باب مناقب عمر، بحوالہ معارف الحدیث) حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا اس انداز کا واقعہ مشہور تو ہے، لیکن سنداً کمزور ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کے تعارف میں یہ بات گذر چکی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فغدا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نے جمعرات کی شام کو دعا کی تھی اور جمعہ کی صبح کو حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرلیا گویا رحمتِ حق کو انتظار تھا کہ ادھر حضرت عمرؓ کے حق میں دعائے نبوی صادر ہوئی ادھر شرف قبولیت پالیا۔ ابن ماجہ میں روایت ہے اللّٰھم اعز الاسلام لعمر بن الخطاب خاصة (اے اللہ خاص طور پر عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو عزت عطا فرما) خاصة کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ ابوجہل کے مقدر میں ایمان نہیں ہے، لہٰذا آپؐ نے خاص طور پر حضرت عمرؓ کے حق میں دعا کی جو کہ قبول ہوئی اور اسلام کو غلبہ ملا اور مسلمانوں کو قوت وطاقت نصیب ہوئی۔ ابن ماجہ کی روایت ہے "لما اسلم عمر نزل جبرئیل فقال یا محمد لقد استبشر اھل السماء باسلام عمر" (حضرت عمرؓ اسلام لائے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا اے محمدؐ آسمان والوں کو یعنی فرشتوں کو حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے پر بہت خوشی ہوئی ہے)۔

**حدیث نمبر ۲۸۴۳ ﴿حضرت عمرؓ کا خیر الناس ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۴۶**

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ عُمَرُ لِأَبِی بَکْرٍ یَا خَیْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُوْبَکْرٍ أَمَا إِنَّکَ إِنْ قُلْتَ ذٰلِکَ فَلَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰی رَجُلٍ خَیْرٍ مِنْ عُمَرَ. (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۰۹ ج۲، باب مناقب عمر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۸۴

**حل لغات:** طَلَعَتْ طَلَعَ (ن) طُلُوْعًا طلوع ہونا، نکلنا۔

**ترجمہ:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ کو یا خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں بہترین شخص) کہہ کر پکارا، ابوبکرؓ نے کہا عمر تم نے مجھے اس خطاب سے مخاطب کیا ہے تو میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو عمرؓ سے بہتر ہو۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آسمان تلے حضرت عمر فاروقؓ سب سے افضل ہیں، حالانکہ امت کا اجماع ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابی بکرن الصدیق ہیں؟ یہ فضیلت اور برتری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کے بعد حضرت عمرؓ کے دور سے متعلق ہے، گویا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور میں سب سے افضل تھے، دوسرا جواب یہ ہیکہ حضرت

عمرؓ کی یہ فضیلت انکی عدالت وسیاست اور تدبیر وتدبر سے متعلق ہے، گویا جزئی فضیلت ہے صدیق اکبرؓ کی فضیلت کلی ہے۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** ما طلعت الشمس اس روایت سے معلوم ہوا کہ امت میں سب سے افضل حضرت عمرؓ ہیں حالاں کہ یہ بات صحیح نہیں، اس امت میں سب سے بڑا مقام صدیق اکبرؓ کا ہے، ابن ماجہ میں صریح روایت ہے کہ "عن عبدالله بن سلمة قال سمعت عليا يقول خيرالناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ابوبكر و خير الناس بعد ابى بكر عمر" حدیث باب میں تاویل کی جائے گی اور وہ تاویل خلاصۂ حدیث میں گزر گئی، نیز یہ حدیث انتہائی ضعیف بھی ہے۔ عبداللہ ضعیف راوی ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے فيه نظر اور امام بخاری یہ بات متہم بالکذب کے بارے ہی میں فرماتے تھے اور محمد بن المنکدر کا بھتیجا عبدالرحمٰن مجہول ہے، اس کی یہی ایک حدیث ہے اور ذہبی نے کہا ہے کہ یہ روایت جھوٹ ہے اور حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت اجماع امت سے ثابت ہے اور اجماع قطعی دلیل ہے اور ضعیف روایت قطعیات سے مزاحم نہیں ہوتی۔ (تحفۃ الالمعی) مزید کے لیے عالمی حدیث ۶۰۳۸ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۲۸۴۴ ﴿نبوت جاری رہتی تو عمرؓ نبی ہوتے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۴۷

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۹ ج ۲، باب مناقب عمر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۸۶

**حل لغات:** نبی (ج) أنبياء اللہ کی طرف سے خبر دینے والا، پیغمبر، یعنی خدا تعالیٰ کا وہ مخصوص ومعصوم بندہ جو انسانوں کی ہدایت کے لیے مامور ہو اور خدا کے احکام ان تک پہنچائے۔

**ترجمہ:** حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔ (جامع ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرمایا اور قیامت تک کے لیے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا (جس کا اعلان قرآن پاک میں فرما دیا گیا ہے) اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ نہ فرما دیا گیا ہوتا اور میرے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا، تو عمر بن خطاب اپنی روحانی خصوصیت کی وجہ سے بالخصوص اس لائق تھے کہ ان کو نبی بنایا جاتا، اس حدیث میں بھی ان کے اس خصوصی کمال وامتیاز کی طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے قلب پر حق کا القاء اور الہامات کی کثرت وغیرہ۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** لكان عمر استعداد کے حوالے سے عمر نبوت کے گروہ کے آدمی تھے، مگر سلسلۂ نبوت آپؐ پر ختم ہو چکا، مثال کے طور پر کسی مدرسہ نے کسی مصلحت سے اپنے یہاں شیخ الحدیث کا منصب موقوف کر دیا، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب کسی میں شیخ الحدیث ہونے کی قابلیت پیدا نہیں ہوگی، قابلیت رکھنے والے ضرور پیدا ہوں گے، مگر منصب ختم کر دیا گیا، اسی طرح نبوت بھی کچھ کمالات کی وجہ سے ملتی ہے، اللہ تعالیٰ بے صلاحیت آدمی کو نبی نہیں بناتے، مگر اب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے نبوت کا سلسلہ خاتم النبیین محمدؐ پر موقوف کر دیا ہے، آپؐ کے بعد کسی بھی قسم کا نیا نبی پیدا نہیں ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام ضرور آئیں گے، مگر وہ پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں، البتہ نبوت کے کمالات افراداً واجتماعاً پائے جا سکتے ہیں، حدیث میں ہے کہ اچھے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے، پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کمالاتِ نبوت کے حامل ہیں، اگر نبوت جاری ہوتی تو ان کو نبوت ملتی،

مگر نبوت وہی ہے کسبی نہیں، پس اس حدیث میں حضرت عمرؓ کی غایت درجہ فضیلت ہے۔

**سوال:** کمالات نبوت کا یہ اجتماع حضرت ابوبکرؓ میں بھی تو ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ افضل صحابہ ہیں، پھر انکے حق میں یہ بات کیوں نہیں فرمائی؟

**جواب:** حدیث قضیہ مہملہ ہے، اس میں کوئی سور نہیں، پس ابوبکرؓ بھی نبی ہو سکتے، اگر نبوت جاری ہوتی، مگر ہمیں اطلاع صرف حضرت عمرؓ کے بارے میں ملی ہے، اس لیے یہ آپؓ کے لیے بڑی فضیلت ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۲۸۴۵ ﴿شیطان حضرت عمرؓ سے بھاگتا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۴۸

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ مَغَازِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ جَاءَ تْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ كُنْتُ نَذَرْتُ إِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ صَالِحًا أَنْ أَضْرِبَ بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَأَتَغَنّٰى فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِيْ وَإِلَّا فَلَا فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ فَدَخَلَ أَبُوْبَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَأَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ اِسْتِهَا ثُمَّ قَعَدَتْ عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ إِنِّيْ كُنْتُ جَالِسًا وَهِيَ تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ فَلَمَّا دَخَلْتَ أَنْتَ يَا عُمَرُ أَلْقَتِ الدُّفَّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)



**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۰ ج۲، باب مناقب عمر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۹۰

**حل لغات:** مَغَازِيْ واحد مَغْزٰی لڑائی، حملہ، جہاد۔ اِنْصَرَفَ (انفعال) اِنْصِرَافًا جانا، چلنا۔ جَارِيَةٌ جمع جَوَارٍ باندی۔ نَذَرْتُ نَذَرَ (ن) نَذْرًا نذر ماننا، منت ماننا۔ اَلدُّفُّ جمع دُفُوْفٌ ڈھولکی۔ اَتَغَنّٰى تَغَنّٰى بِالشِّعْرِ (تفعل) تَغَنِّيًا گانا، ترنم سے پڑھنا۔ اِسْتٌ سرین۔

**ترجمہ:** حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، جب لوٹ کر واپس آئے تو ایک کالی باندی آئی، تو اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے منت مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت واپس لائیں، تو میں آپؐ کے سامنے ڈفلی بجاؤں گی، اور اشعار پڑھوں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اگر تم نے منت مانی ہے تو بجالے ورنہ نہیں، پس وہ بجانے لگی پس ابوبکرؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر علیؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر عثمانؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر عمرؓ آئے تو اس نے ڈفلی اپنی سرین کے نیچے کرلی، اور اس پر بیٹھ گئی، یعنی چھپالی، پس رسول اللہؐ نے فرمایا اے عمرؓ! شیطان یقیناً آپ سے ڈرتا ہے، میں بیٹھا تھا اور وہ بجا رہی تھیں، پھر ابوبکرؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر علیؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر عثمانؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر اے عمرؓ جب تم آئے تو اس نے ڈفلی چھپالی۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** تھاپ کے ساتھ اشعار پڑھنا جائز ہے، یہ گانا بجانا نہیں، آپؐ نے اس باندی کو محض اس کا دل رکھنے کے لیے اجازت دی تھی، 'ورنہ نہیں' میں اس کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے، اور حضرت عمرؓ کے دبدبے سے اس نے وہ شیطانی چرخہ روک دیا، یہ حضرت عمرؓ کی فضیلت ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** واضرب بين يديك بالدف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محض تفریح اور شوق کے لیے دف بجانے کی اجازت نہیں، ضرورت کے وقت اجازت ہے، لیکن بقدر ضرورت۔ الدف فصیح لغت میں دف کے دال پر زبر پڑھا جاتا ہے اور فا ساکن ہے، یہاں اس حدیث کے مضمون سے دو سوال ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔

**سوال:** پہلا سوال یہ ہے کہ دف بجانا کوئی عبادت نہیں ہے، اس کی نذر کیسے مانی گئی؟ نذر تو اس چیز کی مانی جاتی ہے جس کی نظیر عبادات اور مامورات میں موجود ہو؟

**جواب:** اس سوال کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ یہ معاملہ جہاد کا تھا تو جہاد پر جانا فتح حاصل کرنا دشمن کو مار بھگانا اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرنا، یہ سب عبادات ہیں اس لیے اس کی نذر درست قرار دے دی گئی، اور ایک حد تک دف بجانے اور نذر پوری کرنے کو برداشت کیا گیا، یہ معاملہ ناجائز سے نکل کر مباح کے زمرہ میں آ گیا۔

**سوال:** اب سوال یہ ہے کہ دف بجانا لہو اور لغو کاموں میں شمار ہوتا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف کیسے بجایا گیا؟

**جواب:** اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاد کی خوشی میں نیز آنحضرتؐ کے صحیح سالم لوٹنے اور فتح حاصل ہونے کی خوشی میں دف بجانا لہو لعب سے خارج ہو گیا، اور اس لونڈی نے ایک اچھی بنیاد اور اخلاص کے ساتھ یہ کام کیا، اس لیے ایک حد تک برداشت کیا گیا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آنے کے وقت شاید اس اباحت کا وقت ختم ہو چکا تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمایا کہ تجھ سے شیطان خوف زدہ ہو کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔ (توضیحات)

**وانغنی** ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت سے گانا وغیرہ سننا جب کہ فتنہ کا خوف نہ ہو جائز ہے، لیکن مؤلف فرماتے ہیں کہ یہ بات فقہ حنفی کی روایتوں کے خلاف ہے، کیوں کہ ظاہر الروایہ میں مطلقاً گانے کو فقہاء حرام قرار دیتے ہیں، جیسا کہ درمختار، بحر الرائق وغیرہ میں لکھا گیا ہے بلکہ ہدایہ میں اس کو گناہ کبیرہ لکھا ہے، اگر چہ یہ راگ اور گانا دل خوش کرنے کے لیے ہو، اور اس طرح کی روایات جن سے راگ اور گانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، فقہاء کے نزدیک منسوخ ہیں۔ ان الشیطان لیخاف منك یا عمر شیطان سے مراد یا تو وہ لڑکی ہے جو دف بجا رہی تھی اور اس کو شیطان اس لیے کہا کہ وہ شیطانوں والے کام کر رہی تھی، گویا وہ شیطان الانس یعنی انسانی شیطان بن گئی یا شیطان سے مراد وہ شیطان ہے جس نے اس لڑکی کو دف بجانے پر ابھارا اور برانگیختہ کیا، حضرت عمرؓ درحقیقت ایسی مباح چیز کو بھی ناپسند سمجھتے تھے جو کسی ناجائز اور حرام کام کے مشابہ ہو، چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کئی مثالیں ذکر کی ہیں، لہٰذا دف اگر چہ اس لڑکی کے لیے جائز اور مباح تھا ضرورت کی وجہ سے، اور حضورؐ نے اس کو اس کی اجازت بھی دی تھی، لیکن دف کی شکل حرام چیز یعنی باجے وغیرہ کے ساتھ ملتی ہے، اس لیے حضرت عمرؓ اس کو گوارا نہ کرتے اور اسی احساس کی وجہ سے اس لڑکی نے دف بجانا بند کر دیا، اور اس کو چھپا لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (مرقات، جدید مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۸۴۶ ﴿حضرت فاروق اعظمؓ کا جلال﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۴۹

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَصَوْتَ صِبْيَانٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبَشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهَا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ تَعَالَيْ فَانْظُرِيْ فَجِئْتُ فَوَضَعْتُ لِحْيَيَّ عَلٰى مَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهَا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبِ إِلٰى رَأْسِهِ فَقَالَ لِيْ أَمَا شَبِعْتِ أَمَا شَبِعْتِ فَجَعَلْتُ أَقُوْلُ لَا لِأَنْظُرَ مَنْزِلَتِيْ عِنْدَهُ إِذْ طَلَعَ عُمَرُ فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَأَنْظُرُ إِلٰى شَيَاطِيْنِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ قَالَتْ فَرَجَعْتُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۰ ج ۲، باب فی مناقب عمر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۹۱

**حل لغات:** لَغَطٌ جمع اَلْغَاطٌ شور و غل ہنگامہ۔ تَزْفِنُ زَفَنَ (ض) زَفْنًا اچھل کود کرنا، ناچنا۔ لِحْيَيَّ جمع اَلْحٍ داڑھ۔ مَنْكِبٌ جمع

مَنَاکِبُ مونڈھا۔شبعت شبع (س) شبعا آسودہ ہونا۔اِرْفَضَّ منتشر ہونا۔

**ترجمه**: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ہم نے شوروغل اور بچوں کی آوازسنی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو اچانک ایک حبشن کھیل رہی تھی، اور اس کے اردگرد بچے تھے، آپؐ نے فرمایا عائشہ! آؤ اور دیکھو، پس میں آئی اور میں نے اپنے جبڑے رسول اللہؐ کے مونڈھے پر رکھ دیئے، اور میں آپؐ کے مونڈھے اور سر کے درمیان سے اس عورت کو دیکھنے لگی، پس آپؐ نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارا جی نہیں بھرا (کچھ وقت کے بعد آپؐ نے فرمایا) کیا تمہارا جی نہیں بھرا، پس میں کہتی رہی نہیں، تاکہ میں اپنا مرتبہ آپؐ کے نزدیک دیکھوں (کہ آپ کب تک میری وجہ سے کھڑے رہتے ہیں؟) پس اچانک عمر نکل آئے تو لوگ اس کے پاس سے تتر بتر ہوگئے، تو رسول اللہؐ نے فرمایا میں شیاطین الانس والجن کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عمرؓ کی وجہ سے بھاگے جا رہے ہیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں پس میں (بھی) لوٹ گئی۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کر کے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** شیاطین جن چیزوں سے بھاگیں ان کی اہمیت ظاہر ہے، وہ اذان اور اقامت سن کر بھاگتے ہیں، اس سے ان دونوں کی اہمیت واضح ہوتی ہے، پس جب شیاطین الجن ہی نہیں شیاطین الانس بھی حضرت عمرؓ کو دیکھ کر بھاگتے ہیں، تو اس سے آپؓ کی اہمیت وفضیلت ثابت ہوتی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** فاذا هي حبشية تزفن اچھلنے کودنے اور لات چلانے کو "زفن" کہتے ہیں، یہاں ناچنے کے معنی صحیح نہیں ہیں، اس حبشن کا یہ کرتب اگرچہ صورتاً لہو ولعب تھا، لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا، بلکہ یہ جہاد کے لیے ایک مشاقی تھی جو بقدر ضرورت جائز تھی، اس لیے حضورؐ نے خود بھی اس کو دیکھا اور حضرت عائشہؓ کو بھی دکھلایا، اگر حقیقتاً لہو ولعب ہوتا، تو آنحضرتؐ اس کو نہ تو خود دیکھتے اور نہ ہی حضرت عائشہؓ کو دکھلاتے، جب تک حضورؐ اس کو دیکھتے رہے تو یہ حد جواز میں تھی، لیکن جونہی یہ حد کراہت میں داخل ہونے لگی تو حضرت عمرؓ تشریف لے آئے، اور سب لوگ جو وہ تماشہ دیکھ رہے تھے بھاگ کھڑے ہوئے، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضورؐ پر صفتِ جمال کا غلبہ تھا، اور حضرت عمرؓ پر صفتِ جلال کا غلبہ تھا، اس لیے ان کے سامنے باطل کی مشابہ کوئی مباح اور جائز چیز بھی نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ (جدید مظاہر حق)

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۲۸۴۷ ﴿موافقاتِ عمرؓ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵۰-۶۰۵۱

عَنْ أَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَؓ قَالَ وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ ثَلَاثٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَنَزَلَتْ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى وَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَدْخُلُ عَلٰى نِسَائِكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ أَمَرْتَهُنَّ يَحْتَجِبْنَ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ فَقُلْتُ عَسٰى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ فَنَزَلَتْ كَذٰلِكَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ رَبِّيْ فِي ثَلَاثٍ فِيْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ وَفِي الْحِجَابِ وَفِيْ أُسَارٰى بَدْرٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله**: بخاری، ص۵۸ ج۱، باب ما جاء في القبلة، کتاب الصلاة، حدیث ۴۰۲، بخاری، ص۶۴۴ ج۲، باب واتخذوا من مقام ابراهيم، کتاب التفسير، حدیث ۴۴۸۳، مسلم ص۲۷۶ ج۲، باب فضائل، کتاب فضائل الصحابه، حدیث ۲۳۹۹

**حل لغات**: مصلی جائے نماز۔ البر (ج) اَبرار نیک وصالح۔ الفاجر (ج) فُجَّارٌ بدکار۔ یحتجبن اِحْتَجَبَ (افتعال) احتجاباً چھپ جانا۔ یبدل ابدله (افعال) ابدالاً بدلنا۔ اساری (واحد) اَسِيرٌ قیدی۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تین باتوں میں میں نے اپنے رب کی موافقت کی، میں عرض گزار ہوا کہ یارسول اللہ کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ ٹھہرالیں، تو حکم نازل ہوا 'اور ٹھہرالو مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ' (۲:۱۲۵)، میں عرض گزار ہوا کہ یارسول اللہ آپ کی ازواج کے سامنے بھلے اور برے آتے ہیں، کاش آپ انہیں پردہ کا حکم فرمائیں، پس پردے کی آیت نازل ہوگئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات غیرت کھاکر جمع ہوگئیں، تو میں عرض گزار ہوا اگر آپ انہیں طلاق دے دیں تو قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو ان سے بہتر بدلہ میں عطا فرمائے، پس اسی طرح حکم نازل ہوگیا۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تین باتوں میں میں نے اپنے رب کی موافقت کی (۱) مقام ابراہیم، (۲) پردے اور (۳) بدر کے قیدیوں کے متعلق۔ (متفق علیہ)

**خلاصۂ حدیث** یہاں دو حدیثیں ہیں اور دونوں میں اس کا ذکر ہے کہ تین واقعات میں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق وحی الٰہی نازل ہوئی، دونوں حدیثوں کو یکجا کیا جائے تو چار مقامات بنتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں کم از کم پندرہ ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے کہ کسی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی ایک رائے ہوئی یا ان کے قلب میں داعیہ پیدا ہوا کہ کاش اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجاتا، تو وہی حکم وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگیا، اِن احادیث میں اُن میں سے صرف چار کا ذکر کیا گیا ہے، ایک مقامِ ابراہیمؑ سے متعلق حکم، دوسرے پردے کے بارے میں، تیسرے غیرت کے بارے میں اور چوتھے غزوۂ بدر میں قیدیوں کے بارے میں، جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ مقام ابراہیم سفید رنگ کا ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی (اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات معجزانہ طور پر پڑ گئے تھے جو اب تک باقی ہیں) وہ اسی زمانے سے محفوظ چلا آرہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک خانۂ کعبہ کے قریب ہی میں ایک جگہ کھلا رکھا رہتا تھا (بعد میں اس کو عمارت میں کردیا گیا)۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش ایسا ہوتا کہ مقام ابراہیم کو خصوصیت سے نماز کی جگہ قرار دیا جاتا، تو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۵ نازل ہوئی اور اس میں حکم آگیا "واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى" (اور مقام ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ بنالیا کرو) آیت کا سہل الفہم مطلب یہ ہے کہ طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، وہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے، اگر سہولت سے مقامِ ابراہیم کے پاس پڑھی جاسکیں وہیں پڑھی جائیں، ورنہ مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ دوسرا مسئلہ حجاب یعنی پردے کے متعلق ہے، جب تک مستورات کے لیے حجاب یعنی پردے کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بھی بضرورت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی آمد و رفت ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے داعیہ پیدا فرمایا کہ خاص کر ازواجِ مطہرات کے لیے حجاب کا خصوصی حکم آجائے، چنانچہ اس بارے میں آیت نازل ہوگئی "واذا سألتموهن متاعًا فاسئلوهن من وراء حجاب" (سورۂ احزاب آیت ۵۳)۔ تیسرا واقعہ غیرت کا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب ازواج کے پاس خبر گیری کے لیے تشریف لاتے تھے، ایک روز حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد پیا تو مجھ کو رشک آیا اور میں نے حفصہؓ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں وہ یوں کہہ دے کہ آپؐ نے مغافیر نوش فرمایا ہے، مغافیر ایک خاص قسم کی گوند ہے، جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے، بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو (اسی وجہ سے شہد میں بھی بدبو آنے لگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدبو کی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے، اس لیے آپؐ نے قسم کھالی کہ

میں شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ حضرت زینبؓ کا جی برا نہ ہو، اس کے اخفاء کی تاکید فرمائی، مگر ان بی بی نے دوسری سے کہہ دیا اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہؓ شہد پلانے والی تھیں اور حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ صلاح مشورہ کرنے والی تھیں اور بعض روایات میں یہ قصہ دوسری طرح بھی آیا ہے، ممکن ہے کہ کئی واقعے ہوں اور ان سب کے بعد سورۂ تحریم کی آیات نازل ہوئیں ہوں، اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے فرمایا عَسٰی رَبُّكَ تو وحی بعینہ ان الفاظ میں نازل ہوئی، چوتھی بات یہ کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست کے بعد ان کے جو آدمی گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے، ان کے متعلق میری رائے یہ تھی کہ یہ سب اسلام و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے جانی دشمن اور اکابر مجرمین ہیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے، ان کو زندہ چھوڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے زہریلے سانپوں کو زندہ چھوڑنا، لیکن ابوبکر صدیقؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم دلی کا غلبہ تھا، ان کی رائے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی ہوئی، اور اسی پر عمل کیا گیا، بعد میں سورۂ انفال کی وہ آیات نازل ہوئیں جو میری رائے کے مطابق تھیں، یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ واقعہ یہ تھا کہ ان مسئلوں میں وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے ازراہِ ادب اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ میں نے حکم خداوندی کی موافقت کی، بلاشبہ یہ حسن ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت ہی کا نتیجہ تھا۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** وافقت ربی موافقت کا مطلب یہ ہے کہ جو بات اور جو حکم اللہ تعالیٰ کے ہاں پردۂ غیب میں مقرر تھا، اور اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مرضی کے موافق تھا، اس کے ظاہر ہونے سے پہلے حضرت عمرؓ کے دل پر اس کا ظہور ہو گیا، اور حضرت عمرؓ نے اس کا اظہار اور مطالبہ کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ ہی کی مرضی کے مطابق وہ حکم بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرما دیا، اس معاملہ سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ تکوینیات کے جاننے والوں میں تھے۔ "فی ثلاث" یہاں تین باتوں کا ذکر ہے اس سے حصر بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ اس حدیث میں موقع و محل کے اعتبار سے تین کا بیان کرنا مطلوب تھا، ورنہ موافقاتِ عمرؓ پندرہ سے زیادہ ہیں، علمائے امت نے موافقات عمرؓ پر کئی کتابیں لکھی ہیں علامہ طوسیؒ نے بیس موافقات عمرؓ کا ذکر کیا ہے۔ (توضیحات)

### حدیث نمبر ۲۸۴۸ ﴿فاروق اعظمؓ کے چار اعزازات﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵۲

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فُضِلَ النَّاسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِأَرْبَعٍ بِذِكْرِ الْأُسَارٰى يَوْمَ بَدْرٍ أَمَرَ بِقَتْلِهِمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ وَبِذِكْرِهِ الْحِجَابَ أَمَرَ نِسَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّحْتَجِبْنَ فَقَالَتْ لَهُ زَيْنَبُ وَإِنَّكَ عَلَيْنَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ فِيْ بُيُوْتِنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَبِدَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ أَيِّدِ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ وَبِرَأْيِهٖ فِيْ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ أَوَّلَ نَاسٍ بَايَعَهٗ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۴۵۶ ج ۱

**حل لغات:** مس (س) مَسًّا چھونا۔ ایّد (تفعیل) تائیدًا تائید کرنا، قوت دینا۔ بایع (مفاعلت) مُبَایَعَةً بیعت کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ کو دوسروں پر چار باتوں کے سبب خصوصی فضیلت حاصل ہے، ایک بات تو جنگ بدر کے قیدیوں کی بابت ان کی رائے تھی، ان کا کہنا تھا کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لو لا کتب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم" یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا کہ خطاءِ اجتہادی کا

مرتکب مستوجب عذاب نہیں ہوگا، تو جو کچھ فدیہ تم نے لیا تھا، اس کی وجہ سے تم پر بڑی سزا واقع ہو جاتی۔ دوسری بات پردہ کی بابت ان کا مشورہ دینا تھا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو پردہ کی طرف متوجہ کیا تھا، اس پر ام المومنین حضرت زینبؓ نے ان سے کہا تھا اے عمر بن الخطاب! پردہ میں رہنے کی بات ہم سے تم کہہ رہے ہو، حالاں کہ وحی ہمارے گھروں پر اترتی ہے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی "واذا سالتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب" یعنی جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، تیسری بات وہ دعا تھی جو ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی تھی کہ الٰہی عمر کے ذریعہ اسلام کو تقویت عطا فرما، اور چوتھی بات ابوبکرؓ کے حق میں ان کی رائے تھی کہ انہوں نے سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت عمرؓ کے چار امتیازات کا ذکر ہے جن میں سے دو کا گذشتہ حدیث میں ذکر ہو چکا ہے (۱) پردہ کے بارے میں ان کی رائے کے مطابق وحی الٰہی کا نزول ہوا (۲) اسیرانِ بدر کے بارے میں ان کی رائے کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا، (۳) تیسری بات یعنی ان کے اسلام لانے کی آپؐ نے دعا کی اور ان کے ذریعہ سے اسلام کو قوت ملنے کی آپؐ نے آرزو کی، جو کہ پوری ہوئی، وہ مسلمان ہوئے اور ان کے ذریعہ سے اسلام کو اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوا۔ تفصیل کے لیے عالمی حدیث ۶۰۴۵ دیکھ لیں۔ اور (۴) چوتھی بات یہ ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد خلافت کے مسئلہ میں اختلاف کا خطرہ تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے پر دلائل دے کر بیعت کرلی، تو سب نے بیعت کرلی اور یوں ممکنہ اختلاف رفع ہو گیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الاساری یوم بدر گذشتہ حدیث دیکھیں۔ لو لا کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا کہ مجتہد کی غلطی پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ یا یہ کہ اہلِ بدر پہلے سے معاف شدہ ہیں۔ یا پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں باتوں کی اجازت دی تھی کہ فدیہ لے لو یا قتل کر دو۔ اس لیے عذاب ٹل گیا اور نہ عذاب نمودار ہو سکتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اگر عذاب آتا تو عمر کے سوا کوئی نہ بچتا۔ الحجاب گذشتہ حدیث دیکھیں۔ اللھم اید الاسلام عالمی حدیث ۶۰۴۵ دیکھیں۔ کان اول ناس بایعہ سقیفہ بنوساعدہ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی، مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی مجتمع ہوئے اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو وقت پر اطلاع نہ ہو جاتی، تو مہاجرین اور انصار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے، باہم دست و گریباں ہو جاتے اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا، لیکن خدا کو توحید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا، اس لیے اس نے آسمانِ اسلام پر ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے مہر و ماہ پیدا کر دیئے تھے، جنہوں نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی سے افقِ اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کافور کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو ساتھ لیے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے، انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا، ظاہر ہے کہ اس دوعملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسندِ خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی، لیکن دقت یہ تھی کہ قبائلِ عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے، پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے: اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا، غرض ان دقتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء تمہاری جماعت سے، اس پر حضرت خباب بن المنذر رضی اللہ عنہ انصاری بول اٹھے۔ نہیں خدا کی قسم نہیں، ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا، حضرت ابوبکرؓ نے یہ جوش و خروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل و محاسن کا اعتراف کر کے فرمایا: صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں، لیکن در حقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم بھی نہیں کر سکتے، پھر مہاجرین اپنے تقدمِ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی

تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں، یہ دیکھو ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور عمر بن خطابؓ موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو، لیکن حضرت عمرؓ نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا نہیں بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں؛ کیوں کہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، چنانچہ اس مجمع میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی بااثر بزرگ اور معمر نہ تھا، اس لیے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا، اور تمام خلقت بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی، اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان دفعۃً رک گیا اور لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے، اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی۔ (سیر الصحابہ)

**حدیث نمبر ۲۸۴۹ ﴿جنت میں حضرت عمرؓ کے بلند درجہ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵۳**

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ الرَّجُلُ أَرْفَعُ أُمَّتِيْ دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَبُوْسَعِيْدٍ وَاللّٰهِ مَا كُنَّا نُرٰى ذَاكَ الرَّجُلَ إِلَّا عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ)

**حوالہ:** ابن ماجہ، ص ۲۹۸، باب فتنة الدجال و خروج عيسى بن مريم، کتاب الفتن، حدیث ۴۰۷۷

**حل لغات:** ارفع اسم تفضیل رَفَعَ (ف) رَفْعًا بلند ہونا۔ مضی (ض) مُضِيًّا گذرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص میری امت میں جنت کا بلند تر مقام پانے والا ہے، ابوسعید کا بیان ہے کہ اس شخص کے بارے میں بخدا ہمارا خیال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ اس سے حضرت عمر بن خطابؓ کی ذات مراد ہے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اس دنیا سے چلے گئے۔ (ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں حضرت عمرؓ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ممتاز مقام حاصل تھا، ایسے ہی اب جنت بھی ان کی اعلیٰ وارفع ہوگی آپؐ نے حضرت عمرؓ کا عمرؓ کے دنیا میں رہتے ہی جنت میں عالیشان محل ہونے کا تذکرہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا بھی یہ حضرت عمرؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ذاك الرجل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعیین نہیں فرمائی مبہم رکھا تاکہ طاعت وعبادت کے ذریعہ ہر شخص جنت میں اعلیٰ مرتبہ کے لیے کوشش کرے۔ **الا عمر بن الخطاب** حضرت ابوسعیدؓ نے اپنے گمان سے اس کی تعیین فرمائی کہ وہ عمر بن خطاب ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے افضل ہیں، بلکہ حضرت عمرؓ کو بعض اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت حاصل ہے، لیکن مجموعی طور پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکرؓ سب سے افضل ہیں، امت کا اس پر اجماع ہے، تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔

**حدیث نمبر ۲۸۵۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵۴**

## ﴿عمرؓ اعمال صالحہ میں سب سے زیادہ کوشش کرنے والے﴾

وَعَنْ أَسْلَمَ قَالَ سَأَلَنِي ابْنُ عُمَرَ بَعْضَ شَأْنِهٖ يَعْنِيْ عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا قَطُّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حِيْنَ قُبِضَ كَانَ أَجَدَّ وَأَجْوَدَ حَتّٰى انْتَهٰى مِنْ عُمَرَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۱ ج ۱، باب مناقب عمر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۸

**حل لغات:** شأن (ج) شُئُوْنٌ حالت، کیفیت۔ اجد اسم تفضیل جَادَ (ن) جَوْدَةً عمدہ ہونا، بہتر ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت اسلمؓ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ سے اپنے والد حضرت عمرؓ کے کچھ حالات دریافت کیے، میں نے بتائے،

پھر انھوں نے کہا میں نے تو آنحضرتؐ کے وصال کے بعد دین کی تگ ودو اور کوشش کرنیوالا نیز سخی حضرت عمرؓ جیسا کبھی کوئی نہیں دیکھا (بخاری)۔

**خلاصۂ حدیث**

حضرت عمرؓ انتہائی جفاکش اور سخی شخصیت کے مالک اور ان اوصاف میں بہت ممتاز تھے، خلیفہ ہونے کی حیثیت سے رفاہِ عام اور بنی نوع انسان کی بہبودی کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ تو رہتی دنیا تک کے لیے مثال ہیں ہی، ذاتی حیثیت سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لیے وقف تھا، ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لادیتے، مقامِ جنگ سے قاصد آتا تو اہلِ فوج کے خطوط ان کے گھروں میں پہنچا آتے اور جس گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے، راتوں کو عموماً گشت کرتے کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو، ایک دفعہ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام حراء پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت حال دریافت کیا، عورت نے کہا بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں، میں نے ان کے بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے، حضرت عمرؓ اسی وقت مدینہ آئے اور آٹا، گھی، گوشت، اور کھجوریں لے چلے، حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں لیے چلتا ہوں فرمایا، ہاں تم قیامت میں میرا بار نہیں اٹھاؤ گے اور خود ہی سب سامان لے کر عورت کے پاس گئے، اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا، حضرت عمرؓ نے خود چولہا پھونکا، کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اچھلنے کودنے لگے حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اترے حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوفؓ کو ساتھ لیا اور کہا مجھ کو ان کے متعلق مدینہ کے چوروں کا ڈر لگا ہوا ہے، چلو ہم دونوں مل کر پہرہ دیں، چنانچہ دونوں آدمی رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمے سے رونے کی آواز آئی، دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے، حضرت عمرؓ گھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثوم کو ساتھ لے کر بدو کے خیمہ گئے تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا، ام کلثوم نے پکار کر کہا اے امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے، بدو امیر المومنین کا لفظ سن کر چونک پڑا، حضرت عمرؓ نے کہا کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا، بچہ کا وظیفہ مقرر کردوں گا۔ حضرت عمرؓ اپنی غیر معمولی مصروفیات میں سے بھی مجبور، بیکس اور اپاہج آدمیوں کی خدمت گزاری کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ مدینہ کے اکثر نابینا اور ضعیف اشخاص فاروق اعظمؓ کی خدمت گزاری کے ممنون تھے، خلوص کا یہ عالم تھا کہ خود ان لوگوں کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ فرشتۂ رحمت کون ہے۔ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز علی الصبح امیر المومنین کو ایک جھونپڑے میں جاتے دیکھا، خیال ہوا کہ فاروق اعظمؓ کا کیا کام؟ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایک نابینا ضعیفہ رہتی ہے اور وہ روز اس کی خبر گیری کے لیے جایا کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بہت زیادہ دولتمند نہ تھے تاہم انھوں نے جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کیا وہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ تھا۔ سن ۹ ہجری میں آنحضرتؐ نے غزوۂ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے ضروریات جنگ کے لیے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے مال واسباب میں سے آدھا پیش کیا۔ یہود بنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی اسکو خدا کی راہ میں وقف کردیا، اسی طریقہ سے خیبر میں ایک بہترین قطعۂ اراضی ملا تو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعۂ زمین ملا ہے جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے، آپؐ کا کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا وقف کردو، چنانچہ حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فقراء، اعزا، مسافر وغلام اور جہاد کے لیے وقف کردیا، ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور دستِ سوال دراز کیا، حضرت عمرؓ متاثر ہو کر بہت روئے اور کرتا اتار کر دے دیا۔ (سیر الصحابہ)

**کلمات حدیث کی تشریح**

سألنی ابن عمر یعنی اسلم مولیٰ عمر کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ (اپنے والد) کے متعلق پوچھا۔ فقال ما رأیت احدًا یہ ابن عمرؓ کا مقولہ ہے یعنی ابن عمرؓ نے کہا میں نے ان جیسا کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔ اَجَدَّ وَاَجْوَدَ اجد یہ جد سے اسم تفضیل ہے جو جد وجہد کوشش اور محنت کے معنی میں ہے اور اجود جود بمعنی سخا

اور جوّاد بمعنی سخی سے اسم تفضیل ہے۔ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بعدیت سے مراد اگر بعدیت فی الصفات ہو اور کسی مخصوص زمانے سے تعرض نہ ہو تو پھر اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور اس کے بعد تمام لوگوں سے زیادہ أجد و اجود ہونا ہوگا، جب کہ اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ ابوبکر اور بعض دوسرے صحابہ تو افراط کی حد تک جہد اور جود سے متصف تھے، پھر عمرؓ کو ان سے زیادہ متصف قرار دینا کیوں کر صحیح ہے؟ اور اگر اس سے مراد بعد زمان رسول الله ہو تو پھر بھی اس پر حضرت ابوبکرؓ اور بعض دوسرے حضرات کے حوالے ہی سے اعتراض ہوگا، اس لیے اس سے مراد لیا گیا ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد اپنی خلافت کے زمانے میں، اس صورت میں اشکال وارد نہ ہوگا اور اس تاویل کے بعد یہ نہیں کہا جاسکے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ تو ان سے اَجَدُّ وَ اَجْوَدُ تھے، لہٰذا یہ دعویٰ درست نہیں ہے، اشکال اس لیے نہیں ہوگا کہ مراد عہد فاروقی میں اجود واجد ہونا ہے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا وصال ہو چکا تھا اور دوسروں سے حضرت عمرؓ کا اجد واجود ہونا قابل اعتراض نہیں ہے، اس صورت میں اس قول کے قائل ابن عمرؓ ہوں گے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ انتہی کا فاعل ابن عمر ہے اور قائل اس کے نافع ہیں اور اس کی تاویل یوں ہے "انتهى ابن عمر في الانصاف بعد اجد واجود حتى فرغ مما عنده" یعنی ابن عمرؓ اجد واجود قرار دے کر حضرت عمرؓ کے متعلق انصاف میں اخیر تک پہنچے اور جو کچھ انصاف ان کے پاس تھے اس سے فارغ ہوگئے اور وہ کہہ گئے۔

## حدیث نمبر ۲۸۵۱ ﴿حضرت عمرؓ کی شہادت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵۵

وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ يَأْلَمُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَأَنَّهُ يُجَزِّعُهُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا كُلُّ ذٰلِكَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ أَبَا بَكْرٍ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ وَلَئِنْ فَارَقْتَهُمْ لَتُفَارِقَنَّهُمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُوْنَ قَالَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرِضَاهُ فَإِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهِ عَلَيَّ وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَرِضَاهُ فَإِنَّمَا ذَالِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهِ عَلَيَّ وَأَمَّا مَا تَرَىٰ مِنْ جَزَعِيْ فَهُوَ مِنْ أَجْلِكَ وَمِنْ أَجْلِ أَصْحَابِكَ وَاللّٰهِ لَوْ أَنَّ لِيْ طِلَاعَ الْأَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ قَبْلَ أَنْ أَرَاهُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۲۱ ج ۱، باب مناقب عمر، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۹۲

**حل لغات:** طُعِنَ طَعَنَ (ف) طَعْنًا مارنا۔ يَأْلَمُ اَلِمَ (س) اَلَمًا درد ہونا، تکلیف میں مبتلا ہونا۔ يُجَزِّعُهُ جَزَّعَ فُلَانًا (تفعيل) تَجْزِيْعًا تسلی دینا۔ صَحِبْتَ صَحِبَ (س) صَحْبًا ساتھ رہنا۔ فَارَقَ (مفاعلت) مُفَارَقَةً جدا ہونا۔ رَاضُوْنَ اسم فاعل رَضِيَ (س) رِضًى راضی ہونا۔ جَزْعٌ گھبراہٹ، بے چینی۔ اِفْتَدَيْتُ اِفْتَدیٰ (افتعال) اِفْتِدَاءً قربان کرنا، طلاع الأرض کل زمین زمین کی تمام چیزیں۔

**ترجمه:** حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں جب حضرت عمرؓ (خنجر) سے زخمی کئے گئے (بحالت نماز) تو بے قرار ہونے لگے ایسے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ انھیں تسلی دینے لگے امیر المومنین کچھ فکر نہ کیجئے آپ کا انتقال نہ ہوگا، یا یہ کہ اگر انتقال بھی ہو تو فکر کی بات نہیں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور حق صحبت بہترین اختیار کیا اور وصال کے وقت تک وہ آپ سے راضی رہے، پھر آپ حضرت ابوبکرؓ کی رفاقت میں رہے، اور حق صحبت بحسن وخوبی ادا کردیا، وہ بھی وصال کے وقت آپ سے راضی تھے، پھر آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ رہے ان کا بھی حق صحبت بہترین ادا کیا، اگر خدانخواستہ آپ کا انتقال ہوا تو وہ آپ سے راضی ہیں۔ حضرت عمرؓ

نے یہ جواب دیا کہ تمہارا یہ کہنا کہ میں آنحضرتؐ کی صحبت سے فیضیاب ہوا اور آپؐ وصال تک مجھ سے راضی رہے، یہ اللہ کا مجھ پر ایک بہت بڑا احسان ہے نیز حضرت ابوبکرؓ کی صحبت اور ان کی رضا جو تم نے بیان کی وہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا ہے، لیکن میری بیقراری جو تم دیکھ رہے ہو (کسی تکلیف کی وجہ سے نہیں) تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی فکر کی وجہ سے ہے، خدا کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہوتو میں اللہ کا عذاب دیکھنے سے پہلے ہی اسے دے کر اپنی جان چھڑالوں۔ (بخاری)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں جس زخم کا ذکر ہے اسی زخم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا، حضرت ابن عباسؓ نے اس موقع پر حضرت عمرؓ سے بارہا یہ تسلی کے کلمات کہے اور یہ بات تازہ کی کہ آپ کو نبیؐ اور ابوبکرؓ کی نہ صرف رفاقت ملی بلکہ وہ لوگ تاحیات آپ سے راضی اور خوش رہے، حضرت عمرؓ نے اس شدید تکلیف کے وقت بھی تواضع سے کام لیا اور فرمایا یہ سب میرے رب کا کرم ہے میرا ذاتی کمال نہیں، پھر اپنی پریشانی کی وجوہات کا ذکر کیا۔ تفصیل ذیل میں ملاحظہ کریں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یَاْلَمُ، الم درد کو کہتے ہیں یعنی حضرت عمر فاروقؓ زخم کی وجہ سے شدید کرب اور فریاد کا اظہار فرمارہے تھے، عام شارحین نے یہی مطلب بیان کیا ہے، لیکن اس پوری حدیث کے دیکھنے اور اس کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ امورِ خلافت اور اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں بے چینی کا اظہار فرمارہے تھے، حضرت ابن عباسؓ نے بھرپور طریقے سے آپؓ کو تسلی دے دی، "و کانه، یجزعه" عام شارحین لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر فاروقؓ کو اس کرب و درد پر ملامت فرمارہے تھے مگر شیخ عبدالحقؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر فاروقؓ کے درد اور پریشانی کو دور فرمارہے تھے اور تسلی دے رہے تھے، یہ مطلب زیادہ واضح ہے اور اس حدیث کے بالکل موافق ہے اور 'یألم' کا مذکورہ مطلب کے عین مطابق ہے، آنے والے جملے سب اسی پر موافق آرہے ہیں 'و لا کل ذلك' یعنی اے امیر المومنین! ان تمام پریشانیوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، نہ یہ بے قراری اور مستقبل کا اتنا خوف آپ کی شایانِ شان ہے، آپ تو وہ ہستی ہیں کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ نے ساتھ دیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ساتھ دیا، وہ دونوں آپ سے راضی رہے، پھر آپ نے مسلمانوں کی خدمت کی، انتقال کے بعد انشاء اللہ سب مسلمان بھی آپ سے راضی اور خوش ہوں گے، لہٰذا پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے 'مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ' یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض احسان تھا جو مجھ پر ہوا مجھے جو پریشانی ہے وہ آپ لوگوں کی وجہ سے ہے۔ (توضیحات) و اما تری من جذعی حضرت فاروق اعظمؓ نے عبداللہ ابن عباسؓ کو جواب دیتے ہوئے آخر میں جو یہ فرمایا کہ تم جو مجھے بے چینی اور بے قراری کی حالت میں دیکھ رہے ہو یہ زخم کی تکلیف کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ اس فکر اور اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ میرے بعد تم لوگ فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ، اس کی بنیاد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عمر فتنوں کے لیے بند دروازہ ہیں، جب تک وہ ہیں امت فتنوں سے محفوظ رہے گی، جب وہ نہ رہیں گے تو فتنوں کے لیے دروازہ کھل جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کی شہادت کے بعد سے شیاطین الجن والانس کی طرف سے فتنوں کی تخم ریزی شروع ہوئی اور حضرت عثمانؓ کے آخری دورِ خلافت میں فتنہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اپنے کو مسلمان کہنے والوں ہی کے ہاتھوں وہ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اس کے بعد خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں ہزار ہا صحابہ و تابعین شہید ہوئے، یہی وہ فتنے تھے جن کی فکر اور اندیشہ سے اپنے زخم کی تکلیف کو بھلا کر فاروق اعظمؓ بے چین و مضطرب تھے اور آخر میں جو فرمایا 'و اللّٰه لو ان لی طلاع الارض ذهبا الخ' (خدا کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہوتو میں اللہ کا عذاب دیکھنے سے پہلے ہی اس سے بچنے کے لیے وہ سارا سونا فدیہ میں دے دوں) اس کا مقصد حضرت ابن عباسؓ کو یہ بتلانا ہے کہ میں جو اضطراب و بے چینی محسوس کررہا ہوں اس کا

ایک دوسرا سبب بھی ہے اور وہ عذاب الٰہی کا خوف ہے، فاروق اعظمؓ کا یہ خوف ان کے کمال ایمان اور کمال معرفت کی دلیل ہے، جس کا ایمان اور عرفان جس قدر کامل ہوگا اس پر اسی قدر خوف خدا کا غلبہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے 'إني اعلمكم بالله واخشاكم' مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم اور معرفت تم سب سے زیادہ ہے اور اس کا خوف وڈر بھی مجھے تم سب سے زیادہ ہے، قرآن مجید میں بار بار یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی خاص رحمت اور جنت کے مستحق وہ بندے ہیں جو اس کے خوف سے لرزاں وترساں رہتے ہیں، سورۂ 'بینہ' میں مومنین صالحین کا یہ انجام بیان فرما کر کہ وہ "خیر البریة" (اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر) ہیں، وہ آخرت میں ان غیر فانی جنتی باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان کو رضائے خداوندی کی نعمت حاصل ہوگی، اور وہ اپنے اس خداوند سے راضی ہوں گے۔ آخر میں فرمایا گیا "ذلك لمن خشي ربه" یہ سب ان مومنین صالحین کے لیے ہے جو خداوند تعالیٰ سے (یعنی اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے) ڈرتے رہے ہیں، الغرض حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ ارشاد ان کے کمال ایمان اور کمال معرفت کی دلیل ہے، قربیاں رابیش بود حیرانی

**شہادت:** اس حدیث میں فاروق اعظمؓ کے زخمی کئے جانے کا ذکر ہے، یہ وہی زخم ہے، جس کے نتیجے میں آپ کی شہادت ہوئی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اختصار کے ساتھ اس انتہائی المناک واقعہ کا ذکر کر دیا جائے، فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت ہی میں ایران فتح ہوا، ایران کے جو مجوسی جنگی قیدیوں کی حیثیت سے گرفتار کر کے لائے گئے وہ شرعی قانون کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے کہ ان سے غلام اور خادم کی حیثیت سے کام لیں اور ان کے کھانے پینے وغیرہ ضروریات زندگی کی کفالت کریں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ایران سے آئے ہوئے ان اسیران جنگ میں ایک بدبخت ابولولو نامی مجوسی بھی تھا، جو مشہور صحابی مغیرہ بن شعبہ کے حوالے کیا گیا تھا، اس نے فاروق اعظمؓ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا، ایک خنجر تیار کیا اور اس کو بار بار زہر میں بجھایا، اور اس کے بعد رات میں مسجد شریف کے محراب میں چھپ کر بیٹھ گیا، فاروق اعظمؓ فجر کی نماز بہت سویرے اندھیرے میں شروع کر دیتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، ذی الحجہ کی ستائیسویں تاریخ تھی، وہ حسب معمول فجر کی نماز کے لیے تشریف لائے اور محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانی شروع کر دی، ابھی تکبیر تحریمہ کہی ہی تھی کہ اس خبیث ایرانی مجوسی نے اپنے خنجر سے تین کاری زخم آپؓ کے شکم مبارک پر لگائے، آپؓ بیہوش ہو کر گر گئے، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے جلدی سے آپؓ کی جگہ آکر مختصر نماز پڑھائی، ابولولو نے بھاگ کر مسجد سے نکل جانا چاہا نمازیوں کی صفیں دیوار کی طرح حائل تھیں، پھر اس نے اور نمازیوں کو زخمی کر کے نکل جانا چاہا، اس سلسلہ میں اس نے تیرہ صحابۂ کرامؓ کو زخمی کیا، جن میں سے سات شہید ہو گئے اتنے میں نماز ختم ہوگئی اور ابولولو کو پکڑ لیا گیا، تو اس نے اس خنجر سے خودکشی کر لی، نماز ختم ہو جانے کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کو گھر لایا گیا، تھوڑی دیر میں آپ کو ہوش آیا تو اسی حالت میں آپؓ نے نماز ادا کی، سب سے پہلے آپؓ نے پوچھا کہ میرا قاتل کون ہے؟ بتلایا گیا ابولولو مجوسی، آپؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک کافر کے ہاتھ سے شہادت دی۔ آپؓ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبولیت اس طرح مقدر فرمائی۔ آپؓ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے شہادت نصیب فرما اور میری موت تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ میں ہو، ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے آپ کی زبان سے یہ دعا سن کر عرض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ فی سبیل اللہ شہید ہوں اور آپؓ کی وفات مدینہ ہی میں ہو (ان کا خیال تھا کہ فی سبیل اللہ شہادت کی صورت تو یہی ہے کہ اللہ کا بندہ میدانِ جہاد میں کافروں کے ہاتھوں شہید ہو)، آپ نے فرمایا کہ اللہ قادر ہے اگر چاہے گا تو یہ دونوں نعمتیں مجھے نصیب فرما دے گا، بہر حال آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا، آپ نے حضرت صہیبؓ کو اپنی جگہ امام نماز میں مقرر کیا اور اکابر صحابہ میں سے چھ حضرات کو (جو سب عشرۂ مبشرہ میں سے تھے) نامزد کیا کہ وہ میرے بعد تین دن کے اندر مشورہ سے اپنے ہی میں

سے ایک کو خلیفہ مقرر کرلیں، پھر آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے سلام کے بعد عرض کرو کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں اپنے دونوں بزرگ ساتھیوں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن کیا جاؤں، اگر آپ اس کے لیے دل سے راضی نہ ہوں تو پھر جنۃ البقیع میرے لیے بہتر ہے، انھوں نے ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ پیام پہنچایا، انھوں نے فرمایا کہ وہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی، لیکن اب میں اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتی ہوں، جب عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کو یہ خبر پہنچائی تو فرمایا کہ میری سب سے بڑی تمنا یہی تھی، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے یہ بھی پوری فرمائی۔ ۲۷ ذی الحجہ بروز پنجشنبہ آپ زخمی کئے گئے تھے یکم محرم بروز یکشنبہ وفات پائی، جب آپ کا جنازہ نماز کے لیے رکھا گیا تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے آپ کے بارے میں وہ فرمایا جو ناظرین کرام آگے فضائل شیخین میں درج ہونے والی حدیث میں پڑھیں گے۔ نماز جنازہ حضرت صہیبؓ نے پڑھائی اور روضۂ اقدس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آپؓ دفن کئے گئے۔ (معارف الحدیث)

## باب مناقب ابی بکرؓ و عمرؓ

## (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے فضائل کا تذکرہ)

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۱۲ روایات نقل فرمائی ہیں۔ گزشتہ صفحات میں پہلے حضرت صدیق اکبرؓ کے فضائل ومناقب سے متعلق حدیثیں نذر ناظرین کی گئی تھیں، اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کے فضائل ومناقب سے متعلق، اب آنحضرتؐ کے چند وہ ارشادات پیش کیے جارہے ہیں، جن میں آپؐ نے اپنے ان دونوں خاص رفیقوں کا ایک ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، حضورؐ کی نظر مبارک میں ان دونوں کا خاص الخاص مقام تھا، اور بہت سے موقعوں پر آپؐ نے ان دونوں کا اپنے ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ گویا یہ دونوں آپؐ کے شریک حال اور خاص رفیق کار ہیں۔ (معارف الحدیث)

### الفصل الاول

**حدیث نمبر ۲۸۵۲ ﴿شیخینؓ کے کمال ایمان کی گواہی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵۶**

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوْقُ بَقَرَةً إِذْ أَعْيٰى فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ إِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا إِنَّمَا خُلِقْنَا لِحَرَاثَةِ الْأَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّيْ أُوْمِنُ بِهٖ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ وَقَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِيْ غَنَمٍ لَهٗ إِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰى شَاةٍ مِنْهَا فَأَخَذَهَا فَأَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِيْ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ أُوْمِنُ بِهٖ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۹۴ ج ۱، باب، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث ۳۴۷۱، مسلم، ص ۲۷۴ ج ۲، باب من فضائل ابی بکر، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۳۸۸

**حل لغات:** یَسُوْقُ ساق (ن) سَوْقًا الماشیۃَ ہانکنا، لے جانا۔ بَقَرَۃٌ (نر و مادہ دونوں کے لیے) گائے، بیل۔ اَعْیٰی (افعال) اعیاءً الرجلُ تھکنا۔ تکلم (تفعّل) تکلما بات کرنا۔ عَدَا (ن) عَدْوًا دوڑنا۔ اَلذِّئْبُ بھیڑیا۔ اِسْتَنْقَذَ (استفعال) اِسْتِنْقَاذًا چھڑانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی ایک بیل کو ہانکے لیے جارہا تھا، وہ تھک گیا تو وہ بیل پر سوار ہوگیا، بیل نے کہا کہ ہم اس لیے پیدا نہیں کئے گئے تھے، ہم تو زمین کی کاشت کے کام کے لیے پیدا کئے گئے

تھے، تو بعض آدمیوں نے کہا: سبحان اللہ بیل بھی بات کرتا ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میرا ایمان ہے اس پر اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا بھی ایمان ہے، اس مجلس میں وہ دونوں موجود نہیں تھے، اور حضورؐ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ایک آدمی اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھا، ایک بھیڑیئے نے ریوڑ کی ایک بکری پر حملہ کر کے اس کو اٹھالیا، بکریوں والے نے اس کو جا پکڑا اور بھیڑیئے سے بکری کو چھڑا لیا، تو بھیڑیئے نے اس سے کہا کہ ان بکریوں کے لیے کون محافظ ہوگا یوم السبع میں، وہ دن وہ ہوگا جس دن میرے سوا ان بکریوں کا اور کوئی چرواہا اور محافظ نہ ہوگا، تو لوگوں نے کہا سبحان اللہ بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے، رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ بات حق ہے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا بھی ایمان ہے، اور وہ دونوں وہاں موجود نہ تھے۔ (بخاری و مسلم)



**خلاصۂ حدیث**

ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبرؐ وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر جو کچھ بیان فرمائیں اس پر یقین کیا جائے اور اس کو بغیر شک و شبہ کے حق مانا جائے، اگرچہ دنیا کے عام حالات کے لحاظ سے وہ بات ناقابل فہم ہو، رسول اللہؐ نے بیل اور بھیڑیئے کے کلام کرنے کی جو بات بیان فرمائی وہ اسی طرح کی بات تھی، اسی وجہ سے بعض حاضرین نے تعجب کا اظہار کیا، تو حضورؐ نے فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے اور اپنے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ کا بھی نام لے کر فرمایا کہ ان دونوں کا بھی ایمان ہے کہ یہ حق ہے، راوی کا بیان ہے کہ یہ بات آپؐ نے ایسے وقت فرمائی جب کہ ان دونوں میں سے کوئی وہاں موجود نہ تھا، اس لیے یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور ان کو خوش کرنے کے لیے یہ بات فرمائی ہو، یہ رسول اللہ کی زبان مبارک سے شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے کمال ایمان اور ایمانی کیفیت میں حضورؐ کے قریب تر ہونے اور اس کے بارے میں ان کے اختصاص و امتیاز کی دلیل اور شہادت ہے، اور ان دونوں حضرات کے بارے میں حضورؐ کے اس رویہ کی یہ ایک اہم مثال ہے جس کا ذکر حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے بیان میں کیا ہے کہ رسول اللہؐ بہت سے موقعوں پر اپنے ساتھ ان دونوں کا ذکر بھی نام لے کر فرمایا کرتے تھے رضی اللہ عنہما۔ حدیث کے آخری حصہ میں "یوم السبع" کا لفظ ہے، راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کے قریب کے وہ دن ہیں جب قیامت کے آثار ظاہر ہو جائیں گے، اس وقت لوگ بھیڑ بکری وغیرہ اپنے مویشیوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کو بالکل بھول جائیں گے، وہ لاوارث ہو کر جب جنگلوں میں پھریں گے اور گویا بھیڑیئے وغیرہ درندے ہی ان کے وارث و مالک ہوں گے؛ اسی لحاظ سے اس کو یوم السبع (درندوں کا دن) کہا گیا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

اعي آدمی جب تھک گیا بیل پر سوار ہو گیا بیل نے اس پر انکار کیا اور باتیں کیں، تو لوگوں کو تعجب ہوا، بیل اور بھیڑیئے کا بولنا خرقِ عادت ہے اور خرق عادت نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو وہ معجزہ ہے اور کسی ولی کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے اور غیر مسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو استدراج (ڈھیل دینا) ہے اور ان کے علاوہ سے ظاہر ہو تو اللہ کی ایک نشانی ہے، جو اللہ تعالیٰ کبھی مخلوقات کو دکھاتے ہیں۔ حدیث میں جو دو واقعے ہیں دونوں آیات من آیات اللہ ہیں، لوگ کھیتی کے لیے تین جانور استعمال کرتے ہیں اونٹ، بھینسا، بھینس، گائے اور بیل مگر یہ سب کھیتی کے لیے پیدا نہیں کیے گئے، اونٹ ریگستان میں سواری کے لیے پیدا کیا گیا ہے، گائے بھینس دودھ کے لیے اور بیل صرف کھیتی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے جانوروں کو کھیتی میں استعمال نہیں کر سکتے؛ بلکہ اس حدیث سے ثابت یہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیل کو کھیتی کے لیے پیدا کیا ہے، اس سے کھیتی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ وماھما ثم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس وقت مجلس میں موجود نہیں تھے، اس کے باوجود آپؐ نے ان کی طرف سے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ بھی ایمان لائے، اس سے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم کو ان پر کس قدر اعتماد تھا کہ ان کی غیر موجودگی میں آپؐ نے ایک واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ میں بھی ایمان لایا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی ایمان لائے، واخذ الذئب الخ دوسرا موقعہ آپؐ نے یہ بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیا ایک مرتبہ ایک بکری کو اٹھا کر لے

گیا، چرواہا اس کے پیچھے دوڑا تا کہ اس کو چھڑائے، تو بھیڑیئے نے اس چرواہے سے کہا کہ ان بکریوں کا یوم السبع میں کون نگہبان ہوگا۔
یوم السبع کی تشریح میں شراح حدیث نے مختلف رائے اختیار کی ہیں: ایک تشریح اس کی یہ کی گئی ہے کہ یوم السبع سے مراد کہ جس دن دوسرے درندے کثرت سے حملہ آور ہوں گے اور اتنی کثرت سے حملہ آور ہوں گے، کہ اے چرواہے تجھے یہ ہوش نہیں رہے گا کہ تو میرے پیچھے بھاگے، بلکہ اپنی جان بچا کر بھاگنے کی فکر کرے گا، یعنی اتنے درندے آئیں گے کہ تو ان کو دیکھ کر خود بھاگ جائے گا، اس روز ان بکریوں کی حفاظت کرنے والا کون ہوگا؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے کسی آئندہ آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو آگے ایک حدیث کے اندر بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ ایک وقت مدینہ منورہ میں ایسا آئے گا کہ مدینہ منورہ میں مرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ ان کے اوپر درندے اور سباع الطیور کثرت سے منڈلائیں گے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یوم السبع کوئی عید یا جشن کا دن ہوتا تھا، اس دن شہر والے عید منانے کے لیے کہیں باہر چلے جایا کرتے تھے اور اپنے جانوروں کو تنہا چھوڑ جایا کرتے تھے، کوئی ان کا رکھوالا نہیں ہوتا تھا، تو بھیڑیا اس دن کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ دن آئے گا تو کوئی ان کا رکھوالا نہیں ہوگا، اس وقت کون ان کی حفاظت کرے گا؟ آج تو تم اس کے پیچھے دوڑ رہے ہو اس وقت کیسے حفاظت کرو گے۔ یوم لا راعی لہا غیری؟ اس دن میرے سوا بکریوں کا کوئی نگہبان نہ ہوگا اس دن کون بچائے گا، یہاں پر بھیڑیا کا بولنا مذکور ہے، لہٰذا اس وقت بھی لوگوں کو تعجب اور حیرت ہوئی ہوگی، آپؐ نے فرمایا کہ میں ایمان لایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایمان لائے۔

**حدیث نمبر ۲۸۵۳ ﴿شیخینؓ سے آپؐ کا کمال قرب﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵۷**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ إِنِّيْ لَوَاقِفٌ فِيْ قَوْمٍ فَدَعَوُا اللّٰهَ لِعُمَرَ وَقَدْ وُضِعَ عَلٰى سَرِيْرِهٖ إِذَا رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِيْ قَدْ وَضَعَ مِرْفَقَهٗ عَلٰى مَنْكِبِيْ يَقُوْلُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ يَّجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ لِأَنِّيْ كَثِيْرًا مَّا كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُنْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَفَعَلْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَانْطَلَقْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۱۹ ج ۱، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۳۶۷۷، مسلم، ص ۲۷۴ ج ۲، باب من فضائل عمر، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۳۸۹

**حل لغات:** دَعَوْا دعا (ن) دُعَاءً و دَعْوَةً دعا کرنا۔ مَنْكِبٌ (ج) مَنَاكِبُ مونڈھا، کندھا۔ اِنْطَلَقْتُ انطلق (انفعال) اِنْطِلَاقًا جانا، چلنا۔ اِلْتَفَتُّ اِلْتَفَتَ (افتعال) اِلْتِفَاتًا متوجہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ان لوگوں میں کھڑا تھا جو اللہ تعالیٰ سے حضرت عمرؓ کے لیے دعا کر رہے تھے، جب کہ ان کا جنازہ تختے پر رکھا ہوا تھا، تو ایک آدمی اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھ کر کہتا ہے اللہ تعالیٰ آپؓ پر رحم فرمائے، مجھے امید ہے کہ وہ آپؓ کو آپؓ کے دونوں ساتھیوں سے ملا دے گا؛ کیوں کہ میں نے اکثر رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا، 'میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ تھے'، 'میں نے اور ابوبکرؓ و عمرؓ نے کیا'؛ 'میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ گئے'؛ 'میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ اندر داخل ہوئے'؛ 'میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ باہر نکلے' میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علیؓ تھے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضرت فاروق اعظمؓ کے متعلق حضرت علیؓ کے یہ تاثرات بہت ہی تاریخی ہیں، انسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فاروق اعظمؓ کے بہت ہی قدرداں اور آپؐ سے انکے خصوصی رشتہ کے دل سے قائل تھے، بعض روایت میں ہے کہ اس موقع پر

انھوں نے یہ بھی کہا ما خلفت احدا احب الی ان القی اللہ بمثل عملہ منک (یعنی تم نے اپنے بعد اللہ کا کوئی ایسا بندہ نہیں چھوڑا جس کے اعمال کے مثل اعمال لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کی مجھے تمنا اور خواہش ہو) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمنا اور خواہش تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حضرت عمرؓ جیسے اعمال لے کر حاضر ہوں اور حضرت عمرؓ کے بعد کوئی آدمی ایسا نہیں رہا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وضع عمر علی سریرہ یہ واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے دن کا ہے، میت کو تخت پر دو وجہ سے رکھا جاتا ہے، ایک غسل دینے کے لیے، دوسرے قبرستان کی طرف لے جانے کے لیے، یہاں دونوں مفہوم ہوسکتے ہیں، مگر ملا علی قاری نے پہلے معنی کو لیا ہے، مگر بعض شراح حدیث نے دوسرے معنی کو راجح قرار دیا ہے۔ قبل ان یرفع کا جملہ بھی اسی کا مؤید ہے۔ مع صاحبیک ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ صاحبین سے مراد حضرت نبی کریمؐ اور ابوبکر صدیقؓ ہیں، اور حضرت عمرؓ کی معیت کہاں ہوگی؟ تو اس کے متعلق ملا علی قاری نے علامہ سیوطی کا قول ذکر کیا ہے کہ قبر کی معیت مراد ہے یا جنت کی، دونوں قول ہیں مگر آئندہ آنے والی روایت ھکذا نبعث سے اشارہ ملتا ہے کہ یہاں قبر اور جنت دونوں جگہ کی معیت مراد ہے اور دونوں جگہ (قبر و جنت) کی معیت مراد لینا اولیٰ ہے، چنانچہ آج نبی کریمؐ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تینوں حضرات ایک ہی جگہ آرام فرما ہیں۔ بخاری و مستدرک حاکم میں منقول ہے کہ وفات سے پہلے خلیفہ ثانی نے حضرت عائشہؓ سے ان کے حجرے میں دفن ہونے کی اجازت مانگی تھی، انھوں نے بخوشی اجازت مرحمت فرمادی، پھر بھی حضرت عمرؓ نے تدفین سے پہلے ورثہ کو دوبارہ اجازت لینے کی تاکید کی تھی، چنانچہ جب دفن طے ہوگیا تو غالباً حضرت علیؓ نے آکر یہ باتیں کہیں۔

### حدیث نمبر ۲۸۵۴ ﴿شیخینؓ کا مقام بلند﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵۸

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّؓ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَھْلَ الْجَنَّۃِ لَیَتَرَاءَ وْنَ أَھْلَ عِلِّیِّیْنَ کَمَا تَرَوْنَ الْکَوْکَبَ الدُّرِّیَّ فِیْ أُفُقِ السَّمَاءِ وَإِنَّ أَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ مِنْھُمْ وَأَنْعَمَا رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَرَوٰی نَحْوَہٗ أَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص۵۵۴ ج ۲، باب کتاب الحروف، حدیث ۳۹۸۷، ترمذی، ص ۲۰۷ ج ۲، باب مناقب ابی بکر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۵۸، ابن ماجہ، ص۱۰، المقدمۃ، باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۹۶، البغوی فی شرح السنۃ، ص۱۰۰ ج ۱۴

**حل لغات:** یَتَرَاءَ وْنَ تراء ی (تفاعل) تراء یا القوم لوگوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا۔ اُفُقٌ (ج) آفَاقٌ کنارہ، کنارۂ آسمان۔ اَنْعَمَا اَنْعَمَ (افعال) اِنْعَاماً بڑھانا، اضافہ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے اندر جنت والے علیین کو دیکھیں گے، جیسے تم روشن ستارے کو دیکھتے ہو آسمان کے افق میں، اور بے شک ابوبکرؓ و عمرؓ علیین والوں میں سے ہوں گے، بلکہ ان کا درجہ اور بھی بلند ہوگا، اس کو بیہقی نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے اور اسی کی مثل ابوداود، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث شریف میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے لیے جنت میں اعلیٰ درجات بیان کیے گئے ہیں، کہ یہ دونوں بزرگ ہستیاں جنت میں اتنے اعلیٰ اور بلند مقام پر ہوں گے کہ لوگ ان کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح آسمان میں ستاروں کو نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں اور اس سے مقصود بلندئ درجات بیان کرنا ہے۔ أنعما یہ بصیغۂ تثنیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اہل درجات اعلیٰ میں سے نہیں ہیں، بلکہ ان سے بھی فائق ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ بیان

کیا ہے کہ یہ حضرات جنت نعیم میں داخل ہوں گے، دونوں ہی معانی کی صورت میں انکے اہل درجات اعلیٰ میں ہونا ظاہر ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے حاشیہ ترمذی میں بحوالہ تاریخ ابن عساکر لکھا ہے کہ میں نے انعما کے معنی ابو سعید خدریؓ سے معلوم کیا تو فرمایا اسکا مطلب یہ ہیکہ یہ حضرات بلند مقام والوں میں سے ہیں اور اسکے اہل ہیں، حدیث شریف کی یہی تشریح و توضیح سفیان بن عیینہ سے بھی منقول ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان اهل الجنة یعنی علیین والے عام جنتیوں سے اتنے بلند ہوں گے کہ عام جنتی ان کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح ہم زمین پر رہ کر آسمان پر چمکنے والے ستاروں کو دیکھتے ہیں، اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا مقام تو علیین والوں سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ علیین عین اور لام پر زیر ہے، پہلی یاء مشدد ہے اور دوسری یاء ساکن ہے، علیین سے مراد ساتویں آسمان پر وہ مقام ہے کہ جہاں مومنین کی ارواح کو رکھا جاتا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد وہ مقام ہے کہ جہاں نیک لوگوں کے نامۂ اعمال رکھے جاتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۸۵۵ ﴿شیخینؓ اہل جنت کے سردار ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵۹-۶۰۶۰**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَا كُهُوْلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ إِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۷ ج ۲، باب مناقب ابی بکر و عمر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۶۴

**حل لغات:** سَيِّدٌ (ج) سَادَةٌ سردار، مالک۔ كُهُوْلٌ (واحد) كَهْلٌ ادھیڑ عمر کا بڈھا۔ اَلنَّبِيِّيْنَ (واحد) نَبِيٌّ نبی، پیغمبر۔ اَلْمُرْسَلِيْنَ (واحد) مُرْسَلٌ رسول۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ ادھیڑ عمر والے اولین و آخرین میں سے تمام جنتیوں کے سردار ہیں سوائے انبیاء و مرسلین کے۔ (جامع ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** مطلب یہ ہے کہ بنی آدم میں سے جو لوگ ادھیڑ عمر کو پہنچے اور اس کے بعد وفات پائی اور وہ ایمان و اعمال صالحہ کی وجہ سے جنت میں جانے والے ہیں، خواہ وہ دنیا کے ابتدائی زمانے والے ہوں یا آخری زمانے والے، ابوبکرؓ و عمرؓ جنت میں ان کے سردار ہوں گے اور ان کا درجہ ان سب سے بالاتر ہوگا سوائے انبیاء و مرسلین کے یعنی جنت میں سب سے فائق و بالاتر انبیاء و مرسلین ہوں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** كهول اهل الجنة ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ کہل کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس کی عمر ۳۰ یا ۳۴ سال سے تجاوز کر جائے اور یہ اکیاون سال تک اطلاق ہوتا ہے، بعض روایت میں لا تخبرهما یا علی کا لفظ آیا ہے، یعنی جب تک یہ لوگ بقید حیات رہیں انہیں یہ خوش خبری نہ سنانا، ملا علی قاری نے روکنے کی علت دو بیان فرمائی ہیں (۱) اگر دنیا کی زندگی میں انہیں بتلا دو گے تو بشری تقاضہ میں گرفتار ہو کر عجب میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے۔ (۲) تم ان کو مت خوش خبری دینا میں انکو خود خوش خبری سناؤں گا مگر ما دام حيين (جبتک وہ دونوں زندہ رہیں) کا لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں پہلی توجیہ زیادہ مناسب ہے۔

من الاولين ملا علی قاری نے لکھا ہے "اى من اولياء الامم المتقدمين فيكونان افضل من اصحاب الكهف ومؤمن آل فرعون ومن الخضر ايضا على القول بانه ولى" یعنی امم سابقہ کے تمام اولیاء کے بھی سردار ہوں گے، کیونکہ وہ اصحاب کہف، فرعون کے دربار کے مومن اور خضر سے بھی افضل ہیں، بشرطیکہ خضر کو نبی کے بجائے ولی مانا جائے۔ والاخرين ملا علی قاری فرماتے ہیں "اى من اولياء هذه الامة وعلمائهم وشهدائهم" یعنی امت محمدیہ کے اولیا، علما اور شہدا کے بھی سردار ہوں گے، الا النبيين

والمرسلین انبیاء ورسل کے سردار نہیں ہوں گے، اسکے ذریعہ حضرت عیسیٰ کا خصوصا استثنا کیا گیا؛ کیونکہ وہ امت محمدیہ کے آخر میں شامل ہیں، اسی طرح خضر بھی بشرطیکہ انکو نبی مانا جائے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں "فخوج عیسی علیہ السلام و کذا الخضر علی القول بنبوته

**سوال:** جنت میں کوئی ادھیڑ عمر نہیں ہوگا، سب ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے، پھر حدیث کا کیا مطلب ہے؟

**جواب:** یہ مجاز ما کان ہے یعنی جو دنیا میں ادھیڑ عمر میں فوت ہوئے ہیں وہ جنتی مراد ہیں جیسے الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنة میں بھی یہی مراد ہے۔

### حدیث نمبر۲۸۵۶ ﴿شیخینؓ کی اقتدا کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۶۱

وَعَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَا أَدْرِيْ مَا بَقَائِيْ فِيْكُمْ فَاقْتَدُوْا بِاللَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۰۷ ج ۲، باب کتاب المناقب، حدیث ۳۶۶۳

**حل لغات:** اِقْتَدُوْا، اِقْتَدٰى (افتعال) اِقْتِدَاءً اقتدا کرنا، پیروی کرنا۔

**ترجمه:** حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کب تک تم لوگوں میں باقی رہوں گا۔ لہٰذا میرے بعد ان دونوں یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کی پیروی کرنا، اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ پر منکشف کردیا گیا تھا کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے یہ دونوں خاص رفیق ابوبکرؓ وعمرؓ یکے بعد دیگرے آپؐ کی جگہ امت کی امامت و قیادت کریں گے، اس لیے آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ میرے بعد ان کی اقتدا اور پیروی کی جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا ادری ما بقائی فیکم علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ما استفہامیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ میں کتنے یوم تمہارے درمیان بقید حیات رہوں گا مجھے قطعاً علم نہیں ہے، زندگی کے لمحات کتنے باقی رہ گئے ہیں مجھے علم نہیں ہے، لہٰذا میری وفات کے بعد تم ابوبکرؓ وعمرؓ کی اتباع کرنا، ان کو اپنا پیشوا ماننا، ان کو اپنا امام تسلیم کرنا۔ اس حدیث شریف سے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی خلافت کی جانب اشارہ ملتا ہے، جہاں بھی ان حضرات کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، وہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس سے حضرت ابوبکرؓ کا تفوق حضرت عمرؓ پر معلوم ہوتا ہے۔

### حدیث نمبر۲۸۵۷ ﴿آپؐ کا شیخینؓ سے خصوصی محبت کا اظہار﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۶۲

وَعَنْ أَنَسٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ لَمْ يَرْفَعْ أَحَدٌ رَأْسَهُ غَيْرَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانَا يَتَبَسَّمَانِ إِلَيْهِ وَيَتَبَسَّمُ إِلَيْهِمَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۰۸ ج ۲، باب کتاب المناقب، حدیث ۳۶۶۸

**حل لغات:** تَبَسَّمَانِ تَبَسَّمَ (تفعل) تبسما مسکرانا۔

**ترجمه:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سوا کوئی اور سر نہ اٹھاتا۔ یہ حضورؐ کو دیکھ کر مسکراتے اور حضورؐ انہیں دیکھ کر تبسم ریز ہوتے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کی جو بے تکلفی اور خصوصی محبت شیخین سے تھی کسی سے نہیں تھی، آپ شیخین کے ساتھ فرحت وانبساط کا خصوصی معاملہ فرماتے تھے، اور یہ ان کی فضیلت کی دلیل ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یتبسمان الیہ ویتبسم الیہما یہ محبوبوں کی خاص ادا و عادت ہوتی ہے کہ جب آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ کر بے اختیار مسکرانے لگتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۸۵۸ ﴿بروز حشر شیخینؓ کا آپ کے ساتھ ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۶۳**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ أَحَدُهُمَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَالْآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ وَهُوَ اٰخِذٌ بِأَيْدِيْهِمَا فَقَالَ هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۸ ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۶۹

**حل لغات:** نُبْعَثُ بَعَثَ (ف) بعثاً الیہ اٹھایا جانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے (اور آپؐ کے ساتھ) ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے، ان دونوں میں سے ایک آپؐ کے داہنی جانب اور دوسرے بائیں جانب تھے اور آنحضرتؐ ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے (اسی حال میں) آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تینوں قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔

**خلاصۂ حدیث** حدیث کا مطلب ظاہر ہے، حضورؐ نے لوگوں کو بتلایا کہ تم جس طرح اس وقت دیکھ رہے ہو، یہ دونوں (ابوبکرؓ و عمرؓ) میرے ساتھ ہیں اور میں ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں، قیامت کے دن ہم تینوں اسی طرح ساتھ اٹھیں گے اور ساتھ ہوں گے۔ بلاشبہ یہ دونوں حضرات کی خاص فضیلت ہے، اس میں کوئی اور شریک نہیں اور حضورؐ نے اپنے دوسرے اصحاب کو ان کی خصوصیت و فضیلت سے مطلع فرمانا ضروری سمجھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نبعث حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی جگہ شیخین کی تدفین کی طرف اشارہ ہے، پھر قیامت میں بھی وہ دونوں آپ ہی کے ساتھ قبر سے اٹھیں گے، حدیث باب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام ترمذی نے نقل کی ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ انا اول من تنشق عنہ الارض ثم ابوبکر ثم عمر ثم اتی اھل البقعۃ فیحشرون معی ثم انتظر اھل مکۃ حتی احشر بین الحرمین"۔

**سوال:** حضرت عمرؓ نے قبر اطہر کے پاس دفن ہونے کے لیے حضرت عائشہؓ سے اجازت کیوں طلب کی؟ اور حضرت عائشہؓ نے یہ کیوں فرمایا کہ یہ جگہ میں نے اپنے دفن کیلئے رکھی تھی، مگر اب عمرؓ کو ترجیح دیتی ہوں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ نکتہ کسی راوی نے بعد الوقوع پیدا کیا ہے؟

**جواب:** اس حدیث میں قبروں کے ساتھ ہونے کی طرف صرف اشارہ ہے، صراحت نہیں ہے، کہیں دفن ہوں اور ساتھ مبعوث ہوں یہ بات ممکن ہے، پس حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام (مقصد) صرف اخروی رفاقت کا بیان ہے۔

**حدیث نمبر ۲۸۵۹ ﴿امت میں شیخینؓ افضل ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۶۴**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْطَبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ فَقَالَ هٰذَانِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۸ ج ۲، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۷۱

**حل لغات:** اَلسَّمْعُ (ج) اَسْمَاعٌ کان۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن حنطب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھ کر فرمایا: یہ دونوں

کان اور آنکھ ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے بھی شیخینؓ کی فضیلت سمجھ میں آرہی ہے، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ ابن الجوزی نے اس کو "موضوعات" میں لیا ہے، کیوں کہ عیسیٰ بن میمون ضعیف راوی ہے، جب کہ امام بخاریؒ نے اس کو منکر الحدیث (نہایت ضعیف) قرار دیا ہے، مگر دیگر محدثین نے شواہد صحیحہ کی وجہ سے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ھذا السمع والبصر اس حدیث کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں (۱) جس طرح جسم میں کان اور آنکھ افضل الاعضاء ہیں، اسی طرح امت میں حضرات شیخین تمام لوگوں سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ (۲) اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کی دین میں مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ آنکھ اور کان ہیں جسم کے لیے۔ (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ حضور اقدس یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں میرے لیے بمنزلہ کان اور آنکھ کے ہیں کہ میں ان کے ذریعے سے سنتا ہوں اور انہیں کے ذریعہ دیکھتا ہوں اور یہ معنی اس روایت سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جس میں ان حضرات کو آپؐ نے اپنا وکیل دو وزیر فرمایا ہے۔ (۴) یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو آنکھ اور کان فرمانا ان کے حق سن کر اس پر عمل کرنے اور آفاق عالم میں ذات حق کے مشاہدہ پر شدت حرص کی وجہ سے ہو۔ (جدید مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۶۰۲۸ ﴿شیخینؓ آپؐ کے دنیا کے وزیر ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۶۵

وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَلَهُ وَزِيْرَانِ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِيْرَانِ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَمَّا وَزِيْرَايَ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَأَمَّا وَزِيْرَايَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۹ ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۸۰

**حل لغات:** وَزِيْرَانِ (واحد) وَزِيْرٌ (ج) وُزَرَاءُ وزیر، گورنر۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے دو وزیر ہوتے ہیں آسمان والوں میں سے (یعنی ملائکہ میں سے) اور دو وزیر ہوتے ہیں زمین میں بسنے والے انسانوں میں سے، تو آسمان والوں میں سے میرے وزیر جبرئیلؑ و میکائیلؑ ہیں اور زمین والوں میں سے میرے وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** واقعہ یہی ہے کہ آنحضرتؐ کا معاملہ اور برتاؤ ان دونوں حضرات کے ساتھ وہی تھا جو ارباب حکومت کا اپنے خاص معتمد وزیروں کے ساتھ ہوتا ہے، آپ ہر اہم قابل غور و فکر معاملہ میں ان دونوں حضرات سے مشورہ ضرور فرماتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وزیران من اھل السماء اہل آسمان میں سے دو وزیر ہوتے ہیں یعنی فرشتوں میں سے دو فرشتے مقرر ہوتے ہیں، جو عالم ملکوت سے اس نبی کی مدد و اعانت کرتے ہیں اور اہل زمین میں سے دو وزیر ہوتے ہیں یعنی مخلصین محبین میں سے دو شخص ایسے ہوتے ہیں جو عالم ناسوت میں اس کی خدمت و نصرت بجالاتے ہیں اور اگر کوئی اہم مشکل معاملہ درپیش ہو تو ان سے مشورہ کرتا ہے جیسا کہ بادشاہ کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اپنے وزیر سے اس بارے میں مشورہ کرتا ہے۔ اس حدیث سے مزید چند باتیں استناد ہوتی ہیں (۱) نبی کریمؐ حضرت جبرئیل و میکائیل سے افضل ہیں اس لیے کہ حضورؐ کو بادشاہ اور ان دونوں کو آپ کا وزیر مقرر کیا گیا ہے اور بادشاہ کا درجہ بڑا ہوتا ہے۔ (۲) حضرات شیخینؓ کا رتبہ تمام امت سے بلند ہے اس لیے کہ ان کو حضورؐ نے اپنا وزیر مقرر فرمایا ہے اور وزیر کا رتبہ باقی رعایا سے بلند ہوتا ہے۔ (۳) پھر حضرات شیخینؓ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ افضل

ہیں، اسلئے کہ اسمیں ابوبکرؓ و عمرؓ میں اگرچہ واؤ مذکور ہے اور واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتا ہے ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا، لیکن یہ حکیم کا کلام ہے، اس میں جو ترتیب مذکور ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے، وہ حکمت یہی ہو سکتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا مرتبہ مقدم ہے حضرت عمرؓ سے۔

**حدیث نمبر ۲۸۶۱ ﴿شیخینؓ کی خلافت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۶۶**

وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ كَأَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَوُزِنْتَ أَنْتَ وَأَبُوْبَكْرٍ فَرَجَحْتَ أَنْتَ وَوُزِنَ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَرَجَحَ أَبُوْبَكْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيْزَانُ فَاسْتَاءَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي فَسَاءَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۵۴ ج۲، باب ما جاء فی رویا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الرؤیا، حدیث ۲۲۸۷، ابوداود، ص۶۳۷، باب فی الخلفاء، کتاب السنۃ، حدیث ۴۶۳۴

**حل لغات:** مِيْزَانٌ (ج) مَوَازِيْنُ ترازو، تولنے کا کانٹا۔ وُزِنْتَ وَزَنَ (ض) وزنا وزنة الشيءَ وزن کرنا، تولنا۔ رَجَحْتَ رَجَحَ (ض) رجوحًا راجح ہونا، اِسْتَاءَ بمعنی ساءہ، برا لگنا، غمگین کرنا۔ خِلَافَةٌ خَلَفَ (ن) خِلَافَةً خلیفہ ہونا، جانشین ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض گزار ہوا، میں نے دیکھا کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اتری، پس آپ اور حضرت ابوبکرؓ کو تولا گیا تو آپ وزنی رہے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو تولا تو حضرت ابوبکرؓ وزنی رہے، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو تولا گیا تو حضرت عمرؓ وزنی رہے، پھر ترازو اٹھالی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جواب نے غمگین کردیا یعنی آپ کو صدمہ ہوا اور فرمایا کہ یہ خلافت نبوت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہے دے۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے خواب سن کر ناگواری کا اظہار کیا اور آپؐ غمگین ہوئے، اس لیے کہ آپ نے سمجھ لیا کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بعد شدید فتنوں کا دور شروع ہوگا اور خلافت راشدہ متزلزل ہو جائے گی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کان میزانا ترازو کی تعبیر آپؐ نے خلافت نبوت سے لی، خلفاء راشدین کی خلافت کے لیے شاہ ولی اللہ نے یہ اصطلاح استعمال فرمائی ہے کہ آنحضرتؐ کے عہد کو عہد نبوت سے ذکر کیا ہے، آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ کے دور کو خلافت علی منہاج النبوہ بطریق خاص سے ذکر کیا ہے اور حضرت عثمانؓ و علیؓ کی خلافت علی منہاج النبوۃ بطریق عام سے ذکر کیا ہے، لیکن اس کے بعد ملک عضوض کے نام سے یاد کیا ہے اس ملک عضوض سے حضرت معاویہؓ کی خلافت اور پھر عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اس حدیث میں خلافت کے الفاظ حضرت صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت علی منہاج النبوۃ کی طرف اشارہ ہے۔

## الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۲۸۶۲ ﴿شیخینؓ کے جنتی ہونے کی بشارت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۶۷**

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ يَطَّلِعُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَاطَّلَعَ أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ قَالَ يَطَّلِعُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَاطَّلَعَ عُمَرُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۰ ج۲، باب مناقب عمر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۹۴

**حل لغات:** يَطَّلِعُ اِطَّلَعَ (افتعال) اِطِّلَاعًا سامنے آنا، ظاہر ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا۔ پس حضرت ابوبکرؓ آئے، پھر فرمایا، تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا پس حضرت عمرؓ آئے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں شیخینؓ کے لیے بشارت ہے کہ وہ جنتی ہیں، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، امام ترمذیؒ کے استاد محمد بن حمید رازی ضعیف راوی ہیں اور عبداللہ بن سلمہ اس حدیث کے ایک راوی ہیں ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا، لیکن اس حدیث کے دیگر شواہد موجود ہیں، لہٰذا اس کا مضمون صحیح ہے، مثلاً ایک شاہد ترمذی کی یہ روایت ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا، آپؐ انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے، وہاں اپنی حاجت پوری کی، پھر فرمایا اے موسیٰ! دروازے پر نگرانی کرو، کوئی میرے پاس میری اجازت کے بغیر نہ آئے، پس ایک آدمی آیا، اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون؟ اس نے کہا ابوبکر، میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ ابوبکرؓ اجازت چاہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا انھیں اجازت دو اور انھیں جنت کی خوش خبری سناؤ، چنانچہ وہ اندر آئے اور میں نے ان کو جنت کی خوش خبری سنائی، پھر ایک شخص اور آیا، اس نے بھی دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون؟ اس نے کہا عمر، میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ عمرؓ اجازت طلب کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوش خبری سناؤ، میں نے دروازہ کھول دیا، وہ اندر آئے تو میں نے ان کو جنت کی خوش خبری سنائی، پھر ایک شخص اور آیا اور اس نے بھی دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون، اس نے کہا عثمان، میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ عثمانؓ اجازت طلب کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوش خبری سناؤ، ایک ایسی مصیبت کے ساتھ جو ان کو پہنچے گی۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** من اهل الجنة یہاں آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے دنیا میں رہتے ہوئے جنتی ہونے کی خوش خبری دی ہے، یقیناً یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے، لیکن آپؐ نے مختلف مواقع پر اُن کے حق میں اس سے بڑی باتیں بھی ارشاد فرمائی ہیں۔ مثلاً عالمی حدیث ۶۰۵۹ گذری، اس میں آپؐ نے ان حضرات کو اہل جنت کا سردار فرمایا ہے اور عالمی حدیث ۶۰۵۸ میں آپؐ نے جنت میں ان کے مقام بلند کا ذکر فرمایا ہے۔

### حدیث نمبر ۲۸۶۳ ﴿شیخینؓ کی نیکیوں کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۶۸

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَيْنَا رَأْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حِجْرِيْ فِيْ لَيْلَةٍ ضَاحِيَةٍ إِذْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ يَكُوْنُ لِأَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَاءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ فَأَيْنَ حَسَنَاتُ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَ إِنَّمَا جَمِيْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ أَبِيْ بَكْرٍ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)



**حوالہ:** رزین

**حل لغات:** حجر (ج) اَحْجَارٌ گود۔ لیلة (ج) لَيَالِي رات۔ ضَاحِيَةٌ (ج) ضَوَاحِيْ چاندنی رات۔ نُجُوْمٌ (واحد) نَجْمٌ ستارہ۔ حسنات (واحد) حَسَنَةٌ نیکی۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ اقدس میری گود میں تھا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! کیا کسی کی اتنی نیکیاں ہیں جتنے آسمان پر ستارے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ عمرؓ ہیں، پھر میں نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ عمرؓ کی تمام نیکیاں ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے برابر ہیں۔ (رزین)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے شیخینؓ کی باقی سارے صحابہ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ صرف حضرت عمرؓ ہی ایسے شخص ہیں کہ ان کی نیکیاں سب صحابہؓ سے زیادہ اور ستاروں کے برابر ہیں، پھر حضرت ابوبکرؓ کی ایک نیکی حضرت

عمرؓ کی ساری نیکیوں کے برابر ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** انما جمیع حسنات عمر کحسنة واحدة من حسنات ابی بکر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی نیکیاں حضرت فاروق اعظمؓ کی نیکیوں سے بہت زیادہ ہیں، اور اگر بالفرض یہ مان لیں کہ فاروق اعظمؓ کی نیکیاں صدیق اکبرؓ کی نیکیوں سے زائد ہیں، تو بھی حضرت ابو بکرؓ افضل ہوں گے، اس لیے کہ حضرت عمرؓ کی نیکیاں تعداد کے اعتبار سے زائد ہوں گی، لیکن کیفیت کے اعتبار سے یعنی کمالِ خلوص کے اعتبار سے صدیق اکبرؓ کی نیکیاں بھاری ہوں گی۔ ایک حدیث سے اس احتمال کی تائید بھی ہوتی ہے، جس کو امام غزالیؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکرؓ کی فضیلت تم پر کثرت صوم وصلاۃ کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ان کو فضیلت اس چیز کے سبب سے حاصل ہے جو ان کے دل میں رکھ دی گئی ہے یعنی کمالِ اخلاص۔ (جدید مظاہر حق)

## باب مناقب عثمانؓ

## (حضرت عثمانؓ کے فضائل کا ذکر)

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۱۳/احادیث نقل فرمائی ہیں، جن میں حضرت عثمانؓ کی حیا، جنت میں ان کو آپ کی رفاقت، راہ خدا میں بے مثال قربانیاں بیعت رضوان اور فتنوں کے وقت ان کے ہدایت پر ہونے کا ذکر ہے۔ نیز ان کے حق میں بہت سی بشارتوں کا تذکرہ ہے۔

**نام و نسب، خاندان:** عثمان نام، ابو عبداللہ اور ابو عمر کنیت، ذوالنورین لقب، والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروئی تھا، والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔ والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: اروئی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف، اسی طرح حضرت عثمانؓ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرتؐ سے مل جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی نانی بیضا ام الحکیم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور رسول اللہؐ کی پھوپھی تھیں، اس لئے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائناتؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں، ان کو ذوالنورین (دو نوروں والا) اس لئے کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپؓ کے نکاح میں آئیں، حضرت عثمانؓ واقعہ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبویؐ سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے، بچپن اور سنِ رشد کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، عہد شباب کا آغاز ہوا، تو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے اور اپنی صداقت، دیانت اور راست بازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا۔ قبول اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو وہ شرف حاصل ہوا جو ان کی کتابِ منقبت کا سب سے درخشاں باب ہے، یعنی آنحضرتؐ نے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا۔ آپؐ کی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا، مگر اسلام کے بعد عتبہ کے باپ ابولہب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی عداوت ہوگئی تھی کہ اس نے اپنے بیٹے پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوا دی، آنحضرتؐ نے صاحبزادی ممدوحہ کا دوسرا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا، مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ وغضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی، حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلا کشانِ اسلام کی طرح جفا کاروں کے ظلم وستم کا نشانہ تھے، ان کو خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا۔ اعزہ واقارب نے سرد مہری شروع کی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہوگئی اور بالآخر خود آنحضرتؐ کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لے کر ملک حبش کی طرف روانہ ہوگئے، چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق وصداقت کی محبت

میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلاوطن ہوا۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا، اس لئے پریشان خاطر تھے، ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا، اتنا معلوم ہونے کے بعد آپؐ نے فرمایا: ان عثمان اول من ھاجر باھله من ھذہ الامة. یعنی اس امت میں عثمانؓ پہلا شخص ہے جو اپنے اہل وعیال کو لے کر جلاوطن ہوا۔ حضرت عثمانؓ اس ملک میں چند سال رہے، اس کے بعد جب بعض اور صحابہ قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو عثمانؓ بھی آگئے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے، اس بنا پر بعض صحابہؓ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے۔ اسی اثنا میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہو گیا، اور رسول اللہؐ نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی ہجرت کا حکم فرمایا تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے اور آپؐ نے ان میں اور حضرت اوس بن ثابتؓ میں برادری قائم کردی۔ (سیر الصحابہ)
قبول اسلام سے پہلے جاہلیت میں کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، نہ کبھی زنا کیا، اور نہ کبھی بت کے سامنے سجدہ کیا۔ حیا کا غلبہ تھا، غسل کے لئے کپڑے اتارتے تو کمرہ بند کر کے، غسل خانہ میں بیٹھ کر غسل فرماتے، کھڑے ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، بیعت اسلام میں آنحضرتؐ کے ہاتھ سے جب ہاتھ مس ہوا، تو مرتے دم تک اس ہاتھ کو شرم گاہ سے نہیں لگایا، تمام غزوات میں حضورؐ کے ساتھ شریک رہے، جنگ بدر میں حضورؐ کے حکم پر پیچھے رہ گئے مگر بدری شمار ہوئے، اسلام پر اپنا ذاتی مال بے دریغ خرچ کیا، مسجد نبوی کی توسیع اور بئر رومہ کے خریدنے، جیش عسرہ کی تیاری میں اپنا بے تحاشا مال اللہ تعالیٰ کی رضا میں لٹا دیا۔ فاروق اعظمؓ کے بعد دین واسلام کو سنبھالا اور فارس کے اطراف اور افریقہ کی حدود میں بڑے غزوات کئے اور بہت سارے علاقے اسلام کے جھنڈے کے نیچے آگئے، شاہ ایران یزدگرد آپ کے عہد میں مارا گیا۔ آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے، آپ کی خلافت ابتدائی چھ سالوں میں سکون کے ساتھ چلتی رہی، پھر عبداللہ بن سبا یہودی کے منافقانہ پروپیگنڈوں میں بصرہ کے لوگ آگئے، اور بلوائیوں کا ایک گروہ مدینہ منورہ آگیا۔ چالیس دن تک آپؓ کے گھر کا محاصرہ کیا اور پھر ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپؓ کو آپؓ کے گھر میں ۸۸ سال کی عمر میں گردن کی طرف سے ذبح کیا گیا، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کی تلوار نیام سے باہر آگئی جو تا حال امت پر چل رہی ہے۔ (توضیحات)

## الفصل الاول

### حدیث نمبر ۲۸۶٤ ﴿حضرت عثمانؓ کی حیا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٠٦٩

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعًا فِيْ بَيْتِهٖ كَاشِفًا عَنْ فَخِذَيْهِ أَوْ سَاقَيْهِ فَاسْتَأْذَنَ أَبُوْبَكْرٍ فَأَذِنَ لَهٗ وَهُوَ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ عُمَرُ فَأَذِنَ لَهٗ وَهُوَ كَذٰلِكَ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ عُثْمَانُ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَوّٰى ثِيَابَهٗ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَتْ عَائِشَةُ دَخَلَ أَبُوْبَكْرٍ فَلَمْ تَهْتَشَّ لَهٗ وَلَمْ تُبَالِهٖ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَلَمْ تَهْتَشَّ وَلَمْ تُبَالِهٖ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ فَجَلَسْتَ وَسَوَّيْتَ ثِيَابَكَ فَقَالَ أَلَا أَسْتَحْيِيْ مِنْ رَّجُلٍ تَسْتَحْيِيْ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ وَإِنِّيْ خَشِيْتُ إِنْ أَذِنْتُ لَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْحَالَةِ أَنْ لَا يَبْلُغَ إِلَيَّ فِيْ حَاجَتِهٖ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حواله:** مسلم، ص ۲۷۷ ج ۲، باب من فضائل عثمان، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۰۱-۲۴۰۲

**حل لغات:** مضطجعا اسم فاعل، اضطجع (افتعال) اضطجاعا چت لیٹنا۔ فخذٌ (ج) افخاذٌ ران۔ سوّی (تفعیل) تسوية درست کرنا۔ لم تھتشّ، اھتش (افتعال) اھتشاشًا جنبش کرنا۔ لم تبال بالیٰ (مفاعلة) مبالة پرواہ کرنا۔ استحی، (استفعال) استحیاء شرم کرنا، حیا کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس میں لیٹے ہوئے تھے اور آپؐ کی رانیں یا پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں، پس حضرت ابوبکرؓ نے اجازت مانگی اور آپؐ نے انہیں اجازت دے دی اور آپ اسی حالت میں رہے، پھر حضرت عمرؓ نے اجازت طلب کی، آپؐ نے انہیں اجازت دے دی اور اسی حال پر رہے، اور انہوں نے گفتگو کی، پھر حضرت عثمانؓ نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لیے، جب چلے گئے تو حضرت عائشہؓ عرض گذار ہوئیں کہ حضرت ابوبکرؓ حاضر ہوئے تو آپؐ نہ ہلے اور نہ کوئی پروا کی، پھر حضرت عمرؓ حاضر ہوئے تو آپؐ نہ ہلے اور نہ کوئی پروا کی، پھر عثمانؓ حاضر ہوئے تو آپؐ بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لیے؟ آپؐ نے فرمایا کیا میں اس آدمی سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ بہت زیادہ حیا والے ہیں اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسی حالت میں ان کو اجازت دے دیتا تو وہ (شرم کی وجہ سے) اپنی ضرورت میرے سامنے پیش نہ کر پاتے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** شرم و حیا حضرت عثمانؓ کا امتیازی وصف تھا، اس لیے مؤرخین نے ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں حیا کا مستقل عنوان قائم کیا، آپ میں اس درجہ شرم و حیا تھی کہ خود رسول اللہ اس شرم و حیا کا پاس و لحاظ کرتے تھے، ایک دفعہ صحابہ کرام کا مجمع تھا، رسول اللہؐ بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے، زانوئے مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا، اسی حالت میں حضرت عثمانؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور زانوئے مبارک پر کپڑا برابر کر لیا۔ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے لیے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں، اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عائشہ بھی حدیث باب میں بیان فرما رہی ہیں، حضرت ذوالنورین کی حیا کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کاشفا عن فخذیه رانیں ستر میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس میں مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ رانیں ستر میں داخل نہیں ہیں اور انہوں نے حدیث بالا سے استدلال کیا ہے کہ حضورؐ نے رانیں کھلی کر رکھی تھیں کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ آئے تو بھی رانیں کھلی رہنے دیں، لیکن جب عثمانؓ آئے تو آپؐ نے ران کو ڈھانپ لیا، لیکن اس روایت سے رانوں کے ستر نہ ہونے پر مالکیہ کا استدلال چند وجوہ سے درست نہیں ہے، (۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس روایت میں راوی کا شک ہے کہ رانیں کھلی ہوئی تھیں یا پنڈلیاں۔ اس شک کے ہوتے ہوئے رانوں کے ستر نہ ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (۲) اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپؐ نے رانوں سے تہبند اور ازار کو نہیں ہٹایا تھا بلکہ رانوں پر تہبند اور ازار تو تھا لیکن اوپر سے آپؐ نے قمیص اٹھائی ہوئی تھی اور اس کی تائید حضرت عائشہؓ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ ان حضرات کے جانے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ ابوبکر و عمرؓ آئے آپؐ اسی حالت پر رہے اور ان کے آنے کی پرواہ نہیں کی لیکن جب حضرت عثمانؓ آئے تو آپؐ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو درست کر لیا۔ حضرت عائشہؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپؐ نے اپنی ران کو ڈھانپ لیا بلکہ یہ فرمایا کہ آپؐ نے اپنے کپڑوں کو درست کر لیا، تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ران پر تہبند ازار وغیرہ تھا، صرف قمیص کو ہٹایا ہوا تھا؛ اس لیے اس روایت سے ران کے ستر نہ ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان میں حیا کامل درجہ کی پائی جاتی تھی، اور حیا ایک نہایت اچھی صفت ہے یہ فرشتوں کے صفات میں سے ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ مظہر کہتے ہیں کہ اس حدیث سے آنحضرتؐ کے ہاں حضرت عثمانؓ کی توقیر و تعظیم ثابت ہوتی ہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی آمد پر آنحضرتؐ کی ان کی طرف کم التفاتی سے حضورؐ کے ہاں ان کے مرتبے کا کم ہونا لازم نہیں آتا، اس لیے کہ ان دونوں حضرات کے ساتھ کامل محبت و الفت تھی اور جہاں محبت کامل ہو تو وہاں تکلف ختم ہو جاتا ہے اور بے تکلفی پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے: اذا حصلت

الالفة بطلت الکلفة یعنی جب الفت ہو جاتی ہے تو تکلف ختم ہو جاتا ہے، اگر اس پہلو سے اس حدیث کو دیکھا جائے تو اس حدیث سے حضرات شیخینؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، لیکن ظاہری الفاظ سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت سمجھ میں آ رہی ہے اس لیے اس کو ان کے مناقب میں بیان کیا گیا ہے، حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ میں صفت حیا غالب تھی، اس لیے حضورؐ اس کی رعایت فرماتے تھے اور حضرت عمرؓ و ابوبکرؓ کے ساتھ بے تکلفی تھی اس لیے ان کے ساتھ بے تکلفانہ برتاؤ فرماتے تھے۔ تستحی الملائکة حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے انسے ان جگہوں اور مواقع کے بارے میں پوچھا کہ جن میں فرشتوں نے حضرت عثمانؓ سے حیا کی تو میں نے اپنے شیخ سے نقل کیا کہ جب نبی کریمؐ مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ کرر ہے تھے اور حضرت انسؓ بن مالک موجود نہ تھے انکی جگہ حضرت عثمانؓ آگے بڑھے تو ان کا سینہ کھلا ہوا تھا، فرشتے پیچھے ہٹ گئے حیا کی وجہ سے، حضورؐ نے ان کو اپنا سینہ ڈھانپنے کا حکم دیا تو پھر فرشتے اپنی جگہ واپس آئے، نبی کریمؐ نے ان سے پیچھے ہٹنے کا سبب پوچھا، تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت عثمان غنیؓ میں حیا کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۸۶۵ ﴿آپ کے جنت کے رفیق﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۷۰-۶۰۷۱

عَنْ طَلْحَةَ بِنِ عُبَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيْقٌ وَرَفِيْقِيْ يَعْنِيْ فِي الْجَنَّةِ عُثْمَانُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَهُوَ مُنْقَطِعٌ. وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۱ ج ۲، باب فی مناقب عثمان، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۹۸، ابن ماجہ، ص ۱۱، باب فی فضائل أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم، المقدمه، حدیث ۱۰۹

**حل لغات:** رفیق (ج) رفقاء دوست، ساتھی۔

**ترجمہ:** حضرت طلحہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے، اور جنت میں میرے رفیق عثمانؓ ہیں (ترمذی) اور ابن ماجہ نے اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی سند قوی نہیں ہے اور یہ منقطع ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو مطلقاً اپنا رفیق قرار دیا ہے، یہ حضرت عثمانؓ کی بڑی فضیلت ہے، لیکن یہاں حصر مقصود نہیں ہے اور جنت میں رفاقت کی تفسیر کسی راوی نے کی ہے، معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ آپؐ کے مطلقاً رفیق ہیں جو کہ دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رفیقی یعنی فی الجنة عثمان رفیق عام طور سے سفر کے ساتھی پر بولا جاتا ہے اور کبھی کبھار مطلقاً ساتھی پر بھی بولتے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ اس حدیث میں حضرت عثمان غنیؓ کی فضیلت اور برتری کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا مقام کس قدر بلند اور اونچا ہے، اللہ اکبر جنت میں حضورؐ کے ساتھی ہوں گے، مگر بعض روایت میں آیا ہے کہ لکل نبی خاصة من اصحابه و ان خاصتی من اصحابی ابوبکر و عمر تو اس سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی رفاقت سمجھ میں آتی ہے، تو بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؟ اس لیے کہ اس سے مستفاد ہوتا ہے ہر نبی کے لیے ایک دوست ہوگا اور حضورؐ کے لیے متعدد دوست ہوں گے اور اس حدیث میں خاص طور پر حضرت عثمانؓ کا ذکر کرنا ان کی افضلیت کو بیان کرنے کے لیے ہے، بعض علماء نے بیان کیا کہ حضرت عثمانؓ کی رفاقت طفیلی ہوگی، اس لیے

کہ حضورؐ کی دو صاحبزادیاں آپؐ کے نکاح میں تھیں اور وہ دونوں جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ ارشاد خداوندی والحقنا بھم ذریتھم کے مطابق اور حضرت عثمانؓ داماد ہونے کے ناطے آپؐ کے ساتھ ہوں گے، روایت کی سند میں عثمان بن خالد ضعیف ہیں اس لیے محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

**حدیث نمبر ۲۸۶۶☆☆☆عالمی حدیث نمبر ۶۰۷۲**

## ﴿غزوۂ تبوک میں حضرت عثمانؓ کا بے مثال تعاون﴾

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ خَبَّابٍ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَحُثُّ عَلٰى جَيْشِ الْعُسْرَةِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ فَقَالَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَيَّ ثَلَاثُ مِائَةِ بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَنِ الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ۲۱۱ج۲، باب فی مناقب عثمان، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۰۰

**حل لغات:** یحث، حثّ (ن) حَثًّا جوش دلانا، ابھارنا۔ احلاسٌ (واحد) حلسٌ وہ ٹاٹ یا دری جو گھوڑے کے زین کے نیچے کمر سے لگا ہوا ہو۔ اقتابٌ (واحد) قتبٌ پالان۔ حَضَّ (ن) حَضًّا علی الامر کسی کام پر ابھارنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالرحمٰن بن خبابؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ لشکر تبوک کے لیے رغبت دلا رہے تھے، حضرت عثمانؓ کھڑے ہو کر عرض گذار ہوئے یا رسول اللہ سو اونٹ اللہ کی راہ میں نمدوں اور کجاوؤں سمیت میرے ذمے، پھر آپؐ نے لشکر کے متعلق ترغیب دی، تو حضرت عثمانؓ کھڑے ہو کر عرض گذار ہوئے، اللہ کی راہ میں دو سو اونٹ نمدوں اور کجاوؤں سمیت میرے ذمے۔ پھر آپؐ نے لشکر کے متعلق ترغیب دی تو حضرت عثمانؓ کھڑے ہو کر عرض گذار ہوئے... اللہ کی راہ میں تین سو اونٹ نمدوں اور کجاوؤں سمیت میرے ذمے۔ پس میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ منبر سے اُتر آئے اور فرما رہے تھے ''اس کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں گے وہ گناہ نہیں، اس کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں اس کا کوئی گناہ نہیں''۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** فتح مکہ کے اگلے سال ۹ھ میں بعض اطلاعات کی بنا پر رسول اللہؐ نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ملک شام کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ فرمایا، یہ سفر مقام تبوک تک ہوا، جو اس وقت ملک شام کی سرحد کے اندر تھا، وہاں لشکر کا پڑاؤ قریباً ۲۰ دن تک رہا، جس مقصد سے دور دراز کا یہ سفر کیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مدد سے جنگ و قتال کے بغیر ہی صرف تبوک تک پہنچنے اور وہاں بیس روزہ قیام ہی سے حاصل ہو گیا، تو وہیں سے واپسی کا فیصلہ فرما لیا گیا، اس وجہ سے یہ غزوہ غزوۂ تبوک کے نام سے معروف ہو گیا، حدیث میں اس لشکر کو 'جیش العسرہ' فرمایا گیا ہے، عسرہ کے معنی ہیں تنگ حالی اور سخت حالی... یہ سفر ایسے حال میں کیا گیا تھا کہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس میں قحط اور پیداوار کی بہت کمی کی وجہ سے بہت تنگ حالی تھی، اور موسم سخت گرمی کا تھا، لشکریوں کی تعداد اس زمانہ کے لحاظ سے بہت غیر معمولی تھی (روایات میں تیس ہزار ذکر کی گئی ہے) سواریاں یعنی اونٹ اور گھوڑے بہت کم تھے، زاد راہ یعنی کھانے پینے کا سامان بھی لشکریوں کے تعداد کے لحاظ سے بہت ہی کم تھا، انہیں وجوہ سے اس غزوہ کو جیش عسرہ کہا گیا ہے، اسی غیر معمولی صورت حال کی وجہ سے آنحضرتؐ نے اس غزوہ کے لیے لوگوں کو مالی و جانی قربانی کی اس طرح ترغیب دی جو غزوات کے سلسلہ میں آپ کا عام معمول نہ تھا، حضرت عثمانؓ نے اس لشکر کی امداد و اعانت میں سب سے زیادہ حصہ لیا، حضرت عبدالرحمٰن

بن خبابؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور کی ترغیب پر انھوں نے چھ سو اونٹ مع ساز و سامان کے پیش فرمائے...شارحین حدیث نے بعض دوسری روایات کی بنیاد پر لکھا ہے کہ ان چھ سو کے علاوہ انہوں نے ساڑھے تین سو اونٹ اور پیش کئے، اس طرح ان کے پیش کئے ہوئے اونٹوں کی تعداد ساڑھے نو سو ہوئی...ان کے علاوہ پچاس گھوڑے پیش کئے...آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اونٹوں گھوڑوں کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اشرفیاں بھی لاکر حضور کی گود میں ڈال دیں، آپؐ نے حضرت عثمانؓ کے ان عطیات کو قبول فرما کر مجمع عام میں یہ بشارت سنائی اور بار بار فرمایا ما علیٰ عثمان ما عمل بعد هذہ (مطلب یہ ہے کہ جنت اور رضاء الٰہی حاصل کرنے کے لیے عثمان کا یہی عمل اور یہی مالی قربانی کافی ہے)۔ جب ان حالات کا تصور کیا جائے جن کی وجہ سے اس لشکر کو جیش العسرہ کہا گیا ہے تو حضرت عثمانؓ کی اس مالی قربانی کی قدر و قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما علیٰ عثمان ما عمل بعد هذه یہ دربار نبوی سے حضرت عثمانؓ کو اعزازی تحفہ ملا کہ آج کے بعد اگر عثمانؓ کوئی عمل نہ بھی کریں تو ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، یعنی عثمانؓ کی سابقہ اور لاحقہ تمام خطائیں معاف ہیں، اس میں حضرت عثمانؓ کے حسنِ خاتمہ اور جنتی ہونے کی بشارت ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان اعمال سے نوافل کے اعمال مراد ہیں کہ فرائض کے علاوہ عثمان اگر مرتے دم تک کوئی نفلی نیکی نہ کریں تو پرواہ نہیں، یہ نیکی سب نوافل کے قائم مقام ہے۔ صحابہ کرامؓ ان اعزازات کے بعد اعمال میں کمزور نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے اعمال اور تیز ہوجاتے، اس حدیث کو دیکھ کر ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئے جو حضرت عثمانؓ پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں، حالاں کہ عثمانؓ کی غلطیاں پہلے سے کالعدم قرار دی گئی ہیں، خلافت وملوکیت میں ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بہت ہی غلیظ قلم استعمال کیا ہے، آنے والی حدیث میں بھی اس طرح اعزازی جملہ ہیں، اس حدیث میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اشرفیاں نچھاور فرمائیں۔

### حدیث نمبر ۲۸۶۷ ﴿ایک ہزار دینار دینے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۷۳

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ عُثْمَانُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَلْفِ دِيْنَارٍ فِيْ كُمِّهٖ حِيْنَ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَنَثَرَهَا فِيْ حِجْرِهٖ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَلِّبُهَا فِيْ حِجْرِهٖ وَيَقُوْلُ مَا ضَرَّ عُثْمَانُ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۶۳ ج ۵

**حل لغات:** کُمٌّ (ج) اکمام و کممۃ آستین۔ جهّز (تفعیل) تجھیزا تیار کرنا۔ نثر (ن) نثرا بکھیرنا۔ یقلّب قلب (تفعیل) تقلیبا الٹنا، پلٹنا۔ ضرّ (ن) ضرا نقصاندہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لیکر حاضر ہوئے، جبکہ آپؐ لشکر تبوک کی ضروریات کا انتظام فرما رہے تھے اور وہ حضور کی گود میں ڈال دیئے، پس میں نے نبی کریمؐ کو دیکھا کہ انہیں اپنی گود میں الٹ پلٹ رہے تھے اور دو مرتبہ آپؐ نے فرمایا آج کے بعد عثمانؓ جو بھی عمل کریں وہ انہیں نقصان نہیں دیگا۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** حضرت عثمانؓ کی پیش کی ہوئی اشرفیوں کو حضرت عثمانؓ کے اور دوسرے لوگوں کے سامنے حضورؐ کا اپنی گود میں الٹنا پلٹنا بظاہر اپنی قلبی مسرت کے اظہار کے لیے تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن خبابؓ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے حضور کی اپیل پر جب حضرت عثمانؓ نے مجاہدین کے لیے اونٹوں کو پیش کیا تھا، اس وقت بھی حضورؐ نے ان کو ایسی ہی بشارت دی تھی اور بار بار فرمایا تھا ما علی عثمان ما عمل بعد هذه... مومنین صادقین کو اس طرح کی بشارتیں ملنا آخرت کی فکر اور

اس کے لیے سعی و عمل سے ان کو غافل نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا جوئی میں اضافہ کا اور مزید دینی ترقیات کا باعث ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

بالف دینار اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اشرفیاں پیش کیں، جب کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی روایت ہے کہ جس کو حافظ سلفی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں میں حضورؐ کے پاس حاضر تھا کہ حضرت عثمانؓ نے حضورؐ کی خدمت میں نو سو اوقیہ سونا پیش کیا تو ان روایتوں میں بظاہر تعارض ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے چھ سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کئے اور مجاہدین کی دیگر ضروریات پورا کرنے کے لیے ایک ہزار دینار دیئے، لیکن جب دیکھا کہ یہ ان کی ضروریات کے لیے ناکافی ہیں، تو پھر آپؓ نے ساڑھے تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے مزید دیئے اور مزید دینار دیئے جو نو سو اوقیہ تک پہنچ گئے۔

**حدیث نمبر ۲۸۶۸ ﴿بیعت رضوان میں حضرت عثمانؓ کا اعزاز﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۷۴**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ رضی اللہ عنہ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى مَكَّةَ فَبَايَعَ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عُثْمَانَ فِيْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ فَضَرَبَ بِإِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ أَيْدِيْهِمْ لِأَنْفُسِهِمْ.. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۱۱ ج ۲، باب مناقب عثمان، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۰۲

**حل لغات:** بایع (مفاعلة) مبایعة بیعت کرنا۔

**ترجمه:** حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے لیے حکم فرمایا تو حضرت عثمانؓ کو رسول اللہؐ نے مکہ مکرمہ بھیجا ہوا تھا۔ پس لوگوں نے بیعت کی، تو اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: بیشک عثمان اللہ اور اس کے رسولؐ کے کام کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے ایک دست اقدس کو دوسرے پر مارا، حضرت عثمانؓ کے لیے رسول اللہ کا دست مبارک لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے بہتر رہا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث**

بیعت رضوان کا واقعہ معلوم و معروف ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہاں مختصراً صرف اتنا ذکر کیا جاتا ہے جتنا حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہؐ نے ایک خواب کی بنا پر بہت سے صحابہ کے شدید اصرار پر عمرہ کے لیے مکہ معظمہ کا ارادہ فرمایا، جن لوگوں کو اس کا علم ہوا وہ اس مبارک سفر میں حضورؐ کی رفاقت اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے ساتھ ہو گئے، ان ساتھیوں کی تعداد ۱۴۰۰ کے قریب ہو گئی، چوں کہ سفر عمرہ کی نیت سے کیا گیا تھا اور ذیقعدہ کے مہینہ میں کیا گیا تھا، جو اشہر حرم میں سے ہے، جن کا مشرکین مکہ بھی احترام کرتے اور جنگ و جدال سے پرہیز کرتے تھے، اس لیے اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ پہلے سے کسی کو بھیج کر مکہ والوں کی رضامندی حاصل کی جائے، مشرکین مکہ اس وقت حضورؐ اور آپؐ کے دین کے سخت ترین دشمن تھے، جب ان کے علم میں یہ بات آئی کہ آپؐ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آ رہے ہیں تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے طے کر لیا کہ آپ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو ہم اپنے شہر مکہ میں نہیں داخل ہونے دیں گے، جب آپؐ اور پورا قافلہ مکہ کے قریب مقام حدیبیہ میں پہنچ گیا (جہاں سے مکہ مکرمہ کی مسافت ۲۰ میل سے کچھ زیادہ ہے) تو مکہ والوں کے فیصلہ اور ارادے کا آپؐ کو علم ہوا۔ آپؐ نے پورے قافلے کے ساتھ حدیبیہ میں قیام فرمالیا اور حضرت عثمانؓ کو سرداران قریش سے گفتگو کرنے کے لیے اپنا خاص قاصد اور سفیر بنا کر مکہ بھیج دیا، ان کا انتخاب آپؐ نے اس لیے فرمایا کہ مخالفین کے لیڈروں میں ان کے بعض قریشی رشتہ دار تھے، آپؐ نے ان کو

اس مقصد سے بھیجا کہ وہ بالخصوص قریش کے سرداروں کو اطمینان دلائیں کہ ہم لوگ صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں، اس کے سوا کوئی مقصد نہیں ہے ہم عمرہ کرکے مدینہ واپس ہو جائیں گے۔ حضرت عثمانؓ مکہ معظمہ چلے گئے، لیکن حساب سے ان کو جس وقت تک واپس آجانا چاہیے تھا واپس نہیں آئے، حضورؐ کے قافلہ میں کسی طرح یہ خبر پہنچ گئی کہ عثمانؓ کو دشمنوں نے شہید کردیا تو آپ کو بہت رنج اور دکھ ہوا اور آپؐ نے طے فرمایا کہ اگر ایسا ہوا ہے تو پھر جنگ ہوگی، تمام ساتھیوں میں بھی اس خبر سے سخت اشتعال تھا، اس مرحلہ پر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے جہاد فی سبیل اللہ اور اس میں شہادت تک ثابت قدمی پر خصوصی بیعت لی، یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی، قرآن میں اس موقع پر بیعت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رضا کا اعلان فرمایا گیا ہے؛ اسی لیے اس کا نام بیعت رضوان معروف ہوگیا ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے یہ بیعت جس وقت لی گئی، حضرت عثمانؓ اس وقت موجود نہیں تھے، حضورؐ کے قاصد کی حیثیت سے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے، تو جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا حدیبیہ میں موجود تمام صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر بیعت کی، عثمانؓ موجود نہیں تھے، ان کی طرف سے حضورؐ نے خود بیعت کی، اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کے قائم مقام قرار دے کر اُن کی طرف سے بیعت فرمائی، بلاشبہ یہ حضرت عثمانؓ کے خاص الخاص فضائل میں سے ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر صحیح نہیں تھی، وہ گفتگو کرکے واپس آگئے، اس وقت اہل مکہ اور سرداران قریش کسی طرح اس پر آمادہ نہیں ہوئے کہ حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کو عمرہ کے لیے مکہ معظمہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں، اس کے بعد قریش کی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے اُن کے نمائندے آئے اور بالآخر وہ صلح ہوئی جو صلح حدیبیہ کے نام سے تاریخ اسلام کا مشہور ترین واقعہ ہے، اور قرآن مجید میں اس کو "فتح مبین" فرمایا گیا ہے۔ (معارف الحدیث)



### کلمات حدیث کی تشریح

کان عثمان رسول رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ مکۃ حضرت عثمانؓ بیعت رضوان کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد اور سفیر کی حیثیت سے مکہ میں تھے، آپؐ نے پہلے حضرت عمرؓ کو مکہ بھیجنا چاہا، لیکن پھر حضرت عثمانؓ کو بھیجا؛ کیوں کہ مکہ میں حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار بھی تھے اور بڑی تعداد میں ایسے لوگ تھے جو حضرت عثمانؓ کے احسان مند تھے، حضرت عثمانؓ کو واپس آنے میں تاخیر ہوئی؛ کیوں کہ مکہ والوں نے اُنھیں اس غرض سے روک لیا تھا کہ وہ باہم مشورہ کرکے کوئی قطعی فیصلہ کرکے انھیں مطلع کریں۔

**حدیث نمبر ۲۸۶۹ ﴿حضرت عثمانؓ کی شہادت کی پیشگی خبر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۷۵**

وَعَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْنِ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ الدَّارَ حِيْنَ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ فَقَالَ أَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرَ بِئْرِ رُوْمَةَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بِئْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلُ دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ وَأَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِيْ أَنْ أَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰى أَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ أُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِأَهْلِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بُقْعَةَ آلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدُهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِيْ أَنْ أُصَلِّيَ فِيْهَا رَكْعَتَيْنِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنِّيْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِيْ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ أُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَمَعَهُ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَأَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ

حِجَارَةٌ بِالْحَضِيضِ فَرَكَضَهُ بِرِجْلِهِ قَالَ اُسْكُنْ ثَبِيرُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ شَهِدُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اَنِّيْ شَهِيْدٌ ثَلَاثًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۱ ج ۲، باب فی مناقب عثمان، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۰۳، نسائی، ص۱۰۹ ج ۲، باب وقف المساجد، کتاب الاحباس، حدیث ۳۶۰۸، الدارقطنی ص۱۹۶ ج ۴، باب وقف المساجد، کتاب الاحباس۔

**حل لغات:** اشرف (افعال) علیٰ احدٍ جھانکنا۔ انشُد نَشَدَ (ن) نَشْدًا وأنشد (افعال) إنشادًا پوچھنا، سوال کرنا، قسم دینا۔ یستعذب اِسْتَعْذَبَ (استفعال) میٹھا سمجھنا۔ دلاء (واحد) دَلْوٌ ڈول۔ ضاق (ض) ضِيقًا تنگ ہونا۔ بقعة (ج) بُقَعٌ زمین کا ٹکڑا۔ جھزت (تفعیل) تیار کرنا۔ ثبیر پہاڑ کا نام ہے۔ تساقطت تَسَاقَطَ (تفاعل) تَسَاقُطًا گرنا۔ الحضیض پست زمین۔ رکض (ن) رَكْضًا ٹھوکر مارنا۔

**ترجمہ:** حضرت ثمامہ بن حزن قشیریؒ کہتے ہیں میں حضرت عثمانؓ کے گھر پر موجود تھا، جب انھوں نے لوگوں کے اوپر سے جھانکا اور فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، دراں حالیکہ مدینہ میں ''بیر رومہ'' کے علاوہ کوئی میٹھا پانی نہیں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو بیر رومہ کو خرید لے، پھر اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ کر دے، اس بہتر صلہ کے عوض میں جو اُس کو اِس کنویں کے بدلے جنت میں ملے گا؟ چنانچہ میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خریدا، مگر آج تم مجھے روکتے ہو کہ میں اس کا پانی پیئوں، یہاں تک کہ میں سمندر کا پانی پی رہا ہوں، لوگوں نے جواب دیا بخدا ہم یہ بات جانتے ہیں، پھر آپؓ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نبوی نمازیوں سے تنگ ہوگئی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو فلاں خاندان کا قطعہ زمین خریدے اور اس کا مسجد میں اضافہ کر دے، اس بہتر صلہ کے عوض میں جو اس کو اس قطعہ زمین کے بدلے جنت میں ملے گا، چنانچہ میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خریدا، اور آج تم مجھے روکتے ہو کہ میں اس میں دو رکعتیں پڑھوں، لوگوں نے کہا بخدا ہم یہ بات جانتے ہیں۔ پھر آپؓ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں نے اپنے مال سے غزوۂ تبوک کے لشکر کا سامان تیار کیا تھا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ بخدا ہم یہ بات جانتے ہیں۔ پھر آپؓ نے فرمایا تم لوگوں کو میں اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم لوگ جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ''ثبیر'' پہاڑ پر تھے، اور آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ اور میں تھا، پس پہاڑ لرزا، یہاں تک کہ اس کے پتھر دامنِ کوہ میں گرنے لگے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ٹھوکر ماری اور فرمایا تھم جا اے ثبیر! تیرے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا بخدا ہم یہ بات جانتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا ''اللہ اکبر'' لوگوں نے میرے حق میں گواہی دی، رب کعبہ کی قسم میں شہید ہوں، یہ بات آپؓ نے تین بار فرمائی۔ (ترمذی، نسائی، دارقطنی)

**خلاصۂ حدیث**

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد انتخابِ خلیفہ کے لیے اُن کی بنائی ہوئی مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب فرمایا تھا، تمام صحابہ مہاجرین و انصار نے ان کو اسی طرح خلیفہ تسلیم کر لیا، جس طرح حضرت عمرؓ کو اور اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا، قریباً بارہ برس تک آپؓ خلیفہ رہے، آپؓ کی خلافت کے آخری سالوں میں آپؓ کے خلاف وہ فتنہ برپا ہوا، جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی، یہ محاصرہ جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اس فتنہ کے سلسلہ کی آخری کڑی تھا، محاصرہ کرنے والے مصر و عراق کے بعض شہروں کے باغی اور بلوائی تھے، جن کو فتنہ پردازی کے ماہر ایک منافق یہودی عبداللہ بن سبا نے خفیہ سازشی تحریک کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا باغی

بلوائیوں کا یہ محاصرہ اتنا شدید ہو گیا تھا کہ حضرت عثمانؓ مسجد آکر نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے، اور آپؓ کو نیز آپؓ کے گھر والوں کو پینے کا پانی نہیں پہنچ سکتا تھا، ان بلوائیوں کا مطالبہ تھا کہ آپؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں، یعنی خود اپنے آپ کو معزول کر دیں، حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تاکیدی ہدایت کی بنیاد پر جس کا ذکر آگے حدیث میں آئے گا، ان لوگوں کے مطالبہ پر خلافت سے از خود دستبردار ہونے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اس کے مقابلہ میں ان باغیوں، بلوائیوں کے ہاتھوں مظلومیت کے ساتھ جان دے دینا اور شہید ہو جانا بہتر سمجھتے تھے۔ معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور حکومت کے فرماں روا تھے، اگر ان باغیوں کے خلاف طاقت کے استعمال کرنے کا فیصلہ فرماتے یا اس کی اجازت چاہنے والوں کو اجازت ہی دے دیتے، تو یہ بغاوت پوری طرح کچل دی جاتی، لیکن آپؓ کی فطرت اور طبیعت پر حیا کی طرح حلم کا بھی غلبہ تھا، نیز آپ اس کے لیے کسی طرح تیار نہیں تھے کہ آپ کی جان کی حفاظت کے لیے کسی کلمہ گو کے خون کا قطرہ زمین پر گرے، لہٰذا آپؓ نے آخری حد تک افہام و تفہیم کی کوشش کی، اور آخر میں اتمامِ حجت کے طور پر وہ خطاب فرمایا جسے اس حدیث کے راوی ثمامہ بن حزن قشیری نے بیان فرمایا ہے، جنھوں نے یہ خطاب خود اپنے کانوں سے سنا تھا، اور محاصرہ کا وہ منظر آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آخر میں حدیث کے الفاظ ''ورب العكبة انی شهيد ثلاثا'' رب کعبہ کی قسم میں شہید ہونے والا ہوں، یہ بات آپؓ نے تین دفعہ فرمائی، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کو خداداد ایمانی فراست اور کچھ غیبی اشارات سے جن کا ذکر بعض روایات میں کیا گیا ہے یقین ہو گیا تھا کہ یہ فتنہ میری شہادت کا تکوینی انتظام ہے، جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی، اس لیے آپؓ نے مظلومانہ شہید ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جانے کا فیصلہ فرمایا اور مظلومانہ شہادت اور قربانی کی ایک لاثانی مثال قائم کر دی۔ اس حدیث میں حضرت عثمانؓ کا جو خطاب ذکر فرمایا گیا ہے، اس کے اخیر میں یہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ مکہ کے قریب پہاڑ ثبیر پر ایک دن تشریف لے گئے، تو پہاڑ میں ایک خاص قسم کی حرکت پیدا ہوئی، تو آپؐ نے زور سے قدم مبارک مارا اور فرمایا اے ثبیر ساکن ہو جا، اس وقت تیرے اوپر اللہ کا ایک نبی ہے، اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ بلاشبہ پہاڑ میں حرکت پیدا ہو جانا آپؐ کا معجزہ تھا، اور حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کو شہید فرمانا یہ آپؐ کا دوسرا معجزہ تھا، حضرت عمرؓ آپؐ کی وفات کے قریباً بارہ سال بعد شہید ہوئے، اور حضرت عثمانؓ قریباً چوبیس سال بعد شہید ہوئے، ان دونوں حضرات کی شہادت کی اطلاع آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہی ملی تھی۔ اس طرح کا واقعہ مدینہ منورہ میں احد پہاڑ پر بھی پیش آیا، بخاری میں روایت ہے حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن احد پہاڑ پر چڑھے اور ابو بکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے، احد پہاڑ اُن کی وجہ سے کانپنے لگا، تو آپؐ نے اپنا قدمِ مبارک مارا اور فرمایا اے احد ٹھہر جا! اس وقت تیرے اوپر اللہ کا ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (مستفاد معارف الحدیث)

## کلمات حدیث کی تشریح

شهدت الدار مراد وہ زمانہ جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا، جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا، اس عرصہ میں اندر پانی تک پہنچانا جرم تھا، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچانے کی کوشش کی، مگر مفسدین کے قلوب نورِ ایمان سے خالی ہو چکے تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا، اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا، ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہنچ جاتی تھی، مفسدین کی خیرہ سری سے صحابہ کرام کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ، ابو ہریرہؓ، سعد بن وقاصؓ اور زید بن ثابتؓ جیسے اکابر صحابہ تک کی کسی نے نہ سنی اور ان کی توہین کی، حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا، تو لوگوں نے ان کو روک دیا، آپؓ نے مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اتار کر قاصد کو دے

دیا اور کہا جو حالت ہے، اس کو دیکھ لو اور جا کر کہہ دو، بہت سے صحابہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے سفر حج کا ارادہ کر لیا۔ اکابر صحابہ نے ان پر آشوب حالات میں گوشہ نشینی مناسب سمجھی، ذمہ دار صحابہ میں اس وقت تین بزرگ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ موجود تھے جو نہ تو بے تعلق رہ سکتے تھے اور نہ ان حالات پر ان کو قابو تھا، تینوں صاحبوں نے کچھ کوششیں بھی کیں، مگر اس ہنگامہ میں کوئی کسی کی نہیں سنتا تھا، اس لیے یہ تینوں اصحاب بھی عملاً علیحدہ رہے، مگر اپنے اپنے جگر گوشوں کو خلیفۂ وقت کی حفاظت کے لیے بھیج دیا، حضرت امام حسنؓ دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ کے گھر میں جو جاں نثار موجود تھے ان کی افسری پر متعین کیا گیا۔ (سیر الصحابہ) **فقال عثمان** باغیوں کو حضرت عثمانؓ نے مختلف مرتبہ سمجھانے کی کوشش کی، اُن کے سامنے مؤثر تقریریں کیں، ان ہی تقریروں میں سے ایک تقریر یہ بھی ہے۔

**بئر رومہ کی خریداری:** مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی، تمام شہر میں صرف بئر رومہ ایک کنواں تھا، جس کا پانی پینے کے لائق تھا، لیکن اس کا مالک یہودی تھا، اور اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس عام مصیبت کو دفع کرنے کے لیے اس کنویں کو خرید کر وقف کر دینا چاہا، سعیٔ بلیغ کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا، حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا، اور شرط یہ قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لیے یہ کنواں مخصوص رہے گا، جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تھی، اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک کے لیے کافی ہوتا تھا، یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا، تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا، حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا، اس طرح اسلام میں حضرت عثمانؓ کا فیض جاری ہوا، جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔ (سیر الصحابہ)

**یجعل دلوہ مع دلاء المسلمین** اس سے مراد یہ ہے کہ کنواں خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا جائے، اس سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ سقایات یعنی حوض کنویں وغیرہ کو وقف کرنا جائز ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ موقوفہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ **من یشتری بقعة آل فلان** مراد یہ ہے کہ مسجد کے قریب انصار کی ایک جماعت آباد تھی اور اُن کی ملکیت میں زمین تھی، اگر اس کو مسجد میں شامل کر دیتے تو مسجد وسیع ہو جاتی، حضورؐ نے اس زمین کو خرید کر مسجد میں شامل کرنے کی ترغیب دی، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے بیس یا پچیس ہزار درہم کے بدلے وہ زمین خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دی، جیسا کہ دارقطنی نے اس کو روایت کیا ہے، امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد اینٹوں سے بنائی گئی تھی اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور ستون بھی کھجور کی لکڑیوں کے تھے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ اسی حالت میں رہی، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں کچھ اضافہ کیا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے از سرِ نو تعمیر کروائی اور اس کی وسعت و کشادگی کو بھی بڑھایا، انھوں نے اس کی دیواروں اور ستونوں کو منقش پتھروں اور چونے سے بنوایا اور چھت ساکھو کی لکڑی کی کروائی۔ (جدید مظاہر حق) **جهزت جيش العسرة** غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے خوب مالی تعاون کیا، جس کا حدیث ۶۰۷۲ میں بھی ذکر ہو چکا ہے۔

**جیش العسرۃ کی تیاری کرانا:** ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، اس کا تدارک ضروری تھا، لیکن یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی کا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تشویش ہوئی، اور صحابہؓ کو جنگی سامان کے لیے مال و زر سے تعاون کی ترغیب دلائی، اکثر لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عثمانؓ ایک متمول تاجر تھے، اس زمانہ میں اُن کا تجارتی قافلہ ملکِ شام سے نفعِ کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا، اس لیے انھوں نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا اپنے ذمہ لے لیے، ابنِ سعد کی

روایت کے مطابق غزوۂ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے، اس بنا پر گویا حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کیلئے سامان مہیا کیا، اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کیلئے ایک تسمہ تک اُنکے روپے سے خریدا گیا، اسکے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامانِ رسد کیلئے ایک ہزار دینار پیش کئے، حضورؐ اس فیاضی سے اس قدر خوش ہوئے کہ اشرفیوں کو دستِ مبارک سے اچھالتے تھے اور فرماتے تھے "ما ضر عثمان ما عمل بعد هذا اليوم" آج کے بعد عثمان کا کوئی کام انکو نقصان نہیں پہنچائیگا۔ (سیر الصحابہ)

شہیدان حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ مراد ہیں، یہی حضرت عثمانؓ کی فضیلت و منقبت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حیات ہی میں انھیں شہید قرار دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شہادت کی خبر رسول اللہ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگئی تھی، اور یہی پھر اُن کی شہادت کی قبولیت کی بھی دلیل ہے۔ (کشف الباری)

**شہادت کی تیاری:** حضرت عثمانؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے، آپؐ نے متعدد مرتبہ ان کو اس سانحہ سے خبردار کیا تھا اور صبر و استقامت کی تاکید فرمائی تھی، حضرت عثمانؓ اس وصیت پر پوری طرح قائم اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے، جس دن شہادت ہونے والی تھی آپؓ روزہ تھے، جمعہ کا دن تھا، خواب میں دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تشریف فرما ہیں، اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمانؓ جلدی کرو، تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں، بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا، اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا، باغی مجھے قتل کر دیں گے، انہوں نے کہا امیر المومنین ایسا نہیں ہوسکتا، فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ عثمان! آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا، پھر پائجامہ جس کو کبھی نہیں پہنا تھا، منگا کر پہنا، اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہوگئے۔

**شہادت:** باغیوں نے مکان پر حملہ کردیا، حضرت حسنؓ جو دروازہ پر متعین تھے، مدافعت میں زخمی ہوئے، چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے، آگے آگے حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ تھے جو حضرت علیؓ کی آغوشِ تربیت میں پلے تھے، یہ کسی بڑے عہدے کے طلب گار تھے، جس کے نہ ملنے سے حضرت عثمانؓ کے دشمن بن گئے تھے، انھوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑ لی اور زور سے کھینچی، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، بھتیجے اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ پسند نہ آتا، یہ سن کر محمد بن ابی بکرؓ شرما کر پیچھے ہٹ گئے، اور ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے، اس وقت بھی زبان سے "بسم اللہ توکلت علی اللہ" نکلا، سودان ابن حمران مرادی نے دوسری جانب ضرب لگائی، جس سے خون کا فوارہ جاری ہوگیا، ایک اور سنگدل عمرو بن الحمق سینہ پر چڑھ بیٹھا، اور جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نیزوں کے نو زخم لگائے، کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا، وفادار بیوی حضرت نائلہ نے جو پاس ہی بیٹھیں تھیں، ہاتھ پر روکا تین انگلیاں کٹ کر الگ ہوگئیں، پیہم وار نے ذوالنورینؓ کی شمعِ حیات بجھا دی اس بے کسی کی موت پر عالمِ امکان رو دیا، کائنات ارضی و سماوی نے خونِ ناحق پر آنسو بہائے، کارکنان قضا و قدر نے کہا جو خون آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہے گی، اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا، شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ تلاوت کررہے تھے، قرآن مجید سامنے کھلا تھا اس خونِ ناحق نے جس آیت کو خون ناب کیا وہ یہ ہے: فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم (خدا تم کو بس ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے) جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت کا واقعہ پیش آیا، دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی، حرمِ رسول میں قیامت برپا تھی، باغیوں کی حکومت تھی، ان کے خوف سے کسی کو اعلانیہ دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، سنیچر کا دن گزر کر رات کو چند آدمیوں نے ہتھیلی پر جان رکھ کر تجہیز و تکفین کی ہمت کی اور غسل دیئے

بغیر اسی طرح خون آلود پیراہن میں شہید مظلوم کا جنازہ اٹھایا اور کل سترہ افراد نے کابل سے مراکش تک کے فرماں روا کے جنازہ کی نماز پڑھی، مسند احمد ابن حنبل میں ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اور ابن سعد میں ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کے پیچھے حش کوکب میں اس حلم و بردباری کے مجسمہ اور بیکسی و مظلومی کے پیکر کو سپرد خاک کیا، بعد کو یہ دیوار توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا آج بھی جنت البقیع کے سب سے آخر میں مزار مبارک موجود ہے۔ (سیر الصحابہ)

**حدیث نمبر ۲۸۷۰ ﴿حضرت عثمانؓ کے حق پر ہونے کی گواہی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۷۶**

وَعَنْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍؓ قَالَ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ الْفِتَنَ فَقَرَّبَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ فِيْ ثَوْبٍ فَقَالَ هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ قَالَ فَأَقْبَلْتُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۱ ج ۲، باب فی مناقب عثمان، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۰۴، ابن ماجہ، ص ۱۱، المقدمۃ، باب فی فضل عثمان، حدیث ۳۵

**حل لغات:** الفتن (واحد) فِتْنَةٌ آزمائش، گمراہی۔ قرب (تفعیل) تَقْرِيْبًا قریب کرنا۔ مقنع قَنَّعَ (تفعیل) تَقْنِيْعًا چادر سے سر کو ڈھانپنا۔

**ترجمہ:** حضرت کعب بن مرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنوں کا ذکر سنا اور انہیں آپؐ نے قریب بتایا، پس ایک آدمی کپڑے سے سر کو ڈھانپے ہوئے گذرا تو آپؐ نے فرمایا یہ اس روز ہدایت پر ہوں گے، میں نے جا کر انھیں دیکھا تو وہ حضرت عثمانؓ تھے، تو میں نے انھیں آپؐ کے روبرو کر کے عرض کیا کہ یہ؟ آپؐ نے فرمایا ہاں یہی۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی اطلاع کی بنا پر بطور پیشین گوئی کے حضرت عثمانؓ کے بارے میں اپنے اس خطابِ عام میں اعلان فرمایا کہ میرے بعد قریبی زمانے میں جو فتنے امت میں برپا ہوں گے، اُن میں عثمان بن عفانؓ طریقۂ ہدایت اور راہِ راست پر ہوں گے، معلوم ہے کہ حضورؐ کے بعد امت میں سب سے بڑا اور پہلا فتنہ خود حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھنے والا فتنہ تھا، جس میں وہ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کئے گئے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** ذکر الفتن آپؐ اُس فتنہ کی پیشین گوئی فرما رہے ہیں، جو حضرت عثمانؓ کے ساتھ پیش آنے والا تھا۔ رجل مقنع رأسہ یہ کون آدمی تھے؟ یہ حضرت عثمان غنیؓ تھے، چوں کہ آپؓ انتہائی حیادار تھے، لہٰذا سر کو ڈھانپے ہوئے تھے، صحابیؓ نے اپنے شک کو دور کرنے کے لیے حضرت عثمانؓ کا بازو پکڑ کر آپؐ کے سامنے کر دیا، اور معلوم کیا، تاکہ کسی غیر کا احتمال ہی نہ رہے، حضورؐ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ ہاں یہی شخص ہیں جو فتنہ کے دن حق پر ہوں گے۔ (تکمیل الحاجہ) مزید کے لیے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۸۷۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۷۷**

**﴿حضرت عثمانؓ کو خلافت نہ چھوڑنے کی وصیت﴾**

وَعَنْ عَائِشَةَؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عُثْمَانُ إِنَّهٗ لَعَلَّ اللّٰهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيْصًا فَإِنْ أَرَادُوْكَ عَلٰى خَلْعِهٖ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۱ ج۲، باب فی مناقب عثمان، کتاب المناقب، حدیث۳۷۰۵، ابن ماجہ، ص۱۱، المقدمہ، باب فی فضل عثمان، حدیث۱۱۲

**حل لغات:** یقمص قَمَّصَ فلانًا (تفعیل) تَقْمِیْصًا کرتا پہنانا۔ خلع خَلَعَ (ف) خَلْعًا اتارنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عثمان! شاید اللہ تعالیٰ ایک قمیص تمھیں پہنائے، اگر لوگ اسے اتارنا چاہیں تو تم اس کومت اتارنا۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذیؒ نے کہا کہ یہ واقعہ طویل ہے۔

**خلاصۂ حدیث** شارحین حدیث کا اتفاق ہے کہ آپ کے ارشاد کا مطلب یہی تھا کہ اے عثمان! اللہ تعالیٰ تم کو خلافت کی خلعت عطا فرمائے گا، تو اگر لوگ تم سے اس خلعت کو اتروانا چاہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے منصبِ خلافت سے دستبردار ہوجانے کا مطالبہ کریں تو اس کو نہ ماننا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت و وصیت خود حضرت عثمانؓ سے بھی مروی ہے۔ (معارف الحدیث) عالمی حدیث ۶۰۷۹ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فلا تخلعه ''قمیص'' سے خلافت کی ذمہ داری مراد ہے، بلوائیوں نے آپؓ کے گھر کا محاصرہ کیا، الزامات لگائے اور آپ کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت عثمانؓ سے خلافت سے دستبردار ہونیکا مطالبہ کیا، آپؓ نے پیغمبرؐ کے فرمان کے مطابق صاف منع کیا اور آپؐ کی وصیت کے مطابق خلافت سے کنارہ کش نہیں ہوئے، البتہ مظلومانہ شہید ہوگئے۔ قصة طويلة معلوم نہیں کون سا قصہ مراد لیا ہے، ممکن ہے حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پہلے جو کچھ پیش آیا وہی مراد ہو۔

## حدیث نمبر ۲۸۷۲ ﴿حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۷۸

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِتْنَةً فَقَالَ يُقْتَلُ هٰذَا فِيْهَا مَظْلُوْمًا لِعُثْمَانَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ إِسْنَادًا.

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۲ ج۲، باب فی مناقب عثمان، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۰۸

**حل لغات:** یقتل مضارع مجہول، قَتَلَ (ن) قَتْلاً قتل کرنا، مار ڈالنا۔ مظلوما اسم مفعول، ظَلَمَ (ض) ظُلْمًا ستانا، زیادتی کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عظیم فتنہ کا ذکر فرمایا اور حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بندہ اس فتنہ میں مظلومیت کے ساتھ شہید ہوگا۔ (ترمذی) ترمذیؒ نے کہا کہ سند کے لحاظ سے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** حدیث کا مطلب واضح ہے، آپ کا یہ ارشاد بھی بلاشبہ آپؐ کے معجزات میں سے ہے کہ آپؐ کی وفات کے چوبیس سال بعد حضرت عثمانؓ کے خلاف جو فتنہ برپا ہونے والا تھا، اس فتنہ کی اور اس فتنہ میں اُن کی مظلومانہ شہادت کی خبر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو دے دی تھی، ظاہر ہے کہ آپؐ کو اس کی اطلاع بذریعہ وحی ہوئی تھی۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** مظلوماً حضرت عثمانؓ کی شہادت مظلومانہ شہادت ہے، فوج، سپاہ، اقتدار سب کچھ ہوتے ہوئے انھوں نے محض اس بنیاد پر کہ نبی کے شہر میں کلمہ گو لوگوں کا آپس میں ٹکرانا مناسب نہیں، شہادت کا جام نوش فرمایا۔ (تفصیلات کے لیے عالمی حدیث ۶۰۷۵ دیکھیں)

## حدیث نمبر ۲۸۷۳ ﴿حضرت عثمانؓ کا بے مثال صبر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۷۹

وَعَنْ أَبِيْ سَهْلَةَ قَالَ قَالَ لِيْ عُثْمَانُؓ يَوْمَ الدَّارِ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَهِدَ إِلَيَّ عَهْدًا وَأَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۲ ج۲، باب فی مناقب عثمان، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۱۱

**حل لغات:** عهد (س) عَهْدًا عہد کرنا، وصیت کرنا۔ صابر اسم فاعل صَبَرَ (ض) صَبْرًا صبر کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسہلہؒ سے روایت ہے کہ جس دن حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور وہ شہید کئے گئے، اسی دن حضرت عثمانؓ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک وصیت فرمائی تھی، میں نے صبر کے ساتھ اُس وصیت پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

**خلاصۂ حدیث** ابوسہلہؒ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، وہ محاصرہ کیوقت حضرت عثمانؓ کے پاس تھے، اور دوسرے ہمدردوں اور وفادار رفیقوں کی طرح وہ بھی چاہتے تھے کہ باغیوں کیخلاف طاقت استعمال کی جائے، غالباً یہی بات انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں عرض کی تھی، جسکے جواب میں حضرت عثمانؓ نے حضورؐ کی اس ہدایت اور وصیت کا حوالہ دیا جو حضرت عائشہؓ کی مندرجہ بالا حدیث ۶۰۷۷ میں ذکر کی جا چکی ہے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کی وہ خاص ہدایت اور وصیت تھی، جس کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ باغیوں کے مطالبہ پر خلافت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ ہوئے، اور اس کے مقابلہ میں مظلومیت کے ساتھ شہید ہو جانے کا فیصلہ فرمایا، جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر بار بار فرمائی تھی۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** قد عهد الی وہ عہد یہی تھا کہ خلافت سے کنارہ کش نہ ہونا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس عہد کو پورا کیا، اور اس کی خاطر جان تک قربان کردی۔

## الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۲۸۷۴ ﴿حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کے جوابات﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۸۰**

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ يُرِيْدُ حَجَّ الْبَيْتِ فَرَأَى قَوْمًا جُلُوْسًا فَقَالَ مَنْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ قَالُوْا هٰؤُلَاءِ قُرَيْشٌ قَالَ فَمَنِ الشَّيْخُ فِيْهِمْ قَالُوْا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ إِنِّيْ سَائِلُكَ عَنْ شَيْءٍ فَحَدِّثْنِيْ هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ أُحُدٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ وَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُ أَكْبَرُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ تَعَالَ أُبَيِّنْ لَكَ أَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ أُحُدٍ فَأَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَفَا عَنْهُ وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ رُقَيَّةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ مَرِيْضَةً فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَوْ كَانَ أَحَدٌ أَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهُ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ عُثْمَانُ إِلٰى مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذِهٖ يَدُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلٰى يَدِهٖ وَقَالَ هٰذَا لِعُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اِذْهَبْ بِهَا الْاٰنَ مَعَكَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص۵۲۳ ج۱، باب مناقب عثمان، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۹۸

**حل لغات:** حَجَّ (ن) حَجًّا حج کرنا۔ تَغَيَّبَ (تفعل) تَغَيُّبًا غائب ہونا۔ فر (ض) فِرَارًا بھاگنا۔ سهم (ج) سِهَامٌ حصہ۔

**ترجمہ:** حضرت عثمان بن موہبؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص مصر کا رہنے والا حج کے ارادہ سے آیا، وہاں کئی آدمیوں کو بیٹھا دیکھا تو لوگوں سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا یہ قریش کے لوگ ہیں، اُن سے پوچھا ان میں یہ بوڑھا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا عبداللہ

بن عمرؓ، تو اس نے کہا اے ابن عمر! میں آپؓ سے ایک چیز پوچھتا ہوں مجھے آپ بتایئے، کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ جنگ احد کے موقع پر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے کہا ہاں بیشک، پھر اس نے کہا آپؓ جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے، غیر حاضر رہے؟ حضرت ابن عمرؓ بولے بیشک، پھر اس نے کہا آپؓ جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بیعت رضوان کے موقع پر بھی غائب تھے اور اس بیعت میں بھی شریک نہیں ہوئے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں بیشک، اس نے کہا اللہ اکبر۔ ابن عمرؓ نے کہا اِدھر آ، میں تجھے اِن باتوں کی حقیقت بیان کروں، اُحد کی لڑائی میں بھاگ جانا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قصور معاف کر دیا، بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہونا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آپؐ کی صاحبزادی رقیہؓ تھیں، وہ بیمار تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا تمہیں بھی وہی ثواب ملے گا جو بدر کی جنگ میں شریک ہونے والوں میں سے کسی ایک شخص کو ملے گا اور مالِ غنیمت سے حصہ بھی ملے گا۔ اور جہاں تک بیعت رضوان میں غائب رہنے کا تعلق ہے، تو اگر مکہ والوں میں آپؐ کے نزدیک حضرت عثمانؓ سے زیادہ کوئی معزز شخص ہوتا تو آپؐ اسی کو بھیجتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ کو بھیجا تھا، حضرت عثمانؓ وہیں گئے ہوئے تھے کہ بیعتِ رضوان ہوئی، اس پر بھی آپؐ نے دائیں ہاتھ پر اشارہ کر کے فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اُسے اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی بیعت ہے، حضرت ابن عمرؓ نے اس سے فرمایا نکل جا، اور تینوں جواب اپنے ساتھ لیتا جا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت عثمانؓ کے کسی حاسد نے ان پر تین اعتراضات کئے ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے تینوں اعتراضات کے نہایت معقول اور مسکت جوابات عنایت فرمائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **قال نعم** حضرت ابن عمرؓ نے جب سائلِ مذکور کو اس کے سوالات اور اعتراضات کا اثبات میں جواب دیا اور تمام اعتراضات کو ایک طرح تسلیم کیا تو سائل نے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگا کر اپنی خوشی اور مطلوب میں کامیابی کے خیال کا اظہار کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ سے سخت تعصب رکھتا تھا، اور اُن کے خلاف فضا بنانے اور شرارتیں کرنے پر تلا ہوا تھا۔ (فتح الباری، ص ۷۹، ج ۹)

**اما فراره یوم احد فاشهد ان الله عفا عنه وغفر له** شوال ۳ھ میں جب غزوۂ احد پیش آیا تو پہلے غازیانِ دین کو فتح حاصل ہوئی، لیکن وہ مسلمان تیرانداز جو عقب کی حفاظت کر رہے تھے، اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے لگے، تو کفار نے اس جنگی غلطی سے فائدہ اٹھایا اور پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا، مسلمان اس سے غافل تھے، لہٰذا اس ناگہانی حملہ کو روک نہ سکے اور بے ترتیبی سے منتشر ہو گئے، اسی اثناء میں مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی، اس افواہ نے جاںنثاروں کے حواس اور بھی گم کر دیئے، سوائے چند آدمیوں کے جو جہاں تھا وہیں متحیر ہو کر رہ گیا، حضرت عثمانؓ بھی اُن ہی لوگوں میں تھے۔ جنگ احد میں صحابہؓ کا منتشر ہو جانا، اگرچہ ایک اتفاقی سانحہ تھا، جو مسلمان تیراندازوں کی غلطی کے باعث پیش آیا، تاہم لوگوں کو اس کا سخت ملال تھا، خصوصاً حضرت عثمانؓ نہایت پشیمان تھے، لیکن یہ اتفاقی غلطی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ عفوِ عام کی بشارت دے دی، ''**ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلهم الشیطان ببعض ما کسبوا، ولقد عفا الله عنهم ان الله غفور حلیم**'' اور تم میں سے وہ لوگ جنھوں نے پشت دکھا دیا، حقیقت میں شیطان نے اُن کے بعض اعمال کے بدلہ میں پھسلا دیا، اللہ نے اُن کو معاف کر دیا۔ اور بے شک خدا بڑا حلم والا اور معاف کرنے والا ہے۔ (سیر الصحابہ) وحی الٰہی کے باوجود حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرنا بڑی جسارت اور نہایت حماقت کی بات ہے۔ **ان لك اجر رجل ممن شهد بدرا** تیرے لیے بدر میں شرکت کرنے والے کسی بھی آدمی کے برابر اجر اور اتنا ہی حصہ ہے یعنی غنیمت میں سے، حافظؒ نے اس حوالہ سے حاکم کی ایک روایت ذکر کی ہے، جو مستدرک حاکم میں

منقول ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو روکا تھا، اور جب حضرت عثمانؓ کا بدر کی جنگ میں پیچھے رہ جانا اپنی کسی ذاتی غرض، خوف یا کسی بھی دوسری کمزوری کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور حکم سے آپ کی لاڈلی صاحبزادی کی خاطر تھا، تو اس میں قیل وقال اور نقد و جرح کی کہاں گنجائش ہے؟ (کشف الباری) **واما تغیبه عن بیعة الرضوان** رہا حضرت عثمانؓ کا بیعت الرضوان میں شریک نہ ہونا تو یہ اعتراض بھی بے بنیاد ہے، ایک تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر وادی میں اس کام کے لئے حضرت عثمانؓ سے زیادہ معزز آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کوئی اور ہوتا تو آپؐ اسے ہی بھیج دیتے، مگر نہیں تھا، اس لیے انہیں یعنی عثمان کو بھیجا، تو جو بات اُن پر اعتراض کے لیے کہی گئی اس سے مزید ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، دوم یہ کہ اس بیعت میں اگر حضرت عثمانؓ شریک نہیں ہوئے اور ان کا ہاتھ آپؐ کے دست مبارک کی طرف بیعت کے لیے نہیں بڑھا تو اس سے اُن کی حیثیت گھٹی نہیں، بلکہ مزید بڑھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہی دوسرا دست مبارک ان کی طرف سے ملایا، چنانچہ خود عثمانؓ اس پر فخر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں "**فشمال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خیر لی من یمینی**" رسول اللہ کا بایاں ہاتھ میرے اپنے دائیں ہاتھ سے میرے حق میں بہتر ہے۔ اور سوم یہ کہ بیعت رضوان کی تو ضرورت ہی اس لیے پڑی تھی کہ حضرت عثمانؓ مکہ مکرمہ رسول اللہ کا پیغام لے کر گئے تھے کہ ادھر ان کے قتل وغیرہ کی افواہ اڑی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے بیعت لی، اب اس میں حضرت عثمانؓ کے لیے قابل ملامت بات کون سی ہے، یہ تو ان کے لیے اعزاز کی بات ہے۔

(فتح الباری، ص ۴۷ ج ۹؛ عمدۃ القاری، ص ۲۰۷ ج ۱۶)

## حدیث نمبر ۲۸۷۵ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۸۱

## ﴿حضرت عثمانؓ کا باغیوں سے قتال سے گریز﴾

وَعَنْ أَبِى سَهْلَةَ مَوْلَى عُثْمَانَؓ قَالَ جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يُسِرُّ إِلَى عُثْمَانَ وَلَوْنُ عُثْمَانَ يَتَغَيَّرُ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الدَّارِ قُلْنَا أَلَا نُقَاتِلُ قَالَ لَا إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ إِلَيَّ أَمْرًا فَأَنَا صَابِرٌ نَفْسِىْ عَلَيْهِ.

**حواله:** البیهقی فی دلائل النبوة۔

**حل لغات:** یسر اَسَرَّ (افعال) اِسْرَارًا کسی سے خفیہ بات کرنا۔ یتغیر (تفعل) بدلنا۔

**ترجمه:** حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام ابوسہلہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عثمانؓ سے چپکے چپکے کچھ باتیں کر رہے تھے اور وہ باتیں سن کر حضرت عثمانؓ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا، پھر جب وہ دن ہوا جب ان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تو ہم نے کہا کہ کیا ہم ان لوگوں سے قتال نہ کریں؟ تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نہیں؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک دن عہد لیا تھا اور میں اس پر صابر ہوں۔ (البیہقی)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو فتنہ کے زمانہ میں صبر سے کام لینے کی تلقین فرمائی تھی، چنانچہ آپؓ بلوائیوں کی شورش کے آگے صبر واستقامت کے پہاڑ بنے رہے، آپؓ کے محبین نے ان بلوائیوں کے خلاف کارروائی کئے جانے کی اجازت طلب کی تو آپؓ نے صراحتاً منع فرما دیا اور آپؓ شہادت تک حضورؐ کی وصیت پر عمل پیرا رہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **یسر الیٰ عثمان ولون عثمان یتغیر** ابن ماجہ کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے دوران کہا کہ میری خواہش ہے کہ میرے اصحاب میں سے کوئی میرے پاس ہو، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکرؓ کو بلا دیں؟ آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی، ہم نے عرض

کیا کیا حضرت عمرؓ کو بلا دیں؟ پھر آپؐ نے خاموشی اختیار کی، ہم نے عرض کیا کیا حضرت عثمانؓ کو بلا دیں؟ آپؐ نے جواباً فرمایا ہاں، چنانچہ حضرت عثمانؓ تشریف لائے اور تنہائی میں آپؐ کے پاس بیٹھ گئے، آپؐ حضرت عثمانؓ سے گفتگو فرما رہے تھے اور حضرت عثمانؓ کے چہرہ کا رنگ بدل رہا تھا۔ الا نقاتل باغیوں نے جب حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا، تو جانثاروں نے مختلف مشورہ دیئے، ان میں یہ بھی مشورہ تھا کہ ہم اُن سے قتال کریں، اس کی وضاحت یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے آ کر عرض کیا امیر المومنین تین باتیں ہیں، اُن میں سے ایک قبول کیجئے۔ آپ کے طرفداروں اور جانثاروں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے، اس کو لے کر نکلیے اور ان باغیوں کا مقابلہ کر کے اُن کو نکال دیجئے، آپ حق پر ہیں، وہ باطل پر، لوگ حق کا ساتھ دیں گے، اگر یہ منظور نہیں تو پھر صدر دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار توڑ کر اس محاصرہ سے نکلیے، اور سواریوں پر بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے جایئے، وہ حرم ہے وہاں یہ لوگ لڑ نہ سکیں گے، یا پھر یہ کہ شام چلے جائیں، وہاں کے لوگ وفادار ہیں، اور معاویہؓ موجود ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جو امتِ محمدیؐ کی خوں ریزی کرے، اگر مکہ معظمہ چلا جاؤں تو بھی اس کی امید نہیں کہ یہ لوگ حرمِ الٰہی کی توہین نہ کریں گے، اور جنگ سے باز آ جائیں گے، اور میں آپ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو مکہ جا کر اس کی بے حرمتی کا باعث ہوگا، اور شام بھی نہیں جا سکتا کہ اپنے ہجرت کے گھر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کو نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت عثمانؓ کا گھر بہت بڑا اور وسیع تھا، دروازہ اور گھر میں صحابہ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی، جس کی تعداد سات سو تھی، اور جس کے سردار حضرت زبیرؓ کے بہادر صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے، وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ امیر المومنین اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی تعداد ہے، اجازت ہو تو میں اِن باغیوں سے لڑوں، فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے، گھر میں اس وقت بیس غلام تھے، اُن کو بھی بلا کر آزاد کر دیا، حضرت زید بن ثابتؓ نے آ کر عرض کیا، امیر المومنین انصار دروازہ پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دوبارہ اپنے کارنامے دکھائیں، فرمایا اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا، اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے، جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے۔ (سیر الصحابہ)

**حدیث نمبر ۲۸۷۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۸۲**

## ﴿آپؐ کا حضرت عثمانؓ کی اطاعت کی وصیت کرنا﴾

وَعَنْ أَبِي حَبِيْبَةَ أَنَّهُ دَخَلَ الدَّارَ وَعُثْمَانُ مَحْصُوْرٌ فِيْهَا وَأَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَسْتَأْذِنُ عُثْمَانَ فِي الْكَلَامِ فَأَذِنَ لَهُ فَقَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِيْ فِتْنَةً وَّاخْتِلَافًا أَوْ قَالَ اِخْتِلَافًا وَّفِتْنَةً فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ لَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَوْمَا تَأْمُرُنَا بِهِ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالْأَمِيْرِ وَأَصْحَابِهِ وَهُوَ يُشِيْرُ إِلٰى عُثْمَانَ بِذٰلِكَ. (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)



**حوالہ:** البیہقی فی دلائل النبوۃ۔

**حل لغات:** محصور اسم مفعول، گھرا ہوا، حَصَرَ (ن) حَصْرًا محصور کرنا۔ تلقون لَقِيَ (س) لِقَاءً ملنا، دوچار ہونا۔

**ترجمه:** حضرت ابوحبیبۃ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہوئے، جب کہ وہ اپنے مکان میں محصور تھے۔ اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو سنا کہ وہ حضرت عثمانؓ سے گفتگو کی اجازت مانگ رہے ہیں، حضرت عثمانؓ نے اُن کو اجازت دے دی، حضرت ابوہریرہؓ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے بعد تم فتنوں اور اختلافات سے دوچار ہو گے، یہ سن کر ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہمیں اس وقت کس کی متابعت کرنی چاہئے، یا یہ

کہ اُس زمانہ میں آپ ہمیں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ امیر اور ان کے ساتھیوں کی اطاعت تم پر لازم ہے اور امیر کا لفظ فرماتے ہوئے آپ نے حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ (البیهقی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں فتنے کثرت سے برپا ہوں گے، حضرت عثمانؓ اور ان کے متبعین حق پر ہوں گے اور ان کے خلاف سازش کرنے والے فسادی ہوں گے، ایسے میں کامیاب وہ لوگ کہلائیں گے جو حضرت عثمانؓ کی اتباع کرنے والے ہوں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **یستاذن عثمان** حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عثمانؓ سے اسوقت ملے جب اُنکے گھر کا محاصرہ ہو چکا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی باغیوں کی سرکوبی کی بات کی تھی، لیکن حضرت عثمانؓ نے انکو بھی منع فرمایا تھا۔

**سوال**: حضرت عثمانؓ کے دور میں اس کثرت سے فتنوں نے سر کیوں اٹھایا؟ اور وہ کیا اسباب تھے کہ مسلمانوں میں اس درجہ اختلاف ہوا کہ خلیفہ راشد ظلماً قتل کر دیئے گئے؟

**جواب**: حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں جو فتنہ وفساد برپا ہوا اس کی حقیقت یہی ہے کہ دولتمندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے وہ لوازم پیدا کر دیئے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور بالآخر ان کے ضعف اور انحطاط کا سبب بن جاتے ہیں، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے: **لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدنیا** مجھے تمہارے فقر وفاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے، بلکہ تمہاری دولت دنیاوی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں۔ تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلہ میں ہر جماعت اور ہر فرد اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے، جس سے بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے۔ قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے، لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ وفساد کی پیدائش کے بعض اور اسباب بھی تھے۔ (۱) سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہِ راست مستفیض ہوئی تھی ختم ہو چکی تھی، جو لوگ موجود تھے وہ اپنی کبر سنی کے سبب سے گوشہ نشین ہو رہے تھے، اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی، یہ نو جوان زہد و اتقا، عدل وانصاف، حق پسندی اور راست بازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے، اس بنا پر رعایا کے لیے ویسے فرشتۂ رحمت ثابت نہ ہوئے جیسے ان کے اسلاف تھے۔ (۲) حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت وخلافت کے لیے قریش کا خاندان مخصوص ہو گیا تھا، اور بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر ان ہی کو ملتے تھے، نو جوان قریشی اس کو اپنا حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے، عام عرب قبائل کا دعویٰ تھا کہ ملک کی فتوحات میں ہماری تلواروں کی بھی کمائی ہے اس لیے وظائف، منصب اور عہدوں میں قریش اور ہم میں مساوات ہونا چاہئے۔ (۳) اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک اسلام کے زیر نگیں تھا، جس میں سینکڑوں قومیں آباد تھیں، ان محکوم قوموں کے دلوں میں قدرتاً مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا، لیکن ان کی قوت کے مقابلہ میں بے بس تھے، اس لیے انہوں نے سازشوں کا جال بچھایا، جن میں سب سے آگے مجوسی اور یہودی تھے۔ (۴) حضرت عثمانؓ فطرتاً نیک ذی مروت اور نرم خو تھے، عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے، اکثر جرائم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے، اس سے شریروں کے حوصلے بڑھ گئے۔ (۵) حضرت عثمانؓ اموی تھے اس لیے فطرتاً ان کے جذبات اپنے اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہانہ تھے اور آپ ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے، اور اپنے ذاتی مال سے ان کی امداد فرمایا کرتے تھے، شریر لوگوں نے اس کو یوں ملک میں پھیلایا کہ حضرت عثمانؓ سرکاری بیت المال سے ان کے ساتھ داد و دہش کرتے ہیں۔ (۶) ہر امام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں، اسلام کی دوسری نسل میں جو اب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی، امامِ وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا جو اول الذکر میں موجود تھا،

ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ نظام خلافت کے قیام واستحکام کے لیے بنی امیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے۔(۷) مختلف محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لیے انقلاب کے خواہاں تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔(۸) غیر قوموں کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں ان کی اولادیں بہت کچھ فتنہ کا باعث بنیں، ان مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض ومقاصد پر نظر ڈالنے سے یہ بالکل نمایاں ہو جاتا ہے کہ اس فتنہ وانقلاب کے حقیقی اسباب یہی تھے، جو اوپر مذکور ہوئے۔ مثلاً (۱) بنو ہاشم بنوامیہ کے عروج وترقی کو پسند نہیں کرتے تھے اور خلافت کے مناصب اور عہدوں کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق جانتے تھے۔(۲) عام عرب قبائل مناصب اور عہدوں اور جاگیروں کے استحقاق میں اپنے کو قریشیوں سے کم نہیں سمجھتے تھے اس لیے وہ قریشی افسروں کے غرور وتمکنت کو توڑنا اور اپنا جائز حق سمجھ کر مساوات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ (۳) مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان میں منتقل ہو جس سے وہ بہتر سے بہتر حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور عام عربوں کے مقابلہ میں ان کا استحقاق کم نہ سمجھا جائے۔(۴) یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے کہ ان کی قوت پاش پاش ہو جائے۔ یہ اغراض مختلف تھیں اور ہر جماعت اپنی غرض کے لیے کوشش میں مصروف تھی، اس لیے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں، عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں اور خود امیر المومنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دبانا چاہا، لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی کہ جس کا بجھانا آسان نہ تھا، فتنہ پردازوں کا دائرہ عمل روز بروز وسیع ہوتا گیا؛ یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خفیہ جماعت پیدا ہوگئی جس کا مقصد فتنہ وفساد تھا۔ (سیر الصحابہ)

## باب مناقب ہولاء الثلاثۃ

## (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فضائل)

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۴؍روایات نقل فرمائی ہیں، اس سے پہلے صاحب کتاب نے اصحاب ثلاثہ کے فضائل و مناقب سے متعلق روایات الگ الگ باب کے تحت ذکر کی ہیں، اس باب کے تحت وہ احادیث نقل کی ہیں جن میں مشترکہ طور پر ان تینوں کے فضائل مذکور ہیں۔

### الفصل الاول

**حدیث نمبر۲۸۷۷ ﴿اصحاب ثلاثہ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۸۳**

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ أُحُدًا وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اُثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۲۱ ج۱، باب مناقب عمر، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۳۶۸۶

**حل لغات:** صَعِدَ (س) صُعُوْدًا چڑھنا۔ رَجَفَ (ن) رَجْفًا زور زور سے ہلنا۔

**ترجمہ:** حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے، آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ بھی چڑھے، اتنے میں پہاڑ کو جنبش ہوئی، آپؐ نے فرمایا، احد بس رک جا! تجھ پر اور کوئی نہیں ایک پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، ایک صدیقؓ ہیں اور دو شہید ہیں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث:** پہاڑ میں حرکت آپؐ کا معجزہ ہے اور حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کی شہادت کی اطلاع قبل از وقت دینا، یہ آپؐ کا دوسرا معجزہ ہے۔ مزید کے لیے عالمی حدیث ۶۰۷۵ دیکھیں۔

## کلمات حدیث کی تشریح

صَعِدَ اُحُدًا احد مدینہ منورہ کی مشہور پہاڑی ہے، اس پر چڑھنا مراد ہے۔ مسلم، اور ابویعلی نے حضرت سعیدؓ سے روایت کی ہے جس میں ''احد'' کی جگہ ''حراء'' کا ذکر ہے، مگر حافظ ابن حجرؒ نے اولاً پہلے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا اگر مخرج ایک نہ ہوتا تو میں ان دونوں قصوں کو متعدد قرار دینے کا امکان مان لیتا، مگر اتحادِ مخرج اتحادِ قصہ پر دلالت کرتا ہے، پھر ان کی رائے بدل گئی جس کو ''ثُمَّ ظَھَرَ لِی...... '' کہہ کر وہ اظہار کیا کرتے ہیں، یہاں بھی انھوں نے ''ثم ظھر لی'' کہہ کر کہا ہے کہ یہ اختلاف سعید سے واقع ہوا ہے کیوں کہ ''مسند حارث بن ابی اسامہ'' میں روح بن عبادہ عن سعید کے طریق سے روایت ہے جس میں سعید ''اُحُدًا او حراء'' شک کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور امام احمد نے حدیث بریدہ بھی لفظ ''حراء'' کے ساتھ روایت کی ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے اور ابویعلی نے سہل بن سعد کی روایت نقل کی ہے جس میں لفظ ''اُحد'' وارد ہوا ہے اور یہ بھی سنداً صحیح روایت ہے۔ اس سے تعددِ قصہ کا احتمال قوی ہوتا ہے؟ کیوں کہ جب دو صحیح سندوں کے ساتھ ''احد'' اور ''حراء'' کا ذکر آ گیا تو یہ متعین ہوا کہ دونوں جگہ یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح بخاری کتاب الوقف کے آخر میں حدیث عثمان میں بھی لفظ ''حراء'' وارد ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے، اس سے بھی تعدد قصہ کے احتمال کی تائید ہوتی ہے اور وہ یوں کہ وہاں رسول اللہ کی حراء پر موجودگی کا ذکر ہے اور آپ کے ساتھ ان مذکورہ حضرات کا بھی ذکر ہے اور دیگر کا بھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرا مستقل قصہ ہے۔ (فتح الباری، ص ۴۶-۴۷ ج ۹) وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ بظاہر تو ابا بکر ہونا چاہئے تھا ان النبی پر عطف کی وجہ سے مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ ابوبکر مرفوع وارد ہوا ہے جو ظاہر ہے ''صَعِدَ'' کے ضمیر مرفوع پر معطوف ہے اور وہ ضمیر صعد اگرچہ متصل ہے مگر ''اَحَدًا'' کے فاصلے کی وجہ سے اس پر اسم ظاہر کا عطف بالاتفاق جائز ہے۔ احد نداء حقیقی ہے یا مجازی؟ اُثْبُتْ اُحُدُ... یہ منادی ہے اور حرف ندا اس میں محذوف ہے، یا احد مراد ہے اور اس کو آواز دینا یا مخاطب کرنا یا تو حقیقت پر محمول ہے اور وہ یوں کہ پہاڑ میں سننے کی صلاحیت ہو اور ندا کا ادراک بھی کرے، اور یا پھر مجازاً اسے ندا دی گئی کہ اصل میں تو اس میں سننے اور قبول کرنے کی استعداد نہیں ہے، مگر اللہ کے رسول کو اپنی رسالت اور اپنے ساتھیوں کی عظمتِ مقام کا اظہار کرنا تھا، تو آپؐ نے پہاڑ کو مخاطب کر کے اس کا اظہار کیا، جیسے لوگ مصیبت کی شدت ظاہر کرتے ہیں تو ''ویل'' (ہلاکت) کو پکارتے ہوئے کہتے ہیں، واویلا! ورنہ ''ویل'' منادی سن تو نہیں سکتا، وہ امر حسی نہیں معنوی ہے، یا جیسے ''وَارَأْسَاہُ'' میں رأس کو پکارتے ہیں، تاہم اسے حقیقت پر حمل کرنا اولیٰ ہے؛ کیوں کہ جہاں تک ممکن ہو کلام کو اس کے حقیقی اور ظاہری معنی پر حمل کرنا چاہئے اور اُحد کو حقیقتاً مخاطب کرنے کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہؐ نے اس کے متعلق فرمایا ''اُحُدٌ جبل یحبُّنا ونحبہ'' احد ایک ایسا پہاڑ ہے کہ وہ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اور محبت ظاہر ہے ادراک اور احساس کا متقاضی ہے، اسی طرح ضرب بالرجل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسکو متنبہ کرنا صحیح اور حقیقی تھا، اسی لیے اسے یوں متنبہ کیا گیا۔ (فتح الباری، ص ۴۷ ج ۹)

**پہاڑ کا لرزنا از راہ مسرت تھا:** یہ پہاڑ کا لرزنا اور تھرتھرانا جس کا یہاں لفظ ''رجف'' کے ساتھ ذکر ہوا ہے، یہ اس ''رَجْفَۃ'' کے قبیل سے نہیں جو قوم موسیٰ کو تحریف کلام اللہ کے سبب پیش آئی تھی، بلکہ یہ خوشی سے جھومنے کے قبیل سے تھا، چنانچہ قسطلانی فرماتے ہیں ''قال ابن المنیر: قیل الحکمۃ فی ذالک انہ لما أرجف أراد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أن یُبَیِّنَ ان ھذہ الرجفۃ من جنسِ رجفۃِ الجبل بقوم موسیٰ لما حرّفوا الکلم وان تلک رجفۃ الغضب وھذہ ھزۃ الطرب'' (ارشاد الساری، ص ۱۶۸ ج ۸) یعنی پہاڑ کے جھومنے اور اس پر رسول اللہ کی تنبیہ میں حکمت یہ تھی کہ رسول اللہؐ نے یہ بتانا چاہا کہ یہ پہاڑ کا لرزنا اس لرزنے کے قبیل سے نہیں ہے جو قوم موسیٰ پر واقع ہوا تھا، کیونکہ وہ ''رجفۃ الغضب'' تھا اور یہ ''ھزّۃ الطرب'' (اہتزاز بمعنی خوشی) ہے، اسی لیے آنحضرتؐ نے اپنے مقام نبوت اور حضرت صدیق اکبرؓ کے مقام صدیقیت اور دوسرے حضرات کے مقام شہادت کی تصریح

فرمائی؛ کیوں کہ یہ سارے مراتب ومناصب رجفة الغضب کے متقاضی نہیں ہیں بلکہ رجفة السرور کے متقاضی ہیں، یہی وجہ ہے کہ پہاڑ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے بعد رک گیا اور ہلنا بند کردیا ایک شاعر نے اس حوالے سے کیا خوب فرمایا:

| فلو لا مقال "اسکُن" تضعضعَ وانقضا | ☆ | وما حراءٌ تحتَه فرحًا به |
|---|---|---|

"حراء" آپ کی موجودگی کی خوشی میں جھومنے لگا اور اگر اس کو "اسکن" نہ کہا جاتا تو وہ منہدم ہو کر ختم ہو چکا ہوتا۔ (حوالہ بالا)

قسطلانیؒ کی اس توجیہ کا مطلب اگر یہ ہے کہ احد پہاڑ کی تھرتھراہٹ از راہ طرب وخوشی تھی، مگر اس کے جھوم جانے سے رسول اللہؐ اور آپؐ کے اصحاب کے متاثر ہونے اور گرجانے کا خطرہ تھا، اس لیے آپ نے فرمایا، احد! رک جا اور نبی، صدیق اور شہیدین کے ادب میں اور ان کی سلامتی کا لحاظ رکھتے ہوئے طرب انگیز تھرتھراہٹ سے باز آجا، تب تو یہ درست ہے ورنہ بصورت دیگر اس پر یہ اشکال ہوگا کہ اُحد کا جھومنا خوشی سے تھا تو پھر آپؐ اسے منع نہ کرتے اور منع کرنے کی وجہ ان عالی مرتبت حضرات کی موجودگی کو نہ قرار دیتے؛ کیوں کہ ان کی موجودگی باعثِ رجف تھی نہ کہ مانع عن الرجف تھی، ہاں! اگر اس کی تھرتھراہٹ غضب کی تھی یا طبیعت وفطرتِ ارضی کی وجہ سے تھی تو پھر اسے منع کر کے ممانعت کی وجہ ان نفوس قدسیہ اور عالی مرتبت شخصیات کی موجودگی کو قرار دینا درست ہوتا، جب کہ یہاں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس کے برعکس ہے، واللہ اعلم۔ (کشف الباری)

## حدیث نمبر ۲۸۷۸ ﴿اصحاب ثلاثہ کو جنت کی بشارت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۸۴

وَعَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ مِّنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهُ فَإِذَا أَبُوْبَكْرٍ فَبَشَّرْتُهُ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهُ فَإِذَا عُمَرُ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِيْ اِفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهُ فَإِذَا عُثْمَانُ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۲۲ ج۱، باب مناقب عمر، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۳۶۹۳، مسلم، ص۲۷۷ ج۲، باب من فضائل عثمان، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۴۰۲

**حل لغات:** حَائِطٌ (ج) حِيْطَانٌ دیوار، باغ۔ اِسْتَفْتَحَ (استفعال) اِسْتِفْتَاحًا کھولنے کی درخواست کرنا۔ بَلْوٰى آزمائش، مصیبت۔ تُصِيْبُهُ، اصاب (افعال) اِصَابَةً پہنچنا۔ اَلْمُسْتَعَانُ، استعان (استفعال) استعانة مدد چاہنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں حضورؐ کے ساتھ تھا، تو ایک شخص آئے اور دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہؐ نے فرمایا ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو، تو میں نے اس شخص کے لیے دروازہ کھول دیا تو دیکھا کہ وہ ابوبکرؓ ہیں، میں نے ان کو جنت کی بشارت دی، اس پر انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر ایک اور شخص آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لیے بھی دروازہ کھول دو اور جنت کی خوشخبری دو، میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ عمرؓ ہیں، میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول اللہؐ نے فرمایا تھا تو انھوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لیے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو، ایک بڑی مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی (میں نے دروازہ کھول دیا) تو دیکھا کہ وہ عثمانؓ ہیں، میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول

اللہؐ نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر کہا اللّٰہ المستعان (یعنی آنے والی مصیبت کے لیے میں اللہ سے مدد چاہتا ہوں)...(بخاری ومسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہؐ مدینہ کے کسی باغ میں تشریف فرما تھے، اور اس وقت صرف ابوموسیٰ اشعریؓ آپ کے ساتھ تھے (اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہؐ نے ان کو حکم دیا تھا کہ دروازہ کی حفاظت کریں اور کسی کو بغیر اجازت کے اندر نہ آنے دیں)...تو اس وقت کسی شخص نے دروازہ کھلوا کر اندر آنا چاہا، آپؐ نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی بشارت دے دو...ابوموسیٰ اشعری کو معلوم نہیں تھا کہ یہ دروازہ کھلوانے والے کون صاحب ہیں، جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ ابوبکرؓ ہیں، تو ابوموسیٰؓ نے ان کو وہ بتلایا جو حضورؐ نے فرمایا تھا، اور جنت کی بشارت دی، تو جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، انہوں نے جنت کی بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا، پھر حضرت عمرؓ نے دروازہ کھلوا کر اندر آنے کی اجازت چاہی، تو آپؐ نے ابوموسیٰؓ سے وہی فرمایا جو اس سے پہلے ابوبکرؓ کے لیے فرمایا تھا، ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ اب یہ دروازہ کھلوانے والے کون صاحب ہیں، دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ یہ عمرؓ ہیں، تو انہوں نے ان کو جنت کی بشارت دی، انہوں نے بھی بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا، اس کے بعد تیسرے شخص آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوا کر اندر آنا چاہا، تو آپؐ نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ ان کے لیے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو، ایک بڑی مصیبت پر جو اُن پر آنے والی ہے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ آنے والے کون ہیں، جب حضورؐ کے حکم کے مطابق دروازہ کھولا تو دیکھا کہ عثمان بن عفانؓ ہیں، تو انہوں نے ان کو وہ بتلایا جو حضورؐ نے فرمایا تھا اور ان کو جنت کی بشارت دی اور ساتھ ہی یہ کہ وہ ایک عظیم آزمائش اور مصیبت میں مبتلا ہوں گے، تو انہوں نے جنت کی بشارت پر اللہ کی حمد کی و شکر ادا کیا اور مصیبت کی بات سن کر کہا: اللّٰہ المستعان (کہ اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں) حضرت عثمانؓ پر آنے والی مصیبت کی کچھ تفصیل گزر گئی ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** حضرت عثمانؓ کے حوالے سے یہاں جس "بلوی" کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ شورش ہے جو ان کے عہد خلافت کے آخر میں بپا ہوئی تھی، جس میں ان کی شہادت واقع ہوئی تھی اور یہاں تو رسول اللہؐ سے صرف اشارہ منقول ہے، جب کہ دوسری جگہ اس کی صراحت کی گئی ہے، چنانچہ احمد نے کلیب بن وائل عن ابن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے، فرمایا، "ذکر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فتنةً فمرَّ رجل: یقتل فیها هذا یومئذٍ ظلماً، قال فنظرت فاذا هو عثمان" یعنی رسول اللہؐ نے ایک فتنے کا ذکر کیا تو اس دوران ایک آدمی گزرا تو آنحضرتؐ نے فرمایا، اسمیں یہ شخص قتل کئے جائیں گے ظلماً، راوی کہتے ہیں جب میں نے دیکھا تو وہ عثمانؓ تھے۔ حضرت عثمانؓ کو جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے برخلاف خوشخبری کیساتھ مصیبت پہنچنے کا بھی ذکر ہوا، تو انہوں نے الحمد للہ کہنے کے بعد اللّٰہ المستعان بھی کہا، جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ انہیں اس مصیبت پر صبر دے اور تلخی اور سختی برداشت کرنے کے سلسلے میں انکی مدد اور معاونت فرمائے کہ اسی سے مدد مانگی جاسکتی ہے۔ (کشف الباری)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۸۷۹ ﴿شیخین کے بعد حضرت عثمانؓ کا مقام﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۸۵

عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۱-۲۱۲ ج ۲، باب فی مناقب عثمان، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۰۷

**حل لغات:** رَضِيَ (س) رِضیً راضی ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ کہا کرتے تھے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس روایت میں حضرت ابن عمرؓ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی زندگی میں ہی ان تینوں حضرات کا ذکر اسی ترتیب سے کرتے تھے، یعنی پہلے درجہ پر حضرت ابوبکرؓ کا اور دوسرے درجہ پر حضرت عمرؓ کا اور تیسرے درجہ پر حضرت عثمانؓ کا ذکر کرتے تھے اور یہ کہ دربار نبوت میں یہ تینوں بزرگ مقبول و محبوب تھے اور تمام صحابہ میں ممتاز تھے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** ابوبکر و عمر و عثمان ہم حضرت عثمانؓ کو تیسرے درجہ میں صحابہ میں افضل سمجھتے تھے اور اس پر امت کا اجماع ہے، اور کچھ لوگ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل سمجھتے ہیں، مگر ان کی رائے جمہور کے خلاف ہے۔ (تحفۃ الاحوذی) تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۶۰۲۴ دیکھیں۔

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۲۸۸۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٦٠٨٦

## ﴿حضرت عثمانؓ کی شیخین کے ساتھ وابستگی﴾

عَنْ جَابِرٍؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُرِيَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ صَالِحٌ كَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ نِيْطَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِيْطَ عُمَرُ بِأَبِيْ بَكْرٍ وَنِيْطَ عُثْمَانُ بِعُمَرَ قَالَ جَابِرٌ فَلَمَّا قُمْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا أَمَّا الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَّا نَوْطُ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ فَهُمْ وُلَاةُ الْأَمْرِ الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ بِهِ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

**حوالہ:** ابوداود، ص ۶۳۷ ج ۲، باب في الخلفاء، کتاب السنة، حدیث ۴۶۳۶

**حل لغات:** أُرِيَ أَرىٰ (افعال) اِرَاءَةً دکھلانا۔ نِيطَ، نَاطَ (ن) نَوْطاً لٹکانا، نَوْطٌ (ج) أَنْوَاطٌ ہر لٹکائی جانے والی چیز۔ وُلَاةٌ (واحد) وَالٍ حاکم و فرماں روا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات ایک نیک آدمی کو خواب میں دکھایا گیا کہ گویا ابوبکرؓ کو رسول اللہؐ سے وابستہ کر دیا گیا اور عمرؓ کو ابوبکرؓ کے ساتھ اور عثمانؓ کو عمرؓ کے ساتھ۔ جب ہم رسول اللہؐ کے پاس سے اٹھ گئے، تو ہم نے کہا نیک آدمی سے مراد خود رسول اللہؐ ہیں، اور ایک کو دوسرے سے وابستہ کرنے سے مراد اسی دین کی خلافت ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو مبعوث فرمایا ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ جو ترتیب خلافت ہے وہی ترتیب فضیلت ہے، شیخین کے بعد حضرت عثمانؓ کا مقام ہے اور ان کے بعد ان ہی کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رجل صالح مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ونیط عثمان بعمر اصحاب ثلاثہ کی خلافت کی ترتیب پر غیبی طور پر مطلع کیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

# باب مناقب علیؓ بن ابی طالب

## (حضرت علیؓ بن ابی طالب کے فضائل کا بیان)

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۲۱ احادیث جمع فرمائی ہیں، جن میں حضرت علیؓ کے آپؐ کے بھائی، آپؐ کے محبوب ومحب ہونے، آپؐ کی خصوصی دعاؤں ونوازشات کے مستحق ہونے، نیز ان کے علاوہ بہت سے امور کا ذکر ہے۔

**نام و نسب، خاندان:** علی نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، حیدر (شیر) لقب، والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی، چوں کہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی، اس لئے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرتؐ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ خاندان ہاشم عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت وعظمت حاصل تھی، وہ محتاج اظہار نہیں، خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنوہاشم کا مخصوص طغرۂ امتیاز تھا، اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔ حضرت علیؓ آپؐ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابوطالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے، قحط وخشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لئے رحمۃ للعالمینؐ نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت وپریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے حسب ارشاد جعفرؓ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات کی نگاہ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضورؐ کے ساتھ رہے۔ حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا، کہ ان کے شفیق مربی کو دربار خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، چوں کہ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لئے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے، چنانچہ ایک روز آنحضرتؐ اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو مصروف عبادت دیکھا تو اس موثر نظارہ نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ سرور کائنات نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر وشرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، متحیر ہو کر عرض کی، اپنے والد ابوطالب سے دریافت کروں؟ اس کے متعلق چوں کہ سرور کائنات کو ابھی اعلانِ عام منظور نہ تھا، اس لئے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے، تو خود غور کرو، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ آنحضرتؐ کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الٰہی شامل حال ہوئی، اس لئے زیادہ غور وفکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے، اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا؟ بعض روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضوں کے خیال میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کا ایمان سب پر مقدم ہے، لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عورتوں میں، حضرت ابوبکر صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ (سیر الصحابہ)

۲ھ میں آپ کا حضرت فاطمہؓ سے نکاح ہوا اور تقریباً دس گیارہ ماہ بعد حارث بن نعمان کے مکان میں رخصتی ہوئی۔ حضرت علیؓ نے تمام ہی غزوات میں شریک ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ حجۃ الوداع میں یمن سے آ کر شرکت کی، متعدد سرایا آپؓ کی امارت میں بھیجے گئے، وفات کے بعد حضورؐ کے غسل وتجہیز وتکفین میں حضرت علیؓ شریک تھے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کی مجمع عام میں آ کر بیعت کی، وہ دورِ صدیقی میں مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، حضرت عمرؓ بھی اپنے زمانہ خلافت میں ان پر خصوصی اعتماد کرتے تھے، اور ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ بیت المقدس جاتے وقت کارگزار انھوں نے حضرت علیؓ کو بنایا تھا۔ شیخین کی طرح حضرت عثمانؓ کے بھی وہ خصوصی مشیر رہے اور باغیوں کو بھی کافی سمجھایا۔

**خلافت:** شہادت عثمانؓ کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں انصار ومہاجرین کے اصرار پر آپؓ نے خلافت کا بارگراں اٹھایا، اس وقت حضرت علیؓ کے سامنے سب سے اہم مسئلہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینا تھا، لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ وہ اپنی تمام مخلصانہ کوششوں کے باوجود اس میں کامیاب نہیں ہوئے، اسی مسئلہ کو لے کر بعد میں جنگ جمل ہوئی۔ حضرت علیؓ نے خلافت پر فائز ہوتے ہی بیک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا، مورخین کے نزدیک یہ ایک سیاسی غلطی تھی، جس کا حضرت علیؓ کو کافی نقصان بھی اٹھانا پڑا اور اسی بنا پر حضرت معاویہؓ ان کے خلاف قصاص کا دعویٰ لے کر اٹھے، جس کے نتیجے میں کافی طویل جنگیں ہوئیں۔ آپؓ نے کوفے کو دارالخلافہ بنایا، جنگوں نے جب طول پکڑا تو تحکیم کا فیصلہ ہوا، اس موقع پر خوارج کے فرقے کا ظہور ہوا، جس کی حضرت علیؓ کو مسلح سرکوبی کرنی پڑی۔ شروع میں حضرت معاویہؓ کا قبضہ صرف شام پر تھا، پھر مصر قابو میں آیا اور انھوں نے مزید علاقوں کی طرف پیش رفت کی جس کے نتیجے میں دونوں فریقوں میں جھڑپیں ہوئیں جب خانہ جنگی زیادہ بڑھی تو ۴۰ھ میں حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے اپنے مقبوضات پر صلح کر لی۔ حضرت علیؓ کا پورا دور خانہ جنگی کا دور ہے اور انھیں کبھی سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملی۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے بیت المال محاصل تعزیز ودفاع اور عدل وانصاف میں خلافت کو فاروقی خطوط پر استوار کیا۔ حضرت علیؓ زہد وعبادت، امانت، شجاعت ودیانت، تواضع، اصابت رائے اور آہِ سحرگاہی کا پیکر تھے۔ تفسیر وحدیث فقہ وافتاء، قضاء واجتہاد، اسرار وحکم، شعر وخطابت اور دیگر علوم میں انھیں پورا ملکہ حاصل تھا اور سلوک و تصوف کے تو تمام سلسلے آپ ہی سے پھوٹے۔



**ازواج و اولاد:** حضرت علیؓ نے بالترتیب نو شادیاں کیں۔ بیویوں کے نام یہ ہیں: فاطمہ زہراءؓ، ام البنین بنت حرام، لیلیٰ بنت مسعود، اسماء بنت عمیس، صہبا یا ام حبیب بنت ربیعہ، امامہ بنت ابی العاص، خولہ بنت جعفر، ام سعید بنت عروہ، لحیاط بنت امراء القیس ان کے علاوہ کچھ باندیاں بھی تھیں۔ حضرت علیؓ کی کل اولاد کی تعداد ۳۱ ہے، چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں، ان میں صرف حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد ابن حنفیہ اور عمر سے سلسلہ نسب چلا بیشتر حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

**شہادت:** واقعہ نہروان کے بعد خوارج نے علی ومعاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا فیصلہ کیا اور تینوں حضرات کے لئے الگ الگ آدمی متعین ہوئے۔ رمضان ۴۰ھ میں صبح سویرے تینوں بزرگوں پر حملہ ہوا، حضرت معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا جب کہ عمرو بن عاصؓ اس دن امامت کے لئے نہیں آئے، اس لئے ان کا قائم مقام شخص دھوکہ میں مارا گیا۔ حضرت علیؓ پر ابن ملجم نے حملہ کیا وار اتنا کاری تھا کہ زندگی کی امید نہ رہی۔ آپ نے حضرات حسنینؓ کو بلا کر کچھ نصیحتیں کیں اور بیس رمضان المبارک ۴۰ھ جمعہ کی رات نبوی کہکشاں کا یہ درخشاں ستارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ نماز جنازہ حضرت حسنؓ نے پڑھائی اور کوفے کے قبرستان میں آپ دفن کئے گئے۔ خوارج کے ڈر سے قبر کو مخفی رکھا گیا تھا، اس لئے وہ آج تک نامعلوم چلی آتی ہے۔ شہادت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر ۶۳ سال تھی اور خلافت کی مدت چار سال نو مہینے رہی۔

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۲۸۸۱ ﴿حضرت علیؓ کی آپؐ سے قربت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۸۷**

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۶ ج ۱، باب مناقب علی، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۷۰۶، مسلم، ص ۲۷۸ ج ۲، باب من فضائل علی، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۰۴

**حل لغات:** مَنْزِلَةٌ (ج) مَنَازِلُ مقام۔

**ترجمہ:** حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا تم میرے لیے ایسے ہی ہو، جیسے موسیٰ کے لیے ہارونؑ تھے، بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** غزوۂ تبوک اور اس کی غیر معمولی اہمیت کا ذکر حضرت عثمانؓ کے فضائل کے سلسلہ میں کیا جاچکا ہے، یہ حضورؐ کا آخری غزوہ تھا اور بعض پہلوؤں سے سب سے اہم غزوہ تھا، جس میں روایات کے مطابق تیس ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر آپؐ کے ساتھ تھا، مدینہ منورہ کے سب ہی اہل ایمان جو آپؐ کے ساتھ جاسکتے تھے، لشکر میں شامل تھے، بس وہ منافقین جن کو ایمان کی حقیقت نصیب نہیں تھی جھوٹے بہانے کر کے لشکر میں شامل نہیں ہوئے تھے (مومنین صادقین میں سے بھی دو چار ایسے تھے جو ساتھ چلنے کی نیت رکھنے کے باوجود کسی وجہ سے ساتھ نہیں جاسکے تھے)، رسول اللہؐ کی ازواج مطہرات، اور صاحبزادی سیدہ فاطمہ طاہرہؓ اور ان کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں اور لشکر میں جانے والے سب ہی صحابہ کرام کے اہل وعیال مدینہ ہی میں چھوڑ دیئے گئے تھے، چوں کہ سفر دور دراز کا تھا، اندازہ تھا کہ واپسی طویل مدت میں ہوسکے گی، اس لیے آپؐ نے ضروری سمجھا کہ اس مدت کے لیے کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑ دیا جائے، تاکہ خدانہ کرے اگر کوئی خارجی یا داخلی فتنہ برپا ہو، تو اس کی قیادت میں اس سے مدینہ میں رہ جانے والوں کی اور دین کی حفاظت کی کارروائی کی جاسکے، اس کے لیے آپؐ نے حضرت علیؓ کو زیادہ مناسب سمجھا اور ان کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ نہ چلیں، بلکہ مدینہ میں رہیں۔ روایات میں ہے کہ بعض بدباطن منافقین نے کہنا شروع کیا کہ رسول اللہؐ نے علیؓ کو اس لیے ساتھ نہیں لیا کہ ان کو اس کا اہل نہیں سمجھا، بس بچوں اور عورتوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا، حضرت علی مرتضیٰؓ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "اتخلفنی علی الصبیان و النساء" (کیا آپؐ مجھے بچوں اور عورتوں پر خلیفہ اور نگراں بنا کر چھوڑے جارہے ہیں؟) حضورؐ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا "کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ مجھ سے وہ ہو جو ہارون کا موسیٰ سے تھا، بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا" سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۴۲ میں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو تورات عطا فرمانے کے لیے طور سینا پر طلب فرمایا (تاکہ وہاں چالیس دن تک گویا اعتکاف کریں اور عبادت ودعا ومناجات میں مشغول رہیں، جس طرح رسول اللہؐ نزول قرآن سے پہلے غار حرا میں رہے تھے) تو موسیٰ نے جاتے وقت اپنے بھائی ہارونؑ کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اپنی قوم بنی اسرائیل کی اصلاح وتربیت اور فتنوں سے حفاظت کا ذمہ دار بنا کر قوم کے ساتھ چھوڑ دیا تھا، تو رسول اللہؐ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کو جواب دیا کہ میں تم کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اسی طرح مدینہ میں چھوڑ رہا ہوں جس طرح اللہ کے پیغمبر موسیٰ نے طور سینا جاتے وقت اپنی عدم موجودگی کے زمانہ تک کے لیے ہارونؑ کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر قوم میں چھوڑا تھا۔ بلاشبہ حضرت علیؓ کی یہ بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے زمانۂ سفر کے لیے انہیں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر مدینہ منورہ میں چھوڑا اور یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہؐ کی قرابت قریبہ اور بعض دوسرے وجوہ سے بھی جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اس کام کے لیے حضرت علیؓ ہی زیادہ موزوں تھے (یہ بھی ملحوظ رہے کہ شیخین اور دوسرے تمام ہی اکابر صحابہ لشکر میں حضورؐ کے ساتھ جانے والوں میں تھے اور حضورؐ اہم معاملات میں مشورہ کے لیے بھی ان کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے)۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شیعہ علماء ومصنفین غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہؐ کے اس عمل اور اس ارشاد کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی خلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت علیؓ ہی تھے، اور آپؐ نے ان کو اپنی زندگی میں خلیفہ بنا کر اپنے بعد کے لیے خلافت کا مسئلہ بھی طے فرمادیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس دلیل کی رکاکت اور غیر معقولیت سمجھنے کے لیے کسی خاص درجہ کی عقل وفہم کی ضرورت نہیں۔ سفر وغیرہ کی

محدود مدت کے لیے عارضی طور پر کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنانے میں اور رسول اللہؐ کے بعد کسی کے مستقل خلیفہ اور امت کی امامت عامہ میں جو فرق ہے اسکو ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ پھر اگر ایسا ہوا ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انکے خلیفہ اور انکی جگہ امت کے امام عام حضرت ہارونؑ ہوئے ہوتے تب تو یہ واقعہ کسی درجہ میں دلیل ہو سکتا تھا، لیکن معلوم و مسلم ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰ کی زندگی ہی میں روایات کے مطابق حضرت موسیٰ کی وفات سے چالیس سال پہلے وفات پا گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد انکے خلیفہ یوشع ہوئے، اس سلسلہ میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ تبوک کو جاتے وقت حضرت علی مرتضیٰؓ کو تو اپنی جگہ گویا مدینہ کا امیر و حاکم اور خلیفہ بنایا تھا، لیکن مسجد نبوی میں اپنی جگہ نماز کی امامت کے لیے عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مقرر فرمایا تھا، حالانکہ حضرت علیؓ ہر حیثیت سے ان سے افضل تھے۔ راقم سطور کے نزدیک حضور ﷺ نے یہ اسی لیے کیا تھا کہ غزوۂ تبوک کے زمانہ میں حضرت علیؓ کی اس خلافت و نیابت کو حضورؐ کی مستقل خلافت اور امامت عامہ کی دلیل نہ بنایا جا سکے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح**

انت منی بمنزلة هارون آپؐ نے حضرت علیؓ کو تسلی دی ہے، بخاری کی روایت میں ہے اما ترضی ان تکون منی حضرت ہارونؑ پیغمبر بھی تھے اور حضرت موسیٰؑ کے بھائی بھی، بنی اسرائیل میں رہ جانے میں اُن کے لیے نہ بے توقیری تھی اور نہ انھیں ایسی کوئی بات محسوس ہوئی تھی، بلکہ یہ اُن کے لیے اعزاز تھا کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے جانشین بن کر رہ گئے تھے، اور یہاں حضرت علیؓ کے لیے بھی یہ اعزاز کی بات تھی۔ (کشف الباری) اس روایت سے شیعہ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ استدلال غلط ہے، جیسا کہ خلاصہ حدیث میں ذکر ہوا۔ یہ استدلال اس لیے بھی جائز نہیں ہے کہ جب بھی آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو کسی نہ کسی شخص کو ضرور اپنا نائب مقرر فرماتے تھے، چنانچہ بنو نضیر سے جنگ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا، غزوہ ذات الرقاع کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کو اپنا نائب متعین فرمایا تھا، مدینہ منورہ پر خلیفہ بنانا حضرت علیؓ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، اس لیے اگر حضرت علیؓ خلافت بلافصل کے مستحق اور زیادہ حقدار تھے تو پھر دیگر صحابہؓ کو بھی ہونا چاہئے۔ (تکمیل الحاجہ) بلاشبہ حدیث میں حضرت علیؓ کے لیے بڑی فضیلت ہے کہ ان کو حضرت ہارونؑ پیغمبر سے تشبیہ دی گئی ہے، لیکن اس سے بڑی فضیلت وہ ہے جب آپ نے اسیران بدر کے معاملہ میں ابوبکرؓ کو ابراہیمؑ و عیسیٰؑ سے اور عمرؓ کو نوحؑ و موسیٰؑ سے تشبیہ دی، یہ انبیاء جب حضرت ہارونؑ سے افضل ہیں، تو شیخین بھی حضرت علیؓ سے افضل قرار پائیں گے۔ (ضیاء السنن) لا نبی بعدی اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ حضورؐ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو علیؓ نبی ہوتے اور یہ منافی نہیں ہے، اس حدیث کے جو صراحتاً حضرت عمرؓ کے بارے میں آئی ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ نبی ہوتے، اس لیے کہ آنحضرتؐ کا مقصود یہ ہے کہ اگر سلسلہ نبوت جاری ہوتا اور میرے بعد نبی آتے، تو میرے صحابہؓ کی جماعت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس منصب کے اہل اور لائق ہیں، اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جس میں آپؐ نے فرمایا "لو عاش ابراهیم لکان نبیا" (اگر ابراہیم نبی کے بیٹے زندہ رہتے تو وہ نبی ہوتے)۔ (جدید مظاہر حق)

### حدیث نمبر ۲۸۸۲ ﴿حب علیؓ علامت ایمان ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۸۸

وَعَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ إِنَّهُ لَعَهِدَ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ أَنْ لَا يُحِبَّنِيْ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضَنِيْ إِلَّا مُنَافِقٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حواله:** مسلم، ص۶۰ ج ۲، باب الدليل على ان حب الانصار الخ، کتاب الایمان، حدیث ۷۸

**حل لغات:** بَرَأَ (ف) بَرْءً ا پیدا کرنا۔ اَلنَّسَمَةُ (ج) نَسَمٌ ہر جاندار مخلوق۔ یُبْغِضُ، اَبْغَضَ (افعال) اِبْغَاضًا بغض رکھنا۔

**ترجمہ:** حضرت زر بن حبیشؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا قسم ہے اس پاک ذات کی جو دانے کو پھاڑ کر پودا نکالتا ہے اور جس نے جانداروں کو پیدا فرمایا، نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ سے وہی بندہ محبت کرے گا جو مومن صادق ہوگا اور وہی شخص مجھ سے بغض وعداوت رکھے گا جو منافق ہوگا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ وارضاہ کو جن عظیم انعامات اور دینی فضائل سے نوازا، مثلاً یہ کہ وہ رسول اللہ کی دعوتِ اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں ہیں، اور مثلاً یہ کہ وہ رسول اللہؐ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور حضورؐ ان سے محبت فرماتے تھے، اور یہ کہ آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے نکاح میں دے کر دامادی کا شرف عطا فرمایا، اور اکثر غزوات میں وہ حضورؐ کے ساتھ رہے اور بار بار میدان جہاد وقتال میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر کارہائے نمایاں انجام دیئے، اور غزوۂ خیبر میں رسول اللہؐ نے اپنے ارشاد وعمل سے یہ ظاہر فرمادیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے محب اور محبوب ہیں، الغرض ان اور ان جیسے اُن کے دوسرے فضائل اور خداوندی انعامات کا یہ حق ہے کہ ہر مومن صادق ان سے محبت کرے اور ان سے بغض وکینہ رکھنے والوں کے متعلق سمجھا جائے کہ وہ ایمان کی حقیقت سے محروم اور نفاق کے مریض ہیں؛ البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ محبت سے مراد وہی محبت ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک معتبر اور شریعت کی حدود میں ہو، ورنہ حضرت علی مرتضیٰ سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں میں سب سے پہلا نمبر ان بدبختوں کا ہے جنھوں نے ان کو خدا مانا، پھر ان بدنصیبوں کا ہے، جن کا عقیدہ ہے کہ نبوت کے اصل مستحق حضرت علی مرتضیٰؓ تھے، اللہ نے جبرئیلؑ کو انہیں کے پاس بھیجا تھا وہ غلطی سے محمد بن عبداللہ کے پاس پہنچ گئے، اسی طرح شیعوں کے اسماعیلیہ ونصیریہ وغیرہ فرقے جو اپنے اماموں کے بارے میں مشرکانہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ خدا کا روپ ہیں اور خداوندی صفات واختیارات ان کو حاصل ہیں، اسی طرح وہ شیعہ اثناعشریہ جو حضرت علی مرتضیٰؓ اور ان کی اولاد میں گیارہ شخصیتوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں، رسولوں کی طرح نامزد امام معصوم مفترض الطاعۃ، تمام انبیاء سابقین سے افضل، کمالات میں ان سے فائق، صاحب وحی وکتاب وصاحبِ معجزات اور متصرف فی الکائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ محبت ایسی ہی ہے جیسی محبت کا دعویٰ نصاریٰ حضرت عیسیٰ سے کرتے ہیں، جس نے ان کو مشرک اور جہنمی بنادیا، الغرض حضرت علی مرتضیٰؓ سے اس طرح کی محبت کرنے والے فرقے مشرک فی الالوہیت یا مشرک فی النبوہ ہیں، حضرت علی مرتضیٰؓ ان سے بری اور بیزار ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے نزدیک مقبول محبت وہی ہے جو حضرت علی مرتضیٰؓ اور ان کی اولاد بزرگان دین سے اہل السنۃ والجماعت کو نصیب ہے۔ اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے بغض رکھنے والوں کو منافق فرمایا گیا، اس کا خاص مصداق خوارج ونواصب ہیں، جنھوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ پر قرآنی ہدایت سے انحراف کا بہتان لگایا اور ان کو دینی حیثیت سے گمراہ قرار دیا اور انھیں میں سے ایک بدبخت عبدالرحمان بن ملجم نے حضرتؓ کو شہید بھی کیا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خود صحابہ کرامؓ میں اختلافات پیدا ہوئے اور جمل وصفین کی جنگوں کی بھی نوبت آئی، یہ اختلافات کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے، صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی حضرت علی مرتضیٰؓ کو دینی حیثیت سے گمراہ سمجھ کر ان سے بغض نہیں رکھتا تھا، یہ اجتہادی اختلاف تھا اور ہر فریق نے دوسرے فریق کے مومن اور مسلم ہونے کا اظہار واعلان فرمایا، بعد میں اس جنگ وقتال پر فریقین کو رنج وافسوس ہوا اور اس سب کے بعد سیدنا حضرت حسنؓ کی مصالحت نے ثابت کردیا کہ جو کچھ ہوا بغض وعداوت کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ اجتہادی اختلاف کی وجہ سے ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا "ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین" (میرا یہ بیٹا عظیم المقام سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے تھے، کوئی گروہ بھی

منافق نہیں تھا۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یحبنی الا مؤمن و لا یبغضنی الا منافق حضرت علیؓ سے سچی محبت جو افراط وتفریط سے پاک ہو مومن ہی کرسکتا ہے اور ان سے بغض منافق ہی پال سکتا ہے، اور ایک دوسری حدیث میں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے علی! دو جماعت ہلاک ہوں گی ایک تو تجھ سے محبت میں غلو کرنے والی اور دوسری جماعت تجھ سے نفرت وبغض رکھنے والی، چنانچہ آپ کی اس پیشین گوئی کے مطابق حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ہی دو جماعتیں پیدا ہوگئی تھیں، ایک جماعت نے تو آپؓ سے اس قدر محبت کا اظہار کیا کہ آپ کو درجہ عبدیت سے نکال کر الوہیت تک پہنچادیا، اور آپؓ کے لیے طرح طرح کے اختیارات وتصرفات ثابت کئے، جس کی وجہ سے وہ گمراہ قرار دیئے گئے اور یہ غلاۃ شیعہ کا فرقہ ہے، دوسری جماعت ایسی پیدا ہوئی جو بغض علیؓ میں دین اسلام سے خارج قرار دی گئی، اور وہ خوارج کا فرقہ ہے، جو حضرت علیؓ کے دشمن تھے، اس لیے آپ کا یہ فرمانا کہ اے علی! تمہارے ساتھ صرف مومن ہی سچی محبت کا معیار قائم کرسکتا ہے، اور محبت کے اندر اعتدال باقی رکھ سکتا ہے، اپنی جگہ برحق اور درست ہے۔ (تکمیل الحاجہ)

**سوال:** اب ایک طالب علم کے ذہن میں ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کے درمیان اس طرح کے واقعات کیوں کر رونما ہوئے؟

**جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کا ارادہ جنگ وجدال کا نہیں تھا بلکہ ہر ایک کے سامنے کوئی شرعی قانون یا شرعی مصلحت تھی، لیکن منافقین نے اس کو جنگ کی صورت دے دی۔ (نفع المسلم)

**حدیث نمبر ۲۸۸۳ ﴿غزوۂ خیبر میں حضرت علیؓ کا امتیاز﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۸۹**

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ أَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ فَقَالُوْا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ قَالَ فَأَرْسِلُوْا إِلَيْهِ فَأُتِيَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ حَتّٰى كَأَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا قَالَ انْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمُرُ النَّعَمِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ الْبَرَاءِ قَالَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْكَ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ.

**حوالہ:** بخاری، ص۶۰۵ ج۲، غزوہ خیبر، کتاب المغازی، حدیث ۴۲۱۰، مسلم، ص۲۷۹ ج۲، باب من فضائل علی، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۴۰۶

**حل لغات:** الرایة (ج) رَایَاتٌ جھنڈا۔ یشتکی، اِشْتَکیٰ (افتعال) اِشْتِکَاءً شکایت کرنا۔ بَصَقَ (ن) بَصْقًا تھوکنا۔

**ترجمہ:** حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا کہ کل میں یہ پرچم ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرادے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول کا محب اور محبوب ہوگا، پس جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ سب امید اور تمنا رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرچم ان کو عطا

فرمادیں گے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے، (اسی لیے وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں) آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجو، چنانچہ ان کو بلا کر لایا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا آبِ دہن (یعنی تھوک) ڈال دیا، تو وہ ایسے اچھے ہوگئے کہ گویا ان کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم ان کو عنایت فرمایا (یہ اس کا نشان تھا کہ آج لشکر کے سپہ سالار اور قائد یہ ہوں گے) تو حضرت علیؓ نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا کہ کیا میں خیبر والوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ ہماری طرح ہوجائیں (یعنی اسلام قبول کرلیں)؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم آہستہ روی کے ساتھ جاؤ، یہاں تک کہ ان کی زمین اور ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو بتلادو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اُن پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق واجب ہوگا، خدا کی قسم یہ بات کہ تمہارے ذریعہ ان میں سے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب ہوجائے تمہارے حق میں اس سے بہتر ہے کہ مال غنیمت میں سرخ اونٹ تم کو ملیں (بخاری و مسلم) اور حدیث براء... الخ ذکر کی جاچکی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** خیبر مدینہ سے ۱۸۴ رکلومیٹر (قریباً سوا سو میل) شمال میں واقع ہے، یہ یہودیوں کی بستی تھی، یہ وہ یہودی تھے جو کسی زمانے میں شام سے نکالے گئے اور یہاں آکر بس گئے تھے، یہ سب دولت مند اور سرمایہ دار تھے، یہاں انہوں نے بہت مضبوط قلعے بنالیے تھے اور اس وقت کے معیار کے مطابق جنگی ساز و سامان کا اچھا ذخیرہ بھی رکھتے تھے، یہ علاقہ سرسبز و شاداب اور بہت زرخیز تھا، مدینہ منورہ کے قرب و جوار کے جن یہودیوں کو ان کی غداریوں اور شرارتوں کی وجہ سے نکالا اور جلاوطن کیا گیا تھا، وہ بھی یہیں آکر بس گئے تھے، یہ مسلمانوں کے خلاف سخت کینہ رکھتے اور سازشیں کرتے رہتے تھے، مدینہ منورہ جو رسولِ خداؐ کا دار الہجرۃ اور مسلمانوں کا دار الحکومت تھا، اس کے لیے خیبر کے یہ یہودی ایک مستقل خطرہ تھے ۶ھ کے اواخر میں رسول اللہؐ حدیبیہ سے واپس آکر اور قریش مکہ سے مصالحت اور دس سال کے لیے ناجنگ معاہدہ کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے، ذی الحجہ کا قریباً پورا مہینہ مدینہ ہی میں گزرا، محرم ۷ھ میں آپؐ نے خیبر کی خطرناک دشمن طاقت سے تحفظ اور مامون رہنے کے لیے قریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر ساتھ لے کر خیبر کی طرف کوچ فرمایا، خیبر کے قریب پہنچ کر جس جگہ کو لشکر کے قیام کے لیے مناسب سمجھا وہاں قیام فرمایا، حسبِ معمول آپؐ نے خیبر کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور ساتھ ہی یہ کہ اگر وہ فی الحال اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، تو سیاسی ماتحتی قبول کرکے جزیہ ادا کیا کریں، اور اگر ان میں سے کوئی بات قبول نہ کی گئی تو ہم اللہ کے حکم کے مطابق جنگ کریں گے، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دینا منظور کریں، خیبر کے یہودی سرداروں نے کسی بات کے بھی قبول کرنے سے متکبرانہ انداز میں انکار کردیا، اور جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے انہوں نے متعدد قلعے بنالیے تھے، جن میں سامان جنگ کے علاوہ کھانے پینے کی چیزوں کا بھی وافر ذخیرہ تھا، وہ مطمئن تھے کہ مسلمانوں کا لشکر کسی طرح بھی ان پر فتح نہ حاصل کرسکے گا؛ بہر حال جنگ شروع ہوئی اور کئی دن تک جاری رہی، مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے ان کے کئی قلعوں پر قبضہ کرلیا، لیکن ایک قلعہ جو بہت مضبوط اور مستحکم تھا اور اس کی حفاظت اور دفاع کا بھی غیر معمولی انتظام کیا گیا تھا، بار بار کے حملوں کے باوجود وہ فتح نہ ہوسکا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ کل میں یہ پرچم اور جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کا محب اور محبوب ہوگا اور اللہ اس کے ہاتھ پر یعنی اس کے ذریعہ فتح مکمل کرادے گا اور یہ آخری قلعہ بھی فتح ہوجائے گا اور اس طرح جنگ کا خاتمہ بالخیر ہوجائے گا، پھر یہاں کے یہودی یا تو اسلام قبول کرلیں گے یا سیاسی ماتحتی قبول کرکے جزیہ دینا منظور کرلیں گے، حضورؐ نے اس شخص کو نامزد نہیں فرمایا جس کو آئندہ کل پرچم دینے کا آپؐ کا ارادہ تھا، بس یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا محب و محبوب ہوگا، اور اللہ اس کے ذریعہ یہ آخری قلعہ بھی فتح کرادے گا، بلاشبہ یہ بڑی فضیلت اور

سعادت تھی اور بہت سے حضرات اس کے متمنی اور امیدوار تھے کہ کل پرچم ان کو عطا فرمایا جائے، حضرت علی مرتضیٰؓ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے، جب اگلی صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علی بن ابی طالب کدھر ہیں؟ لوگوں نے بتلایا ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے، اس لیے وہ اس وقت یہاں حاضر نہیں ہو سکے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کسی کو بھیج کر ان کو بلواؤ، چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کی دونوں آنکھوں میں تکلیف تھی، حضورؐ نے اپنا آبِ دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا، فوراً تکلیف جاتی رہی اور ایسے ہو گئے جیسے آنکھ میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، اس کے بعد آپ نے پرچم (جھنڈا) ان کو عطا فرمایا، یہ اس بات کی علامت تھی کہ آج لشکر کی قیادت یہ کریں گے، حضرت علی مرتضیٰؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں ان یہودیوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ اسلام قبول کر کے ہماری طرح ہو جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرما دے اور اس کو ایمان کی دولت حاصل ہو جائے تو یہ تمہارے واسطے اس سے بہتر ہوگا کہ تم کو غنیمت میں بہت سے سرخ اونٹ مل جائیں (اس زمانے میں سرخ اونٹ عربوں کے لیے عزیز ترین دولت تھی)، حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ ہماری جنگ کا مقصد دشمن پر فتح حاصل کر کے مال غنیمت سمیٹنا نہیں ہے، اصل مقصد اور نصب العین بندگان خدا کی ہدایت ہے، جہاد اور قتال فی سبیل اللہ میں بس یہی نصب العین پیش نظر رکھنا چاہئے اور اسی کے تقاضے کے مطابق رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ واضح رہے کہ صحیحین کی مندرجہ بالا حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں حاضرین مجلس اور اپنے مخاطبین کی خصوصیت یا کسی دوسرے وقتی تقاضے سے جنگِ خیبر کے آخری مرحلہ کا صرف اتنا ہی واقعہ بیان کیا ہے، جس سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ خاص فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے محبّ اور محبوب ہیں، یہ بھی بیان نہیں فرمایا کہ جیسا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا اس کے مطابق کہ حضرت علی مرتضیٰؓ ہی کے ہاتھ پر یہودیوں کا آخری قلعہ بھی فتح ہوا اور خیبر کی فتح مکمل ہوئی، اس حدیث میں ضمنی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے بھی معلوم ہوئے، ایک یہ کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی دونوں آنکھوں میں سخت تکلیف تھی، حضورؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا آبِ دہن ڈالا تو فوراً تکلیف دور ہو گئی اور وہ ایسے ہو گئے جیسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ دوسرا معجزہ یہ معلوم ہوا کہ آئندہ کل فتح مکمل ہو جانے کے بارے میں حضورؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہوئی، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہوئی اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسولؐ کے محبّ و محبوب ہیں اور الحمد للہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ اور امت کے سوادِ اعظم کا یہی عقیدہ ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے سوا کسی دوسرے کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا محبّ و محبوب ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والا ہر مومن صادق اپنے ایمانی درجہ کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کا محبّ و محبوب ہے، سورۂ آل عمران کی آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بھی اس کی دلیل اور شاہد عدل ہے۔ (معارف القرآن)

**کلماتِ حدیث کی تشریح**

یفتح اللّٰہ علیٰ یدیہ خیبر میں کئی قلعے تھے یہاں جس قلعے کی فتح کا ذکر ہے، وہ قلعہ قموص ہے، یہ قلعہ تمام قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا، یہود کا مشہور پہلوان مرحب اسی قلعہ میں تھا جو کہ ایک ہزار پہلوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا، یہ قلعہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوا اور مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا۔ یکونوا مثلنا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ہمارے جیسے مسلمان ہو جائیں، یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو جائیں۔ مِثْلَنَا میں تشبیہ صرف مسلمان ہونے میں ہے ایمانی کیفیت میں نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کیفیت کا تعلق انسان کے لیے اپنے اخلاص کے ساتھ ہے۔ وذکر حدیث البراء یعنی حضرت براء کی حدیث حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر مشتمل ہے، لیکن اس کا تعلق حضانت

کے ساتھ بھی تھا اس لیے اس کو وہاں ذکر کردیا گیا۔ (جدید مظاہر حق)

## الفصل الثانی

**حدیث نمبر ۲۸۸٤ ﴿حضرت علیؓ ہر مؤمن کے ولی ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۰**

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۲ ج۲، باب مناقب علی، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۱۲

**حل لغات:** ولی (ج) أولياء دوست، مددگار۔

**ترجمہ:** حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی مجھ میں سے ہیں اور میں ان سے ہوں، اور وہ ہر ایمان والے کے ولی ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث** صاحب مشکوۃ المصابیح نے جامع ترمذی کی اس روایت کا یہی آخری جز نقل کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، امام ترمذی نے وہ پورا واقعہ بھی نقل کیا ہے جس سلسلہ میں حضورؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔ واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو امیر بنا کر اُن کی سرکردگی میں ایک لشکر کسی مہم پر روانہ فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مدد سے مہم کامیاب ہوئی اور فتح حاصل ہوئی، لیکن لشکر میں شامل بعض لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے اس سلسلہ کے ایک عمل کو صحیح نہیں سمجھا اور واپس آ کر ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق حضورؐ سے حضرت علیؓ کی شکایت کی، آنحضرت کو ان کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی؛ کیوں کہ علی مرتضیٰؓ کے بارے میں ان کی شکایت صحیح نہیں تھی، غلط فہمی پر مبنی تھی، اس موقع پر آنحضرتؐ نے شکایت کرنے والوں پر ناگواری ظاہر فرمائی، اور حضرت علی مرتضیٰؓ پر اپنے اعتماد اور خصوصی قرابت و محبت کے خاص تعلق کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "ان علیا منی و انا منہ" ہماری اردو زبان کے محاورہ میں اس کا حاصل یہ ہے کہ "علی میرے ہیں اور میں علی کا ہوں"۔ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ اپنی محبت اور خصوصی تعلق کا اظہار انہیں الفاظ کے ساتھ حضورؐ نے مختلف مواقع پر فرمایا ہے، جیسا کہ آئندہ درج ہونے والی حدیث سے بھی معلوم ہوگا۔ ملحوظ رہے کہ حضورؐ نے بعض مواقع پر دوسرے بعض صحابہؓ کے ساتھ بھی اپنے خصوصی تعلق اور قرب و محبت کا انہیں الفاظ کے ساتھ اظہار فرمایا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک غزوہ میں شہید ہو جانے والے ایک صحابی حضرت جلیبیبؓ کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "ھذا منی و انا منہ" (یعنی یہ جلیبیبؓ مجھ میں سے ہیں اور میں ان سے ہوں) اسی طرح آپؐ نے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے قبیلہ اشعریین کے ایک طرز عمل کا ذکر فرما کر کہ جب وہ جہاد کے سفروں میں جاتے ہیں یا مدینہ کے قیام ہی کے زمانہ میں کھانے پینے کا سامان ان میں سے کچھ لوگوں کے پاس کم ہو جاتا ہے تو جو کچھ جس کے پاس ہوتا ہے وہ سب ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں، ان کے بارے میں ارشاد فرمایا "ھم منی و انا منھم" (یعنی یہ اشعریین مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں) ظاہر ہے جیسا کہ عرض کیا گیا، آنحضرت کی طرف سے یہ ان اشعریین کے ساتھ خصوصی محبت اور قرب و تعلق کا اظہار ہے، اس حدیث کو بھی امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ حدیث کا آخری جملہ ہے "وھو ولی کل مؤمن" ولی کے معنی دوست، مددگار اور سرپرست کے ہیں، قرآن مجید میں بھی یہ لفظ مختلف مقامات پر ان میں سے کسی ایک معنی میں استعمال ہوا ہے۔ زیر تشریح اس حدیث میں بظاہر یہ لفظ دوست اور محبوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب و مدعا یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان کو علیؓ کے ساتھ دوستی و محبت ہی کا تعلق رکھنا چاہئے، میرے ساتھ ان کے خصوصی تعلق کا یہ بھی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک کی اور اپنے سب محبین اور محبوبین کی (جن میں بلاشبہ حضرت علی مرتضیٰ کا بھی خاص مقام و مرتبہ

ہے) محبت اس عاجز کو اور سب اہل ایمان کو نصیب فرمائے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** وھو ولی کل مومن علیؓ ہر مومن کے دوست ہیں۔ شیعہ اس حدیث سے حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں اور ان کا استدلال دو بنیادوں پر ہے (۱) علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں، لہٰذا آپؐ کے بعد علیؓ کو خلیفہ ہونا چاہئے، لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ محاورہ ہم مزاجی پر دلالت کرتا ہے اور جیسا کہ گذرا آپؐ نے اس کو حضرت علیؓ کے علاوہ لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ (۲) شیعہ کہتے ہیں کہ یہاں "ولی" والی کے معنی میں ہے اور بعض روایات میں "من بعدی" بھی ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ علیؓ آپؐ کے بعد خلیفہ بلا فصل ہوں گے، ولی کے معنی والی کے نہیں ہیں۔ یہ دو الگ الگ لفظ ہیں، مترادف نہیں ہیں اور دونوں ولایت سے مشتق ہیں، اور ولایت کے دو معنی ہیں: دوستی اور امارت، پہلے معنی کے لیے لفظ ولی ہے، اور دوسرے معنی کے لیے لفظ والی ہے، فقہ میں نماز جنازہ کے سلسلہ میں عبارت ہے: **اذا اجتمع الولی والوالی فقدم الوالی**" جب میت کا ولی اور حاکم جمع ہوں تو نماز پڑھانے کا حق والی (حاکم) کا ہے۔ اور حدیث میں ولی کے معنی دوست کے ہیں، اس کی ضد عداوت ہے اور حدیث کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علیؓ سے ہر مسلمان کی دوستی ہونی چاہئے کسی کو بھی ان سے عداوت نہیں رکھنی چاہئے ورنہ اس کا انجام برا ہوگا۔ اور حضرت عمران بن حصینؓ کی اس حدیث میں من بعدی کے الفاظ صرف جعفر بن سلیمان ضبعی روایت کرتا ہے، اور حضرت بریدہؓ کی حدیث میں یہ الفاظ صرف اجلح کندی بڑھاتا ہے، اور یہ دونوں راوی شیعہ ہیں، اس لیے ان کی روایتوں کا اعتبار نہیں۔ اور شیعوں کا استدلال انہی باتوں پر موقوف ہے، پس ان کا استدلال باطل ہوگیا۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۲۸۸۵ ﴿غدیری افسانے کی حقیقت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۱

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۳۶۸ ج ۴، ترمذی، ص ۲۱۳ ج ۲، باب مناقب علیؓ، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۱۳

**حل لغات:** مولی پروردگار، مالک، آقا، مخلص دوست، ساتھی، رفیق، آزاد کردہ غلام، غلام آزاد کرنے والا (ج) موالی ان کے علاوہ بھی اس لفظ کے معانی آتے ہیں۔



**ترجمہ:** اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جس کا دوست ہوں، علیؓ بھی اس کے دوست ہیں۔ (احمد، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے ایمان والوں کو ترغیب دی ہے کہ حضرت علیؓ سے محبت رکھیں، معمولی باتوں کی وجہ سے ان سے ناراض نہ ہوں، گذشتہ روایت میں بھی اسی کے قریب مضمون ہے اور وہاں بھی کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کی شکایت کی تھی جس پر آپؐ نے حضرت علیؓ سے اپنے تعلق کا اظہار کیا تھا، یہاں بھی کچھ لوگوں کی شکایت پر آپؐ نے ... جسے مجھ سے محبت ہے وہ علیؓ سے محبت کرے۔ لوگوں کو حضرت علیؓ سے شکایت کیوں ہوئی تھی؟ اور بھی تو صحابہؓ تھے، ان سے لوگوں کو شکایت کیوں نہیں ہوئی تھی؟ اور حضرات سے بھی شکایت ہوئی تھی، اس میں حضرت علیؓ کی کچھ تخصیص نہیں تھی۔ مثلاً آخری مہم جو رسول اللہؐ نے ترتیب دی تھی، وہ جیش اسامہ تھا، اس لشکر میں بڑے بڑے حضرات شامل تھے، اور اس کا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ کو بنایا گیا تھا، اس موقع پر کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی نوعمری کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا، تو رسول اللہؐ نے فرمایا: اگر تم لوگ ان کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کرتے ہو تو ان سے پہلے ان کے والد کے سپہ سالاری پر بھی طعنہ زنی کر چکے ہو، حالاں کہ وہ خدا کی قسم! سپہ سالاری کے اہل تھے، اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے، اور یہ بھی ان کے بعد میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں!" (بخاری) یہ ایک مثال

میں دو مثالیں ہیں۔ اور تتبع کیا جائے تو ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔ بخاری میں ہے: ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عمرؓ کو شکایت ہوئی، پس آپؐ نے حضرت عمرؓ کو فہمائش کی، اور فرمایا ھل انتم تارکو لی صاحبی کیا تم میرے رفیق سے قطع تعلق کرو گے؟ غرض شکایتیں ہوتی رہتی ہیں یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** من کنت مولاہ فعلی مولاہ شیعوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ حضرت علیؓ آپؐ کے بعد پہلے خلیفہ راشد تھے اور اصحاب ثلاثہ انکے حق کو غصب کرنیوالے تھے انکے عقیدہ کی بنیاد یہی حدیث ہے۔

غدیری افسانے کی بنیاد پر شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں، اس پورے معاملے کی بھرپور وضاحت والد ماجد حضرت مولانا عبدالعلی فاروقی مدظلہ العالی کی بصیرت افروز کتاب ''اسلام اور شیعیت ایک تقابلی جائزہ'' سے نقل کی جارہی ہے۔

اسلامی عقائد اور تاریخی حقائق کے رو سے امیر المومنین حضرت علیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے خلیفۂ راشد تھے، اور انہوں نے اپنے دور خلافت میں اپنے سے پہلے تینوں خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ہی کے نقوش قدم پر حتیٰ المقدور چلنے کی کوشش کی، اگرچہ انکو اس سلسلہ میں بڑے دشوار گذار مراحل طے کرنا پڑے لیکن شیعوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ حضرت علیؓ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفۂ راشد تھے، اور ان کے پیش رو تینوں خلفاء نعوذ باللہ حق پر نہ ہو کر خلافت کے غاصب تھے۔

اس عقیدہ یا نظریہ کو پیش کرنے والوں کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ تاریخ کی یہ کڑوی سچائی ہے کہ خلافت راشدہ کے ۳۰ سالہ دور میں سے ابتدائی ۲۵ سال (جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ یکے بعد دیگر خلیفہ ہوتے رہے) ہی پوری اسلامی تاریخ کا سب سے قیمتی سرمایہ اور اسلامی تعلیمات کے مکمل نفوذ کا دور کہلانے کے لائق ہیں، اور اگر خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت کو اسلامی تاریخ سے الگ کر کے اسے نعوذ باللہ غاصبوں اور باغیوں کا دور حکومت قرار دے دیا جائے، تو ایک انصاف پسند مورخ اور دیانت داری و سچائی کے ساتھ تجزیہ کرنے والا انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ ''اطاعت گذاروں'' سے بہتر تو یہ ''باغی'' ہی تھے، جن کے دم سے اسلامی نظام کو پھلنے پھولنے ہی کا موقع نہیں ملا، بلکہ جنہوں نے اپنے اقوال و کردار سے اسلامی تعلیم اور اسلامی نظام کا ایک ایسا نمونہ پیش کر دیا جس سے اوپر کی بات آج تک دنیا سوچ بھی نہ سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی جانشیں اور ''اول الخلفاء'' زبان سے کہہ دینا تو آسان ہے، لیکن ان کے دور خلافت کا پچھلے تینوں خلفاء کے دور خلافت سے موازنہ کرتے ہوئے انہیں پہلی خلافت کا حق دار قرار دینا اور حقائق و واقعات کی روشنی میں حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ سے افضل و برتر ثابت کرنا ناممکن و محال ہے کیوں کہ تاریخ کی بے رحم سچائیاں عقیدت اور نفرت سے بے نیاز ہوا کرتی ہیں۔ اس مشکل کو عبور کرنے کے لئے یہ راستہ نکالا گیا کہ زبان پیغمبر سے علیؓ کی جانشینی اور پہلی خلافت کا اعلان کرا دیا جائے تا کہ کسی اختلاف کی گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے، اور فرمان پیغمبر کو ذریعہ سعادت و نجات سمجھ کر بے چون و چرا تسلیم کر لیا جائے ـــــ یہ ہے حدیث غدیر اور اس کی من مانی توضیحات و تشریحات کا پس منظر، جس کو سمجھ لینے کے بعد آگے کی کارروائیوں کو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو گی۔

**حدیث غدیر اور اس کی تشریحات:** شیعہ جس ''فرمان رسولؐ'' کو حضرت علیؓ کے جانشین پیغمبر اور اول الخلفاء ہونے کے لئے مدار قرار دیتے ہیں، اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی میں ''غدیر خم'' کے مقام پر اپنے تمام اصحابؓ کے مجمع میں ایک تقریر فرمائی جس میں اولاً حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب اور ان کی رفعت شان کا تذکرہ فرمایا اور پھر ان کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر مجمع کی طرف ان کا رخ کرتے ہوئے فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ میں جس کا امام حاکم اور پیشوا ہوں، علیؓ بھی اس کے امام حاکم اور پیشوا ہیں۔ اور اس ارشاد پیغمبر کا منشاء علیؓ کے ''دوستوں اور

دشمنوں'' کے بھرے مجمع میں اس بات کا واشگاف انداز میں اعلان تھا کہ میرے بعد میرے جانشین علیؓ ہوں گے پس جن لوگوں نے میری اطاعت قبول کی ہے ان پر میرے جانشین کی حیثیت سے علیؓ کی اطاعت بھی لازم ہوگی۔''

حدیث رسولؐ من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی تشریح یا اس کے پس منظر کے سلسلہ میں شیعوں کی طرف سے بیان کیا جاتا ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت کریمہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (اے رسول اللہ کی طرف سے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے کہا کہ مجھے بڑا ڈر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت جبرئیل نے دریافت کیا کہ ڈر کس بات کا؟ فرمایا کہ اس چیز (خلافت علیؓ) کے دشمنان علیؓ کے سامنے اعلان وتبلیغ سے ڈر معلوم ہوتا ہے، پیغمبر کا یہ پیغام لے کر جبرئیل اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوئے، اور ان کا حال بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو اعلان خلافت علیؓ سے ڈر رہے ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو آیت کا اگلا ٹکرا لے کر بھیجا وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (اور اے پیغمبر اگر تم نے یہ کام (خلافت علیؓ کا اعلان) نہ کیا تو خدا کا پیغام پہنچانے کا حق ہی نہ ادا ہوگا) اس کے (یعنی اتنی سخت دھمکی کے) باوجود بھی رسول خدا کا ڈر ختم نہ ہوا، اور انہوں نے جبرئیل سے اپنے اندیشوں کا اظہار کرتے ہوئے یہی کہا کہ (چاہے رسالت وپیغمبری کا حق ادا نہ ہو) میں دشمنان علیؓ کے خوف سے ان کی خلافت کا اعلان کرنے سے معذور ہوں اب جبرئیل دوبارہ پھر خدا تعالیٰ کے پاس گئے اور ان سے پیغمبر کے ڈر وخوف کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ان کی سفارش کی کہ دشمنوں سے حفاظت کی ضمانت کے بغیر وہ واقعی ایسے ''مہتم بالشان'' اعلان سے معذور ہیں، بھلے ہی رسالت کا حق ادا نہ ہو، تب خدا تعالیٰ کو اپنے پیغمبر پر رحم آیا، اور انہوں نے جبرئیل سے فرمایا کہ جاؤ میرے پیغمبر کو آیت کا اگلا ٹکرا بھی سنا دو کہ واللہ یعصمک من الناس (اللہ لوگوں (دشمنان علیؓ) سے تمہاری حفاظت کرے گا اور تم کو بچائے گا) اس ضمانت وحفاظت کی ذمہ داری کے بعد پیغمبر خدا نے خلافت علیؓ کا اعلان ان الفاظ میں کیا من کنت مولاہ فعلی مولاہ (جس کا مولیٰ میں ہوں اس کے مولیٰ علی ہیں)

**چند قابل توجہ باتیں:** (۱) حضرت علیؓ کے اعلان خلافت کے سلسلہ میں جو مندرجہ بالا حدیث پیش کی جاتی ہے اسے ''حدیث غدیر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ جیسا کہ بیان کی گئی یہی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان حج کی ادائیگی کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپس جاتے ہوئے ''غدیر خم'' کے مقام پر کیا تھا۔

اس بیان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ کہ ''غدیر خم'' مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع کوئی مقام ہوگا، حالانکہ اس حقیقت سے انکار کی آج بھی کوئی جرأت نہیں کرسکتا کہ مکہ سے مدینہ جانے والے کسی بھی راستہ پر ''غدیر خم'' نامی کوئی مقام ہے ہی نہیں، بلکہ یہ مقام مکہ سے مدینہ جانے والے راستوں سے الگ ہٹ کر کافی فاصلہ پر واقع ہے، پھر کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ جانے والے راستہ کو چھوڑ کر اپنے ہزاروں اصحاب کے ساتھ صرف خلافت علیؓ کا اعلان کرنے کے لئے ''غدیر خم'' کے مقام پر گئے تھے؟ اگر ایسا ہوا تو اس کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ کیا اتنے اہم اعلان کے لئے عرفات کے میدان سے زیادہ موزوں کوئی جگہ ہوسکتی تھی۔ جہاں ایک ہی وقت میں تمام حج کرنے والوں کا جمع ہونا لازمی ہے، اور جہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وہ تاریخی اور مہتم بالشان خطبہ بھی دیا تھا جسے ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن اس پورے خطبہ میں اشارتاً یا کنایتاً کسی بھی طرح خلافت علیؓ کے تذکرہ کی بات کوئی نہیں کرتا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ خطبہ حجۃ الوداع اور میدان عرفات سے رخصت ہونے کے بعد پیغمبر کو خلافت علیؓ کے اعلان کا حکم دیا گیا تو بھی ''غدیر خم'' کے مقام کے انتخاب کی کوئی معقول وجہ پیش نہیں کی جاسکتی ہے کیوں کہ یہ تو ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس کے قریب کوئی بڑا میدان بھی نہ تھا اور پھر مکہ سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے راستے کو چھوڑ کر وہاں تک پہنچنے کے لئے کئی میل کا فاصلہ طے کر کے جانا ضروری تھا مدینہ جانے والے سب راستوں کو چھوڑ کر ایک غیر متعلقہ راستہ کی طرف چل کر ''غدیر خم'' پہنچنے اور پھر وہاں یہ مہتم بالشان اعلان کرنے کی

کوئی معقول توجیہ اور مصلحت نہیں پیش کی جاسکتی۔

(۲) جیسا کہ شیعی روایات سے علم ہوا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ''خدا تعالیٰ کے صریح حکم'' کے باوجود دشمنوں کے خوف سے خلافت علیؓ کا اعلان کرنے سے گریز کر رہے تھے اور خدا تعالیٰ کی اس دھمکی کے باوجود بھی کہ ''اگر تم نے خلافت علیؓ کا اعلان نہ کیا تو فریضہ رسالت کا حق ہی ادا نہ ہوگا، وہ اعلان حق سے کترا رہے تھے حتیٰ کہ جب خدا تعالیٰ نے دشمنوں سے حفاظت کرنیکا ذمہ لے لیا، تب اعلان کیا۔

(۳) اعلان حق کرنے اور فریضۂ رسالت سے غفلت برتنے کی یہ تہمت اس پیغمبر پر لگائی جارہی ہے جس کی پوری کتاب زندگی کھلی ہوئی موجود ہے اور جس نے اپنے دین کے دشمنوں کو مخاطب کر کے صاف صاف کہا تھا:

**انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم**

**ترجمہ:** تم اور تمہارے وہ معبود جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

اور جس نے سورۂ کافرون سنا کر صاف اعلان کیا تھا کہ دین کے معاملہ میں کسی بھی قسم کی مصالحت یا سمجھوتا لائق اعتنا نہیں ہے، یہ وہی پیغمبر ہیں جنہوں نے اپنے شفیق چچا ابو طالب کی فہمائش پر یہ کہہ دیا تھا کہ ''چچا خداوند قدوس کی طرف سے اس کے بندوں تک جو پیغام پہچانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا چاہے آپ بھی میرا ساتھ چھوڑ دیں۔''

وہ پیغمبر جس کے بدترین دشمنوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اگر وہ مصلحت سے کام لے کر دین کے معاملہ میں مشرکین مکہ سے مصالحت کر لیتے، اور اعلانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ سے رک جاتے تو سارے مکہ کے لوگ ان کی قیادت کو تسلیم کر لیتے، اور ان سے زیادہ محبوب کوئی دوسری شخصیت نہ ہوتی۔

اللہ کے اس عظیم پیغمبر کی زندگی اور اس کے کیریکٹر سے کیا یہ بات میل کھاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے اصرار کے باوجود محض دشمنوں کے خوف سے خلافت علیؓ کے اعلان کا فریضہ انجام دینے سے انکار کرتا رہے؟

اس اصرار و انکار، اور جبرئیل امین کے بار بار آنے جانے، اور خدا تعالیٰ کی طرف سے دشمنوں سے حفاظت کی گارنٹی حاصل کرنے کے باوجود بھی پیغمبر خدا نے صاف صاف یہ اعلان بہر حال نہیں کیا کہ ''لوگو سن لو! میرے بعد علیؓ میرے جانشین اور خلیفہ ہوں گے، لہٰذا تم میری ہی طرح انکی اطاعت کرنا، بلکہ اعلان کیا تو یوں کہ **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** یعنی جسکا مولیٰ میں ہوں اسکے مولیٰ علی بھی ہیں؟۔

(۴) عربی لغات میں لفظ مولی کے متعدد معنی بیان کئے گئے ہیں، مولیٰ کے معنی دوست، مددگار، آزاد شدہ غلام، مالک و آقا اور اس کے علاوہ بھی چند معانی ہیں ـــــ لیکن کسی بھی لغت میں مولیٰ کے معنی امام، حاکم یا خلیفہ نہیں بیان کئے گئے ہیں، پھر کس قاعدہ سے یہ ترجمہ کرنا یا یہ مفہوم مراد لینا جائز ہوگا کہ **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** کا مطلب یہ ہے کہ میں جس کا حاکم یا امام ہوں علی بھی اس کے حاکم یا امام ہوں گے؟۔

اور پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت علیؓ جیسے مہتم بالشان اعلان کے لئے جس پر ان کے فریضۂ رسالت کی ادائیگی کا دارومدار تھا مولی جیسے مبہم اور کثیر المعانی لفظ کا انتخاب کیوں کیا۔ اور کیوں نہ صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میرے بعد علیؓ میرے خلیفہ اور جانشین ہوں گے؟ کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ کو اپنی خلافت کا جائز حقدار نہیں سمجھتے تھے، اور جبراً و قہراً ان کو اس کا اعلان کرنا ہی پڑا تو گول مول انداز میں کر دیا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے؟ یا **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** کا مفہوم اور اس کا پس منظر ہی غلط بیان کر کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بے داغ شخصیت پر بہتان باندھا جارہا ہے؟

**اصل حقیقت:** اور اب آیئے اس ''غدیری افسانے'' کی اصل حقیقت بھی سمجھ لیں جس کے ذریعہ یہ بات بخوبی واضح ہوجائے گی

کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے خلافت علی کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

اس روایت کے ضعف واسقام سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر اس کو ایک بالکل صحیح روایت کی حیثیت سے تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی اس کا پس منظر معلوم ہونے سے حقیقت بالکل واشگاف انداز میں سامنے آجاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ موسم حج سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی مقرر کرکے وہاں بھیج دیا تھا، جب حج کا وقت قریب آیا، تو حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو اطلاع دی کہ ہم لوگ مدینہ سے حج کے ارادہ سے مکہ جائیں گے تم یمن ہی سے سیدھے مکہ پہنچ جاؤ، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت علیؓ یمن سے روانہ ہوکر مکہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کے اصحابؓ سے جاملے، اُن کے ساتھ یمن سے کچھ اور لوگ بھی آئے تھے، اور ان میں سے کچھ لوگوں نے حضور علیہ السلام کے سامنے حضرت علیؓ کی کچھ شکایات اور قاضی کی حیثیت سے ان کے برتاؤ کو بہت سخت اور ناروا لب ولہجہ میں بیان کیا، حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کی شکایات اور لب ولہجہ کی تلخی و کرختگی سے اس بات کا اندازہ فرمالیا کہ یہ لوگ بلاوجہ علیؓ سے بغض وکینہ رکھتے ہیں، اسی لئے بات کا بتنگڑ بنارہے ہیں، ان لوگوں کے اس رویہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی اذیت ہوئی، اور آپ نے علیؓ سے اپنا تعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ (یعنی جس کا دوست میں ہوں اس کے دوست علیؓ ہیں) اس فرمان کا صاف صاف اور واضح مقصد حضرت علیؓ سے بیجا طور پر بغض و کینہ رکھنے والوں کو تنبیہ کرنا تھا کہ تم لوگ علیؓ کو بے سہارا نہ سمجھنا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص مجھے دوست رکھتا ہوگا وہ علیؓ کو بھی دوست رکھے گا، اور جو علیؓ سے عداوت رکھے، وہ سمجھ لے کہ اس کو حقیقتاً مجھ سے بھی عداوت ہے۔

یہ ہے اس روایت کا حقیقی مفہوم اور اس کا پس منظر جس سے بلاشبہ حضرت علیؓ کی بہت بڑی فضیلت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے ساتھ تعلق کا تو علم ہوتا ہے، لیکن اسے توڑ مروڑ کر ''اعلان خلافت'' کے لئے پیش کرنا اور پھر اس کے ساتھ اس آیت تبلیغ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك الخ کو پیش کرنا جس کا نزول میدان عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ہوا تھا اور پھر اس کے ذریعہ خدا کے آخری پیغمبر اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر کتمان حق کا الزام عائد کرنا ایسی گستاخانہ جرأت ہے جس کا کوئی مومن تصور بھی نہیں کرسکتا۔

اور یہ ساری بعید از کار تاویلیں اور لاحاصل محنتیں صرف اسی لئے ہیں کہ کسی طرح حضرت علیؓ کا اول الخلفاء اور جانشین پیغمبر ہونا ثابت کیا جاسکے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا.

اس حدیث میں جو لفظ مولیٰ آیا ہے اس کی بنیاد پر ہی شیعہ بکواس کرتے ہیں، عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۳ پر اس کی بھرپور وضاحت موجود ہے، اور وہاں دوسرے انداز سے غدیری افسانے کا پوسٹ مارٹم ہے دیکھ لیا جائے۔

### حدیث نمبر ۲۸۸۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۲

## ﴿حضرت علیؓ آپ کے معاہدے نمٹا سکتے ہیں﴾

وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيٌّ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَلَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ أَبِيْ جُنَادَةَ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۳ ج۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۱۹، مسند احمد، ص۱۶۴ ج۴

**حل لغات:** یُؤَدِّیْ ادی (تفعیل) تأدیۃً ادا کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت حبشی بن جنادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی مجھ میں سے ہیں اور میں علی میں سے ہوں، اور میری طرف سے (یہ اہم پیغام) خود میں پہنچا سکتا ہوں یا علی۔ (جامع ترمذی) اور احمد نے اس روایت کو حضرت ابو جنادہ سے نقل کیا ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے وہ صورت حال پیش نظر رکھنی ضروری ہے جس میں حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ ۸ھ میں فتح مکہ اور وہاں اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد اگلے سال سورۂ برأت نازل ہوئی، جس میں مشرکین و کفار کے بارے میں خاص اور اہم احکام ہیں، مثلاً یہ کہ جو معاہدہ ان کے ساتھ کیا گیا تھا ان کی شرارتوں کی وجہ سے وہ فسخ کر دیا گیا اور مثلاً یہ کہ اس سال کے بعد کسی مشرک و کافر کو مسجد حرام میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ تو رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور یہ ذمہ داری بھی ان کے سپرد ہوئی کہ وہ رسول اللہ کی طرف سے حج کے موقع پر مختلف علاقوں سے آنے والے تمام کفار و مشرکین کو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام پہنچا دیں جو سورۂ برأت میں ان کے بارے میں نازل کئے گئے ہیں اور سورۂ برأت کی وہ سب آیتیں بھی ان کو سنا دیں۔ صدیق اکبرؓ حضورؐ کے حکم کی تعمیل میں حج کے لیے ساتھ جانے والوں کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہو گئے، بعد میں حضورؐ کو خیال آیا کہ عربوں کا یہ قانون اور ان کی یہ روایت رہی ہے کہ اگر کوئی معاہدہ کیا جائے یا کسی معاہدہ کو فسخ کیا جائے یا اس طرح کا کوئی بھی اہم معاہدہ ہو تو وہ قبیلہ کا سردار یا سربراہ بذات خود یا اس کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے نسبی رشتے سے اس کا کوئی قریب ترین عزیز ہو، اس کے بغیر وہ قابل قبول نہ ہوگا، تو آپؐ نے ضروری سمجھا کہ آپؐ کی طرف سے ان اہم اعلانات کے لیے علی مرتضیٰؓ کو بھیجا جائے جو آپؐ کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد بھی تھے، چنانچہ آپؐ نے ان کو اسی کام کے لیے بعد میں مکہ معظمہ کے لیے روانہ فرمایا۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا تھا "علی منی و انا من علی و لا یؤدی عنی الا انا او علی" الغرض اس ارشاد کے ذریعہ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کو اس کام کے لیے بھیجنے کی غرض و غایت بیان فرمائی، پھر جب حضرت علی مرتضیٰؓ جا کر صدیق اکبرؓ سے مل گئے تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ آپ امیر کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں یا مامور کی حیثیت سے، تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا، میں امیر کی حیثیت سے نہیں مامور کی حیثیت سے آیا ہوں، امیر آپ ہی ہیں اور میں خاص طور سے اس غرض سے بھیجا گیا ہوں۔ یہ جو کچھ ہوا من جانب اللہ ہوا، اگر آنحضرتؐ شروع ہی میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو امیر حج کی حیثیت سے روانہ فرماتے، تو اس سے غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ آنحضرتؐ کے بعد خلافت کے اولین حق دار حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں، امت کو اس غلط فہمی سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرتؐ کے قلب مبارک میں ڈالا گیا کہ امیر حج بنا کر ابوبکر صدیقؓ کو روانہ کریں، بعد میں حضورؐ کے قلب میں وہ بات ڈالی گئی جس کی وجہ سے حضورؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو بھیجنا ضروری سمجھا، اللہ تعالیٰ نے اس طرح امت محمدیہ کی رہنمائی فرمائی کہ حضورؐ کے بعد مسلمانوں کے امیر اور آپؐ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں گے، یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح کہ آنحضرتؐ کے مرض وفات میں جب آپؐ خود مسجد جا کر امامت کرنے سے معذور ہو گئے تو آپ کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا گیا کہ اپنی جگہ ابوبکر صدیقؓ کو نماز کا امام مقرر فرما دیں، ان ربنا لطیف لما یشاء۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** علی منی و انا من علی انتہائی تعلق کی بات ہے کہ حضور اکرمؐ حضرت علیؓ کو اپنا ہی ایک فرد شمار کر رہے ہیں، یوں تو حضورؐ کی قرابت کے لوگ بہت ہیں، مگر حضرت علیؓ سے خصوصی رشتہ داری ہے، کیوں کہ حضرت علیؓ چچازاد بھائی ہیں اور آپؐ کے داماد بھی ہیں، اس لیے حضرت علیؓ کی عزت افزائی فرمائی اور یہ بیان فرمایا کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ و لا یؤدی عنی الا علی اس سے مراد برأت کا اعلان ہے، جو کہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے کرایا۔ (مزید کے لیے عالمی حدیث ۶۰۹۱) دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۸۸۷ ﴿حضرت علیؓ کی مواخات کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۳**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ آخٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَصْحَابِهٖ فَجَاءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ فَقَالَ

آخَيْتَ بَيْنَ أَصْحَابِكَ وَلَمْ تُوَاخِ بَيْنِي وَبَيْنَ أَحَدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ أَخِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

**حواله:** ترمذی، ص۲۱۳ ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۲۰

**حل لغات:** تَدْمَعُ دمع (ف) دمعًا آنسو بہانا۔ لَمْ تُوَاخِ اخاہ (مفاعلة) مُؤَاخَاةً بھائی چارہ قائم کرنا۔

**تو جمه:** اور حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کرایا تو حضرت علیؓ اس حال میں آئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عرض کیا کہ آپؐ نے اپنے صحابہ کے درمیان تو بھائی چارہ قائم فرمادیا، لیکن کسی سے میرا بھائی چارہ قائم نہیں کیا؟ رسول کریمؐ نے فرمایا: تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ہجرت مدینہ کے بعد حضرت علیؓ سے مواخات قائم کی، اس حدیث کو ترمذی نے حسن غریب کہا ہے، لیکن یہ حدیث شدید ضعیف، بلکہ بعض اعتبار سے تو موضوع ہے، درحقیقت حضرت علیؓ کی مواخات سہل بن حنیفؓ سے حضورؐ نے قائم کی تھی، آپؐ سے حضرت علیؓ کی مواخات کی بات بھی شیعوں کی کارستانی ہے، جو کہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی نقل ہوگئی ہے، اس حدیث کا ایک راوی علی بن قادم شیعہ تھا، اس حدیث کی تحقیق نیز مواخات علی کے حوالہ سے والد محترم حضرت مولانا عبدالعلی فاروقی مدظلہ العالی کی معرکۃ الآراء کتاب ''تاریخ کی مظلوم شخصیتیں'' سے گراں قدر باتیں نقل کی جارہی ہیں، جس سے مسئلہ بالکل صاف ہوجاتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابه رسول اکرمؐ اور آپؐ کے اصحابؓ، حق تعالیٰ کے حکم سے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے گئے، اس وقت ان مہاجرین کی بے سروسامانی کا عالم یہ تھا کہ نہ ان کے پاس سر چھپانے کی اپنی جگہ تھی نہ ہی پیٹ بھرنے کے لیے ایک دانہ، رسول اکرمؐ نے اپنی زبردست حکمت عملی کے ذریعہ اپنے ان خانماں برباد ساتھیوں کو مدینہ میں جس عزت ووقار کے ساتھ بسایا، اس کی دوسری مثال پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے، آپؐ نے مہاجرین (مکہ سے مدینہ آنے والے اصحابؓ) اور انصار (مدینہ کے باشندے اصحابؓ) کے درمیان اس طرح مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کیا کہ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے حوالہ کر کے دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا، تاکہ جب تک مہاجرین، مدینہ کے حالات کو سمجھ کر اپنے قدموں پر نہ کھڑے ہوجائیں اس وقت تک ان کے قیام وطعام کا کوئی مسئلہ نہ ہو۔ اس مواخات کے کیا اثرات رونما ہوئے؟ اور مہاجرین وانصار صحابہؓ نے رسول اکرمؐ کے قائم فرمودہ اس بھائی چارے کی کس کس طرح لاج رکھی؟ یہ ایک مستقل اور تفصیل طلب موضوع ہے جس پر بہت کچھ لکھا بھی جاچکا ہے، لیکن ہمیں اس جگہ صرف اتنی بات سے بحث ہے کہ حضرت علیؓ کا بھائی چارہ کس سے ہوا تھا؟ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ضروری بات یہ ذہن میں رہنے کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے یہ مواخات (بھائی چارہ) اس اہم ہنگامی ضرورت کے تحت مہاجرینؓ اور انصار صحابہؓ کے درمیان کرایا تھا کہ مکہ سے اللہ کے حکم پر اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کر کے آنے والے بے سروسامان صحابہؓ کی کفالت کا انتظام بھی ہوجائے اور اتنی بڑی تعداد میں مہاجرین کے آنے سے انصار پر ناقابل برداشت بوجھ بھی نہ پڑنے پائے، اسی لیے ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنایا تھا۔ اور پھر بھائی چارہ کی اس بنیادی ضرورت کو سامنے رکھ کر غور کیجیے تو حافظ ابن کثیر کا یہ بیان کس قدر واضح، صحیح اور قرین قیاس نظر آتا ہے "هاجر علی بعد خروج رسول الله صلی الله علیه وسلم من مکة وکان قد امره بقضاء دیونه ورد ودائعه ثم یلحق به فامتثل ما امر به ثم هاجر وآخی النبی صلی

اللہ علیہ وسلم بینه وبین سهل بن حنیف" (حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد ہجرت کی، اس لیے کہ حضورؐ نے ان کو اپنے قرضوں کی ادائیگی اور امانتوں کی واپسی کے بعد اپنے پاس آنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ حکم کی تعمیل کے بعد انہوں نے ہجرت کی اور نبیؐ نے ان کے اور سہل بن حنیفؓ کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔) اب اس صاف اور واضح بیان کے بعد اس روایت (حدیث باب) پر بھی غور کیجئے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے اصحابؓ کا بھائی چارہ کرایا تو حضرت علیؓ روتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپؐ نے ہمارے دوسرے ساتھیوں کا تو بھائی چارہ کرادیا، لیکن میرا کسی سے نہیں کرایا، حضورؐ نے فرمایا کہ تم تو دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو، اس روایت سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ہجرت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اصحابؓ مہاجرین کا بھائی چارہ تو اصحابؓ انصار کے ساتھ کرادیا، لیکن حضرت علیؓ کا بھائی چارہ کسی انصاری سے نہ کرا کے ان کو خود اپنا بھائی بنایا۔ اور یہ ہے حضرت علیؓ کی ایک بہت بڑی فضیلت، علامہ طاہر پٹنی حضرت علیؓ کے بھائی چارہ کے سلسلہ کی تمام روایات کے بارے میں تذکرۃ الموضوعات میں تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے بھائی چارہ کیا، اور ان کے بھائی چارہ کی جملہ روایات، نیز ترمذی کی روایت سب ضعیف ہیں" اسی طرح علامہ ابن تیمیہؒ اپنی کتاب منہاج السنۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان احادیث المواخاة لعلی کلها موضوعة والنبی صلی اللہ علیه وسلم لم یواخ احدًا ولا آخی بین مهاجری و مهاجری ولا بین ابی بکر و عمر، ولا بین انصاری وانصاری ولکن آخی بین المهاجرین والانصار فی اول قدومه المدینة. (منہاج السنۃ، ج۴ص۹۶) حضرت علیؓ کے بھائی چارہ کے سلسلہ کی تمام روایات موضوع ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود اپنا کسی سے بھائی چارہ قائم کیا اور نہ ایک مہاجر اور دوسرے مہاجر کے درمیان اور نہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان اور نہ ایک انصاری اور دوسرے انصاری کے درمیان، لیکن حضورؐ نے تو مدینہ تشریف لاتے ہی مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا تھا، محدثین کرام نے روایت و درایت دونوں کسوٹیوں پر پرکھنے کے بعد ترمذی کی اس روایت کے ضعیف بلکہ موضوع ہونے کا فیصلہ کیا ہے، چنانچہ ترمذی کی سند میں حکیم بن جبیر علی بن قادم اور جمیع بن عمیر تیمی یہ تین راوی ساقط الاعتبار اور ناقابل اعتماد ہیں۔ اس جگہ ہم ان تینوں راویوں کے سلسلے میں علماء جرح و تعدیل کی آراء کو میزان الاعتدال کے حوالہ سے مختصر طور پر علیحدہ علیحدہ نقل کئے دیتے ہیں۔

(۱) **حکیم بن جبیر**: احمد کہتے ہیں کہ حکیم بن جبیر ضعیف ہے، منکر الحدیث ہے۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں، دارقطنی کہتے ہیں کہ متروک الحدیث ہے، معاذ کا بیان ہے کہ میں نے شعبہ سے کہا کہ آپ ہم سے حکیم بن جبیر کی احادیث بیان کیجئے، تو انہوں نے کہا کہ اس کی احادیث بیان کرنے سے مجھے جہنم میں جانے کا خوف ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ حکیم بن جبیر کذاب ہے۔

(۲) **علی بن قادم**: یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، ابن سعد کہتے ہیں کہ غالی شیعہ ہے، منکر الحدیث ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی بہت سی روایات منکر ہیں۔



(۳) **جمیع بن عمیر** ابن حبان لکھتے ہیں کہ یہ کٹر رافضی ہے، اپنے دل سے روایتیں وضع کرتا تھا، ابن نمیر کہتے ہیں کہ سب سے بڑے جھوٹوں میں اس کی بھی گنتی ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام روایتیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں بس یہی بیان کرتا ہے، کوئی دوسرا نقل نہیں کرتا، قارئین خود اندازہ کرسکتے ہیں، کہ جس روایت کی سند میں ایک دو نہیں بلکہ تین تین ایسے رسوائے زمانہ فنکار موجود ہوں، اس کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے، پھر درایۃً بھی غور کیا جائے تو اس کہانی کا مہمل ہونا بالکل واضح ہے، کیوں کہ مواخاۃ یعنی بھائی چارہ کا عمل تو ایک خاص ضرورت کے تحت تھا، اور مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کرکے رسول اکرمؐ نے جیسی زبردست حکمت عملی اور بے نظیر قائدانہ صلاحیت کے مظاہرہ کیا تھا، اس کی دنیا آج تک معترف ہے، اور مصلحت وقت کا تقاضا بھی یہی تھا اور احادیث معتبرہ سے اسی کا

ثبوت بھی ملتا ہے، کہ یہ بھائی چارہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ہوا تھا، نہ کہ مہاجرین و مہاجرین یا انصار و انصار کے درمیان، پھر بھلا حضور اور حضرت علیؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم ہونے سے کیا فائدہ؟ جب کہ یہ دونوں حضرات مہاجر تھے، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اکرمؐ نے حضرت علیؓ کے ساتھ اپنا بھائی چارہ قائم فرما کر ان کو اعزاز بخشا اور اس بھائی چارے کا مقصد حضرت علیؓ کے اس قرب خاص کا اظہار تھا، جو ان کو رسول اکرمؐ کے ساتھ حاصل تھا، تو اس کا واضح اور بدیہی جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ تو حضور علیہ السلام کے خونی رشتے سے ہی بھائی تھے، اور یہ بات بالکل عیاں اور سب کو معلوم تھی، پھر بھلا ان کو منہ بولا بھائی بنانے کی کیا ضرورت تھی، اور اس سے ان کا کیا اعزاز بڑھ گیا، ہمارا خیال تو یہ ہے کہ یہ ایک تیر سے دو شکار کی سبائی سازش کا کرشمہ ہے کہ حضرت علیؓ کی اس فضیلت کے پردہ میں یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ مدینہ کے کسی انصاری مسلمان نے حضرت علیؓ سے بھائی چارہ قائم کرنا گوارہ نہ کیا، جس کا ان کو اتنا ملال ہوا کہ وہ روتے ہوئے حضورؐ کے پاس آئے اور شکوہ کیا کہ میرا تو آپؐ نے کسی سے بھائی چارہ کرایا ہی نہیں، اس پر رسول اکرمؐ نے ان کی اشک شوئی کی خاطر فرمادیا کہ تم تو میرے بھائی ہو، حالاں کہ حقیقت وہی ہے، جس کا ذکر حافظ ابن کثیرؒ کے حوالے سے ابتدا میں کیا گیا کہ دوسرے مہاجرین کی طرح حضرت علیؓ کا بھائی چارہ بھی ایک انصاری صحابی حضرت سہل بن حنیفؓ سے حضور علیہ السلام نے کرایا تھا۔ (تاریخ کی مظلوم شخصیتیں)

**حدیث نمبر ۲۸۸۸ ﴿حضرت علیؓ کی محبوبیت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۴**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَيْرٌ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ ائْتِنِيْ بِأَحَبِّ خَلْقِكَ إِلَيْكَ يَأْكُلُ مَعِيَ هٰذَا الطَّيْرَ فَجَاءَهُ عَلِيٌّ فَأَكَلَ مَعَهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۳ ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۲۱

**حل لغات:** طَيْرٌ (ج) طُيُوْرٌ پرندہ۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پرندہ رکھا ہوا تھا، آپؐ نے دعا مانگی اے اللہ تیری مخلوق میں جو بہت زیادہ تجھ کو محبوب ہو اس کو میرے پاس بھیج دے تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندہ کا گوشت کھائے، پس حضرت علیؓ آئے اور انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ کھایا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے شیعہ صاحبان استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اللہ کا ساری مخلوق میں جس میں شیخین بھی شامل ہیں افضل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور پیارے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اللہ کی مخلوق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں، اگر حدیث سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا تو لازم آجائے گا کہ ان کو شیخین ہی سے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل اور اللہ کا زیادہ محبوب اور پیارا مانا جائے۔ اسی بنا پر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ حضورؐ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تو کسی ایسے بندے کو بھیج دے جو تیرے محبوب ترین بندوں میں سے ہو اور یقیناً حضرت علیؓ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندوں میں سے ہیں۔ اس حدیث کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا لیکن یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فجاءہ علی شیعہ کہتے ہیں کہ علی مخلوق میں سب سے افضل تھے اور آپؐ کے خلیفہ بلافصل تھے اور وہ خوامخواہ اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں، اولاً تو یہ روایت جیسا کہ نقل ہوا روایۃً و درایۃً دونوں اعتبار سے صحیح نہیں ہے، محبوب ہونا اور چیز ہے اور مقام میں بلند ہونا اور چیز ہے، حضرت علیؓ کے محبوب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے علاوہ کسی کو خلیفہ بنانا منع تھا، یہ شیعہ کی خرافات میں سے ہے، آخر یہ حدیث بھی تو ہے کہ انسانوں میں آنحضرت کو حضرت عائشہؓ

محبوب تھیں اور مردوں میں ان کے باپ صدیق اکبرؓ محبوب تھے۔

**حدیث نمبر ۲۸۸۹ ﴿حضرت علیؓ کے لیے آپؐ کی عطا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۵**

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِذَا كُنْتُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَانِيْ وَإِذَا سَكَتُّ ابْتَدَأَنِيْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۳ ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۲۲

**حل لغات:** سَكَتَ سَكَتَ (ن) سُكُوْتًا خاموش رہنا۔ اِبْتَدَأَ (افتعال) اِبْتِدَاءً ابتدا کرنا، شروع کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگتا تو آپؐ مجھے دیتے اور جب میں نہ مانگتا تو بھی عطا فرماتے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کی حضرت علیؓ پر خصوصی شفقت وعنایت تھی، اور کیوں نہ ہوتی حضورؐ نے ہی ان کی مکمل تربیت فرمائی پھر وہ محسن چچا کے بیٹے بھی تھے، اور داماد بھی تھے، مانگنے پر آپؐ ہر کسی کو عطا کرتے، حضرت علیؓ اگر آپؐ سے سوال نہ بھی کرتے تو آپ ازخود ان کو عطا فرماتے اور یہی حضرت علیؓ کی خصوصیت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا سکت ابتدأنی اس کے دو مطلب ہیں (۱) طلب نہیں کرتے تو آپؐ ازخود عطا فرماتے۔ (۲) خاموش رہتا تو آپؐ گفتگو کی ابتدا فرماتے، یہ حدیث منقطع ہے؛ کیوں کہ حضرت علیؓ سے روایت کرنے والے راوی عبداللہ جملی کا حضرت علیؓ سے لقا اور سماع نہیں ہے۔

**حدیث نمبر ۲۸۹۰ ﴿حضرت علیؓ حکمت کے دروازہ تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۶**

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَقَالَ رَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ شَرِيْكٍ وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ وَلَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الثِّقَاتِ غَيْرَ شَرِيْكٍ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۳ ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۲۳

**حل لغات:** دار گھر (ج) اَدْوُرٌ ودِيَارٌ۔ الحکمة دانائی (ج) حِكَمٌ۔ باب (ج) اَبْوَابٌ دروازہ۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؓ حکمت کے گھر کا دروازہ ہے۔ (ترمذی) امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور فرمایا کہ ان میں سے بعض نے اس حدیث کو شریک سے روایت کیا ہے، اور صنابحی کا ذکر نہیں کیا اور ہم اس حدیث کو شریک کے سوا کسی ثقہ سے نہیں جانتے ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت علی مرتضیٰؓ صغر سنی ہی میں رسول اللہؐ کی دعوت پر اسلام لائے اور اس کے بعد برابر آپ کی تربیت اور صحبت میں رہے، اس لیے آپؐ کی تعلیم سے استفادہ میں ان کو ایک درجہ خصوصیت حاصل ہے، اسی بنا پر حضورؐ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا، اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) لیکن اس سے یہ سمجھنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ بس حضرت علیؓ ہی حضورؐ کے ذریعہ آئے ہوئے علم وحکمت کے حامل ووارث تھے، اور ان ہی کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے، اور ان کے سوا کسی دوسرے سے حضورؐ کے لائے ہوئے علم وحکمت کو حاصل نہیں کیا جاسکتا، انتہائی درجہ کی ناسمجھی ہے، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کو امیین میں اپنا رسول بنا کر بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے

ہیں، اور کتاب اللہ اور حکمت کی ان کو تعلیم دیتے ہیں، قرآن مجید کی یہ آیتیں بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ سے کتاب وحکمت کی تعلیم اپنے اپنے ظرف اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق تمام صحابہ کرامؓ نے پائی، لہٰذا یہ بھی حضورؐ کے ذریعہ آئے ہوئے علم وحکمت کا ذریعہ اور دروازہ ہیں، یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ آنحضرتؐ کی دعوت پر حضرت علی مرتضیٰؓ جب اسلام لائے تو جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، کہ وہ صغیر السن تھے، ان کی عمر مشہور روایات کے مطابق صرف آٹھ یا دس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی، اور آنحضرتؐ کی تعلیم سے استفادہ کی وہی استعداد اور صلاحیت اس وقت ان کو حاصل تھی، جو فطری طور پر اس عمر میں ہونا چاہئے، لیکن صدیق اکبرؓ نے اسی دن جب حضورؐ کی دعوت پر اسلام قبول کیا تو ان کی عمر تقریباً چالیس سال کی ہو چکی تھی، اور فطری طور پر ان کو استفادہ کی وہ کامل استعداد اور صلاحیت حاصل تھی، جو اس عمر میں ہونی چاہئے اس لیے رسول اللہؐ کے ذریعہ سے آئے ہوئے علم وحکمت میں ان کا حصہ دوسرے تمام صحابہ کرامؓ سے مجموعی طور پر زیادہ تھا، رسول اللہؐ نے اپنے مرض وفات میں ان کو اپنی جگہ نماز کا امام مقرر فرمایا، یہ بھی حضورؐ کی طرف سے حضرت صدیق اکبرؓ کے اعلم بالکتاب والحکمۃ ہونے کی سند تھی، پھر صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق ان کو آنحضرتؐ کا خلیفہ اور امت کا امام تسلیم کر کے عملی طور پر اس کا اعتراف کیا اور گویا اس حقیقت کی شہادت دی، نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مختلف صحابہ کرامؓ کے بارے میں رسول اللہؐ نے علم دین کے مختلف شعبوں میں ان کی تخصیص اور امتیاز کا ذکر فرمایا جیسا کہ انشاء اللہ مناقب ہی کے سلسلہ میں آئندہ درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا، پھر اس واقعی حقیقت میں کس کو شک وشبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے، کہ حضرات تابعین نے مختلف صحابہ کرام سے حضورؐ کا لایا ہوا علم حاصل کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے محدثین کے ذریعہ حدیث کی کتابوں میں محفوظ کرا دیا اور اسی سے قیامت تک امت کو رہنمائی ملتی رہے گی۔ **ذالك تقدير العزيز العليم** یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابن الجوزی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ ناقد محدثین نے زیر تشریح اس حدیث **انا دار الحكمة الخ** کو موضوع قرار دیا ہے، خود امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا، **هذا حديث غريب منكر**، بہر حال سند کے لحاظ سے یہ حدیث محدثین کے نزدیک غیر مقبول اور نا قابل استناد ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** انا دار الحكمة، وعلى بابها میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے، حکمت سے مراد وہ حکمت ہے جس کا تذکرہ (**يعلمهم الكتاب والحكمة**) میں آیا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ علم حکمت کا مخزن ہیں اور اس خزانہ تک پہنچنے کا گیٹ حضرت علیؓ ہیں، کیوں کہ آپؓ کو حکمت نبوی سے حظ وافر حاصل تھا، پس جو علم و حکمت کا متوالا ہے، وہ حضرت علیؓ کے علوم کا تتبع کرے۔

**حدیث کا حال:** امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث منکر (نہایت ضعیف) ہے۔ (شریک بن عبداللہ نخعی میں کلام ہے اور یہ سند محمد بن عمر ابن الرومی کی ہے) اور دوسرے بعض تلامذہ بھی شریک سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، مگر وہ سند میں صنابحی (عبدالرحمٰن بن علیہ) کا ذکر نہیں کرتے اور یہ حدیث شریک کے علاوہ کوئی ثقہ راوی روایت نہیں کرتا اور باب میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے (یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے مگر ذہبی نے اس کے صحیح ہونے پر اعتراض کیا ہے) اور ابن الجوزی نے اس روایت کو موضوعات میں لیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے اس کو حسن کہا ہے۔

**حدیث سے شیعوں کا استدلال:** شیعہ کہتے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمت حضرت علیؓ کے ساتھ خاص تھی؛ کیوں کہ گھر میں دروازے ہی سے داخل ہوا جاتا ہے، اور دوسرے صحابہ علم وحکم سے تہی دامن تھے۔

**جواب:** حدیث میں حصر نہیں ہے، کہ علیؓ ہی حکمت کا دروازہ تھے پس جیسے جنت کے آٹھ دروازے ہیں، علم وحکمت کے بھی بہت سے دروازے ہیں، ان میں سے ایک اہم دروازہ حضرت علیؓ تھے اور دوسرے اکابر صحابہ دوسرے دروازے تھے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ

تابعین کرام نے حضرت علیؓ کے علاوہ دوسرے صحابہؓ سے بھی علم حاصل کیا ہے، اور نبیؐ نے دیگر صحابہ کے حق میں بھی ان کا علمی مقام واضح کرنے والے ارشادات فرمائے ہیں، آپؐ نے خواب میں دودھ نوش فرما کر بچا ہوا حضرت عمرؓ کو دیا ہے، اور اس کی تعبیر علم سے بیان فرمائی ہے۔ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو فرائض کا سب سے زیادہ جاننے والا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو حلال وحرام کا بڑا عالم اور ابیؓ کو قرأت میں فائق قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۲۸۹۱ ﴿حضرت علیؓ سے آپؐ کی سرگوشی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۷**

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا يَوْمَ الطَّائِفِ فَانْتَجَاهُ فَقَالَ النَّاسُ لَقَدْ طَالَ نَجْوَاهُ مَعَ ابْنِ عَمِّهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا انْتَجَيْتُهُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ انْتَجَاهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۴ ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۲۶

**حل لغات:** انتجیٰ (افتعال) القومُ باہم سرگوشی کرنا۔ طَال (ن) طُولًا دراز ہونا۔ نجوی (جمع واحد دونوں کے لیے) سرگوشی۔

**ترجمہ:** اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ طائف کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کرنے لگے، تو لوگوں نے کہا، اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ تو رسول اللہؐ نے بڑی دیر تک سرگوشی کی، رسول اللہؐ نے فرمایا علی کے ساتھ میں نے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ سے غزوۂ طائف کے موقع پر سرگوشی کی تو منافقین نے یا عام صحابہ کرام نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ سرگوشی لمبی ہوگئی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے سرگوشی کی ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کو حضرت علیؓ سے سرگوشی کے طور پر کہنے کا حکم دیا ہے میں نے وہی باتیں کی ہیں، پس گویا ان سے میں نے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے کی ہے۔ اس صورت میں حضورؐ کا ارشاد قرآن پاک کی اس آیت "وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى" کے مشابہ ہوجائے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے سرگوشی میں کیا باتیں کیں؟ تو ظاہر یہ ہے کہ اس غزوہ کے متعلق اور اسی طرح کی کوئی دنیاوی اسرار وغیرہ ان کو بتلائے ہوں گے، نہ یہ کہ دین کے متعلق کوئی بات ان کو بتلائی ہو اور دوسروں سے اس کو چھپایا ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپؐ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے، انہوں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور جاندار کو پیدا کیا! ہمارے پاس صرف وہی کچھ ہے جو قرآن میں ہے اور کتاب اللہ کی وہ سمجھ و دانائی جو آدمی کو دی گئی ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے اور اس صحیفہ میں دیت کے متعلق احکام تھے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلماتِ حدیث کی تشریح** یوم الطائف غزوہ طائف کا ذکر عالمی حدیث کے تحت دیکھیں۔ لقد طال نجواه واقعہ غالبًا اس وقت کا ہے جب سورۃ المجادلہ کی آیت ۱۲ نازل ہوئی تھی، اور اس میں حکم دیا تھا کہ جسے نبیؐ سے سرگوشی کرنی ہے وہ پہلے کچھ خیرات دے۔ (تحفہ، ۷:۴۹۵)

اس حکم پر صرف حضرت علیؓ نے عمل کیا تھا، انہوں نے ایک دینار خرچ کر کے سرگوشی کا وقت لیا تھا، چنانچہ آپؐ نے ان سے دیر تک تنہائی میں بات کی، اس پر مذکورہ تبصرہ ہوا، اور آپؐ نے مذکورہ بات فرمائی۔ یہ حدیث کچھ بہت زیادہ قوی نہیں، اجلح بن عبداللہ بن حجیہ صدوق ہے مگر شیعہ ہے، اور محمد بن فضیل بن غزوان پر بھی شیعہ ہونے کا الزام تھا، مگر اجلح سے یہ حدیث محمد بن فضیل کے علاوہ روات بھی بیان کرتے ہیں، بہرحال امام ترمذیؒ نے روایت کی تصحیح نہیں کی ہے۔

**حدیث نمبر ۲۸۹۲ ﴿حضرت علیؓ کی خصوصیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۸**

وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يُجْنِبُ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِيْ وَغَيْرُكَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ فَقُلْتُ لِضِرَارِ بْنِ صُرَدٍ مَا مَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يَسْتَطْرِقُهُ جُنُبًا غَيْرِيْ وَغَيْرُكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

**حواله:** ترمذی، ص۲۱۴، ج ۲، باب کتاب المناقب، حدیث ۳۷۲۶

**حل لغات:** یجنب اَجْنَبَ (افعال) الرجلُ اِجْنَابًا جنبی ہونا۔ یستطرق (استفعال) کسی سے اس کی حدود میں سے راستہ مانگنا۔

**ترجمه:** حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا میرے اور تیرے سوا کسی شخص کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جنبی ہوئے اس مسجد میں۔ علی بن منذر کہتے ہیں کہ میں نے ضرار بن صرد سے پوچھا اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ میرے اور تیرے سوا کسی کو جنابت کی حالت میں اس مسجد کے اندر سے گزرنا جائز نہیں ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** مطلب یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں صرف میں اور علی مسجد کے راستے سے گذر سکتے ہیں کسی اور شخص کے لیے حلال نہیں کہ حالت جنابت میں مسجد نبوی سے گذر جائے، چوں کہ حضور اکرمؐ اور حضرت علیؓ کے گذرنے کا راستہ مسجد میں تھا باقی لوگوں کا نہیں تھا، اس لیے یہ خصوصی اجازت دی گئی، یہی وجہ ہے کہ اس اجازت کو صرف مسجد نبوی کے ساتھ خاص کر کے "مسجدی" فرمایا دوسری کسی مسجد میں جانا جائز نہیں تھا؛ کیوں کہ یہ مجبوری دوسری جگہ نہیں تھی۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** یجنب کے معنی جنبی ہونا، ضرار بن صرد ابو نعیم الطحان الکوفی پر بھی شیعہ ہونے کا الزام تھا (تقریب) اس نے حدیث کی مذکورہ تاویل کر کے اس کو قابل قبول بنانے کی کوشش کی ہے، حالاں کہ حدیث کا بظاہر مفہوم مسجد نبوی میں جماع کرنا ہے، کیوں کہ نبی کو احتلام نہیں ہوتا۔ یہ حدیث پرلے درجہ کی ضعیف ہے، ابن الجوزی نے اس کو "موضوعات" میں لیا ہے، عطیہ عوفی شیعہ تھا، اور حدیث میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا، اس سے یہ حدیث دو شخص روایت کرتے ہیں، اور دونوں شیعہ ہیں: ایک کثیر بن اسماعیل النواء: یہ غالی شیعہ تھا اور ضعیف راوی ہے۔ دوسرا سالم بن ابی حفصہ عجلی ابو یونس کوفی! یہ بھی غالی شیعہ تھا۔ اس لیے یہ روایت یا تو موضوع ہے یا غایت درجہ ضعیف ہے، اس سے نہ استدلال ہو سکتا ہے، نہ کوئی خصوصیت ثابت ہو سکتی ہے، اور نہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ مسجد میں جنبی ہونا یا گذرنا کسی کے لیے کیسے جائز ہو گیا۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۲۸۹۳ ﴿حضرت علیؓ سے آپؐ کا اظہار محبت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹۹**

وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشًا فِيْهِمْ عَلِيٌّ قَالَتْ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْنِيْ حَتّٰى تُرِيَنِيْ عَلِيًّا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص۲۱۴ ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۳۷

**حل لغات:** لَا تُمِتْنِيْ اَمَاتَ (افعال) اِمَاتَةً موت دینا۔ تُرِيَنِيْ اَرَاهُ (افعال) اِرَاءَةً دکھانا۔

**ترجمه:** اور حضرت ام عطیہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنگی مہم پر ایک لشکر روانہ فرمایا جس میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے، ام عطیہؓ کا بیان ہے کہ اس موقع پر میں نے رسول کریم کو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے سنا: الٰہی مجھ کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ تو علیؓ کو مجھ کو نہ دکھا دے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** بلا شبہ رسول اللہؐ کو ان وجوہ سے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ غایت درجہ کی محبت تھی، اسی کا مظہر حضورؐ کی یہ دعا بھی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تمتنی مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ اس مہم سے بسلامت واپس آ جائیں، اور میری ان سے ملاقات ہو جائے۔ اس وقت تک مجھے موت نہ آئے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے راوی ابوالجراح بہزی اور ام شراحیل مجہول ہیں، دونوں سے روایت ترمذی ہی میں ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۲۸۹۴ ﴿منافق حضرت علیؓ سے محبت نہیں کرتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۰

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لا يُحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ وَلَا يُبْغِضُهُ مُؤْمِنٌ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ إِسْنَادًا)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۳ ج۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۱۷، احمد، ص۲۹۲ ج۶

**حل لغات:** لَا يُحِبُّ احب فلان (افعال) احبابا دوست رکھنا، محبت کرنا۔ منافق دل میں کفر چھپانے اور زبان سے ایمان ظاہر کرنے والا۔ لا يُبْغِضُهُ ابغض (افعال) ابغاضًا بغض رکھنا، دشمنی کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق حضرت علیؓ سے محبت نہیں رکھے گا اور مومن اُن سے دشمنی نہیں رکھے گا۔ اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ اسناد کے لحاظ سے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ منافق کے دل میں حضرت علیؓ کی محبت نہیں ہو سکتی اور مومن کبھی بھی حضرت علیؓ سے بغض نہیں رکھ سکتا، معلوم ہوا حضرت علیؓ کی محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض نفاق کی پہچان ہے، یہاں یہ بات ملحوظ نظر رکھنی چاہئے کہ محبت رکھنے کے لیے شریعت نے اپنا ایک معیار مقرر کیا ہے، اسی معیار پر جو محبت ہوگی وہ ایمان کی علامت ہوگی، وہ محبت ہرگز مطلوب نہیں جو شریعت کے قواعد کے منافی ہو، جس طرح شیعہ روافض کی مصنوعی محبت ہے، کہ حضرت علیؓ کو الوہیت کے درجہ پر فائز کرتے ہیں ان سے مدد مانگتے ہیں، بلکہ ان کو نبیوں سے اعلیٰ مانتے ہیں، ان کو وصی رسول اللہ مانتے ہیں اور کیا کیا خرافات بکتے ہیں، اور ان کے نقش قدم یعنی شریعت پر نہیں چلتے ہیں روافض کے بڑے بڑے امام اور حجت اللہ داڑھی منڈاتے ہیں، جب ان کے اماموں کا یہ حال ہے تو مقتدیوں کا کیا حال ہوگا۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** غریب اسنادًا اس حدیث کا مضمون صحیح ہے، اس مضمون کی روایت مسلم کے حوالے سے عالمی حدیث ۶۰۸۸ گزر چکی ہے، تفصیلات دیکھ لی جائیں، سند کے اعتبار سے حدیث باب نہایت ضعیف ہے حدیث کے راوی، مساور یہ مجہول ہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

### حدیث نمبر ۲۸۹۵ ﴿حضرت علیؓ کو برا کہنا جرم عظیم ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۱

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّنِيْ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

**حوالہ:** مسند احمد، ص۳۲۳ ج۶

**حل لغات:** سَبَّ (ن) سَبًّا گالی دینا، برا بھلا کہنا۔

**ترجمہ:** حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے علی کو برا کہا اس نے درحقیقت مجھ کو برا کہا۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنا یہ آپؐ کو برا بھلا کہنے کے مترادف ہے، یہ حضرت علیؓ سے آپؐ کے کمال قرب کی علامت اور حضرت علیؓ کی بڑی فضیلت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **من سب علیا فقد سبنی** جس نے علیؓ کو برا کہا یعنی نسب کے لحاظ سے تو اس نے مجھے برا کہا، اس لیے کہ حضورؐ اور حضرت علیؓ کا نسب ایک ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کو برا کہنے والا کافر ہے؛ کیوں کہ حضورؐ کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہو جاتا ہے یا حضورؐ کا فرمان تہدید اور وعید میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ہے، یا یہ مستحل پر محمول ہے کہ جو حضرت علیؓ کی مذمت کو حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام حضرت علیؓ کی شان میں ادنیٰ سی بے توقیری گوارا نہیں کرتے تھے، چنانچہ مسلم اور ترمذی میں عامر بن سعد بن ابی وقاص سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت سعدؓ سے کہا "**ما منعك ان تسب ابا تراب**" آپ کو علی کو برا بھلا کہنے سے کس چیز نے روکا ہوا ہے؟ سعد نے کہا "**اما ما ذكرت ثلاثا قالهن له رسول الله صلى الله عليه وسلم فلن اسبه**" تین باتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمائیں اس کے بعد میں علیؓ کو برا بھلا ہر گز نہیں کہہ سکتا، پھر تین باتوں میں سے ایک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے یہ کہنا "**أنت منى بمنزلة هارون من موسى الخ**" کہ آپ میرے لیے ایسے ہو، جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے، دوسری بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**لاعطين الراية رجلا يحب الله ورسوله**" اور تیسری بات یہ کہ جب آیت قرآنی (**فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنا ئكم**) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علیؓ، فاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ کو بلا کر فرمایا "**اللهم هؤلاء اهلى**" اے اللہ! یہ میرے اہل وعیال ہیں، اسی طرح ابو یعلی نے حضرت سعد کی ایک روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں "**لو وضع المنشار على مفرقى على ان اسب عليا ما سببته ابدا**" اگر میری مانگ (سر کے بیچ) پر آری رکھ دی جائے اور علی کو گالی دینے کیلئے کہا جائے تو بھی میں کبھی انھیں گالی نہ دوں گا۔ حافظ ابن حجرؒ نے امام احمدؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے "**ما بلغنا عن احد من الصحابة ما بلغنا عن على بن ابى طالب**" علیؓ کے (فضائل کے) بارے میں ہمیں جتنی روایتیں پہنچی ہیں، صحابہ میں سے کسی کے متعلق نہیں پہنچیں۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۲۸۹۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۲**

## ﴿حضرت علیؓ کی حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ مشابہت﴾

**وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْكَ مَثَلٌ مِنْ عِيْسٰى أَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا أُمَّهُ وَأَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى أَنْزَلُوْهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ لَهُ ثُمَّ قَالَ يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُقَرِّظُنِيْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهُ شَنَاٰنِيْ عَلٰى أَنْ يَبْهَتَنِيْ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)**

**حواله:** مسند احمد، ص ۱۶۰، ج ۱

**حل لغات:** بَهَتُوا بَهَتَ (ف) بَهْتًا الشيء جھوٹا الزام لگانا۔ مُفْرِطٌ اَفْرَطَ (افعال) اِفْرَاطًا افراط کرنا، حد سے تجاوز کرنا۔ يُقَرِّظُ قرظ (تفعیل) تقریظًا خصوصیات ومحاسن بیان کرنا۔ شَنَاٰنِيْ شَنَأَ بغض رکھنا، نفرت کرنا۔

**ترجمه:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی تم کو عیسیٰ بن مریم سے خاص مشابہت ہے، یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض وعداوت کا رویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ ان کی ماں مریم پر (بدکاری کا) بہتان لگایا، اور نصاریٰ نے ان کے ساتھ ایسی محبت کی کہ ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا جو مرتبہ ان کا نہیں تھا، (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (بے شک ایسا ہی ہوگا) دو طرح کے آدمی میرے بارے میں ہلاک ہوں گے، ایک محبت میں غلو کرنے والے جو میری وہ

برائیاں بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں، دوسرے بغض وعداوت میں حد سے بڑھنے والے جن کی عداوت ان کو اس پر آمادہ کرے گی کہ وہ مجھ پر بہتان لگائیں۔ (احمد)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا ظہور ان کے دور خلافت ہی میں ہو گیا۔ خوارج کا فرقہ آپ کی مخالفت وعداوت میں اس حد تک چلا گیا کہ انھوں نے آپ کو مخرب دین، کافر اور واجب القتل قرار دیا، اور انھیں میں کے ایک شقی عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپؓ کو شہید کیا اور اپنے اس بدبختانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور داخلہ جنت کا وسیلہ سمجھا، اور آپ کی محبت میں ایسے غلو کرنے والے بھی پیدا ہو گئے، جنھوں نے آپ کو مقام الوہیت تک پہنچا دیا، اور ایسے بھی جنھوں نے کہا کہ نبوت ورسالت کے لائق دراصل آپ ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا مقصد آپ ہی کو نبی ورسول بنانا تھا، اور جبرئیل امین کو وحی لے کر آپ ہی کے پاس بھیجا تھا، لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور وحی لے کر محمدؐ کے پاس پہنچ گئے اور ان کے علاوہ ایسے بھی جنھوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور آپ کے بعد کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام وخلیفہ اور سربراہ امت تھے، اور رسول اللہؐ ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ تھے اور مقام ومرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر تھے اور کائنات میں تصرف اور علم غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپؓ حامل تھے، حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں غلو کرنے والے یہ لوگ مختلف فرقوں میں منقسم ہیں، مذاہب اور فرقوں کی تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فرقوں کی تعداد پچاس کے قریب تک پہنچتی ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** محب مفرط محبت وہی معتبر ہے جو معتدل ہو اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ہو۔ حضرت علیؓ کے حوالہ سے بے جا عقیدت اور بے خوف عداوت نے ان کی سیرت پر پردہ ڈالنے کی ایسی کوشش کی کہ ان کا اصل مقام سمجھنا ہی دشوار ہو گیا۔ خوارج جنھوں نے حضرت علیؓ سے جنگ صفین کے موقع پر "تحکیم" کے معاملہ میں اختلاف کیا تھا، اور پھر یہ اختلاف اس درجہ بڑھا کہ بالآخر ۳۷ھ یا ۳۸ھ میں حضرت علیؓ کو خارجیوں سے باقاعدہ جنگ کرنا پڑی، جو جنگ نہروان کے نام سے موسوم ہوئی۔ خارجی اپنے ظاہری اعمال اور پابندی شریعت کے لحاظ سے بہت ہی سچے اور مخلص مسلمان معلوم ہوتے تھے، انھوں نے حضرت علیؓ سے مخالفت بلکہ ان کے خلاف بغاوت وجنگ کے لیے بنیاد بھی اسی چیز کو قرار دیا تھا کہ حضرت علیؓ نے "اللہ کے حکم" کے بجائے جنگ صفین میں "انسانوں کے حکم" کو اختیار کیا۔ اور اس عمل کو وہ لوگ اللہ اور اس کے دین کے منافی قرار دیتے ہوئے حضرت علیؓ کو (نعوذ باللہ) خارج از اسلام گرداننے لگے تھے۔ اس موقع پر اپنے موقف کی حمایت وتائید میں انھوں نے کیا کچھ "گل افشانیاں" کی ہوں گی اور کس کس طرح حضرت علیؓ کو مطعون کر کے اپنے موقف کا برسر حق ہونا بیان کیا ہوگا؟ قارئین بخوبی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ عام صحابہ کرامؓ اور مخلص مسلمانوں نے خارجیوں کو سمجھانے اور عام مسلمانوں کو ان کے مکر وکید سے بچانے کی خاطر اس موقع پر حضرت علیؓ کے فضائل ومناقب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت قریبہ کا چرچا کیا۔ عبداللہ بن سبا منافق اور اس کا گروہ (جو حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت ہی سے "محبت اہل بیت" کا حسین غلاف ڈال کر اور حضرت علیؓ کی امامت کی فرضیت اور "خلافت بلافصل" کا اعلان کر کے اسلام اور اس کے حقیقی نظام کو تاراج کرنے کی پیہم کوششیں کر رہا تھا) بھلا اس "موقع فرصت" کو کیسے ہاتھ سے جانے دیتا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ان "سبائیوں" نے بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر "فضائل علیؓ" کی ایسی ایسی روایات وضع کیں کہ علی مرتضیٰؓ کو نہ صرف جماعت صحابہؓ میں سب سے افضل بنا ڈالا، بلکہ جماعت انبیاء اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حضرت علیؓ کو افضل قرار دے دیا۔ خارجیوں نے تو کھلے عام حضرت علیؓ سے اپنی دشمنی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے سلسلے میں انتہائی بے رحمانہ اور سنگدلانہ انداز اختیار کیا،

اوران عیوب سے ان کو متصف کیا جن سے حضرت علیؓ کا دامن پاک تھا، لیکن سبائیوں نے بظاہر عقیدت ومحبت کا راستہ اپنایا، اور اس راستہ سے حضرت علیؓ کی شخصیت کو داغدار کیا، اور یہی وہ بنیادی فرق ہے جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کی شخصیت اور دین اسلام کو خارجیوں سے کہیں زیادہ سبائیوں سے نقصان پہنچا اور آج تک پہنچ رہا ہے۔ (تاریخ کی مظلوم شخصیتیں)

## حدیث نمبر ۲۸۹۷ ﴿واقعۂ غدیر خم﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۳

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ بِغَدِيْرِ خُمٍّ أَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ أَنِّيْ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ أَنِّيْ أَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ فَلَقِيَهُ عُمَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَقَالَ لَهُ هَنِيْئًا يَا ابْنَ أَبِيْ طَالِبٍ أَصْبَحْتَ وَأَمْسَيْتَ مَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۱۶۰ ج ۱

**حل لغات:** غدیر خم ایک مقام کا نام ہے۔ وَالَاہ (مفاعلة) موالاة دوستی کرنا، دوست رکھنا۔ هَنِيْئًا هَنَأَ (تفعیل) تَهْنِيَةً مبارکباد دینا۔

**ترجمہ:** حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم پر نزول کیا اور قیام فرمایا تو آپؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر (عام حاضرین ورفقاء سفر سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا "الستم تعلمون انی اولیٰ بالمومنین من انفسهم" (کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں مسلمانوں کا ان کے نفسوں اور ان کی جانوں سے بھی زیادہ دوست اور محبوب ہوں؟) سب نے عرض کیا کیوں نہیں ہاں بے شک ایسا ہی ہے، پھر آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں ہر مومن کا اس کی ذات سے زیادہ دوست ومحبوب ہوں؟ سب نے عرض کیا کیوں نہیں (اس کے بعد) آپ نے فرمایا "اللهم من کنت مولاه فعلی مولاه. اللهم وال من والاه وعاد من عاداه" (اے اللہ میں جس کا دوست ہوں تو یہ علیؓ بھی اس کے دوست ہیں، اے اللہ جو علیؓ سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی فرما اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ فرما) اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے ملے اور (ان کو مبارکباد دیتے ہوئے) فرمایا کہ تمھیں مبارک اور خوشگوار ہو اے ابن ابی طالب! کہ تم ہر صبح اور ہر شام (یعنی ہر وقت) ہر مومن اور مومنہ کے دوست اور محبوب ہو گئے۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** یہ واقعہ جس کا ذکر اس روایت میں کیا گیا، حجۃ الوداع کے سفر سے واپسی کا ہے "غدیر" کے معنی تالاب کے ہیں اور خم ایک مقام کا نام جس کے قریب یہ تالاب تھا، یہ مقام مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے مشہور بستی "الجحفہ" سے تین چار میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ آنحضرتؐ حجۃ الوداع سے واپس ہوتے ہوئے اپنے رفقاء سفر کے پورے قافلہ کے ساتھ جس میں مدینہ منورہ اور قرب وجوار کے تمام ہی وہ صحابہ کرامؓ تھے جو اس مبارک سفر میں آپؐ کے ساتھ تھے، ۱۸؍ ذی الحجہ کو اس مقام پر پہنچے تھے، اور قیام فرمایا تھا، یہاں آپ نے ان رفقاء سفر کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، اس خطبہ سے متعلق حدیث کی کتابوں میں جو روایات ہیں، ان سب کو جمع کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اس خطاب میں کچھ اہم باتیں ارشاد فرمائی تھیں، جن میں سے ایک بات حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں وہ بھی تھی جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے۔ یہ بات آپؐ نے ایک تمہید کے ساتھ خاص اہمیت سے بیان فرمائی۔ سورہ احزاب کی آیت ۶ میں ارشاد فرمایا گیا ہے "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسهم" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان

کو فطری طور پر سب سے زیادہ محبت و خیر خواہی اپنے نفس اور اپنی عزیز جان کے ساتھ ہوتی ہے، ہمارے پیغمبر حضرت محمد کا حق ہے کہ اہل ایمان اپنے نفس اور اپنی جان عزیز سے بھی زیادہ آپ کے ساتھ محبت رکھیں۔ قرآن پاک کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور نے حاضرین سے فرمایا کہ کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ میں سب ایمان والوں کی دوستی اور محبت کا ان کے نفسوں اور ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق دار ہوں۔ سب حاضرین نے بیک زبان عرض کیا کہ ہاں! بے شک ایسا ہی ہے، اس کے بعد رسول اللہ نے ارشاد فرمایا، کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ ہر مومن کو اپنے نفس اور اپنی عزیز جان سے جو محبت اور تعلق ہے اس سے زیادہ محبت اور تعلق اس کو میرے ساتھ ہونا چاہئے۔ سب حاضرین نے عرض کیا کہ ہاں بے شک ایسا ہی ہے، آپ کا حق ہم میں سے ہر ایک پر یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی عزیز جان سے بھی زیادہ محبت آپ کے ساتھ ہو۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے میں لے کر فرمایا "**اللهم من كنت مولاه فعلي مولاه، اللهم وال من والاه وعاد من عاداه**" اے اللہ (تو گواہ رہ کہ) میں جس کا دوست اور محبوب ہوں تو یہ علی بھی اس کے دوست اور محبوب ہیں، تو اے اللہ! میری تجھ سے دعا ہے کہ جو علیؓ سے محبت رکھے تو اس سے محبت کا معاملہ فرما اور جو اس سے عداوت رکھے تو اس کے ساتھ عداوت کا معاملہ فرما۔ حضور کے اس خطاب کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ سے ملے اور مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا اے ابن ابی طالب تم کو مبارک اور خوشگوار ہو کہ آنحضرت کے اس ارشاد کے مطابق ہر ایمان والے اور ہر ایمان والی کے تم محبوب ہو گئے، ہر ایک تم سے ہمیشہ محبت کا تعلق رکھے گا۔ یہاں تک صرف حدیث کے مضمون کی تشریح کی گئی، اس موقع پر راقم السطور (مولانا منظور نعمانیؒ) ناظرین کو یہ بتلانا بھی مناسب سمجھتا ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین اس حدیث کو اپنے عقیدہ اور دعوے کی مضبوط ترین اور سب سے زیادہ وزنی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ غدیر خم کے اس خطاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کے لیے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ و جانشین اور امت کا امام و حاکم بنادیا تھا اور اس خطاب کا خاص مقصد یہی تھا، وہ کہتے ہیں کہ مولیٰ کے معنی آقا، مالک اور حاکم کے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں جن لوگوں کا آقا اور حاکم ہوں، علیؓ ان سب کے آقا اور حاکم ہیں، پس یہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت اور امت پر ان کی حاکمیت کا اعلان تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سطور سے ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ شیعہ حضرات کا یہ دعویٰ اور ان کی یہ دلیل کس قدر لچر ہے، حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو بیس یا اس سے بھی زیادہ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ لفظ مولیٰ بھی انہیں الفاظ میں سے ہے، عربی لغت کی مشہور و مستند ترین کتاب "القاموس المحیط" میں اس لفظ مولیٰ کے مندرجہ ذیل ۲۱ معنی لکھے ہیں۔ المولیٰ: (۱) المالك (۲) والعبد (۳) والعتيق (٤) والمعتق (٥) والصاحب (٦) القريب كابن العم و نحوه (۷) والجار (۸) والحليف (۹) والابن (۱۰) والعم (۱۱) والنزيل (۱۲) والشريك (۱۳) وابن الاخت (۱٤) والولي (۱٥) والرب (۱٦) والناصر (۱۷) والمنعم (۱۸) والمنعم عليه (۱۹) والمحب (۲۰) والتابع (۲۱) والصهر (ان تمام الفاظ کا ترجمہ مصباح اللغات کی عبارت میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے جو آگے نقل کی جارہی ہے) اور عربی لغت کی دوسری مستند و معروف کتاب "اقرب الموارد" میں بھی لفظ مولیٰ کے یہی سب معنی لکھے گئے ہیں۔ لغت حدیث کی مشہور و مستند ترین کتاب "**النهاية لابن الاثير الجزري في غريب الحديث الاثر**" میں بھی قریباً یہ سب معنی لکھے گئے ہیں، علامہ طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار میں نہایہ ہی کے حوالہ سے اس کی پوری عبارت نقل کردی ہے۔ مصباح اللغات جس میں عربی الفاظ کے معنی اردو زبان میں لکھے گئے ہیں، ہم اس کی عبارت بعینہٖ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ المولیٰ: مالک و سردار، غلام آزاد کرنے والا، آزاد شدہ، انعام دینے والا، جس کو انعام دیا جائے، محبت کرنے والا، ساتھی، حلیف پڑوسی، مہمان، شریک، بیٹا، چچا کا بیٹا، بھانجا، چچا، داماد، رشتہ دار، ولی، تابع۔ معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن پاک کی کسی آیت یا حضور کے کسی ارشاد میں یا کسی بھی فصیح و بلیغ کلام میں جب

کوئی کثیر المعنی لفظ استعمال ہو تو خود اس میں یا اس کے سیاق و سباق میں ایسا قرینہ موجود ہوتا ہے جو اس لفظ کے معنی اور اس کی مراد کو متعین کر دیتا ہے، اس زیر تشریح حدیث میں خود قرینہ موجود ہے، جس سے اس حدیث کے لفظ مولیٰ کے معنی متعین ہو جاتے ہیں، حدیث کا آخری دعائیہ جملہ ہے "اللهم وال من والاه وعاد من عاداه" (اے اللہ جو علی سے دوستی اور محبت رکھے تو اس سے دوستی اور محبت فرما، اور جو اس سے دشمنی رکھے، تو اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ فرما) اس سے متعین طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث میں مولیٰ دوست اور محبوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور "من كنت مولاه فعلي مولاه" کا مطلب وہی ہے جو اوپر تشریح میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر آنحضرت کی وفات کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس بات کی روشن اور قطعی دلیل ہے کہ غدیر خم کے ہزاروں صحابہ کرام کے اس مجمع میں سے کسی فرد نے خود حضرت علیؓ اور ان کے قریب ترین حضرات نے بھی حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں سمجھا تھا کہ آنحضرتؐ اپنے بعد کے لیے ان کی خلافت و حاکمیت اور امت کی امامت عامہ کا اعلان فرما رہے ہیں، اگر خود حضرت علی مرتضیٰؓ نے اور ان کے علاوہ جس نے بھی ایسا سمجھا ہوتا، تو ان کا فرض تھا کہ جس وقت خلافت کا مسئلہ طے ہو رہا تھا تو یہ لوگ کہتے کہ ابھی صرف ستر بہتر دن پہلے غدیر خم کے موقع پر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دیا تھا اور اہتمام سے اس کا اعلان فرمایا تھا، الغرض یہ مسئلہ خود حضورؐ طے فرما گئے ہیں اور حضرت علیؓ کو اپنے بعد کے لیے خلیفہ نامزد فرما گئے ہیں، اب وہی حضورؐ کے خلیفہ اور آپ کی جگہ امت کے حکمران اور سربراہ ہیں۔ لیکن معلوم ہے کہ نہ حضرت علیؓ نے یہ بات کہی اور نہ کسی نے، سبھی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آنحضرتؐ کا خلیفہ اور جانشین تسلیم کر کے بیعت کر لی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر شیعہ علماء کی یہ بات مان لی جائے کہ حضورؐ نے غدیر خم کے اس خطبہ میں "من كنت مولاه فعلي مولاه" فرما کر حضرت علیؓ کی خلافت و جانشینی کا صاف صاف اعلان فرمایا تھا تو معاذ اللہ حضرت علیؓ سب سے بڑے مجرم ٹھہریں گے کہ انھوں نے حضورؐ کے وصال کے بعد اس کی بنیاد پر خلافت کا دعویٰ کیوں نہیں فرمایا، ان کا فرض تھا کہ حضورؐ کی اس تجویز کی تنفید اور اس فرمان و اعلان کو عمل میں لانے کے لیے میدان میں آتے، اگر کوئی خطرہ تھا تو اس کا مقابلہ فرماتے۔ یہی بات حضرت حسنؓ کے پوتے حسن مثلث نے اس شخص کے جواب میں فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں رافضیوں والا غالیانہ عقیدہ رکھتا تھا اور حضورؐ کے ارشاد "من كنت مولاه فعلي مولاه" کے بارے میں کہتا تھا کہ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرتؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ نامزد فرما دیا تھا، تو حضرت حسن مثلث نے اس شخص سے فرمایا تھا "ولو كان الامر كما تقولون ان الله جل وعلى ورسوله اختار عليا لهذا الامر والقيام على الناس بعده، فان عليا اعظم الناس خطيئة وجرمًا اذا ترك امر رسول الله صلى الله عليه وسلم" (ترجمہ) اگر بات وہ ہو جو تم لوگ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علیؓ کو رسول کے بعد خلافت کے لیے منتخب اور نامزد فرما دیا تھا تو علیؓ سب سے زیادہ خطاکار اور مجرم ٹھہریں گے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اور جب اس شخص نے حسن مثلث سے یہ بات سن کر اپنے عقیدہ کی دلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "من كنت مولاه فعلي مولاه" کا حوالہ دیا تو حضرت حسن مثلث نے فرمایا "اما والله لو يعنى رسول الله صلى الله عليه وسلم بذالك الامر والسلطان والقيام على الناس لافصح به كما افصح بالصلوة والزكاة والصيام والحج ولقال: ايها الناس ان هذا الولي بعدى فاسمعوا واطيعوا" سن لو میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ کا مقصد علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ اور حاکم بنانا ہوتا تو بات آپ اسی طرح صراحت اور وضاحت سے فرماتے جس طرح آپ نے نماز، زکوٰۃ، روزوں اور حج کے بارے میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے اور صاف صاف یوں فرماتے کہ اے لوگو! یہ علی میرے بعد ولی الامر اور حاکم ہوں گے، لہٰذا تم ان کی بات سننا اور اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔ اس کے بعد یہ بات وضاحت طلب رہ جاتی ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس ارشاد سے کیا تھا اور حضرت علی مرتضیٰؓ

کے بارے میں اس خطاب میں آپ نے یہ بات کس خاص وجہ سے اور کس غرض سے فرمائی۔ (معارف الحدیث) اس کی تفصیلات گذر چکی ہیں دیکھیں عالمی حدیث ۶۰۹۱ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من کنت مولاہ فعلی مولاہ جیسا کہ نقل ہوا کہ شیعہ اس حدیث سے حضرت علیؓ کے لیے خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں، خلاصہ حدیث کے تحت ان کے عقیدہ ونظریہ کی اچھی تردید ہوگئی مزید کے لیے عالمی حدیث ۶۰۹۱ دیکھیں، اس میں غدیری افسانے کا پورا پوسٹ مارٹم موجود ہے، نیز اس حدیث کی صحت پر محدثین نے زبردست کلام کیا ہے، پھر عقیدۂ امامت اور خلافت بلافصل کے لیے تو شیعوں کے اعتبار سے بھی حدیث متواتر ہونی چاہئے اور حدیث باب کی تو صحت میں شبہ ہے تو تواتر کا تو کوئی سوال نہیں۔

**حدیث نمبر ۲۸۹۸ ﴿حضرت فاطمہؓ سے آپؓ کے نکاح کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۴**

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَطَبَ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَاطِمَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا صَغِيْرَةٌ ثُمَّ خَطَبَهَا عَلِيٌّ فَزَوَّجَهَا مِنْهُ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

**حوالہ:** نسائی، ص ۵۸ ج ۲، باب تزویج المرأۃ مثلها فی السن، کتاب النکاح، حدیث ۳۲۲۱

**حل لغات:** خَطَبَ (ض) خِطْبَةً پیغام نکاح دینا۔ زَوَّجَ (تفعیل) تزویجًا شادی کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کم سن ہے، پھر حضرت علیؓ نے پیغام نکاح دیا تو ان کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ (نسائی)

**خلاصۂ حدیث** ۲ھ میں حضرت سرور کائنات نے حضرت علیؓ کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے نکاح کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی، لیکن آنحضرتؐ نے ان حضرات کے مقابلے میں حضرت فاطمہؓ کی کم عمری کی وجہ سے ان کا نکاح نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی تو آپؐ نے ان سے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے، البتہ زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علیؓ نے اس کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا اور قیمت لاکر آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں اور خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔ نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو۔ چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ ملکۂ جنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔ (سیر الصحابہ)

**کلمات حدیث کی تشریح** انها صغيرة شیخین کے مقابلہ میں حضرت فاطمہؓ کی عمر بہت کم تھی۔ فزوجها منه آپؐ نے حضرت علیؓ سے فاطمہ کا نکاح کیا؛ کیوں کہ عمر کے لحاظ سے ان کو جوڑ بہت مناسب تھا، اس سے حضرت علیؓ کی فضیلت اور محبوبیت تو معلوم ہوتی ہے، لیکن مجموعی طور پر وہ شیخین سے افضل تھے یہ لازم نہیں تھا۔

**حدیث نمبر ۲۸۹۹ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۵**

**﴿حضرت علیؓ کے علاوہ سب کے دروازے بند کرنے کا حکم﴾**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِسَدِّ الْأَبْوَابِ إِلَّا بَابَ عَلِيٍّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حواله:** ترمذی، ص۲۱۴ ج ۲، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۳۲

**حل لغات:** سَدَّ سد (ن) سَدًّا الباب دروازہ بند کرنا۔

**ترجمه:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم فرمایا سوائے دروازۂ علیؓ کے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** پہلے مسجد سے متصل تمام مکانوں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے، سب سے پہلے انکو بند کرایا، مگر حضرت علیؓ کا دروازہ مستثنیٰ کیا؛ کیونکہ انکے گھر کے دروازہ کی دوسری طرف کھولنے کی کوئی صورت نہیں تھی، چنانچہ حسب حکم لوگوں نے گھروں کے دروازے دوسری طرف پھیر لیے، مگر مسجد نبوی میں آنے جانے کیلئے مسجد کی طرف دریچے بنا دئے۔ وفات نبوی کے قریب ابوبکرؓ کے دریچے کے علاوہ باقی دریچے بھی بند کرادیئے، اور حضرت علیؓ کا دروازہ بدستور کھلا رہا؛ کیوں کہ وہ ایک مجبوری تھی۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** امر بسد الابواب الا باب علی حضرت علیؓ کے گھر کا وہی ایک دروازہ تھا، جو مسجد میں کھلتا تھا اور کوئی دوسرا دروازہ نہیں تھا، لہٰذا ان کو دروازہ بند کرنے کے لیے نہیں فرمایا؛ کیوں کہ اس سے وہ مشکل میں پڑ جاتے بلکہ یہ ممکن ہی نہ تھا۔ عالمی حدیث ۶۰۱۹ گذری اس میں ہے "لا تبقین فی المسجد خوخة الا خوخة ابی بكر (مسجد میں کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند کردی جائیں سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے) دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے، دفع تعارض اور دیگر تفصیلات کے لیے عالمی حدیث ۶۰۱۹ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۲۹۰۰ ﴿حضرت علیؓ کا مقام بلند﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۶

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ لِيْ مَنْزِلَةٌ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ تَكُنْ لِأَحَدٍ مِّنَ الْخَلَائِقِ اٰتِيْهِ بِأَعْلٰى سَحَرٍ فَأَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَإِنْ تَنَحْنَحَ انْصَرَفْتُ إِلٰى أَهْلِيْ وَإِلَّا دَخَلْتُ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

**حواله:** نسائی، ص۱۳۵ ج۱، باب التنحنح فی الصلوۃ، کتاب السهو، حدیث ۱۲۱۱

**حل لغات:** اَلْخَلَائِقُ (واحد) خَلِيْقَةٌ مخلوق خدا۔ تَنَحْنَحَ (تفعل) تَنَحْنُحًا کھنکھارنا۔

**ترجمه:** حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مجھے ایک قرب حاصل تھا جو مخلوق میں سے کسی دوسرے کو حاصل نہ تھا، میں علی الصبح حاضر بارگاہ ہوتا اور عرض کرتا اے نبی اللہ! آپ پر سلام ہو، اگر آپ کھنکھارتے تو اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹ آتا ورنہ حاضر خدمت ہوجاتا۔ (نسائی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت علیؓ کو حضورؐ سے تعلق خاص تھا اور آپؓ کی حضورؐ سے بکثرت ملاقات رہتی تھی، قریبی عزیز ہونے کے ناطے حضورؐ سے ملاقات کے لیے گھر پر حاضر ہوتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فان تنحنح انصرفت حضرت علیؓ جب سلام کرتے تو اگر حضورؐ کسی کام میں مشغول ہوتے اور کوئی شرعی یا عرفی مانع ہوتا تو آپؐ سلام کے جواب میں کھنکھارتے، جس سے حضرت علیؓ سمجھ جاتے کہ حضورؐ مصروف ہیں اور ملاقات نہیں کرنا چاہتے تو وہ واپس چلے جاتے، ورنہ گھر میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے، حضورؐ کا سلام کے جواب میں کھنکھارنا یا تو سلام کے ساتھ ہوتا کہ آپؐ وعلیکم السلام بھی فرماتے اور ساتھ کھنکھارتے بھی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپؐ صرف کھنکھارتے تھے، سلام کا جواب نہیں دیتے تھے؛ کیوں کہ حضرت علیؓ کا سلام استیذان کے لئے ہوتا تھا۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱ ۲۹۰ ﴿حضورؐ کی دعا سے حضرت علیؓ کو شفا ملنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۷**

وَعَنْهُ قَالَ كُنْتُ شَاكِيًا فَمَرَّ بِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ أَجَلِيْ قَدْ حَضَرَ فَاَرِحْنِيْ وَاِنْ كَانَ مُتَاَخِّرًا فَارْفَعْنِيْ وَاِنْ كَانَ بَلَاءً فَصَبِّرْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَأَعَادَ عَلَيْهِ مَا قَالَ فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ اَوِاشْفِهٖ شَكَّ الرَّاوِيْ قَالَ فَمَا اشْتَكَيْتُ وَجْعِيْ بَعْدُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۱۹۶ ج۲، باب دعاء المریض، کتاب المناقب، حدیث ۳۵۶۴

**حل لغات:** اَرِحْنِي اراح (افعال) اراحۃً سکون عطا کرنا۔ اشفِهٖ شفی (ض) شفاءً شفا دینا۔ وَجْع (ج) اَوْجَاعٌ درد، تکلیف۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے ہی روایت ہے کہ میں بیمار تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے، اور میں کہہ رہا تھا اے اللہ اگر میری موت کا وقت آپہنچا ہے تو مجھے راحت پہنچا، اور دیر ہے تو صحت بخش، اور اگر آزمائش ہے تو صبر عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کہا؟ میں نے جو کہا تھا وہ دوہرایا۔ حضورؐ نے پائے اقدس سے انہیں ٹھوکر ماری اور کہا اے اللہ اسے عافیت بخش یا فرمایا شفاء عطا فرما۔ راوی کو اس میں شک ہے، حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ تکلیف مجھے پھر نہیں ہوئی۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے معجزہ کا ذکر ہے کہ آپؐ کے ذریعہ سے حضرت علیؓ کو فوری شفاء کامل مل گئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فارفعنی اس لفظ کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے (۱) فاء کے کسرہ اور غین معجمہ کے سکون کے ساتھ اس کا معنی ہے کہ میرے لیے زندگی میں فراخی پیدا فرما اور مجھے صحت عطا فرما۔ (۲) ایک صحیح نسخہ میں عین بھی آیا ہے بغیر نقطہ کے، اس کا معنی ہے اٹھانا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ مجھ سے میری اس بیماری کو اٹھالے اور دور کردے۔ فضربه برجله حضورؐ کا اپنا پاؤں ان کو مارنا ان کو اپنے بارے میں غفلت پر تنبیہ کرنے کے لیے یا شکایت حال سے روکنے کے لیے یا ان کو قدم مبارک کی برکت پہنچانے کے لیے تھا، تاکہ ان کو حضورؐ کی کمال متابعت اور قدم بقدم آپؐ کی اتباع حاصل ہو۔ اللھم عافه او اشفه، شك الراوی یہ کلام بعد والے کسی راوی کا ہے، حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جب بھی دعا کی جائے تو جزم اور یقین کے ساتھ صرف بھلائی اور صحت ہی مانگی جائے۔ شک اور تردد کے ساتھ دعا نہ کی جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے وہ دے گا تو اپنی مرضی سے، ہمیں صرف اپنی بھلائی ہی مانگنی چاہئے۔ (مرقات)

## باب مناقب العشرۃ رضی اللہ عنھم

## (عشرۂ مبشرہ کے فضائل کا بیان)

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۲۶ راحادیث جمع فرمائی ہیں، جن میں سے بعض وہ ہیں جن میں تمام عشرہ مبشرہ کے فضائل مشترکہ طور پر بیان ہوئے ہیں اور بعض وہ ہیں جن میں عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک خاص صحابی کی کوئی فضیلت مذکور ہے۔ رسول اللہؐ نے اپنے ایک ارشاد میں اپنے اصحاب کرامؓ میں سے خصوصیت کے ساتھ دس حضرات کو نامزد کر کے اعلان فرمایا کہ یہ جنتی ہیں، ان حضرات کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے، وہ دس حضرات یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ: آپؓ کا تذکرہ ایک مستقل باب میں ہوا تفصیلات دیکھ لی جائیں۔

(۲) حضرت عمر فاروقؓ: آپؓ کا تذکرہ بھی ماقبل میں مستقل باب کے تحت ہو چکا ہے۔

(۳) حضرت عثمان غنیؓ: آپؓ کا تذکرہ بھی ماقبل میں مستقل باب کے تحت ہو چکا ہے۔
(۴) حضرت علی مرتضیٰؓ: آپؓ کا تذکرہ بھی ماقبل میں مستقل باب کے تحت ہو چکا ہے۔
(۵) حضرت طلحہؓ: آپؓ کا تعارف ذیل میں ہوگا۔
(۶) حضرت زبیرؓ: آپؓ کا تعارف ذیل میں ہوگا۔
(۷) حضرت سعدؓ: عالمی حدیث ۶۲۰۲ کے تحت ان کے حالات مذکور ہیں۔
(۸) حضرت عبدالرحمٰنؓ: آپؓ کا تعارف ذیل میں دیکھیں۔
(۹) حضرت ابوعبیدۃؓ: آپؓ کا تعارف ذیل میں دیکھیں۔
(۱۰) حضرت سعیدؓ: آپؓ کا تعارف ذیل میں دیکھیں۔

یہ دس صحابی بقیہ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں، ان دس میں سے خلفائے راشدین ترتیب خلافت کے اعتبار سے افضل ہیں، جنت کی یہ خصوصی بشارت ان ہی دس کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ انکے علاوہ بہت صحابہؓ اور ازواج مطہراتؓ کو بھی دنیا ہی میں جنت کی بشارت ملی ہے۔

**حضرت طلحہؓ کا تعارف:** آپؓ کا اسم گرامی طلحہ، والد کا نام عبیداللہ، کنیت ابومحمد، لقب فیاض اور خیر، والدہ کا نام صعبہ تھا۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ آپؓ قریشی ہیں، آپ کی عمر ۱۷-۱۸ برس کی ہوگی کہ تجارتی اغراض سے بصرہ تشریف لے گئے، وہاں ایک تارک الدنیا راہب نے نبی آخرالزماں کی بشارت دی، مگر مذہبی ماحول کے پختہ اثر کی وجہ سے کچھ شکوک وشبہات میں مبتلا تھے، مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت اور ان کی مخلصانہ پند ونصائح نے تمام شکوک وشبہات دور کر دیئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام کی ترغیب دیتے رہتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور ایمان کی دولت لازوال اور خلعت ایمان سے مشرف ہوکر واپس آئے۔ حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے تھے جو ابتداء اسلام ہی میں دامن رسالت سے وابستہ ہوگئے تھے، آخر کار خود بھی اسلام کے روشن ستارے بن کر عالم میں چمکے اور دوسروں کو بھی چمکایا۔ عشرہ مبشرہ اور چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک آپؓ بھی ہیں۔

**شادی اور اولاد:** آپ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی ہیں، جن کی تعداد چھ ہیں۔ جن سے متعدد اولادیں ہوئیں آپ کے دس لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔

**شہادت:** حضرت طلحہؓ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے بالمقابل تھے، حضرت علیؓ نے انکو تنہا بلا کر علیحدہ میں کچھ گفتگو کی حضرت طلحہؓ جنگ سے کنارہ کش ہوکر کہیں جا کر بیٹھ گئے تھے، اچانک ایک تیر مروان بن حکم کی طرف سے آکر پیر میں لگا جس سے خون جاری ہوگیا، اور زبردست زخم ہوگیا، حالت یہ ہوئی کہ زخم کا منہ بند کیا جاتا تو پاؤں میں ورم ہو جاتا اور چھوڑ دیا جاتا تو خون چلنے لگتا تھا، حضرت طلحہؓ نے فرمایا اسے چھوڑ دو یہ تیر خدا کیطرف سے بھیجا ہوا ہے، چنانچہ اس زخم سے بعمر ۶۴ سال ۳۶ھ میں وفات پائی اور اسی جگہ کسی گوشے میں مدفون ہوگئے۔

**حضرت زبیرؓ کا تعارف:** باپ کا نام العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ قبیلہ اسدی قرشی، کنیت ابوعبداللہ منجملہ عشرۂ مبشرہ اور منجملہ اصحابِ شوریٰ، نبیؐ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے لڑکے ہیں۔ شہادت ۳۶ ہجری جنگ جمل میں ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت زبیرؓ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے اور ان کا نکاح صدیق اکبرؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ سے ہوا تھا، اس طرح بیک وقت ان کے حضورؐ سے کئی رشتے تھے۔ حضرت زبیرؓ ہجرت سے ۲۸ سال قبل پیدا ہوئے بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ ایک مرتبہ جب مکہ میں حضورؐ کی گرفتاری کی غلط خبر مشہور ہوئی تو حضرت زبیرؓ

نے تلوار سونت لی، مورخین کے نزدیک یہ پہلی تلوار تھی جو اسلام کی خاطر برہنہ ہوئی۔ آپؓ کے چچا نوفل نے دیگر مشرکین کی طرح بہت ستایا اور چٹائی میں لپیٹ کر دھونی بھی دی، لیکن حضرت زبیرؓ کے پایۂ استقامت میں فرق نہ آیا۔

**ھجرت:** پہلے حبشہ کو ہجرت کی پھر وہاں سے آ کر مدینہ منورہ میں جا بسے، شروع میں مواخاۃ حضرت طلحہؓ کے ساتھ ہوئی لیکن بعد میں آپؓ کا تعلق مسلمہ بن سلامہ سے قائم ہوا، تمام ہی غزوات میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ حضورؐ نے انھیں حواری رسول کا لقب دیا اور ان کیلئے آپ نے فداك ابی و امی کے امتیازی الفاظ ارشاد فرمائے۔ وفات نبویؐ سے سخت صدمہ پہنچا اور دور صدیقیؓ میں گوشہ نشین رہے، پھر جب دور فاروقیؓ آیا تو آپؓ نے یرموک، فسطاط، اسکندریہ اور مصر وغیرہ کی فتوحات میں اپنی جوانمردی کے جوہر دکھائے۔ فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت آپ ہی کی رائے سے منعقد ہوئی، لیکن دور صدیقیؓ کی طرح دور عثمانیؓ عزلت میں گزرا۔

**شھادت:** حضرت عثمانؓ کی شہادت پر انہیں بہت رنج ہوا اور حضرت عائشہؓ کی رفاقت میں عثمانؓ کے قصاص کا دعویٰ لے کر اٹھے۔ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ کو بصرہ میں جنگ جمل پیش آئی۔ حضرت علیؓ نے اسی دوران انھیں حضورؐ کی ایک حدیث یاد دلائی جس سے حضرت زبیرؓ کا دل جنگ سے اچاٹ ہو گیا اور وہ واپس حجاز کی طرف چل پڑے بصرہ سے باہر آ کر انھوں نے ظہر کی نماز کے لئے نیت باندھی تو عین سجدہ کی حالت میں ابن جرموز شقی نے آپ کو شہید کر دیا۔ یہ شخص جب حضرت زبیرؓ کی تلوار اور زرہ لے کر بارگاہ مرتضوی میں حاضر ہوا تو حضرت علیؓ نے اسے جہنم کی خوشخبری سنائی۔

**ازواج و اولاد:** حضرت زبیرؓ نے مختلف اوقات میں پانچ شادیاں کیں، پہلی بیوی اسماء بنت ابی بکرؓ تھیں جن سے عبداللہ، عروہ، منذر، خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسن اور عائشہ کل چھ بچے پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی کا نام ام خالد بنت خالد بن سعید ہے، ان کے بطن سے پانچ بچے خالد، عمر، حبیبہ، سودہ اور ہند پیدا ہوئے۔ تیسری رباب بنت انیف تھیں جو مصعب، حمزہ اور رملہ کی ماں ہیں۔ چوتھی بیوی کا نام زینب بنت بشر ہے ان کے تین بچے عبیدہ، جعفر اور حفصہ پیدا ہوئے جب کہ پانچویں بیوی ام کلثوم بنت عقبہ تھیں، جن سے صرف ایک لڑکی زینب پیدا ہوئی، اس طرح ان کی اولاد کی تعداد اٹھارہ ہے۔ حضرت زبیرؓ کا رنگ گندمی اور بدن چھریرا تھا، بال کاندھوں تک تھے اور قد کافی بلند و بالا تھا، خصوصاً پاؤں تو اس قدر لمبے تھے کہ گھوڑے پر چڑھ کر بھی وہ زمین تک پہنچ جاتے۔ حضرت زبیرؓ کی کل عمر ۶۴ سال کی ہوئی اور شہادت کے بعد وہ وادی السباع میں مدفون ہوئے۔

**حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا تعارف:** نام نامی عبدالرحمٰن (جاہلی نام عبدالکعبہ یا عبدعمرو)، باپ کا نام عوف بن عبدعوف بن عبدالحارث، کنیت ابومحمد، قبیلہ زہری قرشی، منجملہ عشرۂ مبشرہ اور منجملہ اصحاب شوریٰ۔ ولادت ۴۴ سال قبل ہجرت، وفات مدینہ میں ۳۲ ہجری میں ہوئی، آٹھویں نمبر پر مسلمان ہوئے۔ بڑے مالدار، بڑے سخی، بڑے بہادر اور بڑے عقلمند تھے۔ حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی۔ بدر سے لے کر سبھی جنگوں میں شریک رہے۔ غزوۂ تبوک میں آپؓ کے پیچھے نبیؐ نے فجر کی نماز پڑھی ہے۔ صدیق اکبرؓ کی ہدایت پر ایمان لائے اور اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ نہایت صائب الرائے اور عقلمند تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلافت کے لئے آپ کا بھی نام پیش کیا اور فرمایا کہ یہ چھ آدمی (جن میں حضرت عبدالرحمٰن بھی ہیں) ایسے ہیں جن سے رسول خدا آخر وقت تک خوش رہے۔ عام مسلمانوں کی طرح آپؓ کو بھی اسلام کی خاطر بہت قربانیاں دینے کا موقع ملا۔ اکثر غزوات میں بھی شرکت کی، غزوۂ بدر میں رسول خدا کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل آپؓ ہی کے اشارے پر دو ننھے جانبازوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ غزوۂ احد میں بھی آپؓ نہایت پامردی سے لڑے اور دشمنانِ اسلام کو تہہ تیغ کیا۔ اس کا اندازہ اسی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جنگ کے بعد ۲۰ سے زائد زخم آپ کے جسم پر شمار کئے گئے، خصوصاً پیر میں تو ایسے زبردست زخم لگے تھے کہ صحت ہو جانے کے بعد بھی لنگڑا کر چلتے تھے۔ شعبان ۶ھ میں دومۃ

الجندل کی مہم پر مامور ہوئے۔ رسول اللہؐ نے بلا کر اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا راہ خدا میں روانہ ہو جاؤ جو لوگ خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہیں، ان سے جہاد کرو لیکن نہ کسی کو دھوکہ دینا، نہ بچوں کو مارنا اور وہاں پہنچ کر انھیں دعوت اسلام دینا، اگر وہ قبول کر لیں تو ان کی بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لینا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچے اور اس طرح تبلیغ اسلام کا کام کیا کہ ان کے قلب متاثر ہو گئے اور وہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ حضورؐ کے خلفا کے زمانے میں بھی آپ نے بہت اہم مسئلوں کو نہایت بہتر طریقے پر حل فرمایا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے سلسلے میں بھی آپ شریک مشورہ رہے اور آپ نے تیسرے نمبر پر حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کی، خلیفہ اول تمام اہم اور انتظامی معاملات میں آپ سے مشورہ کرتے، انتقال کے وقت آپ کو بلا کر خلافت کے سلسلہ میں مشورہ کیا، اور اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ خلیفۂ اول کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔ اسی طرح فاروق اعظمؓ کے زمانے میں بھی آپ تمام معاملات میں شریک مشورہ رہے اور اکثر آپ ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔ (ہمارے اسلاف)

**حضرت ابوعبیدہؓ کا تعارف:** ابوعبیدہ کا نام عامر اور سلسلہ نسب یوں ہے، ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن اہیب بن ضبۃ بن الحارث بن فہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فہر بن مالک میں جا کر ان کا نسب ملتا ہے اور ان کی والدہ ان کے والد کی چچازاد بہن تھیں۔ ابوعبیدہؓ کی والدہ سے متعلق یہ آیا ہے کہ وہ اسلام قبول کر چکی تھیں جب کہ والد کافر مرا تھا، غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ خود ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہی قتل کیا تھا، خود حضرت ابوعبیدہؓ کا ۱۸ ہجری میں طاعونِ عمواس میں وصال ہوا، اس وقت وہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے امیر تھے۔ ان کی قبر کے بارے میں علامہ عینی فرماتے ہیں کہ غور بیسان میں قریہ عمتا میں دفنائے گئے اور ان کی نماز جنازہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے پڑھائی۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے امین الامۃ کا لقب ملا تھا ان کا قد دراز تھا اور اگلے دانت ٹوٹے ہوئے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے تیر نکالنے کے دوران ٹوٹ گئے تھے۔ تمام غزوات میں حضورؐ کے ساتھ شرکت کی۔ مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے پہلے غزوہ بدر میں بے مثال جوہر دکھائے اور اسلام کی راہ میں آنے والے ہر روڑے کو بغیر کسی رعایت کے دھکا دے کر ہٹا دیا، چنانچہ ان کے والد کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے وہ تاک تاک کر ابوعبیدہؓ پر حملہ کر رہے تھے، تھوڑی دیر تک ابوعبیدہؓ طرح دیتے رہے مگر یہ بات زیادہ دیر نہ قائم رہ سکی اور آخر اسلام کی محبت قرابت پر غالب آگئی اور ایسا وار کیا کہ دشمنِ اسلام کا صفایا ہو گیا۔ اسی طرح غزوۂ احد میں بھی نہایت بہادری کے ساتھ لڑے، قربانیاں دیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں چبھ گئیں، آپ نے اسے اپنے دانتوں سے کھینچ کھینچ کر نکالا، جس کے نکالنے میں دو دانت شہید ہو گئے، اسی طرح تمام غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شیخینؓ کے دور میں بھی آپؓ نے اہم اہم جنگوں میں شرکت کی اور اسلام کو حیات جاودانی بخشی۔

**حضرت سعید بن زید کا تعارف:** اسم مبارک سعید اور کنیت ابوالاعور والد کا نام زید اور والدہ کا فاطمہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے سگے بہنوئی تھے ان کے والد زید اگرچہ حضور علیہ السلام کے اعلان نبوت کے وقت زندہ نہ تھے، مگر ان کو ابتدا ہی سے حضورؐ سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ دین ابراہیم پر قائم رہ کر بت پرستی، شراب نوشی اور اسی طرح کے تمام فحش کاموں سے انتہائی نفرت کرتے تھے۔ بتوں کا چڑھاوا بھی نہیں کھاتے تھے، چنانچہ اعلانِ نبوت سے قبل ایک مرتبہ زید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک وادی میں جمع تھے، حضور علیہ السلام کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا پھر زید کے سامنے پیش کیا گیا، تو انھوں نے بھی انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے بتوں کا چڑھاوا نہیں کھاتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت میں جب اہل عرب عام طور پر اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، اس

زمانے میں ان کو ان معصوم بچیوں پر بہت ترس آتا تھا، اور کسی بھی باپ کو دیکھتے کہ وہ اپنی بچی کو دفن کرنے کا ارادہ کر رہا ہے، تو اس سے کہہ سن کر اس بچی کی کفالت اپنے ذمے لے لیتے تھے، اعلانِ نبوت کے بعد حضرت سعیدؓ نے فوراً اسلام قبول کیا؛ کیوں کہ ان کے باپ زید کے موحد ہونے کی وجہ سے ان کے لئے یہ دین کوئی اجنبی نہیں تھا، ان کے ساتھ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن فاطمہ نے بھی جو ان کی بیوی تھیں اسلام قبول کیا۔ عمرؓ اس وقت تک دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور کفر پر انتہائی متشدد تھے، جب انھیں معلوم ہوا کہ ہمارے ہی بہنوئی اور بہن نے اسلام قبول کرلیا ہے، تو انتہائی جوش وخروش کے ساتھ ان کے گھر پہنچے اور وہاں جا کر ان دونوں سے پوچھا، کیا تم نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ جب جواب اثبات میں ملا تو بہت غضبناک ہوئے اور اس قدر مارا کہ دونوں لہولہان ہوگئے، مگر پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہ ہوئی اور ہر مرتبہ سوال کرنے پر یہی جواب ملتا رہا کہ اے عمرؓ! اب ہم اسلام سے کسی صورت میں انحراف نہیں کر سکتے، تو عمرؓ کے دل پر بہت اثر ہوا جس کے نتیجے میں اسلام قبول کیا یہی مشہور بات ہے۔ حضرت سعیدؓ نے تمام غزوات میں شرکت کی اور نہایت بہادری اور پامردی سے لڑے۔ آپ کے دل میں شوق جہاد بے انتہا تھا اور راہ خدا میں قربان ہونے کو ہر چیز پر فوقیت دیتے تھے جس کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں جنگ یرموک کے دوران حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کو دمشق کا گورنر بنا کر بھیج دیا، کچھ دن اس خدمت کو انجام دینے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس کہلوایا کہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں، لہٰذا جلد میری جگہ پر کسی دوسرے آدمی کا انتظام کیجئے، میں عنقریب میدان میں آنے والا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے ایسا ہی کیا اور اس مجاہد نے رزم گاہ میں آکر اپنی پیاس بجھائی؛ مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر عقیق نامی بستی میں آپ کا قیام تھا وہیں ۵۱ھ یوم جمعہ ستر سال کی عمر میں عالمِ فنا سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، مدینہ طیبہ مدفن بنا۔ (ہمارے اسلاف)

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۲۹۰۲ ﴿خلافت کے لیے منتخب صحابہؓ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۸**

عَنْ عُمَرَؓ قَالَ مَا أَحَدٌ أَحَقَّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ الَّذِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ فَسَمَّى عَلِيًّا وَعُثْمَانَ وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَسَعْدًا وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۳ ج ۱، باب قصة البيعة، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۰۰۰

**حل لغات:** النَّفَر آدمیوں کی تین سے دس تک کی جماعت (ج) أنفار۔

**ترجمہ:** حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ امر خلافت کا ان حضرات سے زیادہ کوئی مستحق نہیں، جن سے وفات پانے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی رہے اور علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰنؓ کے نام لیے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** بخاری میں یہ روایت لمبی ہے، یہاں اس طویل روایت کا کچھ حصہ مذکور ہے، حضرت عمرؓ پر جب حملہ ہوا تو انھوں نے شہید ہونے سے قبل بہت سے امور نمٹائے اور بہت سی نصیحتیں کیں، چنانچہ انھوں نے اپنے بعد خلافت کے لیے چھ اشخاص کی شوریٰ بنائی کہ آپس کے مشورہ سے اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرلیں، چنانچہ فاروقِ اعظمؓ کی تجہیز وتکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا اور دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا، آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے، لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کردینا چاہئے اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے، حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے بارے میں رائے دی، حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن کا نام لیا، حضرت طلحہؓ نے

حضرت عثمانؓ کو پیش کیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ میں اپنے حق سے باز آتا ہوں، اس لیے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے، اوران دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول وسنتِ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، اس کے بعد علاحدہ علاحدہ حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں، اس پر ان دونوں کی رضامندی لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ اور تمام صحابہ مسجد میں جمع ہوئے، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ایک مختصر لیکن مؤثر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا، حضرت علیؓ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے، غرض چوتھی محرم ۲۴ھ دوشنبہ کے دن حضرت عثمانؓ اتفاق رائے سے مسند نشینِ خلافت ہوئے اور دنیائے اسلام کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ (سیر الصحابہ)

## کلمات حدیث کی تشریح

**ما احد احق بهذا الامر** حضرت عمرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں کسی متعین فرد کو سپرد کرنے کے بجائے اس کو شوریٰ کی صوابدید پر چھوڑا، شوریٰ میں آپؓ نے کن لوگوں کو چنا، اور دوسروں پر انھیں ترجیح کیوں دی؟ پھر انھیں انتخابِ خلفیہ کے سلسلہ میں کن ضوابط وہدایات کا پابند بنایا؟ ان سارے معاملات میں حضرت عمرؓ نے **کیف ما اتفق** کوئی سرسری بات نہیں کی، بلکہ ایک عظیم فلسفہ اور اسلام کی روح کی عکاسی ہدایات واشارات کے ذریعہ فرما کر اپنا فرضِ منصبی ادا فرمایا، حضرت عمرؓ نے پہلے تو اس بات کی وضاحت ضروری سمجھی کہ خلیفہ کی نامزدگی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور انھیں کیا ہر صورت میں خلیفہ مقرر ہی کرنا ہے، اس کے لیے آپؓ نے فرمایا "**ما اجد احق بهذا الامر الخ**" ابن سعدؒ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "**فايهم استخلف فهو الخليفة من بعدى**" ان میں سے جس کو بھی خلیفہ بنایا گیا، وہی میرے بعد خلیفہ ہوں گے، ہزاروں صحابہ اور لاکھوں مسلمانوں میں انہیں چھ افراد کی شوریٰ آپؓ نے کیوں بنائی؟ اس کی وجہ بھی آپؓ نے خود ہی بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رضامندی اور خوشی کی حالت میں دنیا سے گئے ہیں، اور اس بات میں کوئی شبہ اور ابہام بھی نہیں ہے، چنانچہ یہ حضرات جنت کی خوشخبری پانے والے دس حضرات عشرۂ مبشرہ میں بھی شمار ہوتے ہیں، اللہ کے رسولؐ کی ان سے رضامندی بھی اللہ تعالیٰ کی ان سے رضا کے مترادف ہے، اور "**مبشرا بالجنة**" ہونا بھی ان کی اللہ کے ہاں قبولیت ایمان واعمال کی دلیل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں استحقاقِ خلافت اور اہلیتِ حکمرانی کے لیے دین داری اور خدا ترسی میں فائق وممتاز ہونا ضروری ہے۔

**خلافت کے حوالے سے دو اہم ہدایات:** اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا جو طرزِ عمل اور نقطہ نظر آپؓ کے فرمودات وہدایات سے معلوم ہوتا ہے، اس میں دو چیزیں اہم ہیں۔ (۱) تقویٰ اور للّٰہیت: جس کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملے کو دینداری میں سب سے ممتاز افراد تک محدود رکھا گیا ہے، اور ان کے علاوہ کسی کو بھی اس میں حصہ لینے اور دلچسپی لینے کی اجازت نہیں دی۔

(۲) شورائیت کو بنیادی حیثیت دی، بالفاظ دیگر شرط خلافت ایمان وتقویٰ کو قرار دیا گیا اور طرز خلافت شورائیت کو، ابن سعد کی ایک روایت سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے، جس میں سعید بن زید حضرت عمرؓ سے کہتے ہیں کہ اگر آپ کسی مسلمان کی نامزدگی کا اشارہ دیں گے، تو لوگ اس پر اعتماد اور رضامندی کا اظہار کریں گے، حضرت عمرؓ نے کہا، **قد رايت الخ** میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے بدترین حرص کا مظاہرہ دیکھا، جب کہ میں اس امرِ خلافت کو انہی چھ افراد میں رکھ رہا ہوں جن سے رسول اللہ دنیا سے جاتے ہوئے راضی تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی خلافت کے امیدوار اور متمنی تھے، مگر حضرت عمرؓ نے ان کو سختی سے منع کیا اور انہی چھ بزرگوں کی شوریٰ بنائی اور جہاں تک نامزدگی اور اپنی شخصی رائے کے بجائے شورائیت کو بنیادی حیثیت دینے کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے بھی ابن سعدؒ کی ایک مفصل روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں، **وليخل هؤلاء الخ** فرمایا یہ لوگ (اصحاب ستہ) کسی گھر میں اپنی خفیہ

میٹنگ کریں اور جب وہ کسی پر متفق ہو جائیں تو جو کوئی ان کی مخالفت کرے اس کا سر اڑا دو، جب یہ حضرات حضرت عمرؓ کے یہاں سے نکلے تو آپؓ نے کہا اگر یہ لوگ کسی بے سینگ جانور کو بھی مقرر کردیں تو وہ بھی ان کو راہ راست پر لے چلے گا (یعنی اب اس شوریٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت شامل حال رہے گی)، ابن عمرؓ نے کہا آپ کیوں کسی کو مقرر نہیں کررہے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اس کی ذمہ داریاں اٹھانا پسند نہیں، دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں، **فمن تامر منکم الخ** یعنی جو کوئی تم میں سے بغیر مسلمانوں کے مشورے کے امیر بنا تو اس کی گردن مارو، اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک اور بات کی وضاحت بھی کی وہ یہ کہ اگر آپ (عمر) خلیفہ مقرر کرتے ہیں تو یہ بھی درست ہے؛ کیوں کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی مقرر کیا تھا، اور اگر نہیں کرتے تو یہ بھی صحیح ہے اور رسولؐ نے کسی کو مقرر نہیں کیا، چنانچہ فرماتے ہیں، ان استخلف الخ اگر میں خلیفہ مقرر کرتا ہوں تو یہ بھی سنت ہے، چنانچہ رسولؐ وفات پائے جب کہ خلیفہ مقرر نہیں فرمایا اور ابوبکرؓ وفات پائے تو خلیفہ مقرر کیا، دونوں باتوں کی گنجائش موجود ہے۔

**تقرر خلیفہ کے تین طریقے**: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں بھی ان دونوں بلکہ تینوں طریقوں کی گنجائش ہے: (۱) یہ کہ خلیفہ کا تقرر مسلمان آپس کے وسیع تر مشورے اور اتفاق رائے سے کریں جیسے خلافت ابوبکر میں ہوا۔ (۲) یہ کہ خلیفہ اپنا جانشین خود مقرر کریں بشرطیکہ وصیت کرنے والا خلیفہ بھی دینی اعتبار سے قابل اعتماد اور حامل تقویٰ و تدین ہو اور اس کا ممکنہ جانشین بھی، جیسے حضرت عمرؓ کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے وصیت فرمائی۔ (۳) یہ کہ منتخب اور چنے ہوئے افراد کی مختصر شوریٰ تشکیل دی جائے اور وہ اس کا فیصلہ کرے جیسے یہاں خلافت عثمانؓ کے سلسلے میں ہوا۔



**عشرۂ مبشرہ میں سے بعض کو ذکر نہ کرنے کی وجہ؟**: یہاں یہ ایک سوال ہوسکتا ہے کہ عشرۂ مبشرہ میں سے صرف چھ کا ہی کیوں انتخاب کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عشرۂ مبشرہ میں سے دو حضرات یعنی حضرت ابوبکرؓ اور خود عمرؓ تھے اور یہ دونوں ظاہر ہے، شامل مشاورت نہیں ہوسکتے تھے، کیوں کہ حضرت عمرؓ تو خود ہی صاحب معاملہ ہیں، اور ان کی خلافت شہادت کے ساتھ ختم ہو رہی ہے، جب کہ ابوبکرؓ کا ان سے بھی پہلے وصال ہو چکا ہے، رہے ابوعبیدہ بن الجراحؓ تو ان کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ (فتح الباری، ص۸۴ ج۹) سعید بن زیدؓ کو شوریٰ میں کیوں نہیں لایا گیا: ؟ اب بقیہ سات حضرات میں سے صرف سعید بن زیدؓ ہی بچے، تو ان کا نام نہ لینے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ اقربا پروری اور اس کے الزام سے بچنا چاہ رہے تھے اور حضرت سعید بن زیدؓ چوں کہ عمر فاروقؓ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی تھے، سو ان کو شامل مشورہ کرنے پر اور خلافت کا امیدوار بنانے پر اعتراض ہوسکتا تھا، اور ممکن ہے کسی اور سبب کی بنا پر ان کو خلافت کے لیے ناموزوں قرار دیا گیا ہو۔ علامہ عینیؒ کہتے ہیں، اما سعید الخ لیکن خلافت کے لیے نااہل قرار دینے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ حضرت سعید بن زیدؓ عشرۂ مبشرہ میں بھی نہیں رہے تھے، یا ان کے مقام و مرتبے میں کوئی کمی آئی تھی، چنانچہ مدائنی کی روایت ہے، جس میں حضرت عمرؓ نے سعید بن زیدؓ کا ان لوگوں میں شمار کیا ہے، جن سے رسولؐ دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھے، مگر حضرت عمرؓ نے شوریٰ کی خلافت سے ان کو قرابت داری کی وجہ سے مستثنیٰ فرمایا تا کہ آپؓ پر اقربا پروری کا الزام نہ لگے۔ (کشف الباری)

## حدیث نمبر ۲۹۰۳ ﴿حضرت طلحہؓ کی جانثاری کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۰۹

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِيْ حَازِمٍ قَالَ رَأَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقَى بِهَا النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ**: بخاری، ص۵۸۱ ج۲، باب، کتاب المغازی، حدیث ۴۰۶۳

**حل لغات**: شَلَّاء بے جان، شل، مفلوج (ج) شُلّ۔ وَقَى، ضرب وَقْيًا وَوِقَايَةً حفاظت کرنا۔

**ترجمہ**: حضرت قیس ابن ابی حازمؒ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت طلحہؓ کا ہاتھ دیکھا وہ شل ہو چکا تھا، انھوں

نے غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہاتھ کے ذریعہ بچایا تھا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** جنگ احد کے دن ایک وقت ایسا آیا کہ دشمن لشکر کے تیراندازوں نے خصوصیت سے رسول اللہؐ کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا کر آپؐ کو شہید کر دینا چاہا، اس وقت جب کہ آنحضرتؐ پر تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے اپنے سپر کے ذریعہ حضورؐ کو بچانے کی کوشش کی، اسی حال میں ہاتھ ایسا زخمی ہوا کہ سپر ہاتھ سے گر گیا، تو انھوں نے خود اپنی ذات اور اپنے پورے جسم کو خاص طور سے اپنے دونوں ہاتھوں کو سپر بنالیا، اور حضورؐ کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے اوپر لیا، دشمن کا ایک تیر بھی حضور تک نہیں پہنچنے دیا، جس کی وجہ سے ایک ہاتھ تو بالکل شل ہو گیا اور پورا جسم کو چھلنی ہو گیا، روایات میں ہے کہ ان کے جسم پر اسی سے اوپر زخم شمار کئے گئے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق زندہ رہے اور احد کے بعد بھی قریباً تمام ہی غزوات میں حضورؐ کے ساتھ رہے، پھر آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت تک دین اور امتِ مسلمہ کی خدمت ہی ان کا نصب العین اور ان کی زندگی کا مصرف رہا، یہاں تک کہ جنگ جمل میں شہید ہوئے ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ'' اس روایت کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے راوی قیس ابن ابی حازم معروف اصطلاح کے مطابق صحابی نہیں ہیں، انہوں نے آنحضرتؐ کی حیات طیبہ ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ اور حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کیا، لیکن ایسے وقت پہنچے کہ آنحضرتؐ اس دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرما چکے تھے، اس لیے اگرچہ تابعین میں ہیں، لیکن سفر کیا تھا، اس لیے ان کتابوں میں جو صحابہ کرامؓ کے حالات میں لکھی گئیں ہیں، ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے، گویا ان کتابوں کے مصنفین نے حضورؐ کے ارشاد ''**انما الاعمال بالنیات وانما لامرء ما نوی**'' کی روشنی میں ان کی نیت ہی کو عمل کے قائم مقام قرار دے کر صحابہ کرامؓ کے ساتھ شمار کرلیا ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** وقی بھا آپؐ کی حفاظت میں حضرت ابوطلحہؓ کا پورا جسم چھلنی ہو گیا تھا، مشرکین نے آپؐ پر شدید حملہ کیا، جس کو حضرت طلحہؓ نے روکا اور تلواروں کی ضرب سے ان کے ہاتھ کی انگلیاں تک کٹ گئیں، حضرت طلحہؓ خود فرمایا کرتے تھے، **عقرت یومئذٍ فی سائر جسدی حتی عقرت فی ذکری** پورا جسم حتی کہ شرمگاہ تک زخمی ہوئی، صحابہؓ جب حضورؐ کے پاس دوبارہ پہنچے تو حضرت طلحہؓ زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے تھے، حضورؐ نے فرمایا اپنے بھائی طلحہؓ کو سنبھالو، اس نے جنت واجب کرلی، یہی ارشاد آپؐ نے اس وقت فرمایا جب چٹان پر چڑھنے کے لیے انھوں نے حضورؐ کو سہارا دیا، ان کے کارنامے احد میں بے حد نمایاں رہے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ جب احد کا تذکرہ فرماتے تو کہتے وہ طلحہ کا دن تھا۔ (ضیاء السنن)

**حدیث نمبر ۲۹۰۴ ﴿حضرت زبیرؓ کے خصوصی مقام کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۱۰**

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّأْتِيْنِيْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَوْمَ الْأَحْزَابِ قَالَ الزُّبَيْرُ أَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۳۹۹ ج ۱، باب فی فضل الطلیعة، کتاب الجهاد، حدیث ۲۸۴۶، مسلم، ص ۲۸۱ ج ۲، باب فضائل طلحة والزبیر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۱۵

**حل لغات:** حَوَارِيٌّ ساتھی، حامی، مددگار (ج) حَوَارِيُّوْن۔

**ترجمه:** حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو دشمن قوم (کے لشکر) کی خبر لائے؟ حضرت زبیرؓ نے عرض کیا میں (خبر لاؤں گا) اس پر (ان کے اس عرض کرنے پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے، راجح قول کے مطابق ۵ھ کے اواخر میں ہوا، بعض حیثیتوں سے اس غزوہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، قرآن مجید میں غیر معمولی انداز سے پورے دو رکوع میں اس غزوہ کے حالات کا ذکر فرمایا گیا، اسی وجہ سے اس سورت کا نام ''الاحزاب'' ہے، اس کے بارے میں تفصیلات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، واقفیت کے لیے کسی قدر اختصار کے ساتھ اس کا واقعہ لکھا جاتا ہے، معلوم ہے کہ قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کے شدید ترین دشمن تھے، بدر اور احد کے تجربوں اور حالات کی رفتار دیکھنے کے بعد انھوں نے گویا طے کر لیا تھا کہ آئندہ وہ اپنی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی جنگی اقدام نہیں کریں گے، مدینہ طیبہ کے جوار میں جو یہودی قبائل آباد تھے، ان میں سے بنونضیر کو ان کی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کرا دیا تھا، اور وہ خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے، سازش اور فتنہ پردازی یہودیوں کی گویا فطرت ہے، انہوں نے خیبر میں آباد ہو جانے کے بعد یہ اسکیم بنائی کہ عرب کے تمام بڑے قبائل کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی پوری اجتماعی طاقت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے مرکز مدینہ پر حملہ کریں اور ان کو نیست و نابود کر دیں، اس مقصد کے لیے بنونضیر کا ایک وفد پہلے مکہ معظمہ پہنچا اور قریش کے سرداروں کے سامنے جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے اپنی اسکیم رکھی، اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ دوسرے قبیلے بھی اس جنگ میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ شریک ہوں اور مدینہ کے قریب میں جو یہودی آبادیاں ہیں (بنوقریظہ وغیرہ) وہ بھی اس جنگ میں آپ کا ساتھ دیں گے، اس صورت میں مسلمان آپ لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا، قریش مکہ کے ان سرداروں کو راضی کرنے کے بعد اس وفد نے قبیلہ غطفان اور بنواسد وغیرہ قبائل میں پہنچ کر ان کو بھی اس جنگ میں شرکت پر آمادہ کیا اور بتلایا کہ اس جنگ کے نتیجہ میں یہاں کے قرب وجوار کے پورے علاقے پر جو بہت سرسبز و شاداب اور زرخیز تھا آپ لوگوں کا قبضہ ہو جائے گا، چنانچہ یہ قبیلے بھی آمادہ ہو گئے، اس طرح قریش مکہ، غطفان، بنواسد وغیرہ عرب قبائل پر مشتمل دس ہزار اور ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ کے لیے تیار ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنان اسلام کے اس ناپاک منصوبہ کا علم ہوا تو آپؐ نے معمول کے مطابق اپنے خواص اصحاب سے مشورہ کیا، صورت حال یہ تھی کہ مدینہ میں ان مسلمانوں کی کل تعداد جن سے جنگ میں حصہ لینے کی توقع کی جاسکتی تھی تین ہزار سے زیادہ نہ تھی، وہی اس وقت کی اسلامی فوج تھی، اس کے پاس زندگی کی ضروریات اور جنگ کا سامان اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا جو دشمن لشکر کے پاس تھا، اس لیے مشورہ ہی سے جنگی حکمت عملی یہ طے کی گئی کہ باہر نکل کر کھلے میدان میں جنگ نہ کی جائے، بلکہ مدینہ میں رہ کر ہی مدافعانہ جنگ کی جائے، حضرت سلمان فارسیؓ جو ایرانی النسل تھے، انہوں نے بتلایا کہ ایسے موقعوں پر ہمارے ملک ایران میں کثیر التعداد اور طاقت ور دشمن لشکر کے مقابلے اور اس سے بچاؤ کے لیے طریقہ یہ ہے کہ ایسی خندق کھودی جاتی ہے کہ آدمی نہ خود ہی چھلانگ لگا کر اس کو پار کر سکے اور نہ گھوڑے کا سوار، مدینہ منورہ تین طرف سے قدرتی طور پر پہاڑوں وغیرہ سے اس طرح گھرا ہوا تھا کہ ان سمتوں سے کسی بڑے لشکر کے حملہ آور ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا، ایک سمت شمال مشرق کھلی ہوئی تھی کہ دشمن لشکر اس طرف سے حملہ کر سکتا تھا، رسول اللہؐ اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ کو قبول کرنا مناسب سمجھا اور اس سمت میں خندق کھودے جانے کا فیصلہ کر لیا گیا، اس خندق کی گہرائی اور چوڑائی تقریباً دس ہاتھ تھی، دس دس مسلمانوں کی جماعت بنا کر ان پر خندق کا کام تقسیم کر دیا گیا، اور صحابہ کرامؓ نے انتہائی مشقت کے ساتھ سخت سردی کے موسم میں دن کے علاوہ سرد راتوں میں بھی کھدائی کا کام کیا، اس خندق کا طواف آثار مدینہ کے بعض ماہرین کے لکھنے کے مطابق تقریباً پانچ ہزار ذراع یعنی ڈھائی ہزار گز تھا، (گویا قریباً ڈیڑھ میل) دشمن لشکر ابوسفیان کی سربراہی میں آیا اور خندق کے مقابل میدان میں پڑاؤ ڈالا؛ ان لوگوں کے ساتھ خیمے وغیرہ بھی تھے، اور کھانے پینے کا سامان بھی وافر تھا، قریباً ایک مہینے تک یہ لشکر پڑاؤ ڈالے رہا، لیکن خندق کو پار کر کے مدینہ پر حملہ

کرنا اس لشکر کے لیے ممکن نہ تھا، بس دونوں طرف سے تیراندازی ہوئی، سیر کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ میں سے سات شہید ہوئے اور مشرکین میں سے چار جہنم واصل ہوئے، قرآن مجید (سورۃ الاحزاب) میں اس غزوہ میں مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش اور قربانی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جب مسلمانوں کی مشقت و مصیبت اور قربانی انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد آئی یہ ایسی تیز و تند ہوا تھی، جس نے دشمن لشکر کے سارے خیمے اکھاڑ پھینکے، چولہوں پر دیگیں چڑھی ہوئی تھیں، وہ سب الٹ گئیں، ان کے کچھ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر مختلف سمتوں میں بھاگ گئے لشکر کے قائد اور سپہ سالار ابوسفیان نے بھی واپسی کا فیصلہ کرلیا، اور اس طرح پورا لشکر نامراد ہو کر واپس ہوگیا، و کفی اللہ المومنین القتال۔ اسی غزوہ میں کسی خاص مرحلہ پر آنحضرت کو دشمن کے لشکر کا حال معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو آپؐ نے فرمایا "من یاتینی بخبر القوم" یعنی کون ہے جو دشمن لشکر کا حال معلوم کر کے لائے؟ ظاہر ہے کہ اس میں جان کا خطرہ تھا، حضرت زبیرؓ نے سبقت کر کے عرض کیا کہ اس خدمت کو میں انجام دوں گا، اس پر حضورؐ نے خوش ہو کر فرمایا ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں، اردو میں کوئی لفظ نہیں ہے جو حواری کے پورے مفہوم کو ادا کر سکے، (جاں نثار رفیق کار اور مددگار کے الفاظ سے کسی حد تک حواری کا مطلب ادا ہو جاتا ہے)، بلاشبہ حضرت زبیرؓ کی یہ بڑی فضیلت ہے، ان کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عشرۂ مبشرہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرح ان کو بھی رسول اللہؐ کی قرابت قریبہ حاصل ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ آپ کے چچا ابوطالب بن عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آپؐ کے چچازاد بھائی ہیں، اور حضرت زبیرؓ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** من یاتینی بخبر القوم یوم الاحزاب حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا کہ میرے پاس ان کی خبر کون لائے گا؟ قوم سے مراد یہاں بنوقریظہ کے یہودی اور یوم الاحزاب سے غزوۂ خندق مراد ہے، اس غزوے میں قریش کے علاوہ دیگر قبائل عرب بھی مسلمانوں سے جنگ کے لیے آئے تھے اور مدینہ منورہ کے یہودیوں نے اس معاہدے کو توڑ دیا تھا جو ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا تھا، اور قریش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مل گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ص ۱۴۱ ج ۱۴) قال الزبیر انا حضرت زبیر بن العوام نے فرمایا میں۔

**سوال:** بنوقریظہ کی خبر لانے کے لیے کون سے صحابی گئے تھے؟

**جواب:** علامہ سراج الدین بن الملقن نے التوضیح میں اپنے استاد فتح الدین معمریؒ سے ایک اشکال یہاں نقل کیا ہے کہ اہلِ مغازی کے یہاں تو یہ مشہور ہے کہ خبر لینے کے لیے جس آدمی کو بھیجا گیا تھا وہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ تھے اور یہاں بخاری کی روایت میں ذکر ہے حضرت زبیر بن العوامؓ کا۔ (۱) دونوں روایات میں تطبیق کے لیے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ واقعہ ایک وقت کا ہو اور دوسرا واقعہ دوسرے وقت کا، اس لیے کوئی تعارض نہیں۔ (۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب ارشاد فرمایا ہے کہ اصل میں یہ علاحدہ علاحدہ واقعات ہیں، حضرت زبیرؓ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو بھی، لیکن حضرت زبیرؓ کو تو اس بات کی تحقیق کے لیے روانہ فرمایا تھا کہ آیا بنوقریظہ نے نقض عہد کیا ہے یا نہیں؟ اور قریش کے ساتھ انھوں نے ساز باز کرلی ہے یا نہیں؟ اور وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ یہ کام حضرت زبیرؓ کو سپرد کیا گیا تھا، جہاں تک حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے اس واقعہ کا تعلق ہے تو اس کا قصہ یہ ہے کہ جب کفار کا محاصرہ غزوہ خندق میں مسلمانوں پر تنگ ہوگیا اور مختلف قومیں ان پر جھپٹ پڑیں، پھر بعد میں ان جماعتوں اور اقوام میں پھوٹ پڑگئی اور ہر قوم دوسری قوم سے ڈرنے لگی، اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر شدید آندھی بھیج دی اور صورت حال دگرگوں ہوگئی، اس وقت آپؐ نے حضرت حذیفہؓ کو بھیجا کہ مشرکین کی حالت معلوم کر کے آؤ، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت

حذیفہؓ کا قصہ مذکور ہے کہ وہ فرماتے ہیں، سخت آندھی اور سردی تھی اور رات کا وقت تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم صحابہ سے فرمایا "الا رجل یاتینی بخبر القوم جعل اللہ معی القیامۃ" یہ آپ علیہ السلام نے تین مرتبہ فرمایا لیکن کسی نے بھی کوئی جواب نہیں دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "قُم یا حذیفۃ فائتنا بخبر القوم" ساتھ ہی آپؐ نے فرما دیا تھا کہ کسی کو مارنا نہیں، یہ کہتے ہیں کہ اتنی سخت سردی تھی کہ جانا مشکل تھا، لیکن آپؐ کے حکم سے جب میں چلا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے میں گرم حمام میں ہوں اور سردی کا نام و نشان باقی نہ رہا، اس کے بعد پھر میں مذکورہ مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) اپنی کمر سینک رہے ہیں، مجھے خیال آیا کہ بہترین موقع ہے میں ان کو ختم کر دوں، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یاد آ گئی کہ کسی کو نہ مارنا، تو میں نے ان کو چھوڑ دیا، جب میں وہاں سے واپس آیا اور وہ کام پورا ہو گیا جو مجھے سونپا گیا تھا تو اتنی سردی لگی کہ اس کی انتہا نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر میرے اوپر ڈال دی اور پھر میں سو گیا اور پھر جب نماز صبح کا وقت آیا، تو آپؐ نے فرمایا، قم یا نومان اے بہت سونے والے اٹھو۔ جب یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں تو تعارض کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (فتح الباری، ص ۴۰۷ ج ۷)

**سوال:** یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "من یاتینی بخبر القوم" فرمایا تو حضرت زبیرؓ کے علاوہ دیگر اصحابؓ نے لبیک کیوں نہیں کہا اور خاموش کیوں رہے، حالاں کہ وہ تو آپؐ کے لیے جان تک قربان کر دیتے تھے؟

**جواب:** حضرت گنگوہیؒ نے اس سوال کے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں: (۱) اگرچہ طلیعہ کی فضیلت اپنی جگہ ہے، لیکن صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو چھوڑنا گوارا نہ کیا، ممکن ہے حالات کی نزاکت کے پیش نظر آپؐ سے جدا ہونا پسند نہ کیا ہو۔ (۲) یہ بھی ممکن ہے کہ حاضرین صحابہؓ میں سے ہر ایک نے جواب اور لبیک کہنا چاہا ہو لیکن انھوں نے دیکھا کہ حضرت زبیرؓ جواب میں پہل کر گئے ہیں تو وہ حضرات چپ رہے۔ (لامع الدراری، ص ۲۲۸ ج ۷)

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل نبی حواریًا وحواری الزبیر. حضور اکرمؐ نے فرمایا ہر نبی کے لیے ایک (خاص) حواری (مددگار) ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔ حواری کے معنی خاص مددگار اور ناصر کے ہیں، حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھیوں کو قرآن کریم میں الحواریّون سے تعبیر کیا گیا ہے؛ کیوں کہ وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خاص شاگرد اور مددگار ساتھی تھے اس کی اصل تحویر ہے جس کے معنی تبیض کے ہیں، چنانچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے یہ دوست یا شاگرد دھوبی تھے، اس لیے انہیں حواریون کہا گیا ہے۔ علامہ ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: التحویر التبییض، والحواریون، القصّارون، لانھم کانوا قصارین، ثم غلب حتی صار کل ناصر و کل حمیم حواریا۔

**حضرت زبیرؓ کو حواری کہنے کی وجہ؟** علامہ مہلبؒ فرماتے ہیں حدیث باب سے معلوم ہوا جو شخص دشمن کے احوال معلوم کرنے جائے اسے ناصر سے موسوم کیا جاتا ہے، کیوں کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو حواری کہا ہے، اس تسمیہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ فرمایا: من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ۔ تو سوائے حواریین کے کسی اور نے لبیک نہیں کہا، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ دریافت فرمایا: من یاتینی بخبر القوم تو حضرت زبیرؓ کے علاوہ کسی اور نے لبیک نہیں کیا، اسی لیے آپ علیہ السلام نے حضرت زبیرؓ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریین سے تشبیہ دی اور ان کے نام سے موسوم کیا۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۲۹۰۵ ﴿حضرت زبیرؓ کی عزت افزائی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۱۱**

وَعَنِ الزُّبَیْرِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّاْتِیْ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ فَیَاْتِیْنِیْ بِخَبَرِھِمْ فَانْطَلَقْتُ

فَلَمَّا رَجَعْتُ جَمَعَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَبَوَیْہِ فَقَالَ فِدَاكَ أَبِیْ وَأُمِّیْ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۷ ج ۱، باب مناقب الزبیر، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۳۷۲۰، مسلم، ص ۲۸۲ ج ۲، باب من فضائل طلحۃ و الزبیر، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۴۱۶



**حل لغات:** انطلقت، انْطَلَقَ انْطِلَاقًا (انفعال) چلا جانا۔

**ترجمہ:** حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو بنی قریظہ جائے اور مجھے ان کی خبر لاکر دے؟ پس میں گیا اور جب واپس لوٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے والدین کو جمع کرتے ہوئے فرمایا تم پر میرے ماں باپ قربان۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** جب احزاب کو شکست ہوگئی تو بنوقریظہ نے چوں کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف مشرکین قریش کا ساتھ دیا تھا تو ان کو ان کی سزا دینے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ دن تک ان کو گھیرے رکھا آخر کار ان پر فتح پائی، تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون بنوقریظہ کی خبر میرے پاس لائے گا؟ یا ہوسکتا ہے کہ غزوہ احزاب ہی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر منگوائی ہو، تو حضرت زبیرؓ نے اپنی خدمات پیش کیں اور ان کی صحیح صورت حال معلوم کر کے لے آئے، تو ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فداك ابی و امی تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ان کی تعظیم فرمائی اور ان کے اس عمل کی قدردانی فرمائی، اس لیے کہ یہ جملہ کسی کی تعظیم کے اظہار کے لیے ہی بولا جاتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** جَمَعَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "فداہ ابی وامی" تو بے شمار لوگوں نے استعمال کیا ہوگا، مگر بعض خوش نصیبوں کے لیے آپؐ کی زبان اطہر سے بھی یہ الفاظ نکلے ہیں، یہاں زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے میرے لیے اپنے والدین کو جمع کیا اور فرمایا وہ دونوں آپ پر قربان ہوں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبیرؓ کی خصوصیت اور امتیاز ہے، مگر آگے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے لیے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلنا منقول ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت زبیرؓ کی خصوصیت نہیں ہے، اگر محض ان الفاظ کا زبیرؓ اور سعدؓ دونوں کے حق میں استعمال منقول ہوتا تب بھی کوئی مسئلہ نہ تھا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اگلی روایت منقول ہے ما سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجمع أبویہ لاحد غیر سعدؓ. میں نے سعدؓ کے علاوہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین جمع کرتے نہیں سنا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ما رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفدِّی رجلا بعد سعدؓ. یعنی میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد کے علاوہ کسی آدمی پر اپنے ماں باپ فدا کر رہے ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے سعد بن ابی وقاصؓ کے علاوہ کسی سے بھی فداك أبی و أمی کے الفاظ نہیں فرمائے، اور یوں گویا یہ زبیرؓ نہیں سعدؓ کی خصوصیت ہے جب کہ روایتِ باب سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے یہ الفاظ حضرت زبیرؓ سے فرمائے، اس تعارض کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ویجمع بینھما بان علیًا رضی اللہ عنہ لم یطلع علیٰ ذالك او مرادہ بذلك بقید یوم احد. (۱) دونوں روایات کے جمع کی صورت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ (سعد کے علاوہ) کسی اور کے لیے بھی استعمال کیے ہیں (۲) یا پھر ان کا مطلب یہ ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہؐ نے یہ الفاظ کسی اور کے لیے استعمال نہیں فرمائے مطلقاً نفی مراد نہیں ہے۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اگلی روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے،

فرماتے ہیں ما سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع ابویه لاحد الا سعد بن مالك فانی سمعت يقول يوم احد يا سعد! ارم فداك ابی و امی یعنی میں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کسی کے لیے جمع کئے ہوں سوائے سعد بن مالکؓ کے، کہ میں نے سنا آپ احد کے دن کہہ رہے تھے: سعد تیر پھینک، میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۲۹۰۶ ﴿حضرت سعدؓ کی فضیلت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۱۲**

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ أَبَوَيْهِ لِأَحَدٍ إِلَّا لِسَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَإِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَوْمَ أُحُدٍ يَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۸۱ ج ۲، باب، کتاب المغازی، حدیث ۴۰۵۹، مسلم، ص ۲۸۰ ج ۲، باب فی فضل سعد بن ابی وقاص، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۴۱۱

**حل لغات:** ارم امر حاضر، تیر چلاؤ، رمیٰ (ض) رَمْيًا السهم تیر چلانا۔

**ترجمه:** حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپؐ نے جمع کیا ہو اپنے ماں باپ کو کسی کے لیے (یعنی فداك ابی و امی فرمایا ہو) سوائے سعد بن مالک (یعنی سعد بن ابی وقاصؓ) کے، میں نے غزوہ احد کے دن آپ کو فرماتے ہوئے سنا "يَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ" (اے سعد! تیر چلاتے رہو اسی طرح، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضرت علیؓ کے اس بیان میں حضرت سعد بن مالکؓ سے مراد "سعد بن ابی وقاصؓ" ہیں، ان کے والد کا نام مالک تھا، ابو وقاص کنیت تھی غزوہ احد میں صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے پوری طرح ثابت قدم رہے، ان میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی ہیں، یہ تیر اندازی میں بڑے ماہر تھے، یہ رسول اللہؐ کے قریب ہی تھے، تیر پر تیر چلا رہے تھے اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: "يَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ" (سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان، اسی طرح تیر چلاتے رہو) بلا شبہ آنحضرتؐ کی طرف سے یہ صرف ہمت افزائی نہ تھی، بلکہ بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی انتہائی دلی مسرت اور خوشنودی کا اظہار بھی تھا.....اور شرح السنہ میں خود حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت ہے کہ غزوہ احد کے دن رسول اللہؐ نے ان کے لیے یہ دعا بھی فرمائی "اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَتَهُ وَاَجِبْ دَعْوَتَهُ" (اے اللہ اپنے اس بندہ (سعد) کی تیر اندازی میں قوت اور طاقت پیدا فرما دے اور اس کی دعائیں قبول فرما۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما سمعت گذشتہ حدیث سے اس کا تعارض ہو رہا ہے، کیوں کہ یہ فضیلت حضرت زبیرؓ کو بھی حاصل ہے، لہذا بظاہر یہاں فضیلت کو براہ راست حضورؐ سے سننے کی نفی ہے جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھوں نے حضرت زبیرؓ کے حق میں اس فضیلت کو دوسرے کے واسطے سے بھی نہیں سنا، حضرت علیؓ کو اس کا علم تھا، لیکن واسطے کے ساتھ، جب کہ حضرت سعدؓ کی بابت انھوں نے یہ فضیلت خود اپنے کانوں سے سنی تھی۔ مزید کے لیے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۰۷ ﴿راہ خدا میں سب سے پہلے تیرانداز﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۱۳**

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ إِنِّيْ لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۲۸ ج ۱، باب مناقب سعد بن ابی وقاصؓ، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۷۲۸، مسلم، ص ۴۰۸ ج ۲، باب، کتاب الزهد، حدیث ۲۹۶۶

**حل لغات:** رَمٰی، بِسَهْمٍ (ض) رَمْيًا و رِمَايَةً تیر چلانا۔ سَهْم تیر (ج) أَسْهُمٌ و سِهَامٌ۔

**ترجمہ:** حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں عرب میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** ۱ھ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ سلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الحارثؓ کی زیرنگرانی ساٹھ سواروں کا چھوٹا سا لشکر ابوسفیان بن حرب اور مشرکین سے قتل وقتال کے لیے روانہ فرمایا، یہ حضرات روانہ تو ہو گئے، مگر جنگ کی نوبت نہ آئی، البتہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مشرکین کی طرف تیر چلا دیئے، چوں کہ مشرکین سے قتل وقتال کا پہلا موقع تھا، اس لیے حضرت سعدؓ فرما رہے ہیں کہ میں ہی پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا۔ (تکمیل الحاجۃ)

**کلمات حدیث کی تشریح** انی لاول العرب رمي بسهم میں عربوں میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا۔ دورِ فاروقی میں جب عجم پر چڑھائی کی گئی تو سب سے بڑا مرکز کوفہ تھا، جس کے والی سعد بن ابی وقاصؓ تھے، انھوں نے جب لوگوں کو جہاد پر ابھارا تو جرح بن سنان اور بنواسد کے چند لوگوں نے جنگ میں شرکت سے گریز کیا، حضرت سعدؓ نے ان کی شکایت دربارِ خلافت میں کردی، اس پر یہ لوگ ان کے دشمن ہو گئے، اور مدینہ پہنچ کر یہ شکایت کی وہ نماز اچھی طرح پڑھانے پر قادر نہیں ہیں، اس الزام کی تحقیق کے لیے محمد بن مسلمہ کوفہ آئے، ہر جگہ اس بات کو جھٹلایا گیا، وہ حضرت سعد اور بنواسد کو لے کر مدینہ پہنچے، وہاں بھی الزام غلط ثابت ہوا، تاہم حضرت عمرؓ نے مصلحتاً انھیں کوفہ کی ولایت سے معزول کردیا، حضرت سعدؓ کو اپنے اوپر لگنے والے اس بیہودہ الزام سے بڑی تکلیف ہوئی اور اس کی صفائی میں ان کے زخمی دل سے جو آہ نکلی، حدیث باب اس کا ایک ابتدائی ٹکڑا ہے، مکمل روایت امام بخاریؒ یوں نقل کرتے ہیں: عن قيس قال سمعت سعدًا يقول انی لاول العرب رمي بسهم في سبيل الله وكنا نغزوا مع النبي صلى الله عليه وسلم وما لنا طعام الا ورق الشجر حتى ان احدنا يضع كما يضع البعير او الشاة ماله خلط ثم اصبحت بنو أسد تعزرني على الاسلام لقد خبت اذن وضل عملي" حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کی راہ میں تیر چلانے والا سب سے پہلا عرب ہوں، ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درختوں کے سوکھے پتے چبا کر جہاد کرتے تھے، یہاں تک کہ ہماری اجابت بھی اونٹ اور بکریوں جیسی ہوتی تھی، لیکن اب یہ بنواسد پیدا ہوئے ہیں جو مجھے اسلام سکھاتے ہیں تب تو میں ناکام رہا اور میرا عمل ضائع ہو گیا۔ (ضیاء السنن)

### حدیث نمبر ۲۹۰۸ ﴿حضرت سعدؓ کا اعزاز﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۱۴

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ سَهِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَقْدَمَهُ الْمَدِيْنَةَ لَيْلَةً فَقَالَ لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا يَحْرُسُنِيْ إِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سِلَاحٍ فَقَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ أَنَا سَعْدٌ قَالَ مَا جَاءَ بِكَ قَالَ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ خَوْفٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئْتُ أَحْرُسُهُ فَدَعَا لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَامَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۴۰۴ ج۱، باب الحراسة في الغزو، کتاب الجهاد، حدیث ۲۸۸۵، مسلم، ص۲۸۰ ج۲، باب في فضل سعد، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۱۰

**حل لغات:** سَهِرَ (س) سَهَرًا جاگتے رہنا، نیند اڑ جانا۔ مَقْدَم آنے کا وقت۔ يَحْرُسُ حَرَسَ (ن) حَرْسًا و حِرَاسَةً پہرہ دینا، حفاظت کرنا۔ سِلَاح ہتھیار (ج) أَسْلِحَةٌ۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں مدینہ تشریف لانے پر ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہیں آئی۔ آپؐ نے فرمایا کاش کوئی نیک آدمی آج رات میری چوکیداری کرتا، اچانک ہم نے ہتھیار کی جھنکار سنی پس آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ آنے والے نے کہا

سعد بن ابی وقاص! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا میں نے دل میں رسول اللہؐ پر خطرہ محسوس کیا، اس لیے آپؐ کی چوکیداری کے لیے آیا ہوں، آپؐ نے ان کے لیے دعا کی پھر سو گئے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** ایک رات انجانے خطرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اڑ گئی، آپؐ نے خواہش ظاہر کی کہ کاش کوئی پہرہ دیتا تو آپ اطمینان سے سو جاتے، چنانچہ اللہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ یہ آپؐ کے لیے پہرہ دینا حراسة في سبيل الله ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مقدمه المدينة حدیث باب میں قدوم مدینہ سے نبی علیہ السلام کی مدینہ میں پہلی تشریف آوری جو ہجرت کے بعد ہوئی ہے مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ اس وقت حضرت عائشہؓ نبی اکرمؐ کے یہاں نہیں تھیں. نہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے، بلکہ کسی سفر وغیرہ سے تشریف آوری مراد ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جس کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں یزید بن ہارون عن یحییٰ بن سعید کے طریق سے نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سهر ذات ليلة وهي إلى جنبه قالت فقلت ماشأنك يا رسول الله؟" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات بیدار رہے، اور حضرت عائشہؓ آپ کے پہلو میں تھیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپؐ کو کیا پریشانی ہے؟ چنانچہ معلوم ہوا کہ حدیث میں قدوم مدینہ سے ہجرت کے بعد کا پہلا قدوم مراد نہیں ہے، بلکہ یہ اور کسی موقع کا واقعہ ہے۔ اذ سمعنا صوت سلاح اسی اثنا میں ہم نے اسلحے کی آواز سنی تو نبی علیہ السلام نے استفسار فرمایا یہ کون ہے؟ تو جواب دیا میں سعد بن ابی وقاص ہوں، آپؐ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں، چنانچہ آپؐ سو گئے۔ (عمدۃ القاری، ص ۱۷۰ ج ۱۴)

**سوال:** یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "والله يعصمك من الناس" (اللہ تعالیٰ لوگوں کے شر سے آپؐ کی حفاظت کریں گے) تو اللہ پاک کی خصوصی حفاظت ونگرانی میں ہونے کے باوجود حراست وحفاظت کی کیا ضرورت ہے؟

**جواب:** علامہ ابن بطالؒ نے مذکورہ بالا سوال کا جواب تو یہ دیا ہے کہ حدیث میں مذکور واقعہ قرآنِ کریم کی مندرجہ بالا آیت کے نزول سے پہلے کا ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو رات کو اپنی حفاظت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کردی تھی۔ (شرح ابن بطال، ص ۸۲ ج ۵) علامہ ابن بطالؒ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث باب اور اس طرح دیگر احادیث جن میں آپؐ کی نگرانی کا ذکر ہے وہ مذکورہ بالا آیت سے منسوخ ہیں۔ (فتح الباری، ص ۸۲ ج ۶) جب کہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حدیث باب کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ آیت کریمہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو حراست وحفاظت کی نفی کرتی ہو، جیسا کہ اللہ عزوجل کا اپنے دین کا دوسرے ادیان پر غالب وظاہر کرنا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ قتال کیا جائے اور اس کے لیے لشکر تیار کیا جائے، تو اس صورت میں "عصمة" سے مراد فتن، گمراہی اور جان کے ضائع ہونے وغیرہ سے حفاظت ہے۔ (حوالہ بالا) روایات میں آپؐ کی حفاظت کرنے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد تقریباً بیس تک مروی ہے، جن میں سے بعض صحابہ کرامؓ کے نام یہ ہیں: سعد بن معاذ، محمد بن مسلمہ، زبیر، ابوایوب انصاری، ذکوان بن قیس، ادرع السلمی، محجن بن ادرع، عباد بن بشیر، عباس بن عبدالمطلب اور ابوریحانہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (شرح القسطلانی ص ۸۶ ج ۵) علامہ مہلبؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ بات مستفاد ہوئی کہ سلطان کو دشمن سے حفاظت اور اپنے بچاؤ کے لیے حفاظت وچوکیداری کا انتظام کرنا چاہیے، چنانچہ آپ فعلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے کہ باوجودیکہ آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ اللہ عزوجل ان کے ذریعہ اپنے دین کو کامل ومکمل کریں گے اور ان کے ذریعہ اللہ کا کلمہ بلند ہوگا، آپؐ نے اپنی حفاظت کا اہتمام کیا، تاکہ دشمن کے اچانک کیے گئے حملے سے اور اس کی تکالیف سے بچاؤ ممکن ہو سکے۔ (شرح ابن بطال، ص ۸۲ ج ۵) نیز یہ بات بھی

مستفاد ہوئی کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ خود بھی اپنے سلطان کی حفاظت کا اہتمام وانتظام کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں دشمن کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کا موقع مل جائے۔ (کشف الباری)

## حدیث نمبر ۲۹۰۹ ﴿امین امت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١١٥

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِيْنٌ وَأَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۶۹ ج ۲، باب قصة اهل نجران، كتاب المغازی، حدیث ۴۳۸۲، مسلم، ص ۲۸۲ ج ۲، باب فضائل ابی عبیدة، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۱۹

**حل لغات:** امین (ج) اُمَنَاء امانت دار، اَمِنَ (س) اَمنًا امانت دار ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ابن الجراحؓ ہیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں امانت کا لفظ بہت وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے، اسکا مطلب اللہ اور اسکے بندوں کے حقوق سے متعلق جو ذمہ داریاں کسی بندے پر ہوں، صحیح اور پورے طور پر انکو ادا کرنا، حضرت انسؓ کی زیر تشریح روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت وتوفیق سے حضرت ابوعبیدہؓ کو اس صفت میں امتیاز حاصل تھا (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** امین هٰذه الامة آپؐ نے ابوعبیدہؓ کو "امین الامة" کا لقب عطا فرمایا، اسمیں انکا اعزاز تو ہے ہی، ساتھ ہی اس بات کی علامت ہے کہ آپؐ ابوعبیدہؓ پر خصوصی اعتماد فرماتے تھے اور انکو پسند فرماتے تھے۔

**سوال:** صفت امانت تو حضرت ابوعبیدہؓ کی طرح دوسرے صحابہؓ میں بھی پائی جاتی تھی، پھر ان ہی کو "امین الامة" کے لقب سے کیوں ملقب کیا گیا؟

**جواب:** اگر چہ یہ صفت ابوعبیدہؓ اور دوسرے حضرات صحابہؓ میں مشترک تھی، مگر ابوعبیدہؓ میں جس مبالغہ کی حد تک تھی، وہ انھیں کے ساتھ خاص تھی اور یہ ہر اس صفت کمال کے متعلق سمجھنا چاہئے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک صحابی کے ساتھ خاص فرمایا، مثلاً ابوبکرؓ کا ارحم ہونا، حضرت عثمانؓ کی صفت حیا، اور حضرت علیؓ کی صفت قضا کہ یہ صفات دوسرے صحابہؓ میں بھی پائی جاتی تھیں، مگر کسی میں کچھ زیادہ ہی پائی جاتی تھیں، سو جس میں جو صفت زائد مقدار میں پائی گئی اسے اس کی طرف منسوب کیا۔ (فتح الباری، ص ۱۱۷ ج ۹) حضرت ابوعبیدہؓ کے تعارف کے لیے "باب مناقب العشرة المبشرة" دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۲۹۱۰ ﴿ابوعبیدہؓ کو مستحق خلافت سمجھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١١٦

وَعَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَسُئِلَتْ مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَخْلِفًا لَوِ اسْتَخْلَفَهُ قَالَتْ أَبُوْبَكْرٍ فَقِيْلَ ثُمَّ مَنْ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ عُمَرُ قِيْلَ مَنْ بَعْدَ عُمَرَ قَالَتْ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۷۳ ج ۲، باب فضائل من ابی بکر، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۳۸۵

**حل لغات:** مُسْتَخْلِفًا اسم فاعل اِسْتَخْلَفَ اسْتِخْلَافًا (استفعال) اپنا جانشین مقرر کرنا، خلیفہ بنانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر فرماتے تو کس کو نامزد کرتے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ابوبکرؓ کو، اُن سے پوچھا گیا کہ ابوبکرؓ کے بعد کے لیے کس کو نامزد کرتے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا عمرؓ کو، پھر دریافت کیا گیا کہ عمرؓ کے بعد کے لیے کس کو نامزد کرتے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ابوعبیدہ بن جراحؓ کو۔ (مسلم)



**خلاصۂ حدیث** ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک اور رجحانات وعزائم سے واقفیت میں خاص امتیاز حاصل تھا، انھوں نے حضورؐ کا جو معاملہ اپنے والد ماجد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے ساتھ دیکھا تھا، اس کی بنا پر انھوں نے یہ رائے قائم فرمائی، اور بالخصوص حضرت صدیقؓ کے بارے میں تو آپؐ نے اس کا اظہار بھی فرمادیا تھا، حضرت عائشہؓ کا بیان ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپؐ نے ان سے مرض کے آغاز ہی میں فرمایا تھا کہ اپنے والد ابوبکرؓ اور بھائی عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ کو بلالو، میں ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں وصیت لکھوادوں، لیکن پھر آپؐ نے یہ لکھانے کی ضرورت نہیں سمجھی، اور اپنے اس یقین واطمینان کا اظہار فرمایا "یابی اللّٰہ والمؤمنون الا ابابکر" (مجھے اطمینان ہے کہ اللہ اور مومنین ابوبکرؓ کے سوا کسی کو قبول نہیں کریں گے) پھر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آخری وقت میں جس طرح حضرت عمرؓ کو اپنے بعد کے لیے خلیفہ مقرر فرمایا اور اس وقت کی امتِ مسلمہ نے بشرحِ صدر قبول کیا، اس سے بھی حضرت عمرؓ کے بارے میں حضرت صدیقہؓ کے بیان کی تصدیق ہوگئی، اور کنزالعمال میں مسند احمد اور جریرؒ وغیرہ کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا گیا کہ حضرت عمرؓ جب ملک شام کی فتح مکمل ہوجانے کے بعد شام کی طرف روانہ ہوئے اور راستہ میں مقام سرغ پر پہنچے تو آپؓ کو بتایا گیا کہ ملکِ شام میں سخت وبا ہے اور لوگ بکثرت لقمۂ اجل بن رہے ہیں، اس اطلاع کے دینے والوں کا مقصد یہ تھا کہ آپؓ اس وقت شام تشریف نہ لے جائیں، لیکن آپؓ نے شام کی طرف سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس وقت یہ بھی فرمایا کہ "ان ادرکنی اجلی الخ" اگر میری موت کا مقررہ وقت آگیا اور ابوعبیدہؓ اس وقت زندہ ہوئے تو میں اُن کو اپنے بعد کے لیے خلیفہ مقرر کروں گا، پھر اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ ابوعبیدہؓ کو تم نے کس وجہ سے امتِ محمدیہ پر خلیفہ مقرر کیا ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ ہر پیغمبر کا ایک امین ہوتا ہے اور میرے امین ابوعبیدہ بن جراحؓ ہیں۔ لیکن اللہ کی مشیت کے مطابق حضرت عمرؓ تو شام کے سفر سے صحیح سالم واپس تشریف لے آئے، مگر حضرت ابوعبیدہؓ طاعون میں مبتلا ہوکر واصل بحق ہوئے۔ وکان امر اللّٰہ قدرًا مقدورًا۔ اور کنزالعمال ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا "لو ادرکت اباعبیدة الخ" اگر میں ابوعبیدہؓ کو پاتا تو ان کو اپنے بعد کے لیے خلیفہ نامزد کرتا، اور کسی سے مشورہ بھی نہ کرتا، اگر اس بارے میں مجھ سے پوچھا جاتا تو میں جواب دیتا کہ میں نے اُس شخص کو خلیفہ نامزد کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک امین ہے۔ بظاہر یہ بات آپؓ نے اس وقت فرمائی جب آپؓ کو ایک شقی ازلی ابولولو مجوسی نے عینِ نماز کی حالت میں خنجر سے ایسا زخمی کیا کہ اس کے بعد زندہ رہنے کی توقع نہیں رہی اور اپنے بعد کے لیے خلیفہ مقرر کرنے یا نا کرنے کا اہم مسئلہ آپؓ کے سامنے آیا۔ واللہ اعلم۔ الغرض حضرت عمرؓ کے ان ارشادات سے بھی حضرت عائشہؓ کے اس خیال کی پوری توثیق ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ فرماتے تو پہلے نمبر پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے پر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو نامزد فرماتے۔ بلاشبہ حضرت ابوعبیدہؓ کا یہی مقام ومرتبہ تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** قالت ابو عبیدہ بن الجراح حضرت عمرؓ کے بعد ابوعبیدہؓ اگر حیات رہتے تو وہی خلیفہ ہوتے لیکن ابوعبیدہؓ کی ۱۸ھ میں وفات ہوئی وہ حضرت عمرؓ کی جانب سے شام کے امیر تھے، اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ سے افضل تھے؛ کیوں کہ جمہور کا تقریباً اجماع ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد سب سے افضل حضرت عثمان بن عفانؓ ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۱۱ ﴿عشرہ مبشرہ میں سے اکثر کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۱۷**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَى حِرَاءٍ هُوَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدٌ وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَلَمْ يَذْكُرْ عَلِيًّا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم،ص ۲۸۲ ج ۲،باب من فضائل طلحة و الزبیر ، کتاب فضائل الصحابة،حدیث ۲۴۱۷

**حل لغات:** تَحَرَّكَتْ تَحَرَّكَ تَحَرُّكًا (تفعّل) زور سے ہلنا،حرکت میں آنا۔ الصَّخْرَة پتھر کی چٹان (ج) صَخْرٌ وصُخُورٌ۔ اهْدَأْ فعل امر هَدَأَ (ف) هَدْءًا وهُدُوءً اٹھہرنا،ساکن ہونا،تھمنا۔ النَبِيّ اللہ کی طرف سے خبر دینے والا،پیغمبر (ج) أنبِيَاء أنبَاء نُبَآءُ دراصل "نَبِيْءٌ" ہے ہمزہ کو یا سے بدل کر ادغام کے ساتھ "نَبِيٌّ" کہا جاتا ہے۔ اَلصِّدِّيق انتہائی سچا، ہمیشہ تصدیق کرنے والا، خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کا لقب۔ الشَّهِيد اللہ کی راہ میں مارا جانے والا (ج) شُهَدَاء و أشْهَاد۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) حرا پہاڑ پر کھڑے تھے کہ پتھر حرکت کرنے لگا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جا، تیرے اوپر کوئی دوسرا نہیں کھڑا ہے، یا نبی ہے یا صدیق ہے یا شہدا ہیں اور بعض راویوں نے سعد بن ابی وقاصؓ کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور علیؓ کا ذکر نہیں کیا۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں شہید سے مراد حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم ہیں؛ کیوں کہ ان تمام حضرات کو شہادت کی موت نصیب ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کو بدبخت ابولؤلؤ مجوسی نے شہید کیا تھا اور حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے ان کے اپنے گھر میں شہید کیا تھا اور حضرت علیؓ کو عبدالرحمٰن بن ملجم خبیث نے پیشانی پر تلوار مار کر شہید کیا تھا، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی جنگ جمل کے موقع پر ظلماً قتل کیے گئے اور ظلماً جس شخص کو قتل کیا جاتا ہے وہ شہید ہی ہوتا ہے، اس لیے یہ دونوں حضرات بھی شہید ہوئے اگر چہ عین جنگ میں شہید نہیں ہوئے۔ بعض راویوں نے حضرت علیؓ کی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا نام ذکر کیا ہے روایت میں زاد کا لفظ کسی راوی کی مسامحت ہے کیوں کہ حضرت سعد کا ذکر حضرت علیؓ کے بدلے اور ان کی جگہ پر ہے اور زاد کے لفظ سے وہم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے ذکر کے ساتھ حضرت سعدؓ کا نام بھی اضافہ ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ جس روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ذکر ہے اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ حضرت سعدؓ تو شہید نہیں ہوئے بلکہ ان کی تو اپنے محل میں طبعی موت آئی تھی، تو اس کے دو جواب ہوسکتے ہیں پہلا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کا لفظ تغلیباً فرمایا کیوں کہ ان حضرات میں سے اکثر شہید ہونے والے تھے، دوسرا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ حضرت سعدؓ بھی شہید ہی تھے؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی بیماری کی وجہ سے فوت ہوئے ہوں جس میں مبتلا ہو کر انتقال کرنے والا شخص بھی شہید ہوتا ہے مثلاً پیٹ کی بیماری کی وجہ سے جو شخص مرتا ہے وہ شہید کہلاتا ہے، اگرچہ یہ شہید اخروی ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے "المبطون شهيد و المطعون شهيد وصاحب ذات الجنب شهيد"۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اهدأ حراء ایک مشہور ومعروف پہاڑ کا نام ہے یہ وہی پہاڑ ہے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل عبادت کرتے تھے، یہ پہاڑ مکۃ المکرمہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر تین میل کے فاصلے پر ہے، ایک مرتبہ آپ مع چند صحابہ کرامؓ کے اس پہاڑ پر تھے، پہاڑ فرط مسرت میں جھومنے لگا اور حرکت کرنے لگا، تب حضور اکرمؐ نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب پہاڑ میں جنبش ہوئی تو رسول اللہؐ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس لرزش کی

حقیقت کو بیان کردیں کہ وہ اس زلزلے سے قطعاً الگ ہے، جو کلام اللہ میں تحریف کے باعث موسیٰ کی قوم کو پیش آیا تھا، وہ زلزلہ غضب تھا اور یہ فرحت وطرب کی لرزش؛ اسی لیے آپ نے نبوت، صدیقیت اور شہادت کے مقام کی وضاحت فرمائی، جس میں یقیناً اس مقام کے حاملین کو پہاڑ ملنے پر خوشی ہوئی، پھر آپ نے جب ٹھہر جانے کا حکم دیا تو وہ قرار پا گیا، یہ بلاشبہ رسول کا معجزہ تھا۔ روایت میں صرف سات حضرات کی صراحت ہے، ابوعبیدہؓ کے ساتھ اس میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعید بن زیدؓ کے نام بھی موجود نہیں جو اختصار کا نتیجہ ہے۔

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۹۱۲ ﴿عشرۂ مبشرہؓ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۱۸-۶۱۱۹

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَأَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ.

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۵ ج۲، باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوفؓ، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۴۷، ابن ماجہ، ص۱۳، المقدمۃ، باب فضائل العشرۃ، حدیث۱۳۳

**حل لغات:** اَلْجَنَّةُ جنت، آخرت کی نعمتوں کا گھر (ج) جِنَانٌ۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ جنتی ہیں، عمرؓ جنتی ہیں، عثمانؓ جنتی ہیں، علیؓ جنتی ہیں، طلحہؓ جنتی ہیں، زبیرؓ جنتی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاصؓ جنتی ہیں، سعید بن زیدؓ جنتی ہیں، ابوعبیدہ بن الجراحؓ جنتی ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** ظاہر ہے کہ حضورؐ کا یہ اعلان وحی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع اور اس کے حکم میں تھا۔ جمہور علماء اہل سنت نے حضورؐ کے اس ارشاد ہی سے یہ سمجھا ہے کہ یہ دس حضرات باقی اصحاب کرامؓ اور پوری امت میں افضل ہیں، اگرچہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کے جنتی ہونے کی حضورؐ نے مختلف مواقع پر اطلاع دی ہے، لیکن ان دس حضرات کو دوسرے تمام حضرات کے مقابلہ میں امتیاز اور فضیلت حاصل ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ابوبکر فی الجنة یہاں دس صحابہؓ کا نام لے کر آپؐ نے جنتی ہونے کا ذکر کیا ہے، یہ عشرۂ مبشرہ کہلاتے ہیں، آپؐ نے ایک مجلس میں ان کو جنتی ہونے کی خوش خبری دی ہے، ان کے علاوہ بھی بعض لوگوں کو آپؐ نے دنیا میں رہتے ہوئے جنت کی بشارت دی ہے۔ سب کے تفصیلی حالات ماقبل کی احادیث کے تحت گذر چکے ہیں۔

### حدیث نمبر ۲۹۱۳ ﴿چند صحابۂ میں خصوصی صفات کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۲۰

وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْحَمُ أُمَّتِيْ بِأُمَّتِيْ أَبُوْبَكْرٍ وَأَشَدُّهُمْ فِيْ أَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَقْرَأُهُمْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِيْنٌ وَأَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ) وَرُوِيَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ مُرْسَلًا وَفِيْهِ وَأَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ.

**حوالہ:** احمد، ص۲۸۱ ج۳، ترمذی، ص۲۱۹، ج۲، باب مناقب معاذ بن جبل، کتاب المناقب، حدیث۳۷۹۱

**حل لغات:** أَرْحَمُ اسم تفضیل، بہت زیادہ رحم دل، رَحِمَ (س) رَحْمَةً ورُحْمًا ومَرْحَمَةً رحم کرنا۔ أَشَدّ بہت مضبوط، بہت سخت۔ أَصْدَق بہت سچا۔ أَفْرَضُ سب سے زیادہ علم فرائض کو جاننے والا۔ أَقْرأ سب سے عمدہ قرأت والا۔ أَعْلَمُ سب سے زیادہ جاننے والا۔ أُمَّة قوم (ج) أُمَم۔

**ترجمه:** حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ابوبکر میری امت پر سب سے مہربان ہیں، اللہ کے کاموں میں عمرؓ ان سب میں سخت ہیں، حیا میں عثمانؓ ان سب میں آگے ہیں، ان میں فرائض کو زیادہ جاننے والے زید بن ثابتؓ ہیں، ابی بن کعبؓ سب سے بڑے قاری ہیں، حلال وحرام کا ان میں سب سے زیادہ علم معاذ بن جبلؓ کو ہے، ہر امت کا ایک امین ہوتا تھا اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ابن الجراحؓ ہیں۔ روایت کیا اسے احمد اور ترمذی نے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور معمر نے قتادہ سے مرسلاً روایت کی ہے اس میں ہے کہ ان میں سب سے بڑے قاضی علیؓ ہیں۔

**خلاصۂ حدیث** حدیث شریف میں مذکور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی صفت غالبہ کو بیان کیا گیا ہے، حضرات صحابہ کرامؓ انفرادی وشخصی فضائل میں بلاکسی ترتیب، ایک دوسرے پر علومرتبت رکھتے تھے، لہٰذا اگر کوئی صحابی کسی جزوی فضیلت میں کسی عظیم المرتبت صحابی سے آگے ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہورہا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ارحم امتی بامتی ابوبکر ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ای اکثرھم رحمة وہ فطرتاً نرم دل تھے، اسی لیے مکہ میں بلالؓ وعمارؓ کی تکلیفیں دیکھ کر ان سے نہیں رہا گیا، اور سب کو خرید کر آزاد کردیا، بدر کے قیدیوں کو انھوں نے قتل کے بجائے فدیہ لے کر چھوڑنے کا مشورہ دیا اور اسی نرم دلی کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی۔ واشدھم فی امر اللّٰہ عمر قاریؒ فرماتے ہیں ای اقواھم فی دین اللّٰہ زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں ان کی سختی وپختگی کے واقعات مشہور ہیں۔ واصدقھم حیاء عثمان علامہ سندھیؒ نے لکھا ہے ای اکثرھم حیاء فان الاکثر حیاءً یکون ادق فی اظھار آثارہ ان میں سب سے زیادہ شرم وحیا ہے اور زیادہ باحیا انسان اظہار حیا میں بھی بہت جھجکتا ہے۔ واقضاھم علی بن ابی طالب علامہ سندھیؒ نے نقل کیا ہے ھذہ منقبة عظیمة لان القضاء للحق والفصل بینہ وبین الباطل یقتضی علمًا کثیرًا وقوۃ عظیمة فی النفس یہ عظیم فضیلت ہے؛ کیوں کہ صحیح فیصلہ اور حق وباطل کے درمیان فرق کرنا بہت زیادہ علم اور زبردست شخصی طاقت ولیاقت کا تقاضا کرتا ہے، فقہ وفتاویٰ میں حضرت علیؓ کو امتیاز حاصل تھا، وہ ذہانت طبعی اور انتقال ذہنی کی ایسی دولت سے مالا مال تھے کہ مشکل مسائل میں صحابہؓ بلکہ حضرت معاویہؓ تک ان کی طرف رجوع کرتے تھے، حضورؐ نے ان کو یمن کا قاضی بنایا تھا، آپؓ کے فتاویٰ کا جو ذخیرہ موجود ہے اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ واقرأھم لکتاب اللّٰہ ابی بن کعب ملا علی قاری نے لکھا ہے اعلمھم بقرائة القرآن یہ انصاری خزرجی تھے ان کا شمار کاتبین وحی میں ہوتا ہے اور ان صحابہ میں وہ بھی شامل ہیں جنھوں نے عہد رسالت ہی میں قرآن کریم کو حفظ کیا، ان کی قاریانہ شان ہی کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی میں انہیں تراویح پڑھانے کے لیے مقرر کیا، ۱۹ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ واعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل خزرجی صحابی ہیں بیعت عقبہ سے لے کر تمام غزوات میں شریک ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علمی وفقہی حیثیت کے پیش نظر انہیں بھی یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور جن چار صحابہؓ سے آپؐ نے قرآن سیکھنے کا حکم دیا ان میں ایک وہ بھی ہیں۔ ۳۸ سال کی عمر پاکر ۱۸ر ہجری میں عمواس کے طاعون میں انتقال فرمایا۔ وافرضھم زید بن ثابت ملاعلی قاریؒ اور علامہ سندھیؒ نے لکھا ہے ای اکثرھم علمًا بالفرائض حدیث میں فرائض کو نصف العلم کہا گیا ہے یہ اس کے امام تصور کئے جاتے تھے اور کتابوں میں ان کی قیمتی رائیں آج بھی ملتی ہیں، ۴۵ ہجری میں

انتقال ہوا۔ (ضیاء السنن) الا وان لکل امة امينا عالمی حدیث ۶۱۱۵ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۱۴ ﴿حضرت طلحہؓ کے لیے جنت کی بشارت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۲۱**

وَعَنِ الزُّبَيْرِؓ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَعَدَ طَلْحَةُ تَحْتَهُ حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَوْجَبَ طَلْحَةُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۵ ج ۲، باب مناقب طلحه، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۳۸

**حل لغات:** دِرْعَانِ: دِرْع کا تثنیہ، زرہ (ج) اَدْرَاعٌ و دُرُوْعٌ و اَدْرُعٌ۔ نَهَضَ إِلَى مَكَان (ف) نَهْضًا و نُهُوْضًا کہیں جانا۔ اِسْتَوى على كذا اِسْتِوَاءً (افتعال) اوپر چڑھنا، قرار پانا۔ أَوْجَبَ فُلَانٌ مستحق انعام یا مستحق سزا کوئی کام کرنا، اچھے کام سے جنت کا مستحق ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے غزوہ احد کے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو زرہیں تھیں آپ ایک پتھر پر چڑھنا چاہتے تھے، لیکن نہ چڑھ سکے۔ پس حضرت طلحہؓ آپ کے نیچے بیٹھ گئے، یہاں تک کہ آپ پتھر پر چڑھ گئے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، طلحہؓ نے (جنت) واجب کرلی۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت طلحہؓ نے آپؐ کی خاطر اور دین اسلام کی خاطر بے مثال قربانیاں دی ہیں اور آپؐ نے مختلف مواقع پر ان کو جنت کی بشارت دی ہے، ان ہی مواقع میں سے ایک موقع یہ بھی ہے، حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو زرہیں پہننے کا ذکر ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنگ کے موقع پر اپنی حفاظت اور دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے امکانی حد تک اسباب کا استعمال کرنا نہ صرف یہ کہ توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ رسولؐ کی سنت ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** اوجب طلحة یعنی حضرت طلحہؓ نے اپنے لیے جنت واجب کرلی، یا تو اس عمل کی وجہ سے یعنی نیچے بیٹھ کر حضورؐ کو چٹان پر چڑھنے میں مدد دی، یا اس مشقت و تکلیف کی وجہ سے جو انھوں نے غزوۂ احد میں حضورؐ کی حفاظت کرتے ہوئے برداشت کی۔

**حدیث نمبر ۲۹۱۵ ﴿حضرت طلحہؓ کی شہادت کی پیشین گوئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۲۲**

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ يَمْشِيْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ وَقَدْ قَضٰى نَحْبَهُ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى شَهِيْدٍ يَمْشِيْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۵ ج ۲، باب مناقب طلحه، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۳۹

**حل لغات:** قَضٰى نَحْبَه عمر پوری کرنا۔ سَرَّهُ (ن) سُرُوْرًا و مَسَرَّةً خوش کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا جو ایسے شخص کو دیکھنا چاہے کہ زمین پر چلتے ہوئے اپنا وعدہ (شہادت) پورا کر چکا ہو، تو اس کی طرف دیکھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ زمین پر چلتے ہوئے شہید کو دیکھے تو اسے طلحہ بن عبید اللہؓ کو دیکھنا چاہئے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف فرمادی گئی تھی کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ شہید ہوں گے، آپؐ نے اس ارشاد میں جس خاص انداز میں ان کے شہید ہونے کی

اطلاع دی، ظاہر ہے کہ اس سے حضورؐ کا مقصد ان کی ایک خاص فضیلت اور عند اللہ ان کی شہادت کی غیر معمولی اہمیت اور مقبولیت بیان فرمانا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ رسول اللہؐ کے وصال فرمانے کے قریباً پچیس سال بعد جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ بلاشبہ آنحضرتؐ کا ان کی شہادت کی اطلاع دینا آپؐ کے معجزات میں سے ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** قضی نحبہ یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے، قصہ یوں ہوا تھا کہ حضرت انسؓ بن نضر اور ان کے کچھ ساتھی غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، جس پر ان لوگوں کو کافی افسوس ہوا اور یہ نذر مانی کہ کسی نہ کسی جنگ میں شریک ہو کر پوری ثابت قدمی اور بہادری کے ساتھ لڑ کر جام شہادت نوش کریں گے، چنانچہ کچھ لوگ شہید ہو گئے تھے اور کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا فمنهم من قضیٰ نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا حضرت طلحہؓ تا ہنوز شہید نہیں ہوئے تھے؛ اس لیے حضور اکرمؐ بطور پیشین گوئی فرمارہے ہیں کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نذر پوری ہو چکی ہے۔ **شهيد يمشي على الارض** یہ حضرت طلحہؓ کی شہادت کی پیشگی اطلاع ہے یعنی وہ شہید ہوں گے۔ بعض نے یہ مطلب بھی نقل کیا ہے کہ غزوۂ احد میں حضرت طلحہؓ نے نبیؐ کے دفاع میں اپنی جان کو جوکھم میں ڈال دیا۔ جس کے بعد ان کا بچنا ناممکن اور شہید ہو جانا یقینی تھا، لیکن وہ معجزانہ طور پر پھر بھی بچ گئے تو زندگی کے باوجود انہیں شہادت کا مقام حاصل ہو گیا، اب آخرت میں ان کو دوہرا شہید سمجھا جائے گا، ایک احد میں شہید ہونے کی بنا پر اور دوسرے موت کے وقت شہید ہونے کی وجہ سے۔

**حدیث نمبر ۲۹۱۶ ﴿طلحہؓ اور زبیرؓ جنت میں نبیؐ کے پڑوسی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۲۳**

وَعَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ سَمِعَتْ أُذُنِي مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ جَارَايَ فِي الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)



**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۵ ج ۲، باب مناقب طلحه، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۴۱

**حل لغات:** الأُذُن کان (ج) آذان۔ جَار پڑوسی (ج) جِیرَة وجِیرَانٌ وأجْوَارٌ۔

**ترجمہ:** حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سنا آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے۔ ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** حدیث کا مطلب واضح ہے، البتہ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان دونوں حضرات (حضرت طلحہؓ و زبیرؓ) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے فضائل خاص طور سے آپؐ کے وہ ارشادات جن میں ان دونوں بزرگوں کے شہید فی سبیل اللہ اور جنتی ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے، خاص اہتمام سے بیان فرماتے تھے، چنانچہ یہی حدیث جس میں ان دونوں حضرات کی یہ عظیم ترین فضیلت بیان ہوئی ہے کہ یہ دونوں جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے، اس کے لیے حضرت علیؓ نے یہ پیرایہ بیان اختیار فرمایا کہ **سمعت اذني من في رسول اللّٰہ يقول** کہ میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا آپؐ ارشاد فرماتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ پیرایۂ بیان اسی خاص اہتمام کا مظہر ہے اور اس کی خاص وجہ غالباً یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کو جنگ جمل کے موقعہ پر جب کہ یہ دونوں جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے حضرت علی مرتضیٰؓ کے لشکر کے بعض بدبختوں نے شہید کیا تھا، اس جنگ کے بارے میں اتنی وضاحت یہاں بھی کر دینا ضروری ہے کہ یہ اس دنیا کی وہ عجیب وغریب اور عبرت آموز جنگ تھی جس کے دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا، دونوں ایک دوسرے کے فضائل ومناقب سے واقف اور ان کے معترف تھے، لیکن شیاطین الانس عبد اللہ بن سبا اور اس کے چیلوں نے اپنی شیطنت وفریب کاری سے

رات کے اندھیرے میں دونوں فریقوں میں جنگ کرا دینے میں کامیابی حاصل کر لی۔ بہر حال یہ جنگ بلا ارادہ محض دھوکہ میں ہوئی جنگ کے بعد دونوں فریقوں کو انتہائی رنج وافسوس ہوا اور وہ برابر استغفار اور تلافی کی ممکن کوشش کرتے رہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** جارای فی الجنة حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ کے حق میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ انھیں آپؐ کے پڑوسی ہونے کا جنت میں شرف ملے گا، یقینا یہ ان حضرات کے آپؐ سے کمال قرب کی دلیل ہے لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے راوی ابوعبدالرحمٰن عنزی اور عقبہ دونوں ضعیف راوی ہیں، حاکم نے اس حدیث کو اگرچہ صحیح کہا ہے، لیکن ذہبی نے اس کو رد کیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۲۹۱۷ ﴿حضرت سعدؓ کیلئے نبیؐ کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٢٤

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَئِذٍ يَعْنِي يَوْمَ أُحُدٍ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَتَهُ وَأَجِبْ دَعْوَتَهُ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنة، ص۱۲۴-۱۲۵ ج۱۴، باب مناقب سعد بن ابی وقاص، حدیث۳۱۲۲

**حل لغات:** رَمْيَة ایک دفعہ کا پھینکا ہوا تیر، ایک ضرب۔ أَجِبْ أَجَابَ دَعْوَتَهُ إِجَابَةً دعوت قبول کرنا (افعال)۔

**ترجمہ:** حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ! اس (حضرت سعد) کی تیراندازی کو مضبوط کر اور اس کی دعا قبول فرما۔ (شرح السنۃ)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے حضرت سعدؓ کیلئے دو دعائیں فرمائیں (۱) تیراندازی کو مضبوط فرما، چنانچہ حضرت سعدؓ ممتاز تیرانداز ہو گئے اور اپنی تیراندازی سے اسلام کی نمایاں خدمات انجام دیں، (۲) سعد کی دعا قبول ہو، آپؐ کی اس دعا کی برکت سے حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات بن گئے تھے، لوگ اپنے واسطے ان سے دعائیں کراتے تھے اور ان کی بددعا سے بہت ڈرتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یومئذ یعنی یوم احد غزوۂ احد کے موقع پر حضرت سعدؓ نے بہت شجاعت وہمت سے کفار کا مقابلہ کیا اور تیراندازی کے جوہر دکھائے تو آپؐ نے اسی دن مذکورہ دعاؤں سے نوازا۔

## حدیث نمبر ۲۹۱۸ ﴿حضرت سعدؓ کی دعا مقبول ہونیکا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٢٥

وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ إِذَا دَعَاكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۶ ج۲، باب مناقب سعد بن ابی وقاص، کتاب المناقب، حدیث۳۷۵۱

**حل لغات:** اِسْتَجِبْ اسْتَجَابَ لَهُ قبول کرنا (استفعال)۔

**ترجمہ:** حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ سعد کی دعا کو قبول فرما جب بھی یہ آپ سے دعا کرے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے سعدؓ کی دعائیں قبول ہوں اس کی دعا کی، چنانچہ آپؐ کی دعا قبول ہوئی، اور حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات بن گئے، جو بھی دعا کرتے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا دعاك آپؐ نے حضرت سعدؓ کے لئے یہ دعا غزوۂ احد میں کی تھی۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث سے سمجھ میں آرہا ہے۔ اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ اوّل قیس بن ابی حازم بجلی، حضرت سعدؓ سے روایت کرتے ہیں یہ سند موصول ہے۔ دوم قیس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں یہ سند مرسل ہے، قیس مخضرم تابعی ہیں اور یہی

سند اصح ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

**حدیث نمبر ۲۹۱۹ ﴿حضرت سعدؓ کو تیراندازی کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۲۶**

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَاهُ وَأُمَّهُ إِلَّا لِسَعْدٍ قَالَ لَهُ يَوْمَ أُحُدٍ إِرْمِ فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ وَقَالَ لَهُ إِرْمِ أَيُّهَا الْغُلَامُ الْحَزَوَّرُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۶ ج ۲، باب مناقب سعد، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۵۳

**حل لغات:** الحَزَوَّرُ الحَزْوَرُ طاقتور نوجوان لڑکا (ج) حَزَاوِرَۃ۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے سعد بن ابی وقاص کے اپنے ماں باپ کو کسی کے لئے جمع نہیں فرمایا، چنانچہ احد کے دن ان سے فرمایا سعدؓ! تیر چلا تجھ پر میرے ماں باپ قربان، اور سعدؓ کے لئے یہ بھی فرمایا اے قوی جوان تیر پھینکتا جا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ غزوۂ احد کے دن حضرت سعدؓ کی تیراندازی سے بہت خوش ہوئے اور وفور مسرت میں آپ نے انھیں مزید تیراندازی کا حکم دیا، نیز آپ نے اظہار محبت کے لئے سعدؓ پر سے اپنے ماں باپ کو قربان کرنے کے لئے کہا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الا سعد یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ نے حضرت زبیرؓ کے لئے بھی اپنے والدین کو جمع کیا ہے، حضرت علیؓ نے حضرت سعدؓ کے علاوہ کی نفی کی ہے، تو ان کی مراد یہ ہے کہ جنگ احد میں حضرت سعدؓ کے علاوہ کسی کے لئے جمع نہیں کیا۔ اسی طرح کی روایات گزر چکی ہیں، تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۶۱۱۰ تا ۶۱۱۲ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۲۰ ﴿آپ کا حضرت سعدؓ کو ماموں فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۲۷**

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَقْبَلَ سَعْدٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَالِيْ فَلْيُرِنِيْ امْرُؤٌ خَالَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ كَانَ سَعْدٌ مِنْ بَنِيْ زُهْرَةَ وَكَانَتْ أُمُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ زُهْرَةَ فَلِذٰلِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَالِيْ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلْيُكْرِمَنَّ بَدَلَ فَلْيُرِنِيْ.

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۶ ج ۲، باب مناقب سعد، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۵۲

**حل لغات:** خال ماموں (ج) أخْوَال وخُؤُوْل۔ امْرُؤٌ مرد، آدمی الف لام کے ساتھ اَلْمَرْءُ (ج) رِجَالٌ۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعدؓ حاضر بارگاہ ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ میرے ماموں ہیں کوئی ان جیسا مجھے اپنا ماموں دکھادے۔ (ترمذی) اور راوی کا بیان ہے کہ حضرت سعد بنی زہرہ سے تھے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ بھی بنی زہرہ سے تھیں، اسی لئے نبی کریم نے انھیں اپنا ماموں کہا، اور مصابیح میں لفظ "فلیرنی" کی جگہ "فلیکرمنّ" ہے (پس چاہئے کہ ان کی تعظیم کی جائے)۔

**خلاصۂ حدیث** آپ نے حضرت سعد کو ماموں قرار دیا، حضرت سعدؓ کا تعلق بنوزہرہ سے تھا، اور بنوزہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہال والے تھے؛ کیوں کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ کا تعلق بھی بنوزہرہ سے تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فلیرنی امرؤ خالہ یہ بھی حضرت سعدؓ کے مقام بلند کو بیان کرنے کی ایک تعبیر ہے، مطلب یہی ہے کہ حضرت سعدؓ کا مقام بہت بلند اور بعض اعتبار سے مثلاً تیراندازی اور مستجاب الدعوات ہونے کے

اعتبار سے صحابہ میں بھی ممتاز ہے۔ وفی المصابیح مصابیح میں فلیکرمنّ کا لفظ ہے، یعنی جس طرح میں اپنے ماموں کا اکرام کرتا ہوں، اسی طرح ہر ایک کو اپنے ماموں کا اکرام کرنا چاہئے، لیکن ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ فلیرنی کی جگہ فلیکرمن کا لفظ تصحیف یعنی غلطی ہے۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تصحیف نہیں بلکہ تحریف ہے جو تصحیف سے زیادہ خطرناک ہے۔ (جدید مظاہر حق)

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۲۹۲۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۲۸

## ﴿حضرت سعدؓ کا اپنی خصوصیات بیان فرمانا﴾

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِيْ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ إِنِّيْ لَأَوَّلُ رَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَرَأَيْتُنَا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا الْحُبْلَةَ وَوَرَقَ السَّمُرِ وَإِنْ كَانَ أَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَا لَهُ خِلْطٌ ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُوْ أَسَدٍ تُعَزِّرُنِيْ عَلَى الْإِسْلَامِ لَقَدْ خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ عَمَلِيْ وَكَانُوْا وَشَوْا بِهِ إِلٰى عُمَرَ وَقَالُوْا لَا يُحْسِنُ يُصَلِّيْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری ص ۵۲۸ ج ۱، باب مناقب سعد، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۳۷۲۸، مسلم ص ۴۰۸، کتاب الزهد، حدیث ۲۹۶۶

**حل لغات:** نَغْزُو، غَزَا العَدُوَّ (ن) غَزْوًا و غَزَوَانًا لڑنے کے لئے دشمن کی طرف جانا۔ اَلْحُبْلَةُ لوبیے وغیرہ جیسی ترکاری۔ السَّمُر ببول کا درخت سَمُرَةٌ (ج) أسْمُرٌ۔ الشَّاةُ ایک بکری یا بھیڑ یادنبی یا ہرنی یا گائے یا شترمرغ (ج) شَاءٌ و شِيَاهٌ۔ خِلْطٌ ہر وہ چیز جو دوسری چیز سے ملے (ج) أَخْلَاطٌ۔ خِبْتُ خَابَ (س) خَيْبَةً محروم رہنا، نقصان اٹھانا۔ ضَلَّ العَمَلُ (سمع) ضَلَلًا وضَلَالَةً عمل رائیگاں ہونا۔ وَشَوْا وَشٰى بِهٖ إِلَى السُّلْطَانِ (ض) وَشْيًا ووِشَايَةً سلطان سے کسی کی شکایت کرنا۔ تعزرنی: عَزَّرَ (تفعیل) تعزِيرًا ادب سکھانا۔

**ترجمہ:** حضرت قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو فرماتے ہوئے سنا، عربوں میں سے میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیراندازی کی، اور میں نے دیکھا اپنے کو اور اپنے ساتھی دوسرے صحابہ کو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے، ایسی حالت میں کہ ہمارے لئے کھانے کا کوئی سامان نہیں ہوتا تھا سوائے ببول کی پھلیوں اور اسی کے پتوں کے، ہم لوگوں کو اجابت ہوتی تھی، بکریوں کی مینگنی کی طرح جس میں کوئی چیک نہیں ہوتی تھی۔ پھر اب بنو اسد مجھے سرزنش کرنے لگے ہیں اسلام کے بارے میں، تب تو میں خائب و نامراد رہ گیا اور سارے اعمال غارت گئے۔ بنو اسد کے لوگوں نے اس بات کی شکایت کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھتے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا والی و حاکم مقرر فرمایا تھا، قاعدہ کے مطابق وہی نماز کی امامت بھی فرماتے تھے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کے پردادا کا نام اسد ہے، اسی وجہ سے حضرت زبیرؓ کے پورے خاندان کو بنواسد کہا جاتا ہے۔ اسی خاندان کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں شکایت بھیجی کہ سعد نماز اچھی نہیں پڑھاتے۔ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں حضرت سعدؓ کو لکھا کہ تمہارے بارے میں یہ شکایت کی گئی ہے، جب یہ بات حضرت سعدؓ تک پہنچی تو یہ فطری طور پر سخت متاثر ہوئے اور وہ فرمایا جو اس روایت میں قیس بن حازم سے نقل کیا گیا ہے کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے دشمنان اسلام پر تیراندازی کی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے پہلے ہی سال صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو جس میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے رسول اکرمؐ نے جہاد کے لئے روانہ فرمایا، اسی غزوہ میں سعد بن ابی وقاصؓ نے تیراندازی کی، جہادِ اسلامی کی تاریخ میں یہ

پہلی تیراندازی تھی، اسی واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ اللہ کی توفیق سے راہ خدا میں سب سے پہلے تیر میں نے ہی چلایا، آگے حضرت سعدؓ نے اپنا اور اپنے ساتھ والے مومنین سابقین کے مجاہدوں اور قربانی کا یہ حال بیان فرمایا ہے کہ ہم ایسی بے سروسامانی کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار سے جہاد کرتے تھے کہ ہمارے پاس انسانی خوراک اور غذا کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ ہم ببول (کیکر) کے درخت کی پھلیوں اور اس کے پتوں کو بطور غذا استعمال کرتے تھے (جو اصل میں جنگل میں چرنے والی بکریاں عام طور سے کھاتی ہیں) اور پھر اسی وجہ سے ہم لوگوں کو بکریوں کی مینگنیوں ہی کی طرح اجابت ہوتی تھی۔ اپنا یہ حال بیان فرمانے کے بعد حضرت سعدؓ نے دلی دکھ کے ساتھ فرمایا کہ اب یہ بنواسد کے کچھ لوگ میری سرزنش کرتے ہیں اسلام کے بارے میں۔ تو اگر ان کی شکایت صحیح ہو تو پھر میں بالکل ہی ناکام اور نامراد ہو گیا، اور میرے سارے عمل غارت وضائع ہو گئے۔ اگرچہ شکایت کرنے والوں نے حضرت عمرؓ سے حضرت سعدؓ کے نماز اچھی طرح نہ پڑھنے ہی کی شکایت کی تھی۔ لیکن نماز چوں کہ اسلام کا اولین رکن ہے، اور اسلام کے قالب کی گویا روح اور جان ہے، اس لئے حضرت سعدؓ نے نماز اچھی نہ پڑھنے کی شکایت کو ناقص الاسلام ہونے کی شکایت سے تعبیر فرمایا (تُعَزِّرُنِیْ عَلَی الْإِسْلَامِ) بعض جگہ آگے اسی روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو شکایت کے جواب میں لکھا کہ میں ویسی ہی نماز پڑھاتا ہوں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھاتے دیکھا تھا، پہلی دو رکعتوں میں قرأت طویل کرتا ہوں اور بعد کی دو رکعتوں میں مختصر۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں ان کو لکھا، میرا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال تھا، مطلب یہ ہے کہ میں نے خود اس شکایت کو صحیح نہیں سمجھا تھا، لیکن میں نے اصول وضابطہ کے مطابق ضروری سمجھا کہ تم کو اس کی اطلاع کروں اور حقیقت حال دریافت کروں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بنواسد کے لوگوں کی شکایت کو رد فرما دیا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ کا کوئی بندہ کسی وقت ضروری سمجھے تو اپنی اسلامی خدمات اور اس سلسلہ کے ان مجاہدات کا بیان کرنا جس سے اس کی بڑائی ثابت ہو جائز ہے اور یہ وہ تفاخر اور خودستائی نہیں ہے، جس کی ممانعت ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** لقد خبت اذا اگر اس سابقیت اسلام کے باوجود میں بنواسد کی تعلیم وتربیت کا محتاج ہوں، تو مجھ سے بڑا خائب وخاسر کوئی نہیں ہے، اور میرے اعمال گویا رائیگاں گئے۔

**حدیث نمبر ۲۹۲۲ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۲۹**

## ﴿حضرت سعدؓ کا تیسرے نمبر پر اسلام قبول کرنا﴾

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ رَأَيْتُنِي وَأَنَا ثَالِثُ الْإِسْلَامِ وَمَا أَسْلَمَ أَحَدٌ إِلَّا فِي الْيَوْمِ الَّذِي أَسْلَمْتُ فِيهِ وَلَقَدْ مَكَثْتُ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَإِنِّي لَثُلُثُ الْإِسْلَامِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۲۷ ج ۱، باب مناقب سعدؓ، کتاب فضائل الصحابه، حدیث ۳۷۲۷

**حل لغات:** ثُلُث ایک تہائی (ج) أَثْلَاثٌ۔

**ترجمه:** اور حضرت سعدؓ نے کہا میں اپنے بارے میں جانتا ہوں، اسلام کی فہرست میں میرا نمبر تیسرا ہے اور کوئی شخص اس دن دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا جس دن کہ میں نے اسلام قبول کیا تھا اور پھر سات دن تک میں اسلام کا تہائی حصہ بنا رہا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** آپؓ نے خود بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے والا تیسرا آدمی ہوں، مجھ سے پہلے اللہ کے صرف دو بندوں نے اسلام قبول کیا تھا، وہ اس وقت صرف سترہ سالہ نوجوان تھے، اُن کی والدہ نے ان پر انتہائی درجہ دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے باپ دادا کا مشرکانہ دین ومذہب چھوڑ کر اس نئے دین (اسلام) کو قبول نہ کریں، جب حضرت سعدؓ

ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے، تو انھوں نے قسم کھالی کہ جب تک تو میری بات نہیں مانے گا میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی، اسی کے مطابق انھوں نے عمل کرنا شروع کر دیا، کئی دن تک نہ کچھ کھایا نہ پیا، اس درمیان میں تین دفعہ ان پر بے ہوشی بھی طاری ہوئی، لیکن حضرت سعدؓ ان کو منانے کی کوشش تو کرتے رہے، مگر اسلام چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے، صحیح مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا. آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے ماں باپ تم پر انتہائی درجہ کا بھی دباؤ ڈالیں کہ تم مشرکانہ طور طریقہ اختیار کر لو تو ان کی یہ بات تو نہ مانو، لیکن ان کے ساتھ دنیا میں اچھا سلوک کرتے رہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

وانی لثلث الاسلام یعنی سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تین افراد میں سے ہوں، یقیناً یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ خود کو ''ثالث الاسلام'' قرار دینے سے حضرت سعدؓ کی یہاں یہ مراد ہے کہ ان سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف دو افراد ایمان لائے تھے، ایک حضرت ابوبکرؓ اور دوم حضرت خدیجہؓ اور یا دو سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکرؓ ہیں، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اولین اسلام قبول کرنے والوں میں سے نہیں ہیں اور سعد نے ان سے قبل اسلام قبول کیا، بلکہ معنی یہ ہے کہ مردوں میں تیسرے نمبر پر اسلام قبول کرنے والے سعد ہیں۔ تاہم اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ کہتے ہیں: رأیت النبی صلی اللہ علیه وسل وما معه خمسة أعبد وابوبکر. (السنن الکبریٰ للبیهقی) یعنی ایک زمانہ تھا کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف پانچ غلام اور ایک حُر ابوبکر ایمان لائے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد ساتویں نمبر پر اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کی مراد احرار اور بالغین ہیں۔ جب کہ یہ پانچ حضرات غلام تھے اور حضرت علیؓ بچے لہٰذا ان (سعد) کا ثالث الاسلام ہونا ثابت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں لوگ اپنا اسلام چھپاتے تھے اور ظاہر نہیں کرتے تھے، اس لئے سعد کو ابوبکر اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ قبولِ اسلام کے حوالے سے کسی کا علم نہ ہوسکا اور یہ محض ان کا خیال ہے، (حقیقت میں ان کے علاوہ بھی اسلام قبول کرنے والے تھے) اور اس توجیہ کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ان کے الفاظ یہ ہیں ''ما اسلم احد قبلی'' حالاں کہ ان سے قبل اسلام قبول کرنے والے تو بہر حال ہیں، کم از کم ابوبکرؓ اور خدیجہؓ ہیں یہ ابن سعد کی روایت ہے۔ (فتح الباری، ص۱۰۵ ج۹) جب کہ ابن مندہ کی راویت ہے ابوبدر عن ہاشم کے طریق سے، جس کے الفاظ یہ ہیں ما اسلم احد فی الیوم الذی اسلمت فیه. یعنی جس دن میں اسلام لایا اس دن کسی اور نے اسلام قبول نہیں کیا، ان کا یہ کہنا درست ہوسکتا ہے اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے؛ کیوں کہ اس دن کسی کا قبولِ اسلام میں حضرت سعدؓ کے ساتھ شریک نہ ہونا عین ممکن ہے۔ اور اس پر ''ما اسلم احد قبلی'' جیسی روایات کو بھی محمول کیا جاسکتا ہے، مگر یہی روایت اسی ابن مندہ کے طریق سے خطیب نے نقل کی ہے اور اس میں الا فی الیوم کے الفاظ ہیں لہٰذا اس کی وہی تاویل درست ہوگی جو پہلے ذکر کی گئی ہے۔ یعنی اسلام تو ان سے قبل ابوبکرؓ، خدیجہؓ اور خمسۂ اعبد نے قبول کیا تھا، مگر انھیں پانچ افراد کا پتہ نہ تھا پھر انھوں نے احرار اور بالغین کے حساب سے کہا، بہر حال حقیقت میں وہ ساتویں نمبر پر اسلام قبول کرنے والے ہیں، جیسے کہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں کہا ہے انه سابع سبعة فی الاسلام اور پھر انھوں نے اپنی معلومات کے حساب سے کہا اور انھیں معلوم نہ تھا کہ ان سے پہلے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، مگر اظہار نہیں کرسکے، اور شاید ان کے قبول اسلام کے بعد ان بہت سوں نے اسلام ظاہر کیا، تو وہ سمجھے یہ سب اب اسلام قبول کر رہے ہیں۔ (کشف الباری)

## حدیث نمبر ۲۹۲۳ ﴿حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی مالی قربانی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۰

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ لِنِسَائِهٖ اِنَّ اَمْرَكُنَّ مِمَّا يُهِمُّنِیْ مِنْ بَعْدِیْ

وَلَنْ يَصْبِرَ عَلَيْكُنَّ إِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّيْقُوْنَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَعْنِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ثُمَّ قَالَتْ عَائِشَةُ لِأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَقَى اللّٰهُ أَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ وَكَانَ ابْنُ عَوْفٍ قَدْ تَصَدَّقَ عَلٰى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِحَدِيْقَةٍ بِيْعَتْ بِأَرْبَعِيْنَ أَلْفًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۶-۲۱۵ ج ۲، باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوف، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۴۹

**حل لغات:** يُهِمُّنِي هَمَّ الْأَمْرُ فُلَانًا (ن) هَمًّا مغموم وفکرمند ہونا، بے چین کرنا۔ سَقٰى (ض) پلانا سَقَاكَ اللّٰهُ سَقْيًا خدا تجھ کو سیراب کرے۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بعد والا تمہارا معاملہ مجھے فکرمند کر دیتا ہے کہ تمہارا خیال نہیں رکھیں گے مگر صبر وصدق کے پیکر۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یعنی بہت زیادہ صدقہ دینے والے۔ پھر عائشہؓ نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے والد ماجد کو جنت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے، اور حضرت ابن عوفؓ نے امہات المومنینؓ کی خدمت میں ایک باغ نذر کیا تھا جو چالیس ہزار میں فروخت کیا گیا۔

**خلاصۂ حدیث** حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، بہت سخی اور فیاض تھے اس حدیث میں ان کی سخاوت کا ذکر ہے، انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواج مطہرات پر کھلے دل سے بڑا مال خرچ کیا، چالیس ہزار دینار کی قیمت کا باغ ازواج مطہرات کو دیا، بلکہ ترمذی میں ہے کہ چار لاکھ درہم یا دینار کا باغ آپ نے ازواج مطہرات کے مصارف کے لئے وقف کیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرمؐ کے زمانہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک مرتبہ اپنے پورے مال کا آدھا اور نقد میں سے چار ہزار دینار یا درہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر پیش کیا، پھر چار ہزار دینار لاکر دیا، پھر پانچ گھوڑے جہاد میں لاکر دئے، پھر جہاد فی سبیل اللہ میں ڈیڑھ ہزار اونٹنیاں لاکر پیش کیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے ڈیڑھ لاکھ دینار صحابہ کرامؓ پر تقسیم کئے۔ پھر جب رات کا وقت آیا تو آپ نے قلم اور کاغذ لے کر اپنے مال کی ایک فہرست بنائی کہ یہ مال انصار اور مہاجرین کے لئے ہے۔ جب مال کا حساب ہوگیا تو آپ نے اپنے بدن کے کپڑوں کے بارے میں لکھا ہے کہ قمیص فلاں کو دی جائے، عمامہ فلاں کو دے دیا جائے۔ اس طرح انھوں نے سارا مال اللہ کے لئے لٹا دیا اور سو گئے۔ صبح جب نماز کے لئے گئے تو آنحضرتؐ کے پاس جبرئیل امین آئے اور فرمایا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو میرا سلام کہو اور ان سے وہ فہرست لے کر قبول کرلو جو انھوں نے رات کو بنائی ہے اور پھر یہ فہرست ان کو واپس کردو اور کہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا مال قبول کرلیا، اب تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مال پر نگراں اور وکیل ہو جہاں چاہو خرچ کرو، اور ان کو جنت کی بشارت سنادو، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کئے تھے، اسی فیاضی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو دعا دے رہی ہیں، اور حضور اکرمؐ نے خاص دعا فرمائی جو اگلی حدیث میں مذکور ہے۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** من بعدی حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے اس کی فکر ہے کہ میری وفات کے بعد تمہاری گزر بسر کیسے ہوگی، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث نہیں چھوڑی اور جو کچھ بوقت انتقال آپ نے چھوڑا تھا وہ آپ کے فرمان کے مطابق صدقہ تھا، اور خود ازواج مطہرات نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی تھی، جب ان کو اختیار دیا گیا تھا۔

**اِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصدقون** صابر سے مراد اپنے نفس کی مخالفت پر صبر کرنے والے ہیں، یعنی خود اپنے لئے تھوڑا رکھتے ہیں اور دوسروں کو نوازتے ہیں، اور صدیق سے مراد وہ ہے جو معاملات کی سچائی میں اور ادائے حقوق میں کامل ہو، خرچ کرنے میں اور سخاوت میں

کثیر الصدق ہو۔ قالت عائشۃ لابی سلمۃ حضرت عائشہؓ نے اظہار تشکر کے لئے اور احسان مندی کے جذبہ سے حضرت عبدالرحمٰن کے بیٹے ابوسلمہ سے جو کبار تابعین میں سے ہیں، فرمایا کہ تمہارے والد کو اللہ تعالیٰ جنت کے چشمہ سلسبیل سے پلائے کہ انھوں نے اپنا باغ ازواج مطہرات پر صدقہ کیا تھا، جو چالیس ہزار میں فروخت ہوا۔ مزید کے لئے اگلی حدیث دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۲۴ ﴿حضرت عبدالرحمٰنؓ کیلئے نبیؐ کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۱**

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِأَزْوَاجِهِ إِنَّ الَّذِيْ يَحْثُوْ عَلَيْكُنَّ بَعْدِيْ هُوَ الصَّادِقُ الْبَارُّ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

**حوالہ:** احمد، ص۲۹۹ ج۶

**حل لغات:** يَحْثُوْ حَثَا علیه (ن) حَثْوًا سخاوت کرنا، عطا کرنا۔ البَارّ نیک صالح (ج) بَرَرَةٌ۔

**ترجمہ:** ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے خود سنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ اپنی ازواج سے فرماتے تھے، کہ جو شخص میرے بعد اپنی دولت سے تمہاری بھرپور خدمت کرے گا وہ ہے صادق الایمان اور صاحب احسان بندہ۔ اے اللہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنت کے سلسبیل سے سیراب فرما۔ (مسند احمد)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ام سلمہؓ کی اس حدیث میں "سلسبیل" کا لفظ آیا ہے۔ وہ جنت کا ایک خاص اور نفیس ترین چشمہ ہے۔ قرآن مجید میں سورہ دہر میں فرمایا گیا ہے عینا فیھا تسمیٰ سلسبیلا چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ، انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت نہیں جاری ہوتی، وہ جو کچھ چھوڑیں وہ فی سبیل اللہ صدقہ ہے، اس لئے فطری طور پر ازواج مطہرات کے لئے ازراہ بشریت فکر و تشویش کی بات ہوسکتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا گزارہ کس طرح اور کہاں سے ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ کا ایک صادق الایمان بندہ جس کی فطرت میں اللہ نے احسان کی صفت خاص طور سے رکھی ہے، تمہاری بھرپور خدمت کرے گا۔ آگے آپؐ نے دعائیہ کلمہ میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام لے کر متعین بھی فرمادیا کہ وہ کون ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئی حضورؐ کا ایک معجزہ تھا۔ (معارف الحدیث) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دعائیہ جملہ ام المومنین ام سلمہؓ کا ہو۔ (مرقات)



**کلمات حدیث کی تشریح** یحثو یعنی عبدالرحمٰن بن عوفؓ ازواج مطہراتؓ کی بھرپور خدمت کریں گے۔ اور واقعی انھوں نے خدمت کا بھرپور حق ادا کردیا۔ گزشتہ روایت میں اس کی صراحت گزرچکی ہے۔

**حدیث نمبر ۲۹۲۵ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۲**

**﴿حضرت ابوعبیدہؓ کو امین الامۃ کا خطاب عطا کرنا﴾**

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ جَاءَ أَهْلُ نَجْرَانَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْعَثْ إِلَيْنَا رَجُلًا أَمِيْنًا فَقَالَ لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِيْنًا حَقَّ أَمِيْنٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ قَالَ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۳۰ ج۱، باب مناقب ابی عبیدۃ بن الجراح، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث۳۷۴۵، مسلم، ص۲۸۲ ج۲، باب فضائل ابی عبیدۃ، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث۲۴۲۰

**حل لغات:** اسْتَشْرَفَ لِلشَّيْءِ، اسْتِشْرَافًا (استفعال) نظر اٹھا کر دیکھنا، مشتاق ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نجران والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ہماری طرف ایک امانت دار آدمی کو بھیجئے، آپؐ نے فرمایا میں تمہاری طرف ایسے امانت دار آدمی کو بھیجوں گا جو امین ہونے کا حق ادا کرے گا، لوگ اس کے لئے پرشوق ہونے لگے تو آپؐ نے حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ کو بھیجا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** شارح مسلم امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ صفت امانت تو صحابہ کرامؓ میں بدرجہ اتم موجود تھی، مگر حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے اندر امانت کی صفت غالب تھی، اس لئے پیغمبرؐ نے ان کو "امین هذه الامة" کا لقب دیا ہے، اس حدیث شریف میں حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ کی فضیلت مذکور ہے؛ کیوں کہ تمام صحابہ کرامؓ میں ان کو ہی منتخب کر کے اہلِ نجران کی جانب روانہ کرنا اور حق امین کہنا، یہ چیز اُن کی بڑی فضیلت پر دلالت کرتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت ابوعبیدہؓ کو ایک انفرادی مقام حاصل تھا اور بعض اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ میں وہ دوسروں پر فائق تھے۔ (تکمیل الحاجۃ)

**کلمات حدیث کی تشریح** جاء اهل نجران ایک علاقہ تھا یمن وشام اور حجاز کے درمیان، اس کے بڑے اور مرکزی شہر کو نجران ہی کہا جاتا تھا، یہ ۱۰ھ میں فتح ہوا، اس میں بیشتر آبادی عیسائیوں کی تھی اور یہ اس پورے علاقہ میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس نجران کے ایک وفد نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ درخواست کی تھی جس کا حذیفہ بن الیمانؓ کی زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا، اور ان کی درخواست پر رسول اللہؐ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو وہاں کا عالم اور حاکم بنا کر بھیجا۔ کنز العمال میں حضرت حذیفہؓ کی یہ حدیث مسند احمد وغیرہ متعدد کتب حدیث کے حوالہ سے بھی نقل کی گئی ہے اور اس میں نجران کے وفد کی اس درخواست کے جواب میں کہ "آپ ہمارے لئے ایک مرد امین" کو مقرر فرما دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، لابعثن اليكم امينا حقّ امينٍ امينا حق امين امينا حق أمين. آپؐ نے امیناً حق امینٍ کا لفظ تین دفعہ فرمایا، ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین دفعہ اس کلمہ کے ارشاد فرمانے سے وصف امانت کے لحاظ سے حضرت ابوعبیدہؓ کی عظمت وفضیلت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ (معارف الحدیث) فاستشرف لوگ اس لئے اونچے ہوئے تاکہ ان پر آپ کی نظر پڑے اور آپ اُن کا انتخاب فرمائیں۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۱۱۵ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۲۹۲۶ ﴿خلافت کے لئے موزوں صحابہؓ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۳

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قِيلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ نُؤَمِّرُ بَعْدَكَ قَالَ إِنْ تُؤَمِّرُوْا أَبَا بَكْرٍ تَجِدُوْهُ أَمِيْنًا زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا رَاغِبًا فِي الْآخِرَةِ وَإِنْ تُؤَمِّرُوْا عُمَرَ تَجِدُوْهُ قَوِيًّا أَمِيْنًا لَا يَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَإِنْ تُؤَمِّرُوْا عَلِيًّا وَلَا أُرَاكُمْ فَاعِلِيْنَ تَجِدُوْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا يَأْخُذْ بِكُمُ الطَّرِيْقَ الْمُسْتَقِيْمَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۱۰۹ ج ۱

**حل لغات:** نُؤَمِّرُ أَمَّرَ فُلَانًا (تفعیل) امیر مقرر کرنا، حاکم بنانا۔ لَائِمٌ ملامت گر، لَامَهُ علىٰ كذا لَوْمًا کسی کو ملامت کرنا۔ الهَادِيْ رہبر، راہنما، هَدٰى فُلَانًا الطَّرِيْقَ ولَهُ و إِلَيْهِ کسی کو راستہ بتانا۔ المَهْدِيُّ ہدایت یافتہ۔

**ترجمہ:** حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، اپنے بعد آپ کس کو امیر بناتے ہیں؟ فرمایا، اگر تم ابوبکر کو امیر بناؤ گے تو انھیں امانت دار، دنیا سے منھ موڑنے والا اور آخرت کی رغبت رکھنے والا پاؤ گے، اگر تم عمر کو امیر بناؤ گے تو انھیں طاقت ور اور امانت دار پاؤ گے جو اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈریگا اور اگر تم علی کو امیر بناؤ گے اور میرے خیال میں تم ایسا کرنے والے نہیں ہو تو انہیں ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے جو تمہیں سیدھے راستے پر لے جائیں گے۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ نے خلافت کے لئے کسی کو متعین نہیں فرمایا، بلکہ امت کے سپرد کردیا کہ وہ آپس کے مشورہ سے طے کرلیں، البتہ بعض حضرات کا ذکر کردیا جن میں اس امانت کی ادائیگی کی کامل صلاحیت موجود تھی اوران میں کچھ بہت اعلیٰ ایسی صفات تھیں جوایک کودوسرے سے ممتاز کرتی تھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اِنْ تُؤَمِّرُوْا اَبَابَکْرٍ تَجِدُوْہُ اَمِیْنًا یعنی اگرتم ابوبکرکوخلیفہ بناؤگےتوتم ان کودین کے معاملہ میں امین پاؤگے اور وہ تمام فیصلے امانت و دیانت اور عدالت کے ساتھ کریں گے، اورتم ان کودنیا سے بے رغبت اورآخرت کی طرف راغب پاؤگے۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ خلیفہ کواس صفت کے ساتھ متصف ہونا چاہئے، تاکہ ان میں اخلاص بدرجۂ اتم پایاجائے اوراخلاص ہی کی وجہ سے خلاصی ہوگی وگرنہ یہ امارت وخلافت گردن کاطوق بن جائے گی،اورایک روایت میں ہے کہ اگرتم ابوبکررضی اللہ عنہ کوخلیفہ بناؤگےتوتم ان کوامین پاؤگے جب کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ تم ان کواللہ کے معاملہ میں قوی اوراپنی ذات کے بارے میں ضعیف پاؤگے۔ وَاِنْ تُؤَمِّرُوْا عُمَرَ تَجِدُوْہُ قَوِیًّا اگرعمرؓ کوامیراورخلیفہ بناؤگےتوتم ان کوقوی یعنی امارت کی ذمہ داریوں کابوجھ ہمت وقوت کے ساتھ اٹھانے والاپاؤگےاورامین پاؤگے کہ کسی معاملہ میں بھی ان سے خیانت کاصدورنہیں ہوگا،اوردین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یعنی دین کے کاموں میں پختہ اورایسے مضبوط ہوں گے کہ جب کسی دینی کام کوشروع کریں گے،توکسی منکر کے انکاراورکسی معترض کے اعتراض سے بالکل نہیں ڈریں گےاورایک روایت میں ہے کہ تم عمرؓ کواللہ کے معاملہ میں بھی اورخوداپنی ذات میں بھی قوی پاؤگے۔ **وان تؤمروا علیا ولا اراکم فاعلین.** اگرتم علیؓ کوخلیفہ اورامیرمقررکروگے،لیکن میں گمان نہیں کرتا کہ تم ایسا کروگے،مراد یہ ہے کہ ایسانہ ہوگاتم ان کی خلافت پر بلااختلاف متفق ہوجاؤگے،اگرتم علیؓ کوخلیفہ بناؤگےتوتم ان کو ہادی کامل یعنی مرشد کامل اورمہدی یعنی مکمل ہدایت یافتہ پاؤگے،وہ تمھیں پکڑکرسیدھے راستے پرلے جائے گا۔علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کامقصد یہ ہے کہ آپؐ امت سے فرماناچاہتے ہیں کہ خلافت کامعاملہ تمہارے سپرد ہے،اس لئے کہ تم من حیث الامت مجتہد مصیب ہو،تم غلط اورناحق بات پرجمع نہیں ہوسکتے۔بعض حضرات نےفرمایاکہ حضرت ابوبکرؓ کاذکرپہلے فرمایا،اس میں ان کے تقدم کی طرف اشارہ ہے،حضرت عثمانؓ کاذکرآپؐ نے صراحتاً نہیں کیا،ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کاذکرکیاہولیکن راوی بھول گئے ہوں،اوریہ بھی کہاجاسکتاہے کہ حضورؐ کےفرمان **ولا اراکم فاعلین** کاایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماناچاہتے ہیں کہ میں گمان نہیں کرتا کہ تم علیؓ کوباقی تمام سے پہلے امیروخلیفہ مقررکروگے؛ کیوں کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی قضاوقدرکاعلم تھا کہ حضرت علیؓ کی عمرسب سے لمبی ہوگی،اگران کی خلافت مقدم ہوجائے،توباقی حضرات کی خلافت فوت ہوجائے گی،حالاں کہ تقدیرمیں ان کی خلافت لکھی جاچکی ہے۔(جدیدمظاہرحق)

## حدیث نمبر ۲۹۲۷ ﴿خلفائے راشدین کے امتیازی اوصاف﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۴

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا بَكْرٍ زَوَّجَنِيْ اِبْنَتَهُ وَحَمَلَنِيْ إِلٰى دَارِ الْهِجْرَةِ وَصَحِبَنِيْ فِي الْغَارِ وَأَعْتَقَ بِلَالًا مِنْ مَالِهٖ رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَالَهُ مِنْ صَدِيْقٍ رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ أَدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی،ص ۲۱۲-۲۱۳ ج ۲،باب مناقب علی بن ابی طالب، کتاب المناقب،حدیث ۳۷۱۴

**حل لغات:** حَمَلَنِیْ،حَمَلَ فُلَانًا(ض)حَمْلًا کسی کوسواری کاجانوردینا۔صَحِبَنِیْ، صَحِبَہٗ(س)صَحَابَۃً وصُحْبَۃً ساتھ رہنا۔

أَعْتَقَ العَبْدَ إِعْتَاقًا (افعال) غلام کو آزاد کرنا۔ مُرًّا ضِدُّ الْحُلْوِ کڑوا، تلخ۔ أُدِرْ أَدَارَ حَوْلَ الشَّیْءِ کسی چیز کے گرد گھمانا، چلانا۔ دَارَ (ن) دَوْرًا و دَوَرَانًا چکر لگانا، کسی کے ارد گرد گھومنا۔ یَسْتَحْیِیْ اسْتَحْیَاہُ و اسْتَحْیَا مِنْہ اسْتِحْیَاءً کسی کا کسی سے شرمانا (استفعال)۔

**ترجمہ:** حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت ہے آپؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابوبکرؓ پر، انھوں نے اپنی بیٹی (عائشہؓ) کا میرے ساتھ نکاح کیا، اور دار الہجرۃ مدینہ منورہ تک پہنچنے کے لئے میرے واسطے (سواری وغیرہ) سفر کے انتظامات کئے اور غار میں میرے ساتھ رہے، اور بلال کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا۔ اللہ کی رحمت ہو عمرؓ پر، وہ حق بات کہتا ہے اگر چہ کڑوی ہو، اس کی اس (بے لاگ) حق گوئی نے اس کو اس حال میں کر چھوڑا ہے کہ کوئی اس کا سچا اور پورا دوست نہیں، اللہ کی رحمت ہو عثمانؓ پر جس کا حال یہ ہے کہ فرشتے بھی اس سے شرماتے ہیں، اور اللہ کی رحمت ہو علیؓ پر، اے اللہ! تو حق اور سچائی کو اس کے ساتھ دائر اور سائر کردے، وہ حق کے ساتھ رہے اور حق اس کے ساتھ رہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں چاروں خلفائے راشدین کے لئے رحمت کی دعا فرمائی، سب سے پہلے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں دعاءِ رحمت فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ ان کے تین اعمالِ خیر کا ذکر فرمایا، سب سے پہلے ان کے اس عمل کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کا آپؐ کے ساتھ نکاح کردیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ اگر چہ ازواج مطہرات آپ کی اور بھی ہوئیں، لیکن حضرت عائشہؓ کے نکاح کی خاص اہمیت یہ تھی کہ آپ کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جن کا وجود ان کے کمالِ ایمان، ان کی فراست و دانشمندی اور بالخصوص ان کی وجہ سے خانگی ضروریات کی فکروں سے بے فکری اور آزادی حاصل ہوجانے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث سکون خاطر تھا۔ ان کی وفات سے فطری طور پر آپ کو غیر معمولی رنج و صدمہ تھا، اس وقت عالم غیب کی طرف سے آپ کو اشارہ ملا کہ ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہ تمہاری رفیقۂ حیات ہوں گی، اگر چہ وہ اس وقت بہت کمسن تھیں؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبی اشارہ کی بنا پر یقین فرمالیا کہ یہ منجانب اللہ مقدر ہوچکا ہے، اور ان کی رفاقت حضرت خدیجہؓ ہی کی طرح میرے لئے خیر اور باعث سکون خاطر ہوگی، چنانچہ ایک نیک خاتون خولہ بنت حکیمؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو حضور کی طرف سے رشتہ کا پیغام پہنچایا۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حضرت عائشہؓ اس وقت بہت کمسن تھیں، نیز ان کی نسبت جبیر ابن مطعمؓ کے بیٹے سے ہوچکی تھی، جو ابوبکرؓ ہی کی طرح مکہ کے خوشحال اور دولت مند لوگوں میں تھے۔ اور مالی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حال تھا وہ ابوبکرؓ کے سامنے تھا، اس کے باوجود انھوں نے حضور کی اس حالت کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے، اس امید پر کہ یہ نکاح رسول اللہؐ کے قلب مبارک کے سکون کا ذریعہ بنے گا، اپنی اور بیٹی کی سعادت سمجھ کر اسے قبول کرلیا اور حضرت عائشہؓ کا آپؐ سے نکاح کردیا، بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مندرجہ بالا ارشاد میں حضرت ابوبکرؓ کے حق میں رحمت کی دعا کرنے کے ساتھ پہلے ان کے اسی احسان کا ذکر فرمایا، اس کے بعد ان کے اس دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لئے میرے واسطے انتظامات کئے اور پورے سفر میں میرے ساتھ رہے، آخر میں حضورؐ نے ابوبکر صدیقؓ کے اس تیسرے عمل خیر کا ذکر فرمایا کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو جو مکہ کے ایک انتہائی سنگ دل کافر و مشرک کے غلام تھے، وہ صرف حضورؐ پر ایمان لانے اور شرک چھوڑ کر توحید قبول کرلینے کی وجہ سے ان کو سخت لرزہ خیز تکلیفیں دیتا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کے مالک کو منھ مانگے دام دے کر خرید لیا اور آزاد کردیا۔ اگر چہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کے علاوہ بھی ایسے متعدد غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا تھا جن کو ان کے کافر و مشرک مالک صرف ایمان لانے کے جرم میں تکلیفیں دیتے تھے، لیکن حضرت بلال حبشیؓ کی خصوصیات کی وجہ سے رسول اللہؐ نے اس ارشاد میں صرف انھیں کو خرید کر آزاد کرنے کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد آپؐ نے

دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ان کے اس خاص وصف کا ذکر فرمایا کہ وہ مخلوق کی رضامندی و ناراضی سے بے پرواہ ہوکر ہر معاملے میں حق بات کہتے ہیں؛ اگر چہ وہ لوگوں کو کڑوی معلوم ہو، اور اس کی وجہ سے وہ ان سے دور اور ناراض ہو جائیں۔ معلوم ہوا کہ کسی بندہ کا یہ حال بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے، اور ایسا بندہ اللہ کی رحمت کا خاص طور سے مستحق ہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد آپؐ نے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ان کے اس وصف کا ذکر فرمایا کہ اللہ کے فرشتے بھی ان سے شرماتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے بعد آپؐ نے چوتھے خلیفہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! تو علیؓ کے ساتھ حق کو دائر و سائر کر دے، یعنی ہمیشہ وہ حق پر رہیں اور حق ان کے ساتھ رہے۔ رسول اللہؐ نے اپنے اس ارشاد میں جس ترتیب کے ساتھ ان چاروں کا ذکر کیا اور ان کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپ کی امت میں یہ چاروں حضرات سب سے افضل اور بلند مرتبہ ہیں، اور ان کے درمیان اسی ترتیب کے مطابق درجات کا فرق ہے، نیز اس ترتیب سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپؐ کے بعد یہ چاروں حضرات اسی ترتیب کے مطابق یکے بعد دیگرے آپؐ کے خلیفہ اور جانشین ہوں گے۔ اس کے علاوہ بھی آپؐ کے بہت سے ارشادات میں اسی ترتیب سے ان چاروں حضرات کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان سب احادیث سے یہی اشارہ ملتا ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح**

**اللهم ادر الحق معه** حضرت علیؓ کی زندگی میں چند نزاعی صورتیں پیش آئیں ہیں: پہلی صورت جنگ جمل کی ہے اس میں حضرت علیؓ حق پر تھے، مدمقابل میں بڑے بڑے صحابہ اجتہادی خطا پر تھے، پھر جنگ صفین کا واقعہ آیا، اس میں بھی حضرت علیؓ حق پر تھے، مدّ مقابل کے لوگ اجتہادی خطا پر تھے پھر خوارج کے ساتھ طویل جنگوں کا سلسلہ رہا اس میں بھی حضرت علیؓ حق پر تھے، اور مدمقابل خوارج باطل پر تھے، زیر بحث حدیث میں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لئے دعا فرمائی، اسی طرح آپ کی زندگی رہی، اس حدیث میں حضرت علیؓ کی حقانیت کو عجیب مؤثر انداز سے بیان کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا کہ علیؓ حق کے ساتھ گھومے بلکہ یہ فرمایا کہ جہاں علیؓ ہوں حق گھوم گھوم کر علی کی طرف جائے! سبحان اللہ کتنا بڑا اعزاز ہے۔ (توضیحات)

## باب مناقب اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس باب کے تحت صاحب مشکوۃ نے ۴۹ر احادیث نقل کی ہیں، جن میں اہل بیت کے فضائل و مناقب کا بیان ہے یہاں بعض روایات وہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو ہاشم اہل بیت میں داخل ہیں۔ پھر بعض روایات میں حضرت اسامہؓ اور ان کے والد حضرت زیدؓ کا ذکر ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت نبیؐ میں بہت وسعت ہے۔ آپؐ کے اہل بیت میں اہل محبت و قرابت بھی داخل ہیں، جب کہ بعض روایات میں اتنا خصوص ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے اہل بیت میں صرف آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ، آپ کے داماد حضرت علیؓ اور ان کے دو بیٹے حضرات حسنینؓ ہی داخل ہیں۔ چنانچہ ان احادیث کے پیش نظر اہل بیت کے سلسلہ میں اقوال مختلف ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ اہل بیت سے حضورؐ کے وہ رشتہ دار مراد ہیں کہ جن کے لئے شرعاً زکوۃ لینا حرام ہے، اس میں حضرت عباس، حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل رضی اللہ عنہم کی اولاد داخل ہے، گویا اس سے مراد بنو ہاشم ہیں۔ (۲) اہل بیت سے مراد اہل و عیال ہیں، اس صورت میں اہل بیت میں آپ کی ازواج مطہرات بھی شامل ہوں گی جس پر آیت کریمہ **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا** کا سیاق دال ہے۔ (۳) عام عرف میں مشہور ہے کہ حضورؐ کی اہل بیت سے مراد حضرت فاطمہ، حضرت علی اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہیں، اور اس پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں مثلاً ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے

کہ نبی اقدسؐ جب فجر کی نماز کے لئے جاتے ہوئے حضرت فاطمہؓ کے گھر کے پاس سے گزرتے تو یہ فرماتے: الصلاة یا اهل البیت، انما یرید اللّٰہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهر کم تطهیرًا۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی یہ روایت ہے۔ بعض علماء نے اس میں تطبیق دی ہے۔ اس کا ذکر اس باب کی پہلی حدیث عالمی حدیث ۶۱۳۵ میں آ رہا ہے۔ آج کل عمومی ذہن جو ہے، وہ یہی ہے کہ اہل بیت الگ ہیں، اور ازواج مطہرات الگ ہیں، چنانچہ عام محدثین جن میں ہمارے صاحب مشکوٰۃ بھی داخل ہیں، آپ کی ازواج کے لئے الگ عنوان قائم کرتے ہیں، اہل بیت کے عنوان کے ذیل میں ان کا تذکرہ عموماً نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اہل البیت کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، سورۃ الاحزاب کے چوتھے رکوع میں ازواج مطہرات کو کچھ خاص ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ہے: ''انما یرید اللّٰہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهر کم تطهیرا''، جس کا مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پیغمبر کی بیویوں تم کو جو یہ خاص ہدایتیں دی گئیں ہیں، ان سے اللہ کا مقصد تم کو زحمت ومشقت میں مبتلا کرنا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان ہدایات سے یہ ہے کہ تم کو ہر قسم کی ظاہری وباطنی برائی اور گندگی سے مطہر اور پاک صاف کر دیا جائے۔ جو شخص عربی زبان کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، اس کو سورۂ احزاب کے اس پورے رکوع کے پڑھنے کے بعد اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہوگا کہ یہاں اہل بیت کا لفظ رسول اللہ کی ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والے ہم مسلمانوں کا حال آج یہ ہے کہ اہل البیت کا لفظ سن کر ہمارا ذہن ازواج مطہرات کی طرف بالکل نہیں جاتا، بلکہ آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے شوہر حضرت علی مرتضیٰ اور ان دونوں کی ذریت (رضی اللہ عنہم) ہی کی طرف جاتا ہے۔ اہل البیت کا لفظ قرآن مجید میں سورۂ احزاب کے علاوہ صرف ایک جگہ اور سورۂ ہود کے چھٹے رکوع میں بھی آیا ہے، جہاں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ گئے تھے، جس میں عام قانون فطرت کے مطابق اولاد کی امید نہیں کی جاسکتی اور وہ لاولد تھے، تب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کی ایک جماعت نے آکر انھیں اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہؓ کو ایک بیٹے کے تولد کی بشارت دی، حضرت سارہ نے ازراہ تعجب کہا، أألد وانا عجوز وهذا بعلی شیخًا (میں خود بڑھیا اور میرے میاں بھی بوڑھے تو اب کیا میں بچہ جنوں گی) اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا، اتعجبین من امر اللّٰہ رحمة اللّٰہ وبرکاته علیکم اهل البیت انه حمید مجید۔ (محترمہ آپ اللہ کے تکوینی حکم کے بارے میں تعجب کرتی ہیں، آپ اہل البیت پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں ہیں) ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی اہل البیت سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ حضرت سارہ ہی کو مخاطب کیا گیا۔ عربی زبان ومحاورات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ کسی شخص کے اہل البیت کا اولین مصداق اس کی بیوی ہی ہوتی ہے، اسی طرح فارسی میں اہل خانہ اور اردو میں گھر والے یا گھر والی بیوی ہی کو کہا جاتا ہے۔ ماں بہن بیٹی اور داماد اور ان کی اولاد کے لئے اہل البیت اور اہل خانہ اور گھر والوں کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ الغرض اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اہل البیت کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہیں، البتہ یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جب سورۂ احزاب کی مندرجہ بالا آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن اور حضرت حسین اور ان کے ساتھ ان کے شوہر اور اپنے چچازاد بھائی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین کو ایک کملی میں اپنے ساتھ لے کر دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ هولاء اَهْلُ بَیْتِی فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا۔ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی ہر طرح کی برائی اور گندگی کو دور فرما دے اور ان کو مکمل طور سے مطہر و پاک وصاف فرما دے۔ بلاشبہ حضورؐ کی یہ دعا قبول ہوئی اور سورۂ احزاب والی آیت میں

ازواج مطہرات کا "اَهْلُ الْبَيْت" کے لفظ سے ذکر فرما کر ان پر اللہ تعالیٰ کے جس خاص انعام کا ذکر فرمایا گیا تھا اس میں اور لفظ اَهْلُ الْبَيْت کے اطلاق میں یہ حضرات بھی شامل ہو گئے۔ اس بنیاد پر یہ حضرات بھی لفظ اَهْلُ الْبَيْت کا صحیح مصداق ہیں، لیکن جیسا کہ تفصیل سے عرض کیا جاچکا قرآن مجید میں یہ لفظ ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہیں۔ الغرض یہ بات کہ ازواج مطہرات آپؐ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں بلکہ اس لفظ کا مصداق صرف آپ کی ایک بیٹی ایک داماد اور دو نواسے ہیں نہ تو زبان کے لحاظ سے درست ہے نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے بلکہ ایک خاص فرقہ کے فنکاروں کی سازش کا نتیجہ ہے، اس غلطی نے امت میں عرف عام کی حیثیت اختیار کر لی اور ہماری سادہ دلی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل ہو گیا اور جیسا کہ عرض کیا گیا حالت یہ ہو گئی کہ اہل بیت کا لفظ سن کر ہمارے اچھے پڑھے لکھوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا جو قرآن مجید کی رو سے اس لفظ کی اولین مصداق ہیں۔ (معارف الحدیث)

## الفصل الاول

### حدیث نمبر ۲۹۲۸ ﴿بوقت مباہلہ اہل بیت کو بلانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۵

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ (نَدْعُ أَبْنَاءَ نَا وَأَبْنَاءَ كُمْ) دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۷۸ ج ۲، باب من فضائل علی، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۰۴

**حل لغات:** نَدْعُ، دَعَا فُلَانًا (ن) دَعْوًا و دَعْوَةً و دَعَاءً بلانا، پکارنا، آواز دینا۔ أَبْنَاء (واحد) اِبْنٌ بیٹا۔ أهل رشتہ دار، کنبہ (ج) آھال۔ بیت گھر، رہائش گاہ؛ خاندان (ج) أَبْيَات و بُيوت (جج) بيوتات۔

**ترجمہ:** حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت "قُل تعالوا ندع الخ" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو بلایا اور کہا اے میرے مولیٰ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں دعوتِ مباہلہ کا ذکر ہے، عرب کا دستور تھا کہ جب کسی معاملہ میں تنازع ہوتا اور مذاکرات سے حل نہ ہو پاتا تو طرفین اپنے اپنے بیوی بچوں کو گھروں سے نکال کر کھلے میدان میں لاکر ایک دوسرے کی ہلاکت کے لئے دعا مانگا کرتے تھے، آپؐ نے بھی حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کے ساتھ نکل کر کچھ عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی، تفصیل آگے آرہی ہے۔ آپ نے مذکورہ چاروں حضرات کو اہل بیت کہا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اہل بیت میں صرف یہی لوگ داخل ہیں، دراصل لفظ 'بیت' کی تین حیثیتیں اور تین اطلاقات ہیں: (۱) اول بیتِ نسب ہے (۲) دوم بیتِ ولادت ہے (۳) اور سوم بیت سکنی ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ بنو ہاشم یعنی عبد المطلب کی اولاد آنحضرتؐ کے لئے اہل بیت نسب ہیں، جس کو گھرانہ اور خاندان کہا جاتا ہے، اس کے بعد آنحضرتؐ کی اولاد کو اہل بیت ولادت کہتے ہیں، جن میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سرفہرست ہیں، اگرچہ حضرت علیؓ اہل بیت نسب میں بھی آتے ہیں، لیکن علما نے ان کو بیتِ ولادت میں شمار کیا ہے، یہ سلسلہ ولادت ہے، یاد رہے کہ شہرت کی وجہ سے انھیں چار کا نام خصوصی طور پر سلسلۂ ولادت میں لیا جاتا ہے، ورنہ آنحضرتؐ کی دیگر تین بیٹیاں اہل بیتِ ولادت میں داخل ہیں، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور ان کی اولادیں وغیرہ ہیں، پھر اس کے بعد آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سکنی کہا جائے گا، جس کو اہل خانہ کہتے ہیں، تمام ازواج مطہرات اسی بیت سکنی میں داخل ہیں، اگرچہ اہل بیت کا پہلا مصداق ازواج مطہرات اور اہل خانہ ہی ہوتا ہے لیکن اس طرح تقسیم سے قرآن اور احادیث میں استعمال شدہ لفظ

اہل البیت کامفہوم آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ (خلاصہ از مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** فقل تعالوا ندع ابناء نا اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے، جس کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی امر کے حق و باطل ہونے میں فریقین میں نزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے، کیوں کہ لعنت کے معنی رحمت حق سے بعید ہو جانا ہے اور رحمت سے بعید ہونا قہر سے قریب ہونا ہے، پس حاصل معنی اس کے یہ ہوئے کہ جھوٹے پر قہر نازل ہو، سو جو شخص جھوٹا ہوگا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا، اس وقت پوری تعین صادق و کاذب کی منکرین کے نزدیک بھی واضح ہو جائے گی، اس طور پر دعا کرنے کو مباہلہ کہتے ہیں اور اس میں اصل خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر دعا کرنا ہے، اپنے اعزہ و اقارب کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر جمع کیا جائے تو اس سے اور اہتمام بڑھ جاتا ہے۔

**واقعہ مباہلہ اور رد روافض:** اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کی جانب ایک فرمان بھیجا جس میں تین چیزیں ترتیب وار ذکر کی گئی تھیں: (۱) اسلام قبول کرو (۲) یا جزیہ ادا کرو (۳) یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ نصاریٰ نے آپس میں مشورہ کر کے شرحبیل، عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن قیس کو حضور اکرمؐ کی خدمت میں بھیجا، ان لوگوں نے آکر مذہبی امور پر بات چیت شروع کی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت ثابت کرنے میں ان لوگوں نے انتہائی بحث و تکرار سے کام لیا، اتنے میں یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی، اس پر آپؐ نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی، اور خود بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے تیار ہو کر تشریف لائے، شرحبیل نے یہ دیکھ کر اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ اللہ کا نبی ہے، نبی سے مباہلہ کرنے میں ہماری ہلاکت اور بربادی یقینی ہے، اس لئے نجات کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو، ساتھیوں نے کہا کہ تمہارے نزدیک نجات کی کیا صورت ہے؟ اس نے کہا کہ میرے نزدیک بہتر صورت یہ ہے کہ نبی کی رائے کے موافق صلح کی جائے، اس پر سب کا اتفاق ہو گیا، چنانچہ نبی کریمؐ نے ان پر جزیہ مقرر کر کے صلح کر دی، جس کو انھوں نے بھی منظور کر لیا۔ (تفسیر ابن کثیر، ج۱) اس آیت میں اَبْنَآءَ نَا سے مراد صرف اولاد صلبی نہیں ہے، بلکہ عام مراد ہے، خواہ اولاد ہو یا اولاد کی اولاد ہو، کیوں کہ عرفاً ان سب پر اولاد کا اطلاق ہے، لہٰذا اَبْنَآءَ نا میں آپؐ کے نواسے حضرات حسنینؓ اور آپ کے داماد حضرت علیؓ داخل ہیں خصوصاً حضرت علیؓ کو ابناء نا میں داخل کرنا اس لئے بھی صحیح ہے کہ آپؓ نے تو پرورش بھی حضورؐ کی آغوش میں پائی تھی، آپؐ نے ان کو اپنے بچوں کی طرح پالا پوسا، اور آپ کی تربیت کا پورا پورا خیال رکھا ایسے بچے پر عرفاً بیٹے کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت علیؓ اولاد میں داخل ہیں، لہٰذا روافض کا آپ کو اَبْنَآءَ نَا سے خارج کر کے اور اَنْفُسَنَا میں داخل کر کے آپ کی خلافت بلافصل پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

**حدیث نمبر ۲۹۲۹ ﴿آل رسولؐ کا اهل بیت میں شامل هونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۶**

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَأَدْخَلَهُ ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَدَخَلَ مَعَهُ ثُمَّ جَاءَ تْ فَاطِمَةُ فَأَدْخَلَهَا ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ فَأَدْخَلَهُ ثُمَّ قَالَ (إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا)۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم ص ۲۸۳ ج ۲، باب من فضائل الحسن والحسین، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۴۲۴

**حل لغات:** غَدَاة صبح، طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان کا وقت (ج) غدوات۔ مِرْط اون یا ریشم کی چادر جو کرتے کی جگہ

اوڑھی جاتی ہے (ج) مُرُوْطٌ۔ مُرَحَّل، رَحَّلَ الثوبَ کجاووں جیسے نقش بنانا۔ مِرْطٌ مُرَحَّل کجاووں جیسے نقش والی چادر۔ شَعْرٌ بال (ج) اَشْعَارٌ و شُعُوْرٌ واحد شَعْرَۃٌ۔ یُذْهِبُ اَذْهَبَ اِذْهَابًا زائل کرنا (افعال)۔ الرِّجْسُ گندگی، نجاست؛ گندی اور ناپاک چیز؛ گندا فعل؛ گناہ؛ حرام؛ لعنت؛ کفر؛ عذاب (ج) اَرْجَاس۔ یُطَهِّرُ الشَّیْءَ بِالْمَاءِ وغیرہ، تَطْهِیْرًا (تفعیل) پانی وغیرہ سے دھوکر صاف کرنا یا پاک کرنا؛ عیوب ونقائص سے بری کرنا۔



**ترجمہ:** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صبح کے وقت باہر تشریف لے گئے، آپؐ کے اوپر سیاہ بالوں سے مخلوط چادر تھی، پس حسن بن علیؓ آئے تو انھیں اس میں داخل کرلیا، پھر حسینؓ آئے تو انہیں بھی ان کے ساتھ داخل کرلیا، پھر فاطمہؓ آئیں تو انھیں بھی داخل کرلیا، پھر علیؓ آئے تو انھیں بھی داخل کرلیا، پھر کہا بے شک اللہ یہ چاہتا ہے کہ اے گھر والو! تم سے گندگی کو دور کردے اور تمہیں خوب پاک صاف کردے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** چہار تن یعنی حضرات فاطمہ، حسن، حسین اور علی رضی اللہ عنہم کی اہل البیت میں شمولیت دعائے نبوی کی برکت سے ہوئی ہے، اہل البیت کا اصل مصداق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں؛ کیوں کہ سورۃ الاحزاب میں آیت تخییر کے بعد پانچ آیتوں میں ازواج ہی کے لئے مختلف ہدایات نصائح اور فضائل بیان ہوئے ہیں اور ان کے درمیان میں یہ آیت آئی ہے (انما یرید اللّٰه لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهر کم تطهیرا) اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو ہر طرح سے پاک کرے، اہل البیت میں الف لام عہدی ہے اور مراد نبی کا گھر ہے اور آپ کے گھر والوں سے مراد آپ کی ازواج ہیں، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ پورے رکوع میں خطاب ازواج ہی سے ہے اور سورۃ ہود رکوع ۷ میں بھی اہل البیت سے حضرت سارہؓ مراد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ تھیں، مگر آیت عام ہے، کیونکہ عنکم اور یطهر کم میں مذکر ضمیریں استعمال ہوئی ہیں، اس لئے نزول آیت کے ساتھ ہی نبیؐ نے چارتن کو ایک کمبل میں لے کر دعا کی، ''الٰہی یہ بھی میرے گھر والے ہیں'' یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی جیسا کہ دوسری حدیث میں آپ کا چارتن کو اہل البیت سے خطاب فرمانا مروی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** فادخله آپؐ نے مذکورہ چاروں افراد کو چادر میں داخل کیا، بعض روایات میں آتا ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے دعا کی اللهم هولاء اهل بیتی (ترمذی) اے اللہ ان چاروں لوگوں کو میرے اہل بیت میں داخل کردیجئے۔ دعا کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہ حضرات مذکورہ آیت کا مصداق اولین نہیں تھے، آیت ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی، مگر چوں کہ آیت کا اسلوب عام تھا، چنانچہ آپؐ نے دعا فرمائی اور آپ کی دعا کی برکت سے چارتن بھی آیت میں شامل کرلئے گئے۔ ویطهر کم تطهیرا کا مقصد یہ ہے کہ اغواءِ شیطانی اور معاصی وقبائح سے اللہ تعالیٰ اہل بیت کو محفوظ رکھے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر تشریعی مراد ہے تکوینی تطہیر جو خاصۂ انبیاء ہے، وہ مراد نہیں، اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب معصوم ہوں اور ان سے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی گناہ سرزد ہونا ممکن نہ ہو، جو تکوینی تطہیر کا خاصہ ہے۔ اہل تشیع نے اس آیت میں جمہور امت سے اختلاف کر کے اول تو لفظ اہل بیت کا صرف اولاد وعصبات رسول کے ساتھ مخصوص ہونے اور ازواج مطہرات کے ان سے خارج ہونے کا دعویٰ کیا، دوسرے آیت مذکورہ میں تطہیر سے مراد ان کی عصمت قرار دے کر اہل بیت کو انبیا کی طرح معصوم مانا۔ (معارف القرآن)

### حدیث نمبر ۲۹۳۰ ﴿آپ کے بیٹے ابراهیم کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۷

وَعَنِ الْبَرَاءِؓ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ إِبْرَاهِيمُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۸۴ ج ۱، باب ما قیل لاولاد المسلمین، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۸۲

**حل لغات:** مُرْضِعًا (ج) مَرَاضِعُ دودھ پلانے والی (اس میں تاء تانیث کی اس لئے ضرورت نہیں کہ دودھ پلانے کی صفت عورت کے ساتھ خاص ہے) (افعال)۔

**ترجمہ:** حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے) ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپؐ نے فرمایا جنت میں اس کے لئے دودھ پلانے والی ہے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، آنحضرتؐ کو مصر کے بادشاہ مقوقس نے بطور عطیہ ایک لونڈی دی تھی ان کا نام ماریہ قبطیہ تھا انہیں کے بطن سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے، سولہ سترہ ماہ کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا تھا، ان ہی کے متعلق آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ چوں کہ ان کے دودھ پینے کا زمانہ تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک دودھ پلانے والی کو مقرر فرمایا جو ابراہیم کو جنت میں دودھ پلا رہی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت موجود ہے اور پاکیزہ لوگ اب بھی جنت میں داخل کئے جاتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان له مرضعا فی الجنة آپؐ نے فرزند ابراہیم سے متعلق یہ خبر بھی دی ہے کہ اللہ نے جنت میں ان کیلئے ایک دودھ پلانیوالی متعین کی ہے جو انکی مدت رضاعت کی تکمیل کریگی، ادھر اسمیں اختلاف ہے کہ وفات کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر کتنی تھی روایات میں ۱۶، ۱۷، ۱۸ ماہ کی عمر کا ذکر آتا ہے، اکثر روایتوں میں ۱۸ کا ذکر ہے، ہاں بعض روایتوں میں دو سال کی مدت بھی ملتی ہے، اسپر حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر دو سال والی روایت ثابت ہو تو تکمیل رضاعت والی اس روایت سے رضاعت کی اکثر مدت کے مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید ہوگی کہ امام صاحب رضاعت کی اکثر مدت ڈھائی سال فرماتے ہیں، تو دو سال کے بعد تکمیل کا مطلب یہی ہوا کہ ڈھائی سال اکثر مدت ہے۔ (ایضاح البخاری)

**حدیث نمبر ۲۹۳۱ ﴿حضرت فاطمہؓ کی فضیلت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۸**

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كُنَّا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهُ فَأَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ مَا تَخْفٰى مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَآهَا قَالَ مَرْحَبًا بِابْنَتِيْ ثُمَّ أَجْلَسَهَا ثُمَّ سَارَّهَا فَبَكَتْ بُكَاءً شَدِيْدًا فَلَمَّا رَأٰى حُزْنَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ فَإِذَا هِيَ تَضْحَكُ فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُهَا عَمَّا سَارَّكِ قَالَتْ مَا كُنْتُ لِأُفْشِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِرَّهُ فَلَمَّا تُوُفِّيَ قُلْتُ عَزَمْتُ عَلَيْكِ بِمَا لِيْ عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ لَمَّا أَخْبَرْتِنِيْ قَالَتْ أَمَّا الْآنَ فَنَعَمْ أَمَّا حِيْنَ سَارَّنِيْ فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ فَإِنَّهُ أَخْبَرَنِيْ أَنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْآنَ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً وَإِنَّهُ عَارَضَنِيْ بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أُرَى الْأَجَلَ إِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ فَاتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِيْ فَإِنِّيْ نِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ فَبَكَيْتُ فَلَمَّا رَأٰى جَزَعِيْ سَارَّنِي الثَّانِيَةَ قَالَ يَا فَاطِمَةُ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَوْ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَسَارَّنِيْ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ يُقْبَضُ فِيْ وَجَعِهِ فَبَكَيْتُ ثُمَّ سَارَّنِيْ فَأَخْبَرَنِيْ أَنِّيْ أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِهِ أَتْبَعُهُ فَضَحِكْتُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۳۳ ج ۲، باب من ناجی الخ، کتاب الاستیذان، حدیث ۶۲۵۵؛ مسلم، ص ۲۹۰ ج ۲، باب فضائل فاطمة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۵۰

**حل لغات:** أَزْوَاج (و) زَوْجٌ بیوی۔ أَقْبَلَتْ أَقْبَلَ إِقْبَالًا آنا۔ مِشْيَة چلنے کا انداز، چلنے کا طریقہ، مَشٰى (ض) مَشْيًا چلنا۔ مَرْحَبًا خوش آمدید۔ سَارَّ سَارَّهُ مُسَارًّا و سِرَارًا سرگوشی کرنا، کسی کو راز بتانا۔ بَكَتْ بَكٰى (ض) بُكًى وبُكَاءً رونا۔ تَضْحَكُ

ضَحِكَ (س) ضِحْكاً وضَحِكاً ہنسا۔ أُفْشِي أَفْشَى السِّرَّ إِفْشَاءً راز کھولنا۔ عَزَمْتُ عَزَمَ (ض) عَزْمًا وعَزِيْمَةً وعَزِيْمًا وعَزْمَةً ومَعْزِمًا على فُلانٍ کسی کو قسم دینا؛ سختی سے حکم دینا؛ تاکید کرنا۔ يُعَارِضُ عَارَضَ الْكِتَابَ بِالْكِتَابِ مُعَارَضَةً ایک کی عبارت دوسرے سے ملانا (مفاعلة)۔ سَنَةٌ سال (ج) سَنَوَاتٌ وسِنُوْن۔ عَامٌ سال (ج) أَعْوَامٌ۔ مَرَّةٌ ایک دفعہ (ج) مِرَار۔ اَلْاَجَلُ وقت مقرر؛ موت؛ (ج) آجال۔ جَزَعٌ گھبراہٹ، پریشانی، بےچینی، جَزِعَ (س) جَزَعًا وجُزُوْعًا گھبراجانا۔ سَيِّدَةٌ سید کا مونث، مالک، بادشاہ، بڑی جماعت کا متولی، ہرواجب الاطاعت شخص۔ وَجْعٌ تکلیف، دکھ، درد (ج) أَوْجَاعٌ۔ أَتْبَعُهُ تَبِعَ الشَّيْءَ (س) تَبَعًا وتُبُوْعًا وتَبَاعًا پیچھے چلنا؛ کسی کے بعد آنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپؐ کے پاس تھیں کہ فاطمہ آگئیں، ان کا چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے سے مختلف نہیں تھا، جب آپؐ نے انہیں دیکھا تو فرمایا میری بیٹی خوش آمدید، پھر انہیں بٹھایا اور ان کے ساتھ سرگوشی فرمائی تو وہ بہت زیادہ روئیں، جب آپؐ نے ان کا غم ملاحظہ فرمایا تو دوبارہ سرگوشی فرمائی وہ ہنسنے لگیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو میں نے پوچھا کہ تم سے کیا سرگوشی فرمائی تھی؟ کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو فاش نہیں کرسکتی، جب حضورؐ نے وفات پائی تو میں نے کہا میں تمہیں اس حق کا واسطہ دیتی ہوں جو میرا تم پر ہے کہ مجھے وہ بات بتادو، کہا ہاں اب بتادیتی ہوں، پہلی دفعہ جب آپؐ نے مجھ سے سرگوشی فرمائی تو بتایا کہ جبرئیلؑ میرے ساتھ ہر سال ایک دفعہ قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور اس سال دو دفعہ کیا ہے، میرے خیال میں میرا آخری وقت آگیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور صبر کرنا؛ کیوں کہ میں تمہارے لئے اچھا پیش رو ہوں، پس میں روئی جب آپؐ نے میری پریشانی ملاحظہ فرمائی تو دوبارہ سرگوشی کی اور فرمایا اے فاطمہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ جنتی عورتوں کی سردار ہو یا ایمان والی عورتوں کی، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے مجھ سے سرگوشی فرمائی کہ میں اس تکلیف میں وفات پاجاؤں گا تو میں رونے لگی، پھر سرگوشی فرماتے ہوئے مجھے بتایا کہ آپؐ کے اہل بیت میں سب سے پہلے میں آپؐ سے جاملوں گی تو میں ہنس پڑی۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** دونوں باتیں اس طرح واقع ہوئیں جس طرح آپؐ نے بتائی تھیں۔ (۱) اسی بیماری میں آپؐ کی وفات ہوئی۔ (۲) اور آپؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور آپؐ نے اس موقعہ پر دو باتیں فرمائی تھیں جو حدیثوں میں الگ الگ ہوگئی ہیں، اول فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی، دوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خاندان میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوگا، ان دونوں باتوں پر وہ خوش ہوئیں اور ہنسیں۔ (تحفۃ القاری) اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بہت سارے لوگوں کی موجودگی میں کسی ایک شخص کے ساتھ اگر سرگوشی کی جائے تو یہ جائز ہے اور یہ اہل مجلس کے آداب و اکرام کے خلاف نہیں ہے۔ احادیث میں جو سرگوشی کی ممانعت آئی ہے وہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب صرف تین آدمی ہوں؛ کیوں کہ اگر ایسی صورت میں دو لوگ آپس میں سرگوشی کریں گے تو تیسرے کو شک ہوگا، لیکن آدمیوں کی کثرت کی صورت میں دو کی سرگوشی عموماً باعث شک نہیں ہوتی۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** سارها یعنی چپکے سے کان میں کوئی بات فرمادی۔ سره یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کان میں آہستہ سے بات فرمادی تو یہ راز کی بات بن گئی اور راز کو فاش کرنا جائز نہیں ہے۔ عزمت عليك یعنی میں تجھے خدا کی قسم کھلاتی ہوں اور ماں ہونے کے ناطے کا واسطہ بھی دیتی ہوں کہ مجھے بتادو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا اب تو حضرت کی وفات کے بعد راز بھی راز نہیں رہا۔ سيدة نساء اهل الجنة حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ اور پھر حضرت

خدیجۃ الکبریٰؓ کے آپس کی فضیلت میں علما کے مختلف اقوال ہیں کہ ان میں علی الاطلاق کون افضل ہیں؟ علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کی افضلیت میں علما کے تین مسلک ہیں، سب سے راجح مسلک یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ، حضرت عائشہؓ سے افضل ہیں، بعض علما نے دونوں کا رتبہ یکساں قرار دیا ہے اور بعض علما نے اس بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، امام مالکؒ سے جب اس فضیلت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہ پیغمبرؐ کے گوشت کا ٹکڑا ہے اور میں پیغمبرؐ کے گوشت کے ٹکڑے پر کسی کو فضیلت نہیں دے سکتا۔ علامہ سبکیؒ اور دیگر علما نے ان خواتین کے بارے میں لکھا ہے کہ معتبر مسلک یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ سب سے افضل ہیں، پھر حضرت خدیجہؓ اور پھر حضرت عائشہؓ ہیں۔ بعض دوسرے علما نے ایک اچھی بات لکھی کہ دراصل حیثیات اور اعتبارات مختلف ہیں انھیں حیثیات اور اعتبارات کی بنیاد پر فضیلت دینے میں تعبیرات مختلف آگئیں ہیں، حضرت خدیجہؓ اقدم ایمانًا ہیں، حضرت عائشہؓ اشدها حبًا اور حضرت فاطمہؓ بضعة جسدًا ہیں۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۹۳۲ ﴿حضرت فاطمہؓ سے آپؐ کی محبت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳۹**

وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّيْ فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُرِيْبُنِيْ مَا أَرَابَهَا وَيُؤْذِيْنِيْ مَا آذَاهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۳۲ ج۱، باب مناقب فاطمة، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۶۷، مسلم، ص۲۹۰ ج۱، باب ذب الرجل عن ابنته الخ، کتاب النکاح.

**حل لغات:** بِضْعَةٌ گوشت وغیرہ کا ٹکڑا، جز، کچھ حصہ۔ أَغْضَبَ أَغْضَبَهُ إِغْضَابًا ناراض کرنا، غصہ دلانا (افعال)۔ أَرَابَ فُلَانًا إِرَابَةً پریشان کرنا، بے چین بنانا، تشویش میں ڈالنا (افعال)۔ اٰذَى آذَاهُ إِيْذَاءً تکلیف دینا، زحمت دینا۔

**ترجمہ:** حضرت مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا، دوسری روایت میں ہے کہ وہ چیز مجھے پریشان کرتی ہے جو اسے پریشان کرے اور مجھے تکلیف دیتی ہے جو اسے تکلیف دے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضرت فاطمہ زہراؓ رسول اللہؐ کی بہت ہی محبوب اور چہیتی بیٹی تھیں، ان سے رسول اللہؐ کو غیر معمولی محبت تھی، ایک بار آپؐ نے فرمایا احب اهلي الي فاطمة مجھے اپنے گھر والوں میں فاطمہ سب سے زیادہ محبوب ہیں، ان کی تکلیف آپؐ کے لئے ناقابل برداشت ہوتی تھی، حضرت علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنا چاہی، حضرت فاطمہؓ نے آپؐ سے اس کی شکایت کردی، آپؐ کو حضرت علیؓ کے اس ارادے سے سخت تکلیف پہنچی اور آپؐ نے مسجد میں خطبہ میں اپنی اس تکلیف اور ناگواری کا اظہار فرمایا اور اسی خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا فاطمة بضعة مني فمن اغضبها اغضبني فاطمہؓ میرا جزو بدن ہیں جس نے ان کو غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** فاطمة بضعة مني فاطمہ میرا ٹکڑا ہے آپؐ افضل کائنات ہیں۔ لہٰذا آپؐ کے جسم کا ٹکڑا بھی یقینًا افضل ہوگا، لہٰذا حضرت فاطمہؓ تمام خواتین سے افضل ہوئیں، بعض دوسری روایات سے دیگر عورتوں کی بھی افضلیت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا قطعی فیصلہ کے بجائے توقف بہتر ہے۔ فمن اغضبها جس نے حضرت فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا، اس سے حضرت فاطمہؓ کی محبوبیت سمجھ میں آتی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی موجودگی میں دوسرے نکاح کا ارادہ کیا تو آپؐ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی والوں نے پیغام دیا تو آپؐ نے

ناگواری کا اظہار کیا۔ بخاری کی روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ بنو ہاشم بن مغیرہ (جو ابو جہل کے خاندان کے لوگ تھے) نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی (عکرمہ کی بہن) کا نکاح علی بن ابی طالب کے ساتھ کردیں، لیکن میں انہیں کبھی بھی اجازت نہیں دوں گا، ہاں اگر علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے کر اس سے نکاح کرنا چاہیں تو کرلیں، حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس کو حضورؐ کے خصائص میں شمار کر سکتے ہیں کہ آپ کی صاحبزادی کے ساتھ کسی عورت کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو آپؐ کے خصائص میں شمار نہ کیا جائے بلکہ کہا جائے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کی رعایت اور دلجوئی کی خاطر اجازت نہیں دی اور اس کو حضرت فاطمہؓ کی خصوصیت پر بھی محمول کرسکتے ہیں کہ آپ کے ساتھ کسی عورت کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔ **یریبنی ما اَرابھا** یہ باب افعال سے ہے ارابنی اس وقت کہتے ہیں جب کسی آدمی سے آپ برائی اور تکلیف محسوس کریں۔

**حدیث نمبر ۲۹۳۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۴۰**

## ﴿کتاب اللہ اور اهل بیت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم﴾

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فِيْنَا خَطِيْبًا بِمَاءٍ يُدْعٰى خُمًّا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ وَذَكَّرَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ أَنْ يَّأْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَأُجِيْبَ وَأَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ وَأَهْلُ بَيْتِيْ أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ مَنِ اتَّبَعَهٗ كَانَ عَلَى الْهُدٰى وَمَنْ تَرَكَهٗ كَانَ عَلَى الضَّلَالَةِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حواله:** مسلم ص ۲۷۹ ج ۲، باب من فضائل علی، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۰۸

**حل لغات:** خَطِيْبٌ خَطَبَ (نصر) خَطَابَةً و خُطْبَةً تقریر کرنا۔ خَطِيْب مقرر (ج) خُطَبَاء۔ وَعَظَ وَعَظَهٗ (ضرب) **يَعِظُهٗ** وَعْظًا وعِظَةً نصیحت کرنا۔ أَثْنٰى عَلَيْهِ، إِثْنَاءً سراہنا، تعریف کرنا (افعال)۔ يُوْشِكُ فعل مقارب، کسی فعل پر داخل ہو کر اس **کے وقوع** کے قریب ہونے کا بتلاتا ہے۔ الثَّقَلَيْنِ ثقلٌ کا تثنیہ، بیش قیمت نفیس چیز (ج) أَثْقَالٌ۔ اِسْتَمْسِكُوْا اسْتَمْسَكَ بِالشَّيْءِ **مضبوطی** سے تھامنا، مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ حَثَّ حَثَّهٗ (نصر) حَثًّا علىٰ آمادہ کرنا، ابھارنا۔ أُذَكِّرُ ذَكَّرَ النَّاسَ تَذْكِيْرًا **وعظ و نصیحت** کرنا۔ حَبْلٌ رسی؛ ذمہ، عہد و پیمان؛ امان۔

**ترجمه:** حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مکہ و مدینہ کے درمیان پانی والے ایک مقام پر کہ **جس کو** خم کہا جاتا تھا خطاب عام کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے، آپؐ نے پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر لوگوں کو نصیحت فرمائی **ان کو اللہ کا** ثواب وعذاب یاد دلایا اور پھر فرمایا بعد ازاں اے لوگو آگاہ ہو! میں ایک انسان ہوں وہ وقت قریب ہے جب میرے پروردگار **کا فرستادہ** آئے اور میں اپنے پروردگار کا حکم قبول کروں، میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑ جاؤں گا، جن میں سے ایک کتاب اللہ **ہے جس** میں ہدایت اور نور ہے، پس تم کتاب اللہ کو لو اور اس کو مضبوط پکڑ لو۔ غرض کہ آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ کے تئیں **خوب جوش دلایا اور اس** کی طرف راغب کیا پھر فرمایا اور (ان دو عظیم چیزوں میں سے دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں، میں تمہیں وہ عذاب یاد دلاتا **ہوں جو** میرے اہل بیت کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کے سبب ہوگا میں دوبارہ تمہیں وہ عذاب یاد دلاتا ہوں جو میرے اہل بیت **کے حقوق کی** ادائیگی میں کوتاہی کے سبب ہوگا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اللہ کی کتاب اللہ کی رسی ہے **جو شخص کتاب اللہ کی اطاعت کرے گا تو وہ**

راہ راست پر رہے گا اور جو شخص اس کو چھوڑ دے گا تو وہ گمراہ رہے گا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر حیات میں مختلف مواقع پر مختلف چیزوں کے بارے میں وصیت (تاکید) فرمائی ہے، جیسے نماز کی تاکید فرمائی، غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی، قرآن کریم (دین) کو مضبوط پکڑنے کا حکم دیا، اسی طرح اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تاکید فرمائی۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** بماء یدعی خما غدیر خم کا ذکر فضائل سیدنا علی بن ابی طالبؓ میں گزر چکا ہے، غدیر کا معنی ہے تالاب اور خم ایک مقام کا نام ہے جس کے قریب یہ تالاب تھا یہ مقام مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے مشہور بستی الجحفہ سے تین چار میل کے فاصلے پر واقع ہے، آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع سے واپس ہوتے ہوئے اپنے رفقاء سفر کے پورے قافلے کو ۱۸ ذی الحجہ کو اس مقام میں پہنچ کر جمع کیا اور ان کو خطبہ دیا جس میں آپؐ نے بہت سی اہم باتیں ارشاد فرمائیں۔ انما انا بشر یوشك یعنی میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں موت و حیات اور زندگی۔ کے دیگر عوارضات میرے ساتھ بھی ہیں مگر فرق یہ ہے کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ رسول ربی عنقریب میرے پاس خدا کے قاصد آجائیں گے، مراد حضرت جبرئیل اور حضرت عزرائیل ہیں یا صرف موت کے فرشتے حضرت عزرائیل مراد ہیں، مقصد یہ تھا کہ میرے انتقال کا وقت قریب ہے؛ کیوں کہ یہ واقعہ ذی الحجہ کا ہے اور آنحضرتؐ کی رحلت ربیع الاول میں ہوئی۔ و انا تارك فیکم الثقلین، ثقلین تثنیہ ہے ثقل کا (ث) کے فتحہ کے ساتھ، ثقل اس بوجھ اور سامان کو کہا جاتا ہے جو جانور نے لادا ہوا ہو، جن اور انسان کو بھی ثقلین اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ زمین کے بوجھ ہیں اور گویا زمین نے ان کو لادا ہوا ہے، اس حدیث میں ثقلین سے مراد قرآن پاک اور اہل بیت ہیں، ان دونوں کو ثقلین کہنے کی مختلف وجوہ ذکر کی گئی ہیں مثلاً: (۱) کتاب اللہ اور اہل بیت کو ثقلین اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کے پیروں کاروں کے لئے ان پر عمل کرنا ثقیل اور دشوار ہے۔ (۲) انسان اور جنات کو ثقلین کہا گیا ہے اور دنیا کی آبادی اور شادابی انہی دونوں کی وجہ سے ہے اور دین کی آبادی اور شادابی قرآن اور اہل بیت کی وجہ سے ہے، تو ان کو انسان و جنات کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے ثقلین کہہ دیا گیا۔ (۳) قرآن اور اہل بیت کی عظمت اور علو مرتبہ کی وجہ سے ان کو ثقلین کہا گیا ہے۔ کتاب اللہ فیه الهدی و النور نور سے مراد یا تو نور قلب ہے کہ جس کی وجہ سے دین پر استقامت و مداومت نصیب ہوتی ہے، یا مراد نور سے ظاہری نور ہے، جو قیامت کے دن مومنوں کے ساتھ ہوگا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے، نورهم یسعیٰ بین ایدیهم و بایمانهم نیز قرآن پاک کا ایک نام بھی نور ہے۔ فخذوا بکتاب اللہ اللہ کی کتاب کو پکڑلو، پکڑنا استنباط مسائل کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، اور اس کو زبانی یاد کرنے کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔ و استمسکوا به اس کو مضبوطی سے تھام لو قرآن پاک کو مضبوطی سے تھامنا اعتقاد کے ساتھ بھی ہو اور عمل کے ساتھ بھی، نیز کتاب اللہ کو تھامنے میں سنت رسول پر عمل کرنا بھی داخل ہے، اس لئے کہ قرآن پاک ہی میں مختلف مقامات پر مختلف عنوانات سے اس کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ پاک ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں، وما اتاکم الرسول فخذوهُ وما نهاکم عنه فانتهوا، اسی طرح دوسری جگہ حکم الٰہی ہے، ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ، ایک جگہ ارشاد ربانی ہے، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعوانی یحببکم اللہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں فتمسکوا بکتاب اللہ و خذوہ. فحث علی کتاب اللہ. یعنی حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو کتاب اللہ کی محافظت الفاظ و معانی کی رعایت اور اس پر عمل کرنے پر ابھارا۔ وَرَغَّبَ یعنی رغبت دلانے والی چیزوں کا ذکر فرمایا، تاکہ حصول درجات کی کوشش کریں، ممکن ہے کہ حضورؐ نے قرآن کی اتباع اور پیروی ترک کرنے پر عذاب سے بھی ڈرایا ہو، اس وقت یہ باب الاکتفا کے قبیل سے ہوگا، یعنی کسی چیز کے دو پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو ذکر کردینا اور دوسرے کو پہلے پر اکتفا کرتے ہوئے چھوڑ دینا اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضورؐ نے ذکر بشارت پر اکتفا کیا

ہو، اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ اللہ پاک کی رحمت تمام جہانوں کے لئے ہے اور آپ کی امت امت مرحومہ ہے۔ اذکر کم اللّٰه فی اهل بیتی کا جملہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا یا تو مبالغہ مقصود ہے یا پہلے جملے سے آپ کی آل مراد ہے اور دوسرے جملے سے ازواج مراد جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اہل بیت کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے جب کہ ایک روایت میں یہ جملے تین بار مذکور ہیں۔ کتاب اللّٰه هو حبل اللّٰه حبل کے معنی رسی ہوتا ہے، لیکن یہاں مراد حبل سے وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعے انسان کو حق تعالیٰ شانہ کے بارگاہ میں قرب حاصل ہوتا ہے، اللہ پاک سے وصل نصیب ہوتا ہے، اور انسان ترقی کرتے ہوئے مدارج قدسیہ تک پہنچ جاتا ہے مراد کتاب اللہ ہے۔ من اتبعه کان علی الهدی جو کوئی قرآن کی اتباع اور پیروی کرے اس پر ایمان لانے کے اعتبار سے، اس کو یاد کرنے کے اعتبار سے، اس کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے اعتبار سے تو وہ کامل ہدایت پر ہوگا، اور جس نے قرآن کی اتباع نہیں کی خواہ کسی بھی اعتبار سے ہو وہ گمراہ ہے، گویا قرآن پاک دو رخ والی رسی ہے جو ترقی کا زینہ بھی ہے اور تنزلی کی ڈھلوان بھی ہے۔ قرآن کے انھیں دونوں رخوں کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا دوسری جگہ ارشاد ہے وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنین ولا یزید الظلمین الا خسارا اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفا و رحمت ہے اور نا انصافوں کو اس سے اور الٹا نقصان بڑھتا ہے۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۹۳۴ ﴿حضرت جعفرؓ کے لقب کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٤١**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَلَّمَ عَلَى ابْنِ جَعْفَرٍ قَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۲٦ ج ۱، باب مناقب جعفر، کتاب فضائل الصحابه، حدیث ۳۷۰۹

**حل لغات:** جَنَاحَيْن جَنَاحٌ کا تثنیہ، بازو، پہلو (ج) أَجْنِحَةٌ و أَجْنُحٌ۔

**ترجمه:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے آپؓ ابن جعفر کو جب سلام کرتے تو فرماتے اے دو پروں والے کے بیٹے تم پر سلام ہو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرت جعفرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن العم اور سابقین اولین میں سے ہیں، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان سے پہلے صرف اکتیس شخص ہی مسلمان ہوئے تھے، انھوں نے ۵ نبوی میں مع اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کے ہجرت کی اور تقریباً چودہ سال دین کی خاطر اپنے وطن اور اپنے متعلقین سے دور دیارِ غیر میں گذارے، پھر وہاں سے مدینہ طیبہ پہنچے اور چند ماہ کے بعد ہی غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے، ان کی شہادت سے پہلے جنگ میں ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جعفر کے دونوں ہاتھوں کے بدلے ان کو دو بازو عنایت فرمائے ہیں، جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھرتے ہیں، آپ کا یہ ارشاد حدیث وسیرت کی کتابوں میں الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اسی لئے ان کو جعفر طیار اور جعفر ذوالجناحین کہا جاتا ہے، عبداللہ بن عمرؓ جب جعفر کے بیٹے عبداللہ سے ملتے تو اس طرح سلام کرتے، السلام علیك یا ابن ذی الجناحین"۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** یا ابن ذی الجناحین حضرت جعفرؓ کے بیٹے عبداللہؓ کو حضرت ابن عمر جب سلام کرتے تو ان کے والد کے لقب کا ذکر کرتے؛ کیوں کہ یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کہ ان کے والد کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے بازو کٹ جانے کی وجہ سے دو پر عطا فرمائے، جن کے ذریعہ وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۳۵ ﴿حضرت حسنؓ کی محبوبیت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٤٢**

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَسَنُ ابْنُ عَلِيٍّ عَلَى عَاتِقِهِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ

فَأَحِبَّهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۰ ج ۱، باب مناقب الحسن، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۳۷۴۹، مسلم، ص ۲۸۲ ج ۲، باب فضائل الحسن، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۴۲۲

**حل لغات:** عَاتِق مونڈھے اور گردن کے درمیان کا حصہ، کندھا (ج) عَوَاتِق۔

**ترجمہ:** حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ حسن ابن علیؓ آپ کے کاندھے پر سوار تھے اور آپ فرمارہے تھے اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصہ حدیث** آپ کو حضرت حسنؓ وحسینؓ سے بڑی محبت تھی اور آپ کی دعائیں ہیں اس کے لئے جوان سے محبت کرتا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت اسامہ بن زید کی حدیث ذکر کی ہے کہ میں کسی ضرورت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ گھر کے باہر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ دونوں کوکھوں پر (گود میں) کچھ رکھے ہوئے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے، میں جب اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو عرض کیا یہ کیا ہے آپ نے چادر ہٹادی میں نے دیکھا کہ ایک جانب حسن اور دوسری جانب حسین ہیں اور فرمایا "ھذان ابنای و ابنا ابنتی اللھم انی احبھما فاحبھما و احب من یحبھما" اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں آپ بھی ان سے محبت فرمایئے اور جوان سے محبت کرے اس کو بھی اپنا محبوب بنالیجئے۔ اللھم انی احبھما فاحبھما اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں آپ بھی ان کو اپنا محبوب بنالیجئے کہ دعائیہ کلمات صحیح سندوں سے حدیث کی متعدد کتابوں میں مروی ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ آپؐ کے یہ دونوں نواسے اللہ کے بھی محبوب اور اللہ کے رسول کے بھی محبوب اور ان دونوں سے محبت رکھنے والے بھی اللہ اور اس کے رسول کے محبوب ہیں۔ ایک بار ایسا ہوا کہ آپ خطبہ دے رہے تھے دونوں نواسے آگئے آپؐ نے خطبہ روک کر ان دونوں کو اٹھالیا اور اپنے پاس بٹھایا پھر باقی خطبہ پورا کیا۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** الحسن بن عليّ على عاتقه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت وشفقت کی وجہ سے اپنے نواسے حضرت حسنؓ کو اپنے کاندھے پر بٹھاتے تھے، یہ ان کی محبوبیت کی دلیل ہے، رمضان ۳ھ میں آپؓ پیدا ہوئے، رسول اللہ ولادت کی خبر پاکر حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے پیارے نواسے کو گود میں لیا، خود ان کے کان میں اذان دی اور عقیقہ کرایا اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا اور اس طرح براہ راست ان کے کان میں پہلی آواز رسول اللہ کی پہنچی اور جو بات پہلی بار کان میں پہنچی وہ بھی اذان تھی، جو دین کی بھرپور دعوت ہے، بچپن کا بڑا حصہ رسول اللہؐ ہی کے سایہ عاطفت میں گذرا ہے، آپؐ کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر ۸ سال کی تھی۔ (حوالہ بالا)



**حدیث نمبر ۲۴۳۶ ﴿حضرت حسنؓ کا آپ سے لپٹنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۴۳**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَائِفَةٍ مِنَ النَّهَارِ حَتّٰى أَتٰى خِبَاءَ فَاطِمَةَ فَقَالَ أَثَمَّ لُكَعُ أَثَمَّ لُكَعُ يَعْنِي حَسَنًا فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ يَسْعٰى حَتّٰى اعْتَنَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۲۸۵ ج ۱، باب ما ذکر فی الاسواق، کتاب البیوع، حدیث ۲۱۲۲، مسلم، ص ۲۸۲ ج ۲، باب فضائل الحسن، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۴۲۱

**حل لغات:** طَائِفَة جز، ٹکڑا من النهار دن کا ایک حصہ۔ خِبَاء گھر (ج) أَخْبِيَة (أخبية کی اصل أخبئة ہے تخفیف کے لئے ہمزہ

کی تسہیل کردی گئی)۔ثَمَّ وہاں۔لُكَعُ چھوٹا بچہ۔لَمْ يَلْبَثْ لَبِثَ (س) لَبْثًا ٹھہرنا،مَا لَبِثَ أَنْ فَعَلَ كَذَا اس نے بلاتوقف ایسا کیا، اس نے فوراً ایسا کیا۔يَسْعَى سَعَىٰ فُلَانٌ (سمع) سَعْيًا دوڑنا۔اعتنق الرَّجُلَان ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں دن کے ایک حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا، آپ حضرت **فاطمہ کی** رہائش گاہ پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کیا منا یہاں ہے؟ یعنی حسن، تھوڑی ہی دیر میں وہ دوڑتے ہوئے آگئے، یہاں تک کہ **دونوں ایک** دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے، رسول اللہؐ نے کہا اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی اس سے محبت رکھ اور اس سے **بھی جو اس** سے محبت رکھے۔(بخاری ومسلم)

**خلاصہ حدیث** اس میں بھی حضرت حسنؓ سے آپ کی بے پایاں محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لکع کے دو معنی ہوتے ہیں: (۱) بہت چھوٹا یا بہت چھوٹی چیز کو لکع کہتے ہیں۔(۲) اور ایک **لکع کے معنی** لئیم کے بھی ہوتے ہیں، جس کو ہم اردو میں کمینہ کہتے ہیں، زیادہ تر حضرات نے کہا ہے یہاں **لکع** کے معنی چھوٹے کے ہیں اور ثم کے معنی یہاں یا وہاں یعنی ارے بھائی وہ منا ہے؟ مراد حضرت حسنؓ ہیں اور اگر دوسرے معنی لئے **جائیں تو** جیسے پیار میں اپنی اولاد کو بعض اوقات ایسے لفظ سے تعبیر کردیتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ کیا کہ ارے بھائی وہ **پاجی ہے؟** (فیض الباری، ص۲۱۹ ج ۴) اردو میں شریر اور شرارتی قسم کے لوگوں کے لئے پاجی بول دیتے ہیں۔زیادہ تر لوگوں نے یہاں پر **پہلا معنی** مراد لیا ہے، یہ تفصیل اس لئے بتائی کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ کسی وقت لکع بن لکع یعنی لئیم بن لئیم امیر بن **جائیں گے تو** وہاں دوسرا معنی مراد ہے، لیکن یہاں مراد منا ہے(انعام الباری)حتی اعتنق کل واحد جب حضرت حسنؓ آئے تو وہ **حضورؐ سے اور** حضورؐ ان سے چمٹ گئے۔ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معانقہ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ **اس حدیث** سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا ان کو محبت سے گلے لگانا اور از راہِ شفقت ومحبت ان سے پیار کرنا **اور بچوں کے** ساتھ تواضع برتنا مستحب ہے۔حدیث کے آخر میں ہے کہ آپؐ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں آپ **بھی اس** سے محبت کیجئے اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی آپ محبت کیجئے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس عظیم ہستی سے محبت کرنے **والا بنائے اور ان** سے بغض رکھنے سے محفوظ فرمائے آمین۔(جدید مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۹۳۷ ﴿حضرت حسنؓ کے ذریعہ صلح کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۴۴

وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَعَلَيْهِ أُخْرَى وَيَقُوْلُ إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص۳۷۳ ج۱، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی، کتاب الصلح، حدیث ۲۷۰۴

**حل لغات:** جَنْبٌ پہلو (ج) جُنُوب و أَجْنَاب۔فِئَتَيْنِ فِئَةٌ کا تثنیہ، گروہ، جماعت (ج) فِئَاتٌ و فِئُوْنٌ۔يُقْبِلُ أَقْبَلَ عَلَى... إِقْبَالًا متوجہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے اور **حضرت حسن بن علیؓ** آپؐ کے پہلو میں تھے، کبھی آپؐ لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور کبھی ان کی طرف اور فرما رہے تھے میرا یہ بیٹا حقیقی سردار ہے **اور شاید** اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو بہت بڑے گروہوں کے درمیان صلح کروادے گا۔(بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ چنے گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی۔ آپ لشکر جرار لے کر ان کو رام کرنے کے لئے روانہ ہوئے حضرت معاویہؓ بھی ویسا ہی لشکر لے کر مقابلہ کے لئے آئے، جب حضرت حسنؓ نے دونوں طرف دو بڑے لشکر دیکھے، تو انھوں نے مصلحت یہ سمجھی کہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں، تاکہ مسلمانوں کا خون نہ بہے، چنانچہ چھ ماہ کے بعد آپؓ حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان ابنی هذا سید حضرت حسنؓ نے اگرچہ خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی، لیکن دلوں پر ان کی حکومت وسرداری ہمیشہ سے برقرار ہے۔

**حضرت حسنؓ کی حضرت معاویہؓ سے مصالحت:** حضرت حسنؓ کا بے مثال کارنامہ ۴۱ھ میں حضرت معاویہؓ سے صلح کر کے اس سبائی فتنہ کا سدباب کرنا ہے، جس نے کم وبیش دس برس سے پوری ملت اسلامیہ کو مضطرب و بے چین بنا رکھا تھا، حضرت حسنؓ نے اپنی ۶ ماہی خلافت سے دست بردار ہو کر زمام خلافت حضرت معاویہؓ کو اس وقت سونپی، جب کہ چالیس ہزار افراد ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، اگرچہ ان افراد میں وہ منافق سبائی بھی تھے، جنھوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اور ان کو ہر طرح اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے بعد بھی ان سے غداری کی تھی، لیکن ان میں ایسے مخلص بھی تھے جو حضرت حسنؓ کے ایک اشارہ پر اپنے سردھڑ کی بازی لگا دیتے، حضرت حسنؓ چاہتے تو ایک دوسری جنگ صفین برپا کرا سکتے تھے، لیکن ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے خون سے رنگین خلافت قبول کرنے کے بجائے اس سے دست بردار ہو جانا پسند کیا، اگرچہ اس صلح کی وجہ سے حضرت حسنؓ کو ان لوگوں کی طرف سے جو ان کے اپنے بنتے تھے، طرح طرح کی جسمانی وروحانی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ان کو طعنے دیئے گئے اور انھیں عار المومنین اور مذلل المومنین جیسے بیہودہ خطابات سے پکارا گیا جیسا کہ حافظ ابن کثیر تحریر کرتے ہیں کہ ایک شخص نے جسے ابو عامر کہا جاتا تھا حضرت حسن بن علیؓ کو یوں مخاطب کیا، "السلام علیك یا مذلل المومنین" (اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے السلام علیکم) کیوں کہ آپ نے شامیوں سے جنگ نہیں کی تھی۔ حضرت حسنؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے ابو عامر اس طرح نہ کہو میں نے مومنوں کو ذلیل نہیں کیا ہے ہاں اس چیز کو ناپسند کیا ہے کہ میری حکومت کی خاطر ان کا خون بہے، اسی طرح جب ان کو عار المومنین (اے مومنوں کے لئے باعث ننگ و عار) کہہ کر پکارا جاتا تو آپ جواب میں فرماتے العار خیر من النار (عار جہنم کی آگ سے بہتر ہے) یعنی اپنی حکومت بچانے کی خاطر مسلمانوں کو جنگ وقتال میں مبتلا کر کے جہنم کی آگ کا خطرہ مول لینے سے تمہارے اس عار دلانے اور ملامت کے ان تیروں کے سہہ لینے کو میں بہتر سمجھتا ہوں اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ حضرت حسنؓ وہی تو تھے جن کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر بڑے فخر کے ساتھ فرمایا تھا، ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین (بیشک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو تو پورا ہونا ہی تھا اور حضرت حسنؓ کو یہ اعزاز ملنا ہی تھا کہ ان کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہ جنگ وجدال کے راستہ سے ہٹ کر صلح ومصالحت کا راستہ اپنائیں اور ظاہر ہے کہ اس اعزاز کے مقابلہ میں ان عار دلانے والے دوست نما دشمنوں کی حضرت حسنؓ کیا پرواہ کرتے۔ (تاریخ کی مظلوم شخصیتیں)

**حدیث نمبر ۲۹۳۸ ﴿حضرات حسنینؓ نبیؐ کے پھول نھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۴۵**

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِی نُعْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَؓ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ الْمُحْرِمِ قَالَ شُعْبَةُ

أَحْسِبُهُ يَقْتُلُ الذُّبَابَ قَالَ أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُونِي عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَا رَيْحَانَيَّ مِنَ الدُّنْيَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص۵۳۰ ج۱، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث۳۷۵۳

**حل لغات:** الذُّبَاب مکھی۔ رَيْحَانُ ہر خوشبودار پودا؛ ایک خاص قسم کا خوشبودار پودا۔

**ترجمه:** حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو فرماتے ہوئے سنا جب کہ ان سے ایک عراقی نے پوچھا محرم (یعنی حج کا احرام باندھنے والے) کے بارے میں شعبہ کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ وہ محرم مکھی کو قتل کردے تو کیا حکم ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا عراق کے لوگ مجھ سے مکھی کے مار ڈالنے کا حکم دریافت کرتے ہیں، حالاں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے کو شہید کردیا، جب کہ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں (یعنی حسنؓ اور حسینؓ) میرے دنیا کے دو پھول ہیں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ابن عمرؓ سے کسی عراقی نے مسئلہ دریافت کیا کہ محرم اگر مکھی مار دے تو کیا کفارہ ہے؟ حضرت ابن عمرؓ نے بڑی ناگواری سے جواب دیا کہ اہل عراق مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھنے آتے ہیں اور نواسۂ رسول کو شہید کردیا، حالاں کہ آپؐ نے اپنے دونوں نواسوں کے بارے میں فرمایا تھا ھما ریحانی من الدنیا یہ دونوں میرے لئے دنیا کی خوشبو ہیں، اس وقت ان کو مسئلہ پوچھنا یاد نہیں آیا۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** ھما ریحانی من الدنیا ان صاحبزادگان کو پھول اس بناء پر فرمایا گیا کہ پھول کی طرف سب کی رغبت ہوتی ہے، اسے سب ہی محبوب رکھتے اور سونگھتے ہیں کقول النبی حبب الی من دنیاکم الطیب والنساء۔ ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ انه صلی اللہ علیه وسلم کان یقول لفاطمة ادعی لی ابنی فیشمهما ویضمهما الیه۔ (ترمذی، ج۲ ص۲۱۸) ساله رجل عن المحرم یہاں یہ مذکور ہے کہ سائل نے ابن عمرؓ سے یہ پوچھا تھا اگر محرم مکھی مار دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جب کہ ترمذی کی روایت وہب بن جریر بن حازم میں "سأل ابن عمر عن دم البعوض یصیب الثوب" کے الفاظ ہیں یعنی مچھر کا خون کپڑے کو لگ جائے تو پاکی ناپاکی کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح بخاری کی مہدی بن میمون کی روایت میں بھی دم البعوض ہی کا ذکر ہے۔

**ابن عمرؓ کی تعریض کا مقصد:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اعتراض یا تعریض کا مقصد یہ ہے کہ اہل عراق چھوٹی چھوٹی باریکیوں کے متعلق تو سوچ اور پوچھ رہے ہیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو شہید کر کے ایک عظیم جرم کا ارتکاب کیا ہے اور انھیں بظاہر اس جرم کا احساس بھی نہیں ہو رہا ہے۔ (فتح الباری، ص۱۲۴ ج۹)

**حدیث نمبر ۲۹۳۹ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۴۶**

## ﴿حضرات حسنینؓ کی آپؐ سے مشابہت کا ذکر﴾

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَقَالَ فِي الْحُسَيْنِ أَيْضًا كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص۵۳۰ ج۱، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث۳۷۵۲

**حل لغات:** أَشْبَهُ أشبه الشيءُ الشيءَ ایک چیز کا دوسرے کے جیسا ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت حسن بن علیؓ سے زیادہ مشابہت رکھنے والا کوئی نہیں تھا اور حضرت حسینؓ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرات حسنینؓ آپ کے بہت مشابہ یعنی ہم شکل تھے، ترمذی کی روایت ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں حسنؓ سینہ اور سر کے درمیان یعنی جسم کے بالائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ تھے اور حسینؓ اس جسم میں جو سینہ سے نیچے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لم یکن احد اشبه حضرت حسنؓ رسول اللہؐ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اور یہی بات بعض روایات میں حضرت حسینؓ کے بارے میں آئی ہے، تطبیق یہ ہے کہ دونوں ہی آپؐ کے ہم شکل تھے۔

**حدیث نمبر ۲۹۴۰ ﴿حضرت ابن عباسؓ کے حق میں آپؐ کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۴۷**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى صَدْرِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۱ ج ۱، باب ذکر ابن عباس، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۵۶

**حل لغات:** الحِكْمَة دانائی، علم و معرفت (ج) حِکَمٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے مبارک سینے سے لگا کر کہا اے اللہ اسے حکمت سکھا دے، دوسری روایت میں ہے کہ اسے کتاب سکھا دے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرت عبداللہ ابن عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے چچا حضرت عباسؓ کے لڑکے ہیں اور ام المومنین حضرت میمونہ کے سگے بھانجے ہیں، یعنی حضرت عبداللہ کی والدہ ام الفضل لبابہؓ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی سگی بہن تھیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہجرت نبوی سے ۳ سال قبل پیدا ہوئے، پیدائش کے بعد انھیں لے کر ان کے والد عباسؓ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضورؐ نے اپنا لعابِ دہن ان کے منہ میں لگایا، اور ان کے حق میں دعا فرمائی، حضرت عباسؓ اگر چہ بہت دیر میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، مگر حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت لبابہؓ بہت پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں، حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں سب سے پہلے انھوں نے اسلام قبول کیا، اس لئے حضرت عبداللہؓ نے بچپن ہی سے آغوشِ توحید میں تربیت پائی، حضرت عبداللہ کو بچپن ہی سے علم سے بڑا لگاؤ تھا، چنانچہ ۱۱ سال کی عمر میں ایک مرتبہ حضور کی خدمت میں حاضری دینے کے بعد اپنے والد سے جا کر کہا آج میں نے حضورؐ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جسے میں جانتا نہیں ہوں، کاش کہ اسے میں جان سکتا؟ حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ سے اس کا تذکرہ کیا، آپؐ نے ان کو بلا کر بہت ہی محبت کے ساتھ اپنی آغوش عاطفت میں بٹھایا اور سر پر ہات پھیر کر دعا فرمائی کہ اے اللہ اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا، آنحضورؐ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ بچپن میں ایک مرتبہ ہم سنوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول تھے کہ ادھر سے حضورؐ کا گذر ہوا، حضورؐ کو آتا دیکھ کر یہ ایک گھر کے دروازے میں چھپ گئے، لیکن آپؐ نے انھیں جا کر پکڑ لیا اور نہایت شفقت کے ساتھ سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ، ام المومنین حضرت میمونہؓ کی وجہ سے اور بھی انھیں حضور کی صحبت میں زیادہ رہنے کا موقع ملا اور اسی سلسلہ میں حضور کی خدمت کا بارہا موقع ملا، ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے اٹھے حضرت عبداللہؓ نے وضو کے لئے پانی لا کر رکھ دیا، حضورؐ نے وضو فرمانے کے بعد دریافت فرمایا پانی کون لایا تھا؟ حضرت میمونہؓ نے عرض کیا عبداللہ! آنحضرتؐ بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعا فرمائی "اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل" (اے اللہ اسے مذہب کا فقیہ بنا دے اور تاویل کا طریقہ سکھا دے)

حضور کی دعاؤں ہی کا نتیجہ تھا کہ عبداللہ ابن عباسؓ کو اللہ تعالیٰ نے خزانۂ علم سے وہ کچھ عطا فرمایا تھا جو ان کے دور میں بڑوں بڑوں کو نہ مل سکا، اس کا اعتراف ان کے ہم عصروں نے بھی کیا جب کہ وہ لوگ خود بھی پائے کے عالم تھے، حضرت ابن عباسؓ کو علوم قرآن میں خصوصاً عجیب ملکہ حاصل تھا، ان کی تفاسیر سن کر بڑے بڑے صحابی ششدر رہ جاتے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو کہ علم میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں، اسی طرح شقیق تابعی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عباسؓ نے حج کے موسم میں سورۂ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں وہ تفسیر کیا تھی؟ اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی اور نہ آنکھوں نے دیکھی، اگر اس تفسیر کو اہل فارس و روم سن لیتے تو اسلام سے ان کو کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی۔ (ہمارے اسلاف)

**کلمات حدیث کی تشریح**

ضمنی مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حضورؐ نے اپنے سینے سے لگایا اور علوم قرآن و حکمت عطا ہونے کی دعا دی، سینے سے لگانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک علم کا سرچشمہ اور حکمت کا معدن ہے، حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں مثلاً حکمت کا معنی ہے علم و عمل میں پختگی اور زیادتی جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے، "یؤتی الحکمة من یشاء ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیرا وما یذکر الا اولوا الالباب"، بعض نے کہا کہ حکمت سے مراد اشیاء کی حقیقتوں کو پہچاننا ہے، بعض کے نزدیک حکمت کے معنی ہے درست بات کہنا، بعض کے نزدیک حکمت ایک سمجھ اور دانائی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے، بعض کے یہاں حکمت اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کی صحت اور درستگی کی عقل گواہی دے، بعض نے کہا کہ حکمت سرعتِ جواب کو کہتے ہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ویعلمهم الکتب والحکمة ویز کیهم" ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن کے الفاظ اور ان کی قرأت ہے اور حکمت سے مراد اس کے احکام کو اور آیات کی مراد کو جاننا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ علم قرآن اور علم تفسیر دونوں کے جامع تھے۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۹۴۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٦١٤٨**

## ﴿حضرت ابن عباسؓ کے لئے دین کی سمجھ کی دعا﴾

وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوْءً ا فَلَمَّا خَرَجَ قَالَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا فَأُخْبِرَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۲٦ ج ۱، وضع الماء عندالخلاء، کتاب الوضوٴ، حدیث ۱۴۳؛ مسلم، ص ۲۹۸ ج ۲، باب فضائل عبدالله بن عباس، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۷۷

**حل لغات:** وَضُوءٌ وضو کا پانی۔ فَقِّهْهُ فَقَّهَ تَفْقِيْهًا فقیہ بنانا۔

**ترجمه:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوئے تو میں نے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھا، پس جب آپؐ نکلے تو فرمایا یہ کس نے رکھا ہے؟ آپ کو خبر دی گئی تو آپؐ نے فرمایا اے اللہ اس کو دین کی سمجھ عطا کر دے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث**

عرب میں استنجاء کا عمل عموماً ڈھیلے سے ہوتا تھا اور پھر وہاں سے الگ ہو کر پانی سے استنجاء کرتے تھے، یہاں "دخل الخلاء" کی تصریح ہے، جو صرف مکان کے لئے ہی استعمال ہو سکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ اس حالت میں پانی نزدیک رکھ لینا یا ساتھ لے جانا دونوں درست ہیں، اس سے نہ پانی ناپاک ہوتا ہے نہ مکروہ، بلکہ پاک رہتا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ بیت الخلاء گئے تو ابن عباسؓ نے پانی رکھ دیا، دریافت کیا تو حضرت میمونہؓ نے اطلاع دی کہ یہ ابن عباس نے رکھا ہے، آپ نے

حضرت ابن عباسؓ کی ذکاوت کی داد دیتے ہوئے تفقہ کی دعا دی، ابن عباس کی ذکاوت کا مفہوم یہ ہے کہ اس صورت میں ان کے لئے تین راستے تھے ایک تو یہ کہ پانی اندر دے آئیں دوسرے یہ کہ سرے سے پانی ہی نہ دیں اور تیسری صورت یہ کہ پانی بیت الخلاء کے قریب رکھ دیں، تا کہ اس کے حصول میں سہولت رہے، دوصورتیں تو مناسب نہ تھیں اگر پانی اندر دینے کے لئے جاتے ہیں تو یہ درست نہیں، نہیں دیتے تو آپ کو پانی لینے میں تکلیف ہوتی، اس لئے سب سے بہتر صورت یہی تھی کہ دروازے پر پانی رکھ دیں، اس درمیانی صورت کے اختیار کرنے پر آپؐ نے سمجھداری کی دعا دی کہ اے اللہ اسے تفقہ فی الدین عنایت فرما۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** فوضعت له وضوءً ا حضرت ابن عباسؓ نے ازخود پانی رکھ دیا تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے کسی بڑے کی ایسی خدمت کر دینا جس کا اس نے حکم نہیں دیا لیکن یقین ہے کہ وہ اس کے لئے راحت کا سبب ہوگی فضیلت کی بات ہے، ایک تو وہ خدمت ہے جو مخدوم کے کہنے سے کی جائے، اس نے کہا کہ میرا یہ کام کردو، خادم نے کر دیا۔ اس میں بھی بہت بڑی فضیلت ہے، لیکن کوئی ایسی خدمت کرنا جس کو اس نے کہا نہیں تھا، خود سے یہ خیال آیا کہ میں یہ کام کردوں جس سے اسے راحت ملے گی، تو یہ اور زیادہ فضیلت کی بات ہے، اس لئے کہ اس سے مخدوم کو وہ راحت ملے گی جس کی پہلے سے اس کو توقع نہیں تھی، ایک وہ راحت ہے، جس کی پہلے سے توقع ہو، اس سے بھی خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن ایک وہ راحت ہے، جس کی پہلے سے توقع نہ ہو اس سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے، زیادہ آرام ملتا ہے تو خادم اگر مخدوم کا ایسا کام کر دے جو اس کی توقع سے زیادہ ہو، تو اس کو زیادہ خوشی اور راحت ملے گی اور خادم کو اجر وثواب اور فضیلت بھی زیادہ حاصل ہوگی۔ لیکن یہ اسی وقت ہے جب یقین ہو کہ میری اس خدمت سے مخدوم کو راحت ملے گی اور یہ جاننے کے لئے فہم سلیم کی ضرورت ہے، یہ نہیں کہ اپنی طرف سے ایسی خدمت کر دی جس سے الٹی تکلیف پہنچ گئی، حالاں کہ راحت پہنچانے کا ارادہ تھا، تو ایسی صورت میں جب کہ تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو خدمت نہ کرنا بہتر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی مخدوم کو ایسے کسی خادم سے کوئی راحت پہنچے تو اس مخدوم کے لئے سنت یہ ہے کہ خادم کے حق میں دعا کرے، یعنی اس کی خدمت کا حق یہ ہے کہ اس کو تھوڑا سا خوش کیا جائے، خوش کرنے کا ایک طریقہ یہ ہوگا کہ محض تعریف کر دے کہ بڑا اچھا کام کیا، اس سے بھی آدمی خوش ہو جاتا ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے، لیکن اس سے صرف اتنا ہی فائدہ حاصل ہوا کہ سن کر تھوڑا سا دل خوش ہو گیا، لیکن اگر اس کے حق میں دعا کر دیں تو دعا ایسی چیز ہے جو دنیا و آخرت میں اس کے لئے نافع ہے، نبی کریمؐ نے بھی یہاں دعا دی اور دعا بھی ایسی کہ جو چیز "تفقه فی الدین" سالہا سال کی مشقت سے بھی مشکل سے حاصل ہوتی ہے، اس کی دعا فرمادی اور سید الانبیاء کی دعا سے بڑی نعمت اور کیا ہے، اس واسطے معلوم ہوا کہ مخدوم خدمت لے کر خاموش نہ بیٹھا رہے، بلکہ اس کا کام ہے کہ خادم کو دعا دے کم از کم "جزاك الله" ہی کہہ دے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ عطا فرمائیں، پیر صاحبان تو خدمت کو اپنا حق سمجھتے ہیں، یہ سمجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی خادم خدمت کر رہا ہے، تو وہ ہمارا قرض چکا رہا ہے، لہٰذا نہ شکریہ ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہمت افزائی کی حاجت ہے، بلکہ الٹا ڈانٹ پھٹکار ہی چلتی رہتی ہے، تو یہ طریقہ سنت کے مطابق نہیں ہے، سنت یہ ہے کہ اپنے خادم کی حوصلہ افزائی کرے اور یہ حوصلہ افزائی دعا کے ذریعہ کرے، کیوں کہ یہ جو خدمت کو اپنا حق سمجھ رہا ہے، حق ہونے کی بات اس کے ذہن سے نکل جائے، اس لئے کہ دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرا حق نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی آپ کو اس کا بدلہ دیں۔ (انعام الباری)

**حدیث نمبر ۲۹۴۲ ﴿حضرت اسامہؓ سے آپؐ کی محبت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۴۹**

وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُهُ وَالْحَسَنَ فَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهُمَا فَإِنِّيْ أُحِبُّهُمَا. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُنِيْ فَيُقْعِدُنِيْ عَلٰى فَخِذِهٖ وَيُقْعِدُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ

عَلٰی فَخِذِهِ الْاُخْرٰی ثُمَّ یَضُمُّهُمَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَاِنِّیْ اَرْحَمُهُمَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۹ ج ۱، باب ذکر اسامہ، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۳۵

**حل لغات:** یَضُمُّ ضَمَّ فُلَانًا اِلٰی صَدْرِهٖ (نصر) ضَمًّا سینے سے لگانا۔

**ترجمہ:** حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اور حضرت حسنؓ کو (اپنی گود میں) لیتے اور کہتے اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، آپ بھی ان سے محبت رکھئے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکڑ کر اپنی ایک ران پر بٹھاتے اور حسن بن علیؓ کو دوسری ران پر بٹھاتے اور فرماتے اے اللہ ان دونوں پر رحم کر، اس لئے کہ میں ان دونوں پر مہربانی کرتا ہوں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرت اسامہؓ کی خوش قسمتی کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور ان کے منہ بولے بیٹے تھے، اور ماں حضورؐ کی آیا اور کنیز تھیں، اس طرح دونوں جانب سے اسامہؓ کو حضورؐ سے قربت تھی، چنانچہ حضورؐ ان سے بہت محبت فرماتے تھے، اور بارہا اس کا اظہار بھی فرمایا، آنحضرتؐ کو اپنے متعلقین میں سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے زاید کسی سے محبت نہ تھی، مگر اسامہؓ ہی ایک ایسے خوش قسمت شخص ہیں جو اس محبت میں برابر کے شریک تھے، چنانچہ حضورؐ ایک زانو پر حضرت حسنؓ کو بٹھاتے دوسرے پر اسامہؓ کو اور فرماتے اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما، حضورؐ نے متعدد بار یہ فرمایا کہ اسامہ مجھ کو سب لوگوں میں محبوب تر ہے، حضرت اسامہؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی حیثیتوں سے تعلق تھا، خصوصیت کے ساتھ حضرت زیدؓ کے تعلق سے حضورؐ ان کو جس قدر چاہتے تھے وہ انہی کا حصہ تھا، چنانچہ ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا اس کا باپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، اور اب یہ سب سے زیادہ عزیز ہے، اسامہؓ کی ذرا سی تکلیف حضورؐ کو گوارہ نہیں تھی اور بالکل اولاد کی طرح حضورؐ کو محبوب تھے، ایک مرتبہ یہ چوکھٹ پر سے گر پڑے اور خون نکلنے لگا، آنحضرتؐ نے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا اس کا خون صاف کر دو حضرت صدیقہؓ کو کچھ کراہت محسوس ہوئی تو خود حضورؐ نے اٹھ کر صاف کر کے لعاب دہن لگایا۔ کبھی کبھی عادت کے مطابق انتہائی محبت میں حضورؐ ان سے مزاق فرماتے، ایک مرتبہ اسامہؓ بیٹھے تھے حضرت عائشہؓ بھی تشریف فرما تھیں، حضورؐ پہلے اسامہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اس کے بعد فرمایا، اگر یہ میری لڑکی ہوتی تو میں اس کو خوب زیور پہناتا اور بناؤ سنگار کرتا، تاکہ اس کا خوب چرچا ہوتا اور ہر جگہ سے پیام آتے۔ (ہمارے اسلاف)

**کلمات حدیث کی تشریح** فانی احبهما آپؐ حضرت اسامہؓ سے ویسے ہی محبت کرتے تھے، جیسے حضرات حسنینؓ سے کرتے تھے، حضرت اسامہؓ کا لقب ہی تھا حب رسول اللہ (رسول اللہ کے محبوب) آپؐ کی محبت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ بھی حضرت اسامہؓ سے خوب محبت کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جب تمام صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے تو اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کا تین ہزار اور اسامہؓ کا ساڑھے تین ہزار مقرر کیا، حضرت عبداللہؓ نے اس پر احتجاج کیا کہ ان کی زیادتی کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ میں اسامہؓ سے اور آپ ان کے والد سے کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو صحیح ہے، مگر حضورؐ ان کو تم سے اور ان کے باپ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، خود حضرت ابن عمرؓ کا یہ عالم تھا کہ اس خاندان کے بچوں تک کا احترام کرتے تھے، ایک مرتبہ مسجد میں انھوں نے ایک شخص کو دیکھا لوگوں سے کہا دیکھو کون ہے؟ لوگوں نے بتایا ابو عبدالرحمٰن! آپؓ ان کو نہیں جانتے یہ اسامہؓ کے صاحبزادے محمد ہیں؟ آپؓ نے یہ سن کر تعظیما گردن جھکا لی اور کہا اگر حضورؐ ان کو دیکھتے تو ان کو بھی محبوب رکھتے۔ (حوالہ بالا)

**حدیث نمبر ۲۹۴۳ ﴿حضرت اسامہؓ کی امارت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۵۰**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ بَعْثًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِيْ إِمَارَتِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِيْ إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِيْ إِمَارَةِ أَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ وَايْمُ اللّٰهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لِلْإِمَارَةِ وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَحْوَهُ وَفِيْ آخِرِهِ أُوْصِيْكُمْ بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ صَالِحِيْكُمْ.

**حواله:** بخاری، ص ۵۲۸ ج ۱، باب مناقب زید، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۳۰، مسلم، ص ۲۸۳ ج ۲، باب فضائل زید، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۲۶

**حل لغات:** بَعْثًا وفد (ج) بُعُوْثٌ۔ طَعَنَ فی رَأْيِهِ وفی حُكْمِهِ رائے یا فیصلہ کی کمزوری یا نقص ثابت کرنا۔ أَيْمُ اللّٰهِ قسم خدا کی۔ خَلِيْقًا خَلِيْق لائق (ج) خُلَقاء خَلُقَ فلانًا به و له لائق ہونا، سزوار ہونا۔ أَوْصِيْ أَوْصَى فُلَانًا بالشيء کسی پر کوئی چیز لازم کرنا، کسی بات کا حکم کرنا، مکلف و مامور بنانا۔

**ترجمه:** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اسکا افسر مقرر فرمایا، بعض لوگوں نے ان کو امیر بنانے پر نکتہ چینی کی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس کی امارت پر طعن کرتے ہو تو اس کے باپ کی امارت پر بھی اس سے پہلے نکتہ چینی کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ امارت کے لائق تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو مجھے سب سے پیارے ہیں اور یہ ان بعد والوں میں سے ہیں جو مجھے سب سے پیارے ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں بھی اسی طرح ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ میں تمھیں اس کے متعلق وصیت کرتا ہوں؛ کیوں کہ یہ تمہارے نیک لوگوں سے ہے۔

**خلاصۂ حدیث** نبیؐ نے جو آخری مہم ترتیب دی تھی جس میں شیخینؓ بھی شامل تھے، اس کا امیر حضرت اسامہؓ کو مقرر کیا تھا، اس موقع پر کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی نوعمری کو لے کر نکتہ چینی کی پس نبیؐ نے مذکورہ ارشاد فرمایا۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** امر علیھم اسامة بن زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُسامہؓ کی سرکردگی میں کئی سریئے بھی روانہ فرمائے، چنانچہ سریۂ حرقہ کی قیادت بھی آپؓ ہی نے فرمائی، مگر تمام سرایا میں سب سے اہم وہ سریہ ہے، جس میں کبار صحابہ کی موجودگی میں حضورؐ نے امارت ان کے سپرد فرمائی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضورؐ کے ایک سفیر حضرت حارث بن عمیرؓ شاہ بصریٰ کے دربار سے واپس آرہے تھے کہ مقام موتہ میں انھیں شرحبیل بن عمرو نے شہید کر دیا، اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی قاصد کو قتل کیا گیا ہو، اس لئے حضورؐ نے اس کا انتقام لینے کے لئے حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں تین ہزار کی جمعیت روانہ فرمائی، لیکن وہ بھی اسی جنگ میں شہید ہو گئے اور ان کے ساتھ اکابر صحابہؓ میں حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہو گئے۔ آنحضرتؐ کو ان لوگوں کی شہادت سے بڑا افسوس ہوا، چنانچہ اپنی وفات سے چند دن قبل حضرت اسامہؓ کی قیادت میں ان بزرگوں کے انتقام کے لئے ایک سریہ روانہ فرمایا، ان لوگوں کی روانگی سے قبل ہی حضورؐ کی طبیعت خراب ہو گئی، مگر حضورؐ کو ان شہدا کے انتقام کی اس قدر فکر تھی کہ ان کی روانگی کو ملتوی نہ فرمایا اور اپنے دست خاص سے علم مرحمت فرما کر سریہ کی روانگی کا حکم فرمایا۔ ابھی مدینہ کے قریب جرف نامی جگہ پر پہلی منزل ہوئی تھی کہ اسامہؓ کو آنحضورؐ کی وفات کی اطلاع ملی، اس خبر کے ملتے ہی یہ مدینہ واپس آگئے اور تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے، جسدِ اطہر کو قبر میں اتارنے کا شرف بھی اسامہؓ کو حاصل ہوا، چونکہ آنحضرتؐ آخر آخر وقت تک جیش اسامہؓ کی روانگی کے متعلق تاکید فرماتے رہے تھے، اس لئے صدیق اکبرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی لشکر کی روانگی کا حکم دیا۔ اس درمیان میں

ارتداد کا فتنہ بھی کھڑا ہو چکا تھا، صحابہؓ نے خلیفہ سے بہت کہا کہ ابھی اس لشکر کو نہ روانہ فرمائیے، حالات اس قسم کے نہیں ہیں، جب حالات پر قابو پالیا جائے تو روانہ فرما دیجئے گا، مگر صدیق اکبرؓ نہ مانے اور کہا چاہے مجھ کو درندے نوچ کر کھا جائیں، مگر میں رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کیے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ جیش اسامہؓ روانہ ہوا، اسامہ نے منزل مقصود پر پہنچ کر دشمن سے شہدا کا انتقام لیا۔ اور اپنے والد کے قاتل کو جہنم رسید کیا، اس طرح اسامہ حضور کی خواہش کو پورا کر کے واپس تشریف لائے۔ (ہمارے اسلاف)

**حدیث نمبر ۲۹۴۴ ﴿حضرت زید بن حارثہؓ کی فضیلت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٥١**

وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ مَوْلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنَّا نَدْعُوْهُ إِلَّا زَيْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْآنُ اُدْعُوْهُمْ لِآبَائِهِمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ الْبَرَاءِ قَالَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّيْ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحِضَانَتِهٖ.



**حوالہ:** بخاری، ص ۷۰۵ ج ۲، باب ادعوھم لابائھم، کتاب التفسیر، حدیث ۴۷۸۲، مسلم، ص ۲۸۳ ج ۲، باب فضائل زید، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۲۵

**حل لغات:** ادعوا امر جمع مذکر حاضر، پکارو۔ دعاءً پکارنا۔ آباء (واحد) اَبٌ باپ۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو ہم زید بن محمد کہا کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ادعوھم لآبائھم الخ انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ (بخاری و مسلم) اور حدیث براء جس میں حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو، وہ "باب بلوغ الصغیر و حضانته" میں بیان کی جا چکی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** حضرت زید بن حارثہؓ رسول خداؐ کے بہت محبوب غلام تھے اور بعد میں آپؐ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا، آنحضرتؐ کی غلامی کا شرف اس طرح حاصل ہوا کہ بچپن میں ایک مرتبہ یہ اپنی ماں کے گھر میں تھے کہ ایک قبیلہ ادھر سے غارتگری کرتا ہوا گذرا، اس نے حضرت زید کو وہاں سے اٹھا کر غلام بنالیا اور لاکر بازار میں فروخت کیا، مگر قسمت بلند تھی، غلامی میں شہنشاہی مقدر تھی، حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے نے خرید کر ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دیا، ان کے واسطے سے سرکار دو عالم تاجدارِ مدینہ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا، اور اس غلامی پر اس قدر نازاں تھے کہ اسی کی خاطر باپ چچا آزادی ہر چیز کو ترک کر دیا۔ اِدھر ان کے والدین کو اپنے لختِ جگر کے اس طرح گم ہو جانے کا بے انتہا صدمہ تھا، ایک مرتبہ ان کے قبیلے کے کچھ لوگ مکہ آئے، انھوں نے ان کو یہاں دیکھ کر ان کے والدین کو خبر کی، ان کے باپ اور چچا روتے ہوئے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور انتہائی بے چارگی کے ساتھ کہا اے عبداللہ کے بیٹے! اے عبدالمطلب کے فرزند! اے رئیس قوم کے لختِ جگر! تم حرم کے مجاور ہو! مصیبت زدوں کی دستگیری کرتے ہو! تم ہماری مصیبت دور کرو اور ہمارے لڑکے کو آزاد کر دو، اس کے عوض ہم سے جتنا چاہو فدیہ لے لو، ارشاد ہوا وہ کون ہے؟ انھوں نے کہا زید بن حارثہ! حضورؐ نے فرمایا اس معاملہ کو زید ہی پر رکھ دو، وہ اگر تمھیں پسند کرے تو تم لے جاؤ اور اگر تمہارے مقابلہ پر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں کہ اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں، ان لوگوں نے اس شرط کو منظور کرالیا، حضرت زیدؓ کو بلا کر حضورؐ نے دریافت کیا کہ تم ہم دونوں میں کس کو ترجیح دیتے ہو؟ حضرت زیدؓ کو شہنشاہِ کونین کی غلامی میں جو مزہ ملا تھا وہ باپ اور چچا کے ساتھ والی آزادی میں کہاں مل سکتا تھا، فوراً جواب دیا میں ایسا نہیں کہ حضورؐ پر کسی کو ترجیح دوں، آپؐ ہی میرے ماں باپ ہیں۔ باپ چچا کو اس بات سے بہت تعجب ہوا اور کہا افسوس کہ تم باپ، چچا، آزادی ہر چیز پر غلامی کو ترجیح دے رہے ہو۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا ہاں اس ذات قدسی صفات میں کچھ ایسی ہی باتیں ہیں جن کی وجہ سے میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ حضورؐ نے محبت میں اسی وقت خانۂ

کعبہ میں لے جا کر اعلان فرمایا کہ آج سے زیدؓ میرا بیٹا ہے، اس کا میں اور یہ میرا وارث ہے، حضورؐ کی طرف سے اعلانِ نبوت کے بعد حضرت زیدؓ نے فوراً اسلام قبول کیا، غلاموں میں سب سے پہلے آپؓ ہی کو قبول اسلام کا شرف حاصل ہے، حضرت زیدؓ نے اول ہی دن سے حضورؐ کی خوشنودی کی باتیں کیں اور کوئی موقع حضورؐ کی خوشنودی کا ہاتھ سے نہ جانے دیتے، حتی کہ اپنی زندگی کی تمام راحتیں حضورؐ ہی کے نام وقف کر دی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضورؐ نے ام ایمنؓ کے متعلق جو حضورؐ کی کنیز اور آیا تھیں اور عمر میں حضرت زیدؓ سے بہت بڑی تھیں، فرمایا کہ اگر کوئی شخص جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اسے ام ایمن سے نکاح کرنا چاہئے۔ حضرت زیدؓ نے محض حضورؐ کی خوشنودی کے لئے عمر کے تقابل کی پروانہ کرتے ہوئے ان سے نکاح کر لیا۔ انہی کے بطن سے اسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔ صحابہ کرام حضرت زیدؓ کی اس جاں نثاری اور حضورؐ کی بے انتہا شفقت سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت زیدؓ کے پوتے محمد بن اسامہؓ کو مسجد میں دیکھ کر گردن تعظیم سے جھکا لی اور کہا کہ اگر اللہ کے رسولؐ اسے دیکھتے تو اس سے بھی بہت محبت فرماتے (کیونکہ اس کا تعلق زید سے ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی شفقت اور محبت کی وجہ سے انھیں حبِ رسول یعنی محبوبِ رسول کا بیش قیمت لقب مرحمت فرمایا تھا۔ اسی طرح ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اگر حضورؐ کی وفات تک زیدؓ زندہ رہتے تو آپ انھیں کو جانشین بناتے۔ حضرت زیدؓ نے غزوۂ بدر سے غزوۂ موتہ تک تمام غزوات میں شرکت کی، چوں کہ ان کو تیر اندازی میں کمال حاصل تھا، اس لئے اس کے ذریعہ کتنے ہی دشمنانِ اسلام کو واصلِ جہنم کیا، اس کے علاوہ دوسری چھوٹی چھوٹی مہموں میں حضرت زیدؓ نے سردارِ لشکر کی حیثیت سے بھی دشمن کا مقابلہ کیا ہے۔ ۹ مرتبہ سپہ سالارِ لشکر ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ایک صحابی رسول شاہ بصرہ کے دربار میں سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے کہ مقام موتہ پر انھیں شرحبیل بن عمرو غسانی نے شہید کر دیا، یہ پہلا واقعہ تھا کہ دربار رسالت کے قاصد کو اس طرح شہید کیا گیا ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قصاص کے لئے تین ہزار مجاہدین کو حضرت زیدؓ کی قیادت میں روانہ فرمایا۔ دشمن کو اس کی خبر ہو گئی اس کی طرف سے ایک لاکھ کا لشکرِ جرار مقابلہ کے لئے آیا، مگر حضرت زیدؓ نے پرواہ نہ کی اور لشکر کے اندر گھس گئے اور دشمن کو زبردست نقصان پہنچایا، اسی حالت میں ایک تیر آ کر ان کے لگ گیا، اس طرح اسلامی فوج کے سپہ سالار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے غلام حضرت زید بن حارثہؓ نے ۸ھ میں اسی میدان میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اس خبر سے حضورؐ کو بہت صدمہ ہوا، حتی کہ حضرت زیدؓ کی صاحبزادی کو روتا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہؓ نے پوچھا یارسول اللہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جذبہ محبت ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت زیدؓ کا انتقام لینے کے لئے حجۃ الوداع سے واپسی پر ایک لشکر حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں تشکیل دیا۔ یہ لشکر ابھی پہلی ہی منزل تک پہنچنے پایا تھا کہ حضور علیہ السلام کی وفات کا حادثہ پیش آ گیا۔ حضور علیہ السلام کے خلیفۂ اول سیدنا صدیق اکبرؓ نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کیا جو اپنی مہم سے سرخرو اور بامراد واپس آیا۔ (ہمارے اسلاف)

**کلماتِ حدیث کی تشریح** ان زید بن حارثه مولی رسول الله گود لینے کا رواج تمام اقوام میں ہے، اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے، مگر جاہلیت قدیمہ و جدیدہ میں جو اس پر نسب کے احکام جاری کئے جاتے ہیں اسلام نے اس کی ممانعت کر دی ہے، سورۃ الاحزاب آیت ۵ میں ہے ادعوهم لآبائهم هو اقسط عند الله پکارو لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے، یہی اللہ کے یہاں زیادہ انصاف کی بات ہے؛ چنانچہ قبل اسلام نبیؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا اور اس زمانہ کے دستور کے موافق لوگ ان کو زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے، پس مذکورہ آیت نازل ہوئی اور ولدیت کی تبدیلی کی ممانعت کر دی، چنانچہ سب لوگ ان کو زید بن حارثہ کہنے لگے۔ (تحفۃ القاری)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۴۹۴۵ ﴿اهل بیت سے تعلق رکھنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۵۲

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ وَهُوَ عَلٰى نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ يَخْطُبُ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ أَهْلَ بَيْتِيْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۹ ج۲، باب مناقب اهل بیت النبیؐ، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۸۶

**حل لغات:** عِتْرَةٌ بڑا کنبہ؛ آدمی کی نسل، اولاد۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے حج کے موقع پر عرفات میں دیکھا کہ اپنی قصویٰ اونٹنی پر خطبہ دے رہے تھے، میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا، میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر انھیں پکڑے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ کی کتاب اور میرے عترت یعنی اہل بیت ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں کتاب اللہ اور اہل بیت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم ہے، معلوم ہوا کہ حقیقتاً اہل بیت میں سے جو ہوگا اس کی سیرت و کردار شریعت کے مطابق ہوگی، تب ہی تو وہ مثال اور مقتدیٰ بن سکے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی تورپشتی فرماتے ہیں کہ عترت کا لفظ گھر والوں اور خاندان میں سے قریبی لوگوں پر بولا جاتا ہے، حدیث میں حضورؐ نے عترت کے ساتھ اہل بیتی کا لفظ بھی ارشاد فرمایا ہے، اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ عترت سے مراد حضورؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں مثلاً اولاد اور ازواج۔ کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے احکامات پر عمل کیا جائے، اس کے اوامر کو بجالایا جائے اور نواہی اور منہیات سے بچا جائے، اور اہل بیت کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے محبت کی جائے، ان کی حرمت کا لحاظ رکھا جائے، ان کی مرویات پر عمل کیا جائے، اور ان کے ارشادات پر اعتماد کیا جائے۔ (جدید مظاہر حق) مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۱۴۰ دیکھیں۔

### حدیث نمبر ۴۹۴۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۵۳

### ﴿اہل بیت کو مضبوطی سے تھامنے کی تاکید﴾

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَعِتْرَتِيْ أَهْلُ بَيْتِيْ وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِيْ فِيْهِمَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۹ ج۲، باب مناقب اهل بیت النبیؐ، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۸۸

**حل لغات:** مَمْدُوْد مَدَّ الشَّیْءَ (نصر) مَدًّا پھیلانا، کھینچنا۔ یَتَفَرَّقَا تفرّق الشَّیْءُ تَفَرُّقًا بکھر جانا (تفعل)۔

**ترجمہ:** حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، میرے بعد جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک ان میں دوسری سے عظیم تر ہے، ایک تو اللہ کی کتاب ہے جو (اللہ تعالیٰ کی) آسمان سے زمین کی طرف پھیلی ہوئی رسی ہے، اور دوسری میری اولاد میرے گھر والے ہیں اور وہ الگ الگ نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر وہ میرے پاس آپہنچیں گے۔ پس تم لوگ سوچ لو میرے بعد ان سے کیا معاملہ کرتے ہو اور کیسے پیش

آتے ہو۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں قرآن مجید اور اہل بیت کو مضبوطی سے پکڑنے کا ذکر ہے، اہل بیت کو مضبوطی سے پکڑنا یعنی ان کا ادب واحترام کرنا اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ مزید کے لئے گذشتہ حدیث اور عالمی حدیث ۶۱۴۰ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وعترتی اهل بیتی ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں، اہل بیت عام طور صاحب بیت کے حال احوال سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، اس لئے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں اہل بیت النبیؐ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ حضورؐ کی سیرت وکردار سے واقف ہیں، اور آپ کی حکمت و مصلحتوں سے بہرہ ور ہیں اور یہی لوگ کتاب اللہ سے جدا نہ ہوں گے، قیامت میں یہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ جب حوض کوثر پر آئیں گے، تو اپنے حقوق کی رعایت رکھنے والوں کا شکریہ ادا کریں گے اور حضورؐ ان کے ساتھ سلوک و احسان فرمائیں گے اور اللہ پاک اجر عظیم سے نوازیں گے اور جن لوگوں نے ان کے حقوق ضائع کئے ہوں گے ان کا معاملہ اس کے برعکس ہوگا؛ آخر میں حضورؐ نے دعوت فکر دی ہے کہ تم غور وفکر کرو کہ تم میرے بعد کتاب اللہ اور اہل بیت کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے یا برا۔ (جدید مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۲۹۴۷ ☆☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٦١٥٤

## ﴿اهل بیت سے دشمنی حضورؐ سے دشمنی هے﴾

وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسَلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۲۶ ج ۲، باب فضل فاطمة، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۷۰

**حل لغات:** حَرْبٌ لِیْ وعَلَیَّ دشمن۔ محارب، حَارَبَ مُحَارَبَةً وحِرَابًا جنگ کرنا، لڑنا۔ سَلْمٌ صلح جو، مصالح۔ سَالَمَهُ مُسَالَمَةً وسِلَامًا کسی سے مصالحت کرنا۔

**ترجمه:** حضرت زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا کہ میں ان سے لڑنے والا ہوں جو ان سے لڑیں اور ان سے صلح کرنے والا ہوں جو ان سے صلح کریں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حدیث میں مذکور چار افراد حضورؐ کے بہت ہی قریبی عزیز اور محبوب ہستیاں ہیں، ان سے محبت اور دشمنی حضورؐ سے محبت اور دشمنی کا معیار ہیں۔ اس حدیث میں ان سے محبت کرنے کی ترغیب ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** حرب مصدر ہے یہ اور سلم دونوں مصدر "زید عدل" کی طرح مبالغہ پر محمول ہیں۔ یہ روایت قطعاً صحیح نہیں۔ علی بن قادم خزاعی کوفی شیعہ ہوگیا تھا اور سدی اسماعیل بن عبدالرحمٰن پر بھی شیعیت کا الزام تھا اور اسباط بن محمد ہمدانی حدیثوں میں بہت غلطیاں کرتا تھا، اور عجیب وغریب روایتیں بیان کرتا تھا اور صبیح معروف راوی نہیں اور حضرت زید سے اس کا سماع بھی معلوم نہیں یہ بات امام بخاری نے فرمائی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۲۹۴۸ ☆☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٦١٥٥

## ﴿آپ کو سب سے زیادہ حضرت فاطمہؓ محبوب تھیں﴾

وَعَنْ جُمَيْعِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِيْ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُ أَيُّ النَّاسِ كَانَ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَقِيْلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُهَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ**: ترمذی، ص۲۲۶ ج۲، باب فضل فاطمة، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۷۴

**حل لغات**: عَمَّة پھوپھی (ج) عَمَّات۔

**ترجمہ**: حضرت جمیع بن عمیر سے روایت ہے کہ میں اپنی پھوپھی جان کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے پوچھا کہ لوگوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا کون تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ فاطمہؓ کہا گیا مردوں میں سے فرمایا کہ ان کے خاوند۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت عائشہؓ کے منصف مزاج ہونے کا اندازہ لگایئے کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کو پہلا آنحضرتؐ کا سب سے زیادہ محبوب قرار دیا، حالاں کہ وہ یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ حضورؐ کو سب سے زیادہ محبوب میں اور میرے باپ تھے اور یہ بات اپنی جگہ صحیح بھی تھی؛ کیوں کہ صحیح حدیث میں اسی طرح وارد ہے، مگر حضرت عائشہؓ نے نہایت انصاف اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا اور اس اعزاز کا مستحق حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو قرار دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں اور اس حدیث میں تعارض ہے جس میں سوال کرنے والے کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے سب سے زیادہ عورتوں میں عائشہ محبوب ہیں اور مردوں میں ان کا باپ محبوب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل بات تو حضرت رسول پاک کی ہے، حضرت عائشہؓ نے تو اپنے اندازہ سے فرمایا ہے ان کو ایسا ہی کہنا چاہئے تھا، لہٰذا اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، باقی کسی کا محبوب ہونا اور چیز ہے اور مقام اور رتبے والا ہونا دوسری چیز ہے، بہت سارے لوگ محبوب ہوتے ہیں، مگر رتبہ دوسروں کا بلند ہوتا ہے۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** قالت فاطمة حضرت عائشہؓ کے جواب میں معلوم ہوگیا کہ ان کے دل میں نبی کی بیٹی اور داماد کی بڑی قدر تھی۔ حضرت علیؓ کا محبت کی وجہ سے شیخین سے افضل ہونا لازم نہیں آتا؛ کیوں کہ اولاد اور اقارب سے محبت فطری چیز ہے، یہ جو کچھ وضاحت ہوئی متن کو سامنے رکھ کر ورنہ سند کے لحاظ سے یہ حدیث قطعاً قابل اعتبار نہیں، جمیع کوفی شیعہ ہوگیا تھا اور دوسرا راوی ابوالجحاف غالی شیعہ تھا، بکثرت اہل بیت کے سلسلہ میں روایات وضع کرتا تھا اور زائغ (کج رو) ضعیف بھی تھا اور تیسرا راوی عبدالسلام نہایت ضعیف روایتیں بیان کرتا تھا اور حسین لین الحدیث (نرم حدیثوں والا) تھا۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۲۹۴۹ ﴿حضرت عباسؓ کی فضیلت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۵۶

وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ أَنَّ الْعَبَّاسَؓ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالَ مَا أَغْضَبَكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَنَا وَلِقُرَيْشٍ إِذْ تَلَاقَوْا بَيْنَهُمْ تَلَاقَوْا بِوُجُوْهٍ مُبْشَرَةٍ وَإِذَا لَقُوْنَا لَقُوْنَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْإِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰى عَمِّيْ فَقَدْ اٰذَانِيْ فَإِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنِ الْمُطَّلِبِ)

**حوالہ**: ترمذی، ص۲۱۷ ج۲، باب مناقب العباس، کتاب المناقب، ۳۷۵۸

**حل لغات**: مُغْضَبًا مفعول من الإغضاب أَغْضَبَهٗ إِغْضَابًا ناراض کرنا، غصہ دلانا (افعال)۔ تَلَاقَوْا تَلَاقِيًا دو کا باہم ملنا، آمنے سامنے ہونا (تفاعل)۔ مُبْشَرَةٌ أَبْشَرَ إِبْشَارًا خوشی کا چہرے کو چمکا دینا۔ لَقُوْا لَقِيَهٗ (سمع) لقاءً وتِلْقَاء کسی سے ملاقات ہونا۔ احْمَرَّ احْمِرَارًا سرخ ہوجانا؛ غصہ سخت ہوجانا۔ عَمٌّ چچا (ج) أَعْمَامٌ وعُمُوْمَةٌ۔ صِنْو مماثل فرد، مثل، مقابل؛ ایک درخت کی جڑ سے دو یکساں اگنے والی شاخوں میں سے ایک (ج) صِنْوَانٌ وأَصْنَاء۔

**ترجمه**: حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غصہ کی حالت میں آئے، درانحالیکہ میں آپؐ کے پاس موجود تھا، پس آپؐ نے پوچھا آپ کو کس چیز نے غضبناک کیا؟ انھوں نے کہا یارسول اللہ! ہمارے لئے اور قریش کے لئے کیا ہے؟ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو اور طرح سے ملتے ہیں، (یہ ان کے جلنے کی علامت ہے) راوی کہتے ہیں پس رسول اللہؐ غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا، پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کسی بھی آدمی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اللہ اور اس رسول کے لئے تم سے محبت نہ کرے، پھر آپؐ نے (خطاب عام میں) فرمایا لوگو! جس نے میرے چچا کو ستایا اس نے مجھے ستایا؛ کیوں کہ باپ اور چچا ایک جڑ سے نکلنے والے درخت ہیں۔ (ترمذی) اور مصابیح میں مطلب بن ربیعہ ہے۔

**خلاصۂ حدیث** رسول اللہؐ اپنے چچا حضرت عباسؓ سے بہت محبت کرتے تھے، لہٰذا عباسؓ سے قریش کی جلن و بے اعتنائی آپؐ کو برداشت نہیں ہوئی، اور آپ نے سخت تنبیہ فرمائی، رسول اللہؐ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور صحابۂ کرام بھی حضرت عباسؓ کی عظمت شان کے معترف تھے۔ امام بغویؒ حضرت عباسؓ کے بارے میں لکھتے ہیں: **كان العباس اعظم الناس عند رسول الله صلى الله عليه وسلم والصحابة يعترفون للعباس بفضله ويشاورنه ويأخذونه رايه.** حضرت عباسؓ رسول اللہؐ کے نزدیک عظیم ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے، صحابہ کرامؓ بھی ان کی فضیلت کے معترف تھے، ان سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے تھے، جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے انھیں رسول اللہؐ سے بڑی محبت تھی، غزوۂ حنین میں ایک موقع ایسا آیا کہ عام صحابہ کرامؓ کے قدم اکھڑ گئے تھے اور آپ تقریباً تنہا رہ گئے تھے، لیکن ایسے نازک وقت میں بھی حضرت عباسؓ آپؐ کے ساتھ تھے، ایک بار حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں قحط پڑ گیا تھا، حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کی، حضرت عباسؓ نے دعا کی اور اللہ نے باران رحمت نازل فرمائی۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** **لقونا بغير ذلك** یعنی باقی قریش جب ہم یعنی بنوہاشم سے ملتے ہیں تو بشاشت اور فراخ دلی کے ساتھ نہیں ملتے، بلکہ تنگی اور منہ بنا کر ملتے ہیں اور اس کی وجہ وہی ہے جو اللہ پاک نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے، "**يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله**" یعنی وہ لوگوں پر حسد کرتے ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ تعالٰی نے ان کو عطا فرمائی ہے، چنانچہ ابوجہل بھی یہی کہتا تھا کہ رأیہ، سقایہ، نبوت و رسالت یہ سب مناصب بنوہاشم لے گئے قریش کے پاس کیا بچا۔ **فغضب رسول الله** حضورؐ کا ناراض ہونا یا تو خاص قریش کے اس رویے (یعنی حسد) کی وجہ سے تھا، یا مطلقاً اس مذموم صفت کی وجہ سے تھا۔ **صنو ابيه** چچا بمنزلہ باپ ہوتا ہے اس کو ستانا باپ کو ستانا ہے اور باپ کو ستانا بیٹے کو ستانا ہے۔

**حضرت عباس کا تعارف**: عباس نام، ابوالفضل کنیت والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام نتیلہ تھا، زمانۂ جاہلیت میں بھی قریش کے ایک معزز سردار تھے، خانۂ کعبہ کا انتظام والصرام اور حجاج کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبدالمطلب سے ورثہ میں ملا تھا، اسلام بہت دیر میں قبول کیا، لیکن اسلام اور داعیٔ اسلام سے ہمیشہ محبت رہی، حالت کفر میں بھی کبھی اسلام کے خلاف برسرپیکار نہیں ہوئے، بدر کے موقع پر کفار زبردستی کھینچ کر میدان میں لائے، مگر آنحضرتؐ کو حقیقت معلوم تھی، اس لئے آپؐ نے صحابہ کو ہدایت کی کہ عباس زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں، اس لئے اگر کسی مسلمان کی تلوار کی زد میں وہ آئیں تو وار نہ کرے، جنگ کے بعد کافر قیدیوں میں عباس بھی تھے، اتفاق سے ان کی مشکیں زیادہ زور سے بندھ گئیں تھیں، جس کی وجہ سے انھیں بہت تکلیف تھی، آنحضرتؐ ان کے کراہنے کی آواز سن کر بے چینی کی وجہ سے رات بھر آرام نہ فرما سکے، جب صحابہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کر دیں،

مسلمان نہ ہونے کے باوجود ان کی طبیعت اسلام کی طرف بہت مائل تھی، چنانچہ یہ کفار کی خبریں حضورؐ کو آگاہ کر دیتے تھے اور ان کے راز سے حضورؐ کو آگاہ کرتے تھے، حضورؐ سے بہت محبت کرتے تھے اور دل سے یہ چاہتے تھے کہ حضور کا مشن اسلام زیادہ سے زیادہ کامیاب ہو، رسول خداؐ بھی ان سے محبت کرتے تھے، اور چچا ہونے کی حیثیت سے ان کی بہت تعظیم کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انھوں نے تمام مسلمانوں کی طرح حضرت عباسؓ سے بھی رقم طلب کی، انھوں نے کچھ پس و پیش کی تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضہ کیا، حضورؐ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا عمرؓ تم بدر کے موقع پر فدیہ میں عباسؓ سے بہت کچھ لے چکے ہو، وہ اللہ کے رسول کے چچا ہیں اور چچا باپ کے برابر ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے صحابہؓ بھی آپ کی بہت عزت کرتے تھے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی گھوڑے پر سوار ہوتے اور آپ سامنے آجاتے تو تعظیما اتر پڑتے، حضرت عمرؓ ملکی معاملات میں آپ سے مشورہ کرتے اور آپ سے دعا کرواتے، قحط عام الرمادہ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا خداوند پہلے ہم رحمت عالم کا وسیلہ پکڑتے تھے، اور اب ہم ان کے بعد ان کے چچا کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوئے ہیں، ان کے طفیل میں ہمیں سیراب کردے، اس کے بعد حضرت عباسؓ نے دعا مانگنی شروع کی تو یکایک صاف و شفاف آسمان پر بادل گھرنے لگے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد خوب بارش ہوئی، اس غیر متوقع بارش سے لوگ انتہائی خوش ہوئے، اور حضرت عباسؓ کے ہاتھ پیر چوم کر کہتے، ساقی حرمین مبارک ہو۔ ۳۲ھ میں خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں اٹھاسی سال کی عمر میں جمعہ کے دن حضرت عباسؓ نے وفات پائی، خلیفہ نے نماز جنازہ پڑھا کر لحد خاکی کے سپرد کیا۔ (ہمارے اسلاف)

**حدیث نمبر ۲۹۵۰ ﴿حضرت عباسؓ سے اظہار محبت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۵۷**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَأَنَا مِنْهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

**حوالہ:** ترمذی، باب مناقب العباس، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۶۲ (یہ حدیث ترمذی کے متداول ہندستانی نسخہ میں مل نہیں سکی)

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عباس مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

**خلاصۂ حدیث** آپؐ میں اور حضرت عباسؓ میں کمال اتحاد و قرب تھا جس کا مظہر آپؐ کا یہ فرمان ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** العباس منی و انا منه عباس مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں یعنی ہم دونوں ہم مزاج ہم مشرب ہیں، ایسا ہی ارشاد آپؐ نے حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا ہے "ان علیا منی و انا منه" مقصد یہی ہے کہ میرے اقارب میرے ساتھ متصل ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۵۱ ﴿حضرت عباس اور انکی اولاد کے لئے دعا﴾ عالمی حدیث ۶۱۵۸**

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ إِذَا كَانَ غَدَاةُ الْإِثْنَيْنِ فَأْتِنِیْ أَنْتَ وَوَلَدُكَ حَتّٰى أَدْعُوَ لَهُمْ بِدَعْوَةٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا وَوَلَدَكَ فَغَدَا وَغَدَوْنَا مَعَهُ وَأَلْبَسَنَا كِسَاءً ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِیْ وَلَدِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَزَادَ رَزِيْنٌ وَاجْعَلِ الْخِلَافَةَ بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۷ ج ۲، باب مناقب العباس، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۶۲

**حل لغات:** غَدَا (نصر) غُدُوًّا صبح کو جانا، إلی كذا صبح کے وقت کسی جگہ آنا۔ أَلْبَسَنَا أَلْبَسَ فُلَانًا الثَّوْبَ کپڑا پہنانا (افعال)۔ كِسَاء اوڑھنے کی چادر (ج) أَكْسِيَة۔ تُغَادِرُ غَادَرَه مُغَادَرَةً وَ غِدَارًا چھوڑنا، باقی رکھنا، بچانا۔ عَقِبٌ ایڑی؛ ہر چیز کا آخر؛ بیٹا، اولاد؛ پوتا، پوتی جو باقی رہیں (ج) أَعْقَابٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ پیر کے دن صبح کو تم اپنی اولاد کو لے کر میرے پاس آنا، تاکہ میں تمہارے لئے دعا کروں، جس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد کو نفع پہنچائے، چنانچہ صبح کے وقت حضرت عباسؓ اور ان کے ساتھ ہم سب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرتؐ نے اپنی چادر مبارک ہم سب کو اڑھائی اور پھر یوں دعا فرمائی اے اللہ! عباس کو اور ان کی اولاد کو بخش دے اور ظاہر و باطن کی ایسی بخشش عطا فرما جو کوئی گناہ باقی نہ چھوڑے، الٰہی! عباس کو ان کی اولاد میں قائم و محفوظ رکھ (ترمذی) اور رزین نے اس دعا کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ امارت و بادشاہی کو ان کی اولاد میں باقی رکھ۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپ نے حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے دعا کی ہے، ان کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی اور بخشش مانگی ہے، یہ بھی آپ کے کمال تعلق کی دلیل ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** البسنا کساء آنحضرتؐ نے ان سب کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا، اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں ڈھانپ لیا ہے، اسی طرح رحمت خداوندی بھی ان کو ڈھانپ لے، پھر ان کو دعا دی "اللهم اغفر للعباس" یعنی اے اللہ ان کے ظاہری گناہ بھی معاف فرما اور انھیں بھی جو پوشیدہ طور پر سرزد ہوئے، جن کو اللہ علام الغیوب کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور یہ مغفرت و بخشش ایسی ہو کہ کوئی گناہ بھی بغیر بخشش کے نہ رہ جائے۔ تورپشتی فرماتے ہیں کہ ان کو چادر میں ڈھانپنا اس طرف اشارہ کرنے کے لئے تھا کہ یہ سب ایک ہی جان ہیں اور اللہ پاک ان سب کو آخرت میں ان کے تلے جمع کرے گا۔ رزین کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ خلافت و امارت ان میں باقی رہے چنانچہ حضور کی یہ دعا بھی قبول ہوئی اور ایک لمبی مدت تک خلافت بنو عباس میں رہی اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضورؐ امت کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ خلافت بنو عباس کا حق ہے، ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کو اس منصب پر فائز نہ کیا جائے۔ (رواہ الترمذی) یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔

## حدیث نمبر ۲۹۵۲ ﴿حضرت ابن عباسؓ کی خصوصیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۵۹

وَعَنْهُ أَنَّهُ رَأَى جِبْرِيْلَ مَرَّتَيْنِ وَدَعَا لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۷ ج ۲، باب مناقب عبداللّٰہ بن عباس، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۲۲

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے دو دفعہ حضرت جبرئیل کو دیکھا اور دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابن عباسؓ نے حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں حضرت جبرئیل کو عالم ملکوت میں دیکھا۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کی خصوصیت ہے۔ اسی طرح آپؐ نے ان کے لئے حکمت کی خصوصی دعا کی، جس کی بنا پر فہم قرآن میں وہ اکابر صحابہؓ سے بھی آگے بڑھ گئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رای جبرئیل مرتین حضرت ابن عباسؓ نے دو مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، ایک مرتبہ حدیث جبرئیل کے موقع پر جب جبرئیلؑ انسانی صورت میں صحابہ کے درمیان تشریف لائے تھے، اور ایمان اسلام احسان اور قیامت کے بارے میں سوال کئے تھے، اس وقت اور حضرات نے بھی جبرئیل کو دیکھا تھا۔ دوسری مرتبہ حضرت عباسؓ نے کسی ضرورت سے ابن عباسؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ وہ گئے تو نبیؐ کے پاس کوئی آدمی تھا، وہ لوٹ آئے اور ابا سے کہا کہ آپؐ کے پاس کوئی آدمی بیٹھا ہے اس لئے میں لوٹ آیا، پھر حضرت عباسؓ خود آئے تو کوئی نہیں تھا۔ حضرت عباسؓ نے ابن عباسؓ کی بات

ذکر کی تو آپؐ نے فرمایا، ''وہ جبرئیل تھے'' (یہ واقعہ طبقات ابن سعد میں ہے)۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے نبیؐ نے دو مرتبہ دعا کی، ایک مرتبہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے گھر استنجے کے لئے تشریف لے گئے تو ابن عباسؓ نے وضو کے لئے پانی رکھا۔ آپؐ نے پوچھا، پانی کس نے رکھا؟ بتایا گیا کہ عبداللہ نے رکھا۔ پس آپؐ نے ان کو فقہ وفہم کی دعا دی۔ دوسری مرتبہ جب آپ تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو ابن عباسؓ بائیں طرف کھڑے ہوئے، آپؐ نے ان کو دائیں طرف برابر میں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا تو وہ دائیں طرف ذرا پیچھے کھڑے ہوئے۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؐ نے پوچھا تم برابر کیوں نہیں کھڑے ہوئے؟ ابن عباسؓ نے جواب دیا، آپ اللہ کے نبی ہیں، میرے لئے برابر میں کھڑا ہونا مناسب نہیں۔ بس آپؐ نے پھر دعا دی اللھم علمه الحکمة اے اللہ اس کو حکمت سکھلا۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۲۹۵۳ ﴿حضرت ابن عباسؓ کیلئے حکمت کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۶۰**

وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ دَعَا لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُؤْتِيَنِيَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ مَرَّتَيْنِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۷ ج ۲، باب مناقب عبداللہ بن عباس، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۲۳

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے دو مرتبہ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے حکمت عطا فرمائے۔

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے حضرت ابن عباسؓ کو دعا دی ایک بار لفظ حکمت کے ساتھ دعا دی، یہ فرمایا اللھم علمه الحکمة اور دوسری بار فقہ کے لفظ سے دعا دی یعنی یہ فرمایا اللھم فقهه فی الدین۔ اور بظاہر یہ دونوں دعائیں آپؐ نے دو مختلف مجلسوں میں دی تھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الحکمة حکمت کا لفظ قرآن کریم میں مستعمل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ومن یؤتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا۔ جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کیا گیا۔ مگر یہاں جو حکمت کا لفظ مستعمل ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق محشی بخاری مولانا احمد سہارنپوری قدس سرہ نے بخاری شریف کے حاشیہ میں متعدد قول نقل کئے ہیں۔ بعض علماء نے کہا حکمت سے مراد قول میں درستگی اور اصابت رائے ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حکمت سے مراد دین کے اندر سمجھ بوجھ پیدا کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا کر دی تھی اور بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ حکمت سے مراد ایک نور ہے، جو الہام و وساوس کے درمیان خط امتیاز قائم کرتا ہے۔ دوسرے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد سرعت الجواب بالصواب ہے یعنی علی الفور درست اور صحیح جواب دینا۔ اور بعض علماءِ محدثین نے کہا ہے کہ حکمت سے مراد عقل ہی کی ایک کیفیت ہے جو کسی چیز کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال علماء نے لکھے ہیں۔ امام ابن وہبؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے حکمت کے متعلق سوال کیا، کہ حکمت سے کیا مراد ہے؟ تو انھوں نے فرمایا حکمت سے دین کی معرفت دین میں تفقہ پیدا کرنا اور اتباع سنت مراد ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ حکمت سے مراد حق و باطل کے درمیان فرق کرنا ہے۔ (تکمیل الحاجۃ)

**حدیث نمبر ۲۹۵۴ ﴿حضرت جعفر طیارؓ کی کنیت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۶۱**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ كَانَ جَعْفَرٌ يُحِبُّ الْمَسَاكِيْنَ وَيَجْلِسُ إِلَيْهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ وَيُحَدِّثُوْنَهُ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَنِّيْهِ بِأَبِي الْمَسَاكِيْنِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۷ ج۲، باب مناقب جعفر، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۶۶

**حل لغات:** الْمَسَاكِيْن (و) مِسْكِيْنٌ غریب و نادار، وہ شخص جس کے پاس بال بچوں کی کفایت بھر سامانِ زیست نہ ہو۔ يُكَنِّيْهِ كَنَّاهُ بِكَذَا تَكْنِيَةً کسی کو کوئی کنیت یا لقب دینا (تفعیل)۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جعفرؓ مسکین لوگوں سے محبت رکھتے ان کے پاس بیٹھتے اور ان سے گھل مل کر باتیں کیا کرتے، بایں وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو المساکین رکھی ہوئی تھی۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غریبوں اور مسکینوں کا بہت خیال رکھتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں جعفرؓ سے جب کوئی بات دریافت کرتا وہ پہلے مجھے اپنے گھر لیجا کر کھانا کھلاتے، پھر میری بات کا جواب دیتے، وہ مساکین کے بارے میں (رسول اللہ ﷺ کے استثنا کے ساتھ) سب سے بہتر شخص تھے، اسی لئے ان کا لقب ابو المساکین پڑ گیا تھا۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** **یحب المساکین** مساکین کے ساتھ بہت زیادہ تعلق اور ان کے ساتھ عمدہ برتاؤ کی وجہ سے حضورؐ نے ان کی کنیت ابو المساکین رکھ دی تھی، جیسا کہ حضرت علیؓ کی کنیت ابو تراب ان کے مٹی پر بیٹھنے کی وجہ سے رکھ دی گئی تھی، اسی طرح صوفی کو ابن الوقت یا ابو الوقت اور مسافر کو ابن السبیل کہہ دیا جاتا ہے۔

## حدیث نمبر ۲۹۵۵ ﴿حضرت جعفر طیارؓ کی خصوصیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۶۲

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ جَعْفَرًا يَطِيْرُ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِكَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ



**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۷ ج۲، باب مناقب جعفر، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۶۳

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جعفر کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** غزوۂ موتہ میں حضرت جعفرؓ شہید ہوگئے اور ان کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے، بعد میں آپؐ نے خواب میں یا کشف کے ذریعہ دیکھا کہ ان کو بازو کی جگہ دو پر ملے ہیں اور وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **یطیر فی الجنة مع الملائکة** غزوۂ موتہ (میم کا پیش، واؤ ساکن) میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سنبھالا تھا، آپؓ دوسرے کمانڈر مقرر کئے گئے تھے۔ آپؓ گھوڑے سے اتر پڑے اور اس کی کوچیں کاٹ دیں (تاکہ وہ دشمن کے کام نہ آئے) پھر آپ وار پر وار کرتے رہے، یہاں تک کہ دشمن کی ضرب سے آپ کا داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ آپؓ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا، وہ بھی کٹ گیا تو باقی ماندہ بازوؤں سے جھنڈا آغوش میں لے لیا، اور اس وقت تک بلند رکھا جب تک خلعتِ شہادت سے سرفراز نہ ہوگئے۔ پھر دشمن نے ایسی تلوار ماری کہ آپؓ کے دو ٹکڑے ہوگئے اللہ نے آپ کو دو بازوؤں کے عوض جنت میں دو پر عنایت فرمائے، جن کے ذریعہ وہ جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں۔ اسی لئے ان کا لقب جعفر طیار اور ذو الجناحین پڑ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے جعفر کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا۔ یہ حدیث ضعیف ہے، علی مدینی کے والد عبد اللہ بن جعفر ضعیف راوی ہیں، ابن معین وغیرہ نے ان کی تضعیف کی ہے۔ مگر یہ حدیث اور متعدد صحابہ سے بھی مروی ہے۔ اس لئے شواہد کی وجہ سے قابل اعتبار ہے۔ طبرانی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے، نبی کریمؐ نے فرمایا، میں (خواب میں) گزشتہ رات جنت میں گیا، پس میں نے جعفر کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے

ہوئے دیکھا۔ اس کے علاوہ فتح الباری میں اور بھی روایات ہیں پس یہ فضیلت ثابت ہے گو یہ روایت ضعیف ہے۔

**سوال:** شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں (کے پوٹوں) میں ہوتی ہیں، وہ جنت کے پھلوں سے کھاتی ہیں، پس جب بھی شہداء جنت میں جاتے ہیں تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی خصوصیت کیا رہی؟

**جواب:** حضرت جعفرؓ کی دو خصوصیتیں ہیں، اول: شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں بیٹھ کر یعنی ہرے رنگ کے ہوائی جہازوں کی اگلی سیٹ پر بیٹھ کر جنت میں جاتی ہیں اور وہاں چگتی چرتی ہیں پھر واپس آ جاتی ہیں یعنی دوسروں کے پروں سے اڑ کر جاتی ہیں۔ اور حضرت جعفرؓ خود اپنے پروں سے اڑ کر جاتے ہیں اور دونوں میں فرق واضح ہے۔ دوم: شہداء کی روحیں تنہا جاتی ہیں ان کو کوئی لینے نہیں آتا اور وہ چر چگ کر واپس آ جاتی ہیں اور حضرت جعفرؓ فرشتوں کے جھرمٹ میں جاتے ہیں اور جہاں اور جب تک چاہتے ہیں گھومتے ہیں، یعنی حضرت جعفرؓ کو میزبان کے فرستاد لینے آتے ہیں اور پورے اعزاز کے ساتھ لے جاتے ہیں اور دوسرے شہداء اپنے طور پر جاتے ہیں ان کو کوئی لینے نہیں آتا یہ حضرت جعفرؓ کا امتیاز ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۲۹۵۶ ﴿حضرت حسنین جوانانِ جنت کے سردار ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۶۳

وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۷ ج ۲، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۶۸

**حل لغات:** شَبَاب (و) شَابٌّ جوان لڑکا جو بالغ ہو گیا ہو لیکن مکمل مرد نہ ہوا ہو (ج) شُبَّانٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن اور حسین دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے، یہاں تک کہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو متواتر کہا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دنیا میں جوانی میں فوت ہوئے، حسنین رضی اللہ عنہما آخرت میں ان کے سردار ہوں گے۔ پس یہ سوال ختم ہو گیا کہ جنت میں سبھی جوان ہوں گے۔ ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے، پھر جوانوں کے سردار ہونے کا کیا مطلب۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** سیدا شباب اهل الجنة بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرات حسنین تمام اہل جنت کے سردار ہوں گے، لیکن انبیاء اور خلفائے راشدین مستثنیٰ ہیں، یعنی ان سے یہ حضرات افضل نہ ہوں گے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنت میں بہت سے لوگوں کو سرداری کا امتیاز ملے گا ان میں حضرات حسنین بھی ہیں، لہٰذا دیگر اکابر صحابہؓ مثلاً خلفائے راشدین پر ان کی اس حدیث سے فضیلت ثابت نہیں ہے۔

## حدیث نمبر ۲۹۵۷ ﴿حضرات حسنینؓ پھول کے مانند ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۶۴

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ هُمَا رَيْحَانَيَّ مِنَ الدُّنْيَا
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَدْ سَبَقَ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۸ ج ۲، باب مناقب الحسن والحسین، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۷۰

**ترجمہ:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن اور حسین دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ روایت پہلی فصل میں بھی گزر چکی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** آپ علیہ السلام اپنے لئے حضرات حسنین کے محبوب ومرغوب ہونے کو بیان کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جیسے ریحان اور ریحانہ یعنی خوشبودار پودا، کلی یا گلدستہ خوشبودار ہوتا ہے اور اسے سونگھ کر لطف اندوز ہوا جاتا ہے، ایسے ہی میرے پھول حسن اور حسین ہیں، جنھیں میں سونگھتا ہوں اور فرحت ولذت محسوس کرتا ہوں، اور ویسے بھی بچوں کا بوسہ لیا ہی جاتا ہے۔ اور طبرانی کی روایت ہے ابوایوبؓ سے وہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ کے پاس گیا تو آپ کے سامنے حسن اور حسین کھیل رہے تھے، میں نے آپ سے پوچھا "اتحبهما يا رسول الله" رسول اللہ! کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "كيف لا وهما ريحانتای من الدنيا اشمّهما" کیوں اور کیسے نہیں؟ وہ تو دنیا میں میرے پھول ہیں، جنھیں میں سونگھتا ہوں۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** ریحانای خوشبو کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اور رزق کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے، رزق کے معنی یوں ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دو مہکتے ہوئے پھول عطا کئے ہیں، اس معنی کے لئے رزقنی اللہ کی تعبیر آتی ہے۔ وقد سبق صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ یہ حدیث فصل اول میں بھی گزر چکی ہے اس کو دوبارہ کیوں ذکر کر دیا۔ سید جمال الدین فرماتے ہیں کہ یہ تکرار محض نہیں ہے، اس لئے کہ وہ حدیث بخاری کے حوالے سے نقل کی گئی تھی اور فصل اول میں صحیحین کی روایات ذکر کرنے کا التزام کیا گیا ہے اور یہ روایت ترمذی کے حوالے سے ذکر کی گئی ہے اور یہ دوسری فصل ہے نیز دونوں روایتوں کے الفاظ بھی فی الجملہ مختلف ہیں۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۹۵۸ ﴿حسنین سے محبت کرنیوالوں کو دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۶۵**

وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍؓ قَالَ طَرَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي بَعْضِ الْحَاجَةِ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى شَيْءٍ لَا أَدْرِيْ مَا هُوَ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِيْ قُلْتُ مَا هٰذَا الَّذِيْ أَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ فَكَشَفَهُ فَإِذَا الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلٰى وَرِكَيْهِ فَقَالَ هٰذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِيْ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص۲۱۷ ج۲، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۶۹

**حل لغات:** طَرَقْتُ طَرَقَ الْقَوْمَ (ن) طَرْقًا وطُرُوْقًا رات کے وقت آنا۔ مُشْتَمِلٌ اِشْتَمَلَ على كذا مشتمل ہونا، حاوی ہونا، اپنے اندر لئے ہوئے ہونا۔ كَشَفَ الشَّيْءَ وعنه (ض) كَشْفًا کھولنا، پردہ ہٹانا۔ وَرِكَيْهِ وَرِكٌ کا تثنیہ، ران کا بالائی حصہ، کولہا، سرین۔

**ترجمه:** حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں رات میں کسی ضرورت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ اس حال میں باہر تشریف لائے کہ کسی چیز کو اپنے ساتھ لپیٹے ہوئے تھے اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ چیز کیا تھی؟ پھر جب میں اپنی ضرورت کو پورا کر چکا تو میں نے آپؐ سے پوچھا کہ یہ کیا چیز آپ نے لپیٹ رکھی ہے؟ آپؐ نے اس چیز کو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حسنؓ وحسینؓ ہیں جو آپؐ کے دونوں کولہوں پر تھے اور پھر فرمایا، یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، خداوند میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ اور ہر اس شخص کو محبوب رکھ جو ان دونوں کو محبوب رکھے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس روایت سے معلوم ہوا کہ بیٹی کی اولاد یعنی نواسے بھی حکماً بیٹے ہی ہوتے ہیں اور جس طرح باپ کی طرف سے نسب باعث شرف وفضیلت ہوتا ہے، اسی طرح ماں کی طرف سے بھی نسب باعث شرف ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** واحب من يحبهما یہ دعا آپؐ نے حضرات حسنینؓ سے محبت رکھنے پر ترغیب دینے کے لئے فرمائی۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۱۴۲-۶۱۴۳ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۵۹ ﴿شہادت حسینؓ کی اطلاع دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٦٦**

وَعَنْ سَلْمٰى قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقُلْتُ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِيْ فِي الْمَنَامِ وَعَلٰى رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهِ التُّرَابُ فَقُلْتُ مَا لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ اٰنِفًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۸ ج ۲، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۷۱

**حل لغات:** لِحْيَةٌ داڑھی (ج) لِحىً و لُحىً۔ آنِفًا قریب ہی میں، ابھی ابھی۔

**ترجمہ:** حضرت سلمٰیؒ کہتی ہیں، میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی، آپ رو رہی تھیں۔ میں نے آپ سے پوچھا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ کے سر اور داڑھی پر مٹی تھی۔ میں نے پوچھا، یا رسول اللہ! آپ کا یہ حال کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا، میں نے ابھی حسین کا قتل دیکھا۔ ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصہ حدیث:** حضرت ام سلمہؓ کی وفات شہادت حسینؓ سے پہلے ۵۹ھ میں ہوگئی تھی، لیکن آپ نے بطور پیشین گوئی واقعہ کے وقوع سے پہلے ہی بتا دیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** قتل الحسین حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۰ رمحرم الحرام ۶۱ھ میں شہید ہوئے۔ آنفا، یہ کلمہ آپ نے اس صورت حال کی تحقیق کے اعتبار سے فرمایا، شہادت حسین سے متعلق تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ۶۱۷۹ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۶۰ ﴿آپؐ کا حضرات حسنینؓ کو سونگھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٦٧**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَيُّ أَهْلِ بَيْتِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَكَانَ يَقُوْلُ لِفَاطِمَةَ اُدْعِيْ لِيَ ابْنَيَّ فَيَشُمُّهُمَا وَيَضُمُّهُمَا إِلَيْهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۸ ج ۲، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۷۲

**حل لغات:** یشم شَمَّ (ن) شَمًّا سونگھنا۔ یضم (ض) (ن) ضَمًّا چمٹانا، ملانا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا آپ کو اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ آپ نے فرمایا حسن اور حسین، اور آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کرتے تھے، میرے لئے میرے دونوں بیٹوں کو بلاؤ، پھر آپ ان دونوں کو سونگھتے تھے، اور دونوں کو اپنے سے چمٹاتے تھے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصہ حدیث:** آپ کے دونوں نواسے پھول کے مانند تھے، لہٰذا آپ غایت محبت میں ان کو سونگھتے تھے، اور ان کو چمٹاتے تھے، معلوم ہوا کہ آپ کے نواسوں سے محبت آپ سے محبت کی دلیل ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** فَيَشُمُّهُمَا آپ حضرات حسنینؓ کو بلا کر سونگھتے تھے۔ تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۶۱۴۲ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۶۱ ﴿حضرات حسنینؓ کو گود میں بٹھانا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٦٨**

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُنَا إِذْ جَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا قَمِيْصَانِ أَحْمَرَانِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَهُمَا

وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللّٰهُ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ نَظَرْتُ إِلَى هٰذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى قَطَعْتُ حَدِيْثِيْ وَرَفَعْتُهُمَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۱۸ ج ۲، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۷۴، ابوداؤد، ص ۱۵۸ ج ۱، باب الامام یقصر الخطبة، کتاب الصلوة، حدیث ۱۱۰۹، نسائی، ص ۱۵۹ ج ۱، باب نزول الامام، کتاب الجمعة، حدیث ۱۴۱۳

**حل لغات:** يَعْثُرَانِ عَثَرَ (ن ض) عَثْرًا و عِثَارًا ٹھوکر کھانا، ٹھوکر لگنا۔ قَطَعْتُ قَطَعَ الحدِيثَ (ف) بات منقطع کرنا۔ رَفَعْتُ رَفَعَ الشيءَ (ف) رَفْعًا اٹھانا۔

**ترجمه:** حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، کہ اچانک حسنؓ اور حسینؓ آگئے، دونوں سرخ کرتے پہنے ہوئے تھے، اور اس طرح چل کر آرہے تھے کہ گر پڑتے تھے، چنانچہ رسول کریم منبر سے اتر آئے، اور ان دونوں کو اپنی گود میں اٹھالیا، پھر انکو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے، "انما اموالکم واولادکم فتنة" میں نے ان دو بچوں کو دیکھا گرتے پڑتے چلے آرہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہوسکا، اور میں نے اپنی وعظ ونصیحت کا سلسلہ منقطع کیا اور منبر سے اتر کر انکو گود میں اٹھالیا۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی)

**خلاصہ حدیث** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ترک کر کے اپنے ان شہزادوں کو اٹھانا اس شفقت ومحبت کی وجہ سے تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں موجزن تھی، اور اولاد واطفال پر رحمت وشفقت مستحسن، مستحب اور پسندیدہ ہے، اور خطبہ کے دوران یہ عمل جائز ہے، اور عبادات کے تداخل کی قسم میں سے ہے۔ حضورؐ کا عذر بیان کرنا اور خطبہ کے دوران بچوں کو اٹھانے کی وجہ بیان کرنا آپ کی کسر نفسی اور تواضع ہے اور ساتھ ہی اصحابؓ کو اس پر تنبیہ کرنا ہے، اس طرح کے کاموں کی عادت نہ بنائیں، اور خطبہ کے دوران اس طرح کے کاموں کو سہل وآسان نہ سمجھیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ان شہزادوں کو اٹھانا اس وجہ سے تھا تاکہ عنداللہ وعندالناس ان کا رتبہ اور مقام بلند ہو، اس کے بعد حضورؐ نے دوبارہ خطبہ شروع فرمایا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فنظر رسول الله صلى الله عليه وسلم من المنبر عارض کی وجہ سے خطیب خطبہ منقطع کرسکتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام فی الخطبہ جائز ہے، خطیب کا کلام اگر امر بالمعروف کے قبیل سے ہو یا کسی ضرورت یا مجبوری کی وجہ سے ہو تو بالاتفاق جائز ہے ورنہ بلاضرورت کلام حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن خطبہ اس سے فاسد نہیں ہوتا۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ان دونوں کا بار بار گرنا کمسنی کی وجہ سے تھا، بہت چھوٹے تھے، لیکن حضرت نے بذل میں لکھا ہے کہ ایسا نہیں کیوں کہ اس وقت ان کی عمر بظاہر چار سال اور تین سال کی تھی، اس لئے کہ حسنؓ کی پیدائش رمضان ۳ھ میں ہے اور حسینؓ کی شعبان ۴ھ میں، اور منبر کی بناء ۸ھ یا ۷ھ میں ہے، اور تین چار سال کا بچہ اتنا چھوٹا اور کمزور نہیں ہوتا کہ بار بار گرے، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ گرنا طول قمیص کی وجہ سے تھا، وہ اپنے قمیص میں اٹک اٹک کر گر رہے تھے۔ حضرت کی رائے کی تائید بعض الفاظ روایت سے ہوتی ہے، چنانچہ نسائی ص ۲۰۹ کی روایت کے لفظ ہیں، یعثران فی قمیصهما۔ (الدر المنضود)

## حدیث نمبر ۲۹۶۲ ﴿حضرت حسینؓ سے اظہار تعلق﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۶۹

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُسَيْنٌ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ۲۱۸ ج ۲، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۷۵

**حل لغات:** سِبْطٌ پوتا، نواسہ (ج) أَسْبَاطٌ، قبیلہ۔

**ترجمہ:** حضرت یعلی بن مرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرتا ہے، حسین اسباط میں سے سبط ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** جملہ صحابہ کرامؓ اور دیگر تمام لوگ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت حسینؓ آپؐ ہی کے خاندان کے ایک فرد ہیں، اور آپؐ کے نواسے ہیں، مگر بایں ہمہ حضور اکرمؐ فرمارہے تھے کہ حضرت حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حضرت حسینؓ سے ہوں، درحقیقت ان کیساتھ محبت اخوت اور حسن سلوک کی طرف توجہ دلانا ہے، کہ حضرت حسینؓ سے محبت رکھنا، گویا آپؐ ایمانی بصیرت اور خدائی الہام سے بخوبی سمجھ رہے تھے کہ حضرت حسینؓ پر ایک طبقہ ظلم کریگا، ان کیساتھ عداوت ونفرت اور بغض رکھے گا، اسلئے آپؐ نے خاص طور پر حضرت حسینؓ کیساتھ حسن سلوک، اخوت ومحبت کی ترغیب دی، بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو معلوم ہوگیا تھا کہ حضرت حسینؓ شہید ہوں گے۔ (تکمیل الحاجۃ)

**کلمات حدیث کی تشریح** حسین منّی وانا من حسین محاورہ میں اس کا مفہوم ہے کہ حسین میرے ہیں اور میں حسین کا ہوں، یہ جملہ یگانت واتحاد پر دلالت کرتا ہے۔ دو شخصوں کا مزاج ملتا جلتا ہو تو یہ جملہ استعمال کرتے ہیں، جیسے اردو میں محاورہ ہے شیر وشکر ہونا۔ یہ جملہ آپؐ نے حضرت حسینؓ کے علاوہ بھی بعض دیگر صحابہ کے لئے استعمال کیا ہے۔ احب اللہ من احب حسینا ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فان محبتهٗ محبة الرسول ومحبة الرسول محبة اللّٰہ۔ حسینؓ کی محبت رسولؐ کی محبت ہے اور رسولؐ کی محبت اللہ کی محبت ہے۔ حسین سبط من الاسباط اس کی شرح میں چند اقوال منقول ہیں سبط یہاں قبیلہ کے معنی میں ہے۔ المقصود الاخبار فی بقائه وکثرة اولاده المراد انه امة من امم الاخیر۔ یعنی سورۂ ہود ۶۵ میں ان ابراھیم کان امة کی طرح حضرت حسینؓ کو بھی ایک امت قرار دیا ہے۔ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انه حقیق بذالك واهل له، یعنی وہ نواسہ ہونے کے مستحق اور انکے اہل ہیں، ورنہ صلبی اولاد ہونے کے باوجود حضرت نوحؑ کے بیٹے کو "انه لیس من اهلك" کہہ دیا گیا۔ مذکورہ تینوں توجیہ اہمیت کی حامل ہیں، لیکن ذوق ایک چوتھی توجیہ کا بھی تقاضہ کرتا ہے وہ یہ کہ سبط کو نکرہ تعظیم وتفہیم کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ لا تزال طائفة من امتی میں ہے اور مطلب یہ ہوا کہ وہ روئے زمین کے تمام نواسوں میں سب سے عظیم وبلند مقام نواسے ہیں۔ (ضیاء السنن)

**حدیث نمبر ۲۹۶۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۷۰**

## ﴿حضرات حسنینؓ کی آپؐ کے ساتھ مشابہت کا تذکرہ﴾

وَعَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ اَلْحَسَنُ اَشْبَهَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الصَّدْرِ إِلَى الرَّأْسِ وَالْحُسَيْنُ أَشْبَهَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۱۸ ج ۲، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۷۹

**حل لغات:** الصدر انسان کا سینہ (ج) صُدُور۔ أسْفَل، أعلی کی ضد، نیچے۔

**ترجمہ:** حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حسنؓ سینے سے سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہیں اور حسینؓ اس سے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت حسنؓ چوں کہ بڑے تھے تو مشابہت میں ان کو اوپر والا حصہ مل گیا اور حضرت حسینؓ چھوٹے تھے تو ان کو نچلا حصہ پاؤں اور ٹانگوں کی مشابہت حاصل ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں صاحبزادے اپنے والدین سے مشابہ نہیں تھے بلکہ نانا کے مشابہ تھے۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** اشبہ اسم تفضیل نہیں ہے، بلکہ فعل ماضی ہے، حضرت حسینؓ ران پنڈلی قدم وغیرہ کے اعتبار سے حضورؐ سے زیادہ مشابہ تھے، گویا دونوں نواسے حضورؐ سے مشابہ تھے اور یہ صاحب البیت حضرت علیؓ کی بات ہے جوکہ فیصلہ کن بات ہے۔

**حدیث نمبر ۲۹۶٤ ﴿حضرات حسنینؓ اور انکی والدہ کی منقبت﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٧١**

وعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِأُمِّي دَعِيْنِي اٰتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُصَلِّيَ مَعَهُ الْمَغْرِبَ وَأَسْأَلُهُ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لِي وَلَكِ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الْمَغْرِبَ فَصَلَّى حَتّٰى صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ انْفَتَلَ فَتَبِعْتُهُ فَسَمِعَ صَوْتِيْ فَقَالَ مَنْ هٰذَا حُذَيْفَةُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَا حَاجَتُكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِأُمِّكَ إِنَّ هٰذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الْأَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ اِسْتَأْذَنَ رَبَّهُ أَنْ يُّسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرَنِيْ بِأَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۸ ج ۲، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۸۱

**حل لغات:** دَعِيْنِي وَدَعَ (ف) وَدْعًا چھوڑنا۔ اِنْفَتَلَ انفتالاً پھرجانا (انفعال)۔ مَلَكٌ فرشتہ (ج) مَلَائِكَةٌ فرشتے۔ يُبَشِّرُنِي بَشَّرَ بكذا تَبْشِيْرًا خوشخبری دینا (تفعیل)

**ترجمہ:** حضرت حذیفہ بن الیمانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج مغرب کی نماز جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھوں اور پھر آنحضرتؐ سے درخواست کروں کہ وہ میرے اور آپ کے لئے بخشش کی دعا مانگیں، پس میں آنحضرتؐ کے پاس آ گیا اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی آپؐ نوافل پڑھتے رہے، یہاں تک کہ پھر عشاء کی نماز پڑھی اور جب آپؐ نماز سے پھرنے لگے، تو میں آپؐ کے پیچھے چلنے لگا، پس جب آپؐ نے میری آواز سن لی تو فرمایا کون ہے، کیا حذیفہ ہے؟ اللہ تمہیں اور تمہاری ماں کو بخشش سے نوازے (دیکھو) یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس (فرشتہ) نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت لی ہے کہ زمین پر آ کر مجھ کو سلام کرے اور مجھ کو یہ خوش خبری سنائے کہ فاطمہؓ جنتی عورتوں کی سردار ہے، اور حسنؓ وحسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب سے عشا تک وقت کو نوافل وغیرہ میں مشغول رکھنا باعث فضیلت ہے، نیز حضرات حسنینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ان کی والدہ حضرت فاطمہؓ جنتی عورتوں کی سردار ہیں، آپؐ کو اس بات کی خوش خبری دی گئی اور اس معاملہ کی اہمیت کی وجہ سے ایک خصوصی فرشتہ کو نازل کر کے اس کے ذریعہ خوش خبری دی گئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** سیدا شباب اهل الجنة عالمی حدیث ٦١٦٣ دیکھیں۔ غفر اللہ لک حضرت حذیفہ کے درخواست کرنے سے پہلے آپؐ نے ان کے اور ان کی والدہ کے لئے دعا مغفرت فرما دی، گویا آپ کو اللہ کی طرف سے ان کی آمد کے مقصد پر مطلع کر دیا گیا، یہ آپؐ کا معجزہ ہے۔

**حدیث نمبر ۲۹۶۵ ﴿حضرت حسنؓ کو کاندھے پر سوار کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٧٢**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَامِلًا الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهِ فَقَالَ رَجُلٌ نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ۲۱۸ ج ۲، باب مناقب الحسن، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۸۴

**حل لغات:** نِعْمَ فعل مدح جس کے دیگر صیغے نہیں آتے اور اپنے مابعد اسم کی مدح کے لئے آتا ہے،نِعْمَ الرَّاکِب کیا ہی اچھا سوار ہے۔اَلْمَرْکَب سواری (ج)مَرَاکِبُ۔رَکِبْتَ رَکِبَ الشَّیْءَ وعلیه وفیه (س) رُکُوْبًا ومَرْکَبًا سوار ہونا۔

**ترجمه:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ بن علیؓ کو اپنے کندھے پر اٹھایا ہوا تھا تو ایک آدمی نے کہا اے لڑکے کیا خوب سواری پر سوار ہوئے ہو۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ سوار بھی بہت خوب ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے حضرت حسنؓ کی کمال تعریف اور انتہائی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نعم الراکب کہنے والے آدمی نے فضیلت کو آنحضرتؐ کے ساتھ خاص کیا کہ یہ مرکب اور سواری بہت اچھی ہے؛ کیوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں جس پر اے حسن تو سوار ہے۔ آنحضرتؐ نے اس فضیلت کو حضرت حسنؓ کی طرف منتقل کیا اور فرمایا کہ مرکب کے ساتھ ساتھ یہ راکب اور سوار حسنؓ بھی بہترین اور بہت اچھا ہے۔

## حدیث نمبر ۲۹۶۶ ﴿حضورؐ کے محبوبوں کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۷۳

وَعَنْ عُمَرَؓ أَنَّهُ فَرَضَ لِأُسَامَةَ فِيْ ثَلَاثَةِ آلَافٍ وَخَمْسِ مِائَةٍ وَفَرَضَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِيْ ثَلَاثَةِ آلَافٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِأَبِيْهِ لِمَ فَضَّلْتَ أُسَامَةَ عَلَيَّ فَوَاللّٰهِ مَا سَبَقَنِيْ إِلٰى مَشْهَدٍ قَالَ لِأَنَّ زَيْدًا كَانَ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَبِيْكَ وَكَانَ أُسَامَةُ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ فَآثَرْتُ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَبِيْكَ وَكَانَ أُسَامَةُ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ فَآثَرْتُ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِبِّيْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۲۱ ج ۲، باب مناقب زید، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۱۳

**حل لغات:** فَرَضَ له (ض) فَرْضًا حصہ مقرر کرنا۔فَضَّلْتَ فضَّلَه علی غَیْرِه تَفْضِیلًا دوسرے پر کسی کو ترجیح دینا (تفعیل)۔ مَشْهَد شہادت گاہ، میدان جنگ، معرکہ (ج) مَشَاهِد۔ آثَرْت آثَرَهُ إِیْثَارًا ترجیح دینا، پسند کرنا (افعال)۔ حِبّ محبوب (ج) أَحْبَاب وحِبَّان وحِبَبَة۔

**ترجمه:** حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ کا ساڑھے تین ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کا تین ہزار۔ ابن عمرؓ نے عرض کیا آپؓ نے اسامہؓ کو مجھ پر کیوں ترجیح دی؟ بخدا انھوں نے مجھ سے کسی جنگ کی طرف سبقت نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے ان کو اس لئے برتری دی ہے کہ زیدؓ بن حارثہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؓ کے والد سے زیادہ محبوب تھے، اور اسامہؓ رسول اللہؐ کو آپؓ سے زیادہ محبوب تھے، پس میں نے رسول اللہؐ کے محبوب کو اپنے محبوب پر ترجیح دی۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس روایت سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ محبوب ہونا الگ چیز ہے اور افضل ہونا الگ ہے، کسی کے زیادہ محبوب ہونے سے اس کا افضل ہونا لازم نہیں آتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت زیدؓ تیرے باپ یعنی خود حضرت عمرؓ سے اور حضرت اسامہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضورؐ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت زیدؓ سے افضل تھے، اور حضرت ابن عمرؓ حضرت اسامہؓ سے لیکن حضرت عمرؓ نے افضلیت سے قطع نظر کر کے محبوبیت کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت اسامہؓ کے لئے وظیفہ زیادہ مقرر فرمایا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مشهد مراد علم وعمل کے میدان میں حاضر ہونا ہے، یا کفار کے خلاف قتال کے لئے حاضر ہونا۔ مقصد یہ تھا کہ میں حضرت اسامہ بن زیدؓ سے ہر اعتبار سے افضل ہوں۔ وکان اسامة احب حضرت

اسامہؓ وحضرت زیدؓ حضورؐ کو بہت محبوب تھے؛ کیوں کہ وہ ایک اعتبار سے حضورؐ کے اہل خانہ میں سے تھے۔ فاثرت حضرت عمرؓ کے دل میں نبی کی ایسی عقیدت تھی کہ آپؐ کے متعلقین کو اپنے متعلقین پر ترجیح دی۔

**حدیث نمبر۲۹۶۷ ﴿آپؐ کا حضرت زیدؓ کو ترجیح دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۷۴**

وَعَنْ جَبَلَةَ بْنِ حَارِثَةَؓ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْعَثْ مَعِيَ أَخِيْ زَيْدًا قَالَ هُوَ ذَا فَإِنِ انْطَلَقَ مَعَكَ لَمْ أَمْنَعْهُ قَالَ زَيْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا أَخْتَارُ عَلَيْكَ أَحَدًا قَالَ فَرَأَيْتُ رَأْيَ أَخِيْ أَفْضَلَ مِنْ رَأْيِيْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۱ ج۲، باب مناقب زید، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۱۵

**حل لغات:** أَخْتَارُ اختَار الشَّيْءَ عَلٰى غيره اختيارًا ترجیح دینا (افتعال)۔ رَأْيٌ رائے (ج) آرَاءٌ۔

**ترجمہ:** حضرت جبلہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ یارسول اللہؐ میرے بھائی زید کو میرے ساتھ بھیج دیجئے۔ فرمایا کہ وہ موجود ہیں اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہیں تو میں نہیں منع کروں گا۔ حضرت زیدؓ عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! میں کسی کو آپؐ پر ترجیح نہیں دوں گا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بھائی کی رائے کو اپنی رائے سے افضل دیکھا۔ (ترمذی)



**خلاصۂ حدیث** حضرت زیدؓ نے غلامی میں آپ کیساتھ زندگی گزارنے کو ترجیح دی اور اپنے گھر والوں کے ساتھ وطن جا کر راحت کی زندگی گزارنے سے منع کر دیا، یہ حضورؐ سے کمالِ محبت کی دلیل ہے۔ تفصیل کیلئے عالمی حدیث ۶۱۵۱ دیکھ لیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فرأيت رأي اخي افضل من رأيي اگر جبلہ بھائی کو لیکر چلے جاتے تو معلوم نہیں نبوت کے بعد آتے یا نہ آتے؟ اور ایمان کی دولت نصیب ہوتی یا نہ ہوتی؟ اور جب حضرت زیدؓ نبیؐ سے جدا نہ ہوئے تو انکو بھی ایمان نصیب ہوا اور جبلہ کو بھی، یہ متاعِ گرانمایہ بدست آئی۔ پس حضرت زیدؓ کا فیصلہ جبلہؓ کے فیصلہ سے بہتر ثابت ہوا۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر۲۹۶۸ ﴿مرض الوفات میں اسامۃؓ کے لئے دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۷۵**

وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍؓ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَبَطْتُ وَهَبَطَ النَّاسُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أُصْمِتَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَيْهِ عَلَيَّ وَيَرْفَعُهُمَا فَأَعْرِفُ أَنَّهُ يَدْعُوْ لِيْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۲ ج۲، باب مناقب اسامہ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۱۷

**حل لغات:** ثَقُلَ الْمَرِيْضُ كَرُمَ ثِقَلًا وَثَقَالَةً بیماری کا بڑھ جانا۔ هَبَطَ (ضرب) هُبُوْطًا اترنا۔ أُصْمِتَ أَصْمَتَ الْعَلِيْلُ بیمار کی زبان بند ہو جانا (بول نہ سکنا)۔

**ترجمہ:** حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بڑھ گئی تو میں مدینہ میں اترا اور لوگ بھی اترے، پس میں رسول اللہؐ کے پاس آیا، جب کہ آپ کی زبان بند ہو گئی تھی، پس آپؐ بول نہیں سکے۔ آپؐ اپنے دونوں ہاتھ میرے اوپر رکھتے تھے اور انکو اٹھاتے تھے، چنانچہ میں سمجھ گیا کہ آپ میرے لئے دعا کر رہے ہیں، ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** صفر ۱۱ ہجری میں نبیؐ نے آخری فوجی مہم ترتیب دی اور اس کا سپہ سالار حضرت اسامہؓ کو بنایا، لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے تین میل دور مقام جرف میں خیمہ زن ہو گیا، لیکن رسول اللہؐ کی بیماری سے متعلق تشویشناک خبروں کے سبب

آگے نہ بڑھ سکا، بلکہ اللہ کے فیصلے کے انتظار میں وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہوگیا۔ آخر وقت میں حضرت اسامہؓ لشکریوں کے ساتھ ملاقات کے لئے مدینہ میں آئے۔ اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے، یہ لشکر وفاتِ نبوی کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے روانہ کیا اور یہی آپ کی خلافت کی پہلی فوجی مہم قرار پائی۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** ثقل مرض الموت کی شدت کی طرف اشارہ ہے۔ ھبط ملاقات اور عیادت کے لئے آنے اور اترنے کے معنی میں ہے۔ اصمت یعنی شدت مرض کی وجہ سے آپؐ غنودگی میں تھے اور باتیں بند ہوگئی تھیں، یہ ایک حالت کا واقعہ ہے، ورنہ دوسری حالت میں آنحضرتؐ نے حضرت اسامہؓ کے لئے جنگی جھنڈے باندھ کر انھیں رخصت فرمایا تھا اور یہ آخری ملاقات تھی۔ لیکن شیخ عبدالحقؒ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ حضرت اسامہؓ کا لشکر جب مدینہ سے کچھ باہر پڑاؤ کئے ہوئے تھا اور آنحضرتؐ کی بیماری میں شدت آگئی، تو اس وقت حضرت اسامہؓ عیادت کے لئے حاضر ہوئے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے کہ شدت مرض کی وجہ سے آنحضرتؐ کلام نہیں کر سکتے تھے۔ یرفعھا یعنی ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاتے اور اشارہ فرماتے، جس سے میں نے اندازہ کیا کہ حضور اکرمؐ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۹۶۹ ﴿حضرت اسامہؓ سے محبت رکھنے کی تلقین﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۷۶**

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُنَحِّيَ مُخَاطَ أُسَامَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ دَعْنِيْ حَتّٰى أَنَا الَّذِيْ أَفْعَلُ قَالَ يَا عَائِشَةُ أَحِبِّيْهِ فَإِنِّيْ أُحِبُّهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۲ ج ۲، باب مناقب اسامۃ، کتاب المناقب، ۳۸۱۸

**حل لغات:** يُنَحِّي نَحَّى الشَّيْءَ تَنْحِيَةً ہٹانا، ایک طرف کرنا (تفعیل)۔ مُخَاط ناک کی ریزش، رینٹ۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اسامہ کی رینٹ صاف کریں، حضرت عائشہؓ نے کہا مجھے اس کا موقع دیں، میں ہی یہ کام کروں۔ آپؐ نے فرمایا، اسامہ سے محبت کرو کیوں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** جس طرح بچوں کے بچپن میں ناک بہتی ہے، اسی طرح حضرت اسامہ کی ناک بہہ رہی تھی حضورؐ نے اس کو صاف کرنا چاہا تو ادب کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میں ناک صاف کر دیتی ہوں۔ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو نصیحت کی کہ اسامہؓ سے محبت کرو یعنی اگر بالطبع اس سے محبت نہ ہو تو اس وجہ سے اس سے محبت کرو کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں؛ کیوں کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے، اور کمال محبت یہ ہے کہ محبت محبوب سے گزر کر اس کے متعلقین میں سرایت کر جائے خواہ وہ آدمی ہو یا کوئی چیز ہو۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** فانی احبہ حضرت اسامہؓ آپؐ کے لئے پوتے کی طرح تھے آپؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے اور آپؐ کی محبت کی وجہ سے صحابہؓ بھی ان سے محبت کرتے تھے، جیسا کہ روایت گزری کہ حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ سے زائد مقرر کیا تھا، جب کہ عبداللہ بن عمرؓ فضل وکمال میں حضرت اسامہؓ سے بلند رتبہ رکھتے تھے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۱۷۳ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۷۰ ﴿آپؐ کی حضرت اسامہؓ سے محبت کی شدت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۷۷**

وَعَنْ أُسَامَةَؓ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا إِذَا جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَأْذِنَانِ فَقَالَا لِأُسَامَةَ اِسْتَأْذِنْ لَنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَأْذِنَانِ فَقَالَ أَتَدْرِيْ مَا جَاءَ بِهِمَا قُلْتُ

لَا قَالَ لٰكِنِّيْ أَدْرِيْ اِئْذَنْ لَهُمَا فَدَخَلَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جِئْنَاكَ نَسْأَلُكَ أَيُّ أَهْلِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ قَالَا مَا جِئْنَاكَ نَسْأَلُكَ عَنْ أَهْلِكَ قَالَ أَحَبُّ أَهْلِيْ إِلَيَّ مَنْ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْهِ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ قَالَا ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جَعَلْتَ عَمَّكَ آخِرَهُمْ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا سَبَقَكَ بِالْهِجْرَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَذُكِرَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ فِيْ كِتَابِ الزَّكَاةِ.

**حواله:** ترمذی، ص۲۲۲ ج۲، باب مناقب أسامة، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۱۹

**حل لغات:** سَبَقَكَ، سَبَقَهُ بِكَذَا (ض) سَبْقًا کسی سے کسی کام میں سبقت لے جانا۔

**ترجمه:** حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ آئے اور اجازت مانگی، دونوں نے حضرت اسامہؓ سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے دیجئے، میں عرض گذار ہوا کہ یارسول اللہ! حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اجازت طلب کرتے ہیں، فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ دونوں کس لئے آئے ہیں؟ میں عرض گذار ہوا نہیں، فرمایا لیکن میں جانتا ہوں، انہیں اجازت دے دو، پس وہ حاضرِ بارگاہ ہو کر عرض گذار ہوئے یارسول اللہ! ہم آپ سے یہ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے اہل میں سے کون آپ کو سب سے پیارا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ فاطمہ بنت محمدؐ، عرض گذار ہوئے کہ ہم آپؐ سے آپؐ کے گھر والوں کے متعلق پوچھنے حاضر نہیں ہوئے۔ فرمایا کہ اپنے اہل میں سے مجھے سب سے پیارا وہ ہے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور میں نے انعام کیا، یعنی اُسامہ بن زیدؓ۔ دونوں عرض گذار ہوئے کہ پھر کون ہے؟ فرمایا کہ علی بن ابی طالبؓ۔ حضرت عباسؓ عرض گذار ہوئے کہ یارسول اللہ! آپؐ نے اپنے چچا کو سب سے آخر میں کر دیا۔ فرمایا کہ علی تم سے ہجرت میں سبقت لے گئے تھے۔ (ترمذی) اور روایت ان عم الرجل الخ، کتاب الزکاۃ میں نقل ہو چکی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۷ کا اصل مصداق حضرت زید بن حارثہؓ ہیں، مگر مولیٰ کی اولاد بھی مولیٰ ہوتی ہے، اس اعتبار سے آپؐ نے حضرت اسامہؓ کو بھی آیت کا مصداق قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث ٹھیک ہے۔ امام شعبہ نے اگرچہ عمر بن ابی سلمہ کی تضعیف کی ہے مگر امام ترمذی کے نزدیک یہ راوی صدوق ہے اس لئے روایت کی تحسین کی ہے۔ اور اہل سے ان دونوں حضرات کی مراد متعلقین (اہل تعلق) تھے، مگر نبیؐ نے لفظ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پہلا جواب دیا تھا، اہل کا لفظ اہل وعیال کے معنی میں مستعمل ہے، پھر جب انہوں نے اپنی مراد واضح کی، تو آپؐ نے دوسرا جواب دیا۔ آپؐ درحقیقت ان دونوں میں تفضیل سے بچنا چاہتے تھے، تاکہ چچا کا دل نہ دکھے، مگر جب انھوں نے سوال در سوال کر کے آپ کو مجبور کر دیا تو آپؐ نے حقیقت حال کھولی اور اس پر جو چچا نے شکوہ کیا، آپؐ نے اس کا جواب دیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** استاذن لنا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ حضورؐ سے اندر آنے کی اجازت مانگو ہو سکتا ہے کہ حضرت اسامہؓ اس وقت بچے ہوں، اس لئے خود ان کو اندر جانے کے لئے اجازت کی ضرورت نہ ہو۔ ان دونوں حضرات نے اندر داخل ہو کر حضورؐ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ آپ کو کون محبوب ہے؟ تو حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کا نام لیا انھوں نے عرض کیا کہ ہم گھر والوں کے بارے میں نہیں پوچھ رہے، بلکہ ہمارا سوال آپؐ کے اقارب اور متعلقین کے بارے میں ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا وہ شخص مجھے محبوب ہے جس پر خدا نے اور میں نے انعام کیا ہے، یعنی اسامہ بن زیدؓ۔ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے دریافت کیا پھر کون محبوب ہے، تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں یہ فرمان اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ احبیت کو افضلیت لازم نہیں ہے؛ کیوں کہ حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ اگرچہ احب تھے، لیکن بالاتفاق

حضرت علیؓ سے افضل نہ تھے، بلکہ حضرت علیؓ ان دونوں حضرات سے افضل تھے، جب حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے چچا کو سب سے آخر میں کر دیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کو ہجرت کے اعتبار سے آپ پر سبقت حاصل ہے، نیز حضرت علیؓ کو حضرت عباسؓ پر قبولیت اسلام کے اعتبار سے بھی سبقت حاصل تھی، گویا حضرت علیؓ کو حضرت عباسؓ پر افضلیت کے ساتھ ساتھ احبیت کے لحاظ سے بھی فوقیت حاصل تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ احبیت جو افضلیت پر مرتب ہو وہ اقربیت سے مقدم ہے۔

## الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۲۹۷۱ ﴿حضرت حسنؓ پر ماں باپ قربان کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٧٨**

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّى أَبُوْبَكْرِنِ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِيْ وَمَعَهُ عَلِيٌّ فَرَأَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَحَمَلَهُ عَلَى عَاتِقِهِ وَقَالَ بِأَبِيْ شَبِيْهٌ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَبِيْهًا بِعَلِيٍّ وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص۵۳۰ ج ۱، باب مناقب الحسن والحسين، كتاب فضائل الصحابة، حديث ۳۷۵۰

**حل لغات:** الصبيان (واحد) صَبِیٌّ بچہ۔ عاتق (ج) عواتق کندھا۔

**ترجمه:** حضرت عقبہ بن حارث سے مروی ہے انھوں نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر آپؓ ٹہلنے کو چلے آپؓ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت حسنؓ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا، آپؓ نے انھیں اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھالیا اور کہا میرا باپ فدا ہو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ ہے، علی کے مشابہ نہیں ہے، اور حضرت علیؓ ہنس رہے تھے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ کے درمیان جسمانی مشابہت نہیں تھی، لہٰذا اس حدیث سے شیعہ شنیعہ کے فرقہ غرابیہ پر رد ہو گیا ہے جو کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اور حضرت علیؓ آپس میں ایسے مشابہ تھے جس طرح ایک کوا دوسرے کوے کے مشابہ ہوتا ہے، اسلئے جبرئیل فرق نہ کر سکے اور وحی بجائے علی کے محمدؐ پر لے آئے اور نبوت اس طرف چلی گئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** بابی شبیه حضرت صدیق اکبرؓ کا حضرت حسنؓ پر باپ کو فدا کرنا ان کی شباہت بالنبی کی وجہ سے ہے۔ یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ ترمذی نے شمائل میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے "لم ار قبله ولا بعدهٗ مثله" یعنی میں نے رسول اللہؐ جیسا نہ ان سے قبل کسی کو دیکھا اور نہ بعد میں تو پھر حضرت حسنؓ کیسے شبیہ بالرسول ہوئے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جہاں "مثل" کی نفی ہے اس سے کلی مماثلت مراد ہے، یعنی بالکل اور ہر لحاظ سے رسول اللہؐ جیسا ہونا یہ کسی کے لئے ثابت نہیں ہے اور یہاں جو اثبات ہے اس سے اکثر اور بڑی حد تک مشابہت کا اثبات مراد ہے۔ "شبيه باالنبی" ہونے کا معنی یہ ہے کہ بچہ نانا پر گیا ہے اور نانا (رسول اللہؐ) سے اس کی مشابہت ہے نہ کہ باپ سے۔

**حدیث نمبر ۲۹۷۲ ﴿حضرت حسینؓ کا سر ابن زیاد کے پاس﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٧٩**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ أُتِيَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ فَجُعِلَ فِيْ طَسْتٍ فَجَعَلَ يَنْكُتُ وَقَالَ فِيْ حُسْنِهِ شَيْئًا قَالَ أَنَسٌ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ إِنَّهُ كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَخْضُوْبًا بِالْوَسْمَةِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ زِيَادٍ فَجِيْءَ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِقَضِيْبٍ فِيْ أَنْفِهِ وَيَقُوْلُ مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هٰذَا حُسْنًا فَقُلْتُ أَمَا إِنَّهُ كَانَ مِنْ أَشْبَهِهِمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ

هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

**حواله**: بخاری، ص ۵۳۰ ج ۱، باب مناقب الحسن والحسین، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۷۵۰

**حل لغات**: طَسْت سیلچی (ہاتھ وغیرہ دھونے کا برتن) (ج) طُسُوْت۔ يَنْكُتُ نَكَتَ الْأَرْضَ وفيها (ن) نکتا لکڑی وغیرہ سے زمین کو کریدنا۔ مَخْضُوْبًا خَضَبَ الشَّيْءَ (ض) خَضْبًا وخِضَابًا رنگنا، خضاب کرنا۔ الْوَسْمَة نیل کا پودا جس کے پتے سے خضاب کیا جاتا ہے۔

**ترجمه**: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک عبیداللہ بن زیاد کے سامنے لاکر ایک طشت میں رکھا گیا، تو وہ اپنی چھڑی سے اس سر مبارک کو چھیڑنے لگا، پھر اس نے ان کے حسن کے بارے میں کچھ کہا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم! یہ وہ مقدس انسان ہیں جو اہل بیت میں سب سے زیادہ رسول کریم ﷺ سے مشابہ تھے، اس وقت حضرت حسینؓ کا سر مبارک وسمہ سے رنگا ہوا تھا۔ (بخاری) اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا اس وقت میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک اسکے سامنے لایا گیا، ابن زیاد انکی ناک پر چھڑی مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا ایسا حسن میں نے کبھی نہیں دیکھا، میں نے کہا تجھے معلوم ہے یہ وہ شخص ہے جو رسول اللہؐ سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث**

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ عبیداللہ بن زیاد ہے جو یزید بن معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا اور جس لشکر نے حضرت حسینؓ اور ان کے اقارب کو شہید کیا تھا یہ اس لشکر کا امیر تھا۔ یہ خود ۶۶ھ میں ابراہیم بن مالک بن اشتر نخعی کے ہاتھوں مختار بن ابی عبیدہ کے زمانہ میں موصل کی سرزمین میں قتل ہوا۔ عبیداللہ کے پاس جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک لایا گیا اور اس نے چھڑی یا لکڑی سے اس کو حرکت دینی شروع کی، بخاری کی روایت میں ہے کہ اس نے حضرت حسینؓ کی خوبصورتی میں کوئی عیب کی بات کی اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ اس نے حسینؓ کی تعریف کی، لیکن یہ تعریف کرنا بطور استہزاء اس خوشی کے اظہار کے لئے تھا جو اس بدبخت کو حضرت حسینؓ کو شہید کر کے حاصل ہوئی تھی۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ عبداللہ کے ہاتھ میں چھڑی تھی وہ ان کی آنکھ اور ناک پر رکھتا تھا، تو حضرت انسؓ نے اس سے کہا یہاں سے چھڑی ہٹالو میں نے اس جگہ حضورؐ کے منہ مبارک کو دیکھا، یعنی چومتے ہوئے۔ اور مسند بزاز میں ہے کہ حضرت انسؓ نے اس سے فرمایا کہ جہاں تیری چھڑی لگ رہی ہے، یہاں میں نے حضورؐ کو سونگھتے ہوئے دیکھا، اپنی چھڑی کو ہٹالے۔ تو اس نے اپنی چھڑی ہٹالی۔ اسی طرح فتح الباری میں بھی ہے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح**

أتي عبيدالله بن زياد برأس الحسين عبیداللہ بن زیاد کے پاس جب حضرت حسینؓ کا سر لایا گیا، تو اس نے اس پر شکر ادا کیا، اور حسینؓ و علیؓ پر لعن طعن کیا۔ اسی دوران اس نے سر حسینؓ کے ساتھ تمسخر کا وہ مظاہرہ بھی کیا، جس کا یہاں روایت میں ذکر ہے۔ فَجَعَلَ يَنْكُتُ ابن زیاد ایک ٹہنی سے حضرت حسینؓ کے سر کو کرید رہا تھا، اور ان کے حسن و جمال کے بارے میں تمسخرانہ باتیں کر رہا تھا۔ ترمذی و ابن حبان کی روایت میں يقول بقضيب له في انفه کے الفاظ ہیں۔ اور طبرانی کی روایت ہے زید بن ارقمؓ سے، وہ فرماتے ہیں، فجعل يجعل قضيبًا في يده في عينه وانفه ابن زیاد کی بدتمیزی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ اس کے ہاتھ میں ایک ٹہنی تھی جس سے وہ حضرت حسینؓ کی آنکھ اور ناک کرید کر تبصرہ کر رہا تھا۔ زید بن ارقمؓ کہتے ہیں، میں نے اس سے کہا "ارفع قضيبك فقد رايت فم رسول الله في موضعه" اپنی لکڑی اٹھا کہ اسی جگہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ لگاتا ہوا دیکھا ہے۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے، اذا هو ينكت بقضيب بين ثـنـيه ساعة وہ ان کے دانتوں کے بارے میں لکڑی سے اشارہ کر کے بدتمیزی کر رہا تھا، اور اس کے جواب میں زید کے یہ الفاظ منقول ہیں، "اعل بهذا

القضیب عن هاتین الثنیتین فوالذی لا اله غیره لقد رایت شفتی رسول الله علی هاتین الشفتین یقبلهما" اس کے بعد زید بن ارقمؓ رو پڑے تو ابن زیاد نے کہا، ابکی الله الخ اللہ تجھے رلائے اگر تم کھوسٹ بوڑھے نہ ہوتے اور تیری عقل نہ جا چکی ہوتی تو میں تیری گردن مار دیتا۔ کہتے ہیں اس کے بعد حضرت حسینؓ کا سر مبارک یزید کے پاس شام لے جایا گیا، یزید اسے دیکھ کر آبدیدہ ہوا۔

**ابن زیاد کا قول از قبیل تمسخر یا تعریف:** شارحین حدیث نے ابن زیاد کے اس قول و فعل کے متعلق یہ بحث چھیڑی ہے کہ کیا وہ اس طرح حضرت حسینؓ کے حسن و جمال کا مزاق اڑا رہا تھا، یا اس کا اعتراف کر رہا تھا۔ اکثر حضرات نے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے، اور بعض نے دوسرے احتمال کو بھی جائز کہا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ قول اول کے متعلق فرماتے ہیں، **ولا عجب منه فی ما فعله الخ** اور حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں ابن زیاد (جیسا بدذوق آدمی) اگر حسینؓ کے حسن کا مذاق اُڑا رہا ہے تو یہ عجیب بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک آدمی ہی کسی کو حسین لگتا ہے، اور کسی کو بدصورت ایک آدمی کے دل میں اگر رسول اللہؐ کی محبت نہیں ہوگی، تو اس کے یہاں مشابہت رسول کی کیا اہمیت ہوگی۔

**شہادت حسینؓ اور یزید کی اس پر ناراضگی:** جب سر حسینؓ کو یزید کے سامنے لایا گیا، تو وہ رونے لگا، اور لانے والوں سے کہا میں تمہاری اطاعت سے راضی تھا، حسینؓ کو قتل کئے بغیر بھی، اللہ کی ابن سمیہ (عبیداللہ بن زیاد) پر لعنت ہو، اگر میرا ان (حسینؓ) سے واسطہ پڑتا، تو میں انھیں معاف کر دیتا، اللہ تعالیٰ حسینؓ پر رحم فرمائے۔ اور حسینؓ کا سر لانے والوں کو کچھ بھی نہ دیا۔

**مخضوبا بالوسمة** وسمۃ بالسین المعجمہ بھی منقول ہے اور بضم الواؤ والسین المهملہ بھی تاہم راجح سین مہملہ اور فتح واؤ کے ساتھ ہے، مراد ہے نیل کا پودا جس سے خضاب کیا جاتا ہے، اس میں رنگ سیاہی مائل ہوجاتا ہے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے "نبت یختصب به یمیل الی السواد" چوں کہ خالص وسمہ کالا نہیں ہوتا، بلکہ سیاہی مائل ہوتا ہے اس لئے اس کا ارشاد نبوی "جنبوا السواد" سے تعارض نہیں ہے اور پھر حضرت حسینؓ غازی بھی تھے۔ اور غازی کے لئے اس کی گنجائش ہے۔ (کشف الباری)

**حضرت حسینؓ کی شہادت کی تفصیل:** اسلامی تاریخ کے تاریک دنوں میں سے ایک دن ۱۰ ارمحرم الحرام ۶۱ھ کا بھی ہے، جس دن نواسۂ رسول حضرت حسینؓ کی بے دردانہ شہادت انہیں لوگوں کے ہاتھوں ہوئی جو اپنے آپ کو شہید مظلوم کا ہم مذہب ظاہر کرتے تھے، اور جو اپنے کو اسی رسول کی غلامی سے وابستہ بتاتے تھے، جس کے نواسے حضرت حسینؓ تھے، اس سے قطع نظر کہ قاتلانِ حسینؓ کون لوگ تھے اور اس حادثۂ الم کے پس پشت کس قسم کی سازش کام کر رہی تھی؟ کوئی بھی کلمہ گو نہ قتلِ حسینؓ پر راضی ہوسکتا ہے اور نہ اس المیہ کے ذمہ داروں سے اپنی وابستگی پر فخر کرسکتا ہے، ہم اسے حضرت حسینؓ کے خونِ ناحق اور ان کی مظلومیت کی ایک شہادت ہی قرار دیں گے کہ ان سے اپنی جسمانی یا روحانی وابستگی قائم کرنے والا دنیا کے پردہ میں کوئی نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود خود حضرت حسینؓ کے لئے شہید ہونا ان کے تاجِ سعادت کا وہ انمول نگینہ ہے، جس کی قدر و قیمت سے وہ خود آگاہ ہوں گے، یا پھر وہ لوگ جو خدا اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر یقین کرتے ہوئے شہید کے مقام و مرتبہ سے واقف ہیں، تاریخ کی بے سروپا روایات کے ذریعہ حسینی شہادت کو رونے رلانے کا سامان کرنے والے یا اسے حضرت حسینؓ کا ایک عاجلانہ و عاقبت نااندیشانہ اقدام قرار دے کر استہزا کرنے والے تو صدیوں سے حضرت حسینؓ کی مظلومیت میں اضافہ ہی کر رہے ہیں۔ جہاں تک حضرت حسینؓ کی شہادت کی تفصیلات کا معاملہ ہے، تو ان کے مکہ سے کوفہ کے لئے روانگی تک یا زیادہ سے زیادہ کربلا پہنچنے تک کے واقعات ہم تک ان ذرائع سے پہنچے ہیں جن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، لیکن حادثہ کربلا کی تمام تر تفصیلات سب سے پہلے طبری نے اپنی تاریخ میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایت سے بیان کی ہیں، اس کے بعد پھر تاریخ طبری ہی سے دوسری کتابوں میں نقل در نقل ہوتی رہی ہیں۔ ہم ان واقعات کے مختلف پہلوؤں پر بحث

کرنے سے پہلے چند ایسے امور کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں جن سے قارئین خود آسانی کے ساتھ اندازہ کرلیں گے کہ حادثۂ کربلا کی تفصیلات اور حرب وجنگ کے مناظر کا بیان کس درجہ قابل اعتماد ہوسکتا ہے؛ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ ۱۰ رمحرم الحرام ۶۱ھ کو پیش آیا۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت حسینؓ کے افراد خاندان میں سے ان کے صاحبزادے گرامی حضرت علی زین العابدینؒ اور ان کے دو بھتیجے حضرت زیدؒ بن حسنؓ اور حضرت مثنیٰ بن حسنؓ میدان کربلا سے زندہ واپس آئے تھے، اور یہ تینوں ہی بزرگوار کربلا میں پیش آنے والے المناک حادثہ اور اپنے افراد خاندان کی شہادتوں کے چشم دید گواہ تھے، لیکن اس حادثہ کی تفصیلات بیان کرنے والی کسی بھی روایت کا راوی ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ حادثۂ کربلا کی تمام جزئی تفصیلات مثلاً جنگ کس طرح شروع ہوئی، مبارزہ طلبی پر حسینی قافلہ سے پہلے کون لوگ آگے بڑھے، پیاسوں پر کیا بیتی، علی اصغر وسکینہ کیوں کر شہید ہوئے، عباس علمدار نے کیا کارنامے انجام دیئے وغیرہ وغیرہ سب سے پہلے ابومخنف لوط بن یحییٰ نے اپنی کتاب ''مقتلِ حسین'' میں بیان کیں اور پھر اسی راوی سے روایت کرتے ہوئے ان تفصیلات کو محمد بن جریر طبری نے اپنی کتاب 'تاریخ طبری' میں جگہ دی۔ ابومخنف کا تعارف کراتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر کرتے ہیں لوط بن یحییٰ ابومخنف ایک مورخ ہے، جس نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں وہ قابل بھروسہ نہیں ہے، ابوحاتم وغیرہ نے اسے متروک قرار دیا ہے، اور دار قطنی نے کہا کہ یہ ضعیف ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ معتبر نہیں ہے اور ایک مرتبہ یہ کہا کہ یہ تو کچھ ہے ہی نہیں اور ابن عدی نے کہا کہ یہ جلا بھنا (یا آگ لگانے والا) شیعہ ہے اور ان ہی کی خبریں بیان کرتا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ صعق بن زہیر اور جابر جعفی اور مجالد سے راویت کرتا ہے اور اس سے مدائنی وعبدالرحمٰن بن مغراء نے روایت کیا ہے، ۷۰ھ سے پہلے فوت ہوا۔ اور ابوعبید آجری نے کہا کہ میں نے ابوحاتم سے اس کے (ابومخنف کے) سلسلہ میں پوچھا تو انھوں نے اپنا ہاتھ جھٹک کر کہا ایسے شخص کے بارے میں بھی کچھ پوچھا جاتا ہے؟ اور عقیلی نے اس کا ذکر الضعفاء میں کیا ہے، محمد بن جریر طبری کی ولادت ۲۲۴ھ کے آخر یا ۲۲۵ھ کے شروع میں ہوئی، مندرجہ بالا امور کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات خود بخود نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ شہادت حسینؓ کی تمام تفصیلات اور کربلائی داستان کی حیثیت ابومخنف کے دجل وفریب اور اطمینان سے بیٹھ کر تیار کئے گئے جھوٹ کے پوٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اسے پروان چڑھانے اور نشر کرنے میں طبری نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا، ابومخنف کربلا کے واقعات کی تفصیلات اتنی ڈھٹائی کے ساتھ بیان کرتا ہے، جیسے یہ خود ان واقعات کا چشم دید گواہ ہو، جب کہ حادثۂ کربلا کے وقت یہ پیدا بھی نہیں ہوا تھا، اسی طرح طبری ابومخنف سے روایت کرتے ہوئے ان واقعات کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں، جب کہ نہ ابومخنف کے بیانات لائق اعتناء تھے، نہ ہی طبری نے ابومخنف کو دیکھا تھا، کیوں کہ طبری کی ولادت سے کم از کم ۵۵ برس پہلے ابومخنف فوت ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود طبری اس کے منقولات کو اس طرح روایت کرتے ہیں جیسے وہ ان کا استاد ہو اور طبری نے براہِ راست اس سے سماع کی ہو، ابومخنف کے کذب وافتراء کا شاہکار ''مقتل حسین'' نامی کتاب کا تو اب کہیں وجود نہیں ہے، لیکن اس کے مکائد کو طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کر کے حضرت حسینؓ کی ذات گرامی اور ان کی شہادت کو قیامت تک کے لئے موضوع بحث بنا دیا، کیوں کہ بعد کی تاریخوں میں طبری کی روایات ہی کو نقل کیا گیا اور پھر نقل در نقل اور ان روایات پر نقد وجرح کا جو سلسلہ چلا تو شہادت حسین کو ایک ایسا افسانہ بنا دیا گیا جیسے تاریخ اسلام کی یہ پہلی شہادت تھی اور اس کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں بھونچال آگیا تھا، جب کہ واقعات ثابتہ کی ترتیب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت بھی اسی سبائی فتنہ کی ایک کڑی تھی جس کی وجہ سے خلیفہ مظلوم حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت ہوئی، پھر اسی شہادت کے نتیجہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے دورِ خلافت میں جنگِ جمل اور جنگ صفین برپا ہوئیں، پھر اسی فتنہ کے زیر اثر حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی، ان کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کو طرح طرح سے تنگ کیا گیا اور ان کو رسوا وذلیل کرنے

میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا گیا، پھر حضرت معاویہؓ کی وفات ہوتے ہی اس زیر زمین فتنہ کو ایک مرتبہ نئی قوت اور نئے حوصلوں کے ساتھ سر اٹھانے کا موقع ملا، جس کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا حادثہ جانکاہ پیش آیا (انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون)۔ یزید کا کردار کیا تھا؟ یزید کی امارت حق بجانب تھی یا نہیں؟ اور یزید کی امارت سے اس وقت کے اہل الرائے متفق تھے یا نہیں؟ ان متنازعہ بحثوں میں پڑے بغیر ہم ایک متفق علیہ بات جانتے ہیں کہ یزید کی امارت سے حضرت حسینؓ کو اتفاق نہ تھا، اور انھوں نے یزید کی خلافت کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، کوفہ کے سبائیوں نے حضرت حسینؓ کے نام خطوط لکھ کر اور ان کی خدمت میں اپنے وفود بھیج کر حضرت حسینؓ کو یہ کھلا ہوا فریب دیا کہ عراق کے تمام باشندے آپؓ کے موقف سے پوری طرح متفق ہیں، وہ یزید کی بیعت کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتار کر بس آپ کے منتظر ہیں کہ آپ تشریف لائیں اور یہ تمام لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کریں، یہ وہی سبائی تھے جنھوں نے حضرت حسینؓ کے والد بزرگوار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسی طرح فریب دے کر اپنی وفاداری کا اس درجہ یقین دلایا تھا کہ انھوں نے اپنا دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے کوفہ منتقل کر لیا تھا، لیکن پھر ان کوفیوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ کس طرح دغا کی اور کس طرح ان کو خون کے آنسو رلائے اور کس طرح ان کو بے یار و مددگار کیا اور بالآخر حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادت کا واقعۂ ہائلہ پیش آیا، اس کی تفصیلات بیان کرنے کا نہ یہ موقع ہے نہ ہی ان تسلیم شدہ حقائق کی تفصیلات بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہے۔ حضرت علیؓ کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کچھ تو اپنی طبعی صلح پسندی کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے والد گرامی کے ان وفاداروں کی وفاداریاں اپنے آنکھوں سے دیکھیں اور کانوں سے سنی تھیں، ان سبائیوں کے ترغیب میں نہیں آئے اور ان کوفی سبائیوں کے مشوروں کے علی الرغم انھوں نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت کا تاریخ ساز فیصلہ کر کے خلافت سے دست برداری حاصل کر لی، اگرچہ اس مصالحت کے نتیجہ میں حضرت حسنؓ کو ان سبائیوں کے ہاتھوں بڑے روح فرسا مظالم برداشت کرنا پڑے، لیکن بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت حسنؓ سبائیوں کے دام تزویر سے صاف بچ کر نکل گئے، اب خانوادۂ رسالت کے تیسرے فرد حضرت حسینؓ تھے، جن کو سبائیوں نے اپنا نشانہ بنایا، اور یہ ایک کربناک سچائی ہے کہ حضرت حسینؓ ان کوفی سبائیوں کی منظم سازش کے شکار ہو گئے اور اپنے قریب ترین ولائق اعتماد اعزہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن علیؓ وغیرہما کی فہمائشوں اور دوررس مشوروں کو رد کر کے کوفہ کے لئے عازم سفر ہو گئے، مکہ میں حضرت حسینؓ کو بتایا گیا تھا کہ صوبۂ عراق کے تمام مسلمانوں نے آپ کے ہاتھوں پر خلافت کی بیعت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور آپ کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھوں پر اٹھارہ ہزار افراد نے بیعت کر لی ہے، ایک لاکھ سے زائد افراد آپ کے لئے چشم براہ ہیں اور انھوں نے ہر طرح آپ کا ساتھ دینے کے لئے طلاق وعتاق کی قسمیں کھا رکھی ہیں اور یہ ساری یقین دہانیاں ان ساٹھ سبائیوں نے کرائی تھیں جو کوفہ سے خاص اسی مقصد کو لے کر حضرت حسینؓ کے پاس آئے تھے، کہ کسی بھی طرح ان کو کوفہ کے سفر کے لئے رضامند کریں، سبائیوں کے اس مکر و فریب سے بھری شاطرانہ سازش کو مزید قوت اس خط سے بھی ملی جو حضرت مسلم بن عقیلؓ کے نام سے حضرت حسینؓ کے پاس آیا تھا اور جس میں یہ درج تھا کہ آپ کی خلافت کے لئے میرے ہاتھ پر بارہ ہزار افراد اب تک بیعت کر چکے ہیں، ان تمام واقعات سے حضرت حسینؓ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یزید کے خلاف ایک عوامی انقلاب کی ضرورت ہے، اور اس انقلاب کی قیادت کے لئے متفقہ طور پر لوگوں کی نگاہیں میری طرف اٹھ رہی ہیں، چنانچہ وہ ایک عوامی مطالبہ کی تکمیل کی نیت سے مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے، کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت حسینؓ کو جستہ جستہ اصل حقیقت کا علم ہوتا گیا، پھر ان کو یہ اطلاع مل گئی کہ ان کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کو شہید کر دیا گیا، حتیٰ کہ جب وہ مقام حاجر پہنچے، تو یہ اعلان عام کر دیا کہ ہمارے گروہ کے لوگوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، مزید جو لوگ جانا چاہیں واپس جا سکتے ہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا، اس اعلان کے بعد کوفی لوگ حضرت حسینؓ کو چھوڑ کر واپس چلے گئے، پھر جب کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کے نمائندہ عمر

بن سعد نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ اے عمر! تین میں سے میری ایک بات مان لو (۱) یا تو مجھے چھوڑ دو کہ میں جیسے آیا ہوں ویسے واپس چلا جاؤں۔ (۲) اگر یہ نہیں پھر مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں پھر وہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ (۳) اور اگر یہ بھی نہیں چاہتے تو مجھے ترکوں کی طرف جانے دو تاکہ ان سے جہاد میں میں اپنی جان دے دوں۔ پھر کیا ہوا؟ پھر یقیناً یہی ہوا کہ حضرت حسینؓ کی جنگ ٹالنے کی یہ مخلصانہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی، اور دشمنانِ حسین نے ''ہاتھ آئے ہوئے شکار کو نکلتا دیکھ کر'' جنگ چھیڑ دی، اور اس طرح تاریخ اسلام کا بدنما واقعہ پیش آکر رہا کہ نواسۂ رسولؐ شہید مظلوم حضرت حسین بن علیؓ نے اپنے خاندان کے کچھ قریبی اعزہ اور بہی خواہوں کے ساتھ کربلا کے میدان میں جام شہادت نوش کرلیا۔ سبائی سازش کامیاب ہوگئی، حسینؓ شہید ہوگئے، مگر نہیں سبائی نامراد ہوئے، کیوں کہ قاتلان حسینؓ سے اپنا رشتہ جوڑنے والا کوئی نہیں ہے۔ اور حسینؓ سرخرو ہوئے، کیوں کہ شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن، نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی۔

**چند ضروری وضاحتیں:** حضرت حسینؓ کی شہادت یقیناً تاریخ اسلام کا ایک سیاہ صفحہ ہے، لیکن ابومخنف سے پہلے اس حادثہ سے دلچسپی لینے والا اور اس کی تفصیلات کو چٹخارے لے لے کر بیان کرنے والا ہم کو کوئی نہیں ملتا نہ آہ وفغاں ہے نہ ماتم وشیون ہے اور نہ ہی یزید پر طعن اور اس کا دفاع ہے آخر ایسا کیوں ہے؟ حضرت حسینؓ کے جوان العمر فرزند اور ان کے حقیقی وارث، حضرت علی زین العابدینؒ حادثۂ کربلا کے چشم دید گواہ تھے، پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی طرف سے قصاص کا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا؟ حادثہ کربلا کے دو سال بعد جب حادثۂ حرہ پیش آیا تو حضرت زین العابدینؒ اور حضرت حسینؓ کے دوسرے افراد خاندان کے لئے بہت اچھا موقع تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ساتھ دے کر یزید سے اپنے والد حضرت حسینؓ کے خونِ ناحق کا انتقام لے لیتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت حسینؓ کے افرادِ خاندان میں سے کسی نے حضرت ابن زبیرؓ کا ساتھ نہیں دیا، آخر ان حضرات کا یہ موقف کیوں تھا؟ پھر اس کے بعد جب سبائیوں نے ''التوابون'' بن کر اور اپنی پچھلی حرکتوں پر ندامت کا اظہار کر کے خونِ حسینؓ کا بدلہ لینے کے لئے اپنی جارحانہ تحریک شروع کی، تو حضرت زین العابدینؒ یا دیگر بنی ہاشم نے ان کا ساتھ کیوں نہیں دیا، اور ان تحریکوں سے اپنے کو الگ کیوں رکھا؟ کیا کوئی جرأت مند ہے جو یہ کہہ سکے کہ حضرت زین العابدینؒ اور حضرت حسینؓ کے دیگر افراد خاندان کو حضرت حسینؓ کی بے دردانہ و مظلومانہ شہادت سے رنج نہیں ہوا تھا؟ یا یہ کہنے کی کسی میں ہمت ہے کہ ان لوگوں کو رنج تو ہوا تھا؟ مگر یہ نعوذ باللہ اتنے پست ہمت اور بے حمیت تھے کہ انھوں نے قصاص کا مطالبہ کیا نہ ہی انتقام لینے کی بات کبھی سوچی؟ ہمارا خیال یہ ہے کہ بات ایسی نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ چوں کہ یہ حضرات ابومخنف کی روایت کے ذریعہ نہیں، بلکہ پوری صورت حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کی وجہ سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اس افسوس ناک قابل نفرین حادثہ کے لئے حکومت وقت یا اس کا سربراہ یزید نہیں، بلکہ کوفہ کے وہ سبائی ذمہ دار ہیں، جنھوں نے اس وقت حالات کی غلط تصویر پیش کر کے اور عوامی انقلاب کی ضرورت کا چکمہ دے کر حضرت حسینؓ کو کوفہ بلوایا تھا اور پھر کربلا کے میدان میں ان کو بے یارومددگار کر کے اپنی گردن کٹوانے پر مجبور کر دیا تھا، اس لئے نہ ان حضرات نے ''التوابون'' کی توبہ تسلیم کی نہ ان کو اپنا کسی قسم کا تعاون دیا نہ ہی واقعہ حرہ میں کسی طرف سے شرکت کی۔ اسی جگہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجانا مناسب ہے کہ بعض لوگ ''حمایتِ یزید'' کے جوش میں یزید اور اس کی حکومت کے خلاف حضرت حسینؓ کے اس قدام کو خروج یا بغاوت سے تعبیر کرتے ہوئے یزید کو برسرصواب اور حضرت حسینؓ کو برسرخطا بتاتے ہیں، ایسا کہنے والے امت کے اجتماعی موقف کو کورانہ تقلید اور اپنی بے جا جسارت و گستاخی کو تحقیق کا نام دیتے ہیں، ہم ایسی تحقیق سے سو بار اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے جن حالات میں اور جن خبروں کی بنیاد پر جو اقدام کیا وہ برسرِ حق تھا اور ایک مجتہد مطلق ہونے کے ناطے ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا اقدام کرنا جائز بھی نہ تھا، جہاں تک اصحابِ تحقیق کا

معاملہ ہے تو ان کی دلیل یہی ہے کہ چوں کہ حضرت حسینؓ نے یزید کی متفق علیہ اور قائم شدہ خلافت کے خلاف خروج کیا، اس لئے وہ بہر حال باغی قرار پائیں گے، قطع نظر اس کے کہ فضیلت و مرتبہ میں یزید کے مقابلہ حضرت حسینؓ کہیں بڑھے ہوئے تھے، شریعتِ مقدسہ کی واضح تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کے اتفاق کے بعد کسی خلیفہ کے خلاف خروج کی اجازت نہیں ہے اور ایسے کسی اقدام کو خروج یا بغاوت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے، جو بہر حال ایک جرم ہے، اس مغالطہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ پہلے یزید کی خلافت کو ایسی ''متفق علیہ'' قرار دے لیا گیا کہ گویا اہل الرائے افراد میں سے کسی کو اس سے اختلاف ہی نہ تھا، اور پھر حضرت حسینؓ کے اختلاف کو ایک عامی کے اختلاف یا زیادہ واضح الفاظ میں حکومت کی ہوس سے تعبیر کر کے ان کے اقدام کو بغاوت قرار دے لیا گیا، حالاں کہ واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یزید کی خلافت سے متعدد اہل الرائے اور مجتہد اصحابؓ مثلاً حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ نے ولی عہدی کے وقت ہی اختلاف ظاہر کیا تھا۔ ان میں سے دیگر حضرات نے تو بعد میں اپنا اختلاف واپس لے لیا تھا، لیکن عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ کے متعلق واضح طور پر ہم کو یہ معلوم ہے کہ انھوں نے اپنا اختلاف واپس نہیں لیا تھا اور ان دونوں نے نہ ولی عہدی کی بیعت کی نہ ہی بعد میں امارت قائم ہونے کے وقت بیعت کی۔ اگر ہم اس بات کو تسلیم کرلیں کہ ان دونوں کا ہم نوا اور کوئی نہ تھا اور بقیہ تمام اہل الرائے حضرات نے یزید کی بیعت قبول کر لی تھی، تو بھی ان دونوں حضرات کے اختلاف کو بدنیتی اور حکومت کی ہوس سے تعبیر کرنا ایک بے ہودہ جسارت کے سوا اور کچھ نہیں ہے؛ کیوں کہ ان دونوں بزرگواروں کے مجتہد ہونے کی حیثیت کا انکار کرنے کی تو شاید کوئی بھی جرأت نہ کر سکے، پھر اگر دوسری تمام غیر معتبر اور تشنۂ تحقیق باتوں سے قطع نظر انھوں نے صرف اپنے اجتہاد کی بنیاد پر پوری نیک نیتی کے ساتھ یزید کی خلافت قبول کرنے سے انکار کر کے ذاتی طور پر بیعت نہیں کی، تو اسے کیوں کر جرم گردانا جاسکتا ہے؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر دیگر تمام اہل الرائے حضرات نے بیعت کر لی تھی اور عوام نے یزید کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا تو حکومت قائمہ کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی نہ ان دونوں حضرات کو اجازت ہوسکتی تھی نہ ہی کسی اور کو، چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ دونوں میں سے کسی کے لئے کسی ضعیف سے ضعیف بلکہ موضوع روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے بیعت سے انکار کے بعد خلافت سازی کی کوشش شروع کردی ہو، جہاں تک حضرت حسینؓ کا معاملہ ہے تو ان کو مکہ مکرمہ میں کوفیوں کے پیہم خطوط ملے کہ عراق کے لوگ یزید سے بیعت نہ کر کے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہتے ہیں، آپ فوراً کوفہ آجائیے، تاکہ امت مسلمہ اختلال و انتشار سے محفوظ ہوجائے۔ یہ خطوط کوفہ کے ایسے مقتدر و باعزت افراد کی طرف سے لکھے ہوئے تھے جن کے اصرار کو حضرت حسینؓ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، پھر بھی انھوں نے احتیاط کے طور پر حضرت مسلم بن عقیلؓ کو صحیح صورت حال کا پتہ لگانے کے لئے کوفہ بھیجا، حضرت مسلمؒ کی کوفہ روانگی سے پہلے اور بعد میں کوفہ کے سبائیوں کے متعدد وفود بھی حضرت حسینؓ سے مکہ میں آکر ملاقاتیں کر کے اور اسی مضمون کو بیان کر کے جو خطوط میں لکھا گیا تھا حضرت حسینؓ سے کوفہ کی طرف کوچ کرنے کی درخواستیں کرتے رہے تھے، پھر حضرت حسینؓ کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی طرف سے وہ خط حضرت حسینؓ کو ملا، جس میں لکھا گیا تھا کہ کوفہ کے بارہ ہزار یا ایک روایت کے مطابق اٹھارہ ہزار اور ایک دوسری روایت کے مطابق ساٹھ ہزار افراد تک نے آپؓ کی خلافت کے لئے میرے ہاتھوں پر بیعت کر لی ہے، اور یہاں عام طور پر لوگ انقلاب حکومت چاہتے ہیں اور آپ کے سوا کسی دوسرے کو خلیفہ کی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، پھر آخر میں کوفہ کے ساٹھ سبائیوں پر مشتمل وہ وفد حضرت حسینؓ سے آکر ملا، جس نے ہر طرح اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ تمام اہل عراق آپ کی اور صرف آپ کی خلافت پر متفق ہو چکے ہیں، بڑی تعداد میں لوگوں نے یزید کی حکومت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے اور وہ یزید کے عمال کے مظالم کے شکار ہو رہے ہیں، بقیہ لوگ آپ کے کوفہ پہنچنے کے منتظر ہیں، یہ صحیح

ہے کہ کوفہ کے واقعی حالات وہ نہیں تھے، جو حضرت حسینؓ کے سامنے بیان کئے گئے تھے اور حضرت حسینؓ تک خطوط اور وفود کے ذریعہ پہنچائی جانے والی یہ تمام خبریں کوفہ کے ان تھوڑے سے سبائیوں کی سازش کا حصہ تھیں، جنھوں نے اس سے پہلے اسی طرح حضرت علیؓ کو بھی فریب دیا تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضرت حسینؓ کے لئے اس بات پر یقین کر لینے کے لئے کافی اسباب نہ تھے کہ عراق کے لوگ عوامی انقلاب کے ذریعہ حکومت تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور میرے سوا کسی دوسرے کی قیادت پر وہ لوگ متفق نہیں ہو سکتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اور حضرت حسینؓ کے دوسرے جن ہمدردوں و بہی خواہوں نے ان کو کوفہ جانے سے روکا تھا، وہ ان سابقہ تجربات کی بنیاد پر تھا، جو اہل کوفہ کی طرف سے اب تک ہوتے تھے اور جن سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ یہ لوگ رسول اللہؐ کے خاندان اور ان کے ذریعہ برپا ہونے والے دین کے دشمن ہیں اور ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جاسکے اس کے برخلاف حضرت حسینؓ کے اطمینان کے لئے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کے نمائندہ مسلم بن عقیلؓ نے بھی کوفہ پہنچ کر اور وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر وہی بات لکھی جو کوفہ سے آنے والے لوگ زبانی بتا رہے تھے۔ ان حالات میں اگر حضرت حسینؓ نے عوامی انقلاب کی قیادت کے خیال سے مکہ مکرمہ سے کوفہ کا سفر شروع کیا، تو اسے خروج یا بغاوت سے تعبیر کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ بغاوت نام ہے کسی متفق علیہ اور قائم شدہ حکومت کے خلاف کسی فرد یا چند افراد پر مشتمل ایک چھوٹے سے گروہ کے اقدام کا، جب کہ حضرت حسینؓ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا، وہ تو اپنے علم و یقین کے مطابق عراقی عوام کو ان کی خواہش و اصرار پر مظالم سے بچانے ان کو متحد کرنے اور خلافت اسلامیہ عطا کرنے کا جذبہ لے کر روانہ ہوئے تھے، اس پس منظر میں حضرت حسینؓ کی مکہ سے روانگی کو خروج اور بغاوت سے تعبیر کرنا بہت ہی سنگین جسارت اور بہت بڑا ظلم ہے، پھر ایسی صورت میں جب کہ بعد کے واقعات نے حضرت حسینؓ کے موقف اور ان کے ارادوں کو پوری طرح واضح کر دیا کہ کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت اور دوسرے واقعات سے یہ یقین ہو گیا کہ پرانے شکاریوں نے نئے جال کے ذریعہ فریب دیا ہے اور پھر کوفہ پہنچ کر اور اہل کوفہ سے مل کر جب انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں کوئی عوامی شورش نہیں ہے کوفہ کے مقتدر و اہل رائے افراد یزید کی بیعت پر عام طور پر قائم ہیں، ان کے نام سے میری طرف بھیجے گئے خطوط جعلی تھے اور یزید اور اس کے عمال مکہ سے میرے کوفہ آنے کو حکومت وقت کے خلاف خروج سمجھ رہے ہیں، نعمان بن بشیر کی جگہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر اسی لئے مقرر کیا جاچکا ہے کہ وہ پوری مستعدی اور فوجی قوت کے ساتھ میرا مقابلہ کرے۔ وہ لوگ جنھوں نے ساتھ دینے اور بیعت کے وعدے کئے تھے وہ سب غائب ہو چکے ہیں۔ غرض کہ جب حضرت حسینؓ کو پوری طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ مکہ میں بتائے گئے حالات سے کوفہ کے حالات بالکل مختلف ہیں اور یہاں کسی عوامی انقلاب کی نہ طلب ہے اور نہ موقع، تو انھوں نے عبیداللہ بن زیاد کے نمائندے عمر بن سعد سے صاف صاف کہہ دیا کہ میری تین باتوں میں سے ایک مان لو، یا مجھے واپس جانے دو، یا یزید کے پاس پہنچا دو، یا ترکوں کی طرف جانے دو تا کہ میں اُن سے جہاد کرسکوں۔ مگر ان سبائیوں کو جو ہزار جتن کر کے اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر، نہ جانے کن کن مکاریوں سے حضرت حسینؓ کو یہاں لائے تھے یہ کیونکر گوارہ ہوسکتا تھا کہ اب حضرت حسینؓ بچ کر نکل جائیں؟ کیوں کہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر حضرت حسینؓ یہاں سے زندہ واپس چلے گئے، تو ہماری ساری سازش کھل کر رہے گی اور یزید پر حسینؓ کی بے گناہی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر ہو کر رہے گا کہ حسینؓ کو کس طرح کوفہ کا سفر کرایا گیا اور کن کن لوگوں کا اس میں ہاتھ تھا۔ اور یہ سب ظاہر ہونے کے بعد ان سبائیوں کو اپنا انجام معلوم تھا، اس لئے انھوں نے ڈھکا پردہ ڈھکا رکھنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی، اور نواسۂ رسولؐ حضرت حسینؓ پر وہ جنگ مسلط کر دی جو بالآخر ان کی مظلومانہ شہادت پر ختم ہوئی۔ یہ ہیں وہ حقائق جن سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت حسینؓ نے مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوتے وقت جو موقف اختیار کیا تھا وہ اس وقت معلوم حالات و اخبار کی بنا پر بالکل مناسب

اور درست تھا، پھر جب ان کے سامنے حالات و واقعات کی صحیح صورت آئی اور انھوں نے اپنے موقف میں تبدیلی کی وہ اس وقت کے لحاظ سے بالکل درست و مناسب تھا، سچائی یہ ہے کہ نہ حضرت حسینؓ کو خلافت و امارت کی ہوس تھی نہ وہ امت کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا پسند کرتے تھے، جو کچھ ہوا وہ سبائیوں کی نہایت منظم اور منصوبہ بند سازش سے ہوا، جس کے لئے حضرت حسینؓ کو کسی طرح ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لئے جو لوگ یزید کی حمایت کے جوش میں مقام حسینؓ کو فراموش کر کے ان پر خروج و بغاوت کی پھبتی کستے ہیں وہ نہ صرف کردارِ حسینؓ کو مجروح کر کے ان کی مظلومیت میں اضافہ کرتے ہیں، بلکہ تاریخ کو مسخ کر کے نا قابل معافی مجرمین کی فہرست میں اپنا نام درج کراتے ہیں، اسی سلسلہ کی ایک اور بات بھی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل کا یزید کی طرف انتساب بھی سبائیوں کی اسی مکروہ سازش کا ایک حصہ ہے جس کے ذریعہ وہ اسلام کے خوبصورت پیکر کو داغدار بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ حضرت حسینؓ کی المناک شہادت کا حادثہ یزید کے دورِ امارت میں پیش آیا، لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہی نہیں ہے کہ یہ شہادت یزید کے حکم یا اس کے ایما سے ہوئی تھی؛ کیوں کہ یزید کے سلسلہ میں کسی کمزور سے کمزور تاریخی روایت میں بھی یہ بات نہیں بیان کی گئی ہے کہ اس نے کسی بھی شخص کو حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم دیا ہو، یا قتلِ حسینؓ پر اپنی رضامندی ظاہر کی ہو، جب کہ حافظ ابن کثیرؒ تو تحریر کرتے ہیں کہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے ایک آزاد کردہ غلام کا بیان ہے کہ جب یزید کے سامنے حضرت حسینؓ کا سرِ مبارک لا کر رکھا گیا تو میں نے اس کو روتے دیکھا اس نے کہا کہ اگر ابن زیاد اور حسینؓ میں باہم کوئی رشتہ ہوتا تو وہ (حسینؓ کے ساتھ) ایسا معاملہ نہ کرتا۔ (البدایة والنہایة، ج ۸ ص ۱۷۱) جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک یزید کے سامنے آیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے اپنے لشکر کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے کچھ نہ کہتا، اللہ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے خدا کی قسم اگر میں ہوتا تو حسینؓ کو معاف کر دیتا (قتل نہ کرتا)۔ (الاصابہ، ج ۱ ص ۱۹۰) اس قسم کے اور بھی بیانات تاریخ کی مختلف کتابوں میں یزید سے منسوب ہیں، جن سے یہی واضح ہوتا ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کی شہادت پر اپنے رنج اور افسوس کا اظہار کیا ہے، اس لئے یزید کو قاتلِ حسینؓ کے نام سے یاد کرنا اور یزید کے نام سے اس طرح نفرت کرنا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے غیر نزاعی قاتلوں کے نام بے تکلف لئے جائیں اور اپنے بچوں کے نام حضرت عمرؓ کے مجوسی قاتل کے نام پر فیروز رکھ دیئے جائیں تو کچھ حرج نہیں؛ لیکن یزید کا نام اس لئے نہ آنے پائے کہ وہ قاتلِ حسینؓ ہے، انتہائی احمقانہ اور گمراہ کن خیال ہے؛ کیوں کہ اس کے علاوہ کہ یزید کا قاتل حسینؓ ہونا یا قتل حسینؓ پر راضی ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہے۔ یزید نام کے بہت سے دوسرے اصحابؓ کرام و تابعینؒ عظام گزرے ہیں، لہٰذا اس نام سے نفرت انتہائی مضحکہ خیز ہے، کچھ لوگ یزید کے قتلِ حسینؓ سے راضی ہونے پر اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ اگرچہ یزید کا حضرت حسینؓ کو شہید کر دینے کا حکم تو نہیں ملتا لیکن اگر اسے واقعی یہ امر ناگوار گزرتا تو اس نے قاتلانِ حسینؓ سے قصاص لیا ہوتا، اور مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچایا ہوتا، جس کا ثبوت نہیں ملتا، تو یہ استدلال انتہائی بیہودہ ہے: کیوں کہ اولاً تو جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا کہ حضرت حسینؓ کے ورثا کی طرف سے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا گیا، جب کہ یہ ان ہی کا حق تھا پھر اس کی بھی وضاحت ہوگئی کہ قتل حسینؓ میں سبائیوں کی گہری اور منصوبہ بند سازش کا دخل تھا اور کسی ایک فرد کو اس سلسلہ میں نامزد نہیں کیا جاسکتا تھا، ایسے حالات میں حکومت وقت کی کچھ انتظامی مجبوریاں ہوتی ہیں اور ان تمام افراد کو جو کسی بھی درجہ میں سازش کے شریک ہوں قابل مواخذہ قرار دینے میں بدامنی اور خلفشار پھیلنے کا شدید خطرہ ہوتا ہے، جس کی رعایت سے حکمراں کو ایسے معاملات کو معرض التوا میں ڈال کر مناسب وقت کا انتظار کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کے سلسلہ میں حضرت علیؓ نے کیا تھا اور باوجود شدید مطالبہ کے وہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص نہیں لے سکے تھے، لیکن اس کے باوجود کوئی صاحبِ ایمان ہرگز نہ یہ کہہ سکتا ہے نہ ہی خارجیوں کی اس بے بنیاد بات پر یقین کرسکتا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قتل میں

حضرت علیؓ شریک تھے۔ سبحانك هذا بهتان عظيم پھر کیا وجہ ہے کہ صرف قاتلانِ حسینؓ سے انتقام نہ لے سکنے کی بنیاد پر یزید کو قتلِ حسینؓ میں شریک ہونے یا اس سے راضی ہونے کا مجرم گردانا جائے؟ (تاریخ کی مظلوم شخصیتیں)

## حدیث نمبر ۲۹۷۳ ﴿شہادت حسینؓ سے متعلق ایک خواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸۰

وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّىْ رَأَيْتُ حُلْمًا مُنْكَرًا اللَّيْلَةَ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ إِنَّهُ شَدِيْدٌ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ رَأَيْتُ كَأَنَّ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِيْ حِجْرِىْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ فَكَانَ فِيْ حِجْرِىْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلْتُ يَوْمًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِيْ حِجْرِهٖ ثُمَّ كَانَتْ مِنِّى الْتِفَاتَةٌ فَإِذَا عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيْقَانِ الدُّمُوْعَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بِأَبِىْ أَنْتَ وَأُمِّىْ مَالَكَ قَالَ أَتَانِىْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرَنِىْ أَنَّ أُمَّتِىْ سَتَقْتُلُ ابْنِىْ هٰذَا فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ وَأَتَانِىْ بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهٖ حَمْرَاءَ.

**حواله:** البيهقى فى دلائل النبوة۔

**حل لغات:** حُلْمًا خواب (ج) أَحْلَامٌ۔ مُنْكَرًا بری اور نا گوار بات (ج) مُنْكَرَات۔ قِطْعَة ٹکڑا، کٹا ہوا حصہ، پارٹ (ج) قِطَعٌ۔ جَسَد بدن، جسم (ج) أَجْسَاد۔ حِجْر گود (ج) أَحْجَارٌ، حُجُوْرٌ۔ اِلْتِفَاتَة ایک نظر، ایک نگاہ، توجہ، التفات۔ تُهْرِقَان هَرَاق يُهْرِيق هَرَاقَةً بہانا۔ الدُّمُوْع (و) دَمْعٌ آنسو۔ تُرْبَة مٹی؛ زمین کی اصل؛ قبر (ج) تُرَبٌ۔

**ترجمه:** حضرت ام فضلؓ بنت حارث سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آج رات بہت برا خواب دیکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا وہ بہت نا گوار خواب ہے، آپؐ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا میں نے دیکھا کہ آپؐ کے بدنِ مبارک سے ایک گوشت کا ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھ دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا تو نے اچھا خواب دیکھا ہے، انشاء اللہ فاطمہؓ کے یہاں لڑکا ہوگا، جو تیری گود میں رکھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے یہاں حضرت حسینؓ پیدا ہوئے اور میری گود میں رکھے گئے، جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا، پھر میں ایک روز نبی کریمؐ کی خدمت میں گئی اور حضرت حسینؓ کو آپ کی گود میں دے دیا، پھر میں دوسری طرف دیکھنے لگی، اچانک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا ابھی ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے، انھوں نے مجھے بتایا کہ عنقریب میری امت میرے اس بیٹے کو قتل کردے گی۔ میں نے عرض کیا اس بیٹے کو، آپؐ نے فرمایا ہاں اور میرے پاس اس جگہ کی مٹی لائے تھے جہاں قتل کیا جائے گا اور وہ سرخ مٹی تھی۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے خواب کی جو تعبیر دی بالکل اسی کے مطابق ہونے کا ذکر ہے، نیز آپؐ نے اپنے نواسے کی شہادت کی خبر دی وہ حرف بحرف صحیح ہوئی اور حضرت حسینؓ مظلومانہ شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کی تفصیل گذشتہ حدیث میں مذکور ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** حلمًا خواب کو حلم کہتے ہیں، خصوصاً جب کہ خواب پراگندہ ہو۔ منکرًا یعنی ڈراؤنا ہیبت ناک خواب دیکھا ہے۔ انه شديد یعنی اتنا ڈراؤنا اور سخت ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتی۔ حجرى گود کو

حجر کہتے ہیں، پرورش کے معنی میں بھی آتا ہے، یہاں گود مراد ہے آنے والے لفظ میں دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں۔ التفاته یعنی میری نگاہ دوسری طرف چلی گئی۔ ستقتل ابنی آنحضرت کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوگئی۔

**حدیث نمبر ۲۹۷۴ ﴿شہادت حسینؓ کی پیشگی اطلاع﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸۱**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ ذَاتَ يَوْمٍ بِنِصْفِ النَّهَارِ أَشْعَثَ أَغْبَرَ بِيَدِهٖ قَارُوْرَةٌ فِيْهَا دَمٌ فَقُلْتُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ مَا هٰذَا قَالَ هٰذَا دَمُ الْحُسَيْنِ وَأَصْحَابِهٖ وَلَمْ أَزَلْ أَلْتَقِطُهُ مُنْذُ الْيَوْمِ فَأُحْصِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتَ فَأُجِدُ قُتِلَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ وَأَحْمَدُ الْأَخِيْرَ.

**حواله:** البیهقی فی دلائل النبوۃ۔ مسند احمد، ص۲۴۲ ج۲۔

**حل لغات:** أَشْعَثَ شَعِثَ الشَّعْرُ (س) شَعَثًا فهو أَشْعَث بالوں کا بکھرا ہونا، غبار آلود ہونا، پراگندہ ہونا۔ أَغْبَر غَبِرَ الشيءُ (س) غَبَرًا گرد آلود ہونا، هو أغبر (ج) غُبر۔ قَارُوْرَة بوتل، شیشی (ج) قَوَارِير۔ أَلْتَقِط اِلْتَقَطَ الشيءَ زمین سے اٹھانا (افتعال)۔

**ترجمه:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ گیسوئے مبارک بکھرے ہوئے ہیں اور دست مبارک میں ایک شیشی ہے، جس میں خون تھا۔ میں عرض گذار ہوا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے میں دن بھر سے جمع کرتا رہا ہوں۔ میں نے وہ وقت یاد رکھا تو معلوم ہوا کہ اسی وقت شہید کیے گئے تھے۔ ان دونوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے اور دوسری کو احمد نے بھی۔

**خلاصۂ حدیث** مختلف روایات میں حضرت حسینؓ کی شہادت کی پیشین گوئی دی گئی ہے، مثلاً گذشتہ حضرت ام فضل کی روایت میں حضورؐ نے ان کی شہادت کی پیشین گوئی دی ہے اور فرمایا کہ جبرئیل وہ سرخ مٹی بھی لائے تھے جہاں حضرت حسینؓ شہید ہوں گے، اسی طرح حضرت سلمیٰؓ کی روایت پہلے گذر چکی ہے کہ انھوں نے حضرت ام سلمہ کو روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ آپ کیوں روتی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ کا سر اور داڑھی مبارک گرد آلود ہے، میں نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا، تو آپؐ نے فرمایا ابھی حسینؓ کے قتل میں حاضر تھا اور تیسری روایت یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے کہ انھوں نے خواب میں حضورؐ کے ہاتھ میں خون سے بھری ہوئی شیشی دیکھی، حضورؐ نے فرمایا کہ یہ حسینؓ اور ان کے رفقا کا خون ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فاحصی ذلك الوقت یہ حضرت ابن عباسؓ کا کلام ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں نے خواب دیکھا تھا اس کی تاریخ میں نے یاد رکھی، پھر جب حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر آئی تو معلوم ہوا کہ اسی تاریخ میں آپ کو شہید کر دیا گیا تھا، جس وقت میں نے خواب دیکھا تھا۔ التقطه یہ حضور اکرمؐ کا کلام ہے جو خواب میں ہوا ہے۔ فاجد مضارع کا صیغہ لائے ہیں تاکہ اس سے ایک عجیب و غریب کیفیت سامنے آجائے۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۹۷۵ ﴿حضورؐ کی وجہ سے اہل بیت سے محبت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸۲**

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ وَأَحِبُّوْنِيْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَأَحِبُّوْا أَهْلَ بَيْتِيْ لِحُبِّيْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص۲۱۹ ج۲، باب مناقب اهل النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۸۹

**حل لغات:** يَغْذُو غذا الْإِنْسَان (ن) خوراک بہم پہنچانا، غذا دینا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے محبت کرو کیوں کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں کھلاتا ہے اور مجھ سے محبت کرو اللہ سے محبت کرنے کی وجہ سے اور میرے گھر والوں سے محبت کرو مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** قاعدہ ہے کہ محبوب کا محبوب، محبوب ہوتا ہے پس اللہ کی محبت تو لذاتہ ہے اور وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہمہ وقت نعمتوں کی بارش فرمار ہا ہے، اور آپ اللہ کے رسول اور محبوب ہیں، اس لئے آپؐ سے بغیرہ محبت ضروری ہے، اسی طرح آپ کے گھر والوں سے آپؐ کی وجہ سے محبت ضروری ہے اور گھر والوں کا اصل مصداق ازواجِ مطہرات ہیں اور آل رسول بھی اس کا مصداق ہیں، اس لئے ان سے بھی محبت ضروری ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **یغذو کم** اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے اور وہ سب سے بڑا انسان کا محسن ہے، لہٰذا اپنے محسن سے محبت کرنا فطری چیز ہے۔ **واحبونی لحب اللہ** اس کے دو مطلب ممکن ہیں (۱) اللہ کو محبوب رکھنے کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو۔ (۲) اللہ کا میں محبوب ہوں لہٰذا تم بھی مجھ سے محبت کرو۔ **واحبوا لاھل بیتی** میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو؛ کیوں کہ وہ میرے محبوب ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۷۶ ﴿اہل بیت سے محبت باعث نجات ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸۳**

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ قَالَ وَهُوَ آخِذٌ بِبَابِ الْكَعْبَةِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَلَا إِنَّ مَثَلَ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مَثَلُ سَفِينَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۱۵۷، ج ۴

**حل لغات:** سَفِيْنَة کشتی، جہاز (ج) سُفُن وسَفَائِن۔ تَخَلَّفَ عنه پیچھے رہ جانا، بچھڑ جانا۔ هَلَكَ فُلَانٌ (ض) هَلَاكًا و هُلُوْكًا مرجانا، ہلاک ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کا دروازہ پکڑے ہوئے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، خبردار ہو جاؤ کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح جیسی ہے، جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اہلِ بیت کو تشبیہ کشتی نوحؑ کے ساتھ اس لئے دی گئی ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی اپنے تمام سواروں کو اللہ کے حکم سے بچا کر لے گئی اور کشتی کے مخالف سارے غرق ہو گئے؛ یہاں بھی جو لوگ اہل بیت سے محبت رکھیں گے وہ بچ جائیں گے اور جو عقیدت کی اس کشتی میں نہیں بیٹھیں گے وہ غرق ہو جائیں گے، لیکن یہاں اہلِ بیت سے محبت و تعلق رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کے حکم کے مطابق تعلق ہو، اپنی خواہشات کے مطابق تعلق نہ ہو، جس طرح شیعہ کی محبت ہے، جو درحقیقت محبت و عقیدت نہیں بلکہ ایک قسم کی عداوت ہے، پوری شریعت کا انکار کیا اور اہل بیت کی محبت کو اس کے لئے ڈھال بنا دیا، حضورؐ نے اہل بیت کی تشبیہ کشتی نوح سے دی ہے اور صحابہ کرامؓ کی تشبیہ آسمان کے ستاروں سے دی ہے، اس میں اشارہ ہے کہ کشتی صحیح سمت میں تب چلے گی، جب کہ ستاروں سے رہنمائی حاصل کی جائے، یعنی اہل بیت اور صحابہؓ دونوں سے محبت رکھنا ضروری ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **من رکبھا** اہل بیت سے محبت نجات کے لئے ضروری ہے، لیکن صحابہ کرامؓ کو گالی دینا حب اہل بیت ہے، یہ گمراہ کن نظریہ ہے، حب اہل بیت دیگر صحابہ سے محبت کے بغیر ممکن نہیں، الحمد للہ اہلسنت والجماعت اہل بیت اور دیگر صحابہؓ دونوں سے محبت رکھتے ہیں، لہٰذا وہ کشتی میں سوار بھی ہیں اور ان کے پاس نور بھی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

## باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

## (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے فضائل کا بیان)

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۱۱/۱ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں سے بعض میں ازواج مطہرات کے فضائل مذکور ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ نے تمام ازواج مطہرات کے فضائل سے متعلق احادیث ذکر نہیں کی ہیں، ہم ذیل میں سب کا تعارف نقل کریں گے۔

**ازواج مطہرات:** جیسا کہ حدیث وسیرت کی مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے، رسول اللہ کی ازواج مطہرات جو منکوحہ بیوی کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ تھوڑی یا زیادہ مدت رہیں وہ کل گیارہ ہیں، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد۔ (۲) حضرت سودہ بنت زمعہ (۳) حضرت عائشہ صدیقہ (۴) حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب (۵) حضرت زینب بنت خزیمہ (۶) حضرت ام سلمہ (۷) حضرت زینب بنت جحش (۸) حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان (۹) حضرت جویریہ بنت الحارث (۱۰) حضرت صفیہ بنت حیی (۱۱) حضرت میمونہ۔ ان میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ نے حضور کی حیات میں وفات پائی۔ ان گیارہ کے علاوہ بنوقریظہ میں سے ریحانہ شمعون کے متعلق بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہؐ نے یہود بنی قریظہ کی غداری کی وجہ سے ان کے خلاف کاروائی کی اور ان کی بقایا کو گرفتار کیا گیا تو ان میں یہ ریحانہ بھی تھیں، انھوں نے اسلام قبول کرلیا، تو رسول اللہؐ نے ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا، لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور کی منکوحہ بیوی بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ باندی کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ حضورؐ کی وفات سے چند روز پہلے اور ایک روایت کے مطابق حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد حضورؐ کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

**زوجیت کا شرف:** رسول اللہ کی زوجیت کا شرف بجائے خود یقیناً اعلیٰ درجہ کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے اور فرق مراتب کے باوجود یہ تمام ازواج مطہرات کو یکساں طور پر حاصل ہے، اسی طرح ازواج مطہرات کو جو خصوصی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے ہیں وہ بھی یکساں طور پر ان سبھی کے لئے ہیں قرآن مجید میں "وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ فرما کر ان کو تمام اہل ایمان کی مائیں قرار دیا گیا ہے، اسی بنیاد پر آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے ہر امتی اور ہر صاحب ایمان کے لئے ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا ابدالآباد تک اسی طرح حرام قرار دے دیا گیا ہے جس طرح اپنی حقیقی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، یہاں تک ازواج مطہرات کے صرف اسماء گرامی لکھے گئے ہیں اور رسول اللہ کی زوجیت کے شرف سے متعلق مختصراً کچھ اشارات کئے گئے ہیں آگے انشاء اللہ ان امہات المومنین کا بقدر ضرورت تعارف ناظرین کرام مطالعہ فرمائیں گے۔



**تعدد ازواج کی حکمت:** آپؐ نے بہت سی شادیاں کیں ہیں لیکن نفسانی خواہش کی تکمیل کی غرض سے نہیں بلکہ اس کے پیچھے بہت سے نیک مقاصد تھے، تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۳۲۲۹ دیکھیں۔

**حضرت خدیجہؓ کے حالات:** حضرت خدیجہؓ کے نکاح کی سب سے اول تجویز ورقہ بن نوفل سے ہوئی تھی، مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی، اس کے بعد دو شخصوں سے نکاح ہوا، اہل تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس سے ہوا، اکثر کی رائے ہے کہ پہلے عتیق بن عائذ سے ہوا جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا، اور وہ بڑی ہو کر مسلمان ہوئیں، اور صاحب اولاد بھی، اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عتیق سے ایک لڑکا بھی ہوا جس کا نام عبداللہ یا عبد مناف تھا، عتیق کے بعد پھر حضرت خدیجہؓ کا نکاح ابو ہالہ سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو اولاد ہوئیں، اکثروں نے کہا ہے کہ دونوں لڑکے تھے، اور بعضوں نے لکھا ہے کہ ہند لڑکا ہے اور ہالہ لڑکی، ہند حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے، ابو ہالہ کے انتقال کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا، جس وقت کہ حضرت

خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی، نکاح کے بعد پچیس برس حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں، اور رمضان ۱۰ ھ میں پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بیحد محبت تھی اور ان کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، ان کا لقب اسلام سے پہلے ہی سے طاہرہ تھا، اسی وجہ سے ان کی اولاد جو دوسرے خاندانوں سے ہے بنو الطاہرہ کہلاتی ہے، ان کے فضائل حدیث کی کتابوں میں بکثرت ہیں، ان کے انتقال پر حضور ﷺ نے خود قبر مبارک میں اتر کر دفن فرمایا تھا، نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔

**حضرت سودہؓ کے حالات:** حضرت سودہ بھی بیوہ تھیں، ان کے والد کا نام زمعہ بن قیس ہے، پہلے سے اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمروؓ کے نکاح میں تھیں، دونوں مسلمان ہوئے، اور ہجرت فرما کر حبشہ تشریف لے گئے، اور حبشہ میں سکرانؓ کا انتقال ہو گیا، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مکہ واپس آ کر انتقال فرمایا، ان کے انتقال کے بعد ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے کچھ دنوں بعد ان سے نکاح ہوا، اور رخصتی حضرت عائشہؓ کی رخصتی سے سب کے نزدیک پہلے ہی ہوئی، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، مجھے خاوند کی خواہش نہیں، مگر میری تمنا ہے کہ جنت میں حضور ﷺ کی بیویوں میں داخل رہوں، اس لئے مجھے آپ ﷺ طلاق نہ دیں، میں اپنی باری عائشہؓ کو دیتی ہوں، اس کو حضورؐ نے قبول فرما لیا، اور اس وجہ سے ان کی باری کا دن حضرت عائشہؓ کے حصے میں آتا تھا ۵۴ ھ یا ۵۵ ھ میں اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔

**حضرت عائشہؓ کے حالات:** حضرت عائشہؓ سے بھی نکاح مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال ۱۰ نبوی میں ہوا، جس وقت ان کی عمر چھ سال کی تھی، حضور کی بیویوں میں یہی صرف ایک ایسی ہیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا، اور باقی سب سے نکاح بیوگی کی حالت میں ہوا، نبوت سے چار سال بعد یہ پیدا ہوئیں، اور ہجرت کے بعد جب کہ ان کی عمر کو نواں برس تھا شوال ۱ ھ یا ۲ ھ میں چاشت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کے دولت کدہ پر رخصتی ہوئی، اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضورؐ کا وصال ہوا، اور چھیاسٹھ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان ۵۷ ھ کو منگل کی شب میں ان کا وصال ہوا، خود ہی وصیت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں جہاں اور بیبیاں دفن کی گئی ہیں دفن کیا جائے، حضورؐ کے قریب حجرہ شریفہ میں نہ دفن کیا جائے، چنانچہ بقیع میں دفن کی گئیں۔

**حضرت حفصہؓ کے حالات:** حضرت عائشہ کے بعد حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے نکاح ہوا، حضرت حفصہ نبوت سے پانچ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئیں، پہلا نکاح مکہ ہی میں خنیس بن حذافہؓ سے ہوا، یہ بھی پرانے مسلمان ہیں جنھوں نے اول حبشہ کی ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی، بدر میں بھی شریک ہوئے، اور اسی لڑائی یا احد کی لڑائی میں ان کے ایسا زخم آیا جس سے اچھے نہ ہوئے اور ۲ ھ یا ۳ ھ میں انتقال فرمایا، اس کے بعد حضورؐ سے ۲ ھ یا ۳ ھ میں نکاح ہوا، کسی وجہ سے حضورؐ نے ان کو ایک طلاق بھی دی تھی، جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو بہت رنج ہوا، حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور عرض کیا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ حفصہؓ سے رجوع کرلو، یہ بڑی شب بیدار اور کثرت سے روزہ رکھنے والی ہیں، اور عمرؓ کی خاطر بھی منظور ہے، اس لئے حضورؐ نے رجوع فرما لیا، جمادی الاولی ۴۵ ھ میں جب ان کی عمر تقریباً تریسٹھ برس کی تھی، مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا، بعض نے ان کا انتقال ۴۱ ھ میں اور ان کی عمر ساٹھ برس کی لکھی ہے۔

**حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے حالات:** ان کے بعد حضورؐ کا نکاح حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے ہوا، حضرت زینب کے پہلے نکاح میں اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ پہلے عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا تھا، جب وہ غزوہ احد میں شہید ہوئے تو حضورؐ نے نکاح کیا، اور بعض نے لکھا ہے کہ ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا تھا، ان کے طلاق دینے کے بعد ان کے بھائی عبیدہ بن الحارث سے ہوا، جو بدر میں شہید ہوئے اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے اکتیس مہینے بعد رمضان ۳ ھ میں ہوا، آٹھ مہینے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں، اور ربیع الآخر ۴ ھ میں انتقال فرمایا۔

**حضرت ام سلمہؓ کے حالات:** ان کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام سلمہؓ سے ہوا، حضرت ام سلمہؓ ابو امیہ کی بیٹی تھیں، جن کا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابو سلمہؓ سے ہوا تھا جن کا نام عبداللہ بن الاسدؓ تھا، دونوں میاں بیوی ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں، کفار کے ہاتھ سے تنگ آکر اول دونوں نے حبشہ کی ہجرت کی، وہاں جاکر ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام سلمہ تھا، حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کی، ابو سلمہؓ کو احد کی جنگ میں ایک زخم آگیا تھا جو صفر ۴ھ میں ایک سریہ میں پھر ہرا ہوگیا، اسی میں آٹھ جمادی الاخریٰ ۴ھ میں انتقال فرمایا، حضرت ام سلمہؓ اس وقت حاملہ تھیں، اور زینبؓ پیٹ میں تھیں، جب وہ پیدا ہوئیں تو عدت پوری ہوئی، چنانچہ اخیر شوال ۴ھ میں حضورؐ سے نکاح ہوا، بعض نے ۳ھ اور بعض نے ۲ھ میں لکھا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان کے حسن کی بہت شہرت تھی، جب نکاح ہوگیا تو میں نے چھپ کر حیلہ سے جاکر دیکھا تو جیسا سنا تھا اس سے زیادہ پایا، امہات المومنین میں سب سے اخیر میں ام سلمہؓ کا انتقال ۵۹ھ یا ۶۲ھ میں ہوا، اس وقت چوراسی سال کی عمر تھی۔

**حضرت زینب بنت جحشؓ کے حالات:** ان کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب بنت جحشؓ سے ہوا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں، ان کا پہلا نکاح حضورؐ نے اپنے متبنی حضرت زید بن حارثہؓ سے کیا تھا، ان کے طلاق دینے کے بعد اللہ جل شانہ نے خود ان کا نکاح حضورؐ سے کردیا، جس کا قصہ سورہ احزاب میں بھی ہے، اس وقت ان کی عمر پینتیس سال کی تھی، مشہور قول کے موافق ذیقعدہ ۵ھ میں نکاح ہوا، بعض نے ۳ھ میں لکھا ہے، مگر صحیح ۵ھ ہے، اس حساب سے نبوت سے گویا سترہ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی، ان کو اس پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح ان کے اولیا نے کیا اور ان کا نکاح اللہ جل شانہ نے کیا، حضورؐ نے ان کے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا، بکری ذبح کی گئی، اور گوشت روٹی کی دعوت فرمائی، حضرت زینبؓ بڑی سخی تھیں، اور روزے بھی بہت کثرت سے رکھتی تھیں، ۲۰ھ میں انتقال فرمایا، حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، پچاس برس کی عمر تھی۔

**حضرت جویریہؓ کے حالات:** ان کے بعد آپؐ کا نکاح حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار سے ہوا، یہ غزوۂ مریسیع میں قید ہوکر آئی تھیں، اور غنیمت میں حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں، قید ہونے سے پہلے مسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں، حضرت ثابت بن قیسؓ نے ان کو نو اوقیہ سونے پر مکاتب کردیا، حضورؐ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی آپ کو معلوم ہے اب اتنی مقدار میں میں مکاتب ہوئی ہوں اور یہ مقدار میری طاقت سے باہر ہے، آپ کی امید پر آئی ہوں، حضورؐ نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر راستہ بتاؤں کہ تجھے مال ادا کرکے آزاد کرادوں اور تجھ سے نکاح کرلوں، ان کے لئے اس سے بہتر کیا تھا، اور ۵ھ میں مشہور قول کے موافق اور بعضوں نے ۶ھ میں اس قصہ کو بتایا ہے، نکاح ہوگیا، صحابہؓ نے جب سنا کہ بنو المصطلق حضورؐ کی سسرال بن گئی تو انھوں نے بھی اس اعزاز میں اپنے اپنے غلام آزاد کردیئے، کہتے ہیں کہ ایک حضرت جویریہؓ کی وجہ سے سو گھرانے آزاد ہوئے، جن میں تقریبا سات سو آدمی تھے، اس قسم کی مصلحتیں حضورؐ کے سب نکاحوں میں تھیں، ربیع الاول ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق پینسٹھ برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا، اور بعضوں نے ان کا انتقال ۵۶ھ میں ستر برس کی عمر میں لکھا ہے۔

**حضرت ام حبیبہؓ کے حالات:** ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ابو سفیان کی صاحبزادی ہیں، ان کے نام میں اختلاف ہے، اکثروں نے مرملہ اور بعضوں نے ہند بتایا ہے، ان کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحشؓ سے مکہ مکرمہ میں ہوا تھا، دونوں میاں بیوی مسلمان ہوگئے تھے، حبشہ کی ہجرت کی، وہاں جاکر خاوند نصرانی ہوگیا، یہ اسلام پر باقی رہیں، اس کے بعد حضورؐ نے شاہ نجاشی کے پاس پیام بھیجا کہ ان کا نکاح مجھ سے کردو، چنانچہ نجاشی نے ان کا نکاح حضورؐ سے کردیا، اور اپنے پاس سے چار سو دینار مہر ادا کیے، اور بہت کچھ سامان دیا، اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا، جیسا کہ اکثر کا قول ہے یا ۶ھ میں جیسا کہ بعض نے کہا ہے، صاحب تاریخ خمیس نے لکھا

ہے کہ ان کا نکاح ۶ھ میں ہوا، اور رخصتی ۷ھ میں، ان کے انتقال میں بہت اختلاف ہے، اکثر نے ۴۴ھ بتایا ہے، اور اس کے علاوہ ۴۲ھ اور ۵۵ھ اور ۵۰ھ وغیرہ اقوال بھی ہیں۔

**حضرت صفیہؓ کے حالات:** ام المومنین حضرت صفیہؓ حیی کی بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، اول سلام بن مشکم کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد کنانہ بن ابی حقیق کے نکاح میں آئیں، ان سے نکاح اس زمانہ میں ہوا تھا کہ خیبر کی لڑائی شروع ہوگئی تھی، اور ان کا خاوند قتل ہوگیا تھا، حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضورؐ سے ایک باندی مانگی، حضورؐ نے ان کو مرحمت فرمادیا، چونکہ یہ سردار کہ بیٹی تھیں، اس لئے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار ہوگی، صفیہؓ کو اگر حضورؐ اپنے نکاح میں لے لیں تو بہت سے لوگوں کی دلداری ہے، اس لئے حضورؐ نے حضرت دحیہؓ کو خاطر خواہ عوض دے کر ان کو لے لیا اور ان کو آزاد فرما کر نکاح کرلیا، اور خیبر سے واپسی میں ایک منزل پر ان کی رخصتی ہوئی، صبح کو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس جو چیز ہو وہ لے آئے، ایک چمڑے کا دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر کھجور، پنیر، گھی وغیرہ جو تھا ڈال دیا گیا، اور سب نے شریک ہوکر کھایا، یہی ولیمہ تھا، رمضان ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا، اور تقریبا ساٹھ برس کی عمر پائی، خود کہتی ہیں کہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھی تو میری عمر سترہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔

**حضرت میمونہؓ کے حالات:** ام المومنین حضرت میمونہؓ حارث بن حزن کی بیٹی ہیں، ان کا اصل نام برّہ تھا، حضورؐ نے بدل کر میمونہؓ رکھا، پہلے سے ابورحم عبدالعزی کے نکاح میں تھیں، اکثر مورخین کا یہی قول ہے، بعض نے لکھا ہے کہ حضورؐ سے پہلے بھی دو نکاح ہوئے تھے، بیوہ ہوجانے کے بعد ذی قعدہ ۷ھ میں جب حضور عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے جارہے تھے موضع سرف میں نکاح ہوا، واپسی میں سرف میں ہی رخصتی ہوئی، اور سرف ہی میں خاص اسی جگہ جہاں رخصتی کا خیمہ تھا ۵۱ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا، اور بعض نے ۶۱ھ میں لکھا ہے، اس وقت ان کی عمر اکیاسی برس کی تھی، اور اسی جگہ قبر بنی۔ (فضائل اعمال)

## الفصل الاول

### حدیث نمبر ۲۹۷۷ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸٤

### ﴿حضرت خدیجہؓ اس امت کی بہترین خاتون ہیں﴾

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ أَبُوْ كُرَيْبٍ وَأَشَارَ وَكِيْعٌ إِلَى السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۸۸ ج ۱، باب و اذ قالت الملائكة الخ، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث ۳۴۳۲؛ مسلم، ص ۲۸۴ ج ۲، باب فضائل خدیجة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۳۲

**حل لغات:** نِسَاء امرأة کی جمع (غیر لفظ سے) عورتیں، خواتین۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اپنے زمانے کی عورتوں میں بہتر مریم بنت عمران تھیں اور اپنے زمانے کی عورتوں میں بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ (بخاری ومسلم) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوکریب نے کہا وکیع نے آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت مریم اور خدیجہ رضی اللہ عنہما میں تفضیل کی طرف کوئی اشارہ نہیں، دونوں خواتین اپنے اپنے زمانہ کی بہترین خواتین ہیں اور اس امت کی تین خواتین میں یعنی خدیجہ، عائشہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن میں سے

کس کا اول نمبر ہے، کس کا دوم، کس کا سوم؟ یہ کانٹوں بھرا مسئلہ ہے اور پہلے آیا بھی ہے۔ اسلئے اس میں بحث غیر ضروری ہے۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** خیر نسائها مريم یہاں مضاف الیہ ھا مونث کی ضمیر ہے جس کا مرجع پہلے نہیں ہے، لہٰذا یہ اضمار قبل الذکر ہے، اس کا کیا جواب ہے؟ ملا علی قاریؒ کے کلام سے اس کے دو جواب معلوم ہوتے ہیں پہلا جواب یہ ہے کہ یہ ضمیر دنیا کی طرف راجع اور دنیا ان الفاظ میں سے ہے جس کی طرف اضمار قبل الذکر جائز ہے تو اصل عبارت اس طرح ہے خیر نساء الدنيا ای فی زمانها مريم، اپنے زمانے کی عورتوں میں حضرت مریم دنیا کی ساری عورتوں سے افضل تھیں۔ ملا علی قاریؒ نے اس کے بعد دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ خیر نسائها خبر مقدم ہے اور مریم مبتدا موخر ہے اصل عبارت اس طرح ہے مريم خير نساء زمانها، اس طرح اضمار قبل الذکر کا اعتراض ختم ہو گیا۔ ملا علی قاریؒ نے اس کو پسند کیا ہے، اس سے وہ سوال بھی ختم ہو گیا کہ حضرت مریم کو جب پوری دنیا کی عورتوں پر فضیلت دی گئی، تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی فضیلت کہاں گئی؟ کیوں کہ جب اپنے اپنے زمانے کی فضیلت کی بات ہوئی تو کوئی اعتراض نہ رہا۔ ملا علی قاریؒ نے ان خواتین کے درمیان فضیلت کا فیصلہ ایک روایت سے بھی کیا ہے وہ روایت یہ ہے، خديجة خير نساء عالمها و مريم خير نساء عالمها و فاطمة خير نساء عالمها۔ (ترمذی ونسائی مرسلا) یعنی خدیجہ اپنے زمانے میں سب سے بہتر، مریم اپنے زمانے میں سب عورتوں سے بہتر اور فاطمہ اپنے زمانے میں سب سے بہتر ہیں۔ واشار وكيع الى السماء والارض اس سے راوی نے اسی اشکال کو دور کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وکیع نے آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ضمیر آسمان وزمین یعنی دنیا اور زمانہ کی طرف لوٹتی ہے۔ (توضیحات) بعض شارحین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت مریم پہلی امتوں کی تمام عورتوں میں بہتر اور بالاتر ہیں اور حضرت خدیجہ اس امت محمدیہ کی تمام عورتوں میں بہتر اور بالاتر ہیں اور چوں کہ رسول اللہ کی یہ امت خیر امم ہے، یعنی پہلی تمام امتوں سے بہتر اور بالاتر ہے، اس لئے حضرت خدیجہ بہ نسبت حضرت مریم بنت عمران کے بہتر اور برتر ہوں گی۔ (معارف الحدیث)

### حدیث نمبر ۲۹۷۸ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸۵

## ﴿حضرت خدیجہؓ کو اللہ تعالیٰ نے سلام کہلوایا﴾

وَعَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَى جِبْرِيْلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهِ خَدِيْجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيْهِ إِدَامٌ أَوْطَعَامٌ فَإِذَا أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّىْ وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِى الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۹ ج ۱، باب تزويج النبی صلى الله عليه وسلم الخ، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۲۰؛ مسلم ص ۲۸۴ ج ۲، باب فضائل خديجة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۳۵

**حل لغات:** إِنَاءٌ برتن (ج) آنِيَةٌ و أَوَانٍ۔ إِدَامٌ سالن، ہر وہ چیز جس کے ساتھ روٹی لگا کر کھائی جائے (ج) أُدُمٌ۔ قَصَب یاقوت جڑا ہوا موتی۔ صَخَب شور غل، ہنگامہ۔ نَصَب تکان، دکھ، درد۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اے رسول خدا! یہ خدیجہ آرہی ہیں، ان کے ساتھ ایک برتن ہے، اس میں سالن اور کھانا ہے، جب وہ آپؐ کے پاس آجائیں، تو ان کو ان کے پروردگار کی طرف سے سلام پہنچایئے، اور میری طرف سے بھی، اور ان کو خوشخبری سنایئے جنت میں موتیوں سے بنے ہوئے ایک گھر کی، جس میں نہ شور وشغب ہوگا اور نہ کوئی زحمت ومشقت ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے طبرانی کی ایک روایت کے حوالہ سے لکھا ہے ان ذالك كان وهو بحراء یعنی جبرئیل کی یہ آمد اس وقت ہوئی تھی جب رسول اللہؐ غار حرا میں تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ غار حراء میں حضرت جبرئیلؑ کی اس پہلی آمد کے بعد کا ہے۔ اس سے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت جبرئیلؑ کی پہلی آمد اور آغاز نبوت کے بعد اس غار حرا میں آپ کی خلوت گزینی کا سلسلہ بالکل ختم اور منقطع نہیں ہو گیا تھا، یہ بات نا قابل فہم ہے کہ جہاں آپ طویل مدت تک خلوت گزیں ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں مشغول رہے ہوں اور جہاں اس کے عظیم المرتبہ حامل وحی فرشتے جبرئیل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا نزول آپ پر شروع ہوا ہو، اس کے بعد آپ کا اس مقدس مقام سے کوئی تعلق نہ رہا ہو۔ الغرض اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آغاز نبوت کے بعد بھی آپ غار حراء میں کبھی کبھی قیام فرماتے تھے، اسی دور میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت جبرئیل آئے اور آپ کو مطلع کیا کہ آپ کی زوجہ محترمہ خدیجہؓ آ رہی ہیں اور آپؐ کے لئے کھانے کا کچھ سامان لا رہی ہیں، جب وہ آئیں تو آپؐ ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے بھی ان کو سلام پہنچائیں، اور ان کو موتیوں سے جنت میں بنے ہوئے ایک ایسے گھر کی بشارت دیں، جس میں نہ شور و شغب ہوگا اور نہ کسی قسم کی زحمت اور نہ تکلیف ہوگی۔ اس حدیث سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تین خاص فضیلتیں معلوم ہوئیں: (۱) وہ ایک معزز دولت مند اور بوڑھی خاتون ہونے کے باوجود حضورؐ کے لئے کھانے پینے کا سامان گھر پر تیار کر کے غار حراء تک خود لے کے گئیں، جو کہ اس وقت شہر مکہ مکرمہ کی آبادی سے قریباً ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر تھا، اور حراء کی بلندی کی وجہ سے اس پر چڑھنا اچھے طاقت ور آدمی کے لئے بھی آسان نہیں تھا۔ بلاشبہ حضرت خدیجہؓ کا یہ عمل ایسا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی بارگاہ میں اس کی خاص قدر ہو۔ (۲) دوسری بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو رب العرش اللہ تعالیٰ کا سلام اور اسی کے ساتھ اس کے عظیم المرتبہ فرشتے جبرئیل امینؑ کا سلام پہنچایا گیا ہے۔ (۳) جنت میں ان کے لئے موتیوں سے بنے ہوئے بیت (گھر) کی بشارت دی گئی، جس کی خاص صفت یہ بیان کی گئی کہ نہ تو اس میں کسی قسم کا شور و شغب ہوگا اور نہ کسی طرح کی زحمت و تکلیف اٹھانی پڑے گی، جیسا کہ دنیا کے گھروں میں عام طور سے اپنے گھر والوں کا یا پاس پڑوس کا شور و شغب آرام و یکسوئی میں خلل انداز ہوتا ہے، اور جس طرح گھر کی صفائی اور درستی وغیرہ میں زحمت و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، اس طرح وہاں کی تکلیف بھی نہیں اٹھانی پڑے گی۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** ابشرها ببيت في الجنة عشرہ مبشرہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ اور صحابیات کو نبیؐ نے مختلف مواقع میں جنت کی بشارت دی ہے، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو بھی اس کی خوشخبری دی ہے۔ قصب حضرت خدیجہؓ کو جنت میں ایسے گھر کی بشارت دی جو وسیع خول دار موتی سے بنا ہوا ہوگا۔ یہاں قصب کا لفظ ہے جس کی تشریح خود متعدد روایات میں یہ آئی ہے کہ اس کی بناوٹ صرف ایک موتی سے ہوگی اور وہ موتی ایسا ہوگا جو درمیان سے خالی ہوگا اور چاروں طرف سے نیچے تک پہنچا ہوا ہوگا۔ (ایضاح البخاری)

### حدیث نمبر ۲۹۷۹☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸۶

## ﴿حضرت عائشہؓ کا حضرت خدیجہؓ پر رشک کرنا﴾

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلٰى أَحَدٍ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ مَا غِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَمَا رَأَيْتُهَا وَلٰكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِيْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ كَأَنَّهُ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا إِمْرَأَةٌ إِلَّا خَدِيْجَةَ فَيَقُوْلُ إِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِيْ مِنْهَا وَلَدٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۹ ج ۱، باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۱۸؛ مسلم، ص ۲۸۴ ج ۲، باب فضائل خدیجة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۳۵

**حل لغات:** غِرْتُ غَارَ الرَّجُلُ عَلٰی امْرَأَتِہٖ (س) غَیْرَۃً مرد کا عورت پر یا عورت کا مرد پر غیرت کھانا، عورت کو اس پر ناگواری ہونا کہ اس کا مرد کسی دوسری کی طرف متوجہ ہو۔ یُقَطِّعُ قَطَّعَہٗ تقطیعًا ٹکڑے ٹکڑے کرنا (تفعیل)۔ صَدَائِقُ (و) صَدِیْقَۃٌ دوست عورت، ساتھن، رفیقہ۔ وُلْدٌ وَلَدٌ لڑکا، اولاد، نسل۔



**ترجمہ:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی پر ایسا رشک نہیں آیا جیسا کہ خدیجہؓ پر حالاں کہ میں نے ان کو دیکھا نہیں، لیکن آپ انکو بہت یاد کرتے اور بکثرت انکا ذکر فرماتے، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آپ بکری ذبح فرماتے پھر اس کے اعضاء کے الگ الگ ٹکڑے کرتے پھر وہ ٹکڑے خدیجہؓ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے، تو میں کسی وقت کہہ دیتی دنیا میں بس خدیجہؓ ہی ایک عورت تھی اور آپؐ فرماتے کہ وہ ایسی تھیں، ایسی تھیں اور ان سے میری اولاد ہوئی۔ (صحیح بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن اخلاقِ حسنہ سے نوازا تھا ان میں ایک احسان شناسی کا وصف بھی تھا، حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کے نکاح میں آنے کے بعد آپ کی جو خدمتیں کیں اور دورِ نبوت کے آغاز میں جس طرح وہ آپؐ کے لئے تقویت اور تسلی کا ذریعہ بنیں اور پھر دینِ حق کی دعوت کے وقت جس طرح وہ شدائد ومصائب میں آپؐ کی شریک حال رہیں، اور ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات ان کو عطا فرمائی تھیں (جن میں سے کچھ کا ذکر اوپر آچکا ہے) ان کا حق تھا کہ آنحضرتؐ ان کو کبھی فراموش نہ کرتے اور احسان شناسی کے جذبہ کا تقاضہ تھا کہ آپؐ ان کا اور ان کی خدمات واحسانات کا دوسروں کے سامنے خاص کر اپنی ازواج مطہرات کے سامنے ذکر فرماتے؛ یہی آپؐ کا عمل تھا یہاں تک کہ اس سلسلہ میں آپؐ کا یہ بھی معمول تھا کہ کبھی کبھی آپ بکری ذبح کرتے تھے، اس گوشت کے پارچے خدیجہؓ سے میل محبت کا تعلق رکھنے والی خواتین کو ہدیہ کے طور پر بھیجتے، آپ کا یہی وہ طرزِ عمل تھا جس کی بنا پر حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر و یسا رشک نہیں آیا جیسا کہ آپؐ کی پہلی مرحومہ بیوی خدیجہؓ پر آتا تھا، حالاں کہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا (کیوں کہ ان کے بچپنے ہی میں وہ وفات پاگئیں تھیں) اس سلسلۂ بیان میں حضرت عائشہؓ نے خود ہی اپنی اس کمزوری کا ذکر فرمایا کہ میں ایسے وقت جب آپ اپنی مرحومہ بیوی خدیجہؓ کی خوبیوں کا ذکر فرماتے تو کبھی کہہ دیتی کہ دنیا میں بس خدیجہؓ ہی ایک عورت تھیں۔ تو آپؐ فرماتے کہ وہ ایسی تھیں ایسی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ ان کی خدمات واحسانات اور خوبیوں کا ذکر فرماتے۔ اس سلسلہ میں آپؐ ان کی اس خصوصیت کا بھی ذکر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائی؛ کیوں کہ ان کے علاوہ دس بیویوں میں سے کسی سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے تھے، جن کا نام آپؐ نے ابراہیم رکھا تھا، وہ شیر خوارگی ہی کے ایام میں قریباً صرف ڈیڑھ سال کی عمر پا کر انتقال کر گئے تھے، لیکن حضرت ماریہؓ آپ کی ازواج مطہرات میں سے نہیں تھیں، بلکہ آپ کی مملوکہ تھیں جن کو اسکندریہ کے صاحب حکومت مقوقس نے کچھ اور ہدایا کے ساتھ آپ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا، پھر وہ حضرت ابراہیم کی پیدائش کے بعد شریعت کے حکم کے مطابق ام ولد ہوگئیں، تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۵ سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں وفات پائی۔

**کلماتِ حدیث کی تشریح** وما رایتھا اور میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا، اس لئے ان پر غیرت کی کوئی وجہ نہیں تھی، غیرت سوکنوں میں ہوتی ہے اور سوکنیں وہ بیویاں ہیں جو ایک ساتھ کسی کے نکاح میں جمع ہوتی ہیں۔ اور حضرت

خدیجہؓ کا زمانہ مقدم ہے، اس لئے ان پر غیرت کھانے کی کوئی وجہ نہیں تھی، اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان پر بہت زیادہ غیرت آتی تھی اور وہ غیرت بکثرت نبیؐ کے ان کا تذکرہ کرنے کی وجہ سے تھی، یعنی آپؐ حضرت خدیجہؓ کا اتنا زیادہ تذکرہ فرماتے تھے اور اتنی زیادہ تعریف کرتے تھے کہ دل سن کر کباب ہوجاتا تھا، بلکہ ایک مرتبہ تو حضرت عائشہؓ نے جھلا کر کہہ دیا تھا کہ آپؐ قریش کی ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان سے بہتر بیوی دی ہے، اس پر آپؐ نے فرمایا نہیں ان سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری اولاد ان سے دی ہے۔ اور بیشک شان یہ ہے کہ نبیؐ بکری ذبح کیا کرتے تھے، پس آپؐ ہدیہ بھیجتے بکری کے گوشت کا ان کی سہیلیوں کے پاس، اسی کا نام تعلقات کی پاس داری ہے، اور یہی حسن وفا ہے۔ کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اس کے متعلقین کے ساتھ بھی محبت ہوجاتی ہے۔ حاکم اور بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بڑھیا نبیؐ کے پاس آئی آپؐ نے پوچھا تم کیسی ہو؟ تمہارا کیا حال ہے؟ ہمارے بعد تمہارے احوال کیا رہے؟ بڑھیا نے کہا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! ہمارے احوال اچھے ہیں۔ پھر جب وہ بڑھیا چلی گئی تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا یارسول اللہؐ! آپؐ نے اس بڑھیا کی طرف اتنا التفات کیوں کیا؟ آپؐ نے فرمایا، یا عائشة! انها كانت تاتينا زمن خديجة، وان حسن العهد من الايمان. اے عائشہ! یہ بڑھیا ہمارے پاس حضرت خدیجہؓ کے زمانہ میں آیا کرتی تھی، اور تعلقات کی پاسداری ایمان کا تقاضہ ہے، اس لئے میں نے اس کی طرف اتنا التفات کیا۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۲۹۸۰ ﴿حضرت عائشہؓ کو حضرت جبرئیلؑ کا سلام﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸۷**

وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشُ هٰذَا جِبْرِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَتْ وَهُوَ يَرٰى مَالَا أَرٰى. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص۵۳۲ ج۱، باب فضل عائشة، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۷۶۸؛ مسلم، ص۲۸۷ ج۲، باب فی فضل عائشة، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۴۷

**حل لغات:** يُقْرِئُ أقرأه السَّلَامَ إِقْرَاءً سلام پہنچانا۔

**ترجمه:** حضرت ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں جو تم کو سلام کہلوا رہے ہیں۔ تو میں نے عرض کیا، وعليه السلام ورحمة الله (ان پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت)۔ آگے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ وہ دیکھتے تھے جو ہم نہیں دیکھتے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضرت خدیجہؓ کے فضائل کے بیان میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت جبرئیل غار حراء میں آپؐ کے پاس آئے اور آپ سے کہا کہ حضرت خدیجہؓ کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر آرہی ہیں ان کو اپنے رب کا سلام پہنچایئے اور میرا۔ اور یہاں اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ جبرئیل ہیں جو تم کو سلام کہلوا رہے ہیں۔ حضرت صدیقہؓ نے جواب میں عرض کیا وعليه السلام ورحمة الله، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جبرئیل کو حضورؐ دیکھ رہے تھے، میں نہیں دیکھ رہی تھی۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** هذا جبرئيل يقرئك السلام حضور اکرمؐ اس سلام کے پہنچانے کا واسطے بنے یہ الگ مصلحت ہے، اور حضرت جبرئیل سلام کرنے والے بنے یہ الگ فضیلت ہے۔ حضرت خدیجہؓ کو جبرئیل نے سلام خود نہیں کیا بلکہ پیغام دیا اور حضرت عائشہؓ کو خود سلام کیا، ظاہر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل امین کو سلام کرنے کا حکم ملا

ہوگا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا کتنا بلند مقام ہے۔ (توضیحات) صاحب مرقات نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کو جبرئیلؑ نے اللہ کا اور اپنا سلام کہلوایا جب کہ عائشہؓ کو صرف خود سلام کیا اللہ کا سلام نہیں پہنچایا، یہ خدیجہؓ کی اس حوالے سے عائشہؓ پر فضیلت ہے۔ جس طرح سلام کرنا مسنون ہے، سلام کہلوانا بھی مسنون ہے اور جس طرح سلام کا جواب دینا ضروری ہے، اسی طرح آئے ہوئے سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے، اور جواب میں سلام لانے والے کو بھی شریک کرنا چاہئے کہنا چاہئے علیك و علیه السلام۔ لوگوں میں ایک غلط طریقہ یہ رائج ہے کہ اگر ان سے کہا جائے فلاں سے سلام کہنا تو پہلے وہی جواب دے دیتا ہے پھر جس کو سلام کہلوایا ہے اسکو سلام پہنچاتا ہے، یہ غلط طریقہ ہے جسکے ذریعہ سلام بھیجا جارہا ہے اس کے ذمہ جواب نہیں اس کے ذمہ صرف سلام پہنچانا ہے، پھر جب وہ سلام پہنچائے تو جسکو سلام پہنچایا ہے وہ جواب دیگا اور وہ جواب میں سلام پہنچانیوالے کو بھی شامل کریگا۔ (تحفۃ الالمعی)

### حدیث نمبر ۲۹۸۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸۸

## ﴿حضرت عائشہؓ سے آپؐ کا نکاح باذن الٰہی ہوا﴾

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْتُكِ فِي الْمَنَامِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يَجِيْءُ بِكِ الْمَلَكُ فِيْ سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ فَقَالَ لِيْ هٰذِهِ امْرَأَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَإِذَا أَنْتِ هِيَ فَقُلْتُ إِنْ يَكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۵۱ ج ۱، باب تزویج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عائشۃ، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۹۵؛ مسلم، ص ۲۸۵ ج ۲، باب فضل عائشۃ، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۴۴۲

**حل لغات:** سَرَقَة من حریر ریشمین کپڑے کے ٹکڑے یا عمدہ قسم کا ریشمین کپڑا (ج) سَرَق۔ یُمضِہ أمضَی الحُکمَ والأمْرَ إمضاءً فیصلہ یا حکم جاری کرنا، نافذ کرنا، تکمیل کرنا (افعال)۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے دکھائی گئیں خواب میں تین رات، فرشتہ ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں تمہیں لے کر آتا اور مجھ سے کہتا کہ یہ آپؐ کی بیوی ہیں، تو میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ وہ تم ہو، تو میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہے تو وہ اسکو پورا فرمائیگا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ آپ نے یہ خواب کہاں اور کس زمانہ میں دیکھا؟ بظاہر قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب ان جیسی شریک حیات کی مفارقت کا فطری طور پر آپ کو سخت صدمہ تھا اور مستقبل کے بارے میں فکر تھی تو اس وقت آپؐ کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو یہ دکھایا گیا، حضرت عائشہؓ اگر چہ اس وقت قریباً چھ سال کی بچی تھیں، لیکن اس بچپن ہی میں ان کے جو احوال واطوار تھے ان سے آنحضرتؐ کو ان کی ذہانت و فطانت اور غیر معمولی صلاحیت کا بخوبی اندازہ تھا، اس طرح آپؐ کو منجانب اللہ بتلایا گیا کہ یہی آپ کے لئے مستقبل میں حضرت خدیجہؓ کا بدل ثابت ہوں گی۔ (واللہ اعلم) یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ نبوت کے ابتدائی دور میں آنحضرتؐ کو اپنی شریک حیات میں جن خصوصیات کی ضرورت تھی وہ اللہ کی طرف سے حضرت خدیجہؓ کو بھرپور عطا فرمائی تھیں اور ہجرت کے بعد کے مدنی دور میں اپنی رفیقۂ حیات میں آپ کو جن خاص صفات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کو بدرجہ کمال عطا فرمائی تھیں۔ حدیث شریف کے آخر میں ہے کہ آپ نے خواب دیکھنے کے بعد اپنے دل میں کہا ان یکن ھذا من عنداللہ یمضہ (جس کا لفظی ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ اگر یہ خواب منجانب اللہ ہے، تو وہ اس کو پورا فرمائے گا) اس پر کسی کو اشکال ہوسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام خاص کر رسول اللہؐ کا خواب تو وحی کی ایک قسم ہے تو اس

کے بارے میں شک وشبہ کی کیا گنجائش تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ ان یکن کا لفظ شبہ ظاہر کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ بالکل اس طرح ہے کہ کسی ملک کا بادشاہ کسی شخص سے راضی ہوکر کہے اگر میں بادشاہ ہوں تو تمہارا یہ کام ضرور کیا جائیگا، الغرض اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے دل میں اطمینان محسوس کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ضرور ایسا ہی ہوگا، اور ایسا ہی ہوا۔ آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جامع ترمذی کی روایت میں صراحت ہے کہ خواب میں حضرت عائشہؓ کی صورت لیکر آنے والے فرشتے حضرت جبرئیل تھے اور انہوں نے حضورؐ سے کہا تھا ھذہٖ زوجتك فی الدنیا و الآخرۃ (یہ آپ کی بیوی ہونے والی ہیں دنیا اور آخرت میں)۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** اریتك فی المنام حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ کا نکاح غیبی اشارے سے ہوا تھا، آپؐ کی اپنی مرضی سے نہیں ہوا تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبوت کے دسویں سال ماہِ رمضان المبارک میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی، اس وقت آپ کی عمر پچاس سال تھی اور بچیاں چھوٹی تھیں اور کارِ نبوت روز افزوں تھا، اس لئے خاندان کی عورتوں نے مشورہ دیا کہ آپؐ نکاح کرلیں، چنانچہ آپؐ نے شوال ۱۰ نبوی میں حضرت سودہ بنت زمعہ سے نکاح کرلیا، وہ قدیم الاسلام تھیں حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ بھی کی تھی، ان کے دوسرے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا وہ بھی قدیم الاسلام تھے، مگر ان کا حبشہ میں یا مکہ میں انتقال ہوگیا تھا، حضرت خدیجہؓ کے بعد یہ پہلی بیوی ہیں جو آپؐ کے نکاح میں آئیں، اور یہ بڑی عمر کی خاتون تھیں، دومرتبہ بیوہ ہوچکی تھیں، اس نکاح کے بعد نبیؐ نے مذکورہ خواب دیکھا اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے، چنانچہ آپؐ نے خیال فرمایا کہ سودہؓ چند دن کی مہمان ہیں، پس اگر آپؐ عائشہؓ سے نکاح کرلیں تو وہ سودہؓ کے بعد گھر سنبھال لیں گی، اس طرح یہ نکاح غیبی اشارے سے ہوا، پھر ہجرت کے دوسرے سال جب وہ بالغ ہوگئیں تو حجلہ نبوی میں شامل ہوگئیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۲۹۸۲ ﴿حضرت عائشہؓ کا امتیازی مقام﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸۹**

وَعَنْهَا قَالَتْ إِنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ إِنَّ نِسَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ حِزْبَيْنِ فَحِزْبٌ فِيْهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ وَالْحِزْبُ الْآخَرُ أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَ حِزْبُ أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُوْلُ مَنْ اَرَادَ أَنْ يُهْدِيَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيُهْدِهٖ إِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا لَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ فَإِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَأْتِنِيْ وَاَنَا فِيْ ثَوْبِ امْرَاَةٍ إِلَّا عَائِشَةَ قَالَتْ أَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مِنْ أَذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ إِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ فَأَرْسَلْنَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ يَا بُنَيَّةُ أَلَا تُحِبِّيْنَ مَا أُحِبُّ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَأَحِبِّيْ هٰذِهٖ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَنَسٍ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ فِيْ بَابِ بَدْءِ الْخَلْقِ بِرِوَايَةِ اَبِيْ مُوْسٰى.

**حوالہ:** بخاری، ص۳۵۱ ج۱، باب من اھدی الیٰ صاحبہ، کتاب الھبۃ، حدیث ۲۵۸۱؛ مسلم، ص۲۸۵ ج۲، باب فضل عائشۃ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۴۴۲

**حل لغات:** يَتَحَرَّوْنَ تَحَرَّى الشَّيْءَ طلب کرنا، تحقیق وجستجو کرنا (تفعّل)۔ هَدَايَا و هَدِيَّةٌ تحفہ، ہدیہ۔ حِزْبَيْنِ حِزْب کا تثنیہ، پارٹی، ایسی جماعت جس میں یکساں اغراض ومقاصد کے لوگ شامل ہوں (ج) أَحْزَاب۔ سَائِر باقی، بچا ہوا۔ كَلَّمَ كَلَّمَهُ تَكْلِيْمًا کسی سے خطاب کرنا، کلام کرنا (تفعیل)۔ يُهْدِيْ اَهْدَى الْهَدِيَّةَ إِلٰى فُلَانٍ و لہ کسی کو ہدیہ یا تحفہ دینا (افعال)۔ أَتُوْبُ تَابَ إِلٰى

اللّٰہِ (ن) تَوْبًا وتَوْبَۃً گناہوں پر پشیمان ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔ بُنَیَّۃ تصغیر بِنْتٌ پیاری بیٹی، چھوٹی سی بیٹی۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خصوصیت سے میری باری ہی کے دن ہدیے بھیجنے کا اہتمام کرتے تھے، وہ اپنے اس عمل سے رسول اللہ کی خوشنودی چاہتے تھے (اور صورت حال یہ تھی کہ) آپ کی ازواج کے دو گروہ تھے، ایک گروہ میں عائشہؓ، حفصہؓ، صفیہؓ اور سودہؓ تھیں اور دوسرے گروہ میں ام سلمہؓ اور باقی ازواج۔ ام سلمہؓ کے گروہ والیوں نے ام سلمہؓ سے بات کی اور ان سے کہا رسول اللہؐ سے تم کہو کہ آپ اپنے اصحاب سے فرمادیں کہ اگر کوئی آپ کے لئے ہدیہ بھیجنا چاہے تو آپ جہاں بھی ہوں (یعنی ازواج میں سے کسی کے یہاں بھی مقیم ہوں) تو وہ وہیں آپ کو ہدیہ بھیجے، چنانچہ ام سلمہؓ نے آپ سے یہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم مجھے عائشہؓ کے بارے میں اذیت نہ دو، یہ عائشہؓ ہی کی خصوصیت ہے کہ انہیں کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! میں اللہ کے حضور میں آپ کو اذیت دینے سے توبہ کرتی ہوں۔ پھر ام سلمہؓ کے گروہ والی ازواج مطہرات نے (آپ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہؓ کو اسی غرض سے آپ کے پاس بھیجا، چنانچہ انھوں نے حضورؐ سے وہی عرض کیا، تو آپ نے فرمایا اے بیٹا کیا تم اس سے محبت نہیں کروگی جس سے مجھے محبت ہے؟ عرض کیا کیوں نہیں! (یعنی آپ جس سے محبت کرتے ہیں میں ضرور اس سے محبت کروں گی) آپ نے فرمایا "فاحبی ھذہ" تو تم اس (عائشہؓ) سے محبت کرو۔ (بخاری ومسلم) **فضل عائشہ الخ** والی حدیث انس پہلے **باب بدء الخلق** بروایت حضرت ابوموسیٰ گزر چکی۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں، ایک یہ کہ اس میں حضورؐ کی ازواج مطہرات کے دو گروہ میں تقسیم ہونے کی بات کہی گئی ہے، دو گروہوں میں یہ تقسیم کسی باہمی اختلاف کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ کچھ ازواج مطہرات کو مزاجی مناسبت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ تھی، اور کچھ کو حضرت ام سلمہؓ سے، واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل و دانش کے لحاظ سے یہ دونوں تمام ازواج مطہرات میں ممتاز تھیں اور حضورؐ کا قلبی تعلق بھی ان دونوں کیساتھ بہ نسبت دوسری ازواج کے زیادہ تھا، دوسری بات قابل وضاحت یہ ہے کہ رسول اللہ کھانے پینے، پہننے اور شب باشی جیسے اختیاری معاملات میں اپنی تمام ازواج کیساتھ امکانی حد تک یکساں برتاؤ کا خاص اہتمام فرماتے تھے؛ لیکن قلبی محبت کا تعلق انسان کے اختیار میں نہیں ہے، اسی بنا پر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اللھم ھذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (اے اللہ میں تقسیم میں برابری کرتا ہوں ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، اے میرے مالک مجھ سے درگزر فرما اس چیز کے بارے میں جو صرف تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے یعنی دل کا لگاؤ)۔ بہرحال یہ واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنی بعض ازواج کیساتھ زیادہ محبت تھی اور سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تھی اور آنحضرتؐ کے قریبی تعلق رکھنے والے اصحاب کرامؓ اس حقیقت سے باخبر اور واقف تھے، اسلئے وہ جب کھانے وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر بھیجنا چاہتے تو اسکا اہتمام کرتے کہ اس دن بھیجیں جس دن آپ کا قیام حضرت عائشہؓ کے یہاں ہو، یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آنحضرتؐ نے اس کیلئے کبھی کسی کو کوئی اشارہ نہیں فرمایا، تاہم یہ بات ان ازواج کیلئے گرانی کا باعث تھی جو حضرت ام سلمہؓ سے خصوصی تعلق رکھتی تھیں، انھوں نے انسے کہا کہ تم حضورؐ سے اس بارے میں بات کرو اور یہ عرض کرو، پھر ام سلمہؓ کا عرض کرنا اور آپ کا جواب اور اس پر ام سلمہؓ کی گزارش یہ سب حدیث کے ترجمہ میں پڑھ چکے ہیں، آگے حدیث میں یہ ہے کہ اس کے بعد انھوں نے حضورؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے بات کی اور انکو اسی غرض سے حضورؐ کی خدمت میں بھیجا، انھوں نے جاکر آپ کی ازواج کی طرف سے وہی عرض کیا جو حضرت ام سلمہؓ نے کہا تھا، پھر حضورؐ نے جو کچھ فرمایا اور حضرت فاطمہؓ نے جو عرض کیا وہ بھی ترجمہ میں آپ پڑھ چکے ہیں، البتہ یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ حدیث میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو اسکا علم تھا کہ حضرت ام سلمہؓ اس بارے میں حضورؐ سے

عرض کر چکی ہیں، یقین ہے کہ اگر انھیں اسکا علم ہوتا تو وہ ہرگز اس کیلئے تیار نہ ہوتیں، واللہ اعلم (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** یبتغون بذلك مرضاة چوں کہ آپ کو قلبی لگاؤ حضرت عائشہؓ سے زیادہ تھا، اس لئے صحابہؓ آپ کی محبت کے لحاظ میں اور آپ کی خوشی کی خاطر حضرت عائشہؓ کی باری پر ہدیہ بھیجنے کا اہتمام کرتے تھے۔ فضل عائشة جس حدیث کی طرف اشارہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمائی ہوئی تمام خواتین پر ایسی فضیلت و برتری حاصل ہے جیسی ثرید کو تمام کھانوں پر، واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں ثرید کو لذت اور نافعیت میں دوسرے سب کھانوں پر فوقیت و برتری حاصل تھی۔ (حوالا بالا)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۲۹۸۳ ﴿برتر خواتین کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۹۰

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۷ ج ۱، باب فضل خديجة، كتاب المناقب، حدیث ۳۸۷۸

**حل لغات:** حَسْبُكَ حَسْبِيْ میرے لئے کافی ہے، بس۔

**ترجمہ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی عورتوں میں سے بلحاظ فضیلت تمہارے لئے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** مریم، خدیجہ، فاطمہ اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنھن یہ اپنے اپنے زمانہ کی بہترین خواتین ہیں اور خیریت کا ان میں حصر نہیں ذکر شئی نفی ماعدا کو مستلزم نہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** حسبك من نساء العالمين اس حدیث میں حضرت عائشہؓ کا ذکر نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں تمام برتر خواتین کا احاطہ مقصود نہیں ہے، حضرت عائشہؓ کی فضیلت دوسری بہت سی احادیث میں مذکور ہے، جن میں بعض ماقبل میں نقل ہوئیں، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا یہ فرمان اس وقت صادر ہوا ہو جب کہ ابھی حضرت صدیقہؓ درجہ کمال کو نہ پہنچی ہوں، عورتوں میں سے افضل کون ہے؟ اس مسئلہ میں کوئی قطعی دلیل نہیں لہٰذا سکوت بہتر ہے۔

### حدیث نمبر ۲۹۸۴ ﴿حضرت عائشہؓ کا آپ کو دیدار کرایا جانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۹۱

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ جِبْرِيْلَ جَاءَ بِصُوْرَتِهَا فِيْ خِرْقَةِ حَرِيْرٍ خَضْرَاءَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذِهِ زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۶ ج ۲، باب فضل عائشة، كتاب المناقب، حدیث ۳۸۸۰

**حل لغات:** خِرْقَة کپڑے کا ٹکڑا (ج) خِرَق۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل سبز ریشمی کپڑے میں ان کی تصویر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہا یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت عائشہؓ سے آپ کا نکاح اللہ تعالیٰ نے طے کیا اور جبرئیل کے ذریعہ اس کی اطلاع دی۔ حضرت عائشہؓ کے لئے بڑے اعزاز کی بات ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے عالمی حدیث ۶۱۸۸ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان جبرئیل عالمی حدیث ۶۱۸۸ میں مطلقاً فرشتہ کا ذکر تھا، یہاں وضاحت ہوگئی کہ وہ فرشتہ حضرت جبرئیلؑ تھے۔ خضراء گزشتہ حدیث میں مطلقاً ریشم کا ذکر تھا، یہاں سے معلوم ہوا کہ جس ریشم کے کپڑے میں حضرت جبرئیل حضرت عائشہؓ کی تصویر لائے تھے وہ سبز تھا۔

**حدیث نمبر ۲۹۸۵ ﴿حضرت صفیہؓ کی فضیلت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۹۲**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ بَلَغَ صَفِيَّةَ أَنَّ حَفْصَةَ قَالَتْ بِنْتُ يَهُوْدِيٍّ فَبَكَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ فَقَالَتْ قَالَتْ لِيْ حَفْصَةُ إِنِّيْ ابْنَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ وَإِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ وَإِنَّكِ لَتَحْتَ نَبِيٍّ فَفِيْمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ ثُمَّ قَالَ اتَّقِي اللّٰهَ يَا حَفْصَةُ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۷ ج ۲، باب فضل ازواج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۹۴؛ نسائی، باب الافتخار، کتاب عشرۃ النساء، حدیث ۸۹۱۹، نسائی کے ہندوستانی متداول نسخے میں نہیں ملی۔

**حل لغات:** بَلَغَ بَلَغَهٗ کذا (نصر) بُلُوْغًا پہنچنا۔ تَفْخَرُ فَخَرَ الرجلُ (ف) فَخْرًا وفِخَارًا اپنی یا قوم کی خوبیوں پر ناز کرنا، فخر کرنا۔ اتَّقِي اتَّقَى اللّٰهَ خدا کا خوف دل میں رکھنا (افتعال)۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہؓ کو یہ خبر پہنچی کہ حفصہؓ نے ان کو یہودی کی بیٹی کہا ہے، یہ سن کر وہ رونے لگیں، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور پوچھا تم کیوں رو رہی ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ مجھے حفصہؓ نے یہودی کی بیٹی کہا ہے، آپؐ نے فرمایا تو نبی کی بیٹی ہے اور تیرا چچا بھی نبی تھا، اور اب تو ایک نبی کی بیوی ہے، پھر حفصہ کس بات میں تجھ پر فخر کرتی ہے، اس کے بعد آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا خدا سے ڈر۔ (ترمذی، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت صفیہؓ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں، رسول اللہؐ کو اس کا خاص خیال رہتا تھا اور آپؐ ان کی بہت دلداری فرماتے تھے، ایک دفعہ رسول اللہؐ ان کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت صفیہؓ رو رہی ہیں، وجہ دریافت فرمائی تو انھوں نے عرض کیا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہؐ کی ازواج تو ہیں ہی، آپؐ کے خاندانی ہونے کا بھی شرف رکھتی ہیں اور تم تو یہودی خاندان سے تعلق رکھتی ہو، لہٰذا ہم تم سے بہتر ہیں، آپؐ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم لوگ مجھ سے افضل کیسے ہوسکتی ہو، میں اللہ کے نبی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہوں۔ میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نبی ہیں اور میرے شوہر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبی ہیں۔ حضورؐ کا مقصود اس فرمان سے حضرت صفیہؓ کی تسلی اور ان کی شان میں جو کمی کی گئی ہے، اس کا تدارک ہے ان کی افضلیت بیان کرنا مقصود نہیں ہے، کیوں کہ یہ اوصاف تو باقی ازواج مطہراتؓ میں بھی پائے جاتے تھے، کیوں کہ وہ سب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں (کیوں کہ عرب کے جدامجد حضرت اسماعیلؑ ہیں) اس لئے وہ بھی نبی کی اولاد ہوئیں اور ان کے چچا یعنی حضرت اسحاقؑ بھی نبی تھے، اور وہ بھی نبی یعنی حضور اکرمؐ کے نکاح میں تھیں۔ حضرت صفیہؓ کو تسلی دینے کے بعد حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ اس کی عداوت اور اس کے ساتھ ایسا کلام کرنے سے خدا سے ڈرو جس سے جاہلیت اور تعصب کی بو آتی ہے۔ (معارف الحدیث، جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** بنت یہودی حضرت صفیہؓ جنگ خیبر میں آنحضرتؐ کے ہاتھ آئیں تھی، آپؐ نے انھیں آزاد کیا اور ازواج میں داخل فرمایا، سوکنوں میں آپس کی چشمک بہرحال ایک غیر اختیاری بشری معاملہ ہے،

حضرت حفصہؓ نے ان کو بنت یہودی کہہ دیا، کیوں کہ ان کا باپ حیی بن اخطب ایک مشہور سردار یہودی تھا، جو حضرت ہارون کی اولاد میں سے تھا، جس طرح حضرت صفیہؓ اپنی ذات کے اعتبار سے ایک سردار خاندان کے معزز خاتون تھیں، اسی طرح حضرت صفیہؓ دینی اعتبار سے بھی ایک جامع شخصیت کی مالکہ تھیں۔ حضرت حفصہؓ کے نسبی طعن دینے پر آنحضرتؐ نے حضرت صفیہؓ کی دلجوئی اور خاطرداری کے لئے فرمایا کہ تیرے پاس تو خود اعزازات ہیں، تم ایک نبی ہارون کی بیٹی ہو، دوسرے نبی موسیٰ کی بھتیجی ہو، تیسرے نبی محمدؐ کی بیوی ہو، اب ان کا تم پر کس چیز میں فخر رہ گیا۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۲۹۸۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۹۳**

## ﴿آپؐ نے قرب وفات کی اطلاع ازواج مطہرات کو نہیں دی﴾

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا فَاطِمَةَ عَامَ الْفَتْحِ فَنَاجَاهَا فَبَكَتْ ثُمَّ حَدَّثَهَا فَضَحِكَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُهَا عَنْ بُكَائِهَا وَضِحْكِهَا قَالَتْ أَخْبَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يَمُوْتُ فَبَكَيْتُ ثُمَّ أَخْبَرَنِيْ أَنِّيْ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ فَضَحِكْتُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۶ ج۲، باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب المناقب، حدیث۳۸۷۳

**حل لغات:** ناجاها مُناجَاةً (مفاعلة) سرگوشی کرنا، ضحكت (س) ضِحْكًا ہنسا، بکاء (ض) رونا۔

**ترجمہ:** حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال فاطمہؓ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں، پھر کوئی بات کی تو ہنس پڑیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو میں نے ان سے رونے اور ہنسنے کے متعلق پوچھا تو کہا کہ رسول اللہؐ نے مجھے اپنی وفات پا جانے کے متعلق بتایا تو میں روئی، پھر مجھے بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا تمام جنتی عورتوں کی سردار ہوں تو میں ہنسی۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث:** یہ واقعہ مرضِ موت کا ہے، فتح مکہ کا نہیں۔ پہلے حدیث (۶۱۶۸) گزر چکی ہے۔ اسمیں اسکی صراحت ہے اور وہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور دوسری مرتبہ کی سرگوشی میں نبیؐ نے دو باتیں بتائی تھیں، اول: میرے خاندان میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی، دوم: تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔ روایات میں یہ دونوں باتیں متفرق ہوگئی ہیں، کسی روایت میں اول کا اور کسی میں ثانی کا ذکر آیا ہے، اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا استثنا اسی روایت میں ہے، صحیحین کی روایات میں یہ استثنا نہیں ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح**

دعا فاطمة آپؐ نے اپنی وفات کے قریب ہونے کی اطلاع حضرت فاطمہؓ کو دی۔

**سوال:** اس حدیث کا ازواج مطہرات کے فضائل سے کیا تعلق ہے؟

**جواب:** عنوان میں اس تعلق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب وفات کی اطلاع ازواج مطہرات کو نہیں دی، تا کہ وہ بکل (بے قرار) نہ ہوں، ازواج پر یہ شفقت ان کی فضیلت ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رازدارانہ طور پر یہ اطلاع اس لئے دی کہ ان کو بعد میں خوشخبری بھی دینی تھی، چنانچہ پہلے قرب وفات کی اطلاع دی پھر جب وہ بے قرار ہوگئیں، تو دوسری اطلاعیں دے کر ان کو ہشاش بشاش کر دیا، ان کی بے قراری ہلکی پڑ گئی۔ (تحفۃ الالمعی) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس حدیث کی اس باب سے مناسبت نہیں ہے بلکہ اس کی مناسبت باب مناقب اہل بیت النبیؐ کے ساتھ ہے، اس لئے اس کو وہاں ذکر کیا جانا چاہئے تھا، لیکن اس فصل کی حدیث اول کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کو ذکر کر دیا گیا، جس میں خدیجہؓ اور حضرت مریم کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کا ذکر ہے، گویا یہ بدیع کلام کا ایک فن

ہے، نیز یہ گذشتہ اجمال کی تفصیل ووضاحت بھی ہے اور ممکن ہے اسی میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہو جو بعض روایات میں آیا ہے کہ مریم جنت میں نبی کریمؐ کی بیوی ہوں گی۔ (مرقات)

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۲۹۸۷ ﴿حضرت عائشہؓ کا علمی کمال﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٩٤

عَنْ أَبِي مُوسَىٰ قَالَ مَا اشْتَكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۷ ج ۲، باب فضل عائشة، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۸۳

**حل لغات:** اشْتَكَلَ الأمر اشْتِكَالًا مشکل اور پیچیدہ ہو جانا، علیہ اعتراض کرنا (افتعال)۔

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے، فرمایا کہ جب کبھی ہم لوگوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کو کسی بات اور کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا تو ہم نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا تو ان کے پاس اس کے بارے میں علم پایا۔ (جامع ترمذی) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔



**خلاصۂ حدیث** معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ قدیم الاسلام ہیں، ان چند صحابہ کرامؓ میں سے ہیں، جو علم اور تفقہ میں ممتاز تھے، یہ دراصل علاقہ یمن کے رہنے والے تھے، دعوت ایمان و اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ان کو خبر پہنچی تو یہ خود مکہ معظمہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے معمول کے مطابق ان کے سامنے بھی اسلام کی دعوت پیش کی، تو ان کے قلب سلیم نے بغیر تردد و توقف کے اسلام قبول کرلیا، اور مکہ معظمہ ہی میں رہنے کا فیصلہ کرلیا اور پھر جب مکہ کے کفار و مشرکین نے اسلام قبول کرنے والوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور یہ بات ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی، تو حضورؐ ہی کے مشورہ سے ان ستم رسیدہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کیا، اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی قیادت میں صحابہ کرامؓ کی جو جماعت حبشہ کے لئے روانہ ہوئی، ان ہی میں ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے، چند برسوں تک یہ حضرات حبشہ ہی میں مقیم رہے۔ رسول اللہؐ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد یہ حضرات مدینہ طیبہ آ گئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اللہ تعالیٰ نے خاص درجہ کی علمی صلاحیت عطا فرمائی تھی، وہ حضورؐ کے دور حیات ہی میں ان چند صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے جن کی طرف عام مسلمان دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے رجوع کرتے تھے، اصطلاحی الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ فقہاء صحابہ میں سے تھے، ان کا یہ بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ ہم کو یعنی رسول اللہؐ کے اصحاب کرامؓ کو حضورؐ کے بعد کسی مسئلہ میں مشکل پیش آتی، تو وہ حضرت عائشہؓ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور جو مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے دیکھا کہ اس کے بارے میں ان کے پاس علم ہے، یعنی وہ مسئلہ حل فرما دیتیں یا تو ان کے پاس اس بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہوتا یا تو اپنی اجتہادی صلاحیت سے مسئلہ حل فرما دیتیں، اس سلسلہ میں چار اکابر تابعین کی شہادتیں بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت عروہ ابن زبیرؓ جو حضرت عائشہؓ کے حقیقی بھانجے ہیں اور حضرت صدیقہؓ کی روایتوں کی بڑی تعداد کے وہی راوی ہیں۔ حاکم اور طبرانی نے ان کا یہ بیان حضرت صدیقہؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ما رأيت أحدا أعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحرام و لا بحلال ولا بفقه ولا بشعر ولا بطب ولا بحديث العرب ولا نسب من عائشة۔ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اللہ کی کتاب قرآن پاک اور فرائض کے بارے میں اور حرام و حلال اور فقہ کے بارے میں اور شعر اور طب کے بارے میں عربوں کے واقعات اور تاریخ کے بارے میں اور انساب کے بارے میں (ہماری خالہ جان) عائشہؓ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ اور حاکم اور طبرانی ہی نے ایک دوسرے تابعی

مسروق سے روایت کیا ہے، فرمایا: واللہ لقد رأیت الاکابر من الصحابة وفی لفظ مشیخة اصحاب رسول اللہ الاکابر یسألون عائشة عن الفرائض۔ میں نے اکابر صحابہ کو دیکھا ہے فرائض کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تھے۔ اور حاکم ہی نے ایک تیسرے بزرگ تابعی عطاء ابن ابی رباح کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ کانت عائشة أفقه الناس وأعلم الناس وأحسن الناس رأیا فی العامة۔ حضرت عائشہؓ بڑی فقیہہ اور بڑی عالمہ تھیں اور عام طور پر انکی رائے سب سے بہتر ہوتی تھی۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** الا وجدنا عندها علما آپؐ سے جو علم حاصل کیا تھا، اس کے ذریعہ یا اپنے اجتہاد کے ذریعہ صحابہؓ کے مشکل علمی سوال حل کر دیتی تھیں اور جو بھی اشکال پیش آتا اس کو دور کر دیتی تھیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۸۸ ﴿حضرت عائشہؓ کی فصاحت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۹۵**

وَعَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۷ ج ۲، باب فضل عائشة، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۸۴

**حل لغات:** أفصح فَصُحَ الرجلُ (کرم) فَصْحًا و فَصَاحَةً سلاست و شستگی کے ساتھ بولنا، خوش بیان اور شگفتہ کلام ہونا، فصیح ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں دیکھا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** دیگر علمی کمالات کیساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کو فصاحت و بلاغت میں بھی کمال عطا فرمایا تھا، طبرانی نے حضرت معاویہؓ کا بیان نقل کیا ہے، فرمایا: قال معاویة واللہ ما رأیت خطیبا قط ابلغ ولا افصح ولا افطن من عائشة. (رواہ الطبرانی) خدا کی قسم میں نے کوئی خطیب نہیں دیکھا جو فصاحت و بلاغت اور فطانت میں حضرت عائشہؓ سے فائق ہو، یہی وہ خداداد کمالات تھے جن کی وجہ سے وہ رسول اللہ کی تمام ازواج مطہرات میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** ما رأیت احدا افصح من عائشة حضرت عائشہؓ اپنے مقصود کو بہترین الفاظ سے ادا کرتی تھیں؛ کیوں کہ انھیں علم بیان و ادب پر کامل دسترس حاصل تھی۔

## باب جامع المناقب

## (اجتماعی مناقب کا بیان)

اس باب میں صاحب کتاب نے ۷۰ روایات ذکر فرمائی ہیں، اس میں مشاہیر صحابہ، خلفائے راشدین، عشرۂ مبشرہ، ازواج مطہرات آل واولاد، مہاجرین وانصار وغیرہ کے تمام طبقات میں سے کچھ لوگوں کے فضائل ومناقب مذکور ہیں، گویہ تمام صحابہؓ کے اجتماعی مناقب کا بیان ہے، جہاں جن صحابی یا قبیلہ کا ذکر آیا ہے، اس کا تعارف وہیں لکھا گیا ہے، البتہ اگر کسی کا تعارف ماقبل میں ہو چکا ہے تو سابق پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۲۹۸۹ ﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ذکر جمیل﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۹۶**

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ فِيْ يَدِيْ سَرَقَةً مِّنْ حَرِيْرٍ لَا أَهْوِيْ بِهَا إِلٰى مَكَانٍ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ بِيْ إِلَيْهِ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

إِنَّ أَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ أَوْ إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۱۰۳۹ ج۲، باب الاستبراق، کتاب التعبیر، حدیث ۷۰۱۵: مسلم، ص۲۹۸ ج۲، باب من فضائل عبداللہ بن عمرؓ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۴۷۸

**حل لغات:** أَهْوَى هَوَى فُلَانٌ بِالشَّيْءِ (ض) هُوِيًّا کسی چیز کا اشارہ کرنا۔ قَصَصْتُ قَصَّ الْقِصَّةَ (ن) قَصًّا واقعہ بیان کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے انھوں نے بیان فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ریشم کے کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے اور میں جنت کے اندر جہاں جانے کا ارادہ کرتا ہوں وہ ٹکڑا مجھے لے اڑتا ہے (اور وہاں پہنچا دیتا ہے)۔ میں نے یہ خواب اپنی بہن حفصہؓ سے بیان کیا اور انھوں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب سن کر فرمایا کہ تمہارا بھائی ایک صالح شخص ہے، یا یہ فرمایا کہ عبداللہ ایک صالح شخص ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابن عمرؓ نے عہد رسالت میں خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں استبرق کا ایک ٹکڑا ہے، اور جس طرح پرندے پروں سے اور فرشتے اپنے بازوؤں سے اڑتے ہیں، اسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ میں اس ٹکڑے کے ذریعہ جس جگہ جانا چاہتا ہوں پہنچ جاتا ہوں، اسی دوران میں نے دیکھا کہ دو فرشتے آئے اور دونوں نے مجھے آگ کی طرف لے جانا چاہا، میں گھبرایا تو اتنے میں تیسرا فرشتہ نمودار ہوا اور اس نے مجھ سے کہا گھبراؤ نہیں اور ان دونوں فرشتوں سے کہا کہ اس کو چھوڑ دو۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے اپنے بھائی ابن عمرؓ کا یہ خواب حضورؐ سے ذکر کیا، تو آپؐ نے فرمایا "نعم الرجل عبداللّٰه، لو كان يصلى بالليل" عبداللہ بہت اچھے شخص ہیں کاش وہ رات کو نماز کا اہتمام کرے، اسی روایت کے بعض طرق میں ہے "ان عبداللّٰه رجل صالح لو كان يكثر الصلوة من الليل" عبداللہ اچھے آدمی ہیں، کاش رات کی نماز میں کثرت اختیار کرے۔ معلوم ہوا کہ ابن عمرؓ نماز تو پہلے بھی پڑھتے تھے، لیکن آپؐ نے تہجد کی نماز میں کثرت اختیار کرنے کی تلقین کی، چنانچہ اس کے بعد ابن عمرؓ نے سونے کا وقت کم کر دیا اور نمازوں میں اضافہ کر دیا۔ مقصد یہ ہے کہ عبداللہ پہلے سے صالح ہیں، کاش تہجد کی پابندی میں اضافہ کر لیں، تو صالحیت میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہاں حدیث میں تہجد کی نماز والی بات کا ذکر نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان اخاك رجل صالح آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا تمہارے بھائی عبداللہ بن عمرؓ نیک آدمی ہیں، جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ "لو كان يصلى من الليل" (کاش وہ تہجد کی پابندی کرتے)۔ اس حدیث کو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ان کے صاحبزادہ سالمؒ نقل کرتے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ ارشاد نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں، فكان عبداللّٰه بعد ذلك لا ينام من الليل الا قليلا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "نعم الرجل عبداللّٰه لو كان يصلى من الليل" کو سننے کے بعد میرے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات کو بس برائے نام ہی سوتے تھے۔ ان کے بیٹے حضرت سالمؒ کے علاوہ ان کی شب بیداری کا تذکرہ ان کے آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ابن عمرؓ ساری رات نماز میں مشغول رہتے، جب صبح صادق کا وقت قریب آجاتا تو استغفار شروع کر دیتے اور صبح تک کرتے رہتے۔ خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ قرآن مجید پڑھتے جاتے اور روتے جاتے، ایک بار آیت کریمہ "الم يأن للذين آمنوا ان تخشع قلوبهم لذكر اللّٰه" پڑھ کر روتے روتے بے حال ہو گئے۔ (معارف الحدیث)

**حضرت ابن عمرؓ کا مختصر تعارف:** خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادت ۳ نبوی یعنی بعثت کے تیسرے سال ہوئی۔ ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعونؓ ہے، یہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی

بہن ہیں۔ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی انہی کی صاحبزادی ہیں۔بچپن ہی میں اپنے والدین کے ساتھ حضرت عبداللہؓ بھی ایمان لے آئے تھے، ہجرت بھی اپنے والد حضرت عمرؓ کے ساتھ کی ہے۔بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابن عمرؓ اپنے والد سے پہلے مدینہ ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ہجرت کے وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی۔غزوۂ بدر کے وقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا، میں غزوۂ بدر میں شریک ہونا چاہتا ہوں، لیکن آپؐ نے کم عمری کی وجہ سے واپس کر دیا۔غزوۂ احد میں بھی ایسا ہی ہوا۔غزوۂ خندق میں جب ان کی عمر ۱۵/سال کی ہوئی تو آپ نے ان کی درخواست قبول فرما کر غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی، اس کے بعد تو غزوات میں شرکت ہی رہی۔حدیبیہ میں بیعت رضوان میں بھی شریک رہے۔(حوالہ بالا)

**حدیث نمبر ۰ ۲۹۹ ﴿حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ذکر جمیل﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۹۷**

وَعَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ إِنَّ أَشْبَهَ النَّاسِ دَلًّا وَسَمْتًا وَهَدْيًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَابْنُ أُمِّ عَبْدٍ مِنْ حِيْنِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَى أَنْ يَرْجِعَ إِلَيْهِ لَا نَدْرِيْ مَا يَصْنَعُ فِيْ أَهْلِهِ إِذَا خَلَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۰۱ ج ۲، باب الهدی الصالح، کتاب الادب، حدیث ۶۰۹۷

**حل لغات:** دَلًّا الدَّلُّ وقار و سنجیدگی کی کیفیت۔سَمْتًا السَّمْتُ طریقہ، جہت درخ؛ وقار و تمکنت؛ ہیئت وصورت۔هَدْيًا الهَدْی سیرت، نقش قدم، طریقہ۔خَلَا فُلَانٌ به وإليه ومَعَه (ن) خَلْوًا وخَلْوَةً کسی کے ساتھ خلوت میں ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ لوگوں میں طریقہ، سیرت اور عبادت کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابن ام عبد زیادہ مشابہت رکھتے ہیں، جب سے وہ گھر سے نکلتے ہیں اور واپس لوٹنے تک، مجھے معلوم نہیں کہ تنہائی کے اندر وہ اپنے گھر میں کیا کرتے ہیں۔(بخاری)

**خلاصۂ حدیث** طلبہ نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا آپؐ کسی ایسے شخص کی نشاندہی کریں جو سیرت و خصلت میں نبیؐ سے قریب تر ہو، تاکہ ہم اس سے دین اخذ کریں، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا سیرت و خصلت اور دینی حالت میں نبیؐ سے قریب ترین ابن مسعودؓ ہیں، جب وہ گھر سے نکلتے ہیں یہاں تک کہ وہ گھر کی طرف لوٹتے ہیں، یعنی ان کی جلوت کا یہ حال ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ اپنے گھر میں کیا کرتے ہیں جب وہ تنہا ہوتے ہیں، یعنی میں ان کی خلوت کے احوال سے واقف نہیں (یہ وارث نبی ہیں، ایسے لوگوں کی زندگی بھی نمونۂ عمل ہے)۔(تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** دلا حدیث میں تین لفظ استعمال کئے گئے ہیں دَل (دال کے فتحہ کے ساتھ) کا ترجمہ ہے "حسن الحركة في المشي والحديث وغيرهما" یعنی انسان کی حرکات وسکنات کی خوبصورتی کو دَل کہتے ہیں۔سَمت (سین کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ) اچھے منظر کو بھی کہتے ہیں، اور طور طریقہ کو بھی کہتے ہیں۔هدی طور طریقہ سکینت اور وقار کو کہتے ہیں۔هدی اور دل قریب المعنی الفاظ ہیں۔(عمدۃ القاری) یہاں باب کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ طور طریقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، لیکن بعض روایات میں حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت عمرو ابن الاسود کے بارے میں آیا ہے کہ وہ حضورؐ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ مختلف صحابہ کا اپنا اپنا مشاہدہ تھا، کسی کو ایک میں اور کسی کو دوسرے میں حضورؐ کی مشابہت زیادہ نظر آتی تھی۔(فتح الباری، ص ۱۲۶ ج ۱۰)

**حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مختصر تعارف:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بن غافل بن حبیب ہذلی، ابو عبدالرحمٰن قدیم الاسلام ہیں، حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی، علم وفہم و دانش میں ممتاز تھے، نبیؐ کے خاص خادم تھے، ان

کے والد زمانۂ جاہلیت میں گذر گئے، ان کی والدہ ام عبدؓ مسلمان ہوئیں، نبیؐ کے گھرانے سے ان کا خاص تعلق تھا، حضرت عمرؓ نے آپ کو کوفہ کے بیت المال کا ذمہ دار بنایا تھا، خلافتِ عثمانی میں مدینہ آئے اور ساٹھ سال کی عمر میں ۳۲ ہجری میں وفات پائی۔ بہت پستہ قد تھے، بیٹھے ہوؤں کے برابر تھے، خوشبو بکثرت استعمال کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ آپ کو دیکھ کر فرمایا "وعاء ملئی علماً" علم سے بھرا ہوا ایک برتن، آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین تلامذہ عطا فرمائے ان کے ذریعہ آپ کا علم خوب پھیلا۔ (تحفۃ القاری) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار بڑے اہل فضل وکمال صحابہ کرام میں ہوتا ہے، وہ سابقین اولین میں ہیں، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضی اللہ عنہم و رضوعنہ کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ ان کی زندگی کا خاصہ حصہ رسول اللہ کی خدمت میں گزرا ہے، سفر وحضر میں آپ کی ذاتی خدمت میں جو صحابہ کرامؓ پیش پیش رہتے تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے، اسی لئے صحابہ کرامؓ ان کو صاحب النعلین والسواک والوسادہ، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کا خیال رکھنے والا کہتے تھے، ان کو جو قرب وتعلق آپ کی ذات گرامی سے نصیب تھا وہ چند صحابہ کرامؓ ہی کو میسر تھا، وہ ہمہ وقت آپؐ کے گھر آتے جاتے اور خدمت میں رہتے تھے، آپ کی طرف سے ان کو اس سلسلہ میں خصوصی اجازت تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا "ذالك علی ان یرفع الحجاب وان تسمع سوادی حتی انهاك" یعنی جب تم دیکھو کہ میرے دروازہ کا پردہ اٹھا ہوا ہے تو تم بلا اجازت اندر آسکتے ہو اور میرے راز کی بات سن سکتے ہو، الا یہ کہ میں تم کو آنے سے منع کردوں، اسی لئے صحابہؓ ان کو آپ کا رازدار بھی کہتے تھے۔ (معارف الحدیث)

**حدیث نمبر ۲۹۹۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۱۹۸**

## حضرت ابن مسعودؓ نبیؐ کے گھر کے فرد کی طرح تھے

وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَدِمْتُ أَنَا وَأَخِي مِنَ الْيَمَنِ فَمَكَثْنَا حِينًا مَا نُرٰى إِلَّا أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا نَرٰى مِنْ دُخُوْلِهٖ وَدُخُوْلِ أُمِّهٖ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص۵۳۱ ج۱، باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۷۶۳؛ مسلم، ص۲۹۲ ج۲، باب من فضائل عبداللہ بن مسعودؓ، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۶۰

**حل لغات:** مَكَثْنَا مَكَثَ بالمَكَان (ن) مُكْثًا ومَكْثًا ٹھہرنا، قیام کرنا۔ حِينًا الحِينُ موقع، وقت (کم ہو یا زیادہ)؛ زمانہ (ج) أَحْيَان

**ترجمه:** حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں اور میرے بھائی یمن سے آئے ہم ایک عرصہ رہے اور عبداللہ بن مسعودؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا ایک فرد شمار کرتے رہے؛ کیوں کہ انھیں اور ان کی والدہ ماجدہ کو نبی کریمؐ کے کاشانہ اقدس میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے تھے۔ (متفق علیہ)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابن مسعودؓ حضورؐ کی خدمت میں اسی طرح حاضر رہتے تھے کہ لوگوں کو شک ہوتا کہ یہ بھی خاندان نبوی کے ایک فرد ہیں۔ اس صحبت کے طفیل حضرت ابن مسعودؓ کو ایسی ایسی قابل فخر چیزیں نصیب ہوئیں کہ ان کے ہم عصر صحابہ میں سے کسی کو نہ حاصل ہوسکیں، اور بعض چیزوں میں تو وہ بالکل منفرد رہے، چنانچہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ستر سورتیں خود سرور دو عالم ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی ہیں، یہ ایک ایسا شرف ہے جو ان کے علاوہ کسی کو نہ حاصل ہوا۔ (ہمارے اسلاف)

**کلمات حدیث کی تشریح** قدمت انا و اخی من الیمن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے آپؐ کی بعثت کا ذکر سن کر رخت سفر باندھا، لیکن کشتی نے ان کو حبشہ میں ڈال دیا، وہاں حضرت جعفر طیارؓ سے ملے اور غزوۂ خیبر میں آپ

سے ملاقات ہوئی۔ اس حدیث میں وہ ابن مسعودؓ کی فضیلت اور حضورؐ سے ان کے قرب خاص کو بیان کر رہے ہیں۔

**حدیث نمبر ۲۹۹۲ ﴿چار صحابہؓ سے قرآن سیکھنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۹۹**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَقْرِؤُا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ مَوْلٰى اَبِىْ حُذَيْفَةَ وَاُبَىِّ بْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۳۱ ج۱، باب مناقب عبداللّٰہ بن مسعودؓ، کتاب فضائل الصحابۃ، ۳۷۶۰؛ مسلم، ص۲۹۳ ج۲، باب من فضائل عبداللّٰہ بن مسعودؓ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث۲۴۶۴

**حل لغات:** اِسْتَقْرِؤُا اسْتَقْرَأَهٗ (استفعال) کسی سے کچھ پڑھوانا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن ان چار آدمیوں سے حاصل کرو، عبداللہ بن مسعودؓ اور حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ سے اور ابی بن کعبؓ سے اور معاذ بن جبلؓ سے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصہ حدیث** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن پڑھنے اور قرآن سمجھنے دونوں اعتبار سے صحابہؓ میں ممتاز مقام رکھتے تھے، آپؐ نے قرآن سکھانے والوں میں پہلا نام حضرت ابن مسعودؓ کا لیا، یہاں اس سے ان کی دہری فضیلت ثابت ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو خود ایک بلند مرتبہ عالم تھے فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول خداؐ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کا نام لیا، حضرت عبداللہؓ نے جب وفات پائی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابومسعودؓ ایک دوسرے سے یہ گفتگو کر رہے تھے، ایک نے کہا کیا عبداللہؓ نے اپنا جیسا کسی کو چھوڑا، دوسرے نے کہا نہیں، وہ خلوت وجلوت ہر موقع پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، جب کہ لوگوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔ حضرت عبداللہؓ کی قرآن دانی پر حضور اقدسؐ کو بہت اعتماد تھا ان کے پڑھنے میں بھی عجیب کشش وتاثیر تھی۔ چنانچہ کبھی کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمائش کر کے پڑھواتے اور محظوظ ہوتے۔ خود نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا، سورۂ نساء پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ پر نازل ہوئی اور آپ ہی کو میں سناؤں، ارشاد ہوا کیوں نہیں، لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں، غرض میں نے تعمیل ارشاد کے لئے پڑھنا شروع کر دیا۔ اور جب اس آیت پر پہنچا "**فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنابک علی ھؤلا شہیدا**" تو حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ نماز پڑھا رہے تھے اور سورۂ نساء کی تلاوت کر رہے تھے، حضرت خیر الانامؐ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد تشریف لے گئے، ان کی خوش الحانی اور حسن قرأت سے خوش ہو کر برجستہ فرمایا، **اسأل تعطہ** (جو کچھ سوال کرے گا پورا کیا جائے گا، جو کچھ سوال کرے گا پورا کیا جائے گا) پھر ارشاد فرمایا جو چاہتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ پڑھنا سیکھے جس طرح وہ نازل ہوا، اس کو قرأت میں ابن ام عبدؓ کی پیروی کرنا چاہئے۔ (ہمارے اسلاف)

**کلمات حدیث کی تشریح** استقرؤا القرآن من اربعۃ نبی کریمؐ نے ان چار حضرات سے قرآن سیکھنے کا حکم دیا، اس لئے کہ یہ تمام صحابہ کرام میں بڑے حافظ تھے۔ شرح مسلم میں ہے ان چاروں سے قرآن پاک سیکھنے کا حکم اس لئے دیا کہ انھوں نے قرآن پاک حضورؐ سے بالمشافہ سیکھا تھا، جب کہ دوسرے حضرات ایک دوسرے سے سیکھنے پر اکتفا کر لیتے تھے، یا یہ حکم اس وجہ سے تھا کہ ان چار حضرات نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے فارغ کر لیا تھا، یا حضورؐ کا یہ فرمان پیشین گوئی ہے کہ لوگ حضورؐ کے انتقال کے بعد ان چاروں سے قرآن سیکھیں گے اور یہ دوسروں سے بڑے قاری ہیں۔ ان چار حضرات میں سے حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، دوسرے صحابی حضرت سالم بن معقل ہیں جو حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کا تعلق اہل فارس میں سے اسطخر کے ساتھ تھا، آزاد کردہ لوگوں میں بڑے فاضل وافضل اور کبار صحابہ میں سے ہیں، یہ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے، ان سے ثابت بن قیس اور ابن عمرؓ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ تیسرے بزرگ صحابی ابی بن کعبؓ ہیں یہ بھی بڑے درجہ کے قاری تھے، صحابہ ان کو سید القراء کہا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ نے ان کا نام سید المسلمین رکھا تھا اور کاتب وحی تھے۔ چوتھے قاری حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں جن کے مناقب بے شمار ہیں، نبی کریمؐ نے ان کے درمیان اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ قائم فرمایا تھا۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۲۹۹۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰۰**

## ﴿حضرت ابودرداءؓ، ابن مسعودؓ، عمارؓ اور حذیفہؓ کا ذکر خیر﴾

وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَدِمْتُ الشَّامَ فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْلِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَأَتَيْتُ قَوْمًا فَجَلَسْتُ إِلَيْهِمْ فَإِذَا شَيْخٌ قَدْ جَاءَ حَتّٰى جَلَسَ إِلٰى جَنْبِيْ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا أَبُوْ دَرْدَاءِ قُلْتُ إِنِّيْ دَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُيَسِّرَلِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَيَسَّرَكَ لِيْ فَقَالَ مَنْ أَنْتَ قُلْتُ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ قَالَ أَوَلَيْسَ عِنْدَكُمْ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالْوِسَادَةِ وَالْمِطْهَرَةِ وَفِيْكُمُ الَّذِيْ أَجَارَهُ اللّٰهُ مِنَ الشَّيْطَانِ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ يَعْنِيْ عَمَّارًا أَوَلَيْسَ فِيْكُمْ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِيْ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ يَعْنِيْ حُذَيْفَةَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۲۹ ج ۱، باب مناقب عمارؓ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۳۷۴۲

**حل لغات:** يَسَّر يَسَّرَ لَه تَيْسِيْرًا کسی کے لئے کوئی چیز فراہم کرنا؛ آسان کرنا۔ جَلِيْسًا ہم نشین (ج) جُلَسَاء و جُلَّاس۔ النَّعْلَيْن نَعْل کا تثنیہ، جوتا (ج) نِعَالٌ و أَنْعُلٌ۔ الْوِسَادَة تکیہ (ج) وَسَائِد۔ الْمِطْهَرَة لوٹا وغیرہ جس سے پاکی حاصل کی جائے (ج) مَطَاهِر۔ أَجَارَ من فُلَان نجات دلانا، أَجَارَهٗ إِجَارَةً پناہ دینا (افعال)۔ السِّرّ راز، بھید (ج) أَسْرَارٌ و سِرَارٌ۔

**ترجمہ:** حضرت علقمہؒ کہتے ہیں میں ملک شام میں وارد ہوا، میںؒ نے مسجد میں دو رکعتیں پڑھیں پھر یہ دعا کی یا اللہ مجھے کوئی نیک ساتھی عنایت فرما! میں نے کچھ لوگ دیکھے ان کے پاس جا کر بیٹھا، اتنے میں ایک بوڑھا آیا اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا، میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے کہا حضرت ابودرداء صحابیؓ ہیں۔ میں نے ان سے کہا میں نے ابھی یہ دعا کی تھی "یا اللہ کوئی نیک رفیق عطا فرما" تو اللہ نے آپ کو بھیج دیا۔ انھوں نے پوچھا تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا کوفہ کا! انھوں نے کہا کیا تمہارے پاس ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) نہیں ہیں؟ جو آنحضرتؐ کے نعلین، تکیہ، وضو کا برتن لئے رہتے تھے؟ کیا تم میں وہ صاحب نہیں ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر شیطان کے اغوا سے بچایا (یعنی عمار بن یاسرؓ)؟ کیا تم میں وہ صاحب نہیں ہیں جو آنحضرتؐ کے ایسے رازوں کے راز دار تھے، جنھیں ان کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا (یعنی حذیفہ بن یمانؓ)۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرت علقمہؒ مشہور تابعی ہیں، انھوں نے نماز پڑھ کر نیک ہم نشین ملنے کی دعا کی، چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور انھیں ابودرداءؓ کی ہم نشینی ملی، جو کہ کبار صحابہؓ میں سے ہیں، لیکن ابودرداءؓ نے تین دیگر صحابہؓ کے فضائل بیان کر کے بتایا جہاں سے تم آئے ہو وہاں اتنی بڑی ہستیاں موجود ہیں، ان کی موجودگی میں میری مجلس کو غنیمت سمجھنا سمجھ میں نہیں آتا، وہ تو بہت بڑے لوگ ہیں، تمہیں ان سے فیض حاصل کرنا چاہئے۔ اس جواب میں متعلم کے لئے یہ ادب بتایا گیا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے گاؤں اور اپنے شہر کے بڑے عالم سے علم حاصل کرے اور پھر دوسری جگہ سفر کرے۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** اولیس عندکم ابن ام عبد ابن ام عبد سے مراد عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، اور ابو درداءؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ علقمہؒ یہاں علم حاصل کرنے آئے ہیں، حالاں کہ ان کے ہاں کوفہ میں بڑے بڑے اہل علم وفضل تشریف رکھتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے علاقہ میں موجود علماء ومشائخ سے علم حاصل کرو، انھیں چھوڑ کر دوسروں کے پاس جانا درست نہیں ہے۔ (فتح الباری ص ۱۱۵ ج ۹) صاحب النعلین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں اٹھانے والے، اور حضرت ابن مسعودؓ کو یہ اعزاز وسعادت حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں اٹھانے کا اہتمام کرتے تھے۔ والمطھرۃ ایک کی روایت میں مطھر بدون الھاء (التاء) واقع ہے، بہرحال مراد آلہ طہارت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں داودی نے بڑی عجیب اور بے بنیاد بات کہی ہے، کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کل سامان اور کل اثاثہ یہی تین چیزیں ہیں۔ حضرت ابو درداءؓ نے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ فضیلت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خادمانہ اور گھریلو قربت ذکر فرمائی تو اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جو شخص رسول اللہؐ کے اتنے قریب رہے ہیں وہ تو بڑے سعادت مند ہیں اور اس قربت اور اعتماد کے تعلق میں انھوں نے رسول اللہؐ سے کیا کچھ نہیں حاصل کیا ہوگا، پھر بھی آپ اسے چھوڑ کر یہاں علم حاصل کرنے آئے ہو۔ اس توجیہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ داودی نے جو توجیہ کی تھی کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کل اثاثہ یہی تین چیزیں ہیں، یہ درست نہیں ہے، بلکہ درست یہ ہے کہ ان تینوں ذاتی استعمال کی چیزوں کا ذکر کرنے سے مقصود حضرت ابن مسعودؓ کی رسول اللہؐ سے نسبت اور قربت واعتماد کے تعلق کا اظہار و اثبات ہے۔ فیکم یہاں روایت کے بعض طرق میں ہمزہ کے ساتھ "أفیکم" ہے اور بعض میں "وفیکم" بالواو۔ جب کہ شعبہ کی روایت میں "الیس فیکم او منکم" کے الفاظ ہیں۔ (حوالہ بالا)

**حضرت عمارؓ کے شیطان سے بچائے جانے کا ذکر:** "الذی اجارہ اللّٰہ من الشیطان علی لسان نبیہ" میں "الذی" سے مراد حضرت عمارؓ بن یاسرؓ ہیں جیسے کہ شعبہؒ کی روایت میں "یعنی عمارا" سے واضح ہے، البتہ عمارؓ کے شیطان سے بچائے جانے کا کیا مطلب ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن التین کہتے ہیں "علی لسان نبیہ" سے مراد رسول اللہ کا یہ ارشاد ہے "ویح عمار یدعوھم الی الجنۃ ویدعونہ الی النار" حیرت ہے کہ عمار تو ان کو جنت کی طرف بلا رہا ہے جب کہ وہ عمار کو آگ کی طرف بلا رہے ہیں، تو گویا نبیؐ نے عمار کو داعی الی الجنۃ قرار دے کر شیطان سے محفوظ ہونے کی گواہی دی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ بھی محتمل ہے (جس کا ابن التین نے ذکر کیا)۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے حضرت عائشہؓ کی اس مرفوع روایت کی طرف اشارہ مقصود ہے "ما خیر عمار بین امرین الا اختار ارشدھما" عمارؓ کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کے لئے کہا گیا، تو انہوں نے اس کو لیا جس میں زیادہ رشد وہدایت ہو، اس طرح اللہ نے عمارؓ کو شیطان کی گمراہی سے بچایا اور رسول اللہ کی زبان اطہر نے اس کی گواہی دی۔ یہ روایت ترمذی کے علاوہ احمدؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے اور حاکمؒ نے بھی ذکر کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں "فکونہ یختار أرشد أمرین دائما یقتضی أنہ قد أجیر من الشیطان الذی من شأنہ الامر بالغی" (فتح الباری، ص ۱۱۵ ج ۹)

یعنی حضرت عمارؓ کا ہمیشہ "أرشد الأمرین" اختیار کرنا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے اس کی حفاظت فرمائی ہے جو ہمیشہ گمراہی کا ہی حکم دیتا ہے۔ شیطان سے بچائے جانے کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے ان کے کمال ایمان کے متعلق فرمایا "ملئ إیمانا إلی مشاشہ" یعنی حضرت عمارؓ مونڈھوں تک ایمان سے بھر دیئے گئے۔ یہ حدیث ابن حبان، بزاز اور نسائی نے نقل کی ہے۔ مشاش بے گودا ہڈی کو کہا جاتا ہے یا مونڈھے کی ابھری ہوئی ہڈی کو۔ مشاش تک بھرا ہوا ہونا کنایہ ہے کامل اور مکمل ہونے سے۔ اور ہوسکتا ہے اس میں اس قصے کی طرف اشارہ ہو جو ابن سعدؒ نے طبقات میں ذکر کیا ہے۔ جس کے الفاظ

یہ ہیں: "قال عمار نزلنا منزلا فاخذت قربتي و دلوی لاستقر فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اما انه سیاتیك آت یمنعك من الماء فلما کنت علی راس الماء اذا رجل اسود کانه مرس فصرعته" (حوالہ بالا) حضرت عمارؓ کہتے ہیں: ہم رسول اللہؐ کے ہمراہ ایک جگہ اترے تو میں نے اپنا مشکیزہ اور ڈول اٹھائے تا کہ پانی نکالوں، تو رسول اللہؐ نے فرمایا، تیرے پاس تجھے پانی سے منع کرنے والا آئے گا۔ پھر جب میں اس پانی کے اوپر گیا تو ایک کالے رنگ کا آدمی آیا جو بڑا تجربہ کار تھا، اسے میں نے پچھاڑا اور آگے رسول اللہ کا ارشاد ہے "ذاك الشیطان" یہ شیطان ہوگا۔ اب ظاہر ہے جب حضرت عمارؓ شیطان کو پچھاڑ رہے ہیں تو اس کا یقینا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمارؓ کو شیطان سے بچا دیا۔ اور ہوسکتا ہے اس میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہو جس میں مشرکین نے حضرت عمارؓ کو مبتلائے آزمائش کر دیا تھا اور انھیں کلمہ کفر پر مجبور کر دیا تھا، اور حضرت عمارؓ کا دل ایمان پر مطمئن تھا، اللہ تعالیٰ نے "الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان" کہہ کر ان کے ایمان کی گواہی دی اور ظاہر ہے الفاظ کفر کہنے کے باوجود ان کا ایمان محفوظ رہا یہ شیطان سے بچاؤ کی دلیل ہے۔ (کشف الباری) الذی لا یعلم احد غیرہ بعض نسخوں میں حذف ضمیر مفعول کے ساتھ ہے، جب کہ بعض میں "لا یعلمه" کے الفاظ ہیں ضمیر منصوب کے ساتھ "صاحب سر" سے مراد حضرت حذیفہؓ ہیں اور "سر" سے مراد مستقبل کے فتنے اور حادثے اور وہ اسماء واحوال منافقین ہیں جو رسول اللہؐ نے حضرت حذیفہؓ کو بتائے تھے، حضرت حذیفہؓ اس حوالے سے معروف ہیں اور سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ حتی کہ حضرت عمرؓ کا تو معمول تھا جب کوئی مرتا تو وہ دیکھتے تھے کہ حذیفہؓ اس جنازے میں شرکت کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر حذیفہؓ شرکت کرتے تو حضرت عمرؓ شریک ہو جاتے ورنہ نہیں۔ غیرہ مستثنیٰ ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا أحد سے بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ (کشف الباری، ج۶)

**حضرت ابودرداءؓ کا مختصر تعارف:** ان کا نام عویمر ہے یہ عامر انصاری خزرجی کے صاحبزادے ہیں، یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہوئے اور درداء ان کی صاحبزادی ہیں، انھوں نے کچھ تاخیر سے دعوتِ اسلام قبول کیا اور اپنے خاندان میں سب سے آخر میں اسلام لانے والے ہیں۔ بڑے صالح اور متقی مسلمان تھے اور بڑے سمجھدار اور صاحب حکمت عالم تھے، شام میں قیام پذیر رہے، دمشق میں آپؓ کی قبر ہے اور ۳۲ھ میں دمشق کے اندر وفات پائی۔ (مشکوٰۃ مترجم)

**حضرت ابن مسعودؓ کا تعارف:** عالمی حدیث ۶۱۹۷ کے تحت ہو چکا ہے۔

**حضرت عمارؓ کا تعارف:** حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کے والد یاسر اصلاً یمن کے رہنے والے ہیں، مکہ معظمہ آکر بس گئے تھے اور وہاں قبیلہ بنو مخزوم کے ایک شخص ابوحذیفہ سے حلف کر لی تھی (زمانۂ جاہلیت میں حلف دو شخصوں یا دو قبیلوں کے درمیان باہم نصرت وحمایت کا معاہدہ ہوتا تھا) ابوحذیفہ نے ان کی شادی اپنی باندی سمیہؓ سے کر دی تھی، انہیں دونوں کے بیٹے حضرت عمارؓ ہیں، یہ تینوں یعنی حضرت عمارؓ اور ان کے والدین بالکل ابتدائی زمانہ میں اسلام لانے والے اور دین کی خاطر مشرکین مکہ کے ہاتھوں طرح طرح کے ظلم وستم برداشت کرنے کے باوجود اپنے ایمان پر قائم رہنے والے صحابہ کرامؓ میں ہیں۔ مکہ میں سخت گرمی کے زمانہ میں تپتی ہوئی چٹانوں پر باندھ کر ڈال دیئے جاتے تھے اور ایذا رسانی کی ہر ممکن صورت ان پر آزمائی جاتی تھی، ایسے ہی ایک موقع پر رسول اللہ کا گذر ان حضرات پر ہوا تو فرمایا "صبرا آل یاسر موعد کم الجنة" یاسر کے گھر والو صبر کرو، تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ ان کی والدہ سمیہؓ کو جو بہت ہی کمزور اور بوڑھی عورت تھیں، ابوجہل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا، اسلام میں سب سے پہلی شہادت انہی کی ہے، انکے والد یاسر بھی ان تکلیفوں اور اذیتوں کی وجہ سے مکہ ہی میں وفات پا گئے، تین افراد پر مشتمل اس خاندان میں صرف حضرت عمارؓ ہی باقی بچے تھے، مشرکین مکہ انھیں بھی کسی طرح معاف کرنے کو تیار نہ تھے، اسلئے رسول اللہؐ نے خود ہجرت فرمانے سے پہلے انھیں اور حضرت بلالؓ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ (معارف الحدیث، ج۸)

**حضرت حذیفہ کا تعارف:** ابوعبداللہ حذیفہ بن الیمانؓ کا لقب صاحب السر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیدی) ہے، والد کا نام حِسل یاحُسیل، (جوغزوۂ احد میں غلط فہمی سے مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے) الیمان لقب ہے وطن یمن، قبیلہ کی طرف نسبت عبسی، مدینہ میں انصار کے قبیلہ عبدالاشہل کے حلیف تھے، وفات ۳۶ھ (حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چالیس دن بعد)، بڑے بہادر، فاتح اور مدائن کے گورنر رہے۔ نبیؐ نے ان کو مدینہ کے منافقین کے نام بتائے تھے، فتن کی احادیث کے بڑے عالم تھے۔ حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن آپؓ ہی کے توجہ دلانے پر کیا تھا۔ (تحفۃ القاری، ج ۷)

**حدیث نمبر ۲۹۹۷ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰۱**

## ﴿حضرت ام سلیمؓ اور حضرت بلالؓ کا ذکر خیر﴾

وَعَنْ جَابِرٍؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُرِيْتُ الْجَنَّةَ فَرَأَيْتُ امْرَأَةَ أَبِيْ طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْخَشَةً أَمَامِيْ فَإِذَا بِلَالٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۹۲ ج ۲، باب من فضائل ام سلیم، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۵۷

**حل لغات:** خَشْخَشَةً، خَشْخَشَ السِّلَاحُ وغیرہ خَشْخَشَةً ہتھیار یا زیورات وغیرہ کی جھنکار (حرکت کرنے کی آواز سنائی دینا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو جنت دکھائی گئی تو میں نے اس میں ابوطلحہ کی بیوی ام سلیمؓ کو دیکھا، پھر میں نے اپنے آگے قدموں کی چاپ سنی تو کیا دیکھتا ہوں کہ بلالؓ ہیں جو آگے جنت میں چلے جارہے ہیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت ام سلیمؓ کو جو کہ حضرت انسؓ کی والدہ ہیں اور حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھا، بظاہر آپؐ نے خواب میں دیکھا لیکن نبی کا خواب وحی کے درجہ میں ہوتا ہے، لہٰذا ان دونوں کے لئے یہ جنت کی بشارت ہے اور اس میں ان کی بڑی فضیلت ہے۔



**کلمات حدیث کی تشریح** فرأیت امرأة ابی طلحة اس سے حضرت ابوطلحہؓ کی اہلیہ یعنی ام سلیم کی فضیلت ظاہر ہے۔ فاذا هو بلال ترمذی کی روایت میں وضاحت ہے کہ آپؐ نے فرمایا بلال تم کس عمل کی وجہ سے جنت میں مجھ سے سابق ہوجاتے ہو، میں جب بھی جنت میں داخل ہوا، تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی، رات بھی میں جنت میں گیا تھا، تب بھی تمہارے جوتوں کی آواز سنی تھی۔ ترمذی نے اس روایت میں حضرت بلالؓ کے جواب کے الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں "یارسول اللّٰہ ما اذنت قط الا صلیت رکعتین وما اصابنی حدث قط الا توضات عندها ورأیت ان اللّٰہ علی رکعتین فقال رسول اللّٰہ بهما" یعنی جب بھی اذان دیتا ہوں دو رکعت نفل نماز ضرور پڑھتا ہوں (جو بظاہر تحیۃ المسجد ہوگی) اور جب بھی وضو ٹوٹتا ہے وضو کرلیتا ہوں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی دو رکعتیں پابندی سے پڑھتا ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا یہی دونوں عمل فضیلت کے باعث ہیں۔ جامع ترمذی کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے بار بار بلالؓ کو جنت میں اپنے آگے دیکھا، یا ان کے جوتوں کی آواز سنی۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ واقعات خواب کے تھے۔ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ (معارف الحدیث)

**ام سلیم کا تعارف:** ابوطلحہ کی زوجہ ام سلیم ہیں، یہ ملحان کی بیٹی ہیں اور ان کے نام میں اختلاف ہے، سہلہ، رملہ، ملیکہ، غمیصہ، اور رمیصا مختلف نام بیان کئے گئے ہیں، ان کا پہلا نکاح مالک بن نضر سے ہوا، ان ہی سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے، پھر یہ مالک بن نضر بحالت کفر قتل کردیا گیا، اس کے بعد حضرت ام سلیم ایمان لے آئیں ابوطلحہؓ نے جب یہ مشرک تھے ان کو پیغام نکاح بھیجا تو انھوں نے ان

کے کفر کی وجہ سے انکار کر دیا اور ان کو دعوت اسلام دی، ابوطلحہؓ اسلام لے آئے تو انھوں نے کہا اب میں تم سے شادی کرتی ہوں، اور تمہارا اسلام قبول کرنا ہی میرا مہر ہے اور حضرت ابوطلحہؓ سے شادی کر لی، ان سے ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے۔ (جدید مظاہر حق)

**حضرت بلالؓ کا تعارف:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن بلال حبشی النسل تھے، باپ کا نام رباح اور ماں کا نام حمامہ ذکر کیا جاتا ہے، کسی طرح مشرکین مکہ کے غلام ہو گئے تھے، اسلام کے بالکل ابتدائی دور ہی میں اللہ نے ایمان کی دولت سے سرفراز فرما دیا، مکہ کے ایک بت پرست کے غلام کی یہ جسارت کہ وہ بتوں اور معبودوں کو باطل قرار دے کر اللہ واحد کی ربوبیت کا قائل ہو جائے، اس کے مشرک مالک اور دیگر مشرکین مکہ کے نزدیک کسی طرح بھی قابل برداشت اور لائق معافی بات نہ تھی، ان لوگوں نے اسلام لانے کی جرم کی پاداش میں ہر طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیے، اذیتوں اور ایذا رسانیوں کی ساری حدیں ختم کر دیں، کبھی ان کو سخت گرم دوپہر میں لوہے کی زرہ (قمیص) پہنا کر دھوپ میں مکہ کی پتھریلی زمین پر ڈال دیا جاتا، کبھی ننگے بدن دھوپ میں جلتی ہوئی چٹانوں پر لٹا کر ان کے سینے پر بھی پتھر کی ایک چٹان رکھ دی جاتی، کبھی ان کا مالک ان کو زمین میں پیٹ کے بل لٹا دیتا اور خود ان کی کمر پر کھڑا ہو جاتا، کبھی مکہ کے اوباشوں کو جمع کر کے لاٹھیوں، ڈنڈوں اور کوڑوں سے ان کی پٹائی کرائی جاتی، اور مقصود و مطالبہ صرف ایک یعنی اسلام کو چھوڑ کر پھر ان کے شرک و کفر والے دین کو اختیار کر لیں۔ لیکن ان کی زبان سے ہر ظلم وستم کے جواب میں ربی اللہ، احد احد ہی نکلتا۔ ان تکلیفوں اور مصیبتوں کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتی رہتی تھی۔ ایسے ہی کسی موقع پر زبان مبارک سے نکلا "لو كان عندنا شئ ابتعنا بلالا" کاش ہمارے پاس کچھ مال ہوتا تو بلالؓ کو خرید لیتے۔ حضرت ابوبکرؓ کو آپ کی خواہش کا علم ہوا، تو انھوں نے حضرت بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا، اب تو مشرک کی غلامی سے نجات مل گئی، ہمہ وقت رسول اللہؐ کی خدمت میں رہنے لگے اور پوری زندگی آپ کی غلامی میں گزار دی۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد ملک شام چلے گئے تھے ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں دمشق میں وفات پائی، جب وفات کا وقت قریب آیا تو بیوی رونے اور واویلا کرنے لگیں، انھوں نے بیوی کے واویلا کے جواب میں وافرحاہ کہا، یعنی کیا ہی خوشی کا موقع ہے اور پھر اس کے بعد کہا "غدًا نلقى الأحبة، محمدا وحزبه" کل کو اپنے محبوبوں یعنی محمدؐ اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی۔ (معارف الحدیث، ج۸)

### حدیث نمبر ۲۹۹۵ ﴿صحابہؓ کی اہمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰۲

وَعَنْ سَعْدٍؓ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ نَفَرٍ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُطْرُدْ هٰؤُلَاءِ لَا يَجْتَرِئُوْنَ عَلَيْنَا قَالَ وَكُنْتُ أَنَا وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَجُلٌ مِّنْ هُذَيْلٍ وَبِلَالٌ وَرُجَلَانِ لَسْتُ أُسَمِّيْهِمَا فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقَعَ فَحَدَّثَ نَفْسَهُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ "وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ". (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم ص۲۸۱ ج۲، باب فی فضل سعد بن ابی وقاص، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۱۳

**حل لغات:** اطْرُدْ طَرَدَهٗ (نصر) طَرْدًا دھتکارنا، ہٹانا۔ لا يَجْتَرِؤُنَ اجْتَرَأ عَلَيه اجتراءً جرأت کرنا، دلیری دکھانا، جسارت کرنا۔ وَقَعَ فی نَفسه (فتح) وُقُوعًا دل میں بات آنا۔ حَدَّثَ تَحْدِيْثًا کلام کرنا۔ نَفْسَهٗ دل میں ارادہ کرنا۔ العَشِيّ شام۔

**ترجمہ:** حضرت سعدؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، مشرکوں نے نبی کریمؐ سے کہا تم ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دو، تاکہ یہ لوگ ہم پر جری اور دلیر نہ ہو جائیں۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ابن مسعودؓ اور قبیلہ ہذیل کا ایک شخص اور بلالؓ تھے اور دو شخص اور تھے جن کا میں نام نہیں لیتا (کفار کے اس مطالبے سے) نبی کریمؐ کے دل میں وہ بات جو خدا نے چاہی پیدا ہوئی، آپؐ نے اپنے دل میں سوچا کہ معاً یہ آیت نازل ہوئی "ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون

ترجمہ: یعنی آپ ان لوگوں کو نہ اٹھایئے جو صبح وشام محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** ابن مردویہ نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف جمحی نے رسول اللہؐ کو یہ مشورہ دیا کہ غریب فقیر شکستہ حال مسلمانوں کو آپ اپنے قریب نہ رکھیں، بلکہ مکہ اور قریش کے سرداروں کو ساتھ لگائیں، یہ لوگ آپ کا دین قبول کرلیں گے تو دین کو ترقی ہوگی۔ اسی طرح کے واقعات پر ارشاد ربانی نازل ہوا جس میں ان کا مشورہ قبول کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا، اور صرف یہی نہیں کہ ان کو اپنی مجلس سے ہٹائیں نہیں، بلکہ حکم دیا گیا کہ واصبر نفسک یعنی آپ اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ باندھ کر رکھیں، اس کا یہ مفہوم نہیں کہ کسی وقت جدا نہ ہوں، بلکہ مراد یہ ہے کہ تعلقات اور توجہات سب ان لوگوں کے ساتھ وابستہ رہیں، معاملات میں انہیں سے مشورہ لیں، انہیں کی امداد اور اعانت سے کام کریں، اور اس کی وجہ اور حکمت ان الفاظ سے بتلادی گئی کہ یہ لوگ صبح وشام یعنی ہر حال میں اللہ کو پکارتے اور اسی کا ذکر کرتے ہیں، ان کا جو عمل ہے وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہے، اور یہ سب حالات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد کو کھینچتے ہیں، اللہ کی مدد ایسے ہی لوگوں کے لئے آیا کرتی ہے، چند روز کی کس مپرسی سے گھبرائیں نہیں، انجام کار فتح ونصرت انہیں کو حاصل ہوگی اور رؤساءِ قریش کا مشورہ قبول کرنے کی ممانعت کی وجہ آخر آیات میں یہ بتلائی گئی کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے غافل ہیں اور ان کے سب کام نفسانی خواہشات کے تابع ہیں، اور یہ حالات اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت سے ان کو دور کرنے والے ہیں۔ یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ مشورہ قابلِ عمل تھا کہ ان کے لئے ایک مجلس علیحدہ کردی جاتی، تاکہ ان کو اسلام کی دعوت پہنچانے میں اور ان لوگوں کو قبول کرنے میں سہولت ہوتی، مگر اس طرح کی تقسیم میں سرکش مالداروں کا ایک خاص اعزاز تھا، جس سے غریب مسلمانوں کی دل شکنی یا حوصلہ شکنی ہوسکتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو گوارہ نہ فرمایا، اور اصول دعوت وتبلیغ یہی قرار دے دیا کہ اس میں کسی کا کوئی امتیاز نہ ہونا چاہئے۔ (معارف القرآن)

**کلمات حدیث کی تشریح** "لا تجترؤن" یعنی آپؐ کی مجلس میں اگر یہ لوگ ہوں اور ہم آپؐ سے ایمان کے متعلق گفتگو کریں تو یہ لوگ بھی باتیں کریں گے، اگر باتیں نہ بھی کریں تب بھی نشست میں ہمارے برابر بیٹھے ہوں گے، ہم نہیں چاہتے کہ یہ حقیر لوگ ہم سے کلام کرنے یا نشست میں ایک ساتھ بیٹھنے کی جرأت کریں۔ ورجلان لست اسمیھما یعنی دو آدمی اور بھی تھے مگر میں ان کا نام نہیں لینا چاہتا ہوں، علماء نے لکھا ہے کہ یہ دو آدمی حضرت خبابؓ اور حضرت عمارؓ تھے، حضرت سعدؓ نے کسی مصلحت کی وجہ سے ان کا نام لینے سے گریز فرمایا۔ فحدث یعنی حضور اکرمؐ کے قلب مبارک میں یہ خیال گذرا کہ اگر ان فقراء کے ہٹانے اور بھگانے سے قریش کے سردار مسلمان ہوسکتے ہیں تو کیا ان کو مجلس سے الگ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنا چاہئے یا نہیں؟ اس موقع پر قرآن کی یہ آیتیں نازل ہوئیں "ولا تطرد الذی یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ الخ۔ (توضیحات)

**حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا تعارف:** حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی جلیل القدر صحابی رسول ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، انکی کنیت ابواسحاق ہے اور لقب "فارس الاسلام" ہے، اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے تیر پھینکنے والے ہیں، مستجاب الدعوات تھے، اسلام قبول کرنیوالے پہلے سات افراد میں سے ایک ہیں، کوفہ کو کوفہ بنانیوالے اور اس سے اعاجم کو نکال کر باہر کرنیوالے بھی آپ ہیں۔ بنوزہرہ سے تعلق رکھتے تھے اور بنوزہرہ رسول اللہ ﷺ کے ننھیال تھے؛ کیونکہ حضرت آمنہ آپ کی والدہ انہیں میں سے تھیں۔ انکے والد کا نام مالک تھا اور سلسلہ نسب یوں ہے: سعد بن مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کلاب بن مرہ میں جا کر ملتے ہیں، انکی والدہ حمنہ بنت سفیان ابن امیہ بن عبد شمس ہیں جو اسلام نہیں لائی تھیں، حضرت سعد کی مدینہ سے دس میل فاصلے پر عقیق نامی جگہ میں وفات ہوئی اور پھر لوگ کندھوں پر اٹھا کر مدینہ لائے اور بقیع میں دفنائے گئے۔ یہ ۵۵ھ یا ۵۸ھ کی بات ہے، اسوقت

آپ کی عمر ۸۳ یا ۷۳ برس تھی، عشرۂ مبشرہ میں سب سے اخیر میں آپ ہی کا انتقال ہوا، مروان ابن الحکم نے جنازہ پڑھائی۔ (کشف الباری)
حضرت ابن مسعودؓ کا تعارف عالمی حدیث ۶۱۹۷ کے تحت ہو چکا ہے، حضرت بلالؓ کا تعارف گذشتہ حدیث میں نقل ہو چکا ہے۔
حضرت عمارؓ کا تعارف عالمی حدیث ۶۲۰۰ کے تحت ہو چکا ہے۔

**حضرت خبابؓ کا تعارف:** حضرت خبابؓ کا تعلق قبیلہ بنی تمیم سے ہے، بچپن میں کسی نے ان کو پکڑ کر مکہ معظمہ میں لا کر بیچ دیا اور مکہ کی ایک عورت ام انمار نے خرید کر اپنا غلام بنالیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جن صحابہ کرامؓ نے بالکل ابتدائی زمانہ میں لبیک کہا ان میں حضرت خبابؓ بھی ہیں، انھوں نے اسلام لانے کی پاداش میں ہر طرح کے ظلم وستم برداشت کئے، زمانۂ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے اسلام لانے کے بعد بھی وہی کام کرتے رہے، اسی سلسلہ میں عاص بن وائل کا کچھ قرض ہوگیا تھا، جس کا مطالبہ کرنے کے لئے عاص بن وائل کے پاس گئے، اس نے کہا تمہارے پیسے جب ملیں گے جب تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار کردو، خبابؓ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار ہرگز نہیں کرسکتا خواہ تو مرکر دوبارہ زندہ ہوجائے، عاص نے کہا کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا، حضرت خبابؓ نے فرمایا بالکل، اس نے کہا کہ پھر اس وقت میرے پاس بہت سامال اور اولاد ہوگی، میں اسی وقت تمہارے قرض کی ادائیگی کروں گا، اس پر سورۂ مریم کی آیتیں "افرأیت الذی کفر بایاتنا سے لے کر "ونرثه ما یقول ویأتینا فردا" تک آیات نمبر ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰ نازل ہوئیں، جن میں عاص کے اس بے ہودہ قول پر سخت نکیر فرمائی گئی ہے، ان آیات کا ترجمہ اس طرح ہے: "بھلا آپ نے دیکھا اس شخص کو جو ہماری آیتوں (قدرت کی نشانیوں اور رسول اللہؐ کی نبوت کی دلیلوں) کا منکر ہوا اور اس نے کہا مجھ کو (دوبارہ زندہ ہونے کی صورت میں) مال اور اولاد ضرور ملے گا، کیا اس نے (آئندہ کی) غیب کی باتوں کو دیکھ لیا ہے یا اللہ سے کوئی عہد و پیمان لے رکھا ہے، ہرگز نہیں (یعنی مال اولاد کچھ نہیں ملے گا) بلکہ ہم اس کی اس بات کو جو وہ کہہ رہا ہے لکھ رکھیں گے اور اس کے لئے عذاب کو طویل تر کرتے رہیں گے۔ اور جس مال و اولاد کا وہ ذکر کررہا ہے وہ سب بھی ہمارا ہی ہوگا (یعنی اس کو وہاں کچھ نہ ملے گا) اور وہ ہمارے حضور میں تنہا حاضر ہوگا۔" حضرت خبابؓ کی کوفہ میں ۳۷ھ میں وفات ہوئی۔ (معارف الحدیث)

**حدیث نمبر ۲۹۹۶ ﴿حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی آواز کی تعریف﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰۳**

وَعَنْ أَبِي مُوسَىٰ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا أَبَا مُوسَىٰ لَقَدْ أُعْطِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۷۵۵ ج ۲، باب حسن الصوت، کتاب فضائل القرآن، حدیث ۵۰۴۸؛ مسلم، ص ۲۶۸ ج ۱، باب استحباب تحسین الصوت، کتاب فضائل القرآن، حدیث ۷۹۳

**حل لغات:** مِزْمَارٌ بانسری، بین (ج) مَزَامِيرُ، مزامیرُ داود حضرت داود علیہ السلام کے وظائف ودعائیں، وہ کتاب جس میں حضرت داود علیہ السلام وحضرت سلیمان علیہ السلام کے مذہبی گیت اور دعائیں جمع کی گئی ہیں۔

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے ابوموسیٰ تمہیں آل داود کی خوش الحانی سے حصہ دیا گیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث:** حضرت ابوموسیٰؓ کو قرآن مجید سے خصوصی لگاؤ تھا، فرصت کا اکثر حصہ اس کی تلاوت میں اور فہم مطالب میں صرف کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاذؓ نے پوچھا، آپ قرآن مجید کی تلاوت کس طرح کرتے ہیں۔ فرمایا رات دن میں جب بھی موقع ملتا ہے تھوڑا تھوڑا کرکے پڑھ لیتا ہوں۔ ان کی تلاوت میں قدرتی طور پر عجیب کشش تھی۔ آنحضرت فرماتے

ان کو لحن داودی سے حصہ ملا ہے، حضورؐ کو ان کی قرأت بے حد پسند تھی، ان سے فرمائش کر کے سنتے اور کہیں پڑھتے سنتے تو قیام فرما کر سننے لگتے۔ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ کہیں تشریف لئے جارہے تھے کہ ابوموسیٰؓ کی تلاوت کی آواز سنی، وہیں کھڑے ہوکر سننے لگے اور جب سن چکے تو آگے بڑھے، صبح کو جب یہ حاضر خدمت ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا، ابوموسیٰؓ میں نے کل تمہاری قرأت سنی تھی، عرض کیا یارسول اللہ اگر مجھے علم ہوجاتا تو میں آواز میں اور دلکشی پیدا کرتا۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے، ازواج مطہرات ان کی خوش الحانی سے متاثر ہوکر اپنے اپنے حجروں کے پردہ کے پاس کھڑی ہوکر سننے لگیں، صبح کو ابوموسیٰؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو کہا اگر مجھے علم ہوتا تو میں انھیں قرآن کا اس سے زیادہ مشتاق بنادیتا۔ (ہمارے اسلاف)

**کلمات حدیث کی تشریح**

لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داود: اس میں لفظ ''آل داود'' زائد ہے، مراد خود داود علیہ السلام ہیں؛ کیوں کہ ان کی آواز بہت حسین تھی، ان کی اولاد و اقارب میں سے کسی کی یہ صفت نہیں تھی مزمار ایک آلہ کا نام ہے لیکن مراد اس سے خوش الحانی ہے، حضرت ابوموسیٰؓ خوش الحان تھے۔ (کشف الباری، ج۱۰)

**حضرت ابوموسیٰؓ کا تعارف:** حضرت ابوموسیٰؓ کا نام عبداللہ بن قیس ہے، لیکن اپنی کنیت ابوموسیٰ کے ساتھ مشہور ہیں، اشعر علاقہ حجاز کے ایک پہاڑ کا نام ہے، بعض حضرات کہتے ہیں مدینہ سے ملک شام جاتے ہوئے راستے میں یہ پہاڑ پڑتا ہے، اسی کے قریب قبیلہ اشعر کا مسکن تھا، اس قبیلہ کے کچھ لوگ یمن چلے آئے تھے، ان ہی میں ابوموسیٰؓ اشعری اور ان کے خاندان کے لوگ بھی تھے، یہ لوگ یمن میں ہی ایمان لے آئے تھے، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب ان حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کا علم ہوا تو یمن سے سمندر کے راستہ پچاس سے زائد لوگوں کا قافلہ مدینہ طیبہ کے لئے نکلا، ان کی کشتی کو ہواؤں نے مدینہ کے قریب کسی ساحل پر پہنچانے کے بجائے ملک حبشہ پہنچادیا، وہاں ان کی ملاقات حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی، حضرت جعفرؓ نے ان لوگوں کو وہیں اپنے پاس روک لیا، پھر سب لوگ یعنی جو پہلے حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور وہیں مقیم ہوئے تھے اور یہ نو واردین یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھی ایک ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے حبشہ سے روانہ ہوئے، جب یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے ہیں، اس وقت آپؐ غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے جاچکے تھے، یہ سب حضرات بھی خیبر ہی پہنچ گئے، ان کے پہنچنے سے پہلے ہی خیبر فتح ہوچکا تھا، آپؐ نے خیبر کے مال غنیمت میں حبشہ سے آنے والوں کو بھی شریک فرمالیا۔ حضرت ابوموسیٰؓ اور ان کے ساتھی چوں کہ حبشہ بھی پہنچ گئے تھے اور وہیں سے مدینہ طیبہ آئے تھے، اس لئے بعض حضرات نے ان کو مہاجرین حبشہ میں شمار کیا ہے، صحیح بخاری کی مذکورہ روایت سے بھی اس کی کچھ تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ روایت کے آخر میں یہ بھی تذکرہ ہے کہ حبشہ سے آنے والے صحابہ کرامؓ میں حضرت جعفرؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ بھی تھیں، ان سے حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ ہم لوگ ہجرت کی فضیلت میں تم سے مقدم اور رسول اللہؐ سے قریب تر ہیں، حضرت اسماءؓ نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور آپؐ سے اس کی شکایت کی، آپؐ نے فرمایا عمرؓ اور ان کے ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور تم لوگوں کی دو ہجرتیں۔ حضرت ابوموسیٰؓ اور ان کے ساتھی حضرت اسماءؓ سے رسول اللہؐ کے اس ارشاد کو بار بار سنا کرتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خود کو بھی اصحاب الہجرتین میں شمار کرتے تھے، اس سفر میں ان کے دو بھائی ابو بردہؓ اور ابو رہمؓ بھی تھے، ان کا ذکر تو بخاری کی مذکورہ روایت میں بھی ہے، تذکرۃ الحفاظ میں بھی مذکور ہے کہ ان کی والدہ طیبہ بنت وہبؓ بھی صحابیہ ہیں، بظاہر وہ بھی اسی سفر میں ساتھ آئی ہوں گی ۴۴ھ ذی الحجہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (معارف الحدیث، ج۸)

**حدیث نمبر ۲۹۹۷ ﴿بعض حفاظ قرآن صحابہؓ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰٤**

وَعَنْ أَنَسٍؓ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَةٌ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ

جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُوْ زَيْدٍ قِيلَ لِأَنَسٍ مَنْ أَبُوْ زَيْدٍ قَالَ أَحَدُ عُمُوْمَتِي. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۷ ج ۱، باب مناقب زید بن ثابت، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۱۰؛ مسلم، ص ۲۹۴ ج ۲، باب من فضائل أبی، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۶۵

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چار حضرات نے قرآن مجید کو جمع کیا، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ نے، حضرت انسؓ سے کہا گیا کہ ابوزید کون ہیں؟ فرمایا کہ میرے ایک چچا ہیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصہ حدیث** قرآن کو مکمل طور پر جنھوں نے حفظ کیا تھا وہ چار آدمی تھے، یہ کسی خاص شہرت کی وجہ سے کہا گیا ہے، ورنہ حضور اکرمؐ کے زمانہ میں صحابہؓ بڑی تعداد میں قرآن کریم کے حافظ تھے، اس کلام میں حصر بھی نہیں ہے اور نہ اس کا مفہوم مخالف لیا جاسکتا ہے کہ اور کوئی حافظ نہیں تھا، صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جن ستر صحابہ اور قراء کو بئر معونہ میں شہید کیا گیا تھا وہ حفاظ قرآن تھے، جنگ یمامہ میں سینکڑوں صحابہ حافظ قرآن شہید ہوئے تھے، نیز خلفاء راشدین حافظ قرآن تھے، لہٰذا یہاں حصر نہیں ہے۔ (توضیحات، ج ۸)

**کلمات حدیث کی تشریح** جمع القرآن علی عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ کے عہد میں چار صحابہؓ نے قرآن کریم کو جمع کیا تھا، اس جمع سے جمع فی الصدر یعنی حفظ کرنا مراد ہے اور حفظ کرنے والے صحابہ بھی صرف چار میں منحصر نہیں تھے، بلکہ ان کی بڑی تعداد تھی، روایت باب میں ان چار کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی مختلف وجوہ بیان کی گئیں ہیں: (۱) یہ عدد ہے اور عدد مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، چار کے تذکرہ سے باقی کی نفی نہیں ہوتی۔ (۲) وجوہ قرأت کے جامع یہ چار حضرات تھے اس لئے ان کا ذکر کیا گیا۔ (۳) ان چاروں کو ناسخ ومنسوخ دونوں طرح کی آیات حفظ تھیں، اس لئے ان کا ذکر کیا گیا۔ (۴) ان چاروں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ انھوں نے حضور اکرمؐ سے براہ راست قرآن مجید سن کر یاد کیا تھا، جب کہ ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے کچھ آپؐ سے یاد کیا تھا اور کچھ دوسرے ذرائع سے یاد کیا تھا۔ (۵) مذکورہ حضرات چوں کہ قرآن کریم کی تعلیم وتعلم میں شہرت رکھتے تھے، ان کا انہماک اور قرآن کریم کے ساتھ ان کا شغف نسبتاً زیادہ تھا، اس لئے ان چار کا ذکر کیا گیا۔ (۶) حافظ ابن حجرؒ نے اس سلسلہ میں ایک اور توجیہ کو راجح قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان چار کا ذکر ایک خاص جماعت اور خاص افراد کے مقابلہ میں کیا گیا ہے، چنانچہ ابن جریر طبریؒ نے حضرت انسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے درمیان افتخار کی بات آئی، قبیلہ اوس نے کہا کہ ہمارے ہاں چار ایسے آدمی ہیں جو خاص صفات کے ساتھ موصوف ہیں، ہم میں ایک آدمی ایسا ہے کہ اس کی موت پر عرش الٰہی حرکت میں آ گیا یعنی حضرت سعد بن معاذؓ دوسرا آدمی ایسا ہے کہ اس کی شہادت کو حضور اکرمؐ نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا ہے یعنی حضرت خزیمہ بن ثابتؓ، تیسرا آدمی ایسا ہے جس کو فرشتوں نے غسل دیا یعنی حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر، چوتھا آدمی ایسا ہے کہ بھڑوں یا شہد کی مکھیوں نے اس کی لاش کی حفاظت کی یعنی حضرت عاصم بن ثابت انصاریؓ، اس کے جواب میں قبیلہ خزرج نے کہا کہ ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے اور مذکورہ چار حضرات کا نام لیا، تو یہاں پر خزرج اور اوس کے درمیان مقابلہ تھا، خزرج میں چار آدمی حافظ تھے، قبیلہ اوس میں نہیں تھے، اس کے مقابلے میں ان چار کا ذکر آیا، لیکن قبیلہ اوس میں اگر حافظ نہیں تھے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے صحابہ بھی حافظ نہیں تھے۔ (کشف الباری، ج ۱۰)

**حضرت ابی بن کعبؓ کا تعارف:** حضرت ابی بن کعبؓ خزرجی نجاری صحابی ہیں، ابوالمنذر اور ابوالطفیل کنیت ہے، سید القراء لقب ہے، بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے، چھ اصحاب فتوی میں سے تھے، وفات ۲۱ھ مطابق ۶۴۲ء، حضرت عمرؓ آپ کو سید المسلمین کہتے تھے۔ (تحفۃ القاری)

رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ معظمہ میں ہی تھے لیکن اسلام کی شعاعیں مدینہ طیبہ کے افق کو منور کرنے لگی تھیں، نبوت کے گیارہویں سال میں حج کے موقع پر مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ مکہ معظمہ آئے اور آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان لے آئے، اور منیٰ میں جمرۂ عقبہ کے قریب آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، اس کو بیعت عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے، اس موقع پر صرف چھ حضرات ہی اسلام اور بیعت سے مشرف ہوئے تھے، آئندہ سال یعنی ۱۲ر نبوی میں بارہ حضرات حج کے موقع پر آئے اور یہ سب بھی منیٰ میں جمرۂ عقبہ کے پاس ہی آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے، اس کو بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے، ان حضرات میں حضرت ابی بن کعبؓ بھی تھے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کا تعلق مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تھا، اہل مدینہ میں اول ایمان لانے والے صحابہ میں ان کا شمار ہے، ہجرت سے پہلے بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے ہیں اور ہجرت کے بعد غزوۂ بدر اور بعد کے تمام ہی غزوات میں شرکت کی ہے، ہجرت کے بعد کتابت وحی کی سعادت بھی ان کے نصیب میں آئی، قرآن مجید بہت اچھا پڑھتے تھے، آپؐ نے ان کو اپنی امت کے سب سے بڑے قاری ہونے کے خطاب سے نوازا تھا، ایک دفعہ آپؐ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا، ابی اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید پڑھ کر سناؤں، حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا کیا میرا نام لے کر اللہ نے کہا ہے، آپؐ نے فرمایا ہاں، تمہارا نام لے کر اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید سناؤں یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ رونے لگے اور آپؐ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو سورہ لم یکن الذین کفروا پڑھ کر سنائی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں پورے قرآن کے حافظ ہو چکے تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں رمضان المبارک میں باجماعت تراویح کا اہتمام کرایا تھا، اور حضرت ابی بن کعبؓ کو امام مقرر فرمایا تھا۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ سے دریافت فرمایا، ابی بن کعب یہ بتلاؤ کہ قرآن مجید میں کون سی آیت تمہارے نزدیک سب سے زیادہ عظیم المرتبت آیت ہے، حضرت ابی نے عرض کیا اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم (الآیہ) یعنی آیت الکرسی آپ نے فرمایا لیھنئك العلم یا ابا منذر اے ابومنذر تمہیں علم مبارک ہو، چوں کہ آیۃ الکرسی میں اللہ کی توحید اس کی عظیم قدرت اور صفات عالیہ کا ذکر ہے اس لئے وہ سب سے عظیم آیت ہے، اور اسی لئے اس کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت وارد ہوئے ہیں، ان کو علماً و عملاً قرآن مجید سے امتیازی قسم کا تعلق تھا، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ (معارف الحدیث)

**حضرت معاذ بن جبلؓ کا تعارف:** حضرت معاذؓ خزرجی ہیں، کنیت ابوعبدالرحمٰن، جوانی میں مسلمان ہوئے، حلال وحرام (مسائل فقہیہ) کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے، نبی کریمؐ نے آپ کو یمن کا حاکم بنایا، خلافت صدیقی میں مدینہ واپس آئے، اور حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھ شام میں جہاد کے لئے چلے گئے، جب طاعون عمواس میں حضرت ابوعبیدہؓ کی وفات ہونے لگی تو انھوں نے حضرت معاذؓ کو اسلامی فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور حضرت عمرؓ نے ان کو برقرار رکھا، مگر اسی سال ۱۸ھ میں آپؓ کا بھی انتقال ہو گیا، آپؓ ہجرت سے بیس سال پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ (تحفۃ القاری)

حضرت معاذ بن جبلؓ نو عمری ہی میں سعادت ایمانی سے نواز دیئے گئے تھے، انھوں نے قرآن مجید اور دینی مسائل کی تحصیل براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی اور آپ نے ان کو اس کم عمری ہی میں قرآن وسنت اور دینی وفقہی مسائل کا بڑا عالم قرار دے دیا تھا، اپنی حیات ہی میں آپ نے جن حضرات صحابہ کرامؓ کو قرآن مجید کا معلم بنایا تھا ان میں معاذ بن جبلؓ بھی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے معاذ بن جبلؓ یمن گئے تھے، پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں واپس آئے اور ملک شام کی طرف بغرض جہاد چلے گئے، اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر سے کہا تھا، معاذؓ کے علم کی اہل مدینہ کو بہت ضرورت ہے، ان کے جانے سے مدینہ میں علم کا بہت خلاء ہو جائے گا، آپ انھیں ملک شام جانے کے ارادے سے باز رکھئے،

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ایک اللہ کا بندہ شوق شہادت کے جذبہ سے میدان جہاد کے لئے جارہا ہے میں اسے نہیں روک سکتا، حضرت معاذؓ ملک شام جانے کے بعد وہاں طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے اور اسی میں ۱۷ر یا ۱۸ر ہجری میں شہید ہوئے، شہادت کے وقت عمر صرف ۳۳ر سال تھی، بعض حضرات نے ۳۴ر یا ۳۵ر سال بھی بتلائی ہے۔ (معارف الحدیث)

**حضرت زید بن ثابتؓ کا تعارف:** حضرت زید بن ثابتؓ خزرجی انصاری صحابی ہیں، کنیت ابوخارجہ، ولادت ہجرت سے ۱۱ سال پہلے، وفات ۴۳ھ، سترہ دن میں سریانی زبان میں مہارت پیدا کرلی، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں قرآن کریم کو سرکاری ریکارڈ میں لیا، پھر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مصاحف تیار کرنے والی کمیٹی میں شریک رہے، چھ اصحاب فتویٰ میں سے تھے، علم المیراث کے خاص ماہر تھے، حضرت عمرؓ جب کہیں جاتے تو آپ کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے، ہجرت کے وقت نابالغ تھے، مگر کافی قرآن یاد کرلیا تھا، کاتبینِ وحی میں سے تھے۔ (تحفۃ القاری)



مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو قرب وجوار کے یہودیوں سے خط وکتابت کرنے کی ضرورت پڑتی تھی، ان لوگوں کی خط وکتابت کی زبان سریانی تھی، اگر آپ کو خط لکھنا ہوتا تو کسی یہودی سے لکھواتے اور اگر یہود کا خط آپ کے پاس آتا تو اس کو پڑھوانے کے لئے بھی کسی یہودی کی ضرورت پڑتی، آپ کو مدینہ کے یہود پر اعتماد نہ تھا کہ وہ خط لکھنے اور پڑھنے میں دیانت داری سے کام لیں گے، اس لئے آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے فرمایا تم یہود کی زبان سریانی لکھنا پڑھنا سیکھ لو، حضرت زید بن ثابتؓ نے صرف سترہ دن میں ہی سریانی کے لکھنے اور پڑھنے پر عبور حاصل کرلیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے خط وکتابت کی ذمہ داری ان کے سپرد کردی، جن صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا ان میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کا ایک لشکر یمن کے علاقہ یمامہ میں مسلیمہ کذاب سے جہاد کے لئے گیا تھا، اس لشکر کو اگرچہ فتح حاصل ہوگئی تھی اور مسلیمہ کذاب مارا گیا تھا لیکن مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی تھی، جن میں بہت سے قرآن مجید کے حافظ بھی شامل تھے، اس واقعہ سے متاثر ہوکر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی تھی کہ اسی طرح اگر حفاظ شہید ہوتے رہے تو خطرہ ہے کہ کہیں قرآن مجید ہی لوگوں کے درمیان باقی نہ رہے، اس لئے آپ قرآن مجید کی کتابت کا اہتمام کرادیں (اس وقت تک الگ الگ سورتیں تو صحابہ کرامؓ کے پاس لکھی ہوئی تھیں لیکن پورا قرآن یکجا مصحف کی شکل میں لکھا ہوا نہ تھا) حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا میں کیسے کرسکتا ہوں، کافی افہام وتفہیم کے بعد بالآخر حضرت ابوبکرؓ قرآن کو یکجا لکھوانے اور جمع کرانے کے لئے تیار ہوگئے، اس کام کے لئے دونوں بزرگوں کی نگاہ انتخاب حضرت زید بن ثابتؓ پر پڑی: ان کو بلوایا گیا اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنا مدعا ان کے سامنے رکھا، اور فرمایا "انك رجل شاب عقل لا نتهمك قد كنت تكتب الوحى لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع القرآن واجمعه" تم ایک عاقل نوجوان ہو اس کام کے لئے ہم لوگوں کو تم پر پورا اعتماد ہے، پھر تم تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی کاتب وحی رہے ہو، لہٰذا قرآن کو تلاش کرکر کے ایک جگہ جمع کرلو، حضرت زیدؓ کو بھی وہی اشکال ہوا جو حضرت ابوبکرؓ کو ہوا تھا، کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ کام آپ دونوں حضرات کیسے کرنا چاہتے ہیں، لیکن حضرات شیخین نے ان کو سمجھایا۔

بالآخر وہ اس کام کیلئے راضی ہوگئے، اور صحابہ کرامؓ سے مختلف سورتیں جمع کرکر کے پورا مصحف یکجا لکھکر تیار کردیا، وہ خود بھی حافظ قرآن تھے، اور انکے علاوہ بھی بعض صحابہ کرامؓ پورے قرآن کے حافظ تھے، الگ الگ سورتیں تو بہت سے صحابہ کرام کو یاد تھیں، لیکن وہ ہر جگہ سے لکھی ہوئی سورتیں جمع کررہے تھے، وہ علم فرائض یعنی ترکہ کی تقسیم کے مسائل واحکام سے بھی بہت واقف تھے، رسول اللہ ﷺ نے

ان کے بارے میں فرمایا "افرض امتی زید بن ثابت" میری امت میں علم فرائض سے سب سے زیادہ واقف زید بن ثابت ہیں۔

غزوۂ تبوک میں قبیلہ بنو نجار کا جھنڈا حضرت عمارہ بن حزمؓ کے ہاتھ میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے کر حضرت زید بن ثابتؓ کو دے دیا، حضرت عمارہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے بارے میں کوئی شکایت آپ کو پہنچی ہے، آپؐ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ زید بن ثابت کو جھنڈا دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن کے حافظ ہیں، صحابہ کرام بھی ان کے علمی مقام کے بہت معترف تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانہ خلافت میں ان کو اپنے پاس مدینہ طیبہ ہی میں رکھتے تھے، کہیں نہ جانے دیتے تھے، وہ ان کی موجودگی میں مدینہ طیبہ میں فتویٰ دیتے تھے۔

ان کی وفات پر صحابہ کرامؓ نے جو کچھ ان کے بارے میں کہا اس سے صحابہ کرامؓ کی نظر میں ان کی بلند مقامی اور قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں "مات حبر الامة" آج اس امت کا ایک بڑا عالم وفات پا گیا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "دفن الیوم علم کثیر" آج بڑا علم دفن ہو گیا۔

**حضرت ابوزید کا تعارف:** ان کے بارے میں حضرت انسؓ نے کہا کہ یہ میرے ایک چچا ہیں، علی بن مدینیؒ کہتے ہیں کہ ان کا نام اوس ہے، اور یحییٰ بن معین کا کہنا ہے کہ یہ ثابت بن زید ہیں، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سعد بن عبید بن نعمان ہیں۔ طبرانی نے اپنے شیخ ابوبکر بن صدقہ سے اسی قول پر اعتماد کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ انہی کو "قاری" کہا جاتا تھا، اور یہ جنگ قادسیہ میں شریک ہو کر اسی میں شہید ہوئے، اور یہ عمیر بن سعد کے والد ہیں، واقدیؒ کا کہنا ہے کہ یہ قیس بن مسکن بن قیس بن اعور بن حرام انصاری نجاری ہیں اور حضرت انسؓ کے اپنے چچا قرار دینے سے اسی قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے حضرت انسؓ بھی بنی حرام قبیلہ سے ہیں۔ (مرقات)

**حدیث نمبر ۲۹۹۸ ﴿حضرت مصعب بن عمیرؓ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰۵**

وَعَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبْتَغِيْ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللّٰهِ فَمِنَّا مَنْ مَضٰى لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهٖ شَيْئًا مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ يُوْجَدْ لَهٗ مَا يُكَفَّنُ فِيْهِ إِلَّا نَمِرَةٌ فَكُنَّا إِذَا غَطَّيْنَا رَأْسَهٗ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَطُّوْا بِهَا رَأْسَهٗ وَاجْعَلُوْا عَلٰى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهٗ ثَمَرَتُهٗ فَهُوَ يَهْدِبُهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۵۱ ج ۱، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۹۸؛ مسلم، ص ۳۰۵ ج ۱، باب کفن المیت، کتاب الجنائز، حدیث ۹۴۰

**حل لغات:** هَاجَرْنَا هَاجَرَ مُهَاجَرَةً ترک وطن کرنا (مفاعلة)۔ وَجْه ابْتِغَاء وَجْهِ اللّٰهِ اللہ کی خوشنودی کے لئے۔ وَقَعَ بمعنی وَجَبَ۔ يُكَفَّن كَفَّنَ الْمَيِّتَ تَكْفِيْنًا مردہ کو کفن پہنانا (تفعیل)۔ نَمِرَةٌ سفید و سیاہ دھاریوں کا کمبل یا چادر (ج) نِمَارٌ۔ غَطَّيْنَا غَطَّاهُ تَغْطِيَةً چھپانا (تفعیل)۔ أَيْنَعَتْ أَيْنَعَ الثمر إِيْنَاعًا (افعال) يَنَعَ (ف) يَنْعًا پھل کا پک کر توڑنے کے قابل ہو جانا۔ يَهْدِبُ هَدَبَ الثَّمَرَةَ (ض) هَدْبًا پھل توڑنا۔

**ترجمہ:** حضرت خباب بن ارتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا، اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے جذبہ کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتا تھا، چنانچہ ہمارے اس عمل کا اجر و ثواب اللہ کے نزدیک ثابت ہو گیا، پھر ہم میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو کوئی بھی (دنیوی) اجر پائے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گئے، جن میں سے ایک مصعب بن عمیرؓ ہیں، وہ احد کے

دن شہید ہوئے اور ان کے لئے کوئی ایسا کپڑا بھی میسر نہ ہوا جس میں ان کو کفنایا جاتا، ان کے جسم پر چیتے کی کھال جیسی سپید و سیاہ دھاریوں والی صرف ایک چادر تھی، جب ہم مصعبؓ کے سرکو ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور ان کے پاؤں کو ڈھانکتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا، چنانچہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ کملی سے سر کی طرف کو ڈھانک دو اور پاؤں پر اذخر کو ڈال دو اور ہم میں سے بعض لوگ وہ ہیں جن کا پھل پختہ ہوگیا اور وہ اس پھل کو چن رہے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں اس بات پر بھی تنبیہ مقصود ہے کہ جسم کے تمام اعضاء یکساں نہیں ہیں، بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے، لہٰذا ان کو کفن میں مقدم رکھا جائے گا، چنانچہ یہاں بتایا گیا کہ اگر کفن کا کپڑا صرف اتنا ہو کہ سر اور پاؤں دونوں نہیں چھپ سکتے، کوئی ایک ہی چھپ سکتا ہے، تو ایسے حال میں کپڑے سے سر کو چھپایا جائے گا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی جائے، وہاں اذخر کا رواج تھا دیگر علاقوں میں وہاں کے حساب سے جو ستر کے مقصد میں بہتر ہو وہ گھاس استعمال کی جائے۔ پھر اگر کپڑا اتنا کم ہو کہ سر اور ستر دونوں کے لئے کافی نہ ہو تو اب ستر کو ترجیح دی جائے گی۔ ستر کو چھپائیں، سر اور باقی جسم پر گھاس ڈالیں اور اگر بالکل ہی لباس میسر نہ ہو تو پورے جسم پر گھاس ڈال کر کفنایا جائے۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** خرجت ایک چادر تھی وہ بھی اتنی چھوٹی کہ سر پر ڈالنے سے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے۔ غطوا بہا راسہ حضرت خبابؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے ہجرت کی اور یوں عند اللہ ہمارا اجر محفوظ ہوا پھر ہم میں سے ایک تعداد تو ایسی ہے جس نے اپنی قربانیوں، مجاہدات و جہاد کے دنیاوی ثمرات نہیں دیکھے، ان کا دنیاوی نفع حاصل نہیں کیا اور دنیا سے چل بسے، جب کہ کچھ وہ ہیں جن کے جہاد و عمل کے پھل پکے اور تیار ہوئے اور آج وہ ان سے متمتع ہو رہے ہیں، مصعب بن عمیرؓ ان میں سے ہیں جو دنیا کا نفع دیکھے بغیر رخصت ہوئے، وہ احد میں شہید ہوئے تھے، حال یہ تھا کہ ان کے پاس اتنا کپڑا نہ تھا جس میں وہ کفنائے جاتے، بس ایک چھوٹی چادر تھی، اس سے اگر سر ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر کھل جاتا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ سر ڈھانک دیا جائے اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی جائے۔ (ایضاح البخاری) اینعت پھلوں کے پکنے کو کہتے ہیں مراد فوائد اور منافع کا حصول ہے۔ فھو یھد بہا پھل توڑنے اور چن چن کر کھانے کو کہتے ہیں، اس حدیث میں اسلام کے دو زمانوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایک میں سختی تھی اور دوسرے دور میں فتوحات و غنائم کی کثرت ہوئی، لوگ آسودہ حال ہو گئے، جہاد کی برکت سے ایسا ہوا۔ (تحفۃ المنعم)

**حضرت مصعبؓ کا تعارف:** مصعب بن عمیرؓ سابقین اولین میں سے ہیں، ہاشم کی اولاد میں سے ہیں، بڑے بہادر تھے پہلی مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر مکہ لوٹ آئے، پھر دوسری مرتبہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، مدینہ میں سب سے پہلے جمعہ آپ ہی نے قائم کیا تھا، آپ مقریٔ (قاری) مشہور تھے، آپؓ کے دست مبارک پر اسید بن حضیرؓ اور سعد بن معاذؓ نے اسلام قبول کیا، جنگ بدر میں شریک رہے، احد میں ایک جھنڈی آپؓ کے ہاتھ میں بھی تھی، جاہلیت میں آپؓ "مکہ کے جوان" کہلاتے تھے، آپؓ کی جوانی، خوبصورتی اور ٹھاٹھ ضرب المثل تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد حال وہ ہوگیا تھا جو اں حدیث میں ہے، ایک چادر کے سوا آپؓ کے پاس کچھ نہیں تھا، جنگ احد میں ۳ھ میں شہید ہوئے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔ (تحفۃ القاری) حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ معظمہ کے سب سے زیادہ ناز و نعم میں پلے نوجوان تھے، ان کے باپ کا شمار اغنیاء مکہ میں ہوتا تھا وہ حضرت مصعبؓ سے بہت محبت کرتا اور ان کے لئے قیمتی اور شاندار کپڑوں کا اہتمام کرتا تھا کہ ایسے کپڑے مکہ کے کسی نوجوان کو نصیب نہ تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد ماں باپ دونوں نے ناطہ توڑ لیا اور ہر طرح کی تکلیفوں اور آزمائشوں سے حضرت مصعبؓ کا واسطہ پڑنے لگا، قید و بند اور بھوک پیاس کی وجہ سے یہ ناز و نعم

میں پلا ہوا جسم بالکل جھلس گیا تھا، کھال جسم سے الگ ہو کر اترنے لگی تھی، ضعف کی وجہ سے چند قدم چلنا بھی بعض اوقات مشکل ہو جاتا تھا، ان حالات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ بھیجا تھا، اہل مدینہ کو قرآن اور دین کی تعلیم کے لئے ایک معلم کی ضرورت بھی تھی، آپ نے اس کام کے لئے حضرت مصعبؓ کا انتخاب فرمایا تھا، مدینہ کے صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں اور ان سے علم دین حاصل کرنے والوں کی تھی۔ (معارف الحدیث)

## حدیث نمبر ۲۹۹۹ ﴿حضرت سعد بن معاذؓ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰۶

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِھْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِھْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۶ ج ۱، باب مناقب سعد بن معاذؓ، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۰۳؛ مسلم ۲۹۴ ج ۲، باب من فضائل سعد بن معاذؓ، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۶۸

**حل لغات:** اھْتَزَّ الشَّیْءُ اِھْتِزَازًا ہلنا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپؐ فرما رہے تھے سعد بن معاذؓ کی موت پر عرش الٰہی نے حرکت کی اور ایک روایت میں ہے کہ رحمٰن کے عرش نے سعد بن معاذؓ کی موت پر حرکت کی۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** ہر مخلوق باشعور اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح خواں ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۴۴) میں ہے "تسبح له السموات السبع والارض ومن فیهن" ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو، لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں، اور عرش الٰہی اللہ کی ایک بڑی مخلوق ہے اور اس میں بھی شعور ہے۔ اور فرعونیوں کے بارے میں سورۃ الدخان کی (آیت ۲۹) ہے "فما بکت علیهم السماء والارض" پس ان پر آسمان وزمین نہیں روئے، اس لئے کہ خس کم جہاں پاک! اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی موت پر آسمان وزمین روتے ہیں، اور جب مومن کی روح عالم بالا میں پہنچتی ہے تو ملائکہ خوش ہوتے ہیں، اور اس کو مبارک باد دیتے ہیں، اور بارگاہ خداوندی میں اس روح کو پیش کرتے ہیں۔ مسلم شریف میں (حدیث ۲۸۷۲، کتاب الجنۃ باب ۷۵) ہے جب مومن کی روح نکلتی ہے تو دو فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں، وہ دونوں اس کو لے کر چڑھتے ہیں اور آسمان والے کہتے ہیں پاکیزہ روح زمین سے آئی ہے، اللہ کی بے پایاں رحمت ہو تجھ پر، اور اس جسم پر جس کو تو نے آباد کیا، پھر اس کو پروردگار کے پاس لے جاتے ہیں، چنانچہ جب سعد بن معاذؓ کی روح بارگاہ خداوندی میں پیش ہوئی تو عرش الٰہی سرور وشادمانی سے جھوم گیا، پس یہ حقیقت ہے مجاز نہیں۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** اهتز عرش الرحمن رحمٰن کے عرش کے حرکت کرنے کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں: (۱) حضرت سعد بن معاذؓ کی موت کی وجہ سے عرش بھی حزن و ملال میں مبتلا ہو کر حرکت کرنے لگا۔ (۲) ملائکہ کرام ان کی روح کے آسمان پر صعود سے اس قدر خوش ہوئے کہ عرش ہی حرکت کرنے لگا اور ملائکہ سے مراد حاملین عرش ہوں گے۔ (۳) یا جو اعمال صالحہ کلمات، طیبہ اور نیکی کی باتیں حضرت سعد کی زندگی کی وجہ سے جاتی تھیں، وہ منقطع ہو گئیں، اس لئے عرش حرکت میں آ گیا ہو، یہ مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں۔ (تکمیل الحاجۃ)

**حضرت سعد بن معاذؓ کا تعارف:** آپ کا اسم گرامی سعد، کنیت ابو عمر، لقب سید الاوس، والدہ محترمہ کا نام حبشہ بنت رافع تھا آپ قبیلہ عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے جو قبیلہ اوس میں شریف تر قبیلہ سمجھا جاتا تھا، آپ کی والدہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی چچازاد بہن تھیں۔

**قبول اسلام:** حضرت مصعب بن عمیر جب دین اسلام کے مبلغ اور داعی بنکر مدینہ منورہ آئے (اس وقت تک حضرت سعد اسلام سے بالکل ناآشنا تھے، توحید کی صدا ان کے کانوں میں نہ پڑی تھی) حضرت سعدؓ کی ملاقات ان سے ہوئی تو ان کے سامنے اسلام کی حقیقت اس کی روشن تعلیمات اور پاکیزہ اخلاق و اطوار کو بیان کیا، اور قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، حضرت سعد نے یہ سن کر کلمہ شہادت پڑھ لیا، اور اپنے دامن کو سعادت اخروی و دنیوی دونوں سے بھرلیا، آپ کا اسلام لانا عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان ہوا ہے۔

**حالات:** اسلام قبول کرنے کے بعد جنگ بدر، جنگ احد اور دیگر متعدد غزوات میں شریک رہے، جنگ بدر میں قبیلہ اوس کا علم حضور اکرمؐ نے آپؓ ہی کے ہاتھ میں دیا تھا، سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سب سے بڑھ کر قبیلہ اوس سے تین آدمی ہیں، سعد بن معاذؓ، اسید بن حضیرؓ، اور عبادہ بن بشیرؓ۔ آپ کے دو بیٹے عمروؓ اور عبداللہؓ تھے جو دونوں صحابی تھے اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔

**وفات:** حضرت سعدؓ کا انتقال ۵ھ ماہ ذی قعدہ میں ہوا۔ ۵ھ میں غزوۂ خندق میں شریک ہوئے دوران جنگ ایک تیر آکر لگا جس سے بے تحاشا خون نکلنا شروع ہوگیا، جس کی وجہ سے آپ زندگی سے مایوس ہوگئے، چنانچہ اسی علالت میں وفات پائی۔ حضور اکرمؐ تجہیز و تکفین میں بذات خود شریک تھے اور آپ کو ان کی وفات کا بہت شدید حزن و ملال تھا، جس وقت آپؓ کی وفات ہوئی اس وقت آپؓ کی عمر ۳۷ سال کی تھی۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (تکمیل الحاجۃ)

## حدیث نمبر ۳۰۰۰ ﴿حضرت سعد بن معاذؓ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰۷

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ أُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حُلَّةُ حَرِيْرٍ فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَمَسُّوْنَهَا وَيَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ لِيْنِهَا فَقَالَ أَتَعْجَبُوْنَ مِنْ لِيْنِ هٰذِهٖ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنْهَا وَأَلْيَنُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۶ ج ۱، باب مناقب سعد بن معاذ، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۰۲، مسلم، ص ۲۹۵ ج ۲، باب من فضائل سعد بن معاذ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۴۶۸

**حل لغات:** حُلَّة عمدہ پوشاک؛ ایک ہی قسم کے دو کپڑے (ج) حُلَلٌ۔ يَمَسُّوْنَ مَسَّ (س) مَسًّا چھونا۔ لِيْنِهَا اللِّيْنُ نرمی۔ مَنَادِيْلُ (واحد) مِنْدِيْلٌ رومال۔ أَلْيَنُ نرم (ج) أَلَايِنُ۔

**ترجمہ:** حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمی کپڑے کا جوڑا بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپؐ کے صحابہ اس جوڑے پر ہاتھ پھیر پھیر کر اس کی نرمی پر حیرانی کا اظہار کرنے لگے، آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ تم اس کپڑے کی نرمی اور ملائمیت پر کیا تعجب کر رہے ہو؟ جنت میں سعد بن معاذؓ کو جو رومال ملے ہیں وہ اس سے بدرجہا بہتر اور کہیں زیادہ ملائم ہیں۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث:** نبی کریمؐ کا مقصد صرف حضرت سعدؓ کی فضیلت بیان کرنا نہیں ہے بلکہ جب آپؐ نے دیکھا کہ حضرات صحابہ کرامؓ ایک دنیاوی چیز پر فریفتہ ہو رہے ہیں اور اس کپڑے کی طرف غیر معمولی میلان ہو رہا ہے تو حضور اکرمؐ نے فرمایا بھائی اس حریر کے ٹکڑے پر تعجب کیوں کرتے ہو اور اس پر کیوں فریفتہ ہوتے ہو؟ جنت میں تو اس سے بہتر رومال ہوں گے، لہٰذا اس کے حصول کی کوشش کرو اس کے لئے عمل و جد و جہد کرو۔ (تکمیل الحاجۃ)

**کلمات حدیث کی تشریح:** اهديت لرسول الله صلى الله عليه وسلم غزوۂ تبوک میں جب رسول اللہؐ نے دفاع کے بجائے رومیوں کے خلاف اقدامی پوزیشن اختیار کی، تو اس سے نہ صرف رومی مرعوب ہوئے بلکہ سرحدی قبائل نے قیصر سے ناطہ توڑ کر اسلام کی باجگذاری اختیار کرلی، انہی میں دومۃ الجندل کا فرماں روا اکیدر تھا، اسے خالد بن ولید

گرفتار کر کے لائے، اس نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زر ہیں اور چار سو نیزوں کی ادائیگی پر صلح کر لی۔ حدیث باب میں مذکورہ ریشم کا حلہ اسی اکیدر کی طرف سے ہدیہ کیا گیا تھا۔ بخاری میں صراحت ہے "ان اکیدر دومة الجندل اهدى الى النبى صلى الله عليه وسلم" تو تاریخی اعتبار سے یہ حضرت سعدؓ کی وفات کے پانچ سال بعد کا واقعہ ہے۔ (ضیاء السنن) منادیل اس رومال کو کہا جاتا ہے کہ جس سے ہاتھ وغیرہ پونچھے جاتے ہیں، آپؐ نے یہ مبالغۃً فرمایا کہ جب وہاں کے رومال جو صرف ہاتھ وغیرہ صاف کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں، ان دنیاوی کپڑوں سے افضل واعلیٰ ہوں گے، تو وہ کپڑے جو پہننے کے ہوں گے ان کا پوچھنا ہی کیا ان کی خوبصورتی، نزاکت کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ (جدید مظاہر حق)

**فائدہ:** یہ رومال برائے حاجت نہیں بلکہ برائے تکریم و زینت ہوں گے؛ کیوں کہ دنیا میں تو کھانے پینے کے بعد ہاتھ صاف کرنے کی حاجت پیش آتی ہے، پسینہ، آلائش، تری وغیرہ کی وجہ سے اور جنت کے مشروبات، ماکولات اور کھانے تو ان چیزوں سے پاک ہوں گے، یہ رومال صرف زینت وراحت کے لئے ہوں گے، جیسے جنت کی کنگھیاں۔ (انعام المنعم)

**حدیث نمبر ۳۰۰۱ ﴿حضرت انسؓ کے حق میں حضورؐ کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰۸**

وَعَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَسٌ خَادِمُكَ أُدْعُ اللّٰهَ لَهُ قَالَ اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيْمَا أَعْطَيْتَهُ قَالَ أَنَسٌ فَوَاللّٰهِ إِنَّ مَالِيْ لَكَثِيْرٌ وَإِنَّ وَلَدِيْ وَوَلَدَ وَلَدِيْ لَيَتَعَادُّوْنَ عَلَى نَحْوِ الْمِائَةِ الْيَوْمَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۳۸ ج ۲، باب قول الله تبارك و تعالىٰ و صل عليهم، كتاب الدعوات، حدیث ۶۳۳۴، مسلم، ص ۲۹۸ ج ۲، باب من فضائل انسؓ، كتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۸۲

**حل لغات:** لَيَتَعَادُّوْنَ تَعَادَّ الْقَوْم کچھ لوگوں کا کچھ کو شمار کرنا، آپس میں گنتی کرنا (تفاعل)

**ترجمہ:** حضرت ام سلیمؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے، اس کے لئے خدا سے دعا کیجئے۔ آپؐ نے یہ دعا فرمائی اے اللہ انسؓ کے مال کو زیادہ کر، اس کی اولاد کو بڑھا اور جو چیز تو نے اسے دی ہے، اس میں اسے برکت دے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ قسم ہے خدا کی میرا مال بہت ہے اور میرے بیٹے اور بیٹوں کے بیٹے آج شمار میں سو کے قریب ہیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** بخاری میں یہ روایت دوسری جگہ عالمی حدیث ۱۹۸۲ طویل ہے، اُس حدیث سے اِس حدیث باب کی اچھی وضاحت ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاکؐ حضرت ام سلیمؓ کے گھر آئے، وہ آپؐ کی خدمت میں کھجور اور گھی لائیں، آپؐ نے فرمایا کہ اپنا گھی اس مشکیزہ میں ڈال دو اور کھجور اس تھیلے میں ڈال دو؛ کیوں کہ میں روزے سے ہوں، پھر آپ گھر کے ایک گوشے کی جانب تشریف لے گئے اور نفل نماز پڑھی اور حضرت ام سلیم اور ان کے گھر والوں کے لئے دعا کی۔ حضرت ام سلیمؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرا ایک خاص شخص ہے، آپ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ کا خادم انس، تو آپؐ نے آخرت اور دنیا کی ایسی کوئی خیر نہیں چھوڑی، جس کی دعا میرے لئے نہ کی ہو۔ آپؐ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو مال واولاد عطا فرما اور اس میں برکت عطا فرما۔ (حضرت انسؓ کہتے ہیں) میں بالیقین انصار میں سب سے زیادہ مال والا ہوں اور مجھ سے میری بیٹی آمینہ نے بیان کیا کہ حجاج کے بصرہ آنے کے وقت تک میری صلبی اولاد میں سے ایک سو بیس سے زائد افراد دفن کئے جا چکے تھے۔ حجاج بصرہ کا گورنر ۷۵ھ میں بنا تھا، جب یہ تعداد صلبی متوفی اولاد کی ہے، تو صلبی باحیات اور غیر صلبی متوفی یعنی بالواسطہ اولاد! نواسے نواساں اور پوتے پوتیاں کتنی ہوں گے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، خود حضرت انسؓ کی عمر بھی سو سال۔ کے قریب ہوئی، آپؓ کا انتقال ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں ہوا۔ (ایضاح البخاری)

## کلمات حدیث کی تشریح

اللھم اکثر مالہ امام نوویؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے چند فوائد بیان فرمائے ہیں۔ نمبرا: حضرت انسؓ کا اس قدر کثیر الاولاد اور کثیر المال ہونا دراصل آنحضرتؐ کی نبوت کا ایک اعجاز اور معجزہ ہے۔ نمبر۲: اس حدیث میں ان حضرات کی دلیل ہے جو فقیر و مفلس پر غنی و مالدار کو افضل قرار دیتے ہیں، لیکن دوسرے حضرات کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ حضرت انسؓ کے ساتھ یہ خصوصی معاملہ تھا، اس لئے کہ یہ کثرت و برکت حضور کی دعا کی وجہ سے تھی، جب اس میں برکت داخل ہوئی تو اس مال واولاد سے فتنہ ہونے کا پہلو ختم ہوگیا، اس لئے یہ مال حضرت انسؓ کے حق میں نہ تو تقصیر اور برائی کا باعث بنا اور نہ ہی ادائے حقوق اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنا۔ نمبر۳: علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی شخص اللہ پاک سے کسی دنیوی ضرورت کا سوال کرے، تو اپنی دعا میں طلب برکت کو ضرور شامل کرے، یعنی کوئی چیز مانگتے ہوئے ساتھ یہ دعا ضرور کرے کہ یا اللہ اس چیز میں برکت عطا فرما اور اس کے فتنہ سے مجھے محفوظ فرما۔ (جدید مظاہر حق)

**حضرت انسؓ کا تعارف:** حضرت انسؓ بن مالک کا تعلق مدینہ کے مشہور خاندان قبیلہ خزرج سے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کی ننہیال اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی نجار میں تھی، ابھی یہ بچے ہی تھے کہ ان کے والد مالک کا انتقال ہوگیا، والدہ ام سلیم بڑی صاحب فضل وکمال صحابیات میں تھیں، پہلے شوہر مالک کے انتقال کے بعد مدینہ کے ایک شخص ابوطلحہؓ نے شادی کا پیغام دیا، وہ اس وقت تک مسلمان نہ تھے، ام سلیم نے کہا میں تم سے شادی کرنے پر راضی ہوں بشرطیکہ تم مسلمان ہو جاؤ، ابوطلحہؓ مسلمان ہو گئے اور پھر شادی ہوگئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے ہیں اس وقت حضرت انسؓ کی عمر صرف دس سال تھی، لیکن بہت ذہین بچے تھے، ان کی والدہ ام سلیم اور سوتیلے باپ ابوطلحہؓ ان کو لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، "یارسول اللّٰہ! ان انسا غلام کیس فلیخدمك" اے اللہ کے رسولؐ! انس بہت سمجھدار بچہ ہے ہم اس کو آپؐ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے ان کو اپنی خدمت میں رکھ لیا، اس دن سے وہ سفر وحضر میں ہمیشہ آپؐ کی خدمت میں رہے، حتیٰ کہ اس نوعمری کے باوجود غزوات میں بھی آپؐ کے ساتھ شریک ہوئے تھے، اسلام کا پہلا غزوہ غزوہ بدر ہے، اس وقت ان کی عمر تقریباً گیارہ سال تھی، اس غزوہ میں بعض کم عمر صحابہ کرامؓ کو ان کی خواہش کے باوجود صغرسنی کی وجہ سے آپؐ نے شرکت کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن حضرت انسؓ بحیثیت خادم آپؐ کے ساتھ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے ہیں، ان کی شرکت چوں کہ آپؐ کے خادم کے طور پر تھی، اس لئے بدری صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں محدثین نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ آپؐ کے خادم تھے اور اپنے نام کے ساتھ خادم رسول اللہ کا لفظ لگاتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ رسول اللہؐ کو بھی ان سے بہت محبت تھی، کبھی کبھی پیار ومحبت میں آپؐ ان کو "یا بنی" یعنی اے میرے بیٹے کہہ کر پکارتے تھے۔ آپؐ ان سے اپنے بچوں کی طرح مزاح فرماتے تھے، کبھی کبھی ان کے کان پکڑ کر "یا ذا الاذنین" اے دو کانوں والے فرماتے، انھیں بھی آپؐ سے بہت محبت وتعلق تھا۔ آپؐ کے وہ تمام کام جو گھر کے بچے کرتے ہیں حضرت انسؓ ہی انجام دیتے تھے۔ (معارف الحدیث)

### حدیث نمبر ۳۰۰۲ ﴿حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا ذکر خیر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰۹

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِأَحَدٍ يَمْشِيْ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۸ ج ۱، باب مناقب عبداللہ بن سلام، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۱۲، مسلم، ص ۲۹۹ ج ۲، باب من فضائل عبداللہ بن سلام، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۴۸۳

**حل لغات:** یمشی مشیٰ (ض) مَشْیًا چلنا۔

**ترجمه:** حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ کسی اور شخص کے بارے میں کہ جو زمین پر چلتا ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی فضیلت ہے کہ انکو دنیا میں رہتے ہوئے جنت کی بشارت مل گئی تھی، آپؓ کے جنتی ہونے کا مختلف احادیث میں ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا سلسلۂ نسب اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام تک پہنچتا ہے، پھر وہ یہود کے جلیل القدر عالم بھی تھے، انھوں نے یہودیت کو ترک کر کے دین اسلام کو اختیار کیا، ایسے لوگوں کیلئے رسول اللہؐ نے دوہرے اجر کا وعدہ فرمایا ہے، رسول اللہؐ نے انکی زندگی ہی میں انکو جنت کی بشارت دے دی تھی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں ایک بار رسول اللہؐ نے کچھ کھانا تناول فرمایا، آپؐ نے تناول فرمانے کے بعد جو بچ رہا تھا اسکے متعلق فرمایا، ابھی ایک جنتی شخص آنیوالا ہے جو اسکو کھائیگا، کچھ دیر بعد عبداللہ بن سلامؓ آئے اور آپؐ نے وہ بچا ہوا کھانا انکو کھلایا، صحیحین کی ایک روایت ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق فرمایا تھا "انت علی الاسلام حتی تموت" تم مرتے دم تک دین اسلام پر ثابت قدم رہو گے (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** انه من اهل الجنة عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ کسی زندہ چلتے پھرتے آدمی کے متعلق میں نے آپؐ سے جنتی ہونے کی بشارت نہیں سنی، اس پر بخاری کے حاشیہ میں اعتراض ہے کہ یہ بات آپؐ نے عشرۂ مبشرہ کے حق میں بھی فرمائی ہے اور دیگر صحابہ کو بھی جنت کی خوش خبری سنائی ہے؟ پھر اس کا ایک جواب حاشیہ بخاری میں یہ نقل ہوا ہے کہ حضرت سعدؓ نے دوسروں کے لئے یہ بشارتیں زبانِ نبوت سے نہیں سنی ہوں گی، مگر حافظؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ بات بعید از عقل ہے، دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ نفی و اثبات میں تعارض ہو تو اثبات کو ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا دیگر صحابہؓ کے حق میں جو بشارتیں آپؐ نے سنائی ہیں وہ مقدم ہیں، اور اس حدیث میں جو حضرت سعدؓ نے نفی کی ہے اس کو نہیں لیا جائے گا۔ اور ایک تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت سعدؓ نے یہ بات "مبشرین بالجنة" کی وفات کے بعد فرمائی ہے اور "یمشی علی الارض" اس کا قرینہ ہے، یعنی سب حضرات دنیا سے رخصت ہو گئے، صرف سعد و عبداللہ رضی اللہ عنہما زندہ ہیں۔ یہ سب جوابات تو حاشیہ بخاری میں ہیں اور ایک جواب یہ ہے کہ "هو من اهل الجنة" کے لفظوں سے بشارت صرف عبداللہؓ کو سنائی ہے دوسرے حضرات کو دوسرے لفظوں سے بشارت سنائی ہے، یا یہ کہا جائے کہ یہ روایت بالمعنی ہے، اس بشارت کی حقیقت وہ ہے جو اگلی روایت میں آرہی ہے اور دورِ صحابہ میں روایت بالمعنی ہوتی تھی۔ (تحفۃ الالمعی)

**حضرت عبدالله بن سلامؓ کا تعارف:** حضرت عبداللہ بن سلامؓ یہود کے قبیلہ بنو قینقاع سے تھے، اس قبیلہ کے انصار کے قبیلہ خزرج کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ابتداء ہی میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ مسلمان ہو گئے، اُن کا پہلا نام "حُصَیْنْ" تھا، جو کہ "حِصْنْ" کی تصغیر ہے۔ جس کے معنی ہیں قلعہ، اور ابوالحصین لومڑی کی کنیت ہے، آپؐ نے نام بدل کر عبداللہ رکھا ۴۳ھ میں آپؓ نے وفات پائی۔ (حوالہ بالا)

**حدیث نمبر ۳۰۰۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۱۰**

## ﴿حضرت عبدالله بن سلامؓ کے خاتمه بالخیر کی بشارت﴾

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا فِي مَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ فَدَخَلَ رَجُلٌ عَلَى وَجْهِهِ أَثَرُ الْخُشُوْعِ فَقَالُوْا هٰذَا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ تَجَوَّزَ فِيْهِمَا ثُمَّ خَرَجَ وَتَبِعْتُهُ فَقُلْتُ إِنَّكَ حِيْنَ دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ قَالُوْا هٰذَا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ وَاللّٰهِ مَا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ أَنْ يَقُوْلَ مَالَا يَعْلَمُ فَسَأُحَدِّثُكَ لِمَ ذَاكَ رَأَيْتُ رُؤْيَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَصَصْتُهَا عَلَيْهِ وَرَأَيْتُ كَأَنِّيْ فِيْ رَوْضَةٍ

ذَكَرَ مِنْ سَعَتِهَا وَخُضْرَتِهَا وَسْطُهَا عَمُوْدٌ مِنْ حَدِيْدٍ أَسْفَلُهُ فِي الْأَرْضِ وَأَعْلَاهُ فِي السَّمَاءِ فِي أَعْلَاهُ عُرْوَةٌ فَقِيْلَ لِيْ اِرْقَهْ فَقُلْتُ لَا أَسْتَطِيْعُ فَأَتَانِيْ مِنْصَفٌ فَرَفَعَ ثِيَابِيْ مِنْ خَلْفِيْ فَرَقِيْتُ حَتّٰى كُنْتُ فِيْ أَعْلَاهُ فَأَخَذْتُ بِالْعُرْوَةِ فَقِيْلَ اسْتَمْسِكْ فَاسْتَيْقَظْتُ وَإِنَّهَا لَفِيْ يَدِيْ فَقَصَصْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تِلْكَ الرَّوْضَةُ الْإِسْلَامُ وَذٰلِكَ الْعَمُوْدُ عَمُوْدُ الْإِسْلَامِ وَتِلْكَ الْعُرْوَةُ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى فَأَنْتَ عَلَى الْإِسْلَامِ حَتّٰى تَمُوْتَ وَذٰلِكَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ**: بخاری، ص ۵۳۸ ج ۱، باب مناقب عبداللّٰہ بن سلام، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۱۳؛ مسلم، ص ۲۹۹ ج ۲، باب من فضائل عبداللّٰہ بن سلام، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۳۴۸۳

**حل لغات**: اَلْخُشُوْع خَشَعَ (فتح) خُشُوْعًا عاجزی دکھانا۔ تَجَوَّزَ فِي الصَّلَاة تخفیف کرنا۔ تَبِعْتُ تَبِعَ الشَّيْءَ (سمع) تَبَعًا و تُبُوْعًا پیچھے چلنا۔ عَهْدٌ زمانہ، دور (ج) عُهُوْد۔ رَوْضَةٌ خوبصورت باغ (ج) رِيَاض۔ سَعَةٌ کشادگی، وَسِعَ (سمع) سَعَةً کشادہ ہونا۔ خُضْرَةٌ نرمی و تازگی۔ وَسْط درمیان۔ عَمُوْدٌ ستون (ج) أَعْمِدَةٌ وَعُمُدٌ وَعَمَدٌ۔ عُرْوَةٌ کڑا، حلقہ (ج) عُرًى۔ اِرْقَهْ رَقِيَ (سمع) رَقْيًا و رُقِيًّا ورَقْيَةً چڑھنا۔ مِنْصَفٌ نَصَفَ فُلَانًا (ن) نَصْفًا کسی کی خدمت کرنا، النَاصِفُ خادم۔ اَلْوُثْقٰى الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى مضبوط حلقہ، مجازاً مضبوط ذریعہ اتحاد۔



**ترجمہ**: حضرت قیس بن عبادؓ کہتے ہیں میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص داخل ہوا، جس کے چہرے پر خشوع کا اثر تھا، لوگوں نے کہا یہ جنتی آدمی ہے، اس شخص نے دو رکعتیں پڑھیں جن میں اختصار سے کام لیا یعنی ہلکی دو رکعتیں پڑھیں، پھر وہ مسجد سے نکلا تو میں اس کے پیچھے گیا، اور میں نے ان سے پوچھا جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں نے کہا تھا "هذا رجل من اهل الجنة" اس بات کی حقیقت کیا ہے؟ ان صاحب نے کہا بخدا کسی کے لئے مناسب نہیں کہ ایسی بات کہے جو وہ جانتا نہیں، میں آپ سے بیان کرتا ہوں کہ لوگوں نے وہ بات کیوں کہی ہے؟ میں نے نبیؐ کے زمانہ میں ایک خواب دیکھا تھا، وہ خواب میں نے آپؐ سے بیان کیا، میں نے دیکھا کہ میں ایک سبزہ زار میں ہوں، پھر انھوں نے اس سبزہ زار کی کشادگی اور اس کی سرسبزی کا تذکرہ کیا، اس کے درمیان لوہے کا ایک کھمبا تھا، اس کا نچلا حصہ زمین میں گڑا ہوا اور اس کا بالائی حصہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا، اس کے بالائی حصہ میں ایک کڑا تھا، پس کسی کہنے والے نے مجھ سے کہا، اس پر چڑھ جا، میں نے جواب دیا اس پر چڑھنا میرے بس میں نہیں، میرے پاس ایک خادم آیا، اس نے میرے کپڑے میرے پیچھے سے اٹھائے، تو میں چڑھا، یہاں تک کہ میں اس کے بالائی حصہ میں پہنچ گیا، اور میں نے کنڈا پکڑ لیا، مجھ سے کہا گیا مضبوط تھام لے، پھر میں بیدار ہو گیا اور میں وہ کنڈا پکڑے ہوئے تھا، میں نے یہ خواب نبیؐ سے بیان کیا، آپؐ نے فرمایا سبزہ زار اسلام ہے اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے اور وہ کنڈا وہ عروۃ الوثقی ہے، آپ موت تک اسلام پر رہیں گے۔ راوی کہتا ہے وہ بندہ عبداللّٰہ بن سلامؓ تھے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** یہ ایک خواب ہے جس کی تعبیر نبیؐ نے دی ہے کہ تم موت تک اسلام پر جمے رہو گے، لوگوں نے اس کو "هذا رجل من اهل الجنة" کر دیا، اور زور بڑھ گیا، خواب کی تعبیر میں اتنا زور نہیں تھا، اس لئے حضرت عبداللّٰہؓ نے فرمایا کسی کیلئے مناسب نہیں کہ ایسی بات کہے جو وہ بالیقین نہیں جانتا، یعنی جو بات جس درجہ کی ہے اسی درجہ میں رکھنی چاہئے۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** اثر الخشوع خشیت الٰہی اور تقویٰ کا اثر نمایاں تھا۔ تجوز فیها اختصار کے ساتھ ہلکی رکعتیں پڑھیں۔ ما ینبغی ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عبداللّٰہ بن سلامؓ کا ان لوگوں پر نکیر کرنا اس وجہ سے تھا کہ ان لوگوں نے ان کو قطعی طور پر جنتی شمار کیا، ممکن ہے کہ ان لوگوں

تک تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی یہ حدیث پہنچ چکی ہو کہ میں نے حضورؐ کو عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے، لیکن خود ابن سلام تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو، اس لئے انھوں نے ان لوگوں پر نکیر فرمائی اور یہ بھی احتمال ہے کہ انھوں نے یہ بات اپنی تعریف اور شہرت کو ناپسند سمجھتے ہوئے عاجزی کے طور پر کہی ہو۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ "**فساحدثك لم ذاك**" سے ان لوگوں پر اپنی نکیر کی وجہ بیان فرمارہے ہیں کہ میں نے یہ خواب دیکھا اور یہ خواب اس بات پر حضورؐ کی طرف سے نص قطعی نہیں ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوں، جیسا کہ دیگر حضرات کے بارے میں حضورؐ کا قطعی اور یقینی فرمان موجود ہے کہ فلاں فلاں جنتی ہیں، اس لئے ان حضرات کا مجھے قطعی طور پر جنتی کہنا درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان الفاظ سے ان لوگوں کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضورؐ کو پایا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے وہ وہی بات ہی کرسکتے ہیں جس کا ان کو علم قطعی اور یقینی ہو، پھر ان لوگوں نے اس بات کی وجہ بیان کی کہ وہ مجھے جنتی کیوں کہتے ہیں اور سارا خواب بیان کیا۔ فاستیقظت و انها لفی یدی یعنی جب میں بیدار ہوا تو وہ حلقہ میرے ہاتھ میں تھا اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جونہی میں نے خواب میں حلقہ پکڑا تو فوراً میری آنکھ کھل گئی اور یہ بھی ہوسکتا کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو اس حلقہ کا اثر بیدار ہونے کے بعد بھی میرے ہاتھ میں تھا، مثلاً یہ کہ میری مٹھی بندھی جیسے میں نے کوئی چیز پکڑ رکھی ہو۔ یا یہ ظاہر پر محمول ہے کہ جب بیدار ہوئے تو حلقہ ان کے ہاتھ میں تھا اور اللہ پاک کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے، وذالك الرجل عبدالله بن سلام یہ قول یا تو قیس بن عباد کا ہے یا خود عبداللہ بن سلامؓ کا ہے۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر٤٠٠٣ ﴿حضرت ثابت بن قیس کا ذکر جمیل﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢١١**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِيْبَ الْأَنْصَارِ فَلَمَّا نَزَلَتْ "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" إِلَى آخِرِ الْآيَةِ جَلَسَ ثَابِتٌ فِيْ بَيْتِهِ وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ مَا شَأْنُ ثَابِتٍ أَيَشْتَكِيْ فَأَتَاهُ سَعْدٌ فَذَكَرَ لَهُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ثَابِتٌ أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّيْ مِنْ أَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حواله:** مسلم، ص۷۵ ج۱، باب مخافة الایمان ان یحبط عمله، کتاب الایمان، حدیث ۱۱۹

**حل لغات:** اِحْتَبَسَ اِحْتِبَاسًا رکنا (افتعال) شَأْنٌ حالت، کیفیت (ج) شُؤُوْنٌ۔ یَشْتَکِیْ اِشْتَکٰی اِشْتِکَاءً بیمار ہونا (افتعال)

**ترجمه:** اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس بن شماس انصار کے خطیب تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی "یا ایها الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" تو ثابت اپنے گھر میں بیٹھے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنا جانا بند کردیا، پس نبی کریمؐ نے سعد بن معاذؓ سے پوچھا کہ ثابت کو کیا ہوگیا وہ بیمار ہے؟ سعدؓ جب ثابتؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رسول کریمؐ کے الفاظ نقل کئے تو ثابت نے کہا یہ آیت "یا ایها الذین الخ" نازل ہوئی اور تم جانتے ہی ہو کہ تم میں سے سب سے زیادہ میری ہی آواز رسول کریمؐ کی آواز سے بلند ہے، لہٰذا میں تو دوزخی ہوں۔ سعدؓ نے آکر نبی کریمؐ سے ثابت کے الفاظ نقل کئے، تو رسول کریمؐ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ثابت تو جنتی ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** سورۂ حجرات کی ابتدائی آیتیں بارگاہِ نبوت کا ادب سکھلانے کے لئے اتری ہیں، عرب اپنی سادہ فطرت کے باعث، ان دقیق آداب سے اب تک ناآشنا تھے، جس کو نبوت کا نازک مقام مقتضی تھا، اسلام نے آکر جہاں ان

کو رفتہ رفتہ، بہن بھائی، ماں، باپ اور تمام باہم رشتوں کے آداب بتائے، اس کے ساتھ ہی اب وقت آ گیا تھا کہ انھیں خدا اور رسول کے وہ آداب بھی بتلا دیئے جائیں، جن سے غفلت اختیار کرنا کئے کرائے کام کو اکارت کر دیتا ہے، ان میں سے ایک ادب یہ تھا کہ رسول کے سامنے اس طرح زور زور سے بے باکانہ گفتگو نہ کی جائے جیسے باہم ایک دوسرے کے سامنے کی جاتی ہے، اور نہ اس طرح ان کو پکارا جائے، جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، یہ طور وطریق احترام نبوت کے منافی ہے، اور احترام نبوت نہ کرنے سے خطرہ ہے کہ عمل اکارت ہو جائے، رحمۃ للعالمین کو جب یہ خبر ملی تو ان کے اوپر آپ کا دل بھر آیا، آپؐ نے اس ادب کی وجہ سے، جن سے ان کا قلب معمور تھا، ان کو جنت کی بشارت دی اور ان کی اس بلند آوازی کو جو فطری وغیر اختیاری تھی قابل عفو سمجھا، معلوم ہوا کہ ادب کا مدار قلب پر ہے، پھر ظاہر میں اس کے لئے کچھ علامات بھی مقرر ہیں، اگر قلب کی گہرائیوں میں ادب موجود ہے تو ظاہر کے فروگذاشت سے اغماض کیا جاسکتا ہے، آنحضورؐ کے بعد اب آپ کا کلام یعنی حدیث شریف کو سنکر اس کا معارضہ ومقابلہ کرنا، اس کا مذاق اڑانا، تن آسانی اور ہوا پرستی کے لئے تاویلات کرنا یہ سب آپ کی ہی گستاخی کے برابر ہے، دنیا اگر کسی شاعر کا احترام کرتی ہے تو اس کے کلام کو بھی بنظر احترام دیکھتی ہے، پھر انصاف کرو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ایک شاعر سے بھی کم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو اپنے رسول کے احترام کا ادب سکھائے۔ (آمین) اس روایت میں حضرت ثابتؓ کی بڑی منقبت کا تذکرہ ہے، نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے چھوٹوں کو یاد رکھیں، اگر وہ غائب ہو جائیں تو ان کے حالات دریافت کئے جائیں، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاگرد استاد کے سامنے اور مرید شیخ کے سامنے بتقاضائے ادب آواز بلند نہ کرے، البتہ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ بوقت ضرورت شرعی جہر صوت ممنوع نہیں، بلکہ مطلوب ہے، مثلاً دشمنوں کو میدان میں للکارنا، مجاہدین کو باآواز بلند بلانا وغیرہ۔ (نفع المسلم)

## کلمات حدیث کی تشریح

احتبس آیت کے نزول کے بعد حضرت ثابت بن قیسؓ گھر میں بیٹھ گئے اور آپؐ کی مجلس میں جانے سے رک گئے۔

**سوال:** یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ کفر کا محبط اعمال ہونا تو درست ہے، مگر سیئہ کا محبط اعمال ہونا اہل سنت والجماعت کا مسلک نہیں، بلکہ معتزلہ کا مسلک ہے، حالاں کہ قرآن میں تصریح ہے کہ معصیت محبط اعمال ہے، اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

**جواب:** حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہت عمدہ توجیہ پیش کی ہے کہ بعض گناہوں کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے کرنے والے سے توبہ اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں میں منہمک ہو کر انجام کار کفر تک پہنچ جاتا ہے، جو سبب ہے حبط اعمال کا، اس طرح یہ افعال یعنی تقدم علی النبیؐ اور رفع صوت ایسی معصیت ٹھہریں کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہو جائے، اور یہ جرم آخر کفر تک پہنچا دے، جس سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جائیں اور کرنے والے نے چوں کہ قصد ایذاء کا نہ کیا تھا، اس لئے اس کو خبر بھی نہ ہوگی کہ اس ابتلاء کفر اور حبط اعمال کا سبب کیا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کو عمداً ایذا پہنچانا کفر ہے اور محبط اعمال، گویا ایذا سبب ہے حبط اعمال کا، اسی لئے رفع صوت اور قول بالجہر کو مطلقاً ممنوع قرار دیا؛ کیوں کہ بعض مرتبہ رفع صوت سے ایذا پہنچتی ہے اور بعض مرتبہ نہیں۔ لیکن اس کا معیار کیا ہے کسی کو معلوم نہیں، اس لئے مطلقاً ممانعت فرمائی گئی، غرض سد للذریعہ مطلقاً ممنوع ہے۔ (نفع المسلم)

ایشتکی کیا ثابت بیمار ہو گئے ہیں، جو مجلس میں نہیں آرہے ہیں؟ معلوم ہوا کہ آپؐ اپنے اصحاب کی نگرانی رکھتے تھے اور حاضر غائب کی خبر گیری فرماتے تھے۔ مسلم شریف کے نسخہ میں یہاں وضاحت ہے کہ حضرت سعدؓ نے کہا "انہ لجاری و ماعلمت لہ بشکوی" ثابت بن قیس میرے پڑوسی ہیں لیکن مجھے ان کی بیماری کا کوئی علم نہیں۔

**سوال:** شارحین نے یہاں ایک الجھن یہ پیش کی ہے کہ اس آیت کا نزول ۹ھ میں ہوا جب کہ سعد بن معاذؓ کی وفات ۵ھ میں ہو چکی

تھی، تو پھر سعد بن معاذؓ سے دریافت کرنا کیوں کر ممکن ہوگا؟

**جواب:** اس اشکال کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت کا ایک جز "لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ" یقیناً ۹ھ میں نازل ہوا، لیکن رفع صوت سے متعلق آیت ۵ھ سے قبل اتری تھی، اس لئے کوئی تضاد باقی نہ رہا۔ دوسرا جواب ابن المنذر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ پیش کیا ہے کہ بعض روایات میں سعد بن معاذ کے بجائے سعد بن عبادہؓ ہے جو ۹ھ میں بقید حیات تھے، لہذا نام میں قدرترمیم ہوگئی ہے اور اس کا قرینہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ ان کے قبیلہ کے نہیں، بلکہ سعد بن عبادہؓ ان کے قبیلہ کے ہیں، اس بناء پر ان کو اپنا پڑوسی کہنا اس بات کی علامت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ ہی ہیں، لہذا کوئی اشکال نہیں۔ (حوالہ بالا)

**حضرت ثابت بن قیس خطیب الانصار کا تعارف:** ان کا تعلق بھی انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا، غزوۂ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے، یہ جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کا شمار انصار کے ذی علم حضرات میں ہوتا ہے، انھیں بارگاہ رسالت کے خطیب ہونے کا شرف حاصل تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں ہی انھیں جنت کی بشارت دی تھی ۱۲ھ میں جنگ یمامہ کے دوران مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کرتے ہوئے انھوں نے جام شہادت نوش کیا، ان سے مالک بن انس اور دوسرے حضرات نے روایت کی ہے۔ (مشکوۃ مترجم)

## حدیث نمبر ۳۰۰۵ ﴿حضرت سلمان فارسیؓ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۱۲

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ نَزَلَتْ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ فَلَمَّا نَزَلَتْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ قَالُوْا مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَفِيْنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَالَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلٰى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۷۲۷ ج ۲، سورۃ الجمعة، کتاب التفسیر، حدیث ۴۸۹۷، مسلم، ص ۳۱۲ ج ۲، باب فضل فارس، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۵۵۶

**حل لغات:** جُلُوْسًا (و) جالِسٌ جَلَسَ الإِنْسَان (ض) جُلُوْسًا بیٹھنا۔ الثُّرَيَّا ثور کی شکل میں ستاروں کا مجموعہ (ج) ثُرَيَّات۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک سورۂ جمعہ نازل ہوئی اور جب یہ آیت آئی "و آخرین منھم لما یلحقوا بھم" (اور انمیں کچھ دوسرے لوگ وہ ہیں جو ابھی ان سے آکر نہیں ملے ہیں) تو صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اسوقت ہمارے درمیان سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ نبی کریمؐ نے اپنا ہاتھ سلمان پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو بلاشبہ ان لوگوں میں کتنے ہی اس کو پالیتے اور حاصل کرتے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** نبیؐ سے پہلے ہر خطے اور ہر قوم میں پیغمبر آئے تھے، پھر جب زمانہ کا دور آخر آیا تو ساری انسانیت کو خاتم النبیین کے جھنڈے تلے جمع کردیا، جیسے ہفتہ بھر ہر مسجد میں جماعت ہوتی ہے، اور ہر جمعہ کے دن تمام جماعتوں کو جامع مسجد میں جمع کرلیا جاتا ہے (پہلے شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا) اسی طرح سورۃ الجمعہ میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ ہدایت کے جو مختلف سلسلے چل رہے تھے ان کو آخری نبی میں جمع کرلیا گیا ہے۔ البتہ نبیؐ کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے امیین اور آخرین۔ امیین سے عرب مراد ہیں ناخواندہ ان کا لقب تھا، سب ناخواندہ نہیں تھے، اور آخرین (علاوہ) کا لقب عجم تھا، یعنی بے زبان جانور، مگر عرب اپنے لقب پر فخر کرتے تھے، نبیؐ نے فرمایا "نحن امة امیة" ہم ناخواندہ امت ہیں، مگر غیر عرب اپنے لئے لفظ عجم پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے قرآن نے آخرین کہا، یہ جذبات کی انتہائی درجہ رعایت ہے اور عرب وعجم میں بون بعید تھا، دونوں ایک نبی کی امت بن جائیں۔ یہ بات

مستبعد نظر آتی تھی مگر قرآن نے کہا "لما یلحقوا بھم" وہ اب تک عربوں کے ساتھ نہیں ملے یعنی آئندہ ملنے کی امید ہے، کون ملائے گا؟ اللہ تعالیٰ ملائیں گے جو زبردست حکمت والے ہیں، عرب تو سب مسلمان ہو جائیں گے، مگر عجم سب اسلام قبول نہیں کریں گے؛ کیوں کہ اسلام اللہ کا فضل ہے، دیں گے وہ جس کو چاہیں گے، اور ایسا نہیں ہے کہ فضل کے کوٹے میں ٹوٹا پڑ گیا ہو، اللہ تو بڑے فضل والے ہیں، کمی لینے والوں میں ہے۔ اور سب عربوں کا مسلمان ہونا اور سب عجمیوں کا مسلمان نہ ہونا استاذ کی قوت تاثیر اور ضعف کا نتیجہ ہے، عربوں کے استاذ نبیؐ تھے، اور عجم کے استاد صحابہ کرامؓ، اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امیین میں کام کرنے کی ذمہ داری نبیؐ پر ڈالی گئی تھی، چنانچہ جب عربوں میں کام کی تکمیل کا وقت قریب آیا تو سورۃ النصر نازل ہوئی، اور آپؐ کو اطلاع کر دی گئی کہ آپؐ ہمارے پاس آنے کی تیاری کریں اور آخرین میں کام کی ذمہ داری صحابہؓ پر ڈالی گئی تھی، اس لئے جس طرح انبیاء کے لئے عصمت ضروری ہے، صحابہ کے لئے حفاظت ضروری ہے، غرض نبیؐ کی بعثت دوہری ہے۔ اور یہ مضمون حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول کے بحث سادس کے باب دوم میں بیان کیا ہے۔ (تحفۃ القاری)

## کلمات حدیث کی تشریح

لو کان الایمان عند الثریا لنا له رجال حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ اس سے عجم میں دین کی خدمت کرنے والے بڑے بڑے علماء مراد ہیں، جن میں حضرات فقہاء، محدثین اور خصوصاً ارباب صحاح داخل ہیں، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب روایت میں جمع کا صیغہ (رجال) ہو، مگر بعض روایات میں "رجل" مفرد کا صیغہ وارد ہوا ہے، علماء نے کہا اس سے مراد امام ابوحنیفہؒ ہیں، حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے "تبییض الصحیفة" میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں امام ابوحنیفہؒ کے لئے بشارت ومنقبت ہے۔ مولانا وحید الزماں نے بخاری کے ترجمہ میں اس کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ تو کابل کے رہنے والے ہیں اور کابل تو ہندوستان کا علاقہ شمار ہوتا ہے، حدیث میں تو "فارس" کا لفظ آیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کابل کے بعض علاقے بھی فارس کے ساتھ متصل ہیں، جیسے ہرات وغیرہ اور امام ابوحنیفہؒ اسی علاقہ کے رہنے والے ہیں، لہٰذا انھیں فارسی کہا جا سکتا ہے، بلکہ بعض علما نے آپ کو فارسی قرار دیا ہے۔ (کشف الباری)

**حضرت سلمان فارسیؓ کا تعارف:** نام سلمان اور کنیت ابو عبداللہ ہے ان کا وطنی تعلق چوں کہ فارس (ایران) سے تھا، اس لئے فارسی کی نسبت سے مشہور ہیں، آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام ہیں؛ کیوں کہ آپؐ نے ان کو ایک یہودی سے خرید کر آزاد کیا تھا، حضرت سلمانؓ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ فارس کی مشہور نسل "رام ہرمز" سے ہیں، جو مذہباً مجوسی تھی اور ابلق گھوڑوں کی پجاری سمجھی جاتی تھی، حضرت سلمانؓ شروع ہی سے "دین حق" کی جستجو میں لگ گئے تھے، اسی سلسلہ میں انھوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا، اور اس کی مذہبی کتابوں کا علم حاصل کیا، ان کے دادا اور اعزا واقربا کو ان کا عیسائی بن جانا پسند نہیں آیا، چنانچہ ان سب نے ان کو سخت سزائیں اور اذیتیں دیں، مگر انھوں نے ہر سختی اور ہر اذیت کو برداشت کیا اور عیسائیت کو ترک نہیں کیا، پھر یہ اپنا ملک ووطن چھوڑ کر شام آ گئے اور یہاں عرب سے آئے ہوئے بعض لوگوں کے ہتھ چڑھ گئے، جنھوں نے ان کو مدینہ لا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت سلمان فارسیؓ یکے بعد دیگرے دس آدمیوں کے ہاتھوں بیچے گئے اور ان سب کی غلامی میں رہے، تا آنکہ نبی کریم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے، آنحضرتؐ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا، سلمان جنتیوں میں سے ہے اور ان میں سے ایک ہے جن کا جنت کو اشتیاق وانتظار ہے۔ حضرت سلمانؓ کی عمر بہت طویل ہوئی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وفات کے وقت ان کی عمر ساڑھے تین سو سال کی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انھوں نے ڈھائی سو سال کی عمر میں وفات پائی اور زیادہ صحیح یہی قول ہے، انھوں نے یہ طویل عمر "دین حق" کی

جستجو میں کھپائی، یہاں تک کہ آخر میں نبی آخر الزماں کی خدمت میں حاضر ہو کر گوہر مقصود تک پہنچ گئے، حضرت سلمانؓ محنت ومشقت کر کے اپنی روزی کماتے تھے اور اپنی کمائی کا زیادہ حصہ راہ خدا میں خرچ کر دینا ان کا معمول تھا۔ ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں، سرکار دوعالم نے ان کی بہت زیادہ مدح وتعریف فرمائی ہے۔ ۳۵ھ میں مدائن میں انتقال ہوا۔ (تکمیل الحاجۃ)

**حدیث نمبر ۳۰۰۶ ﴿حضرت ابوہریرہؓ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۱۳**

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا يَعْنِيْ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاُمَّهُ اِلٰى عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَحَبِّبْ اِلَيْهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۰۱ ج ۲، باب من فضائل ابی هریرة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۹۱

**حل لغات:** عُبَيْد عَبْد کی تصغیر، بندہ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ اپنے اس چھوٹے بندے یعنی ابوہریرہؓ کو اور اس کی ماں کو اپنے مومن بندوں کا محبوب بنا اور اہل ایمان کو ان کا محبوب بنا دے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضور نے ~~حضرت ابوہریرہ~~ ابوہریرہؓ کو اور ان کی والدہ کو یہ دعا دی تھی کہ یا اللہ ان کو مسلمانوں میں محبوب بنا یعنی ان کو ایسا بنا کہ یہ مسلمانوں کے محبوب ہو جائیں، بے کس و نامراد نہ رہیں اور مسلمانوں کو ان کا محبوب بنا یعنی ان کے دل میں بھی مسلمانوں کی محبت ہو۔ دعا کا حاصل یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے محبوب بھی ہوں اور محب بھی۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** حبب عبيدك حضرت ابوہریرہؓ کی درخواست پر آپؐ نے یہ دعا کی تھی، پہلے انہوں نے اپنی ماں کے ایمان لانے کی دعا کرنے کی درخواست کی، آپؐ نے دعا کی وہ مسلمان ہو گئیں، پھر محبوبیت کی دعا کے لئے کہا تو آپؐ نے یہ دعا فرمائی۔

**حضرت ابوہریرہؓ کا تعارف:** ان کے نام کے سلسلہ میں بہت اختلاف ہے، حاکم کا کہنا ہے کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ان کا نام عبد الرحمٰن ہے، کنیت ابوہریرہ ہے، والد کا نام عامر کنیت کے سلسلہ میں بھی کئی قول ہیں، ابن اسحاق کی روایت میں خود حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک بلی کا بچہ پالا، اور اس کو اپنی آستین میں رکھ لیا، مجھ سے لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا "ھرہ" (بلی کا بچہ) تو مجھ سے لوگوں نے کہا "انت ابو هريرة" تم ابوہریرہ ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے، اس لئے فقر وافلاس زندگی کے ساتھی بن گئے، بسرہ بنت غزوان کے پاس اس کام کے ملازم تھے کہ جب وہ سوار ہو کر چلے تو یہ اس کی سواری کی نکیل پکڑ کر چلیں، اتفاق سے بعد میں اسی عورت سے آپ کا نکاح ہو گیا تو آپ نے اس سے وہی خدمت لی جو خود کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے خیبر کے سال اسلام قبول کیا، قبول اسلام کے بعد اسلام سے اس قدر دلچسپی پیدا ہو گئی کہ چاہتے تھے کہ میرا ہر متعلق اسلام قبول کر لے، چنانچہ اپنی والدہ کو بہت تبلیغ کیا کرتے تھے، مگر وہ نہ مانتی تھیں، آخر ایک دن انہوں نے اسی بات پر حضور اقدس کی شان میں گستاخانہ جملے استعمال کئے، ابوہریرہؓ کو اس سے بہت تکلیف ہوئی، روتے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میری ماں کے لئے دعا فرمائیے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، ابوہریرہؓ واپس گھر گئے تو معلوم ہوا کہ ماں نہا رہی ہیں، پھر ان کو دیکھتے ہی کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ ابوہریرہؓ مسرت و جوش کے ملے جلے جذبات لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ مبارک ہو، آپ کی دعا قبول ہوئی اور میری ماں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کو ارشادات نبوی سے بہت دلچسپی تھی۔ ہر وقت حضور کی خدمت میں حاضر رہتے اور سوالات کیا کرتے، باوجودیکہ ابوہریرہؓ کو حضور کی

صحبت میں صرف چار سال رہنے کا موقع ملا، لیکن ارشادات نبوی جس قدر ان کو محفوظ تھے، کسی کو نہیں تھے۔ حفاظ حدیث میں انس بن مالکؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا نمایاں مقام ہے، مگر ان لوگوں نے بھی ابو ہریرہؓ کو اپنے اوپر فوقیت دی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خود فرمایا کہ ابو ہریرہؓ ہم سب سے زیادہ حدیث جانتے ہیں۔ (ہمارے اسلاف) مرض وفات میں جب وقت قریب معلوم ہونے لگا تو رونے لگے، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا "من قلة الزاد وشدة المفازة" سفر سخت ہے اور زاد راہ کم ہے، یہ خوف آخرت تھا، ورنہ اگر ان کے پاس زاد راہ کم تھا تو پھر کس کے پاس زیادہ ہوگا، خلیفہ مروان عیادت کو آئے اور دعا کی "شفاك الله" اللہ آپ کو شفا دے، ابو ہریرہؓ نے بھی فوراً دعا کی "اللهم احب لقاء ك فاحبب لقائي" اے اللہ میں آپ کی ملاقات کا مشتاق ہوں، آپ بھی میری ملاقات کو پسند فرما لیجیے، تھوڑی ہی دیر کے بعد اللہ ورسول کی خاطر اپنا گھربار چھوڑ کر مدینے آنے والا رسول اللہ کا یہ مہمان اپنے مالک حقیقی کی رحمت کے آغوش میں پہنچ گیا "رضی اللہ عنہ وارضاہ" سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے ۵۷، ۵۸، ۵۹ سنین وفات ذکر کئے جاتے ہیں۔ ۵۷ راجح ہے، وفات کے وقت عمر ۷۸ سال تھی ولید بن عقبہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ (معارف الحدیث)

## حدیث نمبر ۳۰۰۷ ﴿حضرت صہیبؓ، سلمانؓ، بلالؓ کا مقام﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢١٤

وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍوؓ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ أَتٰى عَلٰى سَلْمَانَ وَصُهَيْبٍ وَبِلَالٍ فِيْ نَفَرٍ فَقَالُوْا مَا أَخَذَتْ سُيُوْفُ اللّٰهِ مِنْ عُنُقِ عَدُوِّ اللّٰهِ مَأْخَذَهَا فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ أَتَقُوْلُوْنَ هٰذَا لِشَيْخِ قُرَيْشٍ وَسَيِّدِهِمْ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَعَلَّكَ أَغْضَبْتَهُمْ لَئِنْ كُنْتَ أَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ أَغْضَبْتَ رَبَّكَ فَأَتَاهُمْ فَقَالَ يَا إِخْوَتَاهُ أَغْضَبْتُكُمْ قَالُوْا لَا، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ يَا أُخَيَّ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حواله:** مسلم، ص ۳۰۴ ج ۲، باب من فضائل سلمان و صهيب، كتاب فضائل الصحابة، حديث ۲۵۰۴

**حل لغات:** عُنُقٌ گردن، (ج) أَعْنَاق۔

**ترجمه:** عائذ بن عمرو سے روایت ہے کہ ابو سفیان کا گذر حضرت سلمانؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ کے پاس سے ہوا جو ایک جماعت میں تھے، انھوں نے کہا کہ اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن کی گردن میں جگہ نہ بنائی، حضرت ابو بکرؓ نے کہا آپ لوگ ایسا قریش کے معمر آدمی اور سردار کے لئے کہہ رہے ہیں، یہ نبی کریمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور یہ بات آپ کو بتادی۔ فرمایا کہ اے ابو بکرؓ شاید تم نے انھیں ناراض کردیا اگر تم انھیں ناراض کروگے تو اپنے رب کو ناراض کروگے۔ پس یہ ان کے پاس آئے اور کہا اے بھائیو! کیا میں نے تمہیں ناراض کردیا ہے؟ انھوں نے کہا اے بھائی نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابو سفیانؓ کا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد تجدید عہد کے لئے مدینہ آنے کا ہے، صلح حدیبیہ میں دس سال کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ تھا، لیکن مشرکین مکہ نے عہد نامہ کی کئی شرطوں کی خلاف ورزی کی تو ان کو خطرہ ہوا کہ کہیں حضورؐ ان کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے معاہدہ ختم کر کے مکہ پر حملہ نہ کردیں، تو ابو سفیانؓ کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ اس عہد کی تجدید اور اس کو مضبوط کریں، اس موقع پر ان فقراء صحابہ نے ابو سفیان کو دیکھ کر یہ کہا کہ یہ دشمن خدا ابھی تک ہمارے ہاتھ سے نہیں مارا گیا، حضرت ابو بکرؓ نے ابو سفیان کی تالیف قلب اور طلب امان کے حق کی رعایت رکھنے کے لئے ان صحابہ سے فرمایا کہ تم قریش کے ایک سردار اور رئیس کو ایسی بات کہہ رہے ہو یعنی تمہیں ان کو ایسی بات نہیں کہنی چاہئے۔ پھر ابو بکرؓ نے حضورؐ سے آکر سارا واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اے ابو بکرؓ! شاید تم نے ان صحابہ کو ناراض کیا ہے، خدا کی قسم اللہ پاک ان کو ناراض کرنے والے سے ناراض ہوجاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے واپس آکر ان حضرات سے معذرتاً پوچھا کہ کیا آپ میری بات سے ناراض ہوئے تو انھوں نے کہا کہ نہیں اے ہمارے بھائی، اللہ پاک

آپ کی مغفرت فرمائے۔ اس حدیث میں فقرائے صحابہ کی بڑی فضیلت ہے اور اس میں ان کی تعظیم وتکریم کی رغبت دلائی گئی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما اخذت سیوف اللہ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو اللہ کی تلواریں ہیں، کیا اب تک ان تلواروں نے اللہ تعالیٰ کے دشمن ابوسفیان کی گردن نہیں اڑائی، اس وقت تک ابوسفیان مسلمان نہیں ہوئے تھے، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ حضرت بلالؓ کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۲۰۱ دیکھیں۔ حضرت سلمانؓ کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۲۱۲ دیکھیں۔

**حضرت صہیبؓ کا تعارف:** اسم مبارک صہیب، کنیت ابویحیٰ، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ تھا صہیب عربی النسل ہیں، مگر رومی انہیں بچپن ہی میں پکڑ کر لے گئے تھے۔ بہت تلاش کے بعد ان کا پتہ نہ چلا، یہ رومیوں ہی میں رہنے لگے بعد میں رومیوں نے ان کو مکہ لے جا کر بحیثیت غلام کے فروخت کیا۔ عبداللہ نامی ایک شخص نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا، اس طرح یہ روم ہی میں رہے بسے، بچپن وہیں گذرا جوانی میں مکہ آئے اس لئے رومی مشہور ہو گئے، مگر یہ خود اپنے کو عرب کہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا صہیب مجھے تمہاری تین باتیں بہت ناپسند ہیں، ایک یہ کہ تم نے اپنی کنیت ابویحیٰ اختیار کی جو ایک نبی کے نام پر ہے، حالاں کہ تمہاری کوئی اولاد یحیٰ نامی نہیں ہے، دوسرے یہ کہ تم اپنے کو عرب کہتے ہو، حالاں کہ تم رومی ہو، تیسرے یہ کہ تم اسراف کرتے ہو اور فضول خرچی اچھی چیز نہیں ہے۔ حضرت صہیبؓ نے جواب دیا، کنیت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ میری نہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ ہے، اور عربی کہنے کا معاملہ یہ ہے کہ میں حقیقتاً عربی ہوں، مگر بچپن ہی میں رومیوں نے غلام بنالیا تھا، اس لئے میں اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا ہوں۔ رہ گیا اسراف کا معاملہ تو اس میں میرے اس عمل کا دارومدار حضورؐ کے اس فرمان "خیار کم من اطعم الطعام ورد السلام" (تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے)۔ (ہمارے اسلاف) صحابہ کرامؓ کی نظر میں ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زخمی ہونے کے بعد فرمایا جب تک خلیفہ کا انتخاب نہ ہو جائے، مسجد نبوی میں امامت صہیبؓ کریں گے اور میری نماز جنازہ صہیبؓ ہی پڑھائیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ سن وفات ۳۸ھ یا ۳۹ھ ذکر کیا جاتا ہے، وفات کے وقت بہت سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ (معارف الحدیث)

## حدیث نمبر ۳۰۰۸ ﴿انصار کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۱۵

وَعَنْ أَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ۵۳۴ ج ۱، باب حب الانصار من الایمان، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۷۸۴، مسلم، ص ۵۹ ج ۲، باب الدلیل علی ان حب الانصار، کتاب الایمان، ۷۴

**حل لغات:** آیۃٌ علامت (ج) آیٌ و آیات۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی اور انصار سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** یوں تو ہر شخص اپنے ایمان کا مدعی ہے، کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہر شخص بڑے جوش وخروش سے پڑھتا ہے، لیکن کوئی شناخت ایسی ہونی چاہئے جس سے انسان کے اخلاص کو دیکھا اور پرکھا جا سکے۔ ایسی علامت کی ضرورت اس دور میں اس لئے زیادہ تھی کہ دوسرے تمام ظاہر اعمال میں منافقین بھی مومنین کے ساتھ لگے رہتے تھے، جیسے نماز حج وغیرہ، اس لئے امتیازی علامت کسے سمجھا جائے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے، یعنی انصار سے اس اعتبار سے محبت کہ

انھوں نے اس دین کی نصرت کی ہے، ان سے وہی شخص علاقۂ محبت رکھ سکتا ہے، جسے دین اور صاحب دین سے محبت ہوگی، اسی طرح انصار سے بغض بھی وہی رکھ سکتا ہے جسے دین اور صاحب دین سے بغض ہو۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** آیة الایمان حب الانصار اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قحطانی اور عدنانی قبائل میں نفرتیں چلی آرہی تھیں، پھر اسلام کا دور آیا، نبی نے محسوس کیا کہ بعض مہاجرین کے دلوں میں اب بھی انصار کی نفرت ہے، پس فرمایا انصار سے محبت کرو، یہ کامل مومن ہونے کی نشانی ہے اور انصار سے بغض مت رکھو یہ منافق یعنی اسلام میں غیر مخلص ہونے کی علامت ہے اور علما نے دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے، یعنی وہ ایمان سے ناشی ہے اور انصار سے نفرت نفاق کی نشانی ہے۔ (تحفۃ القاری)

**سوال**: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نصرت ومدد کی بنا پر انصار سے محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا تو مہاجرین نے بھی تو مدد کی تھی، پھر ان سے محبت کو علامتِ ایمان کیوں نہیں کہا گیا؟



**جواب**: چوں کہ ہجرت کی فضیلت ظاہر تھی، رضا الٰہی کے لئے ان حضرات نے وطن، مال، اقربا سب کچھ خیر باد کردیا تھا، راحت و آسائش کو چھوڑ دیا تھا، اس طرح ان کی عظمت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوچکی تھی، اس کے اظہار کی حاجت نہ تھی، لیکن انصار نے جو کچھ کیا وہ وطن میں رہتے ہوئے کیا، اس لئے ان کے مناقب کو اجاگر کرنے کے لئے یہ بات ارشاد فرمائی، اور یہیں سے معلوم ہوا کہ جب ان کی محبت ایمان کی علامت ہے، تو پھر مہاجرین سے محبت بدرجۂ اولیٰ ایمان کی علامت ہوگی۔

**سوال**: لیکن یہاں ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے "آية الايمان حب الانصار" مبتدا وخبر دونوں معرفہ ہیں اور دونوں کی تعریف مفید للحصر ہوتی ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ جسکے دل میں انصار کی محبت نہ ہو وہ مومن نہیں؟ حالانکہ ایسا نہیں، اسکے چند جوابات دیئے گئے ہیں:

**جواب**: (۱) حضورؐ کا یہ ارشاد گرامی اس دور کے لحاظ سے تھا جس میں منافقین انصار کے کارناموں کو دیکھ کر جلتے تھے۔ (۲) اس حدیث میں ان کی محبت کو علامت ایمان قرار دیا گیا ہے، جب کہ علامت اور علت میں بڑا فرق ہے؛ کیوں کہ علتِ تامہ کے وجود اور عدم پر معلول کا وجود اور عدم موقوف ہوتا ہے، لیکن علامت کے وجود پر یا عدم پر ذو علامت کا وجود یا عدم موقوف نہیں ہوتا، بلکہ یہ محض نشانی ہوتی ہے، تو محبت کا نہ ہونا علامت ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایمان ہوگا ہی نہیں۔ (۳) انصار کی محبت کو من حیث النصرت ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس حیثیت سے انصار کی محبت ایک مومن کو ہی ہوسکتی ہے، لہٰذا اس پر کوئی اشکال نہیں۔

**سوال**: یہاں بغض انصار کو علامتِ نفاق قرار دیا، لیکن علامت کفر قرار نہیں دیا حالاں کہ تقابل کا تقاضا تو یہ تھا کہ علامت کفر کہا جاتا؟

**جواب**: ضابطہ یہ ہے کہ دو متشابہ چیزوں کے درمیان امتیاز کے لئے علامت بتائی جاتی ہے، اور کافر مجاہر کا کفر ظاہر ہوتا ہے اس لئے امتیازی علامت کی ضرورت نہیں، لیکن چوں کہ منافقین مسلمانوں ہی میں رہتے تھے اس لئے علامت کی ضرورت تھی، پھر ظاہر میں مسلمان تھے، اس لئے آیۃ الکفر کہا جانا درست نہ ہوتا۔

**سوال**: اگر کوئی شخص ان حضراتِ انصار سے بغض رکھے تو کیا اس کو منافق کہا جاسکتا ہے؟

**جواب**: اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بغض کی علامت نصرتِ دین ہے تب تو یقیناً نفاق حقیقی کے مترادف ہے اور اگر بغض کی وجہ کچھ اور ہے تو پھر زجر وتہدید کے طور پر منافق کہا گیا، علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی بعض علاماتِ نفاق ہے، کسی ایک سے کسی خارجی بنا پر بغض رکھنا نفاق کی علامت نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو پسند کیا ہے۔ (نفع المسلم)

**انصار کا تعارف**: انصار ناصر کی جمع ہے، جیسا کہ اصحاب صاحب کی جمع ہے، اس سے اوس وخزرج کے قبائل مراد ہیں، مہاجرین تو

آپ کے قبیلہ اور خاندان کے افراد تھے، انصار نے غیر ہو کر آپ کی مدد کی تو انکا "علم" ہی انصار ہو گیا۔ انصار مدینہ مکہ کے لوگوں سے ڈرتے تھے، مکہ کے لوگ بڑے باہمت تھے، یہ کہا کرتے تھے کہ ہمیں اللہ نے پاسبان حرم بنایا اور اس کیلئے ہمیں حماست اور شجاعت عطا فرمائی ہے اور یہ لوگ مدینہ والوں کو کاشتکار کہا کرتے تھے، جب تمام قبائل نے تبلیغ کو روک دیا، اور پیغمبر کی دعوت کیساتھ روگردانی کی گئی اور پیغمبر کو ان لوگوں سے مایوسی ہو گئی، تو آپؐ نے موسم حج میں عقبہ والوں کو دعوت دی، ان لوگوں کی سمجھ میں بات آگئی، کیونکہ یہود مدینہ میں آباد تھے، اور کہا کرتے تھے کہ اب نبی آخر الزماں آنے والے ہیں، ہم انسے ملکر ان مشرکین کا قلع قمع کر دیں گے، جب ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے نبی آخر الزماں کو دیکھ لیا، تو ایمان انکے دل میں بیٹھ گیا اور ان لوگوں نے یہ سوچا کہ ہمیں یہود سے پہلے اسلام قبول کر لینا چاہئے، یہ تقریباً چھ آدمی تھے اس سے اگلے سال بارہ سرداران قوم کی تعداد آئی، پیغمبرؐ نے انھیں بھی دعوتِ اسلام دی، اور انھوں نے بھی بطیب خاطر اسلام قبول کیا، تیسرے سال بہتر آدمی آئے اور چھپ چھپا کر عقبہ میں جمع ہوئے کہ قریش کو خبر نہ ہو اور آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی کہ اگر آپؐ ہمارے یہاں تشریف لائیں گے تو ہم جان و مال تک کی بازی لگا دیں گے، حضرت عباسؓ اس موقعہ پر موجود تھے فرمایا کہ تم انھیں لیجانا چاہتے ہو ذرا سوچ کر قدم اٹھانا انکو بلانا پورے عرب کو دعوت محاربت دینا ہے، لیکن انصار نے بڑی پختگی سے کہا، حتیٰ کہ حضرت عباسؓ کو یقین ہو گیا کہ انصار واقعتاً آپکو دعوت دے رہے ہیں، پھر آنحضور ﷺ کے مدینہ تشریف لیجانے کے بعد ان انصار نے جس جاں نثاری کا ثبوت پیش کیا وہ نہ صرف یہ کہ اپنے وعدے کا ایفا تھا بلکہ اس سے بھی کچھ سبقت تھی، گو اہل مکہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کاشتکار ہمارا کیا مقابلہ کریں گے لیکن پیغمبر کی نگاہِ کیمیا اثر نے انھیں مقتدائے جہاں بنا دیا اور ان ہی حضرات کی قربانیوں سے مدینہ میں آکر اسلام کو فروغ ہوا، اسی لئے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان الانصار کرشی و عیبتی (مسلم، ص۳۰۵ ج۲) انصار میرا جامہ دان اور معدہ ہیں، معدہ میں غذا پکتی ہے اور ایک جگہ فرمایا الانصار شعار والناس دثار. انصار کی حیثیت جسم کے اندرونی کپڑے کی ہے اور لوگوں کی بیرونی کپڑے کی، آپؐ نے انصار کے بارے میں ایک بار فرمایا، "لو سلك الناس واديًا وسلكت الانصار واديا او شعبا لسكت وادی الانصار او شعب الانصار" اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی یا گھاٹی میں چلیں، تو میں انصار کی وادی اور گھاٹی میں چلونگا۔ (ایضاح البخاری)

**حدیث نمبر ۳۰۰۹ ﴿انصار سے محبت اللہ کی محبت کا سبب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۱۶**

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْأَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۳۴ ج۱، باب حب الانصار، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۷۸۳؛ مسلم، ص۵۹ ج۲، باب الدليل على ان حب الانصار، کتاب الايمان، حدیث ۷۵

**حل لغات:** أَبْغَضَ أَبْغَضَهُ إِبْغَاضًا نفرت کرنا، دشمنی رکھنا (افعال)

**ترجمہ:** حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ انصار سے محبت نہیں رکھے گا مگر مومن اور ان سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق، جو ان سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اُن سے بغض رکھے گا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی انصار سے محبت کرنے کی تاکید ہے اور ان سے نفرت کرنے سے بچنے کی تلقین ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ومن ابغض ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے "اي بغير سبب شرعي بالنسبة إلى بعض أفرادهم" یعنی بغیر شرعی سبب کے ان کے بعض افراد سے بغض رکھنا مراد ہے، علامہ سندھی فرماتے ہیں "والا

فکثیرا ما تحری معاملة تؤدی إلیٰ المحبة و البغض" ورنہ بعض اوقات کوئی خاص معاملہ بغض ومحبت کا سبب بن جاتا ہے، ایسا بغض اس کے زمرے میں نہیں آتا، جنکی بنیاد انصار کے تاریخی پس منظر کے علاوہ ہو۔ (ضیاء السنن) مزید کے لئے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۳۰۱۰ ﴿انصار کا آپؐ کی معیت پر خوش ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۱۷**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَالُوْا حِيْنَ أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَمْوَالِ هَوَازِنَ مَا آفَاءَ فَطَفِقَ يُعْطِيْ رِجَالًا مِنْ قُرَيْشٍ الْمِائَةَ مِنَ الْإِبِلِ فَقَالُوْا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْ قُرَيْشًا وَيَدَعُنَا وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ فَحُدِّثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَقَالَتِهِمْ فَأَرْسَلَ إِلَى الْأَنْصَارِ فَجَمَعَهُمْ فِيْ قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ أَحَدًا غَيْرَهُمْ فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا جَاءَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا حَدِيْثٌ بَلَغَنِيْ عَنْكُمْ فَقَالَ فُقَهَاؤُهُمْ أَمَّا ذَوُوْا رَأْيِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَلَمْ يَقُوْلُوْا شَيْئًا وَأَمَّا أُنَاسٌ مِنَّا حَدِيْثَةٌ أَسْنَانُهُمْ قَالُوْا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْ قُرَيْشًا وَيَدَعُ الْأَنْصَارَ وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ أُعْطِيْ رِجَالًا حَدِيْثِيْ عَهْدٍ بِكُفْرٍ أَتَأَلَّفُهُمْ أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالْأَمْوَالِ وَتَرْجِعُوْنَ إِلٰى رِحَالِكُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ رَضِيْنَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۴۵ ج ۱، باب ما کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعطی المؤلفة، کتاب فرض الخمس، حدیث ۳۱۴۷، مسلم، ص ۳۳۸ ج ۱، باب اعطاء المؤلفة قلوبهم، کتاب الزکاة، حدیث ۱۰۵۹

**حل لغات:** أَفَاءَ الْمَالَ إِفَاءَةً بطور غنیمت مال دینا (افعال)۔ طَفِقَ يَفْعَلُ (س) طفقًا کرنے لگا۔ تَقْطُرُ قَطَرَ الْمَاءَ وغیرہ (ن) قَطْرًا سیال چیزوں کو ٹپکانا، بہانا۔ دِمَاء (و) دَمٌ خون۔ لَمْ يَدْعُ دَعَا (ن) دعوةً بلانا، طلب کرنا۔ فُقَهَاء (و) فَقِيْه صاحب فہم عالم۔ فَقُهَ (کرم) فَقَاهَةً تیز فہم ہونا۔ حَدِيْثَة نیا (ج) حِدَاث و حُدَثَاء۔ الْأَسْنَانُ (و) سِنٌّ عمر۔ أَتَأَلَّفُ تَأَلَّفَ فُلَانًا تَأَلُّفًا تالیف قلب کرنا، مانوس کرنا (تفعل)۔ رِحَال (و) رَحْلٌ کجاوہ؛ رہائش گاہ۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے مروی ہے انھوں نے بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ ہوازن سے غنیمت دلوائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال میں سے بہت سے قریشیوں کو سوسواونٹ دینا شروع کئے، انصار کی ایک جماعت نے یہ دیکھ کر کہا خداوند تعالیٰ رسول اللہ کی مغفرت فرمائے کہ آپ قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو نہیں دیتے، حالاں کہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔ حضورؐ کے پاس انصار کے اس اعتراض کی خبر پہنچائی گئی، آپؐ نے انصار کو بلا بھیجا اور ان کو ایک چمڑے کے خیمے میں جمع کیا گیا اور ان لوگوں کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں بلایا گیا، جب سب لوگ آگئے تو رسول اللہؐ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ وہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچائی گئی ہے؟ انصار کی جماعت میں سے عقلمند لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے اہل الرائے اور سمجھدار لوگوں نے کچھ نہیں کہا، البتہ ہم میں سے بعض نوجوانوں نے یہ بات ضرور کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ کو بخشے جو قریش کو عطا فرماتے ہیں اور انصار کو چھوڑتے ہیں، حالاں کہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔ رسول اللہؐ نے یہ سن کر فرمایا بے شک میں اس مال میں سے ان لوگوں کو دیتا ہوں جو نومسلم ہیں، تاکہ انھیں اسلام سے الفت ہوجائے اور وہ اسلام پر قائم ہوجائیں، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے خیموں اور ٹھکانوں میں مال لے کر لوٹیں اور تم اپنے گھروں کی طرف اس حال میں واپس جاؤ کہ رسول اللہ تمہارے ساتھ ہوں! انصار نے کہا ہاں کیوں نہیں، ہم اس پر راضی ہیں یارسول اللہ۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** غزوۂ حنین کے بعد آپؐ طائف تشریف لے گئے اور غزوۂ طائف جیسا کہ معلوم ہے غزوۂ حنین کے توابع میں سے ہے، اس کے بعد آپؐ طائف سے چل کر ذیقعدہ کو جعرانہ پہنچے، جہاں مال غنیمت جمع تھا، جعرانہ تشریف لانے کے بعد آپ نے دس بارہ روز ہوازن کا انتظار کیا، جب کوئی نہیں آیا تو آپؐ نے مال غنیمت تقسیم کر دیا اور تالیف قلب کے خیال سے جدید الاسلام مسلمانوں کو، جن میں زیادہ تر شرفائے مکہ تھے، اموال کی بڑی مقدار عطا کی۔ آپ کی عطا و بخشش نے سب کو حیرت میں ڈال دیا، صفوان بن امیہ، ابوسفیان بن حرب، مالک بن عوف وغیرہ نے صاف اقرار کیا کہ یہ بخشش غیر نبی سے ممکن نہیں ہے، صفوان بن امیہ نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس بخشش کو دیکھ کر مسلمان ہوئے۔ الغرض آنحضورؐ نے جو جعرانہ میں اشراف قریش اور سرداران قبائل کو عطایائے عظیمہ عنایت فرمائے، ان عطایا و انعامات کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے حضرات انصارؓ میں سے کچھ حضرات ناراض ہو گئے اور غائبانہ شانِ نبوت کے خلاف کچھ الفاظ بھی ان کی زبان سے نکلے کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم لوجہ اللہ نہیں ہے، حضور اکرمؐ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ خدا حضرت موسیٰ پر رحم کرے ان کو ہم سے زیادہ تکلیف دی گئی۔ بعض انصار نے کہا قریش کو مال غنیمت ملتا ہے اور ہم جن کی تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے، محروم رکھے جاتے ہیں۔ بعض نے کہا مشکلات اور شدائد میں تو ہماری یاد ہوتی ہے اور مالِ غنیمت کے وقت دوسروں کو یاد کیا جاتا ہے۔ ان باتوں کے اصل اصیل اور بانی مبانی تو ذوالخویصرہ، اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن وغیرہ تھے جو نو مسلم تھے، ابھی ان کے دلوں سے اپنے بتوں کی محبت بھی نہیں گئی تھی، ابھی اسلام اور پیغمبر اسلامؐ سے پورے طور پر واقف نہیں تھے، ان کے نزدیک جو کچھ تھا وہ یہی دنیاوی مال تھا، وہ عدل و انصاف بس اسی کو جانتے تھے کہ ان کو بہت کچھ دے دیا جائے۔ مقاصد عظیمہ اور مہمات ضرور یہ ان کی سمجھ اور ادراک سے باہر تھیں، اگر ایسے نو مسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل اور عدل کے اس معیار کو جس کی بنیاد اسلام نے رکھی تھی نہ سمجھ سکے اور رسول خدا کے طریقہ کو ناپسند کیا تو تو کوئی تعجب نہیں ہے۔ البتہ افسوس یہ ہے کہ بعض مخلص انصار بھی ان نو مسلموں کے جھانسے میں آ گئے اور بیجا شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے شبہات و غلط فہمی حقیقت سے عدم واقفیت پر مبنی تھے، ان شبہات کی وجہ بے دینی اور بد تہذیبی نہ تھی۔ یہ لوگ اسلام کے سچے جاں نثار تھے، اسی لئے ان کا غلط فہمی میں مبتلا رہنا اچھا نہ تھا۔ حضور اکرمؐ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کو حکم دیا کہ انصار کو ایک جگہ جمع کرو اور وہاں انصار کے سوا کوئی نہ رہے۔ جب انصار جمع ہو گئے تو حضور اکرمؐ وہاں تشریف لے گئے، اور آپؐ نے دریافت فرمایا، ''اے انصار کیا یہ صحیح ہے جو میں سن رہا ہوں کہ تم لوگ ہم سے ناراض ہو گئے ہو؟ انصار نے کہا یا رسول اللہؐ ہمارے اہل الرائے اور سمجھدار لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، البتہ کچھ نوجوانوں نے ایسا کہا تھا، آپؐ نے فرمایا اے گروہ انصار کیا تم دنیا کے مالِ ناپائیدار کے لئے مجھ سے ناراض ہو گئے ہو، تمہارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ میں نے اس دنیا میں سے جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں، کچھ متاعِ قلیل اور دراہم معدودہ سرداران قریش کو دیا کہ انھیں قتل و قید کی مصیبتیں پہنچی ہیں، ان کے بھائی بند قتل و قید ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں ان کو پہنچیں جن سے اللہ نے تم کو محفوظ رکھا، میری غرض تالیف قلوب تھی، ان کو اسلام سے مانوس کرنا تھا، تا کہ اسلام کی طرف پوری توجہ کریں، تالیفِ قلب کے لئے ایسے لوگوں کو مال دینا مناسب اور عین حکمت ہے اور تم اہل ایمان ہو، ایمان اور ایقان کی بے مثال اور لازوال دولت سے مالا مال ہو، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ بکری لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر ہجرت امرِ تقدیری نہ ہوتا تو میں بھی انصار میں سے ہوتا، اگر لوگ ایک گھاٹی کو چلیں اور انصار دوسری گھاٹی کو تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا، اے اللہ انصار پر اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔ یہ فرمانا تھا کہ انصار جاں نثار چیخ اٹھے، سارے انصار رونے لگے روتے روتے ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور سب نے کہا، ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ اللہ کا رسول

ہمارے میں آیا۔اس کے بعد حضورؐ تشریف لے گئے اور مجلس برخاست ہوگئی۔ (نصر الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** اموال هوازن مال مختلف قبیلوں کا تھا،لیکن چوں کہ ہوازن مشہور اور بڑا تھا اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔ الفاء اصطلاحی فئی مراد نہیں،مطلق غنیمت کے معنی میں ہے۔ یغفر الله یہ تاسف اور مایوسی کے لیے بولتے ہیں جس میں احترام کا خوب خیال ہوتا ہے۔ و سیوفنا تقطر ہماری تلواریں ابھی تک قریش کے خون سے خشک نہیں ہوئیں، یعنی اس جنگ میں ہم نے نمایاں کارنامے انجام دیئے،للہٰذا ہم غنیمت کے زیادہ حقدار ہیں، حالاں کہ مال قریش کو دیا جارہا ہے۔ ففقهاء انصار کے ذمہ دار اور سمجھدار لوگ مراد ہیں۔ قد رضینا انصار نے آپ کی معیت کو ہر چیز پر ترجیح دے کر آپؐ سے لازوال محبت کا اظہار کیا۔ آپؐ نے اس موقع پر جو بلیغ خطبہ دیا اس کے کچھ کلمات الگ الگ آگے احادیث میں آرہے ہیں، جو کہ اسی خطبہ کے اجزا ہیں۔

**حدیث نمبر ۳۰۱۱ ﴿انصار سے آپؐ کا اظہار محبت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۱۸**

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءً ا مِّنَ الْأَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ وَشِعْبَهَا الْأَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِيْ أَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى الْحَوْضِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری،ص ۶۲۰ ج ۲،باب غزوۃ الطائف، کتاب المغازی،حدیث ۴۳۳۰

**حل لغات:** سَلَكَ الطريق راستہ پر چلنا۔ وَادِيًا ٹیلوں اور پہاڑوں کے درمیان کھلی جگہ (ج) أَوْدَاءٌ، أَوْدِيَةٌ، وُدْيَانٌ۔ شِعَارٌ بدن سے لگا ہوا کپڑا (ج) أَشْعِرَة و شِعَارَاتٌ۔ دِثَارٌ اوپر اوڑھا جانے والا کپڑا (ج) دُثُرٌ۔ أَثَرَة ترجیح نفس،خود فضیلت۔

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ ایک وادی سے چلیں اور انصار دوسری وادی یا گھاٹی سے تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی سے چلوں گا، انصار اندرونی لباس ہیں جب کہ دوسرے لوگ بیرونی۔ تم میرے بعد ترجیح دیکھو گے تو صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** گذشتہ حدیث میں آپؐ کا جو خطبہ گذرا اسی کے کچھ جملے یہاں بھی مذکور ہیں، اس میں بھی انصار کی قدر و منزلت اور آپؐ سے انتہائی قربت کا بیان ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لولا الهجرة لکنت امرأ من الانصار نبی کریمؐ اس حدیث میں فرمارہے ہیں کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک انصاری ہوتا اس فرمان کے دو مطلب علما نے بیان کئے ہیں:

(۱) نبی کریمؐ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ہجرت کی فضیلت کی وجہ سے میں انصار سے ممتاز ہوں، اگر ہجرت کی فضیلت اور شرف میرے ساتھ نہ ہوتا تو پھر میں بھی انصار میں سے ایک فرد ہوتا اور رتبہ اور مرتبہ میں ان کے برابر ہوتا، لیکن درحقیقت یہ نبی کریمؐ کی تواضع اور کسر نفسی ہے، جو انصار کا دل رکھنے اور ان کی رفعت شان بیان کرنے کے لئے ہے، اس لئے کہ بغیر ہجرت کے بھی حضورؐ کا رتبہ و مقام اتنا بلند ہے کہ وہاں تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (۲) نبی کریمؐ اپنی اس خواہش کا اظہار فرمارہے ہیں کہ اگر ہجرت مقدر نہ ہوتی تو میں مہاجر کہلانے کے بجائے انصاری کہلاتا، لیکن چوں کہ ہجرت بذات خود ایک بڑی دینی فضیلت کا ذریعہ ہے اور مہاجر کہلانا بڑی فضیلت کا باعث ہے، اس لئے اپنی تمنا اور خواہش کے باوجود انصاری نہیں کہلاسکتا، گویا یہاں حضورؐ انصار کے وطن شہر کی طرف منسوب ہونے کی تمنا کا اظہار فرمارہے ہیں۔ نسب اور قبیلہ کے اعتبار سے نسبت کا اظہار کرنا مقصود نہیں ہے، اس لئے کہ اول تو تبدیل حسب و نسب اور قبیلہ حرام ہے، جس کو نسبت الی غیر الآباء کہا جاتا ہے اور اس پر سخت وعیدات ہیں، دوسرے یہ کہ خود نبی کریمؐ کا نسب دنیا کے تمام نسبوں اور نسلوں سے اعلیٰ اور اشرف ہے:

اس لئے اعلیٰ نسب کو چھوڑ کر دوسرے نسب کی طرف منسوب ہونے کی تمنا کے اظہار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کا مقصود وطن اور شہر کے اعتبار سے نسبت کی تمنا کی اظہار ہے، اس حدیث سے جہاں انصار کی فضیلت سمجھ میں آرہی ہے کہ حضورؐ ان کی طرف منسوب ہونے کی خواہش کا اظہار فرمارہے ہیں، وہیں ہجرت کی فضیلت اور مہاجرین کی عظمت و برتری کی طرف بھی اشارہ ہے، اس لئے کہ انصار کی فضیلت حضورؐ اور دیگر مہاجر مسلمانوں کی مدد و نصرت، حفاظت و اعانت کی وجہ سے ہے، لیکن بہر حال وہ اپنے شہر، اپنے مقام و اولاد میں رہے، جب کہ مہاجرین تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں وطن چھوڑا، گھر اور گھر والوں کو چھوڑا، سارا مال و جائیداد کو قربان کیا، یہ تمام قربانیاں دے کر مہاجرین نے ہجرت کی اور مشقتیں برداشت کیں۔ خلاصہ یہ کہ نصرت و اعانت اپنی جگہ باعث فضل و شرف ہے، لیکن ہجرت نصرت سے درجہ میں مقدم ہے اور مہاجرین انصار سے مقدم ہیں۔ (جدید مظاہر حق)

**ولو سلك الناس وادیا** یہاں راوی کو شک ہوا کہ حضور اکرمؐ نے "وادیا" کا لفظ فرمایا یا "شعبا" کا؟ وادی اس قطعہ زمین اور راستہ کو کہتے ہیں جو دو پہاڑوں اور دو ٹیلوں کے درمیان ہو، جس کو عربی میں فرجہ بھی کہتے ہیں اور فارسی میں واک کہتے ہیں۔ اور شعب اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو کسی پہاڑ کے اندر سے ہو کر گذرتا ہو، حجاز میں چوں کہ پہاڑیاں کثرت سے ہیں، اس لئے وہاں شعب اور وادیاں بھی بہت کثرت سے پائی جاتی تھیں، اس زمانہ میں ہوتا یہ تھا کہ کسی قافلہ یا قبیلہ کا سردار جس درے یا گھاٹی سے ہو کر گذرتا تھا سارا قافلہ اس کے پیچھے ہو لیتا، اور وہاں سے گذر کر اپنی منزل تک پہنچ جاتا تھا، چنانچہ آپ نے اس حدیث شریف میں فرمایا اگر تمام لوگ دو جماعتوں میں تقسیم ہو کر الگ الگ راہ بنالیں، تو میں انصار کی راہ اختیار کروں گا، اس سے کمال تعلق اور غایت اخوت و محبت کو بیان کرنا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ شعب اور وادی سے یہاں مسلک اور رائے مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی معاملہ میں لوگوں کی رائیں مختلف ہو جائیں، تو میں اس رائے کو اپناؤں گا جو انصار کی ہوگی اور وہی مسلک اختیار کروں گا جو انصار کا ہوگا، اس صورت میں نبی کریمؐ کے ارشاد کا مقصد حسن مواظبت و موافقت کا بیان کرنا ہے؛ کیوں کہ انصار نے بھی آپ کے لئے وفا شعاری اور اچھی خدمت گزاری کا ثبوت دیا۔ (تکمیل الحاجۃ)

**شعار** ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے "وهو الثوب الذى يلى شعر البدن"، یعنی بالکل اندر پہننے والا کپڑا۔ آگے فرماتے ہیں شبه **الانصار بالشعار لرسوخ صداقتهم وخلوص مودتهم والمعنى انه اقرب الناس الىّ مرتبة و أولاهم منى منزلة**" ان کے خلوص محبت اور غایت تعلق کی بنیاد پر انصار کو شعار سے تشبیہ دی گئی ہے اور معنی ہوئے کہ وہ مرتبہ میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہیں، اور میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل ترجیح ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے "وهى استعارة لفرط قربهم منه واراد ايضا انهم بطانته وخاصته وانهم الصق به واقرب اليه من غيرهم" ان سے غایت تعلق کا یہ ایک لطیف استعارہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انصار آپ کے خواص اور محرم راز ہیں، دوسروں کے مقابلے میں وہی نبی سے زیادہ قریب اور ان کے گرویدہ ہیں۔

**والناس دثار** ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں "وهو الثوب فوق الشعار" یعنی اندر والے کپڑے کے اوپر جو کپڑا ہوتا ہے دثار اسی کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ انصار کے مقابلے میں دوسرے لوگوں سے تعلق ثانوی درجہ کا ہے، یاد رہے کہ یہاں الناس میں مہاجرین شامل نہیں ہیں؛ کیوں کہ ان کا مقام انصار سے بلند ہے۔ (ضیاء السنن)

اس بلیغ خطبہ کی تفصیلات گذشتہ حدیث میں دیکھیں۔ انصار کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۲۱۵ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۳۰۱۲ ﴿انصار کیساتھ زندگی اور موت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۱۹**

وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِىْ سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ أَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ أَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيْرَتِهٖ وَرَغْبَةٌ فِىْ قَرْيَتِهٖ

وَنَزَلَ الْوَحْيُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُمْ أَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ أَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيْرَتِهٖ وَرَغْبَةٌ فِيْ قَرْيَتِهٖ كَلَّا إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ هَاجَرْتُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَيْكُمْ اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا قُلْنَا إِلَّا ضِنًّا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص۱۰۲-۱۰۳،ج۲، باب فتح مكة، كتاب الجهاد، حديث۱۷۸۰

**حل لغات:** أَلْقَى الشَّيْءَ إِلْقَاءً ڈالنا، پھینکنا (افعال)۔ رَأْفَةٌ رحم، مہربانی، شفقت۔ عَشِيْرَةٌ آل اولاد، قبیلہ، باپ کی طرف کے قریبی رشتہ دار (ج) عَشَائِر۔ رَغْبَةٌ میلان (ج) رَغَبَات۔ قَرْيَةٌ بستی (ج) قُرًى۔ المَحْيَا زندگی، بقا۔ المَمَاتُ موت، فنا۔ ضِنًّا ضَنَّ به وعليه (سمع) ضَنًّا وضَنَانَةً کسی کے ساتھ کسی چیز میں انتہائی بخل کرنا۔ يُصَدِّق صَدَّقَهٗ تصْدِيْقًا سچا ماننا، سچا ٹھہرانا (تفعیل)۔ يَعْذِرُ أَعْذَرَ فُلَانًا فيما صَنَعَ کسی کو اس کے کئے پر معذور سمجھنا، ملامت نہ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپؐ نے فرمایا کہ جو ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے، جو ہتھیار پھینک دے وہ امن میں ہے، انصار کے بعض لوگوں نے کہا کہ حضورؐ کو اپنے خاندان سے مروت اور اپنی بستی سے رغبت ہو گئی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو گئی، آپؐ نے فرمایا تم نے کہا ہے کہ حضورؐ کو اپنے خاندان سے مروت اور اپنی بستی سے رغبت ہو گئی ہے، خدا کی قسم میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، میری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ ہے اور میری وفات تمہاری وفات کے ساتھ ہے۔ انصار نے عرض کیا کہ خدا کی قسم ہم نے نہیں کہا، مگر اللہ اور اس کے رسول پر بخل کرتے ہوئے، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہیں معذور شمار کرتے ہیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث**

۸ھ میں آپ اپنے دس ہزار مجاہد صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لئے تشریف لائے، ابوسفیانؓ کو اندازہ تھا کہ اہل مکہ مقابلہ نہیں کر سکتے، اس لئے وہ صلح کی غرض سے مذاکرات کے لئے اور اپنی قوم قریش کو بچانے کیلئے آپؐ کی طرف روانہ ہو گئے، حضرت عباسؓ نے ان کو آپؐ کی اونٹنی پر سوار کرایا اور مکہ کے قریب ایک جگہ ''مرالظہران'' تک انکو لے گئے، جہاں حضورؐ نے پڑاؤ ڈالا تھا، جب ابوسفیانؓ نے زبانی طور پر اسلام قبول کر لیا، تو حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! یہ شخص جاہ پسند ہے، قوم کا لیڈر بھی ہے، اسکو کچھ اعزاز دے دیں، تاکہ یہ اپنی قوم کو بتا سکے، کہ انکے بچاؤ کیلئے ابوسفیانؓ نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا ''من دخل دار ابی سفیان فهو آمن'' یعنی جو کوئی ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے۔ ابوسفیان نے کہا یہ امن کافی نہیں ہے، میرے گھر میں میری پوری قوم کہاں سما سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے، ابوسفیانؓ نے کہا کہ مسجد حرام میں بھی سارے لوگ نہیں آ سکتے، تب آپؐ نے فرمایا کہ جس نے گھر کا دروازہ بند کیا وہ امن میں ہے، جس نے ہتھیار پھینک دیا وہ امن میں ہے، تب ابوسفیانؓ نے کہا کہ ہاں یہ امن مکمل ہے۔ اس پر انصار نے کہا کہ آپؐ کو قومی اور خاندانی و معاشرتی محبت نے پکڑ لیا، اب ہم رہ گئے، آپ تو اپنوں میں چلے گئے، اس پر آپؐ نے جواب دیا کہ میری زندگی اور میری موت آج کے بعد تمہارے ساتھ ہے، زندگی بھی تمہارے یہاں گذاروں گا اور موت بھی تمہارے ہاں آئے گی۔ (توضیحات)

**کلماتِ حدیث کی تشریح**

یوم الفتح فتح مکہ کا دن مراد ہے۔ من دخل دار ابی سفیان ابوسفیانؓ کے تالیف قلب اور احسان شناسی کے جذبہ سے آپؐ نے یہ بات کہی تھی؛ کیوں کہ ہجرت سے قبل قریش کی ایذارسانی سے ابوسفیانؓ نے ایک دن آپؐ کو بچا کر اپنے گھر میں امان دیا تھا۔ اما الرجل فقد اخذته رأفة دراصل انصار نے جب دیکھا کہ

حضورؐ اہل مکہ سے اس قدر نرمی سے پیش آرہے ہیں اور ان کی طرف بہت مائل ہورہے ہیں، تو وہ سمجھے کہ شاید حضورؐ اب مکہ ہی کو دوبارہ اپنا وطن بنالیں گے، اور یہیں رہیں گے اور ہجرت ختم کردیں گے، اور یہ خیال ان کے دل میں آپ کی محبت کی وجہ سے آیا تھا، آپؐ نے انصار کو بلاکر تسلی دی اور اطمینان دلایا کہ میں یہاں ٹھہروں گا نہیں، تمہارے ساتھ مدینہ چلوں گا۔ (تکملہ فتح الملہم)

الاضنا یعنی ہم نے یہ جملہ کسی دنیوی مقصد یا خودغرضی کیوجہ سے نہیں کہا تھا، بلکہ اسوجہ سے کہا کہ کہیں آپؐ ہم سے جدا ہوجائیں اور ہم محروم ہوجائیں، یصدقانکم اللہ اور اسکے رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور اس جذبہ کے پیدا ہونے میں تم کو معذور سمجھتے ہیں۔

## حدیث نمبر ۳۰۱۳ ﴿انصار سے اعلانِ محبت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۰

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى صِبْيَانًا وَنِسَاءً مُقْبِلِيْنَ مِنْ عُرْسٍ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ اَللّٰهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ يَعْنِي الْأَنْصَارَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۳۴ ج۱، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للانصار الخ، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۷۸۵؛ مسلم، ص۳۰۵ ج۲، باب من فضائل الانصار، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۵۰۸

**حل لغات:** عُرس ولیمہ کا کھانا، دعوت ولیمہ (ج) أعْرَاسٌ۔

**ترجمہ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شادی سے بچوں اور عورتوں کو آتے ہوئے دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور فرمایا، خدا گواہ ہے کہ تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارے ہو، خدا گواہ ہے کہ تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارے ہو یعنی انصار۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے انصار سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ بخاری کے حاشیہ میں ہے کہ یہ حکم کلی مجموعی پر ہے یعنی انصار کا مجموعہ ان کے علاوہ کے مجموعہ سے آپؐ کو زیادہ محبوب تھا، لہٰذا حدیث کا باب احب الناس ابوبکر (لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ ابوبکر محبوب ہیں) سے تعارض نہیں ہوگا۔



**کلمات حدیث کی تشریح** مقبلین شادی میں شرکت کے لئے عورتوں اور بچوں کا جانا حدیث سے ثابت ہے اور سنت میں اس کی اصل موجود ہے، شادی کے سلسلہ میں اسراف، فضول خرچی اور نمود ونمائش کی گنجائش یقیناً شریعت میں نہیں ہے، لیکن اس میں اس قدر تقشف اور سادگی اختیار کرلینا کہ کسی کو شریک ہی نہ کیا جائے یہ غلو اور نامناسب ہے۔ (کشف الباری)

فقام النبیؐ خوشی اور احسان فرماتے ہوئے ان کیلئے کھڑے ہوگئے، بخاری میں ہے "فقام" یعنی آپ انکی طرف قوت وطاقت اور نشاط کیساتھ کھڑے ہوئے، اللھم آپؐ نے یہ لفظ بطور تبرک ذکر کیا ہے یا اپنی سچائی کیلئے بطور گواہی ذکر کیا ہے۔ (ارشاد الساری، ص ۵۹ ج۱۱)

## حدیث نمبر ۳۰۱۴ ﴿انصار کیساتھ حسن سلوک کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۱

وَعَنْهُ قَالَ مَرَّ أَبُوْبَكْرٍ وَالْعَبَّاسُ بِمَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ وَهُمْ يَبْكُوْنَ فَقَالَا مَا يُبْكِيْكُمْ فَقَالُوْا ذَكَرْنَا مَجْلِسَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَّا فَدَخَلَ أَحَدُهُمَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ عَصَبَ عَلَى رَأْسِهِ حَاشِيَةَ بُرْدٍ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ وَلَمْ يَصْعَدْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أُوْصِيْكُمْ بِالْأَنْصَارِ فَإِنَّهُمْ كَرِشِيْ وَعَيْبَتِيْ وَقَدْ قَضَوُا الَّذِيْ عَلَيْهِمْ وَبَقِيَ الَّذِيْ لَهُمْ فَاقْبَلُوْا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوْا عَنْ مُسِيْئِهِمْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۳۶ ج۱، باب قول النبی ﷺ اقبلوا من محسنھم، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۷۹۹

**حل لغات:** عَصَبَ رَأْسَهٗ سر پر پٹی باندھنا (تفعیل)۔ حاشیۃ گوٹ، کنارہ (ج) الحَوَاشِي۔ بُرْدٌ اوڑھنے کی دھاری دار چادر (ج) أَبْرَادٌ۔ کَرِشِي کَرِش الرَّجُل مخلص ساتھی، مصاحب۔ عَيْبَة عَيْبَةُ الرجل رازدار (ج) عِيَبٌ و عِيَابٌ۔ مُحْسِنٌ أَحْسَنَ اچھا کرنا، نیکی کرنا، اِلَيهِ اچھا برتاؤ کرنا (افعال)۔

**ترجمہ:** حضرت ابوبکرؓ وعباسؓ انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گزرے وہ رو رہے تھے، پوچھا آپ حضرات کیوں رو رہے ہیں؟ انھوں نے کہا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس یاد آئی، ان حضرات میں سے ایک نے نبیؐ کو اطلاع دی، تو نبیؐ نکلے درآنحالیکہ آپؐ نے اپنے سر کو کسی چادر کے کنارے سے مضبوط باندھ رکھا تھا پھر آپؐ منبر پر چڑھے، اور آپؐ اس دن کے بعد منبر پر نہیں چڑھے، آپؐ نے اللہ کی خوب تعریف کی، پھر آپؐ نے فرمایا، میں آپ لوگوں کو انصار کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں، اس لئے کہ انصار میرے خاص ساتھی اور رازدار ہیں، اور یقیناً انھوں نے وہ حق ادا کردیا ہے، جو ان کے ذمہ لازم تھا اور وہ حق باقی رہ گیا ہے جو ان کے لئے ہے، پس ان کے نیکوکاروں سے قبول کرو اور ان کے خطا کاروں سے درگذر کرو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** یہ آپؐ کی آخری تقریر ہے، یہ مرض وفات میں آپؐ نے تقریر فرمائی ہے، اس میں آپؐ نے انصار کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تاکید کی ہے، اس میں اس بات کی تلقین ہے کہ جو میرے بعد حکومت کا ذمہ دار بنے، وہ انصار کے نیکوکاروں کو انعام واکرام سے نوازے اور ان میں سے کسی سے اگر کوتاہی ہوجائے تو اس سے درگذر کیا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کرشی وعیبتی "کرش" جانور کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں وہ غذا جمع کرتا ہے۔ "عیبۃ" اس خاص صندوق کو کہتے ہیں جس میں آدمی اپنی خاص چیزیں حفاظت سے رکھتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ انصار میرے خاص الخاص ہیں اور یہ میرے رازدار وفادار ہیں، جس طرح "کرش" میں غذا جمع کی جاتی ہے، اور "عیبۃ" میں سامان محفوظ کیا جاتا ہے، اسی طرح یہ میرے بہت ہی قریبی اور معتمد ہیں۔ وقد قضوا الذی علیھم آپؐ نے انصار کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے دین اسلام کی مدد ونصرت، خیرخواہی اور جانی ومالی قربانی دینے کا جو وعدہ لیلۃ العقبہ میں کیا تھا، انھوں نے وہ وعدہ پورا کردیا اور اسکے عوض مغفرت ودخول جنت کا جو وعدہ اللہ پاک نے انسے کیا ہے وہ باقی ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ" اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے انکی جانیں اور انکا مال خرید لیا اس عوض پر کہ ان کیلئے جنت ہے۔

### حدیث نمبر ۳۰۱۵ ﴿انصار کے کم ہونے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۲

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ حَتّٰى جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُوْنَ وَيَقِلُّ الْأَنْصَارُ حَتّٰى يَكُوْنُوْا فِي النَّاسِ بِمَنْزِلَةِ الْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ فَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ شَيْئًا يَضُرُّ فِيْهِ قَوْمًا وَيَنْفَعُ فِيْهِ آخَرِيْنَ فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَلْيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيْئِهِمْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۱۲ ج ۱، باب علامات النبوۃ، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۲۸

**حل لغات:** يَقِلُّ قَلَّ الشَّيْءُ (ضرب) قِلَّةً کم ہونا۔ مَنْزِلَةٌ حیثیت، درجہ (ج) مَنَازِلُ۔ المِلْحُ نمک أَمْلَاحٌ۔ ولي الأمر کسی کام کا منتظم بنانا، نگراں بنانا: المَنْصِبَ عہدے پر فائز ہونا (تفعیل)۔ يَتَجَاوَزُ تَجَاوَزَ عَنِ الشَّيْءِ درگذر کرنا، چشم پوشی کرنا (تفاعل)۔ مُسِيْءٌ أَسَاءَ فُلَانٌ برا کام کرنا، غلط کرنا (افعال)

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الوفات میں باہر تشریف لائے، یہاں تک کہ منبر

پر جلوہ افروز ہوئے، تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا امابعد، لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار گھٹتے جائیں گے، یہاں تک کہ یہ لوگوں میں ایسے رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ جس کو تم میں سے کوئی عہدہ دیا جائے جس سے کچھ لوگوں کو نقصان اور دوسروں کو نفع پہنچا سکے تو ان کے نیکوں سے قبول کرے اور ان کے بروں سے درگذر کرے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** انصار سے مراد مدینہ کے وہ صحابہ ہیں، جنھوں نے ابتدائے اسلام میں نبیؐ کا ساتھ دیا، وہ دن بدن گھٹتے جائیں گے، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، اور ترمذی شریف میں جو روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ انصار کی مغفرت فرما، اور انصار کی اولاد کی مغفرت فرما اور ان کی اولاد کی اولاد کی بھی اور ان کی عورتوں کی بھی (حدیث ۳۹۳۲) یہ الحاق ہے، یہ اولاد قیامت تک بڑھتی جائے گی، مگر ان کی فضیلت صرف الحاق کی ہے، اصل انصار ان کی پہلی جماعت ہے، وہ گھٹتے جائیں گے۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** ویقل الانصار چوں کہ انصار نصرت سے ہے اور نصرت سے محمد عربیؐ اور مہاجرین کی نصرت مراد ہے، تو انصار ہونا ایسا وصف ہے کہ جس کو یہ وصف حاصل ہو گیا بس اسی کو حاصل ہو گیا، جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی نصرت کی تھی، وہ لوگ اسی زمانہ تک خاص تھے، کسی اور کی نصرت سے انصار کا وصف حاصل نہیں ہو سکتا، اس لئے انصار میں سے جو مر جاتا ہے ان کی جماعت گھٹتی ہے، ایک وقت ایسا آجائے گا کہ انصار میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں جہاد میں انصار کے لوگوں کے زیادہ شہید ہونے کی طرف اشارہ ہو اور واقعی انصار ہر معرکہ میں زیادہ شہید ہوئے ہیں، رہ گئے مہاجرین تو ہجرت کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، لہٰذا مہاجرین گھٹتے نہیں، قیامت تک جو ہجرت کرے گا مہاجر کے وصف سے متصف ہوگا۔ (توضیحات) بمنزلة الملح فی الطعام نبی کریمؐ نے انصار کی قلت کو تشبیہ دی ہے کھانے میں نمک کے ساتھ۔ اس میں ان کی تعریف کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح کھانے کے عمدہ اور اچھا ہونے کے لئے نمک ضروری ہے، اسی طرح اہل اسلام کے لئے انصار کا وجود ضروری ہے۔ (جدید مظاہر حق) فمن ولی یعنی تم میں سے اگر کوئی صاحبِ اقتدار ہو تو اس کو انصار کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، اور ان کی غلطیوں سے درگذر کرنا چاہئے۔

### حدیث نمبر ۳۰۱۶ ﴿انصار کے لئے دعائے مغفرت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۳

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ وَأَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حواله:** مسلم، ص ۳۰۵ ج ۲، باب من فضائل الانصار، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۵۰۶

**ترجمه:** حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، اے اللہ انصار کی مغفرت فرما اور ان کے بیٹوں کی اور ان کے پوتوں کی۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** نبی کریمؐ نے انصار کے تین طبقوں کے لئے دعا فرمائی ہے، پہلا طبقہ انصار میں سے صحابہ کا ہے دوسرا طبقہ تابعین کا ہے اور تیسرا طبقہ تبع تابعین کا ہے، اور یہ تینوں طبقے مشہود لہا بالخیر بھی ہیں، یعنی ان کے خیر اور بھلائی پر ہونے کی حضورؐ نے مختلف احادیث میں خبر دی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابناء سے مراد مطلقاً اولاد ہو یعنی خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں پھر اولاد خواہ کئی واسطوں سے ہوں قیامت تک۔ اس صورت میں یہ دعا انصار کی قیامت تک آنے والی اولاد کو شامل ہوگی، جس میں لڑکے بھی شامل ہیں اور لڑکیاں بھی۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** اللھم اغفر للانصار آپ ؐ نے انصار کی تین نسلوں یا قیامت تک آنے والی نسلوں کی مغفرت کے لئے دعا کی، یہ انصار کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

**حدیث نمبر ۶۰۱۷ ﴿قبائل انصار میں فرق مراتب﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۴**

وَعَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ دُوْرِ الْأَنْصَارِ بَنُوْ النَّجَّارِ ثُمَّ بَنُوْ عَبْدِ الْأَشْهَلِ ثُمَّ بَنُوْ الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ ثُمَّ بَنُوْ سَاعِدَةَ وَفِيْ كُلِّ دُوْرِ الْأَنْصَارِ خَيْرٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۳۴ ج۱، باب فضل دور الانصار، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۷۸۹؛ مسلم، ص۳۰۵ ج۲، باب فی خیر دور الانصار، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲۵۱۱

**حل لغات:** دُوْرٌ (و) دَارٌ صحن دار مکان، گھر، قبیلہ۔

**ترجمہ:** حضرت ابو اسیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار کے گھرانوں میں سے سب سے بہتر بنو نجار ہیں، پھر بنی عبد الاشہل، پھر بنو حارث بن خزرج، پھر بنو ساعدہ اور انصار کے ہر گھرانے میں بہتری ہے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصہ حدیث** انصار (اوس و خزرج) کے بہت سے بطون تھے، نبیؐ نے ان میں سے چار بطون کو بالترتیب بہتر قرار دیا، وہ یہ ہیں: (۱) بنو النجار نسبت نجاری: خزرج کا بطن ہے، حضرت انس بن مالکؓ (خادم رسولؐ) اسی بطن سے تھے اور یہی بطن نبیؐ کی ننھیال ہے۔ (۲) بنو عبد الاشہل، نسبت اشہلی: اوس کا بطن ہے، حضرت اسید بن حضیر اشہلیؓ اسی بطن سے تھے۔ (۳) بنو الحارث، نسبت حارثی: خزرج کا بطن ہے حضرت رافع بن خدیج حارثیؓ اسی بطن سے تھے۔ (۴) بنو ساعدہ، نسبت ساعدی: خزرج کا بطن ہے، حضرت سعد بن عبادہ ساعدیؓ اسی بطن سے تھے۔ باب کی حدیث کے آخر میں ہے۔ اور انصار کے سبھی بطون میں خیر ہے، حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا: نہیں دیکھتا ہوں میں نبی کو مگر ترجیح دی آپؐ نے ہم پر (حضرت سعدؓ ساعدی ہیں اور بنو ساعدہ خزرج کا بطن ہے، نبیؐ نے بنو ساعدہ کو چوتھے نمبر پر رکھا، اس پر حضرت سعدؓ نے جو قبیلہ کے سردار تھے فرمایا تین قبیلوں کو ہم سے پہلے رکھا اور ہمیں چوتھے نمبر پر رکھا، پس کسی نے ان سے کہا) تمہیں ترجیح دی، تمہیں چوتھے نمبر پر رکھا، پس تم باقی قبائل سے افضل ہوئے، کیا یہ بات تمہارے لئے کافی نہیں؟ یہی بات بخاری کے آخر میں تفصیل سے ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: ابو حمید ساعدیؓ کہتے ہیں، پس ہم حضرت سعدؓ سے ملے، پس ابو اسید نے ان سے کہا، کیا تم نے دیکھا نہیں کہ نبیؐ نے انصار میں ترجیح قائم کی اور ہمیں سب سے آخر میں رکھا؟ حضرت سعدؓ نبی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات عرض کی تو آپؐ نے فرمایا کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا شمار بہترین قبائل میں آیا؟ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ بات ابو اسید نے کہی تھی، حضرت سعدؓ نے نہیں کہی تھی، حضرت سعدؓ تو یہ بات لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے، نبیؐ نے ان کو مطمئن کیا کہ بہترین قبائل میں تمہارا شمار آ گیا، امتیازی پوزیشن تم نے حاصل کر لی، اب کیا چاہتے ہو؟

**کلمات حدیث کی تشریح** خیر دور الانصار امام نوویؒ نے فرمایا کہ انصار کے قبائل میں افضلیت کا یہ فرق سبقت اسلام میں تقدم و تاخر کی وجہ سے ہے، نیز وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قبائل و اشخاص میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دینا جبکہ یہ عداوت یا خواہش نفسانی کیوجہ سے نہ ہو جائز ہے اور نہ ہی یہ غیبت شمار ہوگی، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں پہلا "خیر" افضل کے معنی میں ہے، جبکہ دوسرا افضل کے معنی میں ہے یعنی خیر و بھلائی تمام انصار کے قبائل کو حاصل ہے، اگرچہ انکے مراتب متفاوت ہیں (مرقات) جیسا کہ حدیث کے آخر میں ہے "وفی کل دور الانصار خیر"۔ اس روایت میں دور کا لفظ آیا ہے، مراد اس سے قبائل ہیں دراصل ہر ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ محلہ میں رہتا تھا، اسلئے وہ محلہ دار بنی فلاں وغیرہ کے نام

سے موسوم ہوتا تھا، چونکہ دور سے مراد قبائل ہیں، اسلئے بعض دیگر روایات میں صرف بنی فلاں کا لفظ بغیر دور کے بھی آیا ہے۔

**حدیث نمبر ۳۰۱۸ ﴿اهل بدر کی مغفرت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۵**

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَأَبَا مَرْثَدٍ بَدَلَ الْمِقْدَادِ فَقَالَ انْطَلِقُوا حَتّٰى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا ظَعِيْنَةً مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوْهُ مِنْهَا فَانْطَلَقْنَا تَتَعَادٰى بِنَا خَيْلُنَا حَتّٰى أَتَيْنَا إِلَى الرَّوْضَةِ فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِيْنَةِ فَقُلْنَا أَخْرِجِي الْكِتَابَ قَالَتْ مَا مَعِيَ مِنْ كِتَابٍ فَقُلْنَا لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَتُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا فَأَتَيْنَا بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا فِيْهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِيْ بَلْتَعَةَ إِلٰى نَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَاطِبُ مَا هٰذَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ إِنِّيْ كُنْتُ امْرَءًا مُلْصَقًا فِيْ قُرَيْشٍ وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لَهُمْ قَرَابَةٌ يَحْمُوْنَ بِهَا أَمْوَالَهُمْ وَأَهْلِيْهِمْ بِمَكَّةَ فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِيْ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيْهِمْ أَنْ أَتَّخِذَ فِيْهِمْ يَدًا يَحْمُوْنَ بِهَا قَرَابَتِيْ وَمَا فَعَلْتُ كُفْرًا وَلَا ارْتِدَادًا عَنْ دِيْنِيْ وَلَا رِضًى بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى (يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ). (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری، ص ۹۲۵ ج ۲، باب من نظر فی کتاب من یحذر علی المسلمین الخ، کتاب الاستیذان، حدیث ۶۲۵۹؛ بخاری، ج ۲، باب غزوة الفتح، کتاب المغازی، حدیث ۴۲۷۴؛ مسلم، ص ۳۰۲ ج ۲، باب من فضائل اهل بدر، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۹۴

**حل لغات:** ظَعِيْنَةٌ پالکی میں بیٹھی ہوئی عورت (ج) ظَعَائِنُ۔ يَتَعَادٰى تعادى تعاديًا مسلسل تیزی سے دوڑنا (تفاعل) عَدَا (ن) عَدْوًا دوڑنا۔ خَيْل گھوڑے (ج) أَخْيَال و خيول۔ لَتُلْقِيَنَّ أَلْقَى الثَّوْبَ کپڑے اتارنا (إفعال)۔ عِقَاص عقْصَة کی جمع ہے، چوٹی یا جوڑا۔ لَا تَعْجَلْ عَجِلَ (سمع) عَجَلًا جلدی کرنا۔ مُلْصَقًا ملحق متصل؛ چسپاں، أَلْصَقَ إِلْصَاقًا چپکانا، جوڑنا (افعال)۔ قَرَابَةٌ رشتہ داری، آپس داری۔ يَحْمُوْن حَمَى (ضرب) حَمْيًا و حِمَايَةً حفاظت کرنا، بچانا۔ يَدًا احسان وانعام جو دوسروں پر کیا جائے (ج) أَيْدٍ، أَيَادٍ۔ اِرْتِدَاد ارْتَدَّ عن دينه مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا؛ شرعاً مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جانا۔ شَهِدَ المَجْلِس (س) شَهَادَةً مجلس میں آنا، شریک ہونا۔

**ترجمه:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زبیر اور مقداد کو (اور ایک روایت میں مقداد کی جگہ ابو مرثد کا نام ہے) حکم دیا کہ تم روضہ خاخ پر جاؤ وہاں ایک عورت ہے جو اونٹ پر کجاوے میں سوار ہے اس کے پاس ایک خط ہے تم اس سے وہ خط لے آؤ، چنانچہ ہم اپنے گھوڑوں کو تیزی سے دوڑا کر چلے، یہاں تک کہ روضہ خاخ پر پہنچ گئے اور وہ عورت ہمیں وہاں مل گئی، ہم نے کہا خط نکال کے ہمیں دے دو، اس عورت نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ یا تو خط تو خود نکال دے ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار لیں گے، آخر اس نے وہ خط اپنی چوٹی میں سے نکال کر دے دیا، ہم اسے لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور دیکھا تو اس میں لکھا تھا حاطب بن بلتعہؓ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام۔ اس خط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معاملات کے متعلق کچھ خبریں درج تھیں جس کی حاطبؓ ان کو خبر دے رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حاطب! یہ کیا ہے؟ حضرت حاطبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرے معاملے میں عجلت سے کام نہ لیجئے، میں ایک ایسا شخص ہوں جو قریش میں آبسا ہوں، لیکن میں ان میں شامل نہیں ہوں اور جو لوگ مہاجرین میں سے آپؐ کے ساتھ ہیں۔ مکہ والوں سے ان کی قرابت ہے جس کی وجہ سے مکہ کے مشرک ان کے مال اور گھر والوں کی حفاظت کرتے ہیں، میں نے چاہا میری نسبی قرابت قریش میں نہیں ہے، اس لئے میں کوئی احسان کردوں (جس سے وہ خوش ہو جائیں) اور میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں جو مکہ میں ہیں۔ میں نے یہ کام کافر یا مرتد ہونے کی وجہ سے نہیں کیا اور نہ ہی میں نے یہ کام اس لئے کیا کہ اسلام لانے کے بعد کفر سے خوش ہوں، رسول اللہؐ نے یہ سن کر فرمایا حاطب نے تم سے بلاشبہ سچ بات کہہ دی، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا حاطب بدر کے معرکہ میں شریک رہا ہے اور تم حقیقت کو کیا جانو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر والوں پر رحمت فرمائی ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جو چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی، اور ایک روایت میں ہے میں نے تمھیں بخش دیا ہے اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، "یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء" (اے ایمان والو تم اپنے اور میرے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ)۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس روایت میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے اہل مکہ کے خط ارسال کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہؐ نے مشرکین کے ساتھ دس سال کے لئے صلح کی، لیکن ابھی اس صلح کے دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ مشرکین نے اس صلح کے خلاف ورزی کی۔ اہل مکہ نے تجدید صلح کی کوشش کی، لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے اور حضور اکرمؐ نے خفیہ طور پر مکہ پر لشکر کشی کی تیاری شروع کردی۔ تیاری کا یہ سلسلہ چل رہا تھا اور اس کو اخفا رکھا جا رہا تھا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مشرکین کے نام ایک خط لکھا، اس خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا کہ "حضور اکرمؐ ایک لشکر جرار لے کر آرہے ہیں، جس کے غبار سے اتنا اندھیرا چھا جائے گا، جیسا کہ رات کا اندھیرا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں گے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی مدد فرمائیں گے اور ان کو کامیابی عطا فرمائیں گے، تم اپنا انتظام کرلو۔ والسلام۔ خط کے مضمون میں کوئی ایسی بات نہ تھی، جس سے مسلمانوں کو نقصان کا خدشہ ہو، بلکہ خط کا مضمون مشرکین مکہ کو مرعوب کرنے کے لئے ایک اچھا ذریعہ تھا، لیکن چوں کہ اس میں رسول اکرمؐ کے راز کا افشا بہرحال ہوا تھا، اس لئے آپ کو وحی کے ذریعہ سے اطلاع ہوگئی اور وہ خط مکہ نہ پہنچ سکا، حضرت حاطبؓ مکہ کے باشندہ نہیں تھے اور ان کے اہل وعیال مکہ میں تھے، وہاں ان کے خاندان کے افراد نہیں تھے جو ان کے اہل وعیال کی حفاظت کرتے، اس لئے انھوں نے خط لکھا تاکہ اہل مکہ پر ان کا احسان ہوجائے جس کی وجہ سے وہ ان کے بچوں کی حفاظت کریں گے۔ خط لکھنے کا مقصد مسلمانوں سے عداوت یا ان کا راز فاش کرنا نہیں تھا اور نہ نفاق کی وجہ سے انھوں نے ایسا کیا تھا، چنانچہ جب انھوں نے حضور اکرمؐ کے سامنے اصل وجہ بتائی تو آپؐ نے تصدیق فرمائی۔ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب رسول اللہؐ نے حاطب بن ابی بلتعہ کی تصدیق فرمائی تو اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کو "منافق" کہا اور ان کی گردن مارنے کی اجازت مانگی، بظاہر حضرت عمرؓ حضور اکرمؐ کی مخالفت کر رہے ہیں، اس اشکال کے جواب دیئے گئے ہیں۔ علامہ قسطلانیؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ ایک تو حضرت عمرؓ کفر و نفاق کے بارے میں سخت تھے اور بہت تشدد کا رویہ رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ شخص زبان سے اسلام کا تو اظہار کر رہا ہے لیکن اس کے دل میں کفار کے ساتھ تعلق اور محبت موجود ہے، تب ہی تو اس نے خط لکھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کو خائن اور منافق کہا۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** ابا مرثد الغنوی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت مقدادؓ کو بھیجا، دوسری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ابومرثدؓ کو بھیجا، تو یہ بظاہر تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے چار آدمیوں کو روانہ فرمایا تھا، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ابومرثدؓ۔ تو بعض روایات میں ابومرثد کا ذکر ہے، مقداد کا نہیں اور بعض میں حضرت مقداد کا ذکر ہے ابومرثد کا نہیں ہے، یہ تعارض نہیں روایت بیان کرنے والوں نے کبھی کسی کو ذکر کیا، کسی کو ذکر نہیں کیا۔ روضة خاخ مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ کے راستے میں واقع ہے۔ ظعینة جو عورت اونٹ پر سوار ہو کر سفر پر نکل جائے اس کو ظعینہ کہتے ہیں، اس عورت کا نام سارہ تھا، قریش کی آزاد کردہ عورتوں میں سے ایک تھی۔ یتعادی دوڑنے اور دوڑانے کے معنی میں آیا ہے۔ لتلقین اس عورت نے خط ہونے کا انکار کیا تو صحابہ نے اس سے کہا کہ تم خود ہی خط نکال دو ورنہ ہم تمہارے کپڑوں کی تلاشی لیں گے؛ کیوں کہ حضورؐ کا فرمان جھوٹا نہیں ہوسکتا ہے، تم جھوٹ بولتی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا ایمان اتنا مضبوط تھا کہ آنحضرتؐ کے فرمان کے سامنے کسی چیز کو قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ من عقاصها سر کی چوٹی کے بالوں کے گچھے کو کہتے ہیں، امرأ القیس نے اپنی محبوبہ کے بارے میں کہا "غدائرها مستشزرات الی العلی - تضل العقاص فی مثنی و مرسل". ایک روایت میں ہے کہ "خرجته من حجزتها" یعنی اپنے پچھلے حصہ دبر کے پاس نرم کمر سے خط نکال کر دیا۔ (توضیحات) بظاہر روایت میں تعارض محسوس ہو رہا ہے اس تعارض کو دور کرنے کے لئے مختلف توجیہات کی گئی ہیں: (۱) ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ شروع میں خط "عقاص شعر" (بالوں کے جوڑے) میں تھا، بعد میں وہاں سے منتقل کر کے مقعدِ ازار میں رکھ لیا تھا۔ (۲) دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے پاس دو خط ہوں، ایک وقاص شعر میں اور ایک مقعد ازار میں۔ (۳) تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ "حجزة" کے معنی مطلقاً ماخذ اور مقعد کے ہیں، خواہ وہ بالوں کا مقعد ہو یا ازار کا مقعد ہو۔ (۴) اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ دراصل اس عورت کے بال بہت لمبے تھے، تو اس عورت نے اولاً خط کو بٹے ہوئے بالوں میں رکھا اور بالوں کے خط والے حصہ کو پھر مقعد ازار میں چھپا دیا، تو خط بالوں کے جوڑے سے بھی برآمد ہوا اور مقعد ازار سے بھی۔ ایک روایت میں بالوں کے جوڑوں سے برآمد ہونے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں مقعد ازار سے برآمد ہونے کا ذکر ہے اور برآمد دونوں سے ہوا، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ (کشف الباری) اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم یہ اللہ جل شانہ نے اہل بدر کے بارے میں فرمایا کہ جو چاہو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

**ایک اشکال اور اس کا جواب:** یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل بدر کو تکالیفِ شرعیہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے؟ اس روایت کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، حالاں کہ اہل بدر تکالیف شرعیہ سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ (۱) اس کا ایک جواب حافظ ابن حجرؒ اور دوسرے شراح نے یہ دیا ہے کہ "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" کا تعلق ذنوب ماضیہ سے ہے کہ اہل بدر سے ماضی میں جو گناہ صادر ہوئے تھے، اللہ فرماتے ہیں میں نے ان گناہوں کو معاف کر دیا، لیکن پھر اشکال ہوا ہے "اعملوا" امر کا صیغہ ہے جو مستقبل کے لئے آتا ہے، آپ اس کو "ذنوب ماضیہ" پر کیسے محمول کر سکتے ہیں؟ لیکن وہ کہتے ہیں کہ "فقد غفرت لکم" کے الفاظ اس کی دلیل ہے کیوں کہ "غفرت" ماضی کا صیغہ ہے۔ لیکن یہ جواب ضعیف ہے؛ کیوں کہ حضرت حاطبؓ کا یہ واقعہ تو بدر کے چھ سال بعد کا ہے اور اس موقع پر آپ فرما رہے ہیں "لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا تعلق امور مستقبلہ سے ہے۔ رہی یہ بات کہ "فقد غفرت لکم" ماضی کا صیغہ کیوں استعمال کیا تو اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ماضی کا صیغہ تحقیق اور تیقن کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ (فتح الباری، ص ۳۰۵ ج ۷) کہ جو گناہ مستقبل میں ہوں گے وہ یقیناً بخش دیئے جائیں گے، اور یہ مغفرت بالکل قطعی اور یقینی ہے جیسا کہ ماضی قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ (۲) دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ خطاب

تشریف اور تکریم کیلئے ہے دفع تکلیف اس سے مراد نہیں، مقصود یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل بدر کے ذنوب ماضیہ تو معاف کر ہی دیئے اور مستقبل میں انسے صادر ہونے والے گناہوں کے بارے میں اللہ نے ایسی صلاحیت پیدا فرمادی اور انکا ایمان ایسا مضبوط اور قوی فرمادیا کہ اگر بتقاضائے بشریت ان سے آئندہ کوئی گناہ سرزد ہوگا تو وہ فوراً توبہ اور اللہ کی طرف رجوع کر کے استغفار سے اس کا تدارک کردیں گے، تو یہ خطاب تشریف اور تکریم کیلئے ہے، اہل بدر کو تکالیف شرعیہ سے مستثنیٰ قرار دینا مقصود نہیں۔ (فتح الباری، ص۳۰۶ ج ۷)

(۳) بعض حضرات نے کہا کہ اس میں اہل بدر کو عدم وقوع ذنوب کی بشارت دی گئی ہے کہ بدریین سے آئندہ گناہ صادر نہیں ہوں گے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیوں کہ بدری صحابہ میں ایسے افراد بھی ہیں کہ ان سے بدر کے بعد گناہ صادر ہوا، حضرت قدامہ بن مظعونؓ بدری صحابی ہیں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان سے شرب خمر کا گناہ صادر ہوا، چنانچہ ان پر حد جاری کی گئی، اس لئے یہ بات محل نظر ہے۔ (فتح الباری، ص۳۰۶ ج ۷)

**شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی رائے**: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بڑی پیاری بات فرمائی وہ فرماتے ہیں کہ "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" کا تعلق فضائل اور مندوبات سے ہے، فرائض اور واجبات سے اس کا تعلق نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ بیان کیا جاتا ہے تو اس کے لئے عبارت کا ایک خاص اسلوب ہوتا ہے اور جو بات محاورہ کے طور پر کی جاتی ہے، اس کا اسلوب جدا ہوتا ہے۔ اس حدیث میں مسئلہ نہیں بیان کیا جارہا بلکہ اس میں اہل بدر کی قربانی اور جنگ بدر میں شرکت کی عظمت بیان کی جارہی ہے، تو اہل بدر کو یہ خطاب بطور محاورہ کے ہے، یہ مطلب نہیں کہ ان کو فرائض سے مستثنیٰ قرار دیا جارہا ہے۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ آئندہ اہل بدر مندوبات کا اہتمام نہیں کریں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اہل بدر کو فضائل اور مندوبات کا اہتمام کئے بغیر وہ مقام عطا فرمایا ہے جو اہل فضائل کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ (فیض الباری، ص۹۱ ج ۴) یہ بات ذہن میں رہے کہ اہل بدر کے لئے جو بشارت بیان کی گئی ہے اس کا تعلق احکام آخرت سے ہے، احکام دنیا سے اس کا تعلق نہیں۔ دنیا میں اگر کسی بدری سے کوئی غلطی ہوگئی (جیسے قدامہ بن مظعونؓ سے غلطی ہوئی اور انھوں نے شراب پی، چنانچہ ان پر حد جاری کی گئی) تو دنیوی احکام ان پر جاری ہوں گے۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۳۰۱۹ ﴿شرکائے بدر کا مقام﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۶**

وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍؓ قَالَ جَاءَ جِبْرِيْلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا تَعُدُّوْنَ أَهْلَ بَدْرٍ فِيكُمْ قَالَ مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِيْنَ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا قَالَ وَكَذٰلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله**: بخاری، ص۵۶۹ ج ۲، باب شهود الملائكة بدرا، کتاب المغازی، حدیث ۳۹۹۲

**حل لغات**: تَعُدُّوْنَ عَدَّ فُلَانًا صَادِقًا (نصر) عَدًّا کسی کو سچا سمجھنا۔

**ترجمه**: حضرت رفاعہ بن رافعؓ کہتے ہیں کہ جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بدر والوں کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا سب مسلمانوں میں افضل، یا ایسے ہی کوئی کلمہ کہا، حضرت جبرئیلؑ نے کہا اسی طرح وہ فرشتے جو جنگ بدر میں حاضر ہوئے تھے دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ وہ صحابہ کرامؓ جنھوں نے معرکہ بدر میں شریک ہوکر کفر کا کمر توڑ مقابلہ کیا ان کا مرتبہ عند اللہ بمقابلہ دوسرے غزوات میں شریک ہونے والے صحابہؓ سے بہت اونچا اور بلند ہے؛ کیوں کہ شرکاء بدر نے کفر کا اس وقت مقابلہ کیا، جب اسلام بالکل کسمپرسی کے عالم میں تھا، معدودے چند آدمی دامن اسلام سے وابستہ ہوئے تھے اور وہ زمانہ نہایت تنگی اور عسرت کا تھا، پتے کھا کھا کر زندگی بچا رہے تھے، اور بعد میں صحابہ کرامؓ نے جو غزوات لڑے ہیں وہ بھی عند اللہ محبوب

اوراو نچے مرتبے والے ہیں، مگران کے مقابلے میں کم ہیں، شرکاء بدر وہ مقدس نفوس ہیں جن کی مغفرت کا پروانہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دے دیا اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیا۔ علماء کرام کا کہنا ہے کہ شرکاء بدر کے اسماء تلاوت کرنے کے بعد دعا کرنے سے دعا قبول ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس دعا کو رائیگاں نہیں کرتے ہیں۔ (تکمیل الحاجۃ)

**کلمات حدیث کی تشریح** او کلمة نحوها آپ نے "افضل المسلمین" فرمایا یا "خیار المسلمین" فرمایا، جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے۔ یہ راوی کا شک ہے۔ (نصر الباری) كذالك من شهد بدرا من الملائكة بدر میں مسلمانوں کی نصرت وتسلی کے لئے فرشتوں کا نزول قرآنی آیات سے ثابت ہے کہ باری تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار اور آخر میں پانچ ہزار فرشتے میدان جنگ میں اتارے۔ علامہ سہیلیؒ اور امام قرطبیؒ نے تصریح کی ہے کہ وہ سب مردوں کی شکل میں تھے، چنانچہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی روایات میں جن کی سند حسن ہے مذکور ہے کہ فرشتے زرد رنگ کا عمامہ باندھ کر اترے تھے اور شملہ کمر پر لٹک رہا تھا، جب کہ بعض روایات میں سیاہ اور سفید عماموں کا بھی ذکر ہے، لیکن سیوطیؒ کے نزدیک وہ سب ضعیف ہیں، صحیح قول زرد رنگ ہی کا ہے۔ باری تعالیٰ نے "فاضربوا فوق الاعناق واضربوا كل بنان" کی انھیں خصوصی تعلیم دی تھی، اس لئے فرشتوں کے مقتولین صحابہ کے مقتولین سے الگ تھے اور ان کی گردن و پوروں پر آگ کے سیاہ نشان تھے، ملائکہ میں حضرت جبرئیل کی وضاحت تو بخاری "باب شهود الملائكة بدرا" میں موجود ہے جب کہ میکائیل اور اسرافیل کا نام مسند احمد، بیہقی بزاز، ابویعلی اور مستدرک کی روایات میں آیا ہے، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، ان تین کے علاوہ مزید کسی نام کی تصریح نہیں ہے، لیکن یہ بہر حال طے ہے کہ جس طرح صحابہ کرام کی جماعت میں سب سے افضل لوگوں کو یہ شرف حاصل ہوا، اسی طرح فرشتوں میں بھی منتخب اور نہایت مقدس حضرات کو ہی بدر میں بھیجا گیا ہوگا۔ اسی لئے روایت بالا کے مطابق ان کا مقام ملائکہ میں سب سے بلند ہے، مسلمانوں کی نصرت وتقویت اور تکثیر سواد کے لئے فرشتوں کا نزول دوسرے غزوات میں بھی ثابت ہے، جیسا کہ غزوۂ حنین کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "وانزل جنودا لم تروها" لیکن ابن عباسؓ کے بقول انھوں نے قتال صرف غزوۂ بدر ہی میں کیا، مجاہد سے بھی یہی منقول ہے، مگر بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں جبرئیل و میکائیل کا غزوۂ احد میں بھی قتال کرنا مذکور ہے۔ حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کہتے ہیں کہ یہ قتال تمام مسلمانوں کی طرف سے نہ تھا، بلکہ صرف حضورؐ کے لئے تھا۔ اس لئے ابن عباسؓ کا قول بالکل درست ہے۔ (ضیاء السنن)

## حدیث نمبر ۳۰۲۰ ﴿اصحاب بدر و حدیبیہ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۷

وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَأَرْجُو أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَحَدٌ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَّةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا قَالَ فَلَمْ تَسْمَعِيْهِ يَقُوْلُ (ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا). وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَهَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۰۲-۳۰۳ ج ۲، باب من فضائل اصحاب الشجرة، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۲۴۹۶

**حل لغات:** وَارِدٌ آنے والا، وَرَدَ (ضرب) يَرِدُ وُرُوْدًا آنا۔

**ترجمہ:** ام المومنین حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ جو شخص بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا، ان میں انشاء اللہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں، جو دوزخ پر وارد نہ ہو؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کیا تم نے یہ نہیں سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی

فرمایا ہے کہ پھر ہم ان لوگوں کو دوزخ میں جانے سے بچائیں گے، جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا اصحاب شجرہ میں سے کوئی بھی شخص انشاء اللہ دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوگا اور اصحاب شجرہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک اللہ مسلمانوں سے خوش ہوگیا، جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے (جہاد میں ثابت قدم رہنے پر) اخیر آیت تک۔ اس آیت میں بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہے اور اسی بیعت کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے؛ چوں کہ آیت میں حق تعالیٰ نے اس بیعت کے شرکاء سے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا ہے، لہٰذا اصحاب شجرہ میں سے انشاء اللہ کوئی جہنم میں نہیں جائے گا، اس بیعت کے شرکاء کی مثال شرکاء غزوۂ بدر کی سی ہے۔ جیسا کہ ان کے متعلق قرآن وحدیث میں رضاالٰہی اور جنت کی بشارتیں ہیں، اسی طرح شرکاء بیعت رضوان کے لئے بھی یہ بشارت آئی ہے، یہ بشارتیں اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہوگا؛ کیوں کہ رضائے الٰہی کا یہ اعلان اسی کی ضمانت ہے۔ (نصر الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** الحدیبیۃ اس حدیث میں اہل بدر کے ساتھ حدیبیہ اور اصحاب شجرہ یعنی بیعت رضوان کرنے والوں کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔

**غزوۂ حدیبیہ:** تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ میں اور میرے اصحاب کی ایک جماعت امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں اور عمرہ ادا کیا ہے، جب آپ نے صحابہؓ کے سامنے اس خواب کا ذکر کیا، تو صحابہ جو مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کی محبت سے پہلے ہی سے اس بات کے خواہش مند تھے کہ وہاں جائیں اور طواف وعمرہ کریں، وہاں جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ چنانچہ حضور اقدسؐ یکم ذی قعدہ بروز پیر ۶ھ صحابہ کو لے کر بقصد عمرہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہشام بن عروہ نے ماہِ شوال میں آپ کی روانگی نقل کی ہے، لیکن یہ درست نہیں، صحیح قول اول ہی ہے۔ آپ کے ساتھ کتنے صحابہ تھے؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں، تیرہ سو سے لے کر اٹھارہ سو تک تک کی تعداد نقل کی گئی ہے۔ خود بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں چودہ سو اور عبداللہ ابن ابی اوفی کی روایت میں تیرہ سو کا عدد منقول ہے، البتہ مشہور قول چودہ سو کا ہے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے احرام باندھا اور بسر بن سفیان کو آپ نے جاسوس بناکر آگے بھیجا کہ وہ قریش کے حالات کی خبریں لیں اور ہمیں بتائیں کہ ان پر ہمارے سفر کا ردعمل کیا ہے، جب آپؐ غدیر اشطاط" پر پہنچے تو بسر بن سفیان نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ قریش لشکر جمع کررہے ہیں اور انھوں نے یہ تہیہ کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، قریش نے مقدمۃ الجیش کے طور پر حضرت خالد بن ولید کو دو سو سواروں کا دستہ دے کر مسلمانوں کی طرف بھیجا، حضرت خالد بن ولید جب مقام غمیم تک پہنچے تو حضور اکرم کو ان کی آمد کا علم ہوا، چنانچہ آپ نے وہ راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر سفر شروع کیا۔ مکہ مکرمہ کے قریب جب ایک مقام پر آپ پہنچے تو وہاں آپ کی اونٹنی "قصواء" بیٹھ گئی اس کو اٹھانے کی بڑی کوشش کی گئی، لیکن وہ کسی طرح اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔ صحابہ نے کہا "خلأت القصواء خلأت القصواء"، یعنی قصواء اڑگئی۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا "ما خلأت القصواء وما ذاك لها ولكن حبسها حابس الفيل" اس کے بعد آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں قریش کی ہر اس بات کو قبول کروں گا جس میں حرم کی تعظیم ہو۔ اس کے بعد قصواء کو اٹھایا تو اٹھ کر چلنے لگی اور حدیبیہ میں جاکر آپ نے قیام فرمایا۔ حدیبیہ میں ایک کنواں تھا جس میں تھوڑا بہت پانی تھا وہ مسلمانوں کے پہلے ہی استعمال سے ختم ہوگیا، پانی کی قلت ہوئی جب کہ شدید گرمی کا زمانہ تھا، صحابہؓ نے آپ سے پانی کی کمی کی شکایت کی، آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر دیا کہ اسے اس کنوئیں میں گاڑ دو، صحابہؓ نے حکم کی تعمیل کی جس کی وجہ سے اس کنوئیں میں اس قدر پانی آگیا کہ سب لوگ سیراب ہونے لگے۔ حدیبیہ سے حضرت خراش بن امیہ خزاعیؓ کو آپ نے اہل مکہ کی طرف

بھیجا کہ جا کر ان سے کہہ دو کہ ہم فقط عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، جنگ کرنا ہمارا مقصود نہیں۔ مطلب آپؐ کا یہ تھا کہ بیت اللہ پر تو کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، آخر تمام عرب آتے ہیں، عمرہ اور حج کرتے ہیں، تو ہم بھی اگر عمرہ کے لئے آگئے تو روکنے کی کیا وجہ ہے؟ خراش بن امیہ مکہ گئے قریش نے ان کا اونٹ ذبح کر دیا اور انھیں قتل کرنا چاہا، لیکن درمیان میں کچھ لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا کر انھیں چھڑایا، وہ کسی طرح نکل کر حضور اقدسؐ کے پاس پہنچے اور آپؐ کو تمام قصے سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عمرؓ کو اہل مکہ کے پاس بھیجنا چاہا، لیکن حضرت عمرؓ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ اہل مکہ کا میرے ساتھ جو بغض اور دشمنی ہے وہ آپ کو معلوم ہے اور مکہ میں میرا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے، جس کے ہاں میں پناہ لوں، اگر حضرت عثمانؓ کو آپ بھیج دیں تو زیادہ بہتر ہوگا! کیوں کہ مکہ میں ان کے کافی رشتہ دار موجود ہیں۔ حضور اقدسؐ نے حضرت عثمانؓ کو پیام دے کر روانہ فرمایا۔ حضرت عثمانؓ تشریف لے گئے اور مکہ میں ابان بن سعید کے ہاں ٹھہرے، قریش سے بات کی لیکن قریش حضور اکرمؐ کے مکہ مکرمہ میں داخلے پر راضی نہ ہوئے، البتہ انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ اگر چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں، لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ آپؐ کے بغیر میں طواف نہیں کروں گا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو مکہ میں روکے رکھا اور عام طور پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ (کشف الباری)

**بیعت رضوان:** حدیبیہ میں فریقین کے لوگ موجود تھے کسی نے ایک فریق پر تیر پھینک دیا، بس دونوں طرف سے تیر اور پتھر چلنے لگے۔ رسول اللہ کو کسی نے خبر دی کہ حضرت عثمانؓ کو کفار نے قتل کر دیا، حضورؐ اس وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، صحابہؓ آپ کے پاس جمع ہونا شروع ہوئے۔ آپؐ نے سب مسلمانوں سے بیعت لی اس بات پر کہ اگر لڑائی شروع ہو جائے تو کوئی شخص فرار نہ ہو۔ سب سے پہلے ابو سنان الاسدیؓ نے بیعت کی اور سلمہ بن الاکوعؓ نے تین دفعہ بیعت کی، شروع میں وسط میں اور پھر آخر میں۔ جس قدر مسلمان موجود تھے سب نے بیعت کی سوائے ایک شخص کہ وہ یعنی حضرت عثمانؓ تھے جو کہ اس وقت وہاں موجود نہ تھے، اس لئے آپؐ نے ایک ہاتھ کو کہا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور اس پر دوسرا ہاتھ رکھ کر حضرت عثمانؓ کی بیعت لی۔ بیعت تمام ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ آئے، صحابہؓ نے کہا اے ابا عبد اللہ! تم نے تو بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ انھوں نے کہا یہ تم لوگوں نے میرے ساتھ بڑی سخت بدگمانی کی، خدا کی قسم اگر ہمیں ایک سال تک موقع ملتا اور رسول اللہؐ حدیبیہ میں رکے رہتے، تو میں بغیر رسول اللہؐ کے طواف نہ کرتا، قریش نے مجھ سے طواف کے لئے کہا، مگر میں نے انکار کر دیا۔ (اصح السیر)



**صلح حدیبیہ کے لئے گفت و شنید:** قریش کو جب بیعتِ رضوان کا علم ہوا، تو مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے، اور صلح کے لئے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا، چنانچہ بدیل بن ورقاء قبیلہ خزاعہ کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، یہ رسول اللہؐ کے مخلصین میں سے تھے، بعض کہتے ہیں کہ یہ پوشیدہ مسلمان تھے اور بعض کہتے ہیں کہ مسلمان تو نہ تھے لیکن اہل مکہ کی باتوں سے رسول اللہؐ کو مطلع کر دیا کرتے تھے، اور ان کا قبیلہ خزاعہ بھی جو اہل تہامہ میں سے تھا، رسول اللہؐ کا طرفدار تھا۔ بدیل نے آکر بیان کیا کہ قریش نے نواحی حدیبیہ میں عظیم لشکر جمع کیا ہے اور انھوں نے آپ کو بیت اللہ سے روکنے اور مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں، صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں، لڑائی نے قریش کو نہایت کمزور کر دیا ہے، اگر وہ چاہیں تو ایک مدت کے لئے مصالحت کر کے جنگ روک سکتے ہیں، ہم کو دوسرے مشرکین عرب کے مقابل چھوڑ دیں، اگر اللہ کے فضل سے ہم غالب ہوئے تو وہ دوسرے لوگوں کی طرح اس دین میں داخل ہو سکتے ہیں اور اگر بالفرض عرب غالب آئے تو ان کا مقصد حاصل ہو جائے گا، لیکن میں تم سے یہ کہے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس دین کو غالب کر کے رہے گا، اور اگر اس بات کو نہ مانیں تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس دین کے لئے ہم ان سے اس وقت تک مقابلہ کریں گے کہ یا تو میری گردن نہ

رہے گی، یا خدا کا حکم نافذ ہو کر رہے گا۔ بدیل نے کہا کہ میں جاتا ہوں، آپ کا کلام قریش تک پہنچاتا ہوں، دیکھئے وہ کیا کہتے ہیں؟ اس کے بعد وہ قریش کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ باتیں سنی ہیں، اگر اجازت دو تو بیان کروں، اس پر عکرمہ بن ابی جہل اور حکم بن العاص وغیرہ نو جوانوں نے کہا کہ ان کی باتوں کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم سننا نہیں چاہتے، لیکن قریش کے معمر اور اہل الرائے لوگوں نے کہا کہ کہو وہ کیا ہے؟ انھوں نے جو کچھ حضورؐ سے سنا تھا بیان کر دیا، اس پر عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا کہ اگر یہ باتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہیں تو پسندیدہ اور مناسب ہیں اور قبول کرنی چاہئے، مگر اجازت دو کہ ہم خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر دیکھیں کہ ان کی غرض کیا ہے اور مصلحت کیا ہے؟ عروہ بن مسعود بڑے معزز اور ذی اثر شخص تھے، ان کے تعلقات بڑے وسیع تھے، اس وقت کافر تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ سب نے کہا کہ ہاں تم جاؤ۔ یہ حضورؐ کی خدمت میں آئے، حضورؐ نے ان سے وہی کہا جو بدیل سے کہا تھا، عروہ نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے اگر اپنی قوم کو تباہ بھی کر دیا تو کون سا اچھا کام کیا، کیا اس سے پہلے کسی عرب کو تم نے سنا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو اس طرح تباہ کیا ہو، اور ہم تو کسی شریف کو تمہارے پاس نہیں دیکھتے، یہ اطراف کے اوباش جمع ہو گئے ہیں، زیادہ دن نہیں گزریں گے کہ یہ سب تم کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ عروہ کی یہ بات حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ناگوار گزری، آپؓ نے غصہ میں کہا، امصص بظر اللات أنفرّ عنه و ندعه یعنی تو جا کر اپنے لات کی پیشاب گاہ چاٹ، تو کیا جانے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت ہے، کیا ہم لوگ رسول اللہؐ سے بھاگ جائیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے؟ ناممکن ہے۔ لات قبیلہ ثقیف کے بت کا نام تھا، عربوں میں یہ سخت گالی تھی عروہ کو حیرت انگیز تکلیف ہوئی، اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ابوبکر! عروہ نے کہا کہ تمہارا ہم پر احسان ہے جس کا بدلہ ہم نے ادا نہیں کیا ہے، یہ نہ ہوتا تو ہم تم کو اس سخت کلامی کا جواب بتا دیتے۔ ایام جاہلیت میں عروہ پر ایک دفعہ دیت لازم ہو گئی تھی، اور حضرت صدیقؓ نے دس جوان گائیں دے کر اس کی امداد کی تھی، یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ عروہ یہ کہہ کر پھر حضورؐ سے گفتگو میں مشغول ہو گیا، جب یہ گفتگو کر رہا تھا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ خود پہنے ہوئے تھے اور تلوار لئے ہوئے کھڑے تھے، عروہ جب بات کرتا تو رسول اللہؐ کی ڈاڑھی مبارک پر ہاتھ لے جاتا جیسا کہ عام عربوں کا قاعدہ تھا، حضرت مغیرہ تلوار سے عروہ کے ہاتھ پر مارتے کہ ہاتھ رسول اللہ کی ڈاڑھی سے الگ رکھ۔ عروہ نے سر اٹھا کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے، عروہ نے کہا او غدار! میں نے تیرے غدر کی اصلاح کے لئے کوشش کی اور اب تک کر رہا ہوں اور تیرا یہ سلوک ہے؟ عروہ کا اشارہ اس طرف ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ اور بنی مالک کے تیرہ آدمی مقوقس کے پاس اسکندریہ گئے تھے، (بنی مالک قبیلہ ثقیف کا جزو تھا) وہاں مقوقس نے مغیرہ پر ان لوگوں کو ترجیح دی اور انعامات دیئے۔ اس سے مغیرہ کو بڑا ملال ہوا راستہ میں ایک روز شراب پی کر وہ سب غافل ہوئے تھے، انھوں نے سب کو قتل کر دیا اور ان سب کا مال و اسباب لے کر مدینہ چلے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام تو تمہارا صحیح ہے، مگر اس مال سے ہمیں کوئی سروکار نہیں، یہ خبر جب بنی مالک کو ملی تو وہ مغیرہ کے خاندان سے قصاص لینے لئے مستعد ہو گئے، جنگ کا سامان ہو گیا تھا، مگر عروہ بن مسعود نے بیچ میں پڑ کر بنی مالک کو دیت پر راضی کر لیا، یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ عروہ اس طرح باتیں کر رہا تھا، مگر پرانا تجربہ کار شخص تھا گوشہ چشم سے اصحاب رسول اللہؐ کو خوب جانچ رہا تھا، اور صحابہ کی تعظیم و تکریم سے حیران تھا، لوٹ کر گیا تو کہا اے معشر قریش! میں قیصر و کسریٰ کے پاس بھی گیا ہوں، اور ان کے آداب بھی دیکھے ہیں، مگر بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب محمد کی تعظیم کرتے ہیں۔ اگر ان کا تھوک ان کے ہاتھ پر پڑ جائے تو یہ اس کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتے ہیں، کوئی بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے نکلتی ہے، تو سب اس کو پورا کرنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں، وضو کرتے ہیں تو غسالہ کا پانی لینے کے لئے اس طرح کوشش کرتے ہیں کہ گویا لڑ جائیں گے۔ محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) سے بولتے ہیں تو نیچی آواز سے، تعظیم اور جلالت شان کی وجہ سے کبھی نظر نہیں ملاتے اور اے قریش محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی بیجا بات نہیں کی ہے، جو کچھ وہ کہتے ہیں مناسب ہے مان لو۔ اس کے بعد بنی کنانہ کے ایک شخص نے جس کا نام حلیس تھا (بصیغہ تصغیر) اٹھ کر کہا اجازت دو ذرا ہم محمدؐ سے بات کر کے دیکھیں۔ قریش نے اجازت دی، یہ شخص جب حضورؐ کو سامنے سے نظر آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے، اس کی قوم قربانی کی دلدادہ ہے، قربانی کے جانور اس کے سامنے لاؤ، صحابہ لبیک کہتے ہوئے اس کے استقبال کو گئے، اور ہدی کے جانور کو اس کے سامنے ہنکا دیا، اس نے جب دیکھا کہ وادی کی طرف سے اونٹوں کا ایک سیلاب آ رہا ہے، اور سب کے گلے میں قلادہ پڑے ہوئے ہیں، تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، اور اس نے کہا سبحان اللہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ایسی قوم کو بیت اللہ سے روکا جائے، یہ حضورؐ سے ملا بھی نہیں اور لوٹ گیا، قریش سے جا کر حال بیان کیا، قریش نے کہا تو اعرابی ہے تجھ کو علم نہیں بیٹھ جا، حلیس کو اس پر بڑا غصہ آیا، اس نے کہا اے قریش ہمارا تمہارا یہ معاہدہ نہیں ہے، نہ اس پر ہم حلیف ہوئے ہیں، کیا خدا کے گھر سے اس شخص کو روکا جائے گا جو اس کی تعظیم کے لئے آ رہا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں حلیس کی جان ہے تم محمدؐ کو موقع دو کہ وہ جو کرنا چاہتے ہیں کریں، ورنہ ہم تمام احابش یعنی گروہوں کو سنے کر جاتے ہیں، قریش نے حلیس کی دلداری شروع کی اور کہا ذرا تم چپ رہو اور ہم کو محمدؐ سے مناسب فیصلہ کر لینے دو۔ اس کے بعد بکر بن حفص آیا، رسول اللہؐ نے دیکھا تو فرمایا یہ بکر بن حفص ہے، فاجر شخص ہے، اس نے باتیں شروع ہی کی تھیں کہ سہیل بن عمرو آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ ہاں اب قریش نے اس شخص کو بھیجا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ارادہ صلح کا ہے۔ سہیل بن عمرو آیا تو بناء صلح پر گفتگو شروع ہوئی، حضورؐ نے فرمایا کہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل نہ ہو، تاکہ بیت اللہ کا طواف کر سکیں۔ سہیل نے کہا کہ سارا عرب یہ کہے گا کہ ہم نے ڈر سے تم کو چھوڑ دیا، یہ نہیں ہو سکتا، ہاں آئندہ سال آ کر تم طواف کر سکتے ہو۔ حضورؐ نے اس کو مان لیا، سہیل نے پھر یہ شرط پیش کی کہ قریش کا کوئی شخص بلا اذن اپنے ولی کے تمہارے پاس جائے تو گو وہ تمہارے دین پر ہو، اس کو ہماری طرف واپس کر دینا ہوگا، اور تمہارا کوئی شخص قریش کے پاس جائے تو وہ واپس نہیں کریں گے۔ صحابہ نے کہا سبحان اللہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے گا اس کو ہم کیوں واپس کریں گے، مگر حضورؐ نے اس شرط کو بھی قبول کر لیا جب یہ شرائط طے ہو گئے تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو تحریر معاہدہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ سب سے پہلے لکھو بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، چوں کہ عرب کا دستور یہ تھا کہ سرنامہ پر بسمك اللّٰھم لکھا کرتے تھے، اس بنا پر سہیل نے کہا کہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں جانتا، جو طریقہ تحریر کا ہم میں چلا آتا ہے بسمك اللّٰھم لکھو۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا بسمك اللّٰھم لکھو، اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ لکھو ھذا ما قاضی علیه محمد رسول اللّٰہ یعنی وہ عہد نامہ ہے جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے۔ سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ کی مخالفت کرتے، آپ صرف محمد بن عبداللہ لکھوائیں (صلح نامہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہونا چاہئے جو کسی فریق کے عقیدے کے خلاف ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم نے میری تکذیب کی ہے، پھر اس کو منظور فرما کر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا میں تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتا کہ آپؐ کے نام کو مٹا دوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا وہ جگہ دکھلاؤ جہاں تم نے رسول اللہ لکھا ہے حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر وہ جگہ بتائی، آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو مٹایا، اس کے بعد روایات مختلف ہیں بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے محمد بن عبداللہ لکھا اور بعض روایتوں میں ہے۔ کہ حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ محمد بن عبداللہ لکھو، قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ بطور معجزہ حضورؐ نے خود لکھا۔ اور شیخ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ بعض روایتوں میں جو فکتب رسول اللّٰہ کا لفظ آیا ہے، وہ امر بالکتابة یعنی کتابت کا حکم دیا مراد ہے، جیسا کہ کتب الی قیصر و کسریٰ میں اسناد مجازی ہے اس لئے کہ

نصوص قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ سے نبی اکرم ﷺ کا امی ہونا واضح ہے اور اس واقعہ میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے صلح نامہ لکھوانا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے، لیکن اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں کہ بطور معجزہ آپؐ نے اپنے قلم سے لکھ دیا ہو واللہ اعلم۔ شرائط حسب ذیل تھے:

**شرائط صلح:** (۱) دس سال تک لڑائی موقوف رہے گی۔ (۲) قریش میں کا جو شخص بغیر اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا، اگرچہ مسلمان ہو کر جائے۔ (۳) اور جو شخص مسلمانوں میں سے مدینہ سے مکہ آجائے تو اس کو واپس نہ کیا جائے گا۔ (۴) اس درمیان میں کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔ (۵) محمد صلی اللہ علیہ وسلم امسال بغیر عمرہ کئے واپس ہو جائیں گے مکہ میں داخل نہ ہوں گے، سال آئندہ صرف تین دن مکہ میں رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں گے، اور سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہوں گے اور تلواریں بھی نیام یا غلاف میں ہوں گی۔ (۶) قبائل متحدہ کو اختیار ہے کہ جس کے معاہدہ اور صلح میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو جائیں بنوخزاعہ آپ کے عہد میں اور بنوبکر قریش کے عہد میں شریک ہو گئے۔ صلح نامہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ اسی سہیل بن عمرو کے صاحبزادے ابوجندل بن سہیلؓ پابزنجیر قید سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ مسلمان تھے کفارِ مکہ طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے، زنجیروں میں باندھ رکھا تھا، کسی طرح موقع پا کر اس وقت یہاں پہنچ گئے، ان کو دیکھتے ہی سہیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ابوجندلؓ کو صلح نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تو صلح نامہ پورا لکھا نہیں گیا ہے، یعنی لکھے جانے اور دستخط ہو جانے کے بعد اس پر عمل شروع ہونا چاہئے، سہیل نے کہا تب تو قطعاً کسی بات پر ہرگز صلح نہیں ہو سکتی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کو میری خاطر اجازت دے دو۔ سہیل نے کہا میں ہرگز اجازت نہ دوں گا، بالآخر آپؐ نے ابوجندلؓ کو سہیل کے حوالے کر دیا، حضرت ابوجندلؓ نے حسرت بھرے الفاظ میں کہا اے گروہِ اسلام ہم کو دشمن کے حوالے کر رہے ہو، حالاں کہ ہم جیسی مصیبتیں جھیل چکے ہیں تم اس سے واقف ہو۔ اس وقت مسلمانوں کے اضطراب کا جو عالم ہو گا وہ ظاہر ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوجندل صبر کرو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ عنقریب تمہاری نجات کی کوئی صورت نکالے گا، مگر عام مسلمانوں کو ان کی واپسی شاق گزری، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ آپؐ نے فرمایا بیشک۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ آپؐ نے فرمایا میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں، اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین و مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور ان سے ٹھیک یہی سوالات کئے اور انہوں نے بھی ٹھیک وہی جوابات دیئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے، اور زیادہ کہا کہ اے عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مستحکم رہو، جب تک موت نہ آجائے خدا کی قسم وہ حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ بعد میں میں اپنی اس گستاخی پر بہت نادم ہوا، اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے اور صدقہ اور خیرات کی۔

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس شرط پر کیسے صلح کی جائے کہ ہم میں سے جو ان کی طرف چلا جائے تو اس کو واپس نہ کیا جائے، آپؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص ہم میں کا ان سے جا ملے، ہمیں اس کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان میں کا جو شخص مسلمان ہو کر ہماری طرف آئے گا تو اگرچہ از روئے معاہدہ واپس کر دیا جائے گا، لیکن گھبرانے کی بات نہیں اللہ تعالیٰ قریب ہی میں اس کے لئے نجات کی کوئی صورت ضرور پیدا فرمائے گا، الغرض ان شرائط کے ساتھ صلح نامہ مکمل ہو گیا، اور فریقین کے دستخط ہو گئے، تکمیل صلح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم

دیا، یہ گویا احرام کے ختم کرنے اور طواف کے ملتوی کرنے کا حکم تھا، مگر شرائطِ صلح کی وجہ سے صحابہ اس قدر مغموم اور شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار حکم دیا، مگر ایک شخص بھی نہ اٹھا، جب آپ نے یہ دیکھا تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے، اور بطور شکایت یہ واقعہ بیان فرمایا، ام المومنین ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری، جس کی وجہ سے افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہیں، اور صحابہ معذور ہیں، آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں، بس آپ اپنے اونٹوں کو قربانی کر کے سر منڈا لیجئے، آپ کو دیکھ کر خود بخود اتباع کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کے قربانی کرتے ہی سب نے قربانی شروع کر دی۔

**فتح مبین:** تقریباً دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو راستہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی: "انا فتحنا لك فتحا مبينا الىٰ آخر السورة" بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی الیٰ آخرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے سورہ فتح سنائی، صحابہ اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے، جس کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین فرمایا، صحابہؓ نے سن کر ازراہِ تعجب عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک عظیم الشان فتح ہے۔ (سیرت مصطفیٰ بحوالہ احمد، ابوداؤد والحاکم) امام زہریؒ فرماتے ہیں فتح حدیبیہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی تھی، آپس کی لڑائی کی وجہ سے ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے تھے، مصالحت کی وجہ سے لڑائی ختم ہوئی اور امن قائم ہوا۔ اور جو لوگ اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے، وہ اعلانیہ طور پر احکامِ اسلام بجالانے لگے، آپس میں بات چیت کا موقع ملا، مسائلِ اسلامیہ پر گفتگو کا موقع ملا، قرآن کریم کو سنا جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے۔ لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ ابتدائے بعثت سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اسلام تو مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال کا سرچشمہ ہے، اور تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے ہی، لیکن حضرات صحابہ بھی فضائل و مکارم، محاسن و شمائل کی زندہ تصویر تھے، اب تک عناد اور منافرت اور بغض و عداوت کی آنکھیں ان کے ادراک سے مانع رہیں، چشم بداندیش کہ برسانده باد۔ عیب نماید ہنرش درنظر۔ اب صلح کی وجہ سے عناد اور منافرت کا پردہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹا، تو اسلام کی دل فریب تصویروں نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ (نصر الباری)

## حدیث نمبر ۳۰۲۱ ﴿بیعت رضوان والوں کا مقام﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۸

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ أَلْفًا وَّأَرْبَعَ مِائَةٍ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۹۸ ج ۲، باب غزوة الحديبيه، كتاب المغازی، حدیث ۴۱۵۴؛ مسلم، ص ۱۲۹ ج ۲، باب استحباب مبايعة الامام، كتاب الامارة، حدیث ۱۸۰۶

**ترجمه:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے روز ہم چودہ سو افراد تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ آج تم تمام اہل زمین سے بہتر ہو۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں صلح حدیبیہ کے لوگوں کی فضیلت مذکور ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو بیعت رضوان کے موقع پر تھے، لہٰذا یہ اصحاب شجرہ کی فضیلت پر صریح حدیث ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** انتم اليوم خير اهل الارض (تم لوگ اہل زمین میں سب سے افضل ہو) اصحاب شجرہ کی فضیلت پر صریح دلیل ہے۔ بلاشبہ اس وقت یعنی ۶ھ میں مسلمان اصحابِ شجرہ کے علاوہ مدینہ و مکہ وغیرہ میں موجود تھے، لیکن حضور اقدسؐ نے اصحاب شجرہ کی خصوصیت بیان فرمائی، اور بلاشبہ ان حضرات کا جنتی ہونا یقینی ہے، جب کہ حق

تعالیٰ نے ان سے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا "لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ" (سورۂ فتح) رضائے الٰہی کا یہ اعلان اس بات کی ضمانت ہے کہ یہ سب مرتے دم تک ایمان وعمل صالح پر قائم رہیں گے۔ کیوں کہ اللہ تو علیم وخبیر ہے، اگر کسی کے متعلق اس کو یہ علم ہو کہ یہ کسی وقت ایمان سے پھر جانے والا ہے، تو اس سے اپنی رضا کا اعلان نہیں فرما سکتے۔ ابن عبدالبرؒ نے مقدمہ استیعاب میں اسی آیت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "ومن رضی اللّٰہ عنہ لم یسخط علیہ ابدا" یعنی اللہ جس سے راضی ہو جائے پھر اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ بعض شیعہ حضرات نے اس حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے حضرت عثمانؓ پر، کیوں کہ حضرت علیؓ تحت الشجرہ بیعت میں موجود تھے، اسی لئے "انتم الیوم خیر اھل الارض" کے مخاطب تھے بخلاف حضرت عثمانؓ کے کہ حضرت عثمان موجود نہیں تھے۔ لیکن شیعہ کا یہ استدلال غلط اور باطل ہے؛ کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو خود مکہ بھیجا تھا، اس لئے حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی، بلکہ یہ خصوصی فضیلت حضرت عثمانؓ کی تھی کہ حضورؐ نے اپنے ہی دست مبارک کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت کر لی، اور ارشاد فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی بیعت ہے، پس بلاشبہ حضرت عثمانؓ اصحاب شجرہ کے مصداق اور "انتم الیوم خیر اھل الارض" کے مخاطب تھے۔ (نصر الباری)

**اصحاب حدیبیہ کی تعداد میں اختلاف روایات اور اس کا حل:** حضرت جابرؓ کی روایت میں صلح حدیبیہ میں صحابہؓ کی تعداد پندرہ سو بتائی گئی ہے اور اس روایت میں حضرت جابرؓ ہی سے چودہ سو کا عدد منقول ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت میں بھی چودہ سو کا ذکر تھا، اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت ہے اس میں تیرہ سو کا عدد منقول ہے۔ امام نوویؒ نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ اصل تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی، جیسا کہ حضرت براءؓ کی روایت میں "الفا و اربع مائۃ" کے بعد "او اکثر" کا لفظ آیا ہے، تو جس نے کسر کو پورا کیا اسنے پندرہ سو کہا اور جس نے کسر کا اعتبار نہیں کیا اسنے چودہ سو کہا۔ یہ تو جمع بین الروایات کی صورت تھی جو امام نوویؒ نے اختیار کی، امام بیہقی نے ترجیح کا طریقہ اختیار کر کے فرمایا کہ چودہ سو کی تعداد راجح ہے، جہاں تک تعلق عبداللہ بن ابی اوفیؓ کی روایت کا ہے جسمیں تیرہ سو کا ذکر ہے تو اسکے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ انھوں نے اپنے علم کے مطابق کہا ہو باقی جن حضرات کو تیرہ سو سے زیادہ کا علم تھا، انھوں نے اپنے علم کے مطابق زیادہ تعداد روایت کی، یا یوں کہا جائے کہ مدینہ سے نکلتے وقت تعداد تیرہ سو تھی، لیکن بعد میں یہ تعداد بڑھ گئی، عبداللہ بن ابی اوفیؓ نے مدینہ منورہ سے خروج کیوقت کی تعداد بتائی ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اصل مجاہدین کی تعداد تو تیرہ سو تھی، اور جن روایات میں زیادہ کا ذکر ہے انمیں خدام عورتوں اور بچوں کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔ (فتح الباری، ص ۴۴۰ ج ۷)

**حدیث نمبر ۳۰۲۲ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۲۹**

## ﴿ثنیۃ المرار پر چڑھنے والوں کے لئے مغفرت﴾

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَإِنَّهُ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ صَعِدَهَا خَيْلُنَا خَيْلُ بَنِي الْخَزْرَجِ ثُمَّ تَتَامَّ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ مَغْفُوْرٌ لَهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ فَأَتَيْنَاهُ فَقُلْنَا تَعَالَ يَسْتَغْفِرْ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَأَنْ أَجِدَ ضَالَّتِيْ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِيْ صَاحِبُكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)
وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَنَسٍ قَالَ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ فِيْ بَابٍ بَعْدَ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۶۹ ج ۲، باب، کتاب صفات المنافقین، حدیث ۲۷۸۰

**حل لغات:** تَتَامَّ الْقَوْمُ قوم کے سب افراد کا آجانا (تفاعل)۔ ضَالَّتِيْ ضَالَّةٌ کھوئی ہوئی چیز۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حدیبیہ کے سفر میں) فرمایا کون ہے جو **ثنیۃ المرار** پر چڑھے؟ اس لئے اس کے گناہ اس طرح دور کئے جائیں گے، جس طرح بنی اسرائیل کے گناہ دور کئے گئے تھے، چنانچہ سب سے پہلے اس گھاٹی پر ہمارے گھوڑے چڑھے، یعنی قبیلہ خزرج کے گھوڑے۔ اس کے بعد پے در پے باقی لوگ چڑھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب کو بخشا گیا، مگر اس شخص کو نہیں جس کا سرخ اونٹ ہے، ہم اس شخص کے پاس گئے اور اس سے بھی کہا ہمارے ساتھ چل تاکہ تیرے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخشش کی دعا کریں، اس نے کہا میرا اپنی گمشدہ چیز کو پالینا میرے نزدیک اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تمہارے صاحب میرے لئے بخشش کی دعا کریں۔ (مسلم) اور حضرت انسؓ کی حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابیّ بن کعب ان اللہ امرنی ان اقرأ علیك. فضائل قرآن کے بعد والے باب میں بیان کی گئی ہے۔

**خلاصہ حدیث** دو پہاڑوں کے درمیان گھاٹی کو "ثنیۃ" کہتے ہیں اور مرار ایک جگہ کا نام ہے، جو مکہ اور حدیبیہ کے درمیان ہے، یہ گھاٹی اسی جگہ کی طرف منسوب ہے، اس لئے ثنیۃ المرار کہا گیا۔ ٦ ہجری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے مکہ روانہ ہوگئے، ڈیڑھ ہزار صحابہ ساتھ تھے، لیکن جب آپؐ حدیبیہ مقام پر پہنچ گئے، تو کفار قریش نے آپ کو عمرہ کرنے سے روکا، یہ الگ ایک تفصیل طلب واقعہ ہے، جو کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔ لیکن زیر بحث حدیث میں جو تذکرہ ہے وہ یہ ہے کہ ثنیۃ المرار ایک دشوار گزار بلند وبالا گھاٹی تھی، آنحضرت کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کے پیچھے کفار قریش مورچہ زن نہ ہوں اور اچانک حملہ کر کے نقصان نہ کردیں، اس لئے آپؐ نے بطور ترغیب اور بطور انعام یہ فرمایا کہ اس گھاٹی پر چڑھ کر دشمن کے احوال کو جو شخص معلوم کرے گا اس کے اتنے گناہ ساقط ہوجائیں گے جتنے گناہ بنی اسرائیل کے معاف ہوگئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے گناہ کہاں معاف ہوگئے تھے؟ اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، تو علماء نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اریحا شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ اگر تم عجز و انکساری کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے حطة کا نعرہ لگاتے ہوئے سر جھکا کر داخل ہوگئے تو وعدہ ہے کہ تمہارے گناہ معاف کردوں گا۔ بنی اسرائیل نے اس وعدہ پر عمل نہیں کیا اور اریحا میں داخل ہوتے وقت سجدہ کے بجائے سرین کے بل داخل ہونے لگے اور "حطة" کے بجائے "حنطة" کے الفاظ بولنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ما حط عن بنی اسرائیل کے الفاظ سے ان کے گناہ معاف کرنے کے وعدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر بنی اسرائیل اس وعدہ کو پورا کرتے تو ان کے سارے گناہ معاف ہوجاتے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، اور وعدہ خلافی کی لہٰذا تم میں سے جو شخص "ثنیة المراد" پر چڑھ کر دشمن کے احوال معلوم کریگا اسکے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے۔ حضرت جابرؓ خود بنو خزرج سے تعلق رکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ "ثنیة المراد" پر چڑھنے کی سعادت سب سے پہلے ہمارے قبیلہ خزرج کے شہسواروں نے حاصل کی، اسکے بعد لوگ دھڑا دھڑ اتباع کرتے ہوئے چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنادی کہ جو آئیں گئے سب کے سب ہر گناہ سے صاف ہوگئے، سرخ اونٹ کے مالک کی مغفرت نہیں ہوگی۔ سرخ اونٹ کے مالک سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول مراد ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس سے کہا کہ آجاؤ اور حضور اکرمؐ سے استغفار کی دعا مانگو، جواب میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا کہ میری اونٹنی گم ہوگئی ہے، میں اسکی تلاش میں جا رہا ہوں، اگر مجھے میری گم شدہ اونٹنی مل گئی تو وہ میرے لئے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تمہارے نبی میرے لئے استغفار کریں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان یستغفرلی صاحبکم یہ صریح کفر ہے اسی طرف اللہ پاک نے اپنے اس قول میں ارشاد فرمایا ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ. سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ، لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

الْفٰسِقِیْنَ. اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو) تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے استغفار کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھیں گے کہ وہ (اس ناصح وتحصیل استغفار سے) تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں (جب ان کے کفر کی یہ حالت ہے تو) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ ان کے لئے آپ استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں (اور) اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔ (جدید مظاہر حق) آپؐ کے لئے "صاحبکم" کی اصطلاح کفار مکہ مسلمانوں سے استعمال کرتے تھے، وہ مسلمانوں کو "نعوذباللہ" جتاتے تھے کہ محمدؐ صرف تمہارے بڑے ہیں، ہمارے نہیں۔ اس منافق نے بھی کفار والی اصطلاح استعمال کرکے اپنے بغض ونفاق کا اظہار کیا۔

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۳۰۴۳ ﴿شیخین کے آپ کے جانشین ہونے کی اطلاع﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۰

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ أَصْحَابِيْ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَاهْتَدُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ. وَفِيْ رِوَايَةِ حُذَيْفَةَ مَا حَدَّثَكُمْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْهُ بَدَلَ وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰۷ ج ۲، باب فی مناقب ابی بکر و عمر، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۶۳

**حل لغات:** تَشْتَاق اشْتَاقَهُ و إليه اشتياقا دل چاہنا، مشتاق ہونا (افتعال)۔

**ترجمہ:** حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد میرے اصحاب میں سے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی پیروی کرنا اور عمارؓ کی سیرت کو اختیار کرنا، اور ابن ام عبدؓ کے قول کو مضبوطی سے پکڑنا۔ دوسری روایت میں حضرت حذیفہؓ سے "**تمسکوا بعهد ابن ام عبد**" کی جگہ ہے کہ تم سے ابن مسعود بیان کریں تو اس کی تصدیق کرنا۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشین ابوبکرؓ ہوں گے اور پھر عمرؓ ہوں گے، لوگوں کو ان کی اتباع و پیروی کرنا چاہئے۔ اس روایت میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عمارؓ کی بھی بڑی فضیلت مذکور ہے اور ان کے طریقہ کو اپنانے کی بھی تلقین ہے۔ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے فضائل ومناقب تو پورے باب میں ماقبل میں گذرے، حضرت عمارؓ کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۲۰۰ دیکھیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۱۹۷ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اقتدوا بالذین من بعدی حدیث کے اس جملہ کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں، اس کا ایک معنی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ نبی کریمؐ نے فرمایا تم ان دو شخصوں کی پیروی کرو جو میرے صحابہ میں سے میرے خلیفہ ہوں گے وہ دو شخص ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں۔ دوسرا معنی مرقات شرح مشکوۃ کے بموجب یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ان دو شخصوں کی پیروی کرو میری وفات یا میری اتباع کے بعد میرے صحابہ میں سے کہ وہ ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں۔ بہر حال ابوبکرؓ اور عمرؓ "الذین" سے بدل ہیں یا بیان پہلی صورت میں گویا ان کی خلافت کی تصریح ہے۔ "**واهتدوا بهدی عمار**" حضرت عمارؓ کا طریقہ اور روش کو اختیار کرو، پہلے جملہ میں اقتداء کا لفظ مذکور ہے اور اس جملہ میں اہتداء کا ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ **اقتداء** عام ہے **اهتداء** سے وہ اس طرح کہ اقتداء کا لفظ قول اور فعل دونوں کی پیروی کرنے کو شامل ہے جب کہ اہتداء کا لفظ صرف فعل میں اتباع و پیروی کرنے پر بولا جاتا ہے۔ حضورؐ کے اسی ارشاد میں امیر المومنین حضرت علیؓ کی خلافت کی حقانیت کی طرف بھی اشارہ ہے، اس لئے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت علیؓ کے ساتھ اور ان کے حامی تھے۔ **وتمسکوا بعهد بن ام عبد** یعنی عبداللہ بن مسعودؓ کے قول ووصیت کو

مضبوطی سے پکڑو، اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی فقہ کی بنیاد انہیں کی روایات واقوال پر رکھی ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مرتبہ خلفائے راشدین کے بعد فقاہت میں کامل ہے۔ (مظاہر حق جدید)

**حدیث نمبر ۳۰۲۴ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۱**

## ﴿حضرت ابن مسعودؓ میں امارت کی کامل صلاحیت کا ذکر﴾

وَعَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا مِنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ لَأَمَّرْتُ عَلَيْهِمُ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ)

**حواله:** ترمذی، ص۲۳۱ ج۲، باب مناقب عبداللہ بن مسعود، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۰۸؛ ابن ماجہ، ص۱۳، المقدمة باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

**حل لغات:** أَمَّرَ (تفعیل) تَأْمِيْرًا امیر بنانا۔

**ترجمه:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر بغیر مشورہ کے میں کسی کو امیر مقرر کرتا، تو ابن ام عبد کو مقرر کرتا۔

**خلاصۂ حدیث** حدیث کا مطلب، امامت کبریٰ کے لئے تعین نہیں ہے، بلکہ کسی سریہ (چھوٹے لشکر) کی امارت مراد ہے، کیوں کہ امامت کبریٰ کے لئے تو پیشین گوئی ہے "الائمة من قریش" اور حضرت ابن مسعودؓ ہذلی تھے، قریشی نہیں تھے (حدیث کی یہ تاویل فضل اللہ تورپشتیؒ نے کی ہے) اور اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ سرایا کے امیر بھی مشورہ کرکے مقرر فرماتے تھے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ میں بہادری، ساتھیوں کو سنبھالنا اور جنگ لڑانے کی قابلیت غرضیکہ امارت کی کامل صلاحیت موجود تھی۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** لو کنت مومرا یہاں امارات سے کیا مراد ہے، جیسا کہ خلاصہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ امارت سے خلافت مراد نہیں ہے، بلکہ کسی لشکر کی سربراہی مراد ہے، لیکن یہ بات متفقہ نہیں ہے، بلکہ فضل اللہ تورپشتی وغیرہ کی ہے، بعض لوگ اس سے "امامت کبریٰ" یعنی خلافت مراد لیتے ہیں، ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ اس کی تائید بھی کرتے ہیں، کیوں کہ وہاں "مومرا" کے بجائے "مستخلف" کے الفاظ ہیں، یعنی آپ نے فرمایا کہ اگر میں بغیر کسی کے مشورے کے کسی کو خلیفہ بناتا تو عبداللہ ابن مسعودؓ کو بناتا۔ پھر ترمذی کا لفظ "مؤمرا" اگر خلافت پر نہیں بلکہ کسی لشکر کی سربراہی پر دلالت کرتا ہے تو **علیهم** کا لفظ اس توجیہ کے خلاف ہے؛ کیوں کہ اس سے مراد مطلقاً امت مسلمہ ہے۔ سیوطیؒ کی الجامع الصغیر میں "علی امتی" کے الفاظ آئے ہیں جو یقیناً امامت کبریٰ پر دلالت کرتے ہیں پھر استخلاف کے معنی بھی خلیفہ بنانا ہی ہے۔ جزئی امارت نہیں اس لئے حدیث باب میں خلافت عامہ ہی مراد لینا راجح ہے، رہا "الائمة من قریش" سے استدلال تو اس کا اسلوب خبر پر دلالت کرتا ہے، کوئی مستقل اصول یا کلیہ وضع نہیں کرتا، اس لئے خلافت کے لئے قریشی ہونا شرط نہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "لو کان زید حیا ما استخلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غیرہ"۔ یہی چیز عین شہادت کے موقع پر حضرت عمرؓ سے مروی ہے، "لو کان سالم مولیٰ ابی حذیفة حیا لاستخلفته" حالاں کہ زید و سالم قریشی نہیں ہیں، اس لئے متقدمین میں امام ابوحنیفہؒ اور متاخرین میں حضرت کشمیریؒ قریشیت کو خلافت کے لئے شرط نہیں مانتے، ساتویں صدی ہجری تک امت کی قیادت مسلسل قریش ہی کے پاس رہی، اس لئے علماء کی ایک خاصی تعداد دونوں کو لازم و ملزوم سمجھتی رہی، لیکن جب عباسیوں کا زوال ہوگیا اور مسند خلافت پر ترک آبیٹھے تو اس شرط کی شدت بھی مدھم پڑتی گئی، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کے یہاں اس پر وہ زور نہیں ہے جو امام نوویؒ وغیرہ کی تحریروں میں دکھائی پڑتا ہے، پھر ترکوں کی چار

سوسالہ خلافت میں یہ شرط علمی حلقوں کے دماغوں ہی سے نکل گئی۔ من غیر مشورۃ اجتماعی امور میں اہل الرائے سے مشورہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی سنت تھی، مشورہ کا مقصد ایسے صحیح فیصلے تک پہنچنا ہے جو فرد و جماعت کے حق میں خیر ہی خیر ہو اور ضرر اس میں کم سے کم ہو، یہ عموماً غیر معلوم احوال و اشخاص میں درکار ہوتا ہے اور اجتماعیت کی برکت سے معاملہ کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کی صلاحیت و دیانت اتنی روشن ہے کہ ان کو کوئی منصب دینے کے لئے کسی مشورہ کی ضرورت نہیں، اسلامی نظام خلافت میں امیر المومنین کو تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں گو مشورہ ان کے لئے مناسب ہے، لیکن محض اپنی صواب دید پر بھی وہ کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں، جیسا کہ صدیق اکبرؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف تنہا فیصلہ لیا اور صحابہ کو شرح صدر بعد میں ہوا۔ (ضیاء السنن) ابن مسعودؓ کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۱۹۷ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۳۰۲۵ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۲**

## ﴿حضرت ابن مسعودؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے ذمہ دار تھے﴾

وَعَنْ خَيْثَمَةَ بْنِ أَبِي سَبْرَةَ قَالَ أَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فَسَأَلْتُ اللّٰهَ أَنْ يُيَسِّرَلِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَيَسَّرَ لِي أَبَا هُرَيْرَةَ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ إِنِّي سَأَلْتُ اللّٰهَ أَنْ يُيَسِّرَلِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَوُفِّقْتَ لِي فَقَالَ مِنْ أَيْنَ أَنْتَ قُلْتُ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ جِئْتُ أَلْتَمِسُ الْخَيْرَ وَأَطْلُبُهُ فَقَالَ أَلَيْسَ فِيكُمْ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ مُجَابُ الدَّعْوَةِ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ صَاحِبُ طَهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعْلَيْهِ وَحُذَيْفَةُ صَاحِبُ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَمَّارُ الَّذِي أَجَارَهُ اللّٰهُ مِنَ الشَّيْطَانِ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلْمَانُ صَاحِبُ الْكِتَابَيْنِ يَعْنِي الْإِنْجِيْلَ وَالْقُرْآنَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۱ ج ۲، باب مناقب عبداللہ بن مسعود، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۱۱

**حل لغات:** التمس التماسًا (افتعال) طلبگار رہونا۔

**ترجمہ:** حضرت خیثمہ بن ابی سبرہ (تابعی) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا اور خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ مجھے کوئی نیک ہم نشین عطا فرما۔ چنانچہ ابوہریرہؓ کی صحبت مجھے میسر آئی اور میں ان کے پاس بیٹھا اور ان سے کہا میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے کوئی نیک ہم نشین عطا فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع دیا، ابوہریرہؓ نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا میں کوفہ سے آیا ہوں۔ نیکی کا طلبگار ہوں (یعنی نیک صحبت کا خواستگار ہوں اور اپنے لئے نیکی کا طالب ہوں) حضرت ابوہریرہؓ نے کہا تمہارے ہاں (کوفہ میں) سعد بن مالک نہیں ہیں جو مستجاب الدعوات ہیں؟ اور کیا تمہارے ہاں عبداللہ بن مسعودؓ نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی اور نعلین مبارک اپنے پاس رکھتے تھے؟ اور کیا تمہارے پاس حضرت حذیفہؓ نہیں ہیں جو رسول اللہ صلعم کے راز دار تھے؟ اور کیا تمہارے ہاں حضرت عمارؓ نہیں ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان کے ذریعہ شیطان سے پناہ دی؟ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عمار کو اللہ تعالیٰ شیطان سے محفوظ رکھے) اور کیا تمہارے ہاں سلمان نہیں ہیں جو دو کتابوں (یعنی انجیل وقرآن) کے جاننے والے ہیں؟ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت خیثمہ کوفہ سے طلب علم کے لئے مدینہ منورہ آئے اور حضرت ابوہریرہؓ کی ہم نشینی ان کو میسر آئی، لیکن حضرت ابوہریرہؓ نے انھیں تنبیہ کی اور یہ احساس دلایا کہ جہاں سے تم آئے ہو وہاں کبار صحابہ موجود ہیں، تم کو ان سے علم حاصل کرنا چاہئے تھا، اسی طرح کی بات حضرت ابودرداءؓ نے بھی فرمائی تھی جب ان کے پاس کوفہ سے حضرت علقمہؓ آئے تھے اور

انھوں نے بھی وہی بات کہی تھی، جو حضرت خثیمہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہی ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابن مسعودؓ، حضرت سعد بن مالکؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت سلمانؓ کی بڑی فضیلت مذکور ہے، ان سب کا ماقبل میں تعارف گذر چکا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** التمس الخیر خیر سے علم وعمل مراد ہے۔ مجاب الدعوۃ حضرت سعد بن مالکؓ کا لقب مستجاب الدعوات تھا۔ جامع ترمذی میں روایت ہے، آپؐ نے دعا کی "اللھم استجب لسعد اذ دعاك (اللہ سعد جب تجھ سے کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول فرما) آپؐ کی اس دعا کا نتیجہ تھا کہ حضرت سعدؓ جو دعا کرتے وہ قبول ہو جاتی، لہٰذا لوگ ان سے اپنے واسطے دعائیں کراتے تھے اور ان کی بددعا سے بہت ڈرتے تھے۔ ابن مسعود صاحب طھور حضرت ابن مسعودؓ سفر وحضر میں آپؐ کی خدمتیں کرتے تھے، آپؐ کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے تھے، اس لئے یہ ان کے القاب تھے، "صاحب الطھور، صاحب النعلین والسواك والوسادہ"۔ حذیفة صاحب سر آپؐ کے رازدار تھے، آپؐ نے ان کو بہت سے منافقین کے نام بتائے تھے، اور آنے والے فتنوں سے باخبر کیا تھا، اس لئے ان کا لقب تھا "صاحب السر"۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۲۰۰ دیکھیں۔ وعمار حضرت عمارؓ کے بارے میں یہی بات حضرت ابو الدرداءؓ نے بھی فرمائی ہے۔ بخاری شریف (حدیث ۳۷۴۲) میں ہے "الیس فیکم الذی اجارہ اللہ من الشیطان یعنی علی لسان نبیه صلی اللہ علیه وسلم" کیا تم میں وہ نہیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے پناہ میں رکھا ہے؟ یعنی نبیؐ کی زبان مبارک سے، ان روایتوں کے اقتضاء سے ثابت ہوا کہ نبیؐ نے حضرت عمارؓ کے لئے ایسی دعا فرمائی ہے، اگرچہ وہ روایت آج ذخیرۂ حدیث میں موجود نہیں ہے۔ (تحفۃ الالمعی) مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۲۰۰ دیکھیں۔ وسلمان صاحب الکتابین حضرت سلمان فارسیؓ نے پہلے عیسائی مذہب قبول کیا اور انجیل پڑھی اور اس پر عمل کیا، پھر جب قرآن نازل ہوا تو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور قرآن پاک پڑھا اور اس پر عمل کیا۔ ان کا لقب سلمان الخیر تھا ان کے والد کا نام معلوم نہیں، لیکن جب کوئی ان سے ان کا نسب پوچھتا تو کہتے "انا ابن الاسلام" یعنی میں اسلام کا بیٹا ہوں۔ ان کی عمر ڈھائی سو سال تھی۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۲۱۲ دیکھیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۲۱۳ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۳۰۲۶ ﴿آپؐ نے چند صحابہ کی ستائش کی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۳

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُوْبَكْرٍ نِعْمَ الرَّجُلُ عُمَرُ نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ نِعْمَ الرَّجُلُ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حواله:** ترمذی، ص ۲۱۹ ج ۲، باب معاذ بن جبل، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۹۵

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابو بکرؓ اچھے آدمی ہیں، عمرؓ اچھے آدمی ہیں، ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ اچھے آدمی ہیں، اسیدؓ بن حضیر اچھے آدمی ہیں، ثابت بن قیس بن شماسؓ اچھے آدمی ہیں، معاذ بن جبلؓ اچھے آدمی ہیں، اور معاذ بن عمرو بن جموحؓ اچھے آدمی ہیں، روایت کیا اسے ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔



**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے سات صحابہؓ کی تعریف فرمائی ہے جن میں سے پانچ صحابہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے حالات اور ان سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات ماقبل میں نقل ہو چکے ہیں تفصیلات دیکھ لی جائیں۔ باقی دو صحابہ حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عمرو بن جموحؓ کے مختصر حالات ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نعم الرجل اسید بن الحضیر جن صحابہ کی آپؐ نے نام لے کر تحسین فرمائی ان میں ایک حضرت اسید بن حضیر بھی ہیں۔

**حضرت اسیدؓ کا تعارف:** ان کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس سے تھا یہ ان اصحاب میں سے ہیں جو بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر حاضر بارگاہ ہوئے تھے، اس رات یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو لوگوں تک پہنچانے پر مامور فرمائے گئے تھے، دونوں عقبوں کے درمیان ایک سال کی مدت کا فاصلہ تھا، یہ غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے، صحابہ کرام کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے انھوں نے ۲۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع کے اندر دفن کیے گئے۔ (مشکوٰۃ مترجم)

**حضرت معاذ بن عمرو بن جموحؓ کا تعارف:** انصار کی خزرجی شاخ سے تعلق رکھتے تھے بیعتِ عقبہ اور غزوۂ بدر میں اپنے والد کے ساتھ شرکت کی، حضرت معاذ بن عفراء کے ساتھ ابوجہل کے قتل میں شریک تھے، غنائم کی تقسیم کے باب میں ان کا تذکرہ ملتا ہے، ابن اسحاق اور عبدالرحمٰن کا کہنا ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت معاذ بن عمروؓ نے ابوجہل کی ٹانگ کاٹ دی تھی جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر گیا تھا اور بعد میں اس کو قتل کر دیا گیا تھا، انھوں نے مزید کہا ہے کہ اس موقع پر ابوجہل کے بیٹے عکرمہ (جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے) نے حضرت معاذ پر تلوار کا ایسا وار کیا جس سے ان کا ایک بازو قلم ہو گیا تھا، لیکن حضرت معاذ نے ابوجہل پر ایسا بھرپور حملہ کیا جس کی وجہ سے وہ زمین پر آرہا تھا اور اس کو بے دم کر کے زمین پر پڑا چھوڑ گئے تھے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر میں ابوجہل کی لاش کو تلاش کروایا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آکر ابوجہل کا سر تن سے جدا کیا تھا، ان سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے، حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں انتقال فرمایا۔ (حوالہ بالا)

**حدیث نمبر ۳۰۲۷ ﴿وہ صحابہؓ جن کی جنت مشتاق ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۴**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ إِلٰى ثَلَاثَةٍ عَلِيٍّ وَعَمَّارٍ وَسَلْمَانَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۰ ج ۲، باب مناقب سلمان الفارسی، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۹۸

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک جنت کو علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ تین آدمیوں کا اشتیاق ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تین خوش نصیب صحابہ کا ذکر ہے کہ جنت جن کی مشتاق ہے، یہ ان حضرات کی بڑی فضیلت کی بات ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان الجنة تشتاق الی ثلاث حضرت علیؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت سلمانؓ کے متعلق فرمایا کہ جنت ان کی مشتاق ہے، جنت کے مشتاق اور منتظر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس میں علماء کی مختلف آراء ہیں: (۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت کے اشتیاق سے مراد اہل جنت یعنی ملائکہ، حور و غلمان وغیرہ کا اشتیاق ہے کہ وہ لوگ ان تین حضرات کی آمد کے منتظر ہیں۔ (۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی ان تین حضرات کے جنتی ہونے کی تاکید اور مبالغہ کے لئے فرمایا گیا ہے۔ (۳) علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ ان تین حضرات کے لئے جنت کا مشتاق و منتظر ہونا ایسے ہی ہے جیسے حضرت سعد بن معاذؓ کی موت پر عرش کا ہلنا (اس کی وضاحت پہلے گذر چکی ہے)۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کی تخصیص کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا واسطہ باغی اور مفسد لوگوں سے پڑا اور حق کی خاطر انھوں نے قتال کیا، یہاں تک کہ خود بھی شہید ہو گئے اور حضرت سلمانؓ نے ایک طویل مدت تک حق کی تلاش میں صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں اور ایک لمبا عرصہ ہدایت کی خاطر در در کی ٹھوکریں

کھائیں۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۳۰۲۸ ﴿حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۵**

وَعَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ اسْتَأْذَنَ عَمَّارٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ ائْذَنُوا لَهُ مَرْحَبًا بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۰ ج ۲، باب مناقب عمارؓ۔

**حل لغات:** الطیب پاکیزہ، رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ شخص۔ المطیَّب خوشبودار، طَیَّبَ الشیءَ اچھا اور عمدہ بنانا، (تفعیل)

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمارؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی، فرمایا انہیں اجازت دے دو۔ پاکیزہ اور پاک باز خوش آمدید۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت عمارؓ کا بہت خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال فرمایا اور ان کے بارے میں یہ اعلان فرمایا کہ وہ ذات وصفات دونوں اعتبار سے پاکیزہ ہیں، یعنی وہ ظاہراً و باطناً ہر اعتبار سے نیک نفس شخصیت ہیں، صحابہ کرام بھی حضرت عمارؓ کی بڑی قدر فرماتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو ان کے بارے میں کوفہ والوں کو لکھا "انه من النجباء من اصحاب محمد صلی اللّٰه علیه وسلم" یہ محمدؐ کے چنندہ صحابی ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** بالطیب المطیب کے متعلق صاحب قوت المغتذی ترمذی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ شاید اسی سے حضرت عمار بن یاسرؓ کی نیک فطرت اور ان کے ذاتی جوہر کی جانب اشارہ ہے، حضرت عمارؓ طبعی اعتبار سے سلیم الطبع تھے، ان کے نیک اعمال ان کے تقویٰ وطہارت، اور صلاح وفلاح نیز جملہ مکارم واخلاق میں اضافہ کا سبب ہوئے، حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ایمان تو حضرت عمارؓ کے رگ وریشہ میں پیوست ہو چکا ہے۔ اس حدیث سے حضرت عمارؓ کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ (تکمیل الحاجۃ)

**حدیث نمبر ۳۰۲۹ ﴿حضرت عمارؓ کا عزیمت پر عمل﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۶**

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا خُيِّرَ عَمَّارٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَشَدَّهُمَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۰ ج ۲، باب مناقب عمار بن یاسر، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۹۹

**حل لغات:** خُیِّرَ خَیَّرَ فُلَانًا بَیْنَ الشَّیئین تخییرًا کسی کو دو میں سے ایک پسند کرنے کا اختیار دینا (تفعیل)۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمارؓ کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو انھوں نے ہمیشہ سخت اور مشکل کام کو اختیار کیا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضورؐ حضرت عمار بن یاسرؓ کی عادت مبارکہ کا ذکر فرما رہے ہیں کہ ان کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا جائے تو مشکل کام کو اختیار کرتے ہیں، تاکہ نفس پر مشقت ہو اور یہی طریقہ ہے قرب وولایت کے راستوں کے سالکین کا کہ وہ ہمیشہ اپنے نفس کے لئے ایسے کام پسند کرتے ہیں جس میں نفس کو مشقت ہو، حظ ولذت محسوس نہ ہو۔ (مظاہر حق جدید)

**کلمات حدیث کی تشریح** اشدھما حضرت عمارؓ کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو انھوں نے اس کو لیا جو زیادہ مشکل ہوا۔ ترمذی میں "ارشدھما" ہے یعنی جس میں زیادہ رشد وہدایت ہو اس کو لیا، یہی الفاظ ابن ماجہ میں بھی ہیں، جب کہ بعض روایتوں میں "ایسرھما" کا لفظ آیا ہے اور دیگر بعض روایتوں میں "اسدھما ای اصوبھما" آیا ہے، قرین قیاس بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ ارشدھما والی روایت مقتضائے حال سے زیادہ مناسب ہو؛ کیوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے اعمال

شرعی نقطہ نظر سے ہم لوگوں کے اعمال سے جداگانہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے اعمال وافعال اصول شریعت میں ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ علامہ شاہ عبدالغنی مجددیؒ لکھتے ہیں کہ سلف صالحین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ حضرات اپنے لئے تو احتیاطی پہلو پسند کرتے ہیں اور دوسروں کو وہ ان باتوں کا حکم دیتے ہیں جو ان کے لئے آسان اور سہل ہوں اور اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ میری بعثت آسانی پیدا کرنے کے لئے ہوئی ہے نہ کہ تنگی اور عسرت پیدا کرنے کے لئے۔ جنگ صفین میں حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ برحق تھے اور حضرت معاویہؓ خطائے اجتہادی پر تھے۔ (تکمیل الحاجۃ)

## حدیث نمبر ۳۰۳۰ ﴿حضرت سعد بن معاذؓ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۷

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا حُمِلَتْ جَنَازَةُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ الْمُنَافِقُوْنَ مَا أَخَفَّ جَنَازَتَهُ وَذٰلِكَ لِحُكْمِهِ فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَتْ تَحْمِلُهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۴ ج ۲، باب مناقب سعد بن معاذ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۴۹

**حل لغات:** جَنَازَة مردہ؛ مردہ کا تابوت یا چارپائی (ج) جَنَائِز۔ مُحکَمٌ فیصلہ۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کا جنازہ اٹھایا گیا، تو منافقوں نے کہا کہ انھوں نے بنی قریظہ کے متعلق جو فیصلہ کیا تھا اس کے باعث ان کا جنازہ ہلکا ہوگیا، یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت سعدؓ کی بڑی فضیلت ہے، کہ ان کے جنازہ میں نہ صرف فرشتے شریک ہوئے، بلکہ ان کے جنازہ لے کر چلے بھی، جس کی وجہ سے ان کا جنازہ بہت ہلکا محسوس ہو رہا تھا، منافقوں نے جب حضرت سعدؓ کی شان میں گستاخی کی، تو آپؐ نے ان کا دفاع کیا، معلوم ہوا کہ صحابہؓ کا دفاع بھی آپؐ کی سنت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لحکمه فی بنی قریظة بنوقریظہ کے بارے میں حضرت سعد بن معاذؓ کے جس فیصلے کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تھا کہ ایک دوسرے کے خلاف کسی کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر جب قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مسلمانوں کے خلاف مدینہ پر چڑھائی کے ارادے سے آئے، تو اس وقت بنی قریظہ نے اپنا عہد توڑا اور مسلمانوں کے خلاف قریش کے ساتھ جا ملے۔ ۲۳ رذیقعدہ ۵ھ کو جب احزاب کفار واپس چلے گئے اور حضور اقدسؐ مسلمانوں کو لے کر مدینہ منورہ آگئے، تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے تو اسی دن ظہر کے قریب حضرت جبرئیل آئے اور حضور اقدسؐ سے فرمایا کہ آپؐ نے ہتھیار اتار دیئے؟ حضور اقدسؐ نے فرمایا "ہاں" حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں کھولے اور نہ واپس ہوئے۔ ابھی فوراً بنی قریظہ کی طرف روانہ ہونا ہے۔ چنانچہ حضور اقدسؐ نے اعلان فرمایا کہ تمام صحابہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر پڑھیں، مقصد یہ تھا کہ عصر تک وہاں پہنچ کر محاصرہ کرنا ہے، تین ہزار کا لشکر تھا اور اس میں چھتیس گھوڑے تھے، مسلمانوں کا یہ لشکر وہاں پہنچا اور تقریباً پچیس دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا، محاصرہ کے دوران بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے ان کو جمع کیا اور کہا کہ میں تین باتیں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں، ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرو: (۱) پہلی بات یہ کہ تم پر یہ امر بالکل واضح ہو چکا ہے کہ یہ شخص (حضور اقدسؐ) اللہ کے وہی نبی اور رسول ہیں جن کا تذکرہ تم اپنی کتاب توریت میں پاتے ہو، لہٰذا سب ایمان لے آؤ اور ان کے متبع اور پیروکار بن جاؤ۔ اس سے تمہاری جان مال، بچے اور عورتیں سب مامون ومحفوظ ہو جائیں گے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے بچوں اور عورتوں سب کو قتل کر دو اور بے محابا ہو کر بے جگری

سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آگے بڑھو، اگر جنگ میں شکست ہوئی تو عورتوں اور بچوں کی کوئی فکر نہ ہوگی اور اگر فتح ہوئی تو عورتوں کی کوئی کمی ہے نہیں، وہ اور مل جائیں گی ان سے بچے بھی اور پیدا ہو جائیں گے۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ آج ہفتہ کی رات ہے، ممکن ہے مسلمان یہ سمجھ کر کہ ہفتہ کا دن یہود کا محترم دن ہے اس میں وہ لڑتے جھگڑتے نہیں ہیں، ہمارے حملہ سے مطمئن اور غافل ہوں، لہٰذا سب مل کر آج مسلمانوں پر شب خون مارو اور ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاؤ۔ لیکن بنی قریظہ نے کعب بن اسد کی تینوں باتیں تسلیم نہیں کیں، انھوں نے کہا کہ ہم نہ تو ہم اپنا دین چھوڑ سکتے ہیں، اور نہ اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر سکتے ہیں اور نہ ہی ہفتہ کی رات میں حملہ کر کے اس محترم دن کی بے حرمتی کر سکتے ہیں کہ اس دن کی بے حرمتی ہی کی وجہ سے ہمارے اسلاف سور اور بندر بنائے گئے تھے۔ محاصرہ سے تنگ آ کر بنی قریظہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ ان کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ صادر فرمائیں وہ انھیں منظور ہے، بنی قریظہ کے ساتھ انصار کے قبیلہ اوس کے حلیفانہ تعلقات تھے، قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے صحابہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ قبیلہ خزرج کے التماس پر آپ نے بنی نضیر کے ساتھ جس طرح کا معاملہ فرمایا اب ہماری درخواست پر اسی طرح کا معاملہ بنی قریظہ کے ساتھ فرمائیں، رسول اکرمؐ نے فرمایا ٹھیک ہے قبیلہ اوس کے صحابہ نے اس فیصلہ کا اختیار اپنے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کو دیا اور کہا کہ جو فیصلہ وہ کریں گے ہمیں منظور ہے۔ حضرت سعد بن معاذؓ زخمی تھے ان کو بلایا گیا، انھوں نے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے لڑنے والے تمام مرد قتل کئے جائیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنایا جائے اور ان کا تمام مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ (کشف الباری) حضرت سعد بن معاذؓ کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۲۰۶ دیکھیں۔

### حدیث نمبر ۳۰۳۱ ﴿حضرت ابوذرؓ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۸

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ أَصْدَقَ مِنْ أَبِيْ ذَرٍّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۲۰ ج ۲، باب مناقب ابی ذرؓ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۰۱

**حل لغات:** الْخَضْرَاء آسمان۔ الْغَبْرَاء زمین۔ أَظَلَّتْ أَظَلَّ الشَّيْءُ فُلَانًا کسی کا کسی کو ڈھانپ لینا (إفعال)۔ أَقَلَّتْ أَقَلَّ الشَّيْءَ اٹھانا (إفعال)۔

**ترجمه:** حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آسمان نے کسی پر سایہ نہیں کیا اور زمین نے ایسے شخص کو اٹھایا نہیں جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حدیث شریف میں حضرت ابوذرؓ کی غایت صداقت اور بے باکی کو بیان کرنا مقصود ہے، حضرت ابوذرؓ صفتِ صداقت میں تمام صحابہ کرامؓ پر تفوق رکھتے تھے، جو ان کی جزوی فضیلت ہے، اس سے رفیع الشان اور عظیم المرتبت صحابہ کی فضیلت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس امت کے صدیق ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ اعلیٰ، ارفع اور افضل شخص ہیں، اس لئے یہ کہنا موزون نہیں ہوگا کہ ابوذرؓ حضرت ابوبکرؓ سے بھی زیادہ سچی زبان والے تھے۔ (تکمیل الحاجۃ)

**کلمات حدیث کی تشریح** ما اظلت الخضراء مطلب یہ ہے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر سب سے سچے حضرت ابوذرؓ ہیں، یعنی وہ صدق و بلندی کے آخری مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں المراد انه لا يذهب الى التورية والمعاريض في الكلام ولا يواسي مع الناس ولا يسامحهم

فی الحق ویقول الحق وان کان مرًا۔ مجددی کہتے ہیں وفیه فضیلة له بانه، کان ناطقا بالحق لا یخاف فی اللّٰه لومة لائم یعنی گفتگو میں وہ توریہ کے بھی قائل نہیں ہیں، نہ منہ دیکھی بات کرتے ہیں، نہ حق کے مسئلہ میں لوگوں کو کوئی رعایت دیتے ہیں، وہ حق کہتے ہیں چاہے کڑوا ہو اور اس میں وہ کسی ملامت سے نہیں ڈرتے الغرض ظاہر و باطن یکساں ہے۔ (ضیاء السنن)

**حضرت ابوذر غفاریؓ کا مختصر تعارف:** آپ کے نام اور والد کے نام میں اختلاف ہے، مشہور قول جندب بن جنادہ ہے، کنانہ بن خزیمہ کی شاخ غفار سے آپ کا تعلق تھا، یمن کے رہنے والے تھے؛ بہت قدیم الاسلام ہیں، کہتے ہیں: پانچویں مسلمان ہیں، تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ وفات زبدہ میں ۳۲ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی سیرت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ آپ کے نزدیک سونا چاندی رکھنا جائز نہیں تھا۔ (تحفۃ الالمعی) حضرت ابوذر قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے تھے، ان کا قبیلہ ڈکیتی میں بہت مشہور تھا، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں ابوذرؓ کا بھی یہی پیشہ تھا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں عجیب انقلاب پیدا ہو گیا اور ڈکیتی کو ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے، اسلام کے ظاہر ہونے سے پہلے کی بات ہے جب کہ سارے عرب میں ضلالت و گمراہی کا دور دورہ تھا، مگر ابوذرؓ خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے، بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، ان کی خدا پرستی کا ہر طرف چرچا تھا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی جس نے سب سے پہلے ان کو اطلاع دی اس شخص کے الفاظ یہ تھے، ابوذرؓ تمہاری طرح مکہ میں ایک شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ حضرت ابوذرؓ اپنی سمجھ کے مطابق خدائے واحد کے سامنے سجدہ ریزی کے لئے نماز بھی پڑھتے تھے، چنانچہ وہ خود کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تین سال قبل سے میں نماز پڑھتا تھا، لوگوں نے پوچھا کس کی نماز؟ جواب دیا خدا کی۔ لوگوں نے کہا کس طرف رخ کرتے تھے؟ کہا جس طرف خدا پھیر دیتا تھا۔ غرض یہ کہ حضرت ابوذرؓ نے اعلانِ نبوت سے قبل ہی سے خدا پرستی شروع کر دی تھی، اعلان نبوت کے بعد اپنے بھائی کو دریافت حال کے لئے بھیجا کہ اس شخص کے حالات دریافت کر کے آؤ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، وہ مکہ آئے گھوم پھر کر سارے حالات دیکھے اس کے بعد واپس جا کر ان سے کہا خدا کی قسم وہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، اس قدر مختصر اور مجمل جواب سن کر انھیں سیری نہیں ہوئی اور خود دریافت حال کے لئے نکل پڑے، مکہ پہنچ کر خانۂ کعبہ میں قیام کیا۔ ایک دن حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی ان کے ذریعہ دربارِ نبویؐ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے، ان سے قبل صرف چار آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا، اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا ابوذرؓ اب تم اپنے گھر لوٹ جاؤ اور اپنے اسلام کو ابھی پوشیدہ رکھنا، مگر غیرت ایمانی نے اس کی اجازت نہ دی اور مسجد میں آ کر کفار کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کیا، یہ سن کر چاروں طرف سے کافر ٹوٹ پڑے اور ان کو مارتے مارتے بے دم کر دیا، یہ دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباسؓ سے ضبط نہ ہو سکا، اور آگے بڑھ کر کفار کو مخاطب کر کے کہا کیا تم ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو جب کہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کی گزرگاہ ہے، کفار یہ سن کر الگ ہٹ گئے، کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب وطن واپس جاؤ اور وہاں جا کر تبلیغ اسلام کرو، شاید خدا تمہاری قوم کو اس سے فائدہ بخشے اور اس سے تمھیں بھی فائدہ ہو۔ حسب الحکم حضرت ابوذرؓ اپنے وطن واپس گئے، اور وہاں تبلیغ شروع کی، آدھا قبیلہ ہجرت سے قبل مشرف بہ اسلام ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد۔

**حدیث نمبر ۳۰۳۲ ﴿حضرت ابوذرؓ جیسا سچا آدمی نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳۹**

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ مِنْ ذِي لَهْجَةٍ أَصْدَقَ وَلَا أَوْفٰى مِنْ أَبِي ذَرٍّ شِبْهِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ يَعْنِي فِي الزُّهْدِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۰ ج ۲، باب مناقب ابی ذر، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۵۲

**حل لغات:** أوفى وفى (ض) وفاءً بالعهد عہد کو پورا کرنے والا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان نے کسی پر سایہ نہیں کیا اور زمین نے کسی ایسے کو نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچ بولنے والا اور وعدہ اور عہد کا پورا کرنے والا ہو، وہ عیسیٰ بن مریم سے مشابہت رکھتے ہیں، یعنی زہد میں۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں حضرت ابوذر کی بڑی فضیلت مذکور ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کو وہ کتنے محبوب تھے اور نبی کو ان پر کتنا اعتماد تھا، آپ نے ان کو زہد میں حضرت عیسیٰ کا مثل قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابوذرؓ جس طرح زاہدانہ زندگی گزارتے تھے، آپ کے بعد بھی ویسے ہی زندگی گزارتے رہے، انھوں نے اپنی زندگی میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں کی تھی، اور آپ کا ارشاد ہے "اقربکم منی مجلسا یوم القیامة من خرج من الدنیا کھیئة یوم ترکتھا فیھا" قیامت میں سب سے زیادہ میرا اقرب اس شخص کو نصیب ہوگا جو دنیا سے اسی حالت میں رخصت ہوا جس حالت میں میں اس کو چھوڑ کر آیا تھا۔ آپ نے ان کو اپنے انتہائی خاص صحابہ میں شمار کیا ہے، ایک بار آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو چودہ مخصوص اور فاضل رفقاء عطا فرمائے ہیں، پھر آپ نے ان چودہ رفقاء خاص کے اسمائے گرامی بھی ذکر فرمائے جن میں حضرت ابوذرؓ کا نام بھی شامل ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اصدق ولا اوفی اس حدیث میں حضرت ابوذرؓ کی تین صفات بیان ہوئی ہیں۔ نمبر ۱: صدق یعنی راست گو، سچ بولنے والا۔ یہ صفت حضرت ابوذرؓ کی مشہور تھی کہ وہ حق بات کہنے میں کسی کی ملامت اور کسی کے خوف کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، دین کے بارے میں چشم پوشی یا مداہنت نہ خود کرتے اور نہ ہی دوسرے سے اس کو برداشت کرتے تھے۔ نمبر ۲: اوفی: اوفی وفاء سے ہے بمعنی پورا کرنا اس کے مطلب میں تین احتمال ہیں خدا اور رسول کے فرماں بردار ہیں یعنی خدا اور رسول سے کیا ہوا اتباع شریعت اور اتباع احکام دین کا وعدہ پورا کرنے والے ہیں، یا کسی شخص سے جب وعدہ کرتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں، یا بات اور کلام پوری اور واضح کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اوفی کا معنی خدا اور رسول کا حق ادا کرنے والا ہے یا اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے یا فصیح اللسان ہے۔ نمبر ۳: شبہ عیسیٰ بن مریم: تیسری صفت یہ بیان کی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہیں یعنی فی الزّھد کہہ کر راوی نے وجہ تشبیہ بیان کی ہے کہ زہد و قناعت، دنیا سے بے رغبتی میں، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہیں اور یہ صفت بھی حضرت ابوذرؓ میں بدرجہ کمال پائی جاتی تھی، دنیا سے بے رغبتی اور دنیاوی لذات سے کوسوں دور رہتے تھے۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۳۰۳۳ ﴿عبداللہ بن سلامؓ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۰**

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ الْتَمِسُوا الْعِلْمَ عِنْدَ أَرْبَعَةٍ عِنْدَ عُوَيْمِرٍ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَعِنْدَ سَلْمَانَ وَعِنْدَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَعِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ الَّذِي كَانَ يَهُوْدِيًّا فَأَسْلَمَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّهُ عَاشِرُ عَشَرَةٍ فِي الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۰ ج ۲، باب مناقب عبداللہ بن سلام، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۰۴

**حل لغات:** حَضَرَهُ حَضَرَ الأمرُ فلانًا کسی کو کوئی بات پیش آنا (ن) عَاشِر عَشَر القَوْم (ض) عَشْرًا جماعت کا دسواں فرد ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب انکی موت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ علم چار آدمیوں سے حاصل کرو، عویمر سے جن کی کنیت ابودرداء ہے، سلمان فارسی سے، عبداللہ بن مسعود سے اور عبداللہ بن سلام جو یہودی تھے اور پھر انھوں نے اسلام قبول کیا، میں نے رسول کریمؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ وہ (عبداللہ بن سلام) جنت کے دس شخصوں میں سے دسواں شخص ہے۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث جب حضرت معاذؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ سے عرض کیا گیا اے ابوعبدالرحمٰن ہمیں وصیت فرمایئے، آپؓ نے فرمایا مجھے بٹھاؤ، پھر فرمایا "علم اور ایمان اپنی جگہ ہیں" یعنی راستے میں نہیں پڑے، ان کو حاصل کرنے کے لئے طلب ومحنت درکار ہے، "جوان کو چاہے گا پائے گا" یعنی علم دین اور ایمان طلب ہی سے نصیب ہوتے ہیں، یہ بات آپؓ نے تین بار فرمائی اور "علم چار شخصوں کے پاس تلاش کرو (۱) حضرت عویمر ابوالدرداءؓ کے پاس۔ (۲) حضرت سلمان فارسیؓ کے پاس۔ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس۔ (۴) حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس، جو پہلے یہودی تھے، پھر انھوں نے اسلام قبول کیا، پس بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "وہ جنت میں دس میں سے ایک ہیں"۔ (تحفۃ الالمعی)

کلمات حدیث کی تشریح عاشر عشرة فی الجنة حضرت عبداللہ بن سلامؓ عشرہ مبشرہ میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے شارحین نے حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ (۱) آپؓ جنت میں دسویں نمبر پر داخل ہوں گے۔ (۲) اسرائیلی صحابہ میں آپؓ کا دسواں نمبر ہے۔ بہر حال آپؓ بھی جنتی ہیں اور یہ بات آپؓ کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

حضرت معاذ بن جبلؓ اور دیگر چار صحابہؓ جن کا حدیث باب میں ذکر ہے سب کا تعارف ماقبل کی احادیث کے تحت نقل ہو چکا ہے۔

### حدیث نمبر ۳۰۳۷ ﴿حضرت حذیفہؓ کے بیان کی تصدیق کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۱

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اسْتَخْلَفْتَ؟ قَالَ إِنِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ عُذِّبْتُمْ وَلٰكِنْ مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ وَمَا أَقْرَأَكُمْ عَبْدُ اللّٰهِ فَاقْرَؤُوْهُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حواله:** ترمذی، ص ۲۲۱ ج ۲، باب مناقب حذیفه بن الیمانؓ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۱۲

**حل لغات:** عَصَيْتُمُوْهُ عَصَاه (ضرب) معصِيَةً وعِصْيَانًا نافرمانی کرنا۔ عُذِّبْتُمْ عَذَّبَهٗ عذاب دینا (تفعیل)۔

**ترجمه:** حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش آپ اپنا خلیفہ مقرر فرماتے! آپؐ نے فرمایا اگر میں تم پر اپنا خلیفہ مقرر کروں، پس تم اس کی نافرمانی کرو، تو تم سزا دیئے جاؤ گے، البتہ جو کچھ تم سے حذیفہؓ بیان کریں اس کی تصدیق کرو، اور جو کچھ تمھیں ابن مسعودؓ پڑھائیں اس کو پڑھو۔ (ترمذی)



خلاصۂ حدیث صحابہؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر فرمایئے تو یہ اچھا ہوگا، آنحضرتؐ نے اسلوب حکیم کے تحت جواب دیا کہ تمہارا یہ سوال اچھا نہیں ہے، نہ تم کو اس میں پڑنے کی ضرورت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ مناسب وقت میں جس کو مقرر کرے گا تم اس کو مان لوگے اور تمہارا اسی پر اتفاق ہو جائے گا، لیکن فرض کرلو اگر میں کسی کو اب سے خلیفہ مقرر کرلوں اور بعد میں تمہاری رائے اس کے مخالف ہوگئی تو تم سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے، اس لئے اس سوال میں نہ پڑو نہ خلافت کی بات کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہؐ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو، کتاب وسنت اپنانے میں حذیفہ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی اقتدا کرو، ان دو کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ حضرت حذیفہؓ "صاحب سر رسول اللہ" اور حضرت ابن مسعودؓ احکام شریعت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، اس میں ان دونوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

کلمات حدیث کی تشریح فصدقوه حضرت حذیفہؓ جو کہیں اس کی تصدیق کرو، حضرت حذیفہؓ کی روایت ماقبل میں نقل ہوئی کہ انھوں نے آپؐ کا ارشاد نقل کیا کہ میرے بعد ان دو یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کی پیروی کرو، اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ نے فیصلہ دیا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ دین کے کاموں میں ہم پر مقدم ہیں تو ان کو دنیا کے کاموں میں کیسے موخر کر سکتے ہیں، یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت بلافصل کی دلیل ہے، اور اس پر گویا آپؐ کی تصدیق کی مہر لگی ہوئی ہے۔

**حدیث نمبر ۳۰۳۵ ﴿محمد بن مسلمہ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۲**

وَعَنْهُ قَالَ مَا اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ تُدْرِكُهُ الْفِتْنَةُ اِلَّا اَنَا اَخَافُهَا عَلَيْهِ. اِلَّا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَضُرُّكَ الْفِتْنَةُ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

**حوالہ:** ابوداود،ص ۶۴۱ ج ۲،باب ما يدل على ترك الكلام في الفتنة، كتاب السنة،حدیث ۳۸۱۲

**حل لغات:** لا تَضُرُّ ضرَّہٗ وبہ (ن) ضرًّا و ضرَرًا کسی کونقصان لاحق ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب فتنہ لوگوں کو گھیرے گا تو لوگوں میں سے کوئی ایک شخص بھی نہیں ہے مگر مجھے اس پر فتنہ کا خوف ہے،سوائے محمد بن مسلمہؓ کے اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ تجھے فتنہ ضرر نہ پہنچائے گا۔(ابوداود)

**خلاصہ حدیث** یہ محمد بن مسلمہؓ وہی صحابی ہیں،جنھوں نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا تھا،اسی موقع پر آپ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا تھا، چونکہ انھوں نے مسلمانوں کو کعب بن الاشرف کی اذیتوں اور فتنوں سے اس کو قتل کر کے بچایا تھا تو اس کے صلہ میں ان کو بشارت ملی تھی،مگر اس کے باوجود وہ فتنوں سے بچنے کی بہت کوشش کرتے تھے،چنانچہ ابوداود میں روایت ہے ثعلبہ بن ضبیعہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہؓ کے پاس گئے تو انھوں نے وہی اوپر والی بات فرمائی کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کو کوئی فتنہ ضرر نہیں پہنچا سکتا (اس پر غالبًا ثعلبہ نے حضرت حذیفہ سے یہ درخواست کی ہوگی کہ ایسے شخص کی زیارت ہمیں بھی کرا دیجئے،چنانچہ وہ آگے فرماتے ہیں کہ) ہم نکلے ان کو دیکھنے کے لئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک خیمہ قائم تھا،جب ہم اس میں داخل ہوئے تو اس میں محمد بن مسلمہؓ موجود تھے،ہم نے ان سے اس تنہائی اختیار کرنے کا منشا معلوم کیا (اسی وقت کوئی فتنہ کھڑا ہوگا) تو انھوں نے فرمایا کہ جب تک یہ فتنہ زائل نہ ہو میں نہیں چاہتا کہ میرا وجود ان شہروں کے اندر ہو۔(الدرالمنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تضرك الفتنة آپؐ نے محمد بن مسلمہ کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی کہ یہ فتنوں سے محفوظ رہیں گے،چنانچہ ہر فتنہ وآزمائش سے محفوظ رہے،اور صحابہؓ کی آپس کی جنگوں میں بھی یہ الگ رہے۔

**حضرت محمد بن مسلمہؓ کا مختصر تعارف:** ان کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس سے ہے،بدر میں اور دیگر تمام مشاہد میں شریک ہوئے ہیں،ان کا انتقال ۴۳ھ یا ۴۶ھ میں مدینہ میں ۷۷ سال کی عمر میں ہوا۔مروان بن الحکم جو اس وقت مدینہ منورہ کا حاکم تھا اس نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔(کشف الباری)

**حدیث نمبر ۳۰۳۶ ﴿حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۳**

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى فِيْ بَيْتِ الزُّبَيْرِ مِصْبَاحًا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ مَاأُرٰى أَسْمَاءَ إِلَّا قَدْ نُفِسَتْ وَلَا تُسَمُّوْهُ حَتّٰى أُسَمِّيَهٗ فَسَمَّاهُ عَبْدَ اللّٰهِ وَحَنَّكَهٗ بِتَمْرَةٍ بِيَدِهٖ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی،ص ۲۲۲ ج ۲، باب مناقب بعبدالله بن الزبير، كتاب المناقب،حدیث ۳۸۲۶

**حل لغات:** نُفِسَت نَفِسَت المرأة ونُفِسَت (س) نَفسًا بچہ جننا۔حَنَّكَهٗ حَنَّكَ الصَّبِىَّ چبائی ہوئی چیز بچے کے تالو میں ملنا (تفعیل)

**ترجمہ:** اور حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیرؓ کے گھر میں چراغ جلتے دیکھا تو فرمایا کہ عائشہ میرے خیال میں اسماء کے بچہ پیدا ہوا ہے،تم لوگ اس بچہ کا نام نہ رکھنا جب تک میں نام نہ رکھوں،چنانچہ آنحضرتؐ نے اس بچہ کا نام عبداللہ رکھا اور کھجور کے ذریعہ اپنے دست مبارک سے اس بچہ کو تحنیک کیا۔(ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپؐ نے ان کا نام رکھا اور ان کی "تحنیک" فرمائی، تحنیک کا مطلب یہ ہے کہ کھجور یا کوئی اور چیز چبا کر بچوں کے تالو سے لگا دینا یہ سنت ہے، اس سے خیر و برکت حاصل ہوتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** في بيت الزبير مصباحا زبیر بن عوامؓ مشہور صحابی ہیں، جن کا عشرہ مبشرہ میں شمار ہے، یہ حضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہ کے بیٹے ہیں اور حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ کے شوہر ہیں، ان کے یہاں ہجرت کے بعد ۱ھ میں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام آپؐ نے عبداللہ رکھا اور یہ عبداللہ بڑے ہو کر بڑے فضل و کمال کے حامل ہوئے۔

**حضرت عبداللہ کا مختصر تعارف:** آپ کی کنیت ابوبکر ہے، اسدی قریشی ہیں، حضور انورؐ نے آپؐ کو آپ کے نانا جناب صدیق اکبرؓ کی کنیت ابوبکرؓ عطا فرمائی اور انہیں کا نام عبداللہ رکھا، آپ اسلام میں مہاجرین میں پہلے بچے ہیں جو پیدا ہوئے، ابوبکر صدیقؓ نے کان میں اذان دی، مقام قبا میں اسماءؓ بنت صدیق اکبرؓ کے شکم سے پیدا ہوئے، آپؓ انھیں حضورؐ کی خدمت میں لائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوارے سے تحنیک کی، آپ کے پیٹ میں سب سے پہلے حضورؐ کا لعاب پہنچا، پھر حضورؐ نے آپ کو دعاء برکت دی، آپ کے سر اور چہرہ پر کوئی بال نہ تھا، آپ بہت زیادہ نماز روزہ کے عادی تھے، آپ کے والد حضرت زبیرؓ، والدہ بنت صدیقؓ، نانا خود صدیقؓ اور دادی بی بی صفیہ، حضورؐ کی پھوپھی، خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں ۶۴ھ میں آپ کے ہاتھ پر (لوگوں نے) بیعت کی، آپ کو حجاج بن یوسف نے مکہ معظمہ میں ۱۷ جمادی الاخریٰ ۷۳ھ منگل کے دن سولی دے کر شہید کیا ۶۴ھ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی گئی تھی حجاز، یمن، عراق، خراسان وغیرہ کے مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی تھی، بجز شام کے مسلمانوں کے، آپ نے اپنی خلافت میں آٹھ حج لوگوں کو کرائے۔ (توضیحات)

### حدیث نمبر ۳۰۳۷ ﴿حضرت معاویہؓ کی شانِ اعلیٰ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۴

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمِيرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۴ ج ۲، باب مناقب معاوية، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۴۲

**حل لغات:** اهْدِ هدی (ض) هدًى وهدايةً ہدایت پانا، فلاناً راہنمائی کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالرحمٰن بن ابوعمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کے لئے دعا فرمائی، اے اللہ اسے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعہ ہدایت فرما۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کی دعا کا ذکر ہے جو کہ آپؐ نے حضرت معاویہؓ کے حق میں کی ہے، حضرت معاویہؓ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے آپؐ سے بہت دعائیں لیں اور وہ سب قبول ہوئیں۔ ایک بار ان کے لئے آپؐ نے دعا فرمائی اللّٰهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب اے اللہ معاویہ کو کتاب اور فن حساب سکھا دیجئے اور ان کو آخرت کے عذاب سے بچائیے۔ اسی روایت کی بعض سندوں کے ساتھ اس کے متن میں مكن له في البلاد کا بھی اضافہ کیا گیا ہے جس کا ترجمہ اور ملکوں ملکوں ان کو اقتدار نصیب فرمائیے ہوتا ہے۔ جامع ترمذی کی اس روایت میں ان کے لئے آپ کے دعا کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں اللهم اجعله هاديا مهديا واهد به اے اللہ معاویہ کو اپنے بندوں کے لئے ذریعہ ہدایت اور خود ہدایت یافتہ بنا دیجئے اور ان سے ہدایت کا کام بھی لے لیجئے۔ آپ کے بارے میں رسول اللہؐ کی یہ مذکورہ دعائیں سب ہی قبول ہوئیں۔ وہ

بہترین کاتب تھے، حتی کہ آپ نے ان کو کتابت وحی اور اپنی خط و کتابت کے لئے بھی منتخب فرمایا تھا، حساب کتاب کے ماہر تھے، اللہ نے ان کو دور دراز علاقوں تک اسلامی سلطنت کو وسیع کرنے کا ذریعہ بنایا اور وہ خود بھی ہدایت یافتہ تھے اور اللہ ہی جانتا ہے کتنے بندگان خدا ان کی وجہ سے دولت ایمان سے سرفراز ہوئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اللهم اجعله هاديا مهديا آپ کی اس دعا کی برکت سے چالیس سال قوم کی رہنمائی کی اور اسلامی سرحدوں کی غیروں سے حفاظت کی۔

**حضرت معاویہؓ کا تعارف:** حضرت معاویہؓ کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی، صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے ہیں اپنے ایمان لانے کا واقعہ بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اہل مکہ نے رسول اللہؐ کو عمرہ کرنے سے منع کر دیا اور آپؐ کے اور مکہ والوں کے درمیان صلح نامہ لکھے جانے کے بعد آپؐ مدینہ طیبہ واپس جانے لگے تو مجھے آپؐ کے نبی برحق ہونے کا یقین ہو گیا تھا، اور جب آئندہ سال آپ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں تو میں مسلمان ہو چکا تھا، لیکن والدین کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن جب والدین بھی مسلمان ہو گئے، تو میں نے بھی اپنے اسلام کا اظہار کر دیا فتح مکہ کے بعد اس خاندان کے غالباً سبھی لوگ مدینہ آ گئے ہیں۔ وفات دمشق میں ۶۰ ہجری میں ہوئی، مدت عمر اسّی سال، فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے، کاتبین وحی میں سے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؓ کو اردن کا والی مقرر کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ملک شام بھی آپؓ کی ولایت میں شامل کیا، حضرت علیؓ نے خلیفہ ہوتے ہی آپ کو معزول کر دیا مگر آپ نے عزل تسلیم نہیں کیا، بلکہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا، اور اس خون کا ذمہ دار حضرت علیؓ کو قرار دیا۔ نتیجہ میں جنگ صفین ہوئی، پھر تحکیم کا واقعہ پیش آیا، پھر نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، شام میں معاویہ اور عراق میں علی رضی اللہ عنہما حکومت کرتے رہے۔ پھر قتل علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ۴۱ ہجری میں حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی، اس کے بعد بیس سال تک آپؓ نے بلا منازعت حکومت کی اور وفات سے پہلے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لی۔

**حدیث نمبر ۳۰۳۸ ﴿حضرت عمرو بن عاصؓ کی فضیلت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۵**

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمَ النَّاسُ وَآمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۴ ج ۲، باب مناقب عمرو بن العاصؓ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۴۴

**حل لغات:** أَسْلَمَ إِسْلَامًا فرماں بردار ہونا، مسلمان ہونا۔ آمَنَ إِيْمَانًا یقین کرنا، ایمان لانا۔

**ترجمہ:** حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرے لوگ مسلمان ہوئے اور عمرو بن العاص ایمان لائے، اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان لانے کی بڑی قدر فرماتے تھے، چنانچہ فرماتے "اسلم الناس و آمن عمرو بن العاص" اس روایت میں الناس سے مراد وہ قریش مکہ ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا، یعنی جب اسلام غالب آ گیا اور ان کے لئے قبول اسلام کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تو وہ اسلام لے آئے، اگرچہ بعد میں یہ لوگ کامل الایمان، مضبوط اور مخلص مسلمان بن گئے تھے، ان لوگوں کے برخلاف حضرت عمرو بن العاصؓ فتح مکہ سے پہلے ہی برضا و رغبت ایمان لے آئے تھے، گویا حضورؐ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ باقی لوگ قریش مکہ میں سے بعض مصالح کی وجہ سے اسلام لائے، جب کہ حضرت عمرو بن

العاصؓ اپنی خوشی اور رغبت اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے ایمان لائے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** اسلم الناس و آمن عمرو بن العاص آپ حضرت عمرو بن العاصؓ کے ایمان لانے کی بڑی قدر کرتے تھے اور یہ الفاظ بھی قدر دانی کے طور پر استعمال فرماتے ہیں، کچھ وضاحت تو خلاصہ حدیث میں گذر گئی ہے، کچھ لوگوں نے یوں بھی وضاحت کی ہے کہ دیگر لوگوں کو ایمان و اسلام کی دعوت دی گئی تو وہ مسلمان ہوگئے، لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسلام کی حقانیت اور محمد عربیؐ کی نبوت کا ادراک کیا اور قلب میں قبولیت اور ایمان کا ایک جذبہ پیدا ہوا اور دوڑے دوڑے مدینہ چلے آئے اور ایمان قبول کیا، کہتے ہیں کہ حبشہ کے نجاشی نے ان سے کہا کہ تعجب ہے اے عمرو! محمدؐ تمہارے چچا کے بیٹے ہیں اور تم ان کی حقیقت و حقانیت سے بے خبر ہو؟ مکہ کے کفار نے حضرت عمرو بن العاص کو سفیر بنا کر بھیجا تھا کہ مکہ سے حبشہ کی طرف بھاگے ہوئے مسلمانوں کو واپس لاؤ، وہاں پر جب عمرو بن العاص اپنے مشن میں ناکام ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں ایمان کا نور موجزن ہوا اور وہ ایمان لے آئے، اس طرح انھوں نے علی وجہ البصیرہ ایمان کو دل و جان سے قبول کیا اور بہت عمدہ طریقہ سے آنحضرتؐ سے اسلام کے بارے میں گفتگو کی، شاید اسی کی طرف اشارہ ہو کہ اور لوگوں نے "اسلام" قبول کیا مگر عمرو بن العاص ایمان لائے۔ (توضیحات) حدیث غریب یہ حدیث عبداللہ بن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

**حضرت عمرو بن العاصؓ کا تعارف:** نام عمرو، کنیت ابوعبداللہ اور ابومحمد، والد کا نام عاص اور والدہ کا نام نابغہ تھا، عمرو بن العاصؓ کا خاندان جاہلیت سے بہت معزز چلا آتا تھا، مقدمات کا فیصلہ کرنا انہی کے خاندان کے سپرد تھا، ولادت ہجرت سے پچاس سال پہلے، وفات قاہرہ میں ۴۳ ہجری مطابق ۶۶۴ عیسوی مدت عمر ۹۳ سال، جاہلیت میں اسلام کے سخت دشمن تھے، صلح حدیبیہ کے بعد ہدنہ کے زمانہ میں مسلمان ہوئے، نبیؐ نے انکو غزوۂ ذات السلاسل میں امیر بنایا، پھر کمک کیلئے جو لشکر بھیجا اسمیں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے، پھر شام کے جہاد میں شریک رہے اور قنسرین وغیرہ فتح کیا، پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آپؓ نے مصر فتح کیا، اور اسکے گورنر مقرر ہوئے، حضرت عثمانؓ نے آپکو معزول کیا، حضرت علیؓ و معاویہؓ کے جھگڑے میں آپ حضرت معاویہؓ کیساتھ رہے، پھر حضرت معاویہؓ نے آپکو مصر کا گورنر مقرر کیا (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۳۰۳۹ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۶**

## ﴿حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ کی فضیلت﴾

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا جَابِرُ مَالِيْ أَرَاكَ مُنْكَسِرًا قُلْتُ اسْتُشْهِدَ أَبِيْ وَتَرَكَ عِيَالًا وَدَيْنًا قَالَ أَفَلَا أُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهٖ أَبَاكَ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَأَحْيَا أَبَاكَ فَكَلَّمَهٗ كِفَاحًا قَالَ يَا عَبْدِيْ تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ قَالَ يَا رَبِّ تُحْيِيْنِيْ فَأُقْتَلُ فِيْكَ ثَانِيَةً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِنَّهٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّيْ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ فَنَزَلَتْ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا. اَلْآيَةَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۳۰ ج ۲، باب و من سورة آل عمران، کتاب تفسیر القرآن، حدیث ۳۰۱۰

**حل لغات:** مُنْكَسِرًا انْكَسَرَ الشَّيْءُ ٹوٹنا، المُنْكَسِر شکستہ، رنجیدہ، غمگین۔ اسْتُشْهِدَ خدا کی راہ میں شہید ہو جانا (استفعال)۔ عِيَالًا (و) عَيِّلٌ اہل و عیال، اہل خانہ جن کی معاشی کفالت مرد کے ذمہ ہو۔ دَيْنٌ قرض (ج) أَدْيُنٌ و دُيُوْنٌ۔ أَحْيَى اللّٰهُ فُلَانًا زندگی عطا کرنا۔ كِفَاحًا كَفَحَ فُلَانًا (فتح) كَفْحًا و كافحهٗ كِفَاحًا روبرو ملنا۔ تَمَنَّ تَمَنَّى الشَّيْءَ آرزو کرنا، خواہش مند ہونا (تفعل)۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ کہتے ہیں مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی، آپؐ نے مجھ سے پوچھا جابر کیا بات ہے میں آپ کو شکستہ

خاطر دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ابا شہید کر دیئے گئے، اور انھوں نے بچے اور قرضہ چھوڑا ہے جو میری پریشانی کا سبب ہے، نبیؐ نے فرمایا، کیا میں تم کو خوشخبری نہ سناؤں اس حالت کے ذریعہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ابا سے ملاقات کی ہے؟ حضرت جابرؓ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی سے بات نہیں کی، مگر پردہ کی اوٹ سے، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے ابا کو زندہ کیا، پس ان سے رو در رو بات کی، فرمایا اے میرے بندے مجھ سے آرزو کر، میں تجھے دوں گا، آپ کے ابا نے جواب دیا میرے پروردگار! مجھے زندہ کریں؛ تاکہ میں آپ کی راہ میں دوبارہ مارا جاؤں، پروردگار عالم نے فرمایا میری طرف سے یہ بات پہلے سے طے ہو چکی ہے کہ مرے ہوئے واپس نہیں لوٹتے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں اور اللہ نے یہ آیت نازل کی کہ لا تحسبن الخ "ان لوگوں کو جو راہِ خدا میں مارے گئے ہیں مرے ہوئے خیال مت کرو"۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضورؐ نے حضرت جابرؓ کو جب پریشان اور غمگین دیکھا اور وجہ دریافت کی تو انھوں نے عرض کیا کہ والد کی شہادت ہوگئی ہے، وہ پسماندگان میں بہت سی اولاد چھوڑ گئے ہیں اور ان پر قرضہ بھی بہت ہے ان دو وجہوں سے میں پریشان ہوں۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ کیا تمہیں خوشخبری نہ سناؤں کہ تیرے والد کے ساتھ اللہ پاک نے کیا معاملہ فرمایا۔ حضور کا یہ جواب بھی بطور اسلوب حکیم کے ہے کہ تمہیں ان کی کثرتِ عیال اور کثرت دین سے جو دنیا کی باتیں ہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے، یہ پریشانیاں تو اللہ تعالیٰ نبی کریمؐ کی برکت سے دور فرما دیں گے، تمہیں میں خوشخبری سناتا ہوں کہ تمہارے والد کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا قرب اور عزت عطا ہوئی ہے، یہ سن کر خوش رہو اور دنیاوی غم بھلا دو۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** مالی اراك منكسرا ملا علی قاری نے اس کا ترجمہ منکسر البال و الخاطر مغموم وحزین سے کیا ہے۔ عیال، گھر کے ان افراد کو کہا جاتا ہے جن کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ افلا ابشرك بما لقی اللّٰه به اباك حضرت جابرؓ کہ کی قلت اور قرض کے بوجھ سے پریشان تھے، ایسی صورت میں ان کی نصرت واعانت کے بجائے ان کے والد کی اخروی مقبولیت وکامیابی کی خبر بظاہر بے جوڑ نظر آتی ہے، پھر آپؐ نے اس موقع پر یہ بشارت کیوں سنائی؟ حضرت گنگوہیؒ جواب دیتے ہیں "ان البشارة تزيل ترح الهموم وانعام اللّٰه تبارك و تعالىٰ على ابيه بعد موته يهوّن عليه ما يلقاه لأجله ويتكلف فى اداء دينه" خوش خبری غموں کے بوجھ کو ہلکا کر دیتی ہے، اس لئے ان کے والد پر ہونے والے انعامات عنقریب حضرت جابرؓ کی پریشانیوں کو دور اور ان کے قرض کی ادائیگی کو آسان کر دیں گے، تو اس لحاظ سے اس بشارت کا تعلق صرف اخروی نہیں، بلکہ دنیوی معاملات سے بھی ہے۔ (ضیاء السنن) و كلمه كفاحا یعنی اللہ تعالیٰ نے تیرے والد سے روبرو کلام کیا ہے، ان کے درمیان نہ کوئی پردہ حائل تھا اور نہ کسی قاصد کا واسطہ تھا، بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ نے بات کی ہے۔ اس حدیث شریف پر بظاہر دو اشکال ہیں، پہلا اشکال تو یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابرؓ کے والد سے براہ راست اور بغیر کسی حجاب حائل ہوئے گفتگو کی ہے، جب کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما كان لبشر ان يكلمه اللّٰه الا وحيا او من وراء حجاب او يرسل رسولا فيوحى باذنه ما يشاء" "نہیں ہے کسی بشر کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی قاصد جو چاہے وحی کرے"، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کی تین شکلیں ہیں: (۱) بذریعہ وحی (۲) پردے کے پیچھے (۳) کوئی فرشتہ وغیرہ بھیج کر اور یہاں تینوں طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے گفتگو نہیں ہوئی، بلکہ براہ راست گفتگو ہوئی جو آیت قرآنیہ کے خلاف ہے؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں جو ہم کلامی کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں وہ دنیاوی زندگی کے لئے ہے اور اس دنیا میں ان ہی تین طریقوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام ممکن ہے، ان کے علاوہ سے نہیں اور حضرت جابرؓ کے والد کے

ساتھ جو کلام ہوا وہ آخرت اور وفات کے بعد ہوا، لہٰذا آیت اور حدیث میں کوئی تعارض ہی نہیں ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مدیون شخص کی روح آسمان پر نہیں پہنچتی ہے بلکہ محبوس ہوتی ہے، چنانچہ مسند احمد میں روایت موجود ہے کہ سعد بن اطوال کے بھائی کی وفات ہوگئی اور اس نے تین سو دینار اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی چھوڑے، حضرت سعد بن اطول ان بچوں پر خرچ کرنے لگے، تو اللہ کے رسولؐ نے ان سے فرمایا "ان اخاك محبوس بدينه فاقض عنه" تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کے والد کی روح کیسے آسمان پر گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس مدیون کے بارے میں جس نے اپنے دین کی ادائیگی کے لئے کوئی مال نہ چھوڑا ہو اور حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے دین کی ادائیگی کے لئے مال چھوڑا تھا، اسی لئے حضرت جابرؓ فرمارہے ہیں میرے والد کا انتقال ہوگیا اور عیال اور دین چھوڑا۔ شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت جابرؓ کے والد کی روح محبوس نہیں ہوئی ہوگی اس لئے کہ شہادت حقوق العباد کی معافی کا ذریعہ ہے مگر دلائل کی روشنی میں یہ جواب مخدوش ہے؛ کیوں کہ حدیث میں صراحت ہے کہ حقوق العباد شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتے ہیں، اس لئے پہلا جواب ہی زیادہ مناسب ہے۔ (تکمیل الحاجۃ) تمنّ عليّ اعطك یہ تمنّی سے امر کا صیغہ ہے، اس لئے حرف علت کو گرادیا اسی طرح اعطك اصل اعطيك تھا جواب امر ہونے کی بنا پر یاء ساقط ہوگئی، وعدے میں عموم نظر آتا ہے جو چاہو مانگ لو دیا جائے گا، پھر جب انھوں نے دنیا میں دوبارہ واپسی کی درخواست کی تو اسے قبول نہیں کیا گیا، اس پر وعدہ خلافی کا اطلاق ہوگا، علامہ سندھیؒ لکھتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ معروف ومقرر اصول کے خلاف کوئی چیز طلب کرنا خود اسی وعدے کے عموم سے خارج ہے۔ ویمکن الجواب بان خلاف المیعاد المعهود مستثنیٰ من عموم فان الغاية من جملة المخصصات كما ذكره اهل الاصول"۔ یا رب تحیینی یہاں احيينی مناسب تھا، اسے چھوڑ کر خبر یہ لانے کی کیا وجہ ہے؟ سندھی کہتے ہیں "لاظهار كمال الرغبة" انشائیہ چھوڑ اخبر یہ لانا اپنی خواہش وآرزو کی شدت وکمال کو ظاہر کرتا ہے۔ ملا علی قاری نے بھی اسے دعا کے معنی میں قرار دیا ہے "خبر بمعنى الدعاء"۔ انه سبق منى انهم لا يرجعون باری تعالیٰ کا ایک اٹل فیصلہ ہے کہ دنیا کی زندگی انسان کو صرف ایک بار ملتی ہے اسکے بعد وہ عالم برزخ میں منتقل ہوکر یہاں سے بالکل کٹ جاتا ہے، اسلئے دنیا میں جسم تو کیا اسکی روح کے بھی دوبارہ آنے کا کوئی امکان نہیں، ہاں بطور معجزہ تھوڑی دیر کیلئے کوئی زندہ ہوجائے تو کوئی حرج نہیں، حضرت عیسیٰؑ کے واقعات ومعجزات اسکی مثال ہیں، قرآن و سنت کی روشنی میں اربوں کھربوں انسانوں کے اندر چند مثالیں شاذ بلکہ اشذ کا درجہ رکھتی ہیں، جو قواعد کی رو سے معدوم کے حکم میں ہیں، اسی لئے ہم کرامت کا نام لیکر جو ہر نامور دینی شخصیت کو زندہ کرنے پر تلے ہیں، یہ چیز شریعت کے مسلم اصولوں سے متصادم ہے اور ہندوانہ عقیدے تناسخ کو بھی وہ ممکن بناتی ہے، اسلئے کسی مسلمان کو ایسا باطل عقیدہ رکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ فانزل الله تعالیٰ اس آیت سے آیت کا شان نزول حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام کا واقعہ معلوم ہوتا ہے، جبکہ سنن ابی داود اور صحیح مسلم "باب فی بيان ان ارواح الشهداء فی الجنة" کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آیت کا شان نزول جملہ شہداء احد ہیں، اب دونوں میں تطبیق کس طرح ہو، یہی کہا جائے کہ آیت دونوں ہی سے متعلق ہے، حضرت عبداللہ مذکورہ بالا شہداء میں بھی شامل تھے اور ابن ماجہ کی روایت کے مطابق یہ عنایت و نوازش انکی اضافی خصوصیت ہے، حیاتِ اخروی تو مومن، کافر تمام انسانوں کو حاصل ہے، پھر شہداء کی کیا خصوصیت ہوئی، حضرات محدثین نے لکھا ہے کہ برزخ میں حیات کے مختلف درجے ہیں، سب سے پہلا درجہ انبیاء کا ہے اور دوسرے نمبر پر شہداء ہیں، جنکو دوسروں کے برخلاف جنت کا رزق مسلسل دیا جاتا ہے اور وہ سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتے پھرتے ہیں، اسکے پھل کھاتے ہیں، نہروں کا پانی پیتے ہیں اور عرش میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں دوسروں کو یہ نعمت حاصل نہیں۔ (ضیاء السنن)

**حضرت عبداللہؓ کا تعارف:** حضرت عبداللہ بن عمروؓ مشہور صحابی حضرت جابرؓ کے والد ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے سے پہلے ہی آپ کی خدمت میں مکہ معظمہ حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے اور بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔آپ نے ان کو اپنے قبیلہ کا نقیب بنا کر مدینہ طیبہ واپس کر دیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد حضرت عبداللہ غزوۂ بدر واحد دونوں میں شریک ہوئے ہیں اور غزوۂ احد ہی میں شہید ہوگئے۔ان کو غزوۂ احد میں اپنی شہادت سے پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا، اسی لئے انھوں نے اپنے بیٹے حضرت جابرؓ سے فرمایا میرا خیال ہے کہ میں کل سب سے پہلے شہید ہونے والے لوگوں میں ہوں گا، تم میرے بعد اپنی بہنوں کا خیال رکھنا اور میرے ذمہ جو قرض ہے اس کی ادائیگی کر دینا۔وہ بڑے صاحب فضیلت صحابی ہیں، مشرکین نے انکو قتل کرنے کے بعد انکے اعضاء جسم کاٹ کر مثلہ کر دیا تھا۔انکے بیٹے حضرت جابرؓ ابھی بالکل نوعمر ہی تھے انپر اور انکی پھوپھی یعنی حضرت عبداللہ کی بہن فاطمہ بنت حزام پر اس حادثہ کا بہت اثر تھا، جسکی وجہ سے یہ دونوں بہت زیادہ رو رہے تھے، آپ نے ان دونوں کی تسلی کیلئے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرو کی شہادت کے بعد سے اللہ کے مقرب فرشتے مسلسل انپر سایہ کئے ہوئے ہیں، حضرت جابرؓ اور انکے خاندان کے دیگر افراد حضرت عبداللہؓ کو اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کرنے کیلئے میدان احد سے مدینہ طیبہ لے آئے تھے، آپ نے ان کے جنازہ کو مدینہ سے میدان احد منگوالیا، اور پھر وہ وہیں دیگر شہدائے احد کے ساتھ دفن کئے گئے، غزوۂ احد میں شہداء کی تعداد زیادہ تھی، جو لوگ زندہ بچ رہے تھے ان میں بھی خاصی تعداد زخمیوں کی تھی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی تھے۔اس لئے آپ نے ایک قبر میں دو دو، تین تین شہداء کو دفن کرنے کی اجازت دے دی تھی اور جو شخص ان میں قرآن کا زیادہ حافظ و عالم ہوتا اس کو مقدم الی القبلہ رکھتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو بھی ایک یا دو شہیدوں کے ساتھ دفن کیا اور ان کو مقدم الی القبلہ رکھا گیا۔ (معارف الحدیث)

**حدیث نمبر ۳۰۴۰ ﴿حضرت جابرؓ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۷**

وَعَنْهُ قَالَ اسْتَغْفَرَلِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ مَرَّةً. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲۴، ج ۲، باب مناقب جابر بن عبداللہ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۵۲

**حل لغات:** استغفر استغفر اللہ ذنبہ ومن ذنبہ ولذنبہ اللہ سے مغفرت کی دعا مانگنا۔

**ترجمہ:** اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے پچیس مرتبہ مغفرت کی دعا مانگی ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت جابرؓ کے استغفار کا تذکرہ ہے، ترمذی میں صراحت ہے کہ آپ نے ان کے لئے یہ استغفار اونٹ والی رات میں کیا۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سفر میں حضرت جابرؓ نبی کے ساتھ تھے، پس انھوں نے اپنا اونٹ نبی کو بیچ دیا، اور انھوں نے مدینہ تک سواری کی شرط کی۔حضرت جابرؓ کہتے ہیں جس رات میں نے اونٹ نبی کو بیچا اس رات آپ نے پچیس مرتبہ میرے لئے استغفار کیا۔اور حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حزامؓ جنگ احد میں قتل کئے گئے، اور انھوں نے کئی لڑکیاں چھوڑیں، پس حضرت جابرؓ ان کی کفالت کرتے تھے، اور ان پر خرچ کرتے تھے، اس وجہ سے نبی حضرت جابرؓ کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے، اور ان پر مہربانی کرتے تھے۔اور آپ نے پچیس مرتبہ استغفار مسلسل نہیں کیا تھا، متفرق جملوں میں کیا تھا، مثلاً یہ پوچھا کہ جابر اپنا اونٹ بیچتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کریں! جابر تمہاری شادی ہوگئی؟ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کریں! جابر تم اسی اونٹ پر مدینہ چلے جاؤ، اللہ تمہاری مغفرت کریں۔جابر گھر پہنچ کر اونٹ میرے پاس لے آنا، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کریں۔جابر گھر پہنچ کر محتاط رہنا، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کریں!! اسی طرح پچیس مرتبہ استغفار کیا۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** استغفر آپ نے حضرت جابرؓ کے لئے پچیس مرتبہ دعا مغفرت کی، یہ حضرت جابرؓ کی فضیلت ہے، پھر جس کے لئے آپ نے اتنی زیادہ بار مغفرت کی دعا کی ہو اس کی مغفرت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

**حضرت جابر بن عبداللہ کا مختصر تعارف:** یہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں اور خاندان خزرج سے تعلق رکھتے ہیں، بچپن ہی میں اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ساتھ جن کا تذکرہ ابھی گذرا ہے، مکہ معظمہ جاکر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ جب آپ ہجرت فرماکر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے، تو اس وقت سے آپ سے قریبی تعلق رہا ہے، لیکن چوں کہ کم عمر بھی تھے اور اپنے والد کے اکلوتے بیٹے اور نو بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے، اس لئے غزوۂ بدر واحد میں شریک نہ ہوسکے، اس کے بعد مستقل غزوات میں شریک رہے ہیں، حضرت جابرؓ باعتبار عمر اگر چہ اکابر صحابہ کرامؓ کی صف میں شمار نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے علم وفضل کے اعتبار سے ان کا شمار جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے، وہ جس طرح غزوات میں بکثرت شریک ہونے والے ہیں، اسی طرح مکثرین فی الحدیث صحابہ کرامؓ میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انیس غزوات میں شرکت کی ہے، غزوۂ بدر واحد میں شریک نہیں ہوسکا تھا، اس لئے کہ والد صاحب خود جاتے تھے اور مجھے منع کرتے تھے، لیکن جب غزوۂ احد میں والد صاحب شہید ہوگئے، تو پھر کسی بھی غزوہ میں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے سے محروم نہیں رہا۔ وہ مکثرین فی الحدیث بھی ہیں ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۵۴۰ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی روایات نقل کرتے ہیں، اور اسی طرح بہت سے اکابر صحابہ اور بڑی تعداد میں تابعین کرام بھی ان سے احادیث کی روایت کرنے والوں میں شامل ہیں، چوں کہ ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تھے اور انھوں نے نو لڑکیاں چھوڑی تھیں اور صاحبزادہ صرف حضرت جابرؓ ہی تھے اور وہ بھی بہت نو عمر ہی تھے۔ نیز ان کے ذمہ کافی قرض بھی تھا، جو حضرت جابرؓ ہی کو ادا کرنا تھا۔ اس لئے آپ حضرت جابرؓ کے ساتھ بڑی محبت وشفقت کا معاملہ کرتے تھے اور ان کی بہت فکر رکھتے تھے۔ جب حضرت جابرؓ کی شادی ہوئی، تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کسی کنواری سے شادی کی ہے یا بیوہ یا مطلقہ سے؟ انھوں نے عرض کیا، کہ وہ کنواری تو نہیں ہے۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کسی کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی؟ حضرت جابرؓ کا جواب ان کی نوعمری کے باوجود بڑا سمجھداری کا جواب تھا، اور اسی جواب کو ذکر کرنے کے لئے یہ واقعہ ذکر کیا ہے، "میں نے سن رسیدہ عورت سے اس لئے شادی کی ہے کہ وہ میری بہنوں کی دیکھ بھال کر سکے"، ان کی اسی خستہ حالی کی وجہ سے آپ ان کے ساتھ مختلف صورتوں سے داد ودہش کا معاملہ کرتے رہتے تھے، ایک بار سفر سے واپسی میں آپ نے ان کا اونٹ خریدا اور جب وہ اپنے اونٹ سے اترنے لگے تو آپ نے ان کو اترنے سے منع فرمادیا، اور مدینہ طیبہ آکر اونٹ بھی ان کو دے دیا اور اس کی قیمت بھی۔ سفر کی اس رات کے متعلق جس میں آپ نے ان کا اونٹ خریدا تھا، حضرت جابرؓ فرمایا کرتے تھے آپ نے اس رات میرے لئے پچیس بار دعاء مغفرت فرمائی تھی، رسول اللہ کی احادیث سننے اور روایت کرنیکا جو شوق بچپن میں شروع ہوا تھا بڑھاپے تک باقی رہا، وہ احادیث کی تحصیل کیلئے دور دراز کا سفر کرتے تھے، رسول اللہ کی بعض احادیث جو مکی صحابہ کے علم میں تھیں، انکی تحصیل کیلئے مکہ کا سفر کیا، ایک بار تو صرف ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے مصر تشریف لے گئے۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد مسجد نبوی میں حضرت جابرؓ کا ایک بڑا حلقۂ درس قائم ہوتا تھا، جسمیں بڑی تعداد میں طلبہ علم حدیث شریک ہوکر فیضیاب ہوتے تھے، حضرت جابرؓ نے خاصی طویل عمر پائی ان کی وفات ۷۸ھ میں ہوئی ہے، وہ ان صحابہ کرامؓ میں جو مدینہ سے مکہ آکر اسلام لائے اور آپ سے عقبہ (جو منیٰ کا ایک حصہ ہے) میں بیعت کی، مدینہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ہیں۔ (معارف الحدیث)

**حدیث نمبر ۳۰۴۱ ﴿حضرت براء بن مالکؓ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۸**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِيْ طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۴-۲۲۵ ج ۲، باب مناقب البراء بن مالکؓ، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۵۴

**حل لغات:** أَشْعَثُ شَعِثَ الشَّعْرُ (س) شَعَثًا پراگندہ حال ہونا، بالوں کا بکھرا ہوا غبار آلود ہونا۔ أَغْبَر غَبِرَ الشَّيْءُ غَبَرًا گرد آلود ہونا، مٹیالے رنگ کا ہونا۔ طِمْرَيْنِ طِمْرٌ کا تثنیہ، بوسیدہ پرانا کپڑا (ج) أَطْمَارٌ۔ لَا يُؤْبَهُ لَهُ اُو بِهِ ناقابل توجہ، حقیر وگمنام۔ أَقْسَمَ بِاللّٰهِ اللہ کی قسم کھانا، عَلَى الْمُصْحَفِ قرآن کی قسم کھانا۔ أَبَرَّهُ أَبَرَّ اللّٰهُ قَسَمَهُ اللہ کا کسی کی قسم کو پورا کر دینا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے ہی بکھرے ہوئے بالوں اور غبار آلود قدموں والے ہیں کہ جن کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اگر وہ اللہ کے بھروسے قسم کھا بیٹھے تو وہ اسے سچا کر دیتا ہے، ان میں سے ایک براء بن مالک ہیں۔ روایت کیا اسے ترمذی نے اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں۔

**خلاصۂ حدیث** اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کا اللہ کے یہاں خاص مقام ہوتا ہے، اگر وہ اللہ کے سامنے اڑ جائیں اور قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی لاج رکھ لیتے ہیں۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** کم من اشعث یعنی ایسا شخص ہو کہ معاشرہ میں کوئی شخص اہمیت نہ دیتا ہو، گمنام بوسیدہ حال ہو کسی شمار میں نہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اتنا بڑا مقام ہوتا ہے کہ اگر وہ ازخود قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم میں اس کو سچا اور بری الذمہ بنا دیتا ہے، انہیں افراد میں سے ایک براء بن مالک ہیں۔ (توضیحات)

**حضرت براء بن مالکؓ کا مختصر تعارف:** حضرت براء بن مالک خزرجی، نجاری، انصاریؓ حضرت انس بن مالکؓ کے حقیقی بھائی اور بڑے بہادر تھے، دیکھنے میں کمزور لاغر مگر سو آدمیوں کو مقابلہ پر بلا کر قتل کیا۔ فتح تستر میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے لشکر کے دائیں بازو پر تھے، شہر کے مشرقی دروازے پر ۲۰ھ میں شہید ہوئے۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۳۰۴۲ ﴿انصارؓ کی خطائیں معاف کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۴۹**

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا إِنَّ عَيْبَتِيَ الَّتِي آوِي إِلَيْهَا أَهْلُ بَيْتِي وَإِنَّ كَرِشِيَ الْأَنْصَارُ فَاعْفُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ وَاقْبَلُوا عَنْ مُحْسِنِهِمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۸ ج ۲، باب فی فضل الانصار و قریش، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۰۴

**ترجمہ:** حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو کہ میرے خاص مشیر جن کی طرف میرا میلانِ طبع ہے، میرے اہل بیت ہیں اور میرے دلی دوست انصار ہیں، ان کے بروں سے درگذر اور ان کے نیک لوگوں سے قبول کرو۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں اہل بیت وانصار کی فضیلت بیان ہوئی ہے؛ کیوں کہ یہ آپؐ کے نہایت معتمد اور محرم راز تھے۔ آپؐ نے انصار کے احسانات کے پیش نظر ان کے بارے میں خصوصی تلقین کی کہ ان کی اچھائیوں کی قدر کی جائے اور ان کی غلطیوں کو نظر انداز کیا جائے۔ اس مضمون کی احادیث ماقبل میں نقل ہو چکی ہیں، تفصیلات کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۶۲۲۱ اور عالمی حدیث ۶۲۲۲۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عیبتی بکس یا تھیلا۔ الکرش اوجھ جو انسان کے معدے کی طرح ہوتی ہے، یہ دونوں راز اور قرب سے کنایہ ہیں۔ عیبة ماقبل میں یہ انصار کے لئے استعمال ہوا ہے اور اس حدیث میں اہلِ بیت کو عیبہ قرار دیا ہے، ان میں کوئی تضاد نہیں، اس لئے کہ انصار کو عیبہ قرار دینے سے دوسرے سے اس کی نفی نہیں ہوتی، خصوصاً اہل بیت کہ وہ

اس صفت کیساتھ خصوصیت سے متصف تھے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ محسنهم اور مسيئهم کی ضمیر اہل بیت و انصار دونوں کی طرف راجع ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضمیر انصار کی طرف راجع ہو، لیکن اہل بیت اسمیں بطریق اولیٰ داخل ہوں گے۔ اہل بیت کے سلسلے میں تفصیلات کیلئے "باب مناقب اهل بيت النبی ﷺ" دیکھیں اور انصار کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۲۱۵ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۳۰۴۳ ﴿مومن انصار سے نفرت نہیں کرتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۰

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُبْغِضُ الْأَنْصَارَ أَحَدٌ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۹ ج ۲، باب في فضل الانصار، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۰۶

**حل لغات:** يبغض أَبْغَضَهُ (إفعال) إبغاضًا کسی سے بغض و عداوت رکھنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ انصار سے عداوت نہیں رکھے گا، اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا "آية النفاق بغض الانصار" انصار سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے، لہٰذا جو شخص مخلص مومن ہوگا وہ انصار سے قطعاً عداوت نہیں رکھے گا، اہلِ ایمان کے دل انصار کی محبت سے معمور ہونگے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا يبغض بغیر شرعی وجہ کے بغض مراد ہے، اس حدیث میں انصار کی بڑی فضیلت ہے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۲۱۵-۶۲۱۶ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۳۰۴۴ ﴿انصار کی پاک بازی کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۱

وَعَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَؓ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِقْرَأْ قَوْمَكَ السَّلَامَ فَإِنَّهُمْ مَا عَلِمْتُ أَعِفَّةٌ صُبُرٌ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۸ ج ۲، باب في فضل الانصار، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۰۳

**حل لغات:** أَعِفَّة (و) عَفِيْفٌ پاکدامن، عَفَّ (ض) عِفَّةً پاک دامن ہونا۔ صُبُر (و) صَبُوْرٌ بڑا صابر، جفاکش، متحمل مزاج۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ حضرت ابوطلحہؓ سے روایت کرتے ہیں ابوطلحہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اپنی قوم سے میرا سلام کہو، اس لئے کہ جہاں تک میں جانتا ہوں تیری قوم پاکباز اور صابر ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں انصار کی بڑی فضیلت ہے، آپؐ نے ان کو سلام کہلوایا، پھر ان کی پاک بازی کی گواہی دی یعنی وہ بحیثیت قوم ہر قسم کی فحاشی و عریانیت سے دور اور لوگوں سے سوال کرنے سے گریز کرنے والے ہیں، نیز میدان جہاد اور دیگر مشکلات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اقرء سلام کہنے اور پہنچانے کے معنی میں ہے۔ اعفة ناجائز اور ناپسندیدہ قول و فعل سے بچنے والے ہیں۔

**حضرت ابوطلحہؓ کا تعارف:** زید بن سہل انصاری نجاری نام ہے، لیکن شہرت کنیت سے حاصل ہوئی، حضرت انسؓ کے سوتیلے والد ہیں۔ یہ مشہور تیر اندازوں میں شمار ہونے کے علاوہ انتہائی جہر الصوت تھے۔ نبی کریمؐ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ابوطلحہؓ کی آواز لشکر میں ایک جماعت کی آواز سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ ۳۱ھ میں انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۷۷ سال تھی، اہل بصرہ کا کہنا ہے کہ ان کا انتقال سمندر کے سفر میں ہوا۔ اور ایک ہفتہ بعد کسی جزیرہ میں دفن کیا گیا۔ بیعت عقبہ میں ستر

صحابہ کے ساتھ یہ بھی شریک تھے۔ پھر بدر اور اس کے بعد تمام غزوات میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ بہت سے صحابہ نے ان سے روایت کی ہے۔ (مشکوٰۃ مترجم)

**حدیث نمبر ۳۰۴۵ ﴿اھل بدر و اھل حدیبیہ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۲**

وَعَنْ جَابِرٍؓ أَنَّ عَبْدًا لِحَاطِبٍ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْكُوْ حَاطِبًا إِلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيَدْخُلَنَّ حَاطِبُ النَّارَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﷺ كَذَبْتَ لَا يَدْخُلُهَا فَإِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَّةَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص۳۰۲ ج۲، باب من فضائل اھل بدر، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث۲۴۹۵

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپؐ سے حاطبؓ کی سخت شکایت کی اور بولا کہ یارسول اللہ حاطب ضرور دوزخ میں جائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنی اس بات میں جھوٹا ہے، حاطبؓ دوزخ میں نہیں جائیں گے؛ کیوں کہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں شرکاءِ بدر اور شرکاءِ حدیبیہ والوں کی بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی مغفرت فرمائی ہے اور ان کو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل فرمانا طے کردیا ہے۔ پھر اس حدیث میں حاطبؓ کے لئے بھی بڑی فضیلت ہے؛ کیوں کہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوئے، ان سے بعد میں اگرچہ کچھ لغزش ہوئی، لیکن اس پر گرفت نہیں ہوئی، ان کی اسی فضیلت کی وجہ سے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۲۲۵ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لیدخلن النار حضرت حاطبؓ کے غلام نے کہا کہ وہ مجھ پر ظلم کرنے کی وجہ سے ضرور جہنم میں جائیں گے، تو نبی کریمؐ نے فرمایا ''کذبت'' یعنی تیرا اتنے جزم اور تاکید کے ساتھ ان کو جہنمی کہنا جھوٹ اور غلط ہے۔ چوں کہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھے، اس لئے وہ دوزخ میں نہ جائیں گے۔ حضورؐ کا یہ فرمان یا تو جزماً تھا کہ یقیناً یہ جنت میں جائیں گے یا رجاء اور امید کے طور پر تھا کہ اللہ پاک سے امید ہے کہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہونے کی وجہ سے ان کو جہنم میں نہ بھیجیں گے۔ (جدید مظاہر حق)

**حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا تعارف:** انکے والد ابوبلتعہ کا نام عمرو ہے، جبکہ بعض نے راشد اللحمی لکھا ہے، تمام ان غزوات میں شریک ہونے کی سعادت پائی جو غزوۂ بدر اور غزوۂ خندق کے درمیانی عرصے میں ہوئے۔ عمر عزیز کی پینسٹھ منزلیں طے کرنے کے بعد انھوں نے مدینہ منورہ کے اندر ۳۰ھ میں وفات پائی، حضرت حاطبؓ کے خط والے مشہور واقعہ کیلئے عالمی حدیث ۶۲۲۵ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۳۰۴۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۳**

**﴿حضرت سلمان فارسیؓ اور ان کی قوم کی فضیلت﴾**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ (وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا أَمْثَالَكُمْ) قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ ذَكَرَ اللّٰهُ إِنْ تَوَلَّيْنَا اسْتُبْدِلُوْا بِنَا ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا أَمْثَالَنَا فَضَرَبَ عَلٰى فَخِذِ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وَقَوْمُهُ وَلَوْ كَانَ الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنَ الْفُرْسِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۱۶۲ ج۲، باب ومن سورۃ محمد، کتاب تفسیر القرآن، حدیث۲۹۳۳

**حل لغات:** فَخِذ ران (ج) أفْخَاذ۔ تَنَاوَلَ الشَّیْءَ لینا، حاصل کرنا (تفاعل)۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، 'اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسرے لوگ بدل دے گا پھر وہ تمہارے جیسے نہیں ہوں گے'، لوگ عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر ہم منہ پھیریں گے تو انہیں ہماری جگہ لے آئے گا، پھر وہ ہمارے جیسے لوگ نہیں ہوں گے؟ آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا یہ اور ان کی قوم۔ اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوتا تب بھی فارسیوں میں سے کچھ لوگ اسے پا لیتے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت سلمان فارسیؓ اور ان کی قوم فارس کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔ حدیث باب میں جو آیت ہے اس میں حق تعالیٰ کے غنی اور بے نیاز ہونے کا اچھی طرح علم ہو رہا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عند الثریا مطلب یہ ہے کہ علم دین اور تعلیم قرآن کے لئے صبر آزما دور دراز کے سفر کریں گے، یہ ضروری نہیں کہ "ثریا" جائیں، مراد دوری اور مصائب کو برداشت کر کے علم حاصل کرنا ہے۔ رجال من الفرس ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ "اہل فارس" جن کا لقب ہے یہ ہدرام بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں، ہدرام کے دس بیٹے پیدا ہوئے، جو سب کے سب بہادر و شہسوار تھے، اس لئے فارس کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعض لوگوں نے ان کا مصداق امام ابوحنیفہ کو اور بعض نے دیگر کو قرار دیا ہے، درحقیقت اس سے علما، فقہا، مفسرین اور اصحاب علم و فضل کی جماعت کثیرہ مراد ہے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۲۱۲ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۳۰۴۷ ﴿اهل علم کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۴

وَعَنْهُ قَالَ ذُكِرَتِ الْأَعَاجِمُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنَا بِهِمْ أَوْ بِبَعْضِهِمْ أَوْثَقُ مِنِّیْ بِكُمْ أَوْ بِبَعْضِكُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۳۰ ج ۲، باب فی فضل الاعاجم، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۳۲

**حل لغات:** الْأَعَاجِمُ (و) الْأَعْجَم غیر عربی۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عجمیوں کا ذکر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان پر یا ان کے بعض پر تمہاری نسبت یا تمہارے بعض کی نسبت زیادہ اعتماد رکھتا ہوں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے بعض باتوں میں عجمیوں پر زیادہ اعتماد کا اظہار کیا ہے، یہی عجمیوں کے لئے بڑی فضیلت ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عجمی لوگ بعض صفات میں عرب سے افضل ہیں، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مفضول میں کوئی خاص خوبی ایسی پائی جائے جو فاضل اور افضل میں نہ ہو۔ پس جنس عرب جنس عجم سے افضل ہے، کلام صرف افراد میں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** او ببعضهم میں "او" شک کے لئے ہے، راوی کو شک ہے کہ آنحضرتؐ نے کون سا لفظ استعمال فرمایا تھا؟ مطلب یہ ہے کہ میں سارے اہل ایمان عجم کے بارے میں یا بعض کے بارے میں اتنا پرامید ہوں اور ان پر مجھے اتنا اعتماد و اطمینان ہے جتنا تم عرب پر نہیں ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں آنحضرتؐ کے اس کلام کے مخاطب بعض عرب تھے جو ایک خاص قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، آنحضرتؐ نے جہاد کے ایک موقع پر ان لوگوں کو جہاد میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا تو ان

لوگوں نے مال خرچ کرنے میں سستی کی، اسپر آنحضرتؐ نے یہ کلام فرمایا، لہٰذا یہ کلام عام صحابہ کرامؓ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ ایک خاص طبقہ کے بارے میں ہے، عام صحابہ کی شان ہی اور ہے اور وہ آنحضرتؐ پر فدا تھے انکے مقابلے میں کسی اور کا کیا تصور ہو سکتا ہے۔ (توضیحات)

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر۳۰۴۸ ﴿آپؐ کے چودہ خاص رفقاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۵

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ سَبْعَةَ نُجَبَاءَ رُقَبَاءَ وَأُعْطِيْتُ أَنَا أَرْبَعَةَ عَشَرَ قُلْنَا مَنْ هُمْ قَالَ أَنَا وَابْنَايَ وَجَعْفَرٌ وَحَمْزَةُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَمُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَبِلَالٌ وَسَلْمَانُ وَعَمَّارٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَأَبُوْذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۹ ج۲، باب مناقب اهل بيت النبیؐ، كتاب المناقب، حدیث ۳۷۸۵

**حل لغات:** نُجَبَاء (و) نجیب اعلیٰ نسب شخص، اپنی ذات وصفات میں ممتاز۔ رُقَبَاء (و) رَقِيْبٌ محافظ ونگہبان، پہرے دار؛ خیال رکھنے والا۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے ساتھ سات برگزیدہ اور محافظ ساتھی ہوتے تھے، جب کہ مجھے چودہ عطا فرمائے گئے ہیں۔ ہم عرض گزار ہوئے وہ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں، میرے دونوں بیٹے، جعفرؓ، حمزہؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ، مصعبؓ بن عمیرؓ، بلالؓ، سلمانؓ، عمارؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر نبی کو نہایت خاص معتمد سات لوگ عطا کئے جاتے تھے، جو اس نبی کی ظاہری نگہبانی وحفاظت کا فریضہ انجام دیتے تھے، ہمارے نبی چوں کہ افضل الانبیاء ہیں، اس لئے آپؐ کے اعزاز کی خاطر آپؐ کو اس طرح کے چودہ نفوس عطا کئے ہیں، ماقبل میں سب کا تعارف ہو چکا ہے، سوائے حضرت حمزہؓ اور مقدادؓ کے، ان کا مختصر تعارف ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نجباء اپنی ذات وصفات میں ممتاز لوگ۔ انا حضرت علیؓ مراد ہیں، ان کے فضائل کے لئے پورا باب گذر چکا ہے۔ ابنای حضرات حسنینؓ مراد ہیں، باب مناقب اہل بیت کے تحت بہت سی احادیث میں ان کا ذکر جمیل گذرا ہے۔ جعفر عالمی حدیث ۶۱۴۱ دیکھیں۔ حمزہ آپؐ کے چچا ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ آرہا ہے۔ ابوبکر و عمر حضرات شیخین کا بھی ذکر مستقل باب کے تحت ہو چکا ہے۔ مصعب بن عمیر عالمی حدیث ۶۲۰۵ دیکھیں۔ بلال عالمی حدیث ۶۲۰۰ دیکھیں۔ سلمان عالمی حدیث ۶۲۱۲ دیکھیں۔ عمار عالمی حدیث ۶۲۰۰ دیکھیں۔ عبداللہ بن مسعود عالمی حدیث ۶۱۹۷ دیکھیں۔ ابوذر عالمی حدیث ۶۲۳۸ دیکھیں۔ المقداد حضرت مقدادؓ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن سے اللہ نے محبت کرنے کا آپ کو حکم دیا تھا۔ ذیل میں ان کا تعارف نقل کیا جا رہا ہے۔

**حدیث باب کا حال:** یہ حدیث نہایت ضعیف، ناقابل اعتبار ہے۔ کثیر بن اسماعیل نواء (بھاری بوجھ ڈھونے والا) نہایت ضعیف راوی اور بڑا ہوا شیعہ تھا، قال ابن عدی: كان غالياً في التشيع، مفرطا فيه (تهذيب) اسی طرح ابوادریس مرہبی کوئی بھی شیعہ تھا، اور یہ روایت صرف ترمذی میں ہے، اور مرفوع ہے یا موقوف؟ اس میں اختلاف ہے، یعنی یہ نبی کا قول ہے یا حضرت علیؓ کا؟ یہ بات طے نہیں۔ پس یہ روایت شیعوں کی پیداوار ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**حضرت حمزہؓ کا مختصر تعارف:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ نبوت کے دوسرے سال ہی ایمان لے

آئے تھے، ان کو بچپن ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنس و محبت اور قریبی تعلق تھا، چچا ہونے کے علاوہ آپ رسول اللہؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے، دونوں کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا، علاوہ ازیں آپ کی والدہ اور حضرت حمزہؓ کی والدہ حقیقی چچازاد بہن تھیں۔ پھر عمر میں بھی حضرت حمزہؓ چار سال ہی بڑے تھے، ان مختلف وجوہات سے ان کو رسول اللہؐ سے بہت محبت اور تعلق خاطر تھا۔ بظاہر یہی محبت و تعلق خاطر ان کے اسلام لانے کا سبب بن گیا۔ وہ شکاری تھے، ایک دن شکار کھیل کر آئے تو باندی نے خبر دی کہ آج ابوجہل نے تمہارے بھتیجے محمدؐ کو ان کے منہ پر بہت برا بھلا کہا ہے، وہ فوراً ابوجہل کے پاس پہنچے اور اس کی گستاخی پر اپنی شدید ناگواری کے اظہار کے ساتھ اپنے ایمان لانے کا بھی اظہار کر دیا، پھر اس دن سے زندگی بھر آپؐ کا ساتھ نبھایا، آپؐ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے پر خود بھی مدینہ آگئے اور آخر غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت حمزہؓ اہل مکہ کی نظر میں بڑے معزز، محترم، باوقار اور شجاعت و دلیری میں ضرب المثل تھے، اسی لئے ان کے اسلام لانے سے مشرکین مکہ کو بہت دھکا لگا، اب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں کچھ محتاط ہو گئے۔ مشرکین مکہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا تھا، حضرت حمزہؓ اس میں بھی آپؐ کے ساتھ تھے، غزوۂ بدر جو غزوات میں سب سے پہلا اور ممتاز ترین غزوہ ہے اس میں حضرت حمزہؓ نے شرکت فرمائی ہے۔ پھر دوسرے سال غزوۂ احد میں بھی اپنی بہادری اور جانبازی کے جوہر دکھلائے ہیں، اسی غزوہ میں وہ شہید ہو گئے ہیں، لیکن شہادت سے پہلے وہ تیس یا اس سے بھی زیادہ کافروں کو قتل کر چکے تھے۔ ان کی شہادت کا واقعہ ان کے قاتل وحشی (جو بعد میں اسلام لے آئے تھے) کی زبانی سنئے۔ حضرت وحشیؓ نے اسلام لانے کے بعد بیان کیا کہ میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا اور جبیر کے چچا طعیمہ بن عدی کو حضرت حمزہؓ نے غزوۂ بدر میں قتل کر دیا تھا، میرے مالک جبیر نے مجھ سے کہا کہ اگر میرے چچا کے قاتل حمزہ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو، میں چھوٹے نیزے کو پھینک کر مارنے میں ماہر تھا، غزوۂ احد میں ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور موقع کی تاک میں رہا، میں نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ نے سباغ بن عبدالعزی نامی ایک کافر کا تلوار کے ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا، میں انتظار میں رہا جیسے ہی حضرت حمزہؓ میری زد میں آئے میں نے اپنا نیزہ ان کی طرف پھینک کر مارا جو ان کے ناف کے نیچے لگا اور آر پار ہو گیا۔ (معارف الحدیث)

**حضرت مقدادؓ کا تعارف:** آپ کا نام مقداد، کنیت ابوالاسود والد کا نام عمرو ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ البہری ثم الکندی ثم الزہری۔ آپ ایک خون ریز حادثہ کی وجہ سے مکۃ المکرمہ پہنچے اور ابھی مستقل طور پر سکونت بھی اختیار نہیں کی تھی کہ صدائے توحید کانوں میں آئی اور نبی آخر الزماںؐ کی دعوت و تبلیغ نے اسلام کا شیدائی بنا دیا اور اسلام کے دامن میں پناہ لی، اسلام قبول کرنے کے بعد مختلف مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا تو دیگر صحابہ کی طرح آپ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ کی اولاد میں صرف صباعہ بنت زبیر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام کریمہ تھا، آپ عظیم البطن تھے پیرانہ سالی کے زمانہ میں یہ نہایت تکلیف دہ ثابت ہوا، ایک رومی غلام نے آپریشن کیا، جو اتفاق سے ناکام رہا، بالآخر اسی عمل جراحی اور آپریشن کی وجہ سے ۳۳ھ میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام جرف میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، آپ کی عمر مبارک وفات کے وقت ستر سال تھی۔ (تکمیل الحاجۃ)

### حدیث نمبر ۳۰۴۹ ﴿حضرت عمارؓ کے بلند رتبہ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۶

وَعَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ كَلَامٌ فَأَغْلَظْتُ لَهُ فِي الْقَوْلِ فَانْطَلَقَ عَمَّارٌ يَشْكُوْنِي إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ خَالِدٌ وَهُوَ يَشْكُوْهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَعَلَ يُغْلِظُ لَهُ وَلَا يَزِيْدُهُ إِلَّا غِلْظَةً وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاكِتٌ لَا يَتَكَلَّمُ فَبَكَى

عَمَّارٌ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَرَاهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ وَقَالَ مَنْ عَادٰى عَمَّارًا عَادَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَ عَمَّارًا اَبْغَضَهُ اللّٰهُ قَالَ خَالِدٌ فَخَرَجْتُ فَمَا كَانَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رِضٰى عَمَّارٍ فَلَقِيْتُهُ بِمَا رَضِيَ فَرَضِيَ.

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۸۹ ج ۴

**حل لغات:** أَغْلَظْتُ أَغْلَظَ لَهُ فی القول کسی کے ساتھ سخت کلامی کرنا (إفعال)۔ عَادَی عَادَاه مُعَادَاةً وعِدَاءً دشمنی کرنا، دشمن بننا (مفاعلة)۔

**ترجمہ:** حضرت خالد بن ولیدؓ سے مروی ہے انھوں نے بیان فرمایا کہ میرے اور عمار بن یاسرؓ کے درمیان کسی معاملہ پر بات چیت ہو رہی تھی کہ میں نے حضرت عمارؓ سے سخت کلامی کی، عمارؓ اس کی شکایت کرنے نبی کریمؐ کے پاس چلے گئے اور وہ نبیؐ سے شکایت کر رہے تھے کہ خالدؓ بھی آگئے۔ راوی کا بیان ہے کہ اپنی شکایت سن کر خالد کو غصہ آگیا اور انھوں نے عمارؓ کو سخت سست کہنا شروع کیا، خالدؓ کی سختی برابر بڑھ رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے تھے، ایک حرف زبان سے نہ فرماتے تھے۔ عمارؓ یہ حالت دیکھ کر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نہیں دیکھتے (خالد کیا کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں)؟ یہ سن کر نبی کریمؐ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا جو شخص عمارؓ سے دشمنی رکھے گا خدا اسے اپنا دشمن سمجھے گا اور جو شخص عمارؓ سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا، حضرت خالدؓ کا بیان ہے کہ یہ ارشادِ نبویؐ سن کر میں باہر نکلا اور اب کوئی چیز میری نظر میں اس سے بہتر و پسندیدہ نہ تھی کہ جس طرح ممکن ہو میں عمارؓ کو راضی کرلوں، چنانچہ میں نے عمارؓ کے ساتھ اس طرح پیش آیا کہ وہ مجھ سے خوش ہوگئے اور میں نے انہیں راضی کرلیا۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت عمارؓ کی بڑی فضیلت مذکور ہے، اور آپؐ کی نگاہ میں انکے ذی مرتبہ ہونے کا علم ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عمار حضرت عمارؓ کا یہ مقام ہے کہ آپؐ نے ان کی سیرت اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ من عادی عمارا عاداہ اللہ یہاں دو لفظ استعمال ہوئے، ایک عداوت کا اور دوسرا بغض کا، ان میں فرق اس طرح ہوسکتا ہے کہ عداوت کا تعلق زبان سے ہے اور بغض کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص حضرت عمارؓ کو زبان سے برا کہے یا دل سے برا سمجھے تو اللہ تعالیٰ اس سے عداوت و دشمنی رکھیں گے۔ فلقیته بما رضی فرضی یعنی حضرت خالدؓ نے تواضع و انکساری، عذر و معذرت کر کے گلے وغیرہ لگا کر ان کو راضی کرلیا تو حضرت عمارؓ راضی ہوگئے۔ حضرت عمارؓ کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۲۰۲ دیکھیں۔ حضرت خالدؓ کے تعارف کے لئے اگلی حدیث دیکھیں۔

### حدیث نمبر ۳۰۵۰ ﴿حضرت خالدؓ کی فضیلت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۷

وَعَنْ أَبِي عُبَيْدَةَؓ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَنِعْمَ فَتَى الْعَشِيْرَةِ. (رَوَاهُمَا أَحْمَدُ)

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۹۰ ج ۴

**ترجمہ:** اور حضرت ابو عبیدہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: خالد اللہ بزرگ و برتر کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، وہ اپنے قبیلہ کا بہترین جوان ہے۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** حضرت خالدؓ بہت ہی بہادر و شجاع تھے، نیز نہایت عمدہ شخصیت کے مالک تھے، آپؐ نے اس حدیث میں ان کی تعریف فرمائی ہے، یہی ان کی فضیلت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خالد سیف من سیوف اللہ اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت خالدؓ کی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ (۱) خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس تلوار کو مشرکین پر سونتا ہے اور ان کو کافروں پر مسلط فرمایا ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ صاحب سیف یعنی تلوار والے ہیں۔ (۲) حضرت خالدؓ اپنے قبیلہ کے بہترین جوان ہیں، حضرت خالد کا تعلق بنی مخزوم سے تھا، جو قریش کا ایک قبیلہ تھا جو اپنے جد امجد مخزوم کے نام کی طرف منسوب تھا۔

**حضرت خالد بن ولیدؓ کا تعارف:** خالد نام، ابوسلیمان کنیت، سیف اللہ لقب، والد کا نام ولید اور والدہ کا نام لبابہ تھا۔ خالد کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز تھا، سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ انہیں کے خاندان میں تھا۔ خالد ہمیشہ ایک جری اور بہادر سپاہی کی حیثیت سے میدان میں آئے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ غزوۂ احد میں کفار کی طرف سے آئے تھے، نہایت شجاعت سے لڑے اور مشرکین کے اکھڑے ہوئے پیروں کو دوبارہ جمایا۔ اسلام لانے کے بعد وہ ساری قوتیں اسلام کی راہ میں صرف ہونے لگیں۔ خالد کے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ عمرو بن العاص حبشہ سے قبول اسلام کی غرض سے حضورؐ کی خدمت میں آرہے تھے کہ راستے میں خالد سے ملاقات ہوئی۔ عمروؓ نے پوچھا کہاں چل دیئے؟ خالد نے کہا یہ شخص یقیناً نبی ہے، چلو چل کر اسلام قبول کریں۔ اس طرح دونوں ساتھ ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور پہلے خالدؓ نے پھر عمروؓ نے اسلام قبول کیا۔ خالدؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ خالدؓ کی بہادری اسلام کے لئے ایک مستقل خطرہ بنی رہتی تھی۔ مگر ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد وہی قوت مشرکین کے لئے خطرہ بن گئی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے سب سے پہلے غزوۂ موتہ میں شرکت کی۔ اور اپنی حسن تدبیر سے مسلمانوں کو نقصان سے بچایا اور کفار کو تہہ تیغ کیا، اسی غزوہ میں ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ جس کے صلہ میں رسول خداؐ نے سیف اللہ کا لقب مرحمت فرمایا۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کو اپنے اس فاتح اعظم پر ناز ہے اور کیوں نہ ہو۔ یہ کون تھا۔ یہ وہی تھا جس نے دشمن کی طرف رخ کیا تو اسے شکست ہی دے کر لوٹا، تقریباً سوا سو لڑائیوں میں اپنی ننگی تلوار کے بے پناہ جوہر دکھائے، جسم کا ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہیں تھا جس پر تلواروں اور نیزوں کے زخم کے نشان نہ ہوں، وہ اکثر جہاد فی سبیل اللہ کے شوق میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی وہ سخت رات جسمیں اپنے دشمنوں سے لڑوں اس شب عروسی سے زیادہ محبوب ہے جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہم کنار ہو۔ آخر وقت جب اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہوگئے تو کہا کرتے، افسوس کہ میری ساری زندگی میدان جنگ میں گذری اور آج میں جانوروں کی طرح بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ جان دے رہا ہوں۔ (ہمارے اسلاف، معارف الحدیث)

**حدیث نمبر ۳۰۵۱ ﴿چار صحابہ جن سے محبت کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۸**

وَعَنْ بُرَيْدَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَمَرَنِيْ بِحُبِّ أَرْبَعَةٍ وَأَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِّهِمْ لَنَا قَالَ عَلِيٌّ مِنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلَاثًا وَأَبُوْذَرٍ وَالْمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ أَمَرَنِيْ بِحُبِّهِمْ وَأَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۱۳ ج۲، باب مناقب علیؓ، کتاب المناقب، حدیث ۳۷۵۴



**حل لغات:** سمّهم سمّاه تسميةً (تفعيل) نام لینا، نام رکھنا۔

**ترجمہ:** حضرت بریدہؓ سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے، صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہؐ! ان کے نام بتا دیجیے، آپؐ نے فرمایا ان میں سے ایک علیؓ ہے یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے اور پھر فرمایا اور ابوذرؓ، مقدادؓ اور سلمانؓ ہیں، اللہ تعالیٰ

نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان سے محبت کروں اور یہ بتایا کہ خدا تعالیٰ بھی ان سے محبت کرتے ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حدیث شریف سے فی الجملہ اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ ان حضرات سے محبت رکھنا ایک طرح سے ضروری اور کمال ایمان کا ذریعہ بھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام پر اعتماد رکھے بغیر ان کے ساتھ محبت اور تعلق کئے بغیر آدمی حضور اکرم سے صحیح طور پر محبت کر ہی نہیں سکتا ہے، اس لئے ان حضرات سے محبت رکھنا ضروری ہے۔ (تکمیل الحاجۃ)

**کلمات حدیث کی تشریح** ذالك ثلاثا تین بار ارشاد فرمایا یہ بتانے کے لئے کہ ان سب میں حضرت علیؓ افضل ہیں۔ ان چاروں کے فضائل وتعارف ماقبل میں گذر چکے ہیں، دیکھ لیں۔

### حدیث نمبر ۳۰۵۲ ﴿حضرت بلالؓ سردار ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۵۹

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ أَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَأَعْتَقَ سَيِّدَنَا يَعْنِيْ بِلَالًا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۰-۵۳۱ ج ۱، باب مناقب بلال بن ابی رباح، کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۷۵۴

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اور انھوں نے ہمارے سردار کو آزاد کیا ہے یعنی بلالؓ کو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت بلالؓ کے لئے بڑی فضیلت ہے کہ حضرت عمرؓ ان کو اپنا سردار کہہ رہے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اعتق سیدنا یعنی بلالا بلال نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، اعلان نبوت کے بعد بہت جلد اسلام قبول کیا، سات آٹھ آدمیوں کو آپ سے قبل اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوئی۔ اسلام کی خاطر جن لرزہ خیز مظالم کا آپکو سامنا کرنا پڑا انہیں سوچ کر ہی دل کانپ اٹھتا ہے۔ جسوقت اسلام قبول کیا اسوقت یہ ایک کافر کے غلام تھے، آزاد مسلمانوں کو ہی طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، پھر یہ تو غلام تھے، کمزور تو ہمیشہ ظلم وستم کی آماجگاہ رہتا ہے، مکہ کی تپتی ہوئی زمین پر لٹایا جاتا اور اوپر سے پتھر رکھ دیا جاتا، صبح سے شام تک اسی طرح رہنے دیا جاتا، شام کو ایک آبلہ پورے جسم پر ہوتا، اس آبلہ پر مشرکین کے لڑکے کوڑے برساتے ہوئے مکے کی گلیوں میں مذاق اڑاتے ہوئے ٹہلاتے اور کہتے بلال باز آجاؤ اس دین سے، بلال جواب میں احد احد کہتے، ابوجہل منہ کے بل سنگریزوں پر لٹاتا اوپر سے چکی رکھ دیتا، جب آفتاب کی گرمی بے قرار کردیتی تو کہتا بلال اب بھی محمد کے خدا سے باز آجاؤ، مگر اسوقت بھی دہن مبارک سے احد احد ہی کا کلمہ نکلتا، امیہ بن خلف سب سے زائد تکلیفیں پہنچاتا، وہ ظلم و ستم کے نئے نئے طریقے ایجاد کرکے بلالؓ کو اس کی تجربہ گاہ بناتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا تمہارا خدا لات وعزیٰ ہے، لیکن ان تمام مصائب کے باوجود اس توحید کے متوالے کی زبان سے احد احد کا کلمہ نکلتا۔ ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ اس طرف سے گذرے تو اس وحشیانہ سلوک کو دیکھکر بے چین ہوگئے اور ایک کثیر رقم سے انھیں خرید کر آزاد کردیا۔

**اشکال:** حضرت عمرؓ بالاتفاق حضرت بلالؓ سے افضل ہیں، تو پھر انھوں نے حضرت بلالؓ کو سردار کیوں فرمایا؟

**جواب:** (۱) حضرت عمرؓ کا حضرت بلالؓ کو اپنا سردار کہنا از قبیل تواضع اور انکساری ہے۔ (۲) بعض حضرات نے فرمایا کہ سردار ہونے سے افضل ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے کہ سیادت کو افضلیت لازم نہیں ہے۔

### حدیث نمبر ۳۰۵۳ ﴿حضرت بلالؓ کی فرمائش﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۶۰

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِيْ حَازِمٍ أَنَّ بِلَالًا قَالَ لِأَبِيْ بَكْرٍ إِنْ كُنْتَ إِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِيْ لِنَفْسِكَ فَأَمْسِكْنِيْ وَإِنْ كُنْتَ إِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِيْ لِلّٰهِ فَدَعْنِيْ وَعَمَلَ اللّٰهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۳۱ ج ۱، باب مناقب بلال بن رباح، کتاب مناقب فضائل الصحابۃ، حدیث ۳۷۵۵

**حل لغات:** أمسكني أمسك الشيءَ على نفسه إمساكًا (إفعال) اپنے پاس روکنا محبوس کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت قیس بن حازمؒ سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ نے ابوبکرؓ سے کہا اگر آپ نے مجھے اپنی ذات کے لئے خریدا ہے تو مجھ کو اپنے پاس رکھ لیجئے اور اگر آپ نے مجھے خدا تعالیٰ کے لئے خریدا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے) تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے اور خدا تعالیٰ کے لئے عمل کرنے دیجئے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** جیسا کہ گذشتہ حدیث میں نقل ہوا حضرت بلالؓ مکہ مکرمہ میں غلام تھے، جب آپ مسلمان ہوئے تو ان کے آقاؤں نے انکو بہت زیادہ سزائیں دیں، امیہ بن خلف رات بھر انکو مارتا تھا اور دن میں تپتی ریت اور گرم سنگریزوں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھتا تھا اور ارد گرد آگ جلاتا تھا اور مطالبہ کرتا تھا کہ اسلام چھوڑ دو، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ کے عوض کئی غلام دیکر حضرت بلالؓ کو ان کے آقاؤں سے خرید لیا اور پھر آزاد کیا، حضرت بلالؓ حضور اکرمؐ کی خدمت میں لگے رہے اور مسجد نبوی میں اذان پر مامور ہوئے۔ جب آنحضرتؐ کا وصال ہوگیا تو حضرت بلالؓ نے کہا اب محبوب کے بغیر محبوب کے شہر میں رہنا دشوار ہو رہا ہے، اس لئے مدینہ منورہ کی اس در و دیوار سے دور کسی جگہ آئندہ کی زندگی گزاروں گا، اس غرض سے آپ نے شام جانے کا ارادہ کیا کہ وہاں جہاد بھی کروں گا اور زندگی بھی گزاروں گا۔ ادھر صدیق اکبرؓ ان کو شام جانے سے منع کر رہے تھے، کیوں کہ اذان کے لئے یہ سب سے زیادہ موزوں بھی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن بھی تھے، اس موقع پر حضرت بلالؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اگر آپ نے مجھے اپنی ذات کے لئے خریدا تھا تو مجھے یہاں مدینہ میں روک دو اور اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خریدا تھا تو مجھے اللہ تعالیٰ کے کاموں کے سرانجام دینے کے لئے آزاد چھوڑ دو کہ جہاں چاہوں چلا جاؤں اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں جہاد کروں، حضرت صدیقؓ نے ان کو اجازت دے دی اور حضرت بلالؓ لشکر اسلام کے ساتھ دمشق کی طرف چلے گئے اور ۱۸ھ یا ۱۹ھ میں وہیں پر انتقال ہوگیا۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** فدعني لله حضرت بلالؓ نے اپنے آقا سے سن رکھا تھا کہ مومن کا سب سے افضل عمل جہاد ہے، لہٰذا اللہ کے راستہ میں جہاد کی خاطر مدینہ سے شام جانے کی اجازت چاہی، صدیق اکبرؓ نے کہا "انشدك الله وحقي" میں آپ کو اللہ کی قسم اور آپ پر اپنے حق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ مدینہ چھوڑ کر نہ جائیں۔ اس وقت حضرت بلالؓ نے مذکورہ بات فرمائی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دے دی اور وہ غزوات میں شرکت کے لئے ملک شام چلے گئے، پھر مدینہ واپس نہ آسکے، ملک شام ہی میں وفات پائی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے روکنے سے تو رک گئے تھے، لیکن ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے اصرار کے باوجود بھی نہ رکے اور غزوات میں شرکت کے لئے مدینہ سے نکل گئے، حضرت عمرؓ جب ملک شام گئے ہیں تو حضرت بلالؓ سے ملاقات کی اور اذان دینے کی فرمائش کی، انھوں نے اذان دی تو کہرام مچ گیا۔ صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آگیا۔

**حدیث ﴿ حضرت ابوطلحہؓ اور ان کی اہلیہ کا ایثار ﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢٦١**

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّيْ مَجْهُوْدٌ فَأَرْسَلَ إِلٰى بَعْضِ نِسَائِهِ فَقَالَتْ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِيْ إِلَّا مَاءٌ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلٰى أُخْرٰى فَقَالَتْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَقُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُضَيِّفُهُ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ أَبُوْ طَلْحَةَ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَانْطَلَقَ بِهِ إِلٰى رَحْلِهِ فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ قَالَتْ لَا إِلَّا

قُوْتُ صِبْيَانِي قَالَ فَعَلِّلِيهِمْ بِشَيْءٍ وَنَوِّمِيهِمْ فَإِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَأَرِيْهِ أَنَّا نَأْكُلُ فَإِذَا أَهْوٰى بِيَدِهِ لِيَأْكُلَ
فَقُوْمِي إِلَى السِّرَاجِ كَيْ تُصْلِحِيْهِ فَأَطْفِئِيْهِ فَفَعَلَتْ فَقَعَدُوْا وَأَكَلَ الضَّيْفُ وَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا
عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ أَوْ
ضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ. وَفِي رِوَايَةٍ مِثْلُهُ وَلَمْ يُسَمِّ أَبَا طَلْحَةَ وَفِي آخِرِهَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى
(وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ) (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حواله:** بخاری،ص۷۲۵-۷۲۶ج۲،سورة المجادلة، باب "ويؤثرون على انفسهم، كتاب التفسير،حدیث۴۸۸۹؛
مسلم،ص۱۸۳-۱۸۴ج۲،باب اكرام الضيف، كتاب الاشربة،حدیث۲۰۵۴

**حل لغات:** مَجْهُوْدٌ تھکاماندہ،مشقت میں پڑاہوا۔يُضَيِّفُهُ ضَيَّفَ فُلَانًا مہمان بنانا (تفعیل)۔رَحْل رہائش گاہ (ج) أَرْحُلٌ۔
قُوْت بدن کی بقا کے لئے ضروری اشیاءخوردنی (ج) أَقْوَاتٌ۔عَلِّلِيهِمْ عَلَّلَ فُلَانًا بہلانا (تفعیل)۔نَوِّمِيهِمْ نَوَّمَ فُلَانًا سلانا۔
أَهْوَىٰ يَدَهُ لِلشَّيْءِ کسی چیز کے لئے ہاتھ بڑھنا (إفعال)۔السِّرَاج چراغ (ج) سُرُجٌ۔تُصْلِحِيْه أَصْلَحَ الشَّيْءَ ٹھیک کرنا،
مرمت کرنا (إفعال)۔أَطْفِئِيه اَطْفَأَ إِطْفَاءً آگ یا بتی وغیرہ بجھانا۔بَاتَا بَاتَ (ضرب) بَيْتُوْتَةً رات گذارنا۔طَاوِيَيْن طَوِي
فُلَانٌ (س) طُوًى بھوکا ہونا۔خَصَاصَةٌ محتاجی،تنگ دستی،مفلوک الحالی۔

**ترجمه:** حضرت ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکرعرض گذار ہوا، میں
تکلیف میں ہوں آپؐ نے اپنی ایک زوجہ مطہرہ کے پاس پیغام بھیجا وہ عرض گذار ہوئیں،قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کوحق کے
ساتھ مبعوث فرمایا ہے،میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے،پھر دوسری کی طرف پیغام بھیجا،انھوں نے بھی یہی عرض کیا،غرض یہ کہ سب
اسی طرح عرض گذار ہوئیں۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواس کی مہمانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم کریں گے۔پس
انصار میں سے ایک آدمی کھڑے ہوگئے جن کوابوطلحہ کہا جاتا ہے اورعرض گذار ہوئے یارسول اللہؐ میں،پس وہ اسے اپنے گھر لے گئے اور
اپنی بیوی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انھوں کہا بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا ہے،اس کے سوا کچھ نہیں ہے،توابوطلحہؓ نے اپنی
بیوی سے کہا کہ انھیں کسی چیز سے بہلا پھسلا کرسلا دو۔جب ہمارا مہمان آئے تو یہی محسوس کرے کہ ہم کھا رہے ہیں،جب وہ کھانے کے
لئے اپنا ہاتھ بڑھائے تو تم چراغ درست کرنے کے لئے کھڑی ہونا اوراسے بجھا دینا۔پس یہی کیا وہ بیٹھے رہے،مہمان نے کھانا کھایا اور
دونوں نے بھوکے رات گذاری،صبح کو جب رسول اللہؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فلاں مرد اور فلاں عورت
کی کارگذاری سے بہت راضی ہوا ہے۔دوسری روایت میں بھی اسی طرح ہے لیکن حضرت ابوطلحہ کا نام نہیں اوراس کے آخر میں ہے،اپنی
جانوں پر دوسروں کوترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔(بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث**

صحابہ کرامؓ کا یہ وصف تھا کہ وہ دوسروں کی حاجت کواپنی حاجت پر مقدم رکھتے تھے،اپنی ضرورت پوری کرنے سے
پہلے اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتے تھے۔حدیث باب میں بھی ایک صحابی کا عمل ہے کہ انھوں نے خود
بھوکے رہ کر اپنے بھائی کو کھلایا،ان کا یہ عمل اللہ کو بہت پسند آیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

انی مجھود یعنی میں بے بس، مجبور، مصیبت زدہ فقیر ہوں۔فعللیھم یعنی اپنے بھوکے بچوں
کو بہلا کر سلا دو اور کھانا مہمان کے لئے لادو اور پھر اصلاح کے بہانے سے چراغ کو بجھا دو اور کھانا
مہمان کو کھلا دو، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔طاویین یعنی میاں بیوی خالی پیٹ بھوکے سوگئے،مہمان کو اندھیرے میں پتہ ہی نہ چلا کہ ان دونوں

نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا۔ عجب اللہ او ضحک یہ دونوں لفظ متشابہات میں سے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مراد ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ حجاب کے حکم آنے سے پہلے کا زمانہ تھا جس میں یہ قصہ پیش آیا۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۳۰۵۵ ﴿حضرت خالد بن ولیدؓ کی تعریف﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۶۲**

وَعَنْهُ قَالَ نَزَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلًا فَجَعَلَ النَّاسُ يَمُرُّوْنَ فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هٰذَا يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَاَقُوْلُ فُلَانٌ فَيَقُوْلُ نِعْمَ عَبْدُ اللّٰهِ هٰذَا وَيَقُوْلُ مَنْ هٰذَا فَاَقُوْلُ فُلَانٌ فَيَقُوْلُ بِئْسَ عَبْدُ اللّٰهِ هٰذَا حَتّٰى مَرَّ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَقَالَ مَنْ هٰذَا فَقُلْتُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَقَالَ نِعْمَ عَبْدُ اللّٰهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۲۴ ج ۲، باب مناقب لخالد بن الولید، کتاب المناقب، حدیث ۳۸۴۶

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم منزل پر اترے۔ لوگ گذرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ یہ کون ہے؟ میں عرض کرتا، فلاں۔ آپؐ فرماتے اللہ کا اچھا بندہ ہے، فرماتے یہ کون ہے؟ میں عرض کرتا فلاں، فرماتے کہ اللہ کا برا بندہ ہے، یہاں تک کہ خالد بن ولیدؓ گذرے تو فرمایا یہ کون ہے؟ میں عرض گذار ہوا کہ خالد بن ولیدؓ، فرمایا کہ خالد بن ولید اللہ کا اچھا بندہ ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے، ایک طرف ان کی شخصیت کی عمومی تعریف ہے تو دوسری طرف ان کی امتیازی خوبی بہادری وشجاعت کی خصوصی تحسین ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نعم عبداللہ نبی کریمؐ کسی گذرنے والے کے متعلق فرماتے کہ یہ اللہ کا نیک بندہ اور کسی کے متعلق فرماتے کہ یہ اللہ کا برا بندہ ہے، یہ بظاہر ان لوگوں کے متعلق فرماتے تھے جو منافق تھے۔ جب حضرت خالدؓ وہاں سے گذرے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے نیک بندے ہیں اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ خیمہ کے اندر تشریف فرما تھے اور حضرت ابوہریرہؓ خیمہ سے باہر تھے؛ کیوں کہ حضورؐ خالد کو پہچانتے تھے، اگر آپؐ باہر تشریف فرما ہوتے تو ان کے متعلق دریافت کرنے اور پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ (جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۳۰۵۶ ﴿انصار کی اتباع کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۶۳**

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَؓ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ لِكُلِّ نَبِيٍّ اَتْبَاعٌ وَاِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاكَ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَ اَتْبَاعَنَا مِنَّا فَدَعَا بِهٖ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص۵۳۴ ج ۱، باب اتباع الانصار، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۷۸۷

**حل لغات:** اَتْبَاعٌ (و) تَبَعٌ تابع دار۔

**ترجمہ:** اور حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ انصار نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کچھ نبی کے تابعدار تھے، اسی طرح آپؐ کے تابعدار ہم لوگ ہیں آپ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تابعدار کو بھی ہم سے کردے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کردی۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** مدینہ کے انصارؓ نے آپؐ کی اور مہاجرین صحابہؓ کی بہت نصرت واعانت کی تھی، جس کی وجہ سے اللہ ورسولؐ کے نزدیک ان کا مقام ومرتبہ بہت تھا، انصارؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ دعا کردیجئے کہ ہماری اولاد کو بھی

یہی شرف وبزرگی حاصل ہو جائے، چنانچہ آپ نے انصار کے لئے ان کی اولاد کے لئے اور اولاد کی اولاد کے لئے دعا کی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فادع الله ان يجعل اتباعنا اس کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آپؐ دعا فرمادیں تاکہ ہمارے حلیف اور موالی ہمارے نقش قدم پر چلیں، ہماری سیرت وکردار کو اپنائیں کہ ان پر "واتبعوهم باحسان" صادق آئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے اتباع یعنی ہمارے حلیف اور موالی کو ہم میں سے کردے یعنی وہ بھی انصار ہی ہوں تاکہ جو خصوصیات، عنایات، فضائل وکرامات انصار کے لئے ہیں وہ ان کو حاصل ہو مثلاً انصار کے متعلق آپؐ نے ارشاد فرمایا "اوصیکم بالانصار" میں انصار کے متعلق (حسن سلوک کا) تم کو حکم کرتا ہوں۔ "فاقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسيئهم" ان کے نیک لوگوں کے عذر قبول کرو اور بدلوگوں سے درگذر کرو۔

**حدیث نمبر ۳۰۵۷ ﴿انصارؓ کی قربانیوں کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢٦٤**

وَعَنْ قَتَادَةَؓ قَالَ مَا نَعْلَمُ حَيًّا مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ أَكْثَرَ شَهِيْدًا أَعَزَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ وَقَالَ أَنَسٌ قُتِلَ مِنْهُمْ يَوْمَ أُحُدٍ سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ الْيَمَامَةِ عَلٰى عَهْدِ أَبِيْ بَكْرٍ سَبْعُوْنَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص۵۸۴ ج۲، باب من قتل المسلمين يوم احد، كتاب المغازی، حدیث ۴۰۷۸

**حل لغات:** حَيًّا حَيٌّ (ج) أَحْيَاء محلّہ، قبیلہ۔

**ترجمه:** اور حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ یا قوم کے بارے میں ہمیں یہ علم نہیں کہ اس کے شہیدوں کی تعداد انصارؓ کے شہیدوں سے زیادہ ہو اور قیامت کے دن انصار سے زیادہ باعزت مانے جائیں، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ احد کی جنگ میں ستر انصار شہید ہوئے، بیر معونہ میں ستر انصار شہید ہوئے اور یمامہ کی جنگ میں جو حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی ستر انصار شہید ہوئے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** شہداء احد میں پینسٹھ اصحاب انصارؓ ہیں اور چار مہاجرینؓ میں سے تھے، جیسا کہ ابن اسحاق نے نام بنام شمار کر کے بیان کیا ہے اور ابن مندہ نے ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ غزوۂ احد کے اندر شہید ہونے والوں میں سے چونسٹھ اصحاب انصارؓ میں سے اور چھ اصحاب مہاجرینؓ میں سے تھے، تو چوں کہ ستر اصحاب میں اکثر حضرات قبیلہ انصارؓ میں سے تھے اور دوسرے حضرات کی تعداد انتہائی قلیل ہے، اس لئے بقاعدہ للاکثر حکم الکل، یہاں کل کی نسبت، انصار کی طرف ہے، اس حدیث میں ہے کہ ستر انصار بیر معونہ میں شہید ہوئے، اس کی پوری تفصیل واقعہ بیر معونہ میں آرہی ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ شہید ہونے والوں میں سے حضرت عامر بن فہیرہ اور نافع بن ورقاء وغیرہ بھی مہاجرین میں سے تھے رضی اللہ عنہم۔ (نصر الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** اعز يوم القيامة شہداء کا مقام بہت بلند ہے اور انصار میں شہداء زیادہ ہیں، لہٰذا قیامت میں یہ قبیلہ سب سے معزز ہوگا۔

**غزوۂ احد:** یہ غزوہ شوال ۳ھ میں ہوا، اس موقعہ پر تین ہزار کافروں اور سات سو مسلمانوں میں باہم مقابلہ ہوا، آپؐ نے احد پہاڑ کے ایک کونے پر پچاس اصحاب مقرر کئے، اور تاکید کی کہ یہاں سے نہ ہٹنا، ابتدائی مرحلہ میں مسلمان غالب ہوئے اور کفار مغلوب ہو گئے۔ کفار بھاگنے لگے تو مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے اور پہاڑی پر متررا کثر صحابہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ پہاڑی کی طرف سے کچھ کافروں نے اچانک پھر دھاوا بول دیا، جس کی وجہ سے بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور بھی زخمی ہوا، اس موقع پر ۷۰ سے مسلمان شہید ہوئے۔

**واقعۂ بیر معونہ:** ماہ صفر ۴ھ مطابق ۶۲۶ء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ابو براء عامر بن مالک جو ملاعب الاسنہ سے مشہور تھا، آنحضور کی خدمت میں آیا، حضور ؐ نے اسلام کی دعوت دی لیکن ابو براء نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ رد کیا؛ بلکہ عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ چند اصحاب کو اہل نجد کی طرف بھیج دیں اور دین کی دعوت دیں تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ لوگ اسلام قبول کریں گے۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ مجھ کو اہل نجد سے اندیشہ ہے۔ ابو براء نے کہا کہ آپ مطلق اندیشہ نہ کریں، میں ضامن ہوں۔ تب رسول اللہ ؐ نے ستر صحابہ کو جو قراء مشہور تھے، اس کے ہمراہ روانہ فرمایا اور حضرت منذر بن عمرو ساعدی کو امیر مقرر فرمایا۔ یہ اصحاب یعنی جماعت قرا نہایت مقدس اور پاکباز تھے، دن کو لکڑیاں چنتے اور شام کو فروخت کر کے اصحاب صفہ کے لئے کھانا لاتے اور رات کو کچھ وقت درس قرآن اور کچھ وقت قیام میں گذارتے۔ جب یہ حضرات قراء یہاں سے چل کر بیر معونہ پہنچے جو ارضِ بنی عامر اور حرہ بنی سلیم کے درمیان ہے، تو آنحضرت کا خط انس ؓ کے ماموں کے ہاتھ عامر بن طفیل کے پاس بھیجا جو ابو براء کا بھتیجا اور قبیلہ بنو عامر کا رئیس تھا۔ عامر بن طفیل نے خط پڑھنے سے پہلے ہی ایک شخص کو ان کے قتل کا اشارہ کیا اس نے حرام بن ملحان کو شہید کر دیا، حضرت حرام بن ملحان ؓ کی زبان مبارک سے اس وقت یہ الفاظ نکلے، "اللہ اکبر فزت ورب الکعبة" اللہ سب سے بڑا ہے، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ پھر اس نے اپنی قوم بنی عامر کو ترغیب دی کہ ان تمام مسلمانوں کو قتل کر دو لیکن ابو براء کے عہد و امان کی وجہ سے بنی عامر نے انکار کر دیا اور صاف کہا کہ ہم اپنے رئیس ابو براء کے ذمہ کو خفیف نہیں کر سکتے۔ تب عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے قبائل رعل، ذکوان اور عصیہ کو تیار کیا اور سب نے مل کر تمام صحابہ کو گھیر لیا، صحابہ ؓ نے کہا ہم تم سے لڑنے نہیں آئے ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک کام پر مامور ہیں اور وہیں جا رہے ہیں۔ مگر کفار نے نہیں مانا۔ مجبوراً صحابہ ؓ نے کچھ مدافعت کی مگر سب کے سب شہید کر دیئے گئے، صرف کعب بن زید انصاری جو اگرچہ بہت زخمی ہوگئے تھے مگر مقتولوں کے درمیان سے کسی طرح بچ گئے اور کچھ عرصہ زندہ رہے پھر غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے علاوہ دو اشخاص اور بچ گئے تھے ایک کا نام منذر ؓ (یعنی ابن عقبہ بن عامر بقول ابن قیم یا منذر بن محمد بقول ابن ہشام) اور دوسرے کا نام عمرو بن امیہ الضمری تھا، یہ دونوں حضرات مویشی چرانے جنگل گئے تھے، یکا یک آسمان کی طرف پرندے اڑتے دکھائی دیئے، یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا کوئی بات ضرور ہے، جب قریب پہنچے تو دیکھا تمام رفقاء خون میں نہائے ہوئے بستر شہادت پر سو رہے ہیں۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کریں، عمرو بن امیہ نے کہا کہ مدینہ چلیں اور آنحضور کو جا کر اس کی خبر دیں، منذر نے کہا خبر تو ہوتی رہے گی، شہادت کیوں چھوڑ دوں، الغرض دونوں آگے بڑھے حضرت منذر ؓ تو لڑ کر شہید ہو گئے اور عمرو بن امیہ کو انھوں نے گرفتار کر لیا اور عامر بن طفیل کے پاس لے گئے۔ عامر نے ان کے سر کے بال کاٹے اور یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی، لہٰذا میں اس نذر میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ ابو براء بن عامر بن مالک کو اس حادثہ کا بڑا رنج ہوا کہ اس کی امان میں اس کے بھتیجے نے فتور ڈالا، اس معرکہ میں صدیق اکبر ؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ آسمان پر اٹھایا گیا، چنانچہ عامر بن طفیل نے لوگوں سے دریافت کیا "من الرجل منهم لما قتل رايته رفع بين السماء والارض حتى رايت السماء من دونه" مسلمانوں میں وہ کون مرد ہے کہ جب قتل ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے مابین اٹھایا گیا یہاں تک کہ آسمان نیچے رہ گیا۔ اور بخاری شریف کی روایت میں ہے عامر بن طفیل نے کہا "لقد رايته بعد ما قتل رفع الى السماء حتى انى لانظر الى السماء بينه وبين الارض ثم وضع" میں نے اس شخص کو قتل ہونے کے بعد خود دیکھا کہ اس کی لاش آسمان کی طرف اٹھائی گئی کہ آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہی اور پھر زمین پر رکھ دی گئی۔ عمرو بن امیہ ؓ جب بیر معونہ سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک درخت کے نیچے بنی عامر کے دو اشخاص سوئے ہوئے تھے، عمرو بن امیہ ؓ نے یہ سمجھ کر کہ اس قبیلہ کے سردار عامر بن طفیل نے ستر مسلمانوں کو شہید کیا ہے اس کے انتقام میں ان دونوں کو قتل

کر دیا، مگر وہ دونوں مشرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہد تھے، عمرو بن امیہؓ کو اس کی خبر نہ تھی، یہ جب مدینہ آئے اور سارا واقعہ سنایا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ان دونوں کی دیت اور خون بہا دینا ضروری ہے اور بنونضیر بھی چونکہ بنی عامر کے حلیف تھے، اس لئے حضورؐ اسی دیت کی گفتگو کے لئے بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے جو غزوہ بنونضیر کا سبب ہوا۔ (نصر الباری)

**جنگ یمامه:** مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور اسکا فتنہ بہت تیزی سے عرب میں پھیل رہا تھا، مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی کیلئے حضرت شرحبیل بن حسنہ روانہ کئے گئے، لیکن قبل اسکے کہ وہ حملہ کی ابتدا کریں حضرت خالد بن ولیدؓ کو انکی اعانت کیلئے روانہ کیا گیا، چنانچہ انھوں نے مجاعہ کو شکست دی، اسکے بعد خود مسیلمہ سے مقابلہ ہوا، مسیلمہ نے متبعین کو ساتھ لیکر نہایت شدید جنگ کی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اسمیں شہید ہوئی، جسمیں بہت سے حفاظ قرآن تھے، لیکن آخر میں فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی اور مسیلمہ کذاب، حضرت وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مسیلمہ کی بیوی سجاح جو خود مدعی نبوت تھی بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ دنوں بعد مر گئی۔ (سیر الصحابہ)

## حدیث نمبر ۳۰۵۸ ﴿اهل بدر کے عطایا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۶۵

وَعَنْ قَيْسِ ابْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ كَانَ عَطَاءُ الْبَدْرِيِّيْنَ خَمْسَةَ الآفٍ وَقَالَ عُمَرُ لَاُفَضِّلَنَّهُمْ عَلٰى مَنْ بَعْدَهُمْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حواله:** بخاری، ص ۵۷۲ ج ۲، باب، کتاب المغازی، حدیث ۴۰۲۲

**حل لغات:** عطاء عطیہ، وظیفہ (ج) أعطیة۔

**ترجمه:** حضرت قیس بن ابوحازم سے روایت ہے کہ بدری صحابہ کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں ان کو بعد والوں پر ضرور فضیلت دوں گا۔ (بخاری)

**خلاصہ حدیث** حضرت صدیق اکبرؓ نے بدر میں شریک مجاہدین کے لئے بیت المال سے سالانہ پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا تھا، یہ وظیفہ دوسروں سے زیادہ تھا تاکہ اہل بدر کی فضیلت ثابت ہوجائے، اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اس فضیلت کو عملی طور پر برقرار رکھا، بلکہ قولی طور پر اس کا اعلان بھی فرمایا اور عزم کیا کہ میں اس فضیلت کو برقرار رکھوں گا۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** خمسة آلاف یہ بیت المال سے ملنے والے وظیفہ کی مقدار ہے جو ہر بدری صحابی کو سالانہ ملتی تھی۔ لافضلنهم آپؓ نے عطایا اور دیگر اعتبارات سے چند استثناءات کے ساتھ شرکاء بدر کو ترجیح دی، استثناء میں مثلاً ازواج مطہراتؓ تھیں کہ ان کو وظیفہ اصحاب بدرؓ سے نسبت رسولؐ کی وجہ سے زیادہ تھا۔

## باب تسمیة من سمی من اهل بدر فی الجامع للبخاری

اہل بدر میں سے ان صحابہ کرامؓ کے نام جنکو جامع بخاری میں بیان کیا گیا ہے: امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں جن بدری صحابہ کا ذکر کیا ہے، صاحب کتاب نے بھی انکو ذکر کیا ہے، یہاں پینتالیس ناموں کی صراحت ہے، بخاری کے بعض نسخوں میں عتبہ بن مسعود الھذلی کا بھی ذکر ہے، یہاں انکا ذکر نہیں، تمام بدریین کے ناموں کو ذکر کرنا مقصود نہیں ہے، اسی طرح بعض ایسے حضرات جن کے بدری ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں بلکہ خود بخاری میں بھی انکے بدری ہونیکا ذکر موجود ہے، لیکن چونکہ تصیص وتصریح کیساتھ نہیں، اسی لئے انکے نام امام بخاری نے ذکر نہیں کئے جیسے حضرت عبیدہ بن الجراحؓ ہیں، انکے بدری ہونیکا ذکر خود بخاری میں موجود ہے، لیکن چونکہ تصیص وتصریح (انه شهد بدراً جیسے الفاظ) کیساتھ نہیں، اسلئے ناموں کی فہرست میں انکا نام نہیں، شرکائے بدر کی تعداد مشہور روایت کے مطابق تین سو تیرہ ہے ان تمام کے اسمائے گرامی کا ذکر حافظ ضیاء الدین مقدسی نے ''کتاب الاحکام'' میں استیعاب کے ساتھ کیا

ہے۔ابن سید الناس اور ابن اسحاق نے بھی تفصیل کے ساتھ بدریین صحابہؓ کے نام ذکر کئے ہیں۔ (کشف الباری)

**اہل بدر کے ناموں کے خواص:** اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے ناموں میں عجیب خاصیت اور عجیب برکت رکھی ہے، کہا جاتا ہے کہ ان ناموں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں، بعض علماء نے لکھا ہے کہ کتنے ہی اولیاء اللہ کو اہل بدر کے اسماء کی برکت سے ولایت ملی، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل بدر کے ناموں کی برکت سے جن مریضوں نے اپنے لئے صحت کی دعا مانگی ہے، اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی ہے، اسکے علاوہ اور بھی کئی خواص ہیں، صاحب مظاہر حق نے دعا کے انداز سے اہل بدر کے ۳۱۴ نام مظاہر حق میں ذکر کئے ہیں اور پھر آخر میں الگ دعا بھی نقل فرمائی ہے، اہل بدر کے ناموں پر مشتمل چھوٹے چھوٹے کتابچے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ (توضیحات)

**غزوۂ بدر کا مختصر تعارف:** تاریخ اسلام کی سب سے پہلی جنگ اور غزوہ غزوۂ بدر ہے، یہ غزوہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ مطابق ۶۲۴ء مقام بدر میں ہوا، جو مدینہ سے اسّی میل کے فاصلہ پر ہے، مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ اور کفار کی تعداد ایک ہزار تھی، مسلمان بے سروسامانی کی حالت میں تھے، جب کہ کفار ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس اور تیار تھے، اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور مسلمانوں کو کافروں پر فتح حاصل ہوئی، ستر کافر قتل ہوئے جن میں ان کا سردار ابو جہل اور دیگر بڑے بڑے سردار تھے، اور ستر کافر قید ہوئے، جن کے ساتھ آپ ؐ نے بہت اچھا سلوک فرمایا، جو فدیہ دینے کے قابل تھے ان سے فدیہ لیا گیا، اور جو فدیہ دینے کے قابل نہ تھے اور پڑھنا لکھنا جانتے تھے، ان کے ذمہ دس دس لوگوں کو پڑھانے کا کام لگایا گیا، پھر انہیں آزاد کر دیا گیا۔



**شرکاء بدر کی قدر و منزلت:** حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے قصہ میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا "لعل اللّٰہ اطلع علی اهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنة" یعنی تحقیق اللہ نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہو کرو جنت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے، جب کہ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں "فقد غفرت لکم" یعنی تمہارے گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ مسند احمد کی حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لن یدخل النار احد من شهد بدرًا" یعنی جو بدر میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا، رفاعہ بن رافع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیلؑ نبی کریمؐ کے خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا آپ ؐ اہل بدر کو کیا سمجھتے ہیں، آپ ؐ نے فرمایا سب سے افضل اور بہتر، جبرئیلؑ نے کہا اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ (جدید مظاہر حق)

### مخصوص اہل بدر کے اسمائے گرامی:

١. اَلنَّبِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْهَاشِمِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ٢. عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ أَبُوْبَكْرِنِ الصِّدِّيْقُ الْقُرَشِيُّ، ٣. عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْعَدَوِيُّ، ٤. عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ الْقُرَشِيُّ، خَلَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَتِهِ رُقَيَّةَ وَضَرَبَ لَهُ بِسَهْمِهِ، ٥. عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبِ الْهَاشِمِيُّ، ٦. إِيَاسُ بْنُ بُكَيْرٍ، ٧. بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ مَوْلَى أَبِي بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ، ٨. حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الْهَاشِمِيُّ، ٩. حَاطِبُ بْنُ أَبِي بَلْتَعَةَ حَلِيْفٌ لِقُرَيْشٍ، ١٠. أَبُوْ حُذَيْفَةَ بْنُ عُقْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ الْقُرَشِيُّ، ١١. حَارِثَةُ بْنُ الْأَنْصَارِيِّ، قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ، وَهُوَ حَارِثَةُ بْنُ سُرَاقَةَ، كَانَ فِي النَّظَارَةِ، ١٢. خُبَيْبُ بْنُ عَدِيِّ الْأَنْصَارِيُّ، ١٣. خُنَيْسُ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ، ١٤. رِفَاعَةُ بْنُ رَافِعِ الْأَنْصَارِيُّ، ١٥. رِفَاعَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُنْذِرِ أَبُوْ لُبَابَةَ الْأَنْصَارِيُّ، ١٦. اَلزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ الْقُرَشِيُّ، ١٧. زَيْدُ بْنُ سَهْلٍ أَبُوْ طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيُّ، ١٨. أَبُوْ زَيْدِنِ الْأَنْصَارِيُّ، ١٩. سَعْدُ بْنُ مَالِكِ نِ الزُّهْرِيُّ، ٢٠. سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ الْقُرَشِيُّ، ٢١. سَعِيْدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلِنِ الْقُرَشِيُّ، ٢٢. سَهْلُ بْنُ حُنَيْفِ الْأَنْصَارِيُّ، ٢٣. ظُهَيْرُ بْنُ رَافِعِ الْأَنْصَارِيُّ، ٢٤. وَأَخُوْهُ، ٢٥. عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ

مَسْعُوْدِنِ الْهُذَلِيُّ، ٢٦. عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفِ نِ الزُّهْرِيُّ، ٢٧. عُبَيْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ الْقُرَشِيُّ، ٢٨. عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ الْأَنْصَارِيُّ، ٢٩. عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ حَلِيْفُ بَنِيْ عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ، ٣٠. عُقْبَةُ بْنُ عَمْرِوِنِ الْأَنْصَارِيُّ، ٣١. عَامِرُ بْنُ رَبِيْعَةَ الْعَنَزِيُّ، ٣٢. عَاصِمُ بْنُ ثَابِتِ نِ الْأَنْصَارِيُّ، ٣٣. عُوَيْمُ بْنُ سَاعِدَةَ الْأَنْصَارِيُّ، ٣٤. عُتْبَانُ بْنُ مَالِكِ نِالْأَنْصَارِيُّ، ٣٥. قُدَامَةُ بْنُ مَظْعُوْنٍ، ٣٦. قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ الْأَنْصَارِيُّ، ٣٧. مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ، ٣٨. مُعَوِّذُ بْنُ عَفْرَاءَ، ٣٩. وَأَخُوْهُ، ٤٠. مَالِكُ بْنُ رَبِيْعَةَ أَبُوْ أُسَيْدِنِ الْأَنْصَارِيُّ، ٤١. مِسْطَحُ بْنُ أُثَاثَةَ بْنِ عَبَّادِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مُنَافٍ، ٤٢. مُرَارَةُ بْنُ الرَّبِيْعِ الْأَنْصَارِيُّ، ٤٣. مَعْنُ بْنُ عَدِيِّ الْأَنْصَارِيُّ، ٤٤. مِقْدَادُ بْنُ عَمْرِوِنِ الْكِنْدِيُّ، حَلِيْفُ بَنِيْ زُهْرَةَ، ٤٥. هِلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ الْأَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ.

**حوالہ:** بخاری، ج ۲، باب تسمية من سمي من اهل بدر، كتاب المغازى

**ترجمہ:** (۱) نبی محمد بن عبداللہ ہاشمیؐ (۲) عبداللہ بن عثمان یعنی ابوبکر صدیق قریشی (۳) عمر بن خطاب عدوی (۴) عثمان بن عفان قریشی جنہیں نبیؐ نے اپنی دختر رقیہ کی تیمارداری کے لئے پیچھے چھوڑا اوران کے لئے حصہ الگ رکھا (۵) علی بن ابی طالب ہاشمی (۶) بلال بن رباح یعنی ابوبکر صدیق کے غلام، (۷) حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی (۸) ایاس بن بکیر (۹) حاطب بن ابی بلتعہ جو قریش کے حلیف تھے (۱۰) ابوحذیفہ بن عقبہ بن ربیعہ قریشی (۱۱) حارثہ بن ربیع انصاری جو بدر کے دن شہید ہوئے اوروہ حارثہ بن سراقہ ہیں جونگرانی میں مقرر تھے (۱۲) حبیب بن عدی انصاری (۱۳) خنیس بن حذافہ سہمی (۱۴) رفاعہ بن رافع انصاری (۱۵) رفاعہ بن عبدالمنذ رابولبابہ انصاری (۱۶) زبیر بن العوام قریشی (۱۷) زید بن سہل ابوطلحہ انصاری (۱۸) ابوزید انصاری (۱۹) سعد بن مالک زہری یعنی سعد بن ابی وقاص (۲۰) سعد بن خولہ قریشی (۲۱) سعید بن زید بن عمرو بن نفیل قریشی (۲۲) سہل بن حنیف انصاری (۲۳،۲۴) ظہیر بن رافع انصاری اوران کے بھائی مظہر (۲۵) عبداللہ بن مسعود ہذلی، (بخاری میں یہاں عبداللہ بن مسعود کے بعد عتبہ بن مسعود الھذلی کا ذکر ہے لیکن مشکوٰۃ میں نہیں ہے)۔(۲۶) عبدالرحمٰن بن عوف زہری (۲۷) عبیدہ بن حارث قریشی (۲۸) عبادہ بن صامت انصاری (۲۹) عمرو بن عوف جو بنی عامر بن لوی کے حلیف تھے۔ (۳۰) عقبہ بن عمرو انصاری (۳۱) عامر بن ربیعہ العنزی (۳۲) عاصم بن ثابت انصاری (۳۳) عویم بن ساعدہ انصاری (۳۴) عتبان بن مالک انصاری (۳۵) قدامہ بن مظعون (۳۶) قتادہ بن نعمان انصاری (۳۷) معاذ بن عمرو بن جموح (۳۸،۳۹) معوذ بن عفراء اوران کے بھائی عوف (۴۰) مالک ربیعہ ابواسید انصاری (۴۱) مسطح بن اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب بن عبدمناف (۴۲) مرارہ بن ربیع انصاری (۴۳) معن بن عدی انصاری (۴۴) مقداد بن عمرو کندی جو بنی زہرہ کے حلیف ہیں (۴۵) ہلال بن امیہ انصاری رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی رہے)

**خلاصہ:** بخاری میں مذکورہ تمام اسماء حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کئے گئے ہیں، صرف آقائے کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی واسم گرامی کو اظہار فضیلت کے لئے تبرکاً مقدم کیا ہے، صاحبِ مشکوٰۃ نے خلفائے راشدین کے اسماء کو بھی ترتیب خلافت و فضیلت کے اعتبار سے آپؐ کے نام نامی کے معاً بعد رکھا ہے؛ کیوں کہ تمام صحابہ پر ان کی فضیلت مسلم ہے، اس کے بعد تمام صحابہ کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے ہی نقل کئے ہیں، جیسا کہ ماقبل میں ذکر ہوا کہ یہاں صرف اُن بدری حضرات کے نام آئے ہیں، جن کا بدری ہونا بالصراحت بخاری میں مذکور ہے، بعض حضرات کا بدری ہونا مسلم ہے لیکن باب میں ان کا نام نہیں، مثلاً ابوعبیدہ بن الجراح، وجہ یہی ہے کہ بخاری میں صراحتاً ان کے بدری ہونے کے حوالہ سے کوئی حدیث نقل نہیں ہوئی۔

**کلمات کی تشریح:** النبی محمد بن عبداللہ آپؐ کے فضائل ومناقب اور معجزات وغیرہ کا تفصیلی ذکر اس جلد کے شروع اور

گذشتہ جلد میں مفصل ہو چکا ہے۔(۲)ابوبکر صدیق (۳)عمر بن الخطاب (۴)عثمان بن عفان (۵)علی بن ابی طالب یہ چاروں خلفاء راشدین ہیں ماقبل میں مستقل الگ الگ بابوں میں ان کا تعارف اور ان کے فضائل ومناقب بہت تفصیل سے گذر گئے ہیں۔حضرت عثمانؓ بدر کی جنگ میں نہیں گئے پھر بھی بدری ہیں،اس جز کی تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۶۰۸۰ دیکھیں۔

**حضرت ایاس بن بکیر**ؓ: ان کا تعلق قبیلہ لیث سے تھا۔بدری صحابی ہیں،تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے،دارارقم میں اسلام لائے تھے ۳۴ھ میں وفات پائی تھی۔

**حضرت بلال بن رباح**ؓ: ان کا تعارف عالمی حدیث ۶۲۰۱ کے تحت دیکھیں۔

**حضرت حمزہ**ؓ: ان کا تعارف عالمی حدیث ۶۲۵۵ کے تحت دیکھیں۔

**حضرت حاطب بن ابی بلتعہ**ؓ: ان کا تعارف عالمی حدیث ۶۲۵۲ کے تحت دیکھیں۔

**حضرت ابوحذیفہ**ؓ: ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ قریشی،حضرت ابوحذیفہ عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ہیں،ان کے نام میں مختلف اقوال ہیں،بعض نے کہا ان کا نام مھشم ہے،بعض کے نزدیک ہشیم ہے اور بعض نے ہاشم بتلایا ہے،جلیل القدر قدیم الاسلام صحابی ہیں،مہاجرین سابقین اولین میں سے ہیں،ہجرت حبشہ اور مدینہ دونوں میں شریک تھے اور دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے،جنگ یمامہ میں شہید ہوئے،اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا کی شرافت سے نوازا تھا،بوقت انتقال ان کی عمر ۵۳ یا ۵۴ سال تھی۔

**حضرت حارثہ بن ربیع**ؓ: حضرت حارثہ کے والد کا نام سراقہ ہے۔حضرت سراقہ بھی صحابی ہیں اور جنگ حنین میں شہید ہوئے۔ حضرت حارثہ کی والدہ کا نام ربیع بنت النضر ہے اور یہ حضرت انسؓ کی پھوپھی ہیں۔حضرت حارثہؓ انصار میں شہید ہونے والوں میں سب سے پہلے بدر کے اندر شہید ہوئے۔حوض سے پانی پی رہے تھے کہ حبان بن العرقہ نے ان کو تیر مارا اور یہ شہید ہو گئے۔(کشف الباری)

**خبیب بن عدی**ؓ: آپ انصاری اوسی ہیں،بدر میں شریک ہوئے،غزوہ رجیع ۳ھ میں کفار کے ہاتھوں قید ہوئے،انھیں مکہ معظمہ میں حارث ابن عامر کی اولاد نے خرید لیا،بدر کے دن خبیب نے حارث کو قتل کیا تھا،اس کا بدلہ لینے کے لئے حارث کی اولاد نے خریدا، آپ ان کے ہاں قید رہے،پھر مقام تنعیم میں انھیں سولی دی گئی،سب سے پہلی سولی اسلام میں انہیں کو دی گئی،بخاری میں ہے کہ "خبیب نے حارث کی ایک لڑکی سے استرہ مانگا صفائی حاصل کرنے کے لئے،اس کا بچہ خبیب کی ران پر آبیٹھا،وہ یہ دیکھ کر ڈر گئی کہ کہیں خبیب میرے بچے کو استرے سے ذبح نہ کر دیں،آپؓ نے فرمایا 'تم ڈرومت،میں تیرے بچے کو کوئی تکلیف نہ دوں گا'،وہ عورت مسلمان ہونے کے بعد کہا کرتی تھی کہ 'میں نے خبیب جیسا قیدی آج تک نہ دیکھا'،وہ اپنی قید میں انگور کھاتے تھے،یہ غیبی رزق تھا جو انھیں ملتا تھا،جب انھیں سولی کے لئے حرم کی زمین سے باہر لے چلے تو فرمایا 'مجھے دو رکعت پڑھنے کی اجازت دے دو'،آپؓ نے ہلکی رکعتیں پڑھیں اور فرمایا کہ 'تم یہ خیال نہ کرو کہ مجھے قتل سے ڈر ہے،تمہارے اس خیال کو دفع کرنے کے لئے میں نے نماز مختصر پڑھی ہے ورنہ دراز پڑھتا' پھر آپؓ نے چند شعر پڑھے اور سولی چڑھ گئے۔(توضیحات)

**حضرت خنیس بن حذافہ**ؓ: یہ فضلاء صحابہ میں سے ہیں اور صاحب الہجرتین ہیں۔بدر میں شریک رہے اور جنگ احد میں زخمی ہوئے اور اسی زخم کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا۔یہ عبداللہ بن حذافہؓ کے بھائی ہیں۔(کشف الباری)

**حضرت رفاعہ بن رافع**ؓ: انکی کنیت ابومعاذ ہے،یہ انصاری ہیں یہ غزوۂ بدر،غزوۂ احد اور دوسرے تمام غزوات میں نبی کریمؐ کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں اور حضرت علیؓ کیساتھ جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی شریک تھے،حضرت معاویہؓ کے دور خلافت کے آغاز میں

انکی وفات ہوئی، ان کے دونوں صاحبزادے عبید اور معاذ اور ان کے بھتیجے یحییٰ بن خلدان سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ مترجم)

**رفاعہ بن المنذر**: حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر جلیل القدر صحابی ہیں، انصار مدینہ میں سے ہیں اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں۔ سرداروں میں سے تھے، غزوہ بدر میں حضورؐ کے ساتھ تھے، مگر آپؐ نے ان کو راستہ سے واپس کر کے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور غنیمت بدر میں ان کو بھی حصہ دیا، اس لئے یہ بھی بدریین میں شمار کئے جاتے ہیں، غزوہ بدر کے بعد دیگر تمام غزوات میں شریک رہے اور فتح مکہ میں ان کے ہاتھ میں بنی عمرو بن عوف کا علم تھا، غزوہ بنی قریظہ میں ان سے ایک غلطی سرزد ہوگئی تھی، اس کی سزا کے طور پر مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا، حضور کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اگر وہ میرے پاس آتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا، یہ دس راتیں اسی طرح بندھے رہے، اس کے بعد ان کے لئے توبہ قرآن مجید میں نازل ہوئی، بعض حضرات اس واقعہ کی وجہ غزوہ تبوک سے تخلف بیان کرتے ہیں، مسجد نبوی میں اب تک ایک ستون کا نام ابولبابہ ہے۔

**حضرت زبیر بن عوام**: باب مناقب العشرۃ کے تحت تعارف ہو چکا ہے۔

**حضرت زید بن سهل**: عالمی حدیث ۶۲۵۱ کے تحت تعارف گذر چکا ہے۔

**حضرت ابوزید انصاری**: عالمی حدیث ۶۲۰۴ کے تحت تعارف گذر چکا ہے۔

**حضرت سعد بن خوله**: سعد بن خولہ قریشی ہیں، حضرت سعد قدیم الاسلام صحابی ہیں، حبشہ کی طرف ہجرت اور ہجرت مدینہ میں شریک تھے نیز غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے، ان کی وفات حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی، ان کا تعلق بنی عامر بن لوی سے تھا اور بعض علما نے کہا کہ یہ فارسی الاصل یمن کے رہنے والے تھے، چوں کہ قبیلہ بنی عامر قریش کے حلیف تھے، اس لئے عامری قریشی کہلاتے ہیں۔

**حضرت سعید بن زید**: باب مناقب العشرۃ کے تحت تعارف گذر چکا ہے۔

**حضرت سهل بن حنیف**: یہ اوسی انصاری ہیں۔ تمام غزوات میں شرکت کی، معرکۂ احد میں جن حضرات نے استقامت کا ثبوت دیا ان میں جناب سہل بھی شامل تھے، وصال نبوی کے بعد حضرت علیؓ کے ہم نوا ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں مدینہ منورہ میں انھیں اپنا جانشین بنایا تھا، ان کے صاحبزادے ابوامامہ کے علاوہ اور دوسرے حضرات نے ان سے روایت حدیث کی ہے (ابوعبداللہ کنیت تھی، حضرت علیؓ سے ان کی مواخات ہوئی تھی، جنگ صفین کے بعد حضرت علیؓ نے انھیں بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا، ان کی نماز جنازہ بھی حضرت علیؓ نے پڑھائی۔

**حضرت ظهیر ابن رافع**: انصار کے قبیلہ اوس کی حارثی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں موجود تھے، غزوۂ بدر اور احد کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی، ظہیر میں خاء مضموم اور ہاء مفتوح ہے۔

**حضرت ظهیر کے بھائی حضرت خدیج بن رافع**: ملا علی قاریؒ نے ان کا نام مظہر لکھا ہے، یہ بھی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

**حضرت عبدالله بن مسعود**: ان کے تعارف کے لئے عالمی حدیث ۶۱۹۷ دیکھیں۔

**حضرت عبدالرحمٰن بن عوف**: باب مناقب العشرۃ کے تحت تعارف گذر چکا ہے۔

**حضرت عبیده بن الحارث**: حضرت عبیدہ اوائل زمانہ بعثت میں ایمان لائے اور اپنے بھائیوں طفیل اور حسین کے ساتھ مدینہ ہجرت کی، حضورؐ ان کی بہت قدر فرماتے تھے ان کو غزوۂ بدر سے قبل مہاجرین کے ایک لشکر کا امیر بھی مقرر فرمایا تھا، غزوہ بدر میں جب مقابلہ شروع ہوا تو عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ مقابلے کے لئے نکلے، اور ان کے مقابلہ کے لئے تین انصاری لشکر اسلام سے گئے، مگر ان

نامعقولوں نے ان انصاریوں کو واپس کردیا اور حضورؐ کا اسم گرامی لے کر پکارا کہ ہمارے مقابلے میں ہمارے ہمسر قریشیوں کو بھیجو، حضورؐ نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ کو بھیجا جنھوں نے ان تینوں کافروں کو قتل کر دیا، حضرت عبیدہ کا مقابلہ ولید سے ہوا حضرت عبیدہ کو زخم آئے اور انہیں زخموں کی وجہ سے غزوہ بدر سے واپسی میں راستے میں ان کی وفات ہوگئی۔

**حضرت عبادہ بن صامتؓ:** ابوالولید کنیت تھی، انصار کے قبیلہ سالم سے تعلق تھا، نقباء اسلام میں شمار کئے جاتے ہیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ اور ثالثہ میں شریک تھے۔ تمام غزوات میں شرکت کی، حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں ملک شام کے قاضی اور معلم کی حیثیت سے تقرر فرمایا اور ان کا مستقر حمص کو بنایا تھا۔ بعد میں فلسطین تشریف لے گئے تھے اور رملہ یا بیت المقدس میں ۳۴ھ میں بہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان سے صحابہؓ اور تابعینؒ کی کثیر جماعت نے روایت کی ہے۔ عبادہ میں عین مضموم ہے۔

**حضرت عمرو بن عوفؓ:** انصاری ہیں، غزوہ بدر میں شرکت کا شرف نصیب ہوا، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ سہیل بن عمرو عامری کے آزاد کردہ ہیں، مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہوگئے تھے، انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ ان سے روایت کرنے والوں میں مسور بن مخرمہ وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

**حضرت عقبہ بن عمروؓ:** بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ میں موجود تھے۔ ارباب سیر وتاریخ کی اکثریت کا کہنا ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے، انھیں بدری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ بدر کے مقام پر کنویں کے قریب قیام کیا تھا، اس لئے بدر کی طرف منسوب ہوکر بدری کہلائے۔ کوفہ میں رہائش پذیر ہوگئے تھے۔ ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں حضرت علیؓ کے دور خلافت میں انتقال ہوا۔ ان سے ان کے صاحبزادے بشیر کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی روایت کی ہے۔

**حضرت عامر بن ربیعہؓ:** عامر بن ربیعہ العنزی حضرت عامر بن ربیعہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، یہ عنز کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے عنزی کہلاتے ہیں، جو ان کے اجداد میں سے ہیں یہ آل خطاب کے حلیف تھے اور جامع الاصول میں ان کی نسبت غنوی ہے، یہ بنی عدی کے حلیف تھے اسی لئے ان کی نسبت عدوی بھی ہے، دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے، حضرت عمرؓ سے قبل اسلام قبول کیا اور وفات میں مختلف اقوال ہیں ۳۲ھ، ۳۳ھ یا ۳۵ھ پہلا قول مشہور ہے اور دوسرا قول اس قول کے زیادہ موافق ہے کہ ان کا انتقال حضرت عثمانؓ سے پہلے ہوا۔

**حضرت عاصم بن ثابت:** یہ حضرت عاصم بن ثابت ہیں، جن کی کنیت ابوسلیمان ہے، انصار میں سے ہیں۔ جنگ بدر میں شامل تھے، غزوہ رجیع میں بنولحیان کے ہاتھوں شہادت پائی، مشرکین مکہ ان کا سر کاٹ کر لے جانا چاہتے تھے، مگر شہد کی مکھیوں کے چھتے نے ان کی حفاظت کی۔ اسی کے باعث "حمی الابر من المشرکین" کہلائے۔ عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا تھے۔ ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کا لشکر ان کی سالاری میں مکہ کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ لشکر مکہ اور عسفان کے درمیان پہنچا تو بنی لحیان قبیلہ کے تقریباً دوسو تیر اندازوں نے ان کا تعاقب کیا۔ یثرب یعنی مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیوں نے ان کی نشاندہی کردی۔ حضرت عاصمؓ نے ایک اونچی جگہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پناہ لی، مگر کفار نے محاصرہ کرکے نیچے آنے کو کہا۔ امان کے وعدہ پر حضرت عاصمؓ نے اپنے ساتھیوں کو نیچے جانے نہ جانے کا اختیار دیا، مگر خود کسی کافر کی ذمہ داری پر نیچے آنے سے انکار کیا اور اللہ سے دعا کی کہ وہ نبی کریم کو ان کے حال کی اطلاع کردے۔ کفار نے تیروں کی بوچھار سے انھیں شہید کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی دعا قبول کی اور اپنے رسول کو ان کی شہادت کی اطلاع دے دی۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو مطلع کیا۔ کفار مکہ نے ان کی شہادت کی اطلاع پاکر قاصد روانہ کیا

کہ ثبوت کے طور پر ان کا کوئی عضو کاٹ کر لائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصمؓ کے جسم کی حفاظت شہد کی مکھیوں سے کروائی، جو ایک شامیانہ کی طرح ان پر چھا گئیں اور ان کا جسم محفوظ رہا۔ قاصد نا کام لوٹ گیا۔ یہ روایت بخاری میں ہے۔

**حضرت عویم بن ساعدہؓ:** ان کا تعلق انصار کی اوسی شاخ سے تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ اور غزوۂ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ نبی کریمؐ کے دور رسالت میں انتقال فرمایا۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دو خلافت میں وفات پائی۔ ان کی عمر ۶۵ یا ۶۶ سال کی ہوئی۔ ان سے حضرت عمر بن خطابؓ نے روایت کی ہے۔

**حضرت عتبان بن مالکؓ:** یہ خزرجی سالمی ہیں۔ ان کا شمار بدری صحابہ میں ہوتا ہے، ان سے حضرت انس اور محمود بن الربیع روایت حدیث کرتے ہیں، حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

**حضرت قدامہ بن مظعونؓ:** حضرت قدامہ بن مظعون، عثمان بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون کے بھائی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حفصہؓ کے ماموں ہیں۔ ان کی بہن حضرت زینب بنت مظعون حضرت عمرؓ کی بیوی تھیں، یہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بحرین کا عامل بنایا۔ حضرت عمرؓ کو شکایت ملی کہ قدامہ نے مسکر استعمال کیا ہے۔ آپ نے تحقیق کی اور اس کے بعد حضرت قدامہ کو معزول کر دیا اور ان پر حد بھی جاری کی۔ ان کی جگہ عثمان بن ابی العاص کو والی بحرین مقرر کیا۔

**حضرت قتادہ بن نعمانؓ:** انصار کی عقبی شاخ سے تعلق رکھتے تھے، غزوہ بدر میں اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ان سے ان کے ماں شریک بھائی ابو سعید خدری اور ان کے بیٹے عمر نے روایت کی ہے۔ پینسٹھ سال کی عمر میں ۲۳ھ کے اندر انتقال ہوا۔ صاحب فضل صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں ان کی نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی۔

**حضرت معاذ بن عمرو بن جموحؓ:** عالمی حدیث ۶۲۳۳ دیکھیں۔

**حضرت مُعَوِّذ بن عفراءؓ:** ان کی والدہ کا نام عفراء تھا، غزوۂ بدر میں اپنے بھائی معاذ کے ساتھ شرکت کی۔ حضرت معاذ اور معوذ کا پیشہ باغبانی و کاشتکاری تھا۔ انھوں نے اپنے بھائی معاذ کی معیت میں ابوجہل کو قتل کیا اور خود بھی غزوۂ بدر میں جام شہادت نوش فرمایا۔ معوذ میں میم مضموم عین مفتوح واؤ مشدد و مکسور ہے۔

**حضرت معوذ کے بھائی حضرت معاذ بن عفراءؓ:** ان کے جد امجد کا نام رفاعہ تھا۔ انصار کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی والدہ عبید ثعلبہ کی بیٹی عفراء ہیں۔ قبیلہ انصار میں سے رافع بن مالک اور یہ مسلمان ہو کر سابقین اولین کی صف میں شامل ہو گئے۔ غزوۂ بدر میں اپنے بھائی عوف و معوذ کے ساتھ شریک ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت عوف و معوذ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔ بقول بعض یہ بدر کے علاوہ دوسرے غزوات میں شریک ہوئے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ ان کو غزوۂ بدر میں زخم آئے اور ان زخموں کی تاب نہ لاکر مدینہ منورہ میں رحلت فرما گئے، جب کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کا انتقال حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں ہوا، ان سے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے روایت کی ہے۔ عفراء میں عین مفتوح اور فاء ساکن ہے۔

**حضرت مالک بن ربیعہؓ:** یہ تمام غزوات میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہے، ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اٹھتر سال کی عمر پا کر ۶۰ھ میں وفات پائی۔ بدری صحابی میں سب سے آخر میں وفات پانے والے یہی بزرگ ہیں۔

**حضرت مِسْطَح بن اُثاثہؓ:** قریش سے تعلق تھا۔ شجرہ نسب اس طرح ہے: مسطح بن اثاثہ بن عباد بن عبد المطلب بن عبد مناف۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں اور دوسرے تمام غزوات میں شرکت کی، واقعہ افک میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر زبان طعن دراز کرنے والوں میں سے تھے اور اس پر بہتان طرازی کی حد بھی جاری ہوئی تھی۔ بعض محدثین ان کا نام عوف اور لقب مسطح بتاتے ہیں، لیکن ابن عبد البر کی

تحقیق کے مطابق مسطح ہی ان کا نام ہے۔ چھپن سال کی عمر میں ۳۴ھ میں انتقال ہوا۔ (یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خالہ زاد بھائی تھے اور آپ کی زیر کفالت تھے) مسطح میں میم مکسور سین ساکن اور طاء مفتوح ہے۔ اثاثہ میں الف مضموم ہے، عباد میں باء مشدد ہے۔

**حضرت مرارہ بن ربیع**رضی اللہ عنہ: انصار کی عامری شاخ سے تعلق رکھتے تھے، بدری صحابہ میں سے ہیں، انکا شماران صحابہ میں ہوتا ہے جو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکے تھے، ان کی برأت کے سلسلے میں آیت قرآنی نازل ہوئی اوران کی توبہ قبول ہوئی۔ مرارہ میں میم مضموم ہے۔

**حضرت معن بن عدی**رضی اللہ عنہ: عاصم کے بھائی ہیں۔ غزوہ بدراوراس کے بعد ہونے والے تمام غزوات میں شرکت کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کیا۔ نبی کریمؐ نے ان کے اور زید بن خطابؓ کے درمیان مواخات قائم کرائی تھی۔ حضرت زید بن خطابؓ بھی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔

**حضرت مقداد بن عمرو کندی**رضی اللہ عنہ: کندی نسبت کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والد نے قبیلہ کندہ والوں سے عہد و پیمان کرلیا تھا۔ ان کے والد کا نام اسود نہیں تھا۔ بلکہ اسود بن یغوث زہری کے یہ پروردہ یا حلیف تھے۔ جب کہ مؤرخین نے کہا ہے کہ یہ اسود کے غلام تھے۔ اسلام قبول کرنے والے چھٹے فرد ہیں۔ حضرت علیؓ اور طارق بن شہاب وغیرہ نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ مقام جرف میں جو مدینہ منورہ سے تین میل فاصلے پر ہے وہاں انتقال ہوا۔ مخلصین کاندھوں پر جنازہ لائے اور جنت البقیع میں دفن کیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ستر سال تھی۔

**حضرت ہلال بن امیہ**رضی اللہ عنہ: امیہ کے صاحبزادے اور انصاری ہیں۔ غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین صحابہ میں سے ایک یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ یہی وہ صحابی ہیں جنھوں نے اپنی بیوی کو شریک کے ساتھ متہم کیا۔ ان کا تذکرہ لعان میں ہے۔ ان سے حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے روایت کی ہے۔

## باب ذکر الیمن والشام وذکر اویس القرنی

اس باب میں یمن اور شام نیز حضرت اویس قرنیؒ کا ذکر ہے۔ اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۱۷ احادیث نقل فرمائی ہیں، جن میں ملک یمن وشام کی فضیلت اور مشرق کی مذمت کا تذکرہ ہے، نیز حضرت اویس قرنیؒ کی علامت اوران کی فضیلت کا ذکر ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں "یمن" یمین سے ماخوذ ہے، یمن کو یمن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کعبہ کے دائیں طرف ہے اور یمن کی طرف نسبت یمنی یمانی اور یمان استعمال ہوتی ہے۔ اور شام سے مراد وہ علاقے ہیں جو کعبہ کے بائیں طرف ہیں اس علاقے کو شام کہنے کی مختلف وجہیں ہوسکتی ہیں مثلاً شام تشاءم سے ہے اس کا معنی ہے بائیں طرف ہونا، شام کو شام اس لئے کہتے تھے کہ یہ بیت اللہ کے بائیں طرف ہے یا اس وجہ سے کہ اس کے بائیں طرف بنی کنعان کی ایک قوم آباد تھی، چوں کہ یہ تشام سے مشتق ہے اس لئے شام (شأم) ہمزہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، پڑھنے میں اس ہمزہ کو الف سے بدلا جاتا ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شام نوحؑ کے بیٹے سام بن نوح کی طرف منسوب ہے اور سریانی زبان میں سام سین کے بجائے شین کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ ذکر یمن وشام سے مراد عام ہے یعنی اس باب میں یمن وشام کے متعلق احادیث ذکر کی جائیں گی، خواہ ان کا تعلق ان علاقوں اور ملکوں کے ساتھ ہو خواہ ان میں رہنے والے لوگ اور باشندوں کے ساتھ ہو۔

**اویس القرنی**: یہ تخصیص بعد التعمیم ہے شرف وعظمت کو ظاہر کرنے کے لئے، قرن (قاف اور راء کے فتحہ کے ساتھ) یمن کا ایک شہر ہے اور قرن (قاف کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ) قاموس میں ہے کہ یہ اہل نجد کا میقات ہے اور طائف کے قریب ایک بستی ہے، اس ساری وادی کا نام قرن ہے۔ جوہری نے اس بارے میں فرمایا کہ قرن راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور حضرت اویسؒ اسی کی طرف

منسوب ہیں، حالاں کہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں، قرن راء کے سکون کے ساتھ ہے اور حضرت اویسؒ اس علاقے کی طرف منسوب ہو کر قرنی نہیں کہلاتے، بلکہ وہ قرن بن رومان بن ناجیہ بن مراد کی طرف منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں۔ حضرت اویس قرنیؒ کا تعارف آگے احادیث کے ذیل میں آرہا ہے۔

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۳۰۵۹ ﴿حضرت اویس قرنیؒ کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢٦٦**

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا يَأْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَنِ يُقَالُ لَهُ أُوَيْسٌ لَا يَدَعُ بِالْيَمَنِ غَيْرَ أُمٍّ لَهُ قَدْ كَانَ بِهٖ بَيَاضٌ فَدَعَا اللّٰهَ فَأَذْهَبَهٗ إِلَّا مَوْضِعَ الدِّيْنَارِ أَوِ الدِّرْهَمِ فَمَنْ لَقِيَهٗ مِنْكُمْ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِيْنَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ أُوَيْسٌ وَلَهٗ وَالِدَةٌ وَكَانَ بِهٖ بَيَاضٌ فَمُرُوْهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۱۱ ج ۲، باب من فضائل اویس، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث ۲۵۴۲

**حل لغات:** مُرُوْهُ اَمَرَ فلانًا (ن) أمرًا حکم دینا۔

**ترجمہ:** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی تمہارے پاس یمن سے آئے گا جس کو اُویس کہا جاتا ہے، یمن میں اسے صرف اس کی ماں روکے ہوئے ہے، اسے برص کی بیماری تھی اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ دور ہوگئی، سوائے ایک درہم و دینار کی جگہ کے، تم میں سے جو اس سے ملے تو تم سب کے لئے دعائے مغفرت کروائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تابعین میں وہ بہتر آدمی ہے جس کو اویس کہا جاتا ہے، اس کی والدہ ہے اور اسے برص کی بیماری ہے، اس سے کہنا کہ تمہارے لئے دعائے مغفرت کرے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت اویس قرنیؒ کی فضیلت مذکور ہے، وہ اپنی ماں کی خدمت میں مشغولی کے سبب حضورؐ کی خدمت میں نہیں آسکے تھے، آپؐ نے حضرت عمرؓ کو ان کی واضح پہچان بتا کر ان سے اپنے حق میں دعا کرانے کی تاکید فرمائی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت اویسؒ کی منقبت اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل اصلاح اور نیک لوگوں سے دعا کی درخواست کرنی چاہئے، اور ان سے اپنے لئے استغفار کرانا چاہئے اگر چہ دعا کرانے والا اس سے افضل ہی ہو، حضرت اویسؒ کی یہ فضیلت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو پایا، لیکن ایک عذر شرعی کی وجہ سے براہِ راست انوار نبوت سے منور اور فیضان رسالت سے مستفید نہ ہو سکے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ فضیلت ان کی دلداری کے لئے بیان فرمائی ہے اور اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمائی کہ کہیں یہ وہم نہ ہو کہ حضورؐ کا زمانہ پایا لیکن حضور کی صحبت و مصاحبت سے محروم رہے، اس لئے کہ ان کا اس نعمت سے محروم رہنا والدہ کی خدمت کی وجہ سے تھا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے کہ حضرت اویسؒ تمام تابعین سے افضل ہیں۔ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ افضل التابعین سعید بن المسیبؒ ہیں، لیکن ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ حضرت اویسؒ افضل ہیں باعتبار کثرت ثواب کے اور حضرت سعید بن المسیب افضل ہیں علم شریعت میں مہارت اور دسترس رکھنے کے اعتبار سے، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت اویسؒ تابعین کے سرداروں میں سے ایک ہیں جیسا کہ قاموس میں کہا گیا ہے، حدیث کو اسی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ (جدید مظاہر حق)

## کلمات حدیث کی تشریح

غیر ام لہٗ یعنی یمن میں اس کے اہل وعیال میں سے اس کا کوئی رشتہ دار نہیں، صرف اس کی ایک ماں ہے، اس کی خدمت میں رہتا ہے، اس لئے میری زیارت کے لئے نہیں آیا۔ "بیاض" یعنی اس کے جسم میں برص کی بیماری تھی، پورا جسم سفید تھا، اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو ایک دینار یا درہم کی جگہ سفید رہ گئی، تا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر مدنظر رہے، یا اس لئے کہ ان کے تعارف کے لئے نشانی رہ جائے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کو اسی سفید نشان سے پہچان لیا۔ خیر التابعین آنحضرتؐ نے ان کو تابعین میں سب سے افضل قرار دیا: کیوں کہ یہ ایسے تابعی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے، عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے، نیز علما لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنا جبہ بطور ہدیہ ان کے لئے بھیجا تھا۔ (توضیحات)

فلیستغفر لکم اس میں حضرت اویس قرنیؒ کی عظمت وفضیلت کا اظہار ہے، یہ فضیلت ماں کی خدمت کی وجہ سے ملی، علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کا مفضول ہونا ثابت نہ ہوگا، اور نہ ان کا غیر مغفور ہونا ثابت ہوگا؛ کیوں کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت اویسؒ سے افضل ہیں، نیز حضرت اویسؒ تابعی ہیں اور صحابی تابعی سے افضل ہے، اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ کے لئے وسیلہ اور مقام محمود کے لئے امت کا دعا کرنا، اسی طرح ایک معتمر سے آپ نے فرمایا، 'اشر کنا فی دعائك یا اخی' اے برادر ہمیں اپنی دعا میں شریک رکھنا۔ یہ حدیث آپؐ کی نبوت کی دلیل بھی ہے کہ آپؐ نے حضرت اویسؒ کا نام، ولدیت، تعارف، قبیلہ، وطن، اور سیدنا عمرؓ سے ملاقات جیسی چیزیں پہلے بتا دیں جو بالکل ویسے ہی ثابت ہوئیں، یہ سب مغیبات کی خبریں تھیں۔ (انعام المنعم)

**حضرت اویس قرنیؒ کا تعارف:** یہ اویس بن عامر ہیں، کنیت ابو عمرو تھی اور قرن کے رہنے والے تھے، انھوں نے نبی آخر الزماں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس زمانہ پایا، لیکن بالمشافہ زیارت کا شرف حاصل نہ کر سکے، بارگاہِ رسالت سے ان کے مقبولِ بارگاہِ الٰہیہ ہونے کی بشارت دی گئی۔ حضرت عمرؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے انھیں دیکھا تھا، یہ زہد اور مخلوق سے کنارہ کشی میں سخت کوشاں رہتے تھے۔ ۳۷ھ میں یہ جنگ صفین کے موقع پر گم ہو گئے یا شہادت پا گئے تھے۔ (مشکوٰۃ مترجم)

**حضرت عمرؓ کی حضرت اویسؒ سے ملاقات:** حدیث بالا کے پیش نظر حضرت عمر فاروقؓ مسلسل اس جستجو اور تلاش میں رہے کہ اویس قرنیؒ سے ملاقات ہو جائے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ اور اویس قرنیؒ کی ملاقات ہوئی، تو سوال و جواب ہوا اور گفتگو اس طرح ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ: کیا تم اویس بن عامر ہو؟ وہ بولے جی ہاں! میں وہی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا تم قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے ہو اور قرنی ہو؟ وہ فرمانے لگے: ہاں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا تم کو برص کا مرض لاحق تھا؟ فرمانے لگے: جی ہاں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حدیث سنا دی جو اویس قرنی سے متعلق تھی، جس میں دعا کرانے کی بات تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب دعائے مغفرت کی درخواست کی تو اویس قرنی بولے کہ اے امیر المومنین! آپ کیا فرما رہے ہیں؟ مجھ جیسا آدمی آپ کے لئے دعائے مغفرت کرے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا، یقیناً تمہیں میرے لئے دعائے مغفرت کرنی ہے۔ تب حضرت اویسؒ نے فاروق اعظمؓ کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت اویسؒ سے پوچھا کہ اویسؒ! اب بتاؤ کہاں جانا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا میں کوفہ جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تمہارے بارے میں کوفہ کے حاکم کو کچھ لکھ دوں؟ حضرت اویسؒ نے کہا کہ اے امیر المومنین! مجھے میری گمنامی کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے عمر! میری امت میں ایک آدمی ہوگا جس کو اویس کہا جائے گا، تم اس کو دیکھو گے تو خدا یاد آئے گا، جب تم ان سے ملو تو ان کو میرا سلام کہہ دینا، اور ان سے اپنے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اتنے زیادہ لوگوں کی شفاعت کرے گا جیسے ربیعہ اور مضر کے لوگ ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے ارشاد

کے بعد میں اس شخص کی تلاش میں رہا، مگر مجھے عہد نبوی میں یہ شخص نہیں ملا، پھر میں نے صدیق اکبرؓ کی خلافت میں اس شخص کو تلاش کیا، مگر مجھے نہیں ملا، پھر جب میری امارت کا دور آیا، تو میں اور تیزی سے اس کو تلاش کرنے لگا، یہاں تک کہ دنیا کے مختلف شہروں کے قافلوں سے میں پوچھا کرتا تھا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کا نام اویس ہو، قبیلہ مراد سے اس کا تعلق ہو اور قرن کا رہنے والا ہو؟ اسی تلاش کے دوران ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ جس شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں وہ میرا چچازاد بھائی ہے، لیکن وہ اس طرح خستہ حال ہے اور اس درجہ کا کمتر اور بے حیثیت آدمی ہے کہ آپ جیسے عظیم انسان کا اس کے بارے میں پوچھنا آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم جو حقارت آمیز کلمات اس کے حق میں بولتے ہو یہ تمہارے لئے باعث ہلاکت ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے یہ گفتگو کر ہی رہا تھا کہ دور سے ایک اونٹ سوار آتا ہوا نظر آیا۔ اونٹ پر بوسیدہ پالان تھا جس میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے جسم کا کچھ حصہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ڈھکا ہوا تھا اور کچھ خالی تھا، اس کو دیکھتے ہی مجھے خیال آیا کہ یہی شخص اویس قرنیؒ ہوگا، میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور پوچھا تم اویس قرنی ہو؟ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ میں نے کہا رسول اللہؐ نے تمہیں سلام بھیجا ہے، اس شخص نے کہا وعلیٰ رسول الله السلام وعليك يا امير المومنين۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ کا حکم ہے کہ تم میرے لئے دعائے مغفرت کرو! اس کے بعد میرا یہ معمول ہوگیا کہ ہر سال حج کے موقع پر اویس سے ملاقات کرتا تھا، اپنے احوال و اسرار ان سے بیان کرتا تھا اور وہ اپنے احوال و اسرار مجھ سے بیان کیا کرتے تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اویس قرنیؒ تکوینیات کے لوگوں میں سے تھے۔ جس طرح عمر فاروقؓ رجال تکوین میں سے تھے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی ملاقات کی ترغیب دی تھی، یہ رجال الغیب کا الگ ایک نظام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بہت کوشش کی کہ اویس قرنی کو کچھ ہدیہ دے کر تعاون کریں، مگر اویس قرنیؒ نے بالکل انکار فرمایا، البتہ یہ درخواست کی کہ میرے احوال کو پوشیدہ رکھیں، اس کا چرچا نہ ہو۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے یمن کے کچھ لوگوں سے کہا کہ اویس قرنی سے دعا کراؤ! وہ لوگ گئے بہت مشکل سے کسی ویرانے میں اویس کو بلایا اور پورا قصہ سنا دیا تو اویس کہنے لگے کہ حضرت عمرؓ نے میرا چرچا کیا، یہ کہہ کر صحرا کی طرف چلے گئے اور بالکل غائب ہوگئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جنگ نہاوند میں حضرت اویس قرنیؒ شہید ہوگئے تھے، دوسری روایت میں ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ صف میں کھڑے لڑ رہے تھے کہ شہید ہوگئے۔ حضرت اویس قرنیؒ کے مزید بہت سارے عجیب احوال بھی ہیں۔ حضرت عمرؓ کے ہدیہ کا جب آپؒ نے انکار کیا تو فرمانے لگے: میرے پاس یہ دو پھٹے پرانے کپڑے ہیں، پرانے جوتے بھی ہیں جس میں پیوند لگے ہیں، میرے پاس چار درہم بھی ہیں، جب یہ ختم ہو جائیں گے، تب آکر آپؓ سے عطیہ وصول کرلوں گا، پھر فرمایا کہ انسان کی حالت تو اس طرح ہے کہ جب یہ ایک ہفتہ کے لئے آرزو کرتا ہے تو اس کی آرزو مہینہ بھر کے لئے ہو جاتی ہے اور جب مہینہ بھر تک کے لئے آرزو کرتا ہے تو آرزو سال بھر تک کے لئے دراز ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ قناعت سے آدمی اچھی زندگی گزار سکتا ہے اور حرص سے کچھ نہیں بنتا۔ (توضیحات)

### حدیث نمبر ۳۰۶۰ ﴿اهل یمن کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۶۷

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً وَأَلْيَنُ قُلُوْبًا الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَصْحَابِ الْإِبِلِ وَالسَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۶۳۰ ج ۲، باب مناقب قدوم الاشعريين، كتاب المغازى، حدیث ۴۳۸۸؛ مسلم، ص ۵۲ ج ۱، باب تفاضل اهل الايمان، كتاب الايمان، حدیث ۷۲

**حل لغات:** أَرَقَّ رَقَّ الْقَلْبُ (ض) رِقَّةٌ نرم دل ہونا۔ أَفْئِدَة (و) فُؤَاد دل۔ يَمَانٍ الْيَمَانِىُّ یمنی، یمن کی طرف نسبت۔ الْخُيَلَاءُ تکبر، بڑائی، خود پسندی، اتراہٹ۔ السَّكِيْنَة اطمینان، سکون، سنجیدگی، وقار۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، یمن کے لوگ تمہارے پاس آتے ہیں، ان کے دل کے پردے باریک ہیں، دل نرم ہیں، ایمان وحکمت اہل یمن میں ہے، غرور وتکبر اونٹ والوں میں ہے اور وقار بکری والوں میں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنو تمیم تم کو بشارت ہو! ان بدقسمتوں نے اسکو مال کی بشارت سمجھا اور کہا اچھا دلوائیے کیا دلواتے ہیں؟ آپ کو انکی یہ پست ہمتی پسند نہ آئی، اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آپہنچی، آپؐ نے انسے فرمایا کہ بنو تمیم نے بشارت قبول نہ کی تم اسے قبول کرو! انھوں نے کہا یارسول اللہ ہم نے بسروچشم قبول کیا، اسکے بعد کہا جئنا لنفقه في الدين حضور اکرمؐ نے اس انداز گفتگو کو پسند فرمایا اور ان لوگوں کی وسعت ظرفی کو دیکھکر فرمایا کہ ایمان اور فقہ وحکمت تو درحقیقت انہیں لوگوں کا حصہ ہے، اسی کو آپؐ نے رقت قلب سے تعبیر فرمایا۔ (نفع المسلم)

**کلمات حدیث کی تشریح** ارق افئدة والين قلوبا وہ لوگ دل کے رقیق اور قلوب کے نرم ہیں، بعض علماء نے فؤاد اور قلب کے درمیان فرق بیان کیا ہے کہ فؤاد غشاء القلب یعنی دل کے پردے کو کہتے ہیں اور وہ پردہ باریک ہوتا ہے، تو وعظ ونصیحت دل پر جلد اثر کرتی ہیں اور اگر وہ سخت ہوتا ہے تو نصیحت کا اثر جلد نہیں ہوتا، مطلب یہ ہے کہ اہل یمن کے دل بھی نرم ہیں اور ان کے دل کے اوپر پردہ بھی باریک ہے۔ (عمدۃ القاری، ص۳۳ ج۱۸) الايمان يمان ایمان تو یمنی ہے ایمان کی نسبت یمن کی طرف کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اہل یمن ازخود اسلام کی طرف بڑھے تھے، اور ایمانی اوصاف کے ساتھ بہت ہی ممتاز تھے اور جب کوئی شخص یا جماعت کسی خاص وصف کے ساتھ امتیازی لحاظ سے موصوف ہوجائے تو اس وصف کو اس کے ساتھ مخصوص طور سے ذکر کیا جاتا ہے، لیکن اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ وصف دوسروں میں نہیں ہے۔ (کشف الباری) والحكمة يمانية حکمت کے صاف اور واضح معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل احکام کا علم جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، نفس مہذب بن جائے، حق واضح ہوجائے اور اس پر عمل کی توفیق ہوجائے، خواہشات نفسانی اور باطل کی پیروی سے پرہیز کیا جائے، ان خوبیوں سے آراستہ شخص حکیم کہلاتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس بات سے نصیحت حاصل ہو، اور جو شرافت وکرامت کی طرف دعوت دے، یا منہیات اور قبائح سے روک دے وہ حکمت ہے۔ (نفع المسلم) والفخر والخيلاء فخر اور تکبر اونٹ والوں میں ہے اور سکینت ووقار بکری والوں میں ہے، درحقیقت صحبت جس چیز کی بھی ہو انسان پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اونٹ کے اندر بڑائی اور تکبر کا وصف پایا جاتا ہے، تو اس کی صحبت کے اثر سے یہ وصف اونٹ والوں کی طرف بھی منتقل ہوجاتا ہے، اور بکری ایک مسکین جانور ہے، لہٰذا جو لوگ بکریوں کے ساتھ ہمہ وقت رہتے ہیں، ان میں سکینت ووقار آجاتا ہے۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۳۰۶۱ ﴿کفر کا سرغنہ مشرقی علاقوں میں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۶۸**

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِيْ أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ وَالْفَدَّادِيْنَ أَهْلِ الْوَبَرِ وَالسَّكِيْنَةُ فِيْ أَهْلِ الْغَنَمِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص۴۶۶ ج۱، باب خير مال المسلم، كتاب بدء الخلق، حدیث ۳۳۰۱؛ مسلم، ص۵۳ ج۱، باب تفاضل اهل الايمان، كتاب الايمان، حدیث ۵۲

**حل لغات:** الْفَدَّادِيْنَ الْفَدَّادُوْنَ چرواہے، اونٹ یا گائے بیل کے مالکان، کاشتکار۔ الْوَبَر (و) وَبَرَةٌ اونٹ وغیرہ کے نرم بال۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفر کا سرا مشرق کی طرف ہے، فخر وتکبر گھوڑے والوں اور اونٹ والوں اور چلانے والوں میں ہے، جو اونٹ کے بالوں کے خیموں میں رہتے ہیں، اور نرمی و مسکینی بکری والوں میں ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں کفر کا سرغنہ مشرق کو قرار دیا ہے، امام نوویؒ نے فرمایا کہ مشرق کے ساتھ کفر کے اختصاص کی وجہ اہل مشرق پر شیطان کے تسلط کی زیادتی ہے اور یہ حضورؐ کے زمانہ میں تھا، اس لئے کہ حضورؐ کے زمانے میں عرب کے مشرق کی طرف جو علاقے تھے وہ کفر میں ڈوبے ہوئے تھے، یا یہ زمانہ آئندہ کے اعتبار سے ہے، کہ فتنہ دجال جو سب سے بڑا اور عظیم فتنہ ہوگا وہ مشرق سے ظاہر ہوگا۔ علامہ سیوطیؒ نے باجی سے روایت کیا ہے کہ مشرق سے مراد فارس ہے، یا اہل نجد ہے، اور بعض حضرات نے کہا یہ ابلیس کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان اپنی سینگ سورج کے آگے کر دیتا ہے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** رأس الكفر نحو المشرق کفر کا سر مشرق کی جانب ہے۔ بخاری کے حاشیہ میں ہے کہ یہ ایران کی طرف اشارہ ہے، جو کٹر کافر تھے، انھوں نے نامۂ مبارک پھاڑ دیا تھا۔ اور فخر وغرور گھوڑوں اور اونٹ والوں میں ہے (الفخر اور الخيلاء کے ایک معنی ہیں یعنی گھمنڈ اور تکبر، یہ ان جانوروں کے اثرات ہیں جن جانوروں کا ساتھ ہوتا ہے ان کا اثر پڑتا ہے) اور وبر والے چلانے والوں میں ہے (وبر کے معنی ہیں: اونٹ کے بال اور فدادین کے معنی ہیں: چلانے والے جو گھوڑے پالتے ہیں ان میں ایک برائی ہوتی ہے فخر وغرور، اور جو اونٹ پالتے ہیں ان میں دو برائیاں ہوتی ہیں ایک فخر و غرور دوسرے چلانا کیوں کہ اونٹ پالنے والے اونٹوں کی دموں کے ساتھ چلتے ہیں اور سارے ریوڑ پر چلا کر کنٹرول کرتے ہیں، اس لئے ان میں چلانے کی عادت پڑ جاتی ہے) اور سکون وطمانیت بکریاں پالنے والوں میں ہے (یہ اچھی صفت ہے، بکری مسکین جانور ہے ان کے پالنے والوں میں سکینت پیدا ہوتی ہے)۔ (تحفۃ القاری)

**حدیث نمبر ۳۰۶۲ ﴿صحرا نشینوں میں سنگدلی ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۶۹**

وَعَنْ أَبِي مَسْعُوْدِ الْأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ هَاهُنَا جَاءَتِ الْفِتَنُ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالْجَفَاءُ وَغِلَظُ الْقُلُوْبِ فِي الْفَدَّادِيْنَ أَهْلِ الْوَبَرِ عِنْدَ أُصُوْلِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ فِي رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۹۶ ج ۱، باب کتاب المناقب، حدیث ۳۴۹۸؛ مسلم، ص ۵۲ ج ۱، باب تفاضل اهل الایمان، کتاب الایمان، حدیث ۵۱

**حل لغات:** نَحو طرف، جانب۔ الجَفَاء جَفَا الشَّيْءُ (ن) جَفَاءً بے رحم وسنگ دل ہونا۔ غِلَظٌ غَلُظَ القَلْبُ (ك) غِلَظًا سخت دل ہونا، ضد رق۔

**ترجمہ:** حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مشرق کی سمت ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ فتنے اس جگہ سے آتے ہیں اور بدزبانی وسنگدلی چلانے والوں اور خیمہ نشینوں میں ہے جو اونٹوں اور گایوں کی دموں کے پیچھے لگے ہوتے ہیں یہ لوگ ربیعہ اور مضر قبائل میں سے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** عرب میں سب سے عمدہ مال اونٹ سمجھا جاتا تھا اس لئے فداد سے مراد وہ شخص ہوا جس کے پاس بکثرت اونٹ ہوں یا جہاں جس مال کا بکثرت رواج ہے۔ بہر حال مقصود کلام یہ ہے کہ جن کا وقت جانوروں میں زیادہ تر گزرتا

ہے وہ اہل خیر کی صحبت اور علما کی مجلس سے عموماً محروم رہتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ جو دنیوی کاموں کے لئے بکثرت چیختے چلاتے رہتے ہیں، ہمہ وقت شور کی جگہ مثلاً بازار میں رہتے ہیں ان کے قلوب بھی سخت ہوتے ہیں۔ (نفع المسلم)

**کلمات حدیث کی تشریح** نحو المشرق گزشتہ حدیث دیکھیں، والجفاء وغلظ القلوب۔ جفاء اور دلوں کی سختی فدادین کے اندر ہے جفاء سے مراد قلب کی سختی اور غلظ القلوب سے مراد دلوں کی کج فہمی اور کج روی ہے، اور ہوسکتا ہے غلظ القلوب کا عطف الجفاء پر عطفِ تفسیری ہو، اور دونوں سے مراد دلوں کی سختی ہو واللہ اعلم۔ لفدادین کے بارے میں دو باتیں نقل کی گئی ہیں (۱) فدادین جمع ہے فداد کی اور فداد ماخوذ ہے فدید سے فدید اسی آواز کو کہتے ہیں جو جانوروں والے اپنے جانوروں کو اٹھانے، چلانے اور تیز رفتار کرنے کے لئے لگاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اونٹ اور جانور پالتے ہیں اور اونٹوں کی دموں کے پاس شور مچاتے اور چیختے چلاّتے ہیں، ان میں دلوں کی سختی، کج روی اور کج فہمی ہوا کرتی ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ فدادین دال کی تخفیف کے ساتھ فدان کی جمع ہے فدان کے معنی ہیں آلۃ الحرث اس صورت میں مضاف محذوف مانا جائے گا، یعنی الجفاء وغلظ القلوب فی اصحاب الفدادین عند اصول اذناب الابل۔ (کشف الباری) ربیعۃ و مضر یہ دونوں قبیلے مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب رہتے تھے، ان میں بہت سخت دلی تھی، یہ اونٹ پالتے تھے اور ان کے دموں کے ساتھ چلتے تھے اور چلاّ کر پورے ریوڑ پر کنٹرول کرتے تھے۔

### حدیث نمبر ۳۰۶۳ ﴿اہل حجاز میں ایمان ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢٧٠

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِلَظُ الْقُلُوْبِ وَالْجَفَاءُ فِي الْمَشْرِقِ وَالْإِيْمَانُ فِيْ أَهْلِ الْحِجَازِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

**حوالہ:** مسلم ص۵۳ ج۱، باب تفاضل اہل الایمان، کتاب الایمان، حدیث۵۳

**ترجمہ:** حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنگدلی اور سخت گوئی مشرق میں ہے اور ایمان حجاز والوں میں ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ کے زمانہ میں کفر و شرک کا مرکز مشرق ہی تھا لہٰذا ان میں سختی اور شدت بھی بہت تھی، اور ایمان کا مرکز حجاز ہی تھا، لہٰذا آپؐ نے فرمایا کہ ایمان حجاز میں ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے علاقوں میں ایمان نہیں ہے یا وہاں کے لوگ مومن نہیں ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اہل الحجاز حجاز سے مراد مکہ مدینہ اور طائف اور ان کے متعلقات علاقے ہیں، یہیں سے معلوم ہوا کہ اہل حجاز کو ایمان کی مرکزیت حاصل ہے، اور یمن والوں کے بارے میں جو بات کہی گئی ہے وہ اس لئے کہ وہ اچھے ایمان والے تھے، یہ مطلب نہیں کہ حجاز میں اچھے ایمان والے نہیں صرف یمن ہی میں اچھے ایمان والے ہیں۔

### حدیث نمبر ۳۰٦٤ ﴿شام و یمن کے لئے دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢٧١

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ نَجْدِنَا قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ نَجْدِنَا فَأَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری ص۱۰۵۰-۱۰۵۱ ج۲، باب ما قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفتنۃ من قبل المشرق، حدیث۷۰۹۴

**حل لغات:** الزَّلَازِلُ(و)الزِّلْزَال زلزلہ، آفت ومصیبت، طوفان، مصائب، قَرْنٌ سینگ: انسان وشیطان کے سر کا کنارہ (ج) قُرُوْنٌ

**ترجمہ:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں ہمارے لئے برکت عطا فرما، اے اللہ ہمارے یمن میں ہمارے لئے برکت عطا فرما، تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے نجد میں؟ لیکن آنحضورؐ نے پھر وہی کہا اللھم بارك لنا في شامنا اللھم بارك في يمننا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وفي نجدنا؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ آنحضورؐ نے تیسری مرتبہ میں فرمایا وہاں تو زلزلے آئیں گے اور فساد ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔ (بخاری)

**خلاصہ حدیث** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن کے لئے برکت کی دعا کی، تو صحابہ نے نجد کے بارے میں بھی دعا کے لئے عرض کیا، آپؐ نے نجد کے لئے دعا نہیں کی بلکہ فرمایا کہ وہاں تو زلزلوں کی کثرت ہوگی اور وہیں سے شیطان کی جماعت ظاہر ہوگی۔ گویا آپ نے فرمایا کہ وہاں جو احوال اور فتنے پیش آنے والے ہیں وہ برکت کو دور کرتے ہیں۔ قسطلانی کہتے ہیں کہ آپؐ نے دعا اس لئے نہیں کی کہ آپ کو یہاں کا انجام اور یہاں پیش آنے والے احوال کا علم عطا کر دیا گیا تھا اور آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہاں زلزلوں کا وقوع اور فتنوں کا ظہور مقدر ہو چکا ہے، اور امر تقدیری کے انکشاف کی صورت میں اس کے خلاف دعا کرنا کم از کم خلاف ادب اور بعض صورتوں میں حرام ہے۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** اللھم بارك لنا في شامنا آپؐ نے شام اور یمن کے لئے خاص طور پر اس لئے دعا کی کہ انھیں ملکوں سے اہل مدینہ کی غذائی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ شام اور یمن دو مشہور ملک ہیں اور اس حدیث میں عام طور پر انہی ملکوں کو مراد لیا جاتا ہے، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شام اسلامی قلمرو میں داخل نہیں ہوا تھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام، ہمارا شام بنا، پھر اس کے لئے دعا کا کیا مطلب؟ اس لئے بخاری کے حاشیہ میں ایک دوسرا مطلب لکھا ہے اور وہی مطلب راجح ہے، یمن سے دایاں اور شام سے بایاں مراد ہے، مدینہ منورہ سے یمن دائیں جانب واقع ہے اور شام بائیں جانب، یعنی نبیؐ نے دعا فرمائی کہ جزیرۃ العرب میں مدینہ سے دائیں جانب بھی برکت فرما اور بائیں جانب بھی۔ صحابہؓ نے لقمہ دیا، نجد کے لئے بھی دعا فرمائیں، نجد مدینہ منورہ سے مشرق کی طرف واقع ہے، یعنی صحابہ نے مشرق کے لئے بھی دعا کی درخواست کی اور مشرق کے بجائے لفظ نجد استعمال کیا، اور مغرب کے لئے اس لئے درخواست نہیں کی کہ مدینہ منورہ سے مغرب کی جانب سمندر لگا ہوا ہے، آپؐ نے دوسری مرتبہ بھی شام اور یمن ہی کے لئے دعا فرمائی۔ صحابہ نے پھر لقمہ دیا تو آپؐ نے فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ یہ عطف تفسیری ہے؛ کیوں کہ ہر فتنہ زلزلہ اور بھونچال ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد وہاں سے مسیلمہ کذاب کا فتنہ رونما ہوا، یمامہ نجد میں ہے یہ حدیث بظاہر عام ہے، مگر حقیقت میں خاص ہے اور اس حدیث میں مسیلمہ کذاب کے فتنے کی طرف اشارہ ہے، جو آپ کی وفات کے فوراً بعد رونما ہوا، حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نجد میں قیامت تک کے لئے شر ہے بلکہ یہ حدیث خاص ہے اس میں ایک خاص فتنہ کی پیشین گوئی ہے۔ (تحفۃ القاری) قرن الشیطان شیطان کے سینگ سے شیطان کی جماعت مراد ہے، یہ فتنہ پرور جماعت ہوگی۔



## الفصل الثانی

**حدیث نمبر ۳۰۶۵ ﴿اهل یمن کے لئے دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۷۲**

وَعَنْ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ قِبَلَ الْيَمَنِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ أَقْبِلْ بِقُلُوْبِهِمْ

وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَمُدِّنَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۳۱ ج۲، باب فی فضل الیمن، کتاب المناقب، حدیث۳۹۲۴

**حل لغات:** صَاعٌ غلہ ناپنے کا پیمانہ، چار مد کے برابر (ج) أَصْوُعٌ وصُوْعَانٌ و صِيْعَانٌ۔ مُدٌّ ایک قدیم پیمانہ، دو رطل کے برابر (ج) أَمْدَاد و مِدَادٌ۔

**ترجمہ:** حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی سمت نظر اٹھائی اور یوں دعا فرمائی، خدایا اہل یمن کے دلوں کو متوجہ فرما اور ہمارے صاع اور ہمارے مد میں ہمارے لئے برکت عطا فرما۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث میں اہل یمن کے لئے دعا ہے کہ وہ برضا و رغبت ایمان لے آئیں اور چوں کہ مدینہ میں غلہ عموماً یمن سے آتا تھا اس لئے درآمدات میں برکت کی دعا فرمائی۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** اللّٰھم اقبل بقلوبھم وہ ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں ہماری محبت پیدا ہو جائے، تاکہ وہ یہاں آنے پر آمادہ ہو جائیں، آپ کی دعا قبول ہوئی، اور یمن ایمان کا مرکز بن گیا۔ **وبارك لنا** غلہ کے لئے صاع اور مد میں برکت کی دعا کی، تاکہ یمن سے مدینہ خوب غلہ آئے، صاع اور مد دونوں پیمائش کے آلے ہیں۔

### حدیث نمبر ۳۰۶۶ ﴿شام کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۷۳

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِلشَّامِ قُلْنَا لِأَيِّ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لِأَنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** مسند احمد، ص۲۳۲ ج۵؛ ترمذی، ص.......ج۲، باب فی فضل الشام، کتاب المناقب، حدیث۳۹۵۴

**حل لغات:** طُوْبٰى خیر و بھلائی، سعادت۔ باسِطَةٌ بَسَطَ (ن) بَسْطًا پھیلانا۔ أَجنِحَتِهَا (و) جَنَاحٌ بازو، پہلو۔

**ترجمہ:** حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوش بختی ہو اہل شام کو، ہم نے پوچھا وہ کس وجہ سے؟ یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا اس وجہ سے کہ رحمٰن کے فرشتے شام کی سرزمین اور اسکے رہنے والوں پر اپنا پر پھیلائے ہوئے ہیں (احمد، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث:** آپؐ نے ملک شام کے لئے خوش بختی کی دعا کی ہے ملک شام خیر و برکت کی سرزمین تو ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "الذی بارکنا حولہٗ" یہ سرزمین مدتوں انبیاء کرام کا مسکن رہی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** ملائکۃ الرحمٰن باسطۃ اجنتھا علیھا یہاں "ملئکۃ الرحمٰن" فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے رحمٰن نام ذکر فرمایا، اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ فرشتے رحمت کے ہیں، جنہوں نے شام کو گھیرا ہوا ہے۔ فرشتوں کا ملک شام کو گھیرنا کفر سے محافظت کے لئے ہے اور شیخ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا بازو پھیلانا دراصل کنایہ ہے رحمت و شفقت خداوندی کے چھا جانے سے یعنی شام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت چھائی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ وہاں ابدال رہتے ہیں یا تمام ابدال ملک شام کے رہنے والے ہیں۔ (جدید مظاہر حق)

### حدیث نمبر ۳۰۶۷ ﴿حضر موت سے آگ کا نمودار ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۷۴

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَخْرُجُ نَارٌ مِنْ نَحْوِ حَضْرَمَوْتَ أَوْ مِنْ حَضْرَمَوْتِ تَحْشُرُ النَّاسَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص۴۵ ج ۲، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتی تخرج نار، کتاب الفتن، حدیث ۲۲۱۷

**حل لغات:** تَحْشُر حَشَرَهُمْ (ن، ض) حَشْرًا جمع کرنا، لے چلنا۔ عَلَيْكُمْ اسم فعل، تمہارے لئے ضروری ہے۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب حضر موت کی سمت سے یا یہ فرمایا کہ حضر موت سے ایک آگ نمودار ہوگی اور وہ آگ لوگوں کو جمع کرے گی، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! پھر ہمارے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا، تمہیں شام میں چلے جانا چاہئے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** قرب قیامت میں ایک آگ نکلے گی تو لوگ اس سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے بھاگیں گے، لیکن اس سے بچ نہ سکیں گے، بلکہ آگ ان کے ساتھ ہی رہے گی، شام میں اس فتنہ کا زور کم ہوگا، اس لئے شام کی طرف رحلت کی نصیحت ہے۔ عالمی حدیث ۵۴۶۴ کے تحت اس آگ کا ذکر ہو چکا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ستخرج نار یہ آگ عدن سے نکلے گی اور حضر موت سے گزرے گی اور حضر موت عدن کے قریب ہی میں واقع ہے اور ایک روایت میں حضر موت کے دریا کے طرف سے نکلنے کا ذکر ہے، اس صورت میں تو کسی بیان کی ضرورت ہی نہیں، چوں کہ بحر حضر موت وہ دریا ہے جو قرب عدن میں واقع ہے، بعض نے کہا یہاں آگ سے فتنہ مراد ہے۔ قوله عليكم بالشام یعنی شام اور اہل شام کو لازم پکڑو چوں کہ وہاں آگ نہیں پہنچے گی، یا اس وقت وہاں فتنہ نہیں ہوگا رحمت کے فرشتے اس ملک کی حفاظت پر مامور ہوں گے۔ (الکوکب الدری تحفۃ الاحوذی)

### حدیث نمبر ۳۰۶۸ ﴿ملک شام کی طرف ھجرت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۷۵

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِ بْنِ الْعَاصِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّهَا سَتَكُوْنُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ فَخِيَارُ النَّاسِ إِلٰى مُهَاجَرِ إِبْرَاهِيْمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَخِيَارُ أَهْلِ الْأَرْضِ أَلْزَمُهُمْ مُهَاجَرَ إِبْرَاهِيْمَ وَيَبْقٰى فِي الْأَرْضِ شِرَارُ أَهْلِهَا تَلْفَظُهُمْ أَرَضُوْهُمْ تَقْذِرُهُمْ نَفْسُ اللّٰهِ تَحْشُرُهُمُ النَّارُ مَعَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ تَبِيْتُ مَعَهُمْ إِذَا بَاتُوْا وَتَقِيْلُ مَعَهُمْ إِذَا قَالُوْا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

**حوالہ:** ابوداود، ص۳۳۶ ج۱، باب في سكنى الشام، كتاب الجهاد، حدیث ۲۴۸۲

**حل لغات:** مُهَاجَر مقام ہجرت۔ شِرَار (و) شَرٌّ رَجُلٌ شَرٌّ فسادی، بدکار۔ تَلْفَظُهُمْ لَفَظَ الشيءَ (ض) لَفْظًا پھینکنا۔ أَرَضُوْهُمْ أَرَضُوْن (و) أَرْضٌ سیارہ زمین، زمین کا ایک حصہ۔ تقذر قَذِرَ الشيءَ (س) قَذَرًا گندا ہونے کی وجہ سے گھن کرنا۔ القِرَدَة (و) قِرْدٌ بندر۔ الخَنَازِيْر (و) خِنْزِيْرٌ سور۔ تَبِيْت بَاتَ (ض) بَيْتًا رات گذارنا۔ تَقِيْلُ قَالَ (ض) قَيْلًا دوپہر کو آرام کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا عنقریب ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی، پس لوگوں میں بہتر وہ ہوں گے جو حضرت ابراہیمؑ کی جائے ہجرت کی طرف جائیں گے، دوسری روایت میں ہے کہ اہل زمین میں بہتر وہ ہوں گے جو حضرت ابراہیمؑ کی جائے ہجرت کو لازم پکڑیں گے، زمین پر برے لوگ رہ جائیں گے ان کی زمین انھیں پھینک دے گی، خدا کی ذات انھیں ناپسند کرے گی، آگ انھیں بندروں اور خنزیروں کے ساتھ جمع کرے

گی، ان کے ساتھ رات گزارے گی اور ان کے ساتھ ہی قیلولہ کرے گی۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ عنقریب حق و باطل کے معرکوں میں مسلسل ہجرتیں ہونگی، اچھے لوگ وہ ہوں گے جو شام کی طرف ہجرت کر جائیں گے، جہاں حضرت ابراہیمؑ نے عراق سے ہجرت فرمائی تھی، اچھے لوگوں کی ہجرت کے بعد کفار کیساتھ شریر ترین اور برے لوگ رہ جائیں گے، وہ حق کیلئے نہ تو ہجرت کریں گے اور نہ حق پر کھڑے ہو کر کفار سے جہاد کریں گے، بلکہ ذلیل بنکر کفار کیساتھ رہیں گے، زمین انکو ذلیل سمجھ کر ادھر ادھر پھینکے گی اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان لوگوں سے نفرت کریگی، پھر ایک آگ آجائے گی اور کفار جو خنازیر اور بندر ہیں ان کے ساتھ ان اشرار و منافقین کو ملا کر خلط ملط کر دے گی۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** هجرة بعد هجرة اس حدیث کی شرح میں دو قول ہیں: (۱) آپ فرمارہے ہیں، اس ہجرت کے بعد یعنی جو آپ کے زمانہ میں من مکۃ الی المدینہ ہوئی ایک اور ہجرت ہوگی، یعنی اخیر زمانہ میں جو فتن کا زمانہ ہوگا اور یہ ہجرت مختلف ملکوں سے دوسرے ممالک کی طرف ہوگی، مسلمان اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے وطنوں کو چھوڑ کر دوسری جگہ جائیں گے، اس کے بارے میں آپ فرمارہے ہیں کہ اس وقت تمام دنیا میں بسنے والوں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہوں گے جو ہجرت کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے مہاجر کو اختیار کریں گے، مہاجر بمعنی مقام ہجرت، یعنی ملک شام، حضرت ابراہیمؑ نے عراق کو چھوڑ کر اسی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ (۲) اور دوسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی، یعنی ہجرت کا سلسلہ ہمیشہ چلتا ہی رہے گا منقطع نہ ہوگا، اور پھر آگے آپؐ نے وہی فرمایا کہ ہجرت کے کرنے والوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ ہجرت کے لئے مہاجر کو اختیار کریں۔ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت ظاہر ہے کہ جب حدیث میں ہجرت الی الشام کی ترغیب دی جارہی ہے تو اس سے شام کی سکونت کی فضیلت معلوم ہوگئی۔ (الدر المنضود)

**حدیث نمبر ۳۰۶۹ ﴿شام کی سکونت بہتر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۷۶**

وَعَنِ ابْنِ حَوَالَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَصِيْرُ الْاَمْرُ اَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً جُنْدٌ بِالشَّامِ وَجُنْدٌ بِالْيَمَنِ وَجُنْدٌ بِالْعِرَاقِ فَقَالَ ابْنُ حَوَالَةَ خِرْلِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَدْرَكْتُ ذٰلِكَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا خِيْرَةُ اللّٰهِ مِنْ اَرْضِهٖ يَجْتَبِيْ اِلَيْهَا خِيَرَتَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ فَاَمَّا اِنْ اَبَيْتُمْ فَعَلَيْكُمْ بِيَمَنِكُمْ وَاسْقُوْا مِنْ غُدُرِكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَوَكَّلَ لِيْ بِالشَّامِ وَاَهْلِهٖ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

**حواله:** احمد، ص ۱۱۰ ج ۴؛ ابوداود، ص ۳۳۶ ج ۱، باب فی سکن الشّام، کتاب الجهاد، حدیث ۲۴۸۳

**حل لغات:** جُنُوْد (و) جُنْدٌ فوج، لشکر، اعوان و انصار۔ مُجَنَّدَة جَنَّدَ الجُنُوْد فوج کو اکٹھا کرنا (تفعیل)۔ خِرْ فعل امر خَار الشَّیْءَ خَیْرًا و خِیَرَۃً چننا، انتخاب کرنا۔ خِیَرَۃ منتخب چیز۔ یَجْتَبِیْ اجْتَبَاہُ اختیار کرنا (افتعال)۔ غُدُر (و) غدِیْر کچا تالاب۔

**ترجمه:** حضرت ابن حوالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ زمانہ قریب ہے جب دین کا یہ نظام ہوگا کہ تم مسلمانوں کے جدا جدا کئی لشکر ہو جائیں گے، ایک لشکر شام میں ہوگا، ایک یمن میں اور ایک لشکر عراق میں۔ ابن حوالہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ فرمائیے کہ میں کون سا لشکر اختیار کروں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا تم شام کو اختیار کرنا؛ کیوں کہ شام کی سرزمین خدا کی زمینوں میں سے برگزیدہ سرزمین ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اچھے لوگ یہاں اکٹھا کرے گا، پھر اگر تم شام کو اختیار کرنا قبول نہ کرو تو اپنے یمن کو اختیار کرنا اور دیکھنا تم اپنے ہی حوضوں سے پانی پلانا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض میری وجہ سے میری امت کے حق میں یہ ذمہ لیا ہے کہ وہ شام اور اہل شام کو مامون و محفوظ رکھے گا۔ (احمد، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں ملک شام کی سکونت کو ترجیح دی گئی ہے، لہٰذا اس حدیث سے ملک شام کی بڑی فضیلت معلوم ہورہی ہے، چنانچہ بہت سی احادیث اسکی فضیلت میں وارد ہیں، بعض محدثین کی فضائل شام میں مستقل تصنیفات بھی ہیں، من جملہ اس کے علامہ سمعانی کی ایک تصنیف ''فضائل الشام'' کے نام سے ہے، جس میں انھوں نے متعدد احادیث وروایات اسانید معتبرہ کے ساتھ جمع کی ہیں۔ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے، "ونجيناه ولوطا الى الارض التى باركنا فيها للعالمين" اس ارض مبارکہ سے مراد ملک شام ہی کی زمین ہے، معارف القرآن میں لکھا ہے، ملک شام کی زمین اپنی ظاہری اور باطنی حیثیت سے بڑی برکتوں کا مجموعہ ہے، باطنی برکت تو یہ ہے کہ یہ زمین مخزن انبیاء ہے، بیشتر انبیاء علیہم السلام اسی زمین میں پیدا ہوئے اور ظاہری برکات آب وہوا کا اعتدال، نہروں اور چشموں کی فراوانی، پھل پھول اور طرح طرح کی نباتات کا غیر معمولی نشو ونما وغیرہ۔ (الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** الامر یعنی امر اسلام یا امر جنگ کا انجام اور نتیجہ یہ نکل آئے گا کہ تم مسلمان تین کیمپوں اور تین لشکروں میں تقسیم ہوجاؤ گے ایک کیمپ شام میں، دوسرا عراق میں اور تیسرا یمن میں بن جائے گا۔

حضرت ابن حوالہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! میں کس کیمپ میں چلا جاؤں؟ يجتبى اجتباء چننے کے معنی میں آتا ہے، یہاں جمع کرنا مراد ہے یعنی اللہ اپنے نیک لوگوں کو شام کی طرف جمع فرمائے گا۔ فأما ان ابيتم یعنی اگر تم شام جانے سے انکار کردو تو پھر اپنے یمن چلے جاؤ، یہ جملہ معترضہ ہے بیچ میں واقع ہے، "عليك بالشام اور واسقوا من غدر كم" کے درمیان واقع ہے، مطلب یہ ہے کہ شام کی طرف ہجرت کرلو اور اس کے حوضوں سے پانی پیو۔ توكل تکفل کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ شام اور اس کے رہنے والوں کی حفاظت فرمائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت وسکونت کے لئے سب سے پہلے شام بہتر ہے ورنہ پھر یمن کو اختیار کرو، عراق کا نام نہ لو۔ (توضیحات)

## الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۳۰۷۰ ﴿اہل شام پر لعنت سے انکار﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۷۷**

عَنْ شُرَيْحِ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ ذُكِرَ أَهْلُ الشَّامِ عِنْدَ عَلِيٍّ وَقِيلَ الْعَنْهُمْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ لَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْأَبْدَالُ يَكُونُونَ بِالشَّامِ وَهُمْ أَرْبَعُونَ رَجُلًا كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ أَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ رَجُلًا يُسْقَى بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ وَيُصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ.

**حواله:** مسند احمد، ص ۱۱۲ ج ۱

**حل لغات:** الْعَنْهُمْ لَعَنَ فُلَانٌ غَيْرَهُ (فتح) لَعْنًا کسی پر لعنت بھیجنا، أَبْدَال صوفیہ کے نزدیک ایک خاص طبقے کا لقب جو سلوک کا خاص مرحلہ طے کرتے ہیں (جنکے ہاتھ میں ہفت اقلیم کا انتظام دیا جاتا ہے)، أَبْدَل إِبْدَالًا بدل بنانا، الْغَيْثُ بارش، رحمت کی بارش، مجازاً بادل۔

**ترجمه:** حضرت شریح بن عبیدؓ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کے سامنے اہل شام کا ذکر کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ اے امیر المومنین شام والوں پر لعنت کیجئے، حضرت علیؓ نے کہا نہیں! حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے شخص کو مقرر کر دیتا ہے۔ ان ابدال کے وجود کی برکت سے بارش ہوتی ہے، ان کی مدد سے دشمنانِ دین سے بدلہ لیا جاتا ہے اور انہیں کی برکت سے اہل شام سے عذاب کو دفع کیا جاتا ہے۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ صفین ہوئی تھی، حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے، لوگوں نے حضرت علیؓ سے اہل شام یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء پر لعنت کرنے کے لئے کہا۔ حضرت علیؓ نے بہت

خوبصورتی سے اس سے انکار کر دیا، ایسا نہ تھا کہ اگر ملک شام میں ابدال نہ ہوتے تو حضرت علیؓ لعنت کرتے؛ کیوں کہ مسلمان پر لعنت کرنا جائز ہی نہیں ہے۔

بحث لانے سے پہلے ایک ضروری وضاحت کر دینا مناسب ہے کہ بعض حلقوں نے ''حب علیؓ'' کے لئے ''بغض معاویہؓ'' کو ضروری قرار دے لیا ہے، امام اہلسنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں سوءظن رکھنے والے تین گروہ ہیں، اول روافض، خیر ان کا سوءظن چنداں جائے تعجب نہیں کیوں کہ وہ ایسے مقدس حضرات سے سوءظن رکھتے ہیں، جن کا مثل تمام امت مرحومہ میں ایک بھی نہیں، دوسرا گروہ ان جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علیؓ کی محبت کا تکملہ حضرت معاویہؓ کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں، یہ لوگ اپنے کو سنی کہتے ہیں، مگر درحقیقت نہ صرف اس امر میں بلکہ بہت سے امور اصول وفروع میں اہل سنت کے مخالف ہیں، اور فرقہ ہائے شیعہ میں داخل ہیں، تیسرا گروہ اس زمانہ کے بعض اہل ظاہر کا ہے بعض روایات میں حضرت معاویہؓ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے، اب بوجہ ظاہریت کے ان کی تاویل تک ان کے ذہن کی رسائی نہ ہوئی، ان میں سب سے زیادہ مضرت رساں دوسرا گروہ ہے پھر تیسرا''۔

اس تشریح سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ دوسرا اور تیسرا گروہ اگرچہ علی الاعلان ''مقام صحابیت'' کا منکر نہیں ہے لیکن بوجہ اپنی جہالت اور بے علمی یا بوجہ ہٹ دھرمی وظاہر بینی حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی شان میں اپنی زبان طعن دراز کرتا ہے، اسی لئے امام اہل سنت نے پہلے گروہ کے مقابلہ میں دوسرے دونوں گروہوں کو زیادہ مضرت رساں قرار دیا ہے، خصوصاً دوسرا گروہ جو بوجہ اپنی جہالت کے حب علیؓ کے لئے بغض معاویہؓ کو ضروری سمجھتا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی تنہا ایک فضیلت یعنی ان کا مہاجر ہونا ہی اتنی وزنی ہے جو حضرت معاویہؓ کی تمام فضیلتوں پر بھاری ہے، علاوہ ازیں بحیثیت مجموعی نہ تو حضرت علیؓ کا فضیلت میں حضرت معاویہؓ سے کوئی مقابلہ ہے نہ ہی ان کی فضیلت کے اظہار کے لئے حضرت معاویہؓ کی تنقیص کی کوئی حاجت ہے، یہ تو دلوں کا مرض ہے جو فضیلت علیؓ کے عنوان سے زبان وقلم پر آجاتا ہے۔

جہاں تک خود ان دونوں بزرگوں کا معاملہ ہے تو یہ دونوں ایک دوسرے کے ایمان واخلاص اور ذاتی فضائل کے معترف تھے، حتی کہ جنگ صفین کے بعد بھی حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے ایمان واخلاص کے سلسلہ میں کسی قسم کے شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس جنگ کا سبب حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں (اہل شام) کی ''خطاء اجتہادی'' کو قرار دیا، ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو مستند شیعی کتاب نہج البلاغۃ میں شامل حضرت علیؓ سے منسوب گشتی خط ۵۸ کے یہ ابتدائی جملے۔

''والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا فى الاسلام واحدة ولا نستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا والامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء'' (نہج البلاغۃ مع ترجمہ وشرح فارسی ص ۱۰۴۱ مطبوعہ ایران) اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا (یعنی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کا) پروردگار ایک ہے، اور ہمارا نبی ایک ہے، اور ہماری اسلامی دعوت ایک ہے، اور اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں اور ہمارا معاملہ بالکل ایک ہے، مگر جس چیز میں ہمارے درمیان اختلاف پیدا ہوا وہ خون عثمانؓ ہے، حالاں کہ ہم لوگ عثمان کے خون سے بری ہیں (یعنی قتل عثمانؓ میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں ہے)

یہ الفاظ اس بات پر صریح ہیں کہ حضرت علیؓ نہ صرف حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو مومن مخلص سمجھتے تھے، بلکہ ایمان باللہ والرسول اور تبلیغ ودعوت اسلامی کے سلسلہ میں ان کو اپنے سے کسی بھی حیثیت سے کمتر نہ سمجھتے تھے، البتہ جنگ صفین کی صورت میں پیش

آنے والے "تاریخی المیہ" کے لئے وہ "خون عثمان غنیؓ" کو بنیاد قرار دیتے ہوئے یہ باور کرار ہے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی، حالاں کہ میں اس سے ہر طرح بری ہوں۔

غرض کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں اور فرق مراتب کے باوجود دونوں کی صحابیت ہی اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کو ہر قسم کی تنقید سے بالاتر مانا جائے، یہی اہل سنت و جماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے، اب اگر کوئی فرد یا گروہ حضرت علیؓ کی محبت کی آڑ میں حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں اپنے بغض کا اظہار کرتا ہے تو نہ اسے "محبت علیؓ" باور کیا جا سکتا ہے نہ ہی زمرۂ اہل سنت میں اس کا شمار ہو سکتا ہے۔ (تاریخ کی مظلوم شخصیتیں)



## کلمات حدیث کی تشریح

الأبدال یکونون بالشام.

**ابدال کی حقیقت کیا ہے؟** زیر بحث حدیث میں آنحضرتؐ نے ابدال کی طرف اشارہ فرمایا ہے، پہلے تو آنحضرتؐ نے ابدال کا مسکن اور مرکزی مقام بتایا ہے کہ یہ لوگ شام میں ہوں گے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ شام کے علاوہ کہیں نہیں ہوں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا مرکزی ہیڈ کوارٹر اور اکثری جماعت شام میں ہوگی، یہ اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام کے لوگ ہوتے ہیں، ان کا زیادہ تر تعلق تکوینیات سے رہتا ہے، ابدال لوگوں سے عام طور پر چھپے رہتے ہیں، اس لئے ان کو رجال الغیب بھی کہتے ہیں، حضرت خضر اس نظام کے بڑے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اس حدیث میں ان کے جماعتی نظم و نسق کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ یہ چالیس آدمی ہوتے ہیں، ان چالیس میں سے جب بھی کوئی مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عام اولیاء اللہ میں سے ایک کو ابدال بنا کر چالیس کا عدد پورا فرماتے ہیں، ان نفوس قدسیہ کے ذریعہ سے اور ان کے وجود سے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں کامیابی کی دعا مانگی جاتی ہے اور اللہ مدد کرتا ہے، ان کی برکت سے اہل شام سے بڑے بڑے فتنے اور عذاب ٹل جاتے ہیں۔ یہ حدیث امام احمد ابن حنبلؒ نے مسند احمد میں نقل فرمائی ہے۔ ملا علی قاری نے مرقات میں اس کے علاوہ ایک حدیث ابن عساکرؒ کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے، اس میں ابدال کی پوری تفصیل ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو، ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جو مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے تین سو ایسے آدمی پیدا کئے ہیں جن کے دل حضرت آدمؑ کے دل کی صفت پر ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے چالیس آدمی ایسے پیدا کئے ہیں جن کے قلوب حضرت موسیٰؑ کے قلب کی صفت پر ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سات آدمی ایسے مقرر کئے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیمؑ کے قلب کی صفت پر ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ایسے آدمی مقرر فرمائے ہیں جن کے قلوب حضرت جبرئیلؑ کے قلب کی صفت پر ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے تین آدمی ایسے مقرر فرمائے ہیں جن کے قلب حضرت میکائیلؑ کے قلب کی صفت پر ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب میں ایک آدمی کو ایسا بنایا ہے جن کا قلب حضرت اسرافیلؑ کے قلب کی صفت پر ہے، (گویا یہ سب کا امیر ہوتا ہے) جب اس آخری کا انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان تین کی جماعت میں سے ایک کو ترقی دے کر اس کی جگہ تبدیل کر دیتا ہے اور جب تین کی جماعت میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ پانچ کی جماعت سے ایک کو ترقی دے کر تین کی جماعت میں تبدیل کر دیتا ہے اور جب پانچ کی جماعت میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سات کی جماعت میں سے کسی کو ترقی دے کر ان کی جگہ تبدیل کر دیتا ہے اور جب سات کی جماعت میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس کی جماعت سے ایک کو ترقی دے کر اس کی جگہ پر تبدیل کر دیتا ہے، اور جب چالیس کی جماعت میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ تین سو کی جماعت میں سے کسی کو ترقی دے کر ان کی جگہ پر تبدیل کر دیتا ہے، اور جب تین سو کی جماعت میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عام اولیاء اللہ میں سے کسی کو ترقی دیکر ان کی جگہ تبدیل کر دیتا ہے۔ (مرقات، ج ۱۰ ص ۶۴۶) ابدال سے متعلق حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بھی

ہے، اس لئے ان کا انکار مناسب نہیں ہے، کہتے ہیں کہ سال میں ان کا ایک بار اجتماع حجاز میں ہوتا ہے اور ان کے نمائندے دنیا کے مختلف مقامات میں مخلوق خدا کی خدمت میں مقرر ہوتے ہیں، یہ عام انسانوں کی طرح انسان ہیں مگر ان کا الگ ایک نظام ہے۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۳۰۷۱ ﴿دمشق کو ٹھکانہ بنانے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۷۸**

وَعَنْ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتُفْتَحُ الشَّامُ فَإِذَا خُيِّرْتُمُ الْمَنَازِلَ فِيْهَا فَعَلَيْكُمْ بِمَدِيْنَةٍ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ فَإِنَّهَا مَعْقِلُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْمَلَاحِمِ وَفُسْطَاطُهَا مِنْهَا أَرْضٌ يُقَالُ لَهَا الْغُوْطَةُ. (رَوَاهُمَا أَحْمَدُ)

**حواله:** مسند احمد، ص ۱۶۰ ج ۴

**حل لغات:** مَعْقِل پناہ گاہ (ج) مَعَاقِل۔ المَلَاحِم (و) مَلْحَمَةٌ گھمسان کی جنگ، خونریزی۔ فُسْطَاط اون کا بنایا ہوا خیمہ؛ مصر کا ایک شہر (ج) فَسَاطِيطُ۔

**ترجمه:** ایک صحابیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ شام فتح کرلیا جائے گا جب تمہیں اس میں رہنے کا اختیار دیا جائے تو تم اس شہر کو لازم پکڑنا جس کو دمشق کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ اہل اسلام کے لئے جنگوں سے پناہ گاہ ہے اور وہ ایک جامع شہر ہے، اس میں ایک جگہ ہے جس کو غوطہ کہا جاتا ہے۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے ملک شام اور خاص کر اس کے شہر دمشق کی فضیلت سمجھ میں آتی ہے، لڑائیوں کے وقت دمشق بہترین پناہ گاہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رجل من الصحابة صحابی کا نام معلوم نہیں، لیکن اس سے حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑتا؛ کیوں کہ صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں۔ الغوطة غین کے ضمہ کے ساتھ یہ دمشق کے قریب کسی باغ یا کسی نہر کا نام ہے، اس کو غوطہ دمشق کہا جاتا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ غوطہ دمشق کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ دنیا کے چار باغات ہیں: غوطہ، مشغر، نہر ابل، شعب کدان سمرقند۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان چاروں کو دیکھا ہے، ان چاروں میں سے غوطہ کو باقی تین پر وہی فضیلت حاصل ہے جو ان کو باقی باغات پر حاصل ہے۔

**حدیث نمبر ۳۰۷۲ ﴿شام میں بادشاہت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۷۹**

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخِلَافَةُ بِالْمَدِيْنَةِ وَالْمُلْكُ بِالشَّامِ.

**حواله:** البيهقي في دلائل النبوة

**حل لغات:** الخِلَافَة نیابت؛ امانت، خلافت۔

**ترجمه:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت مدینہ منورہ میں اور بادشاہی شام میں ہوگی (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** ملک سے بظاہر خلافت کے بعد ملوکیت کی طرف اشارہ ہے یعنی حضرت علیؓ کا دور خلافت کا ہے اور حضرت معاویہؓ کا دور ملوکیت کا ہے، اس تشریح کو علماء پسند نہیں کرتے ہیں، بلکہ زیر بحث حدیث کو ایک اور حدیث کی وجہ سے آسانی سے سمجھایا جاسکتا ہے۔ خصائص نبوت سے متعلق ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ کی پیدائش کی جگہ مکہ ہے اور ہجرت کی جگہ مدینہ ہے اور آپؐ کا ملک یعنی بادشاہت شام میں ہے، مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت تو مدینہ میں ہے، لیکن نبوت کی مضبوطی اور استحکام شام میں ہے کہ جہاد کا مرکز شام ہوگا، جس سے مدینہ کی نبوت کا تحفظ ہوگا، گویا ملک سے مراد ملوکیت نہیں ہے، بلکہ استحکام اور

مضبوطی مراد ہے، ساتھ والی حدیث میں بھی نبوت کی عمومیت اور پھیلاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ (توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** الخلافة بالمدینة بہترین توجیہ ماقبل میں ذکر کی گئی، بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ "ملک" سے مراد جہاد وقتال ہے، یعنی اس طرف اشارہ ہے کہ شام میں جہاد منقطع نہ ہوگا۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں حضور اکرمؐ کے اس فرمان کا مطلب (کہ خلافت مدینہ میں ہے) یہ ہے کہ خلافت کا پایہ تخت مدینہ شریف میں ہے، لیکن اکثر کے اعتبار سے یعنی اکثر خلافت کا پایہ تخت مدینہ میں رہا ہے، اس لئے کہ حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں کوفہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا، اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ خلافت مستقرہ مدینہ میں ہے۔ اور بادشاہت شام میں ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت حسنؓ نے صلح کر کے خلافت اور زمام اقتدار حضرت معاویہؓ کے سپرد کیا تھا تو وہ خلافت نہیں رہی تھی، بلکہ بادشاہت ہوگئی تھی، اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو امام احمد، امام ترمذی، ابویعلی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میرے بعد میری امت میں خلافت تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہوگی اور یہ تیس سال حضرت حسنؓ کی چھ ماہ خلافت پر پورے ہوگئے تھے، اسی لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت تھی اور حضرت معاویہؓ کی بادشاہت تھی۔ (جدید مظاہر حق)

### حدیث نمبر ۳۰۷۳ ﴿شام میں آپ کا نور﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۰

وَعَنْ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ عَمُوْدًا مِنْ نُوْرٍ خَرَجَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِيْ سَاطِعًا حَتّٰى اسْتَقَرَّ بِالشَّامِ. (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

**حواله:** البیهقی فی دلائل النبوة

**حل لغات:** سَاطِعًا سَطَعَ الشيءُ (ن) سُطُوْعًا بلند ہونا، پھیلنا۔

**ترجمه:** حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے سر کے نیچے سے نور کا ایک ستون نکل کر اٹھتا ہوا دیکھا جو شام میں جا کر ٹھہر گیا۔ روایت کیا ان دونوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں۔

**خلاصۂ حدیث** یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دین (جس کو حدیث میں نور فرمایا گیا ہے) ملک شام میں ثابت وقائم رہے گا اور دین کو وہاں غلبہ نصیب ہوگا اور اسی قبیل سے وہ روایت ہے جس میں یہ آیا ہے کہ حضورؐ کی ولادت کے وقت آپؐ کی والدہ کے پیٹ سے ایک نور نکلا جس کی وجہ سے شام کے مکان روشن ہوگئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عمودا نور کا ستون یعنی نور نبوت ونور ہدایت، دین کا شام میں غلبہ مراد ہے۔

### حدیث نمبر ۳۰۷۴ ﴿دمشق مسلمانوں کی چھاؤنی ہوگی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۱

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَ الْمَلْحَمَةِ بِالْغُوْطَةِ إِلٰى جَانِبِ مَدِيْنَةٍ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ مِنْ خَيْرِ مَدَائِنِ الشَّامِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

**حواله:** ابوداود، ص ۵۹۰-۵۹۱ ج ۲، باب فی المعقل من الملاحم، کتاب الملاحم، حدیث ۴۲۹۸

**حل لغات:** مَدَائِن (و) مَدِيْنَةٌ شہر۔

**ترجمه:** حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کے جمع ہونے کی جگہ جنگ عظیم کے وقت غوطہ ہوگی جو اس شہر کے پہلو میں ہے جس کو دمشق کہا جاتا ہے وہ شام کے شہروں میں بہتر ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** یہاں جس ملحمہ کا ذکر ہے وہ ملحمۂ کبریٰ ہے، جو اہل شام وروم کے درمیان ہوگا، جسکا منتہی اور نتیجہ فتح قسطنطنیہ ہوگا۔اس ملحمہ کیوقت مسلمانوں کی چھاؤنی "غوطہ" میں ہوگی، جو کہ دمشق ہی کا ایک حصہ ہے، یعنی دمشق کا ایک زرخیز باغ ہے

**کلمات حدیث کی تشریح** دمشق من خير مدائن اس روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ دمشق شام کے شہروں سے افضل ہے اور غوطہ فسطاط یعنی جمع ہونے کی جگہ ہے۔ پچھلی روایت میں دمشق کو فسطاط قرار دیا گیا تھا اور اس روایت میں غوطہ کو فسطاط قرار دیا گیا ہے لیکن ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے غوطہ دمشق کے مضافات اور توابع میں سے ہے، اس لئے قریب کی وجہ سے اس حدیث میں غوطہ کو فسطاط فرمایا گیا ہے۔(جدید مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۳۰۷۵ ﴿دمشق کو فتح نہ کرسکے گا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۲**

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ سَيَأْتِي مَلِكٌ مِنْ مُلُوْكِ الْعَجَمِ فَيَظْهَرُ عَلَى الْمَدَائِنِ كُلِّهَا إِلَّا دِمَشْقَ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

**حواله:** ابوداود،ص ۶۳۷ ج ۲، باب في المعقل من الملاحم، كتاب الملاحم، حدیث ۴۲۹۸

**حل لغات:** يَظْهَرُ ظَهَرَ على عَدوّه (ف) ظُهُوْرًا دشمن پر غالب آنا۔

**ترجمه:** عبدالرحمٰن بن سلیمان سے روایت ہے کہ عنقریب ایک عجمی بادشاہ آئیگا جو دمشق کے سوا تمام شہروں پر قابض ہوجائیگا (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** عجم کا کوئی بادشاہ اٹھے گا اور تمام شہروں پر غلبہ حاصل کرلے گا، لیکن دمشق کی یہ فضیلت ہے کہ وہ بادشاہ اس پر غالب نہ آسکے گا۔اس حدیث سے بھی دمشق کی برتری ثابت ہوتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** سیأتی ملك یہ واقعہ کب پیش آئیگا اور یہ بادشاہ کون ہوگا، شارحین حدیث نے نہ زمانے کی تعیین کی ہے اور نہ بادشاہ کی، جب یہ واقعہ پیش آئے گا تب ہی حدیث کے اس مخفی اشارہ کی تعیین ہوسکے گی۔

## باب ثواب هذه الامة

## (اس امت کے ثواب کا بیان)

اس باب کے تحت ۱۲/احادیث ہیں، اس میں امت محمدیہ کی فضیلت، اس کی مثال، اس کے ایمان بالغیب کی اہمیت اور اس کے لئے بڑی خوش خبری اور ان کے علاوہ دیگر اہم امور کا تذکرہ ہے۔ یہاں امت سے امت دعوت مراد ہے اور ثواب سے فضیلت مراد ہے، جس طرح امت محمدیہ کے رسول سارے رسولوں کے سردار اور سب سے اعلیٰ وارفع ہیں، اسی طرح یہ امت تمام امتوں میں افضل ہے، یعنی جس طرح ان کو رسول سب رسولوں میں افضل نصیب ہوئے، کتاب سب کتابوں میں جامع اور اکمل نصیب ہوئی، اسی طرح ان کو قوموں کا صحت مندانہ مزاج اور اعتدال بھی اس اعلیٰ پیمانے پر نصیب ہوا، کہ وہ سب امتوں میں بہتر قرار پائی، اس پر علوم ومعارف کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، ایمان وعمل وتقویٰ کی تمام شاخیں ان کی قربانیوں سے سرسبز وشاداب ہوں گی، وہ کسی مخصوص ملک واقلیم میں محصور نہ ہوگی، بلکہ اس کا دائرۂ عمل سارے عالم اور انسانی زندگی کے سارے شعبوں کو محیط ہوگا، گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہوگا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے، اور جس طرح ممکن ہو انھیں جنت کے دروازوں پر لا کھڑا کردے، "اخرجت للناس" میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہ امت دوسروں کی خیر خواہی اور فائدہ کے لئے بنائی گئی ہے، اس کا فرض منصبی اور قومی نشان یہ ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت کرے، برے کاموں سے روکے۔

## الفصل الاول

### حدیث نمبر ۳۰۷۶ ﴿کام کم اجر زیادہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۳

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَجَلُكُمْ فِيْ أَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْأُمَمِ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ وَإِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى كَرَجُلٍ اِسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِيْ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِيْ مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰى مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِيْ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ أَلَا فَأَنْتُمُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ أَلَا لَكُمُ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالُوْا نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقَلُّ عَطَاءً قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَهَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَإِنَّهُ فَضْلِيْ أُعْطِيْهِ مَنْ شِئْتُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

**حوالہ:** بخاری، ص ۴۹۱ ج ۱، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث ۳۴۵۹

**حل لغات:** أَجَل وقت مقرر، موت، مقررہ وقت کی انتہا (ج) آجال۔ خَلَا الشَّیْءُ (ن) خُلُوًّا گذر جانا۔ اِسْتَعْمَلَ اسْتَعْمَلَهٗ کسی سے کام لینا (استفعال)۔ عُمَّالًا (و) عَامِل کاریگر، مزدور۔ قِیْرَاط وزن و پیمائش کی ایک مقدار، وزن میں ۴ دانہ گندم۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گزشتہ امتوں کے مقابلے میں تمہاری مدت نماز عصر سے غروب آفتاب تک کی مدت جتنی ہے، تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک آدمی کو کام پر لگایا گیا۔ چنانچہ کہا کہ ایک قیراط کے بدلے کون میرا کام دوپہر تک کرتا ہے؟ پس یہود نے ایک قیراط پر دوپہر تک کام کیا۔ پھر کہا کون میرا کام ایک قیراط کے بدلے دوپہر سے عصر تک کرتا ہے، چنانچہ نصاریٰ نے ایک قیراط پر دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیراط پر کام کیا۔ پھر کہا کہ کون میرا کام نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو قیراط پر کرتا ہے؟ پس وہ نماز عصر سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے تم ہو۔ آگاہ رہو کہ تمہارے لئے دو اجر ہیں۔ پس یہود و نصاریٰ ناراض ہوئے اور کہا کہ ہم نے کام زیادہ کیا اور مزدوری تھوڑی ملی۔ اللہ تعالیٰ نے کہا میں نے تمہارے حق سے کچھ کم دیا ہے؟ عرض گذار ہوئے نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا فضل ہے، میں جس کو چاہوں عطا فرماؤں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** یہ روایت بخاری میں تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ کئی جگہ آئی ہے، بخاری شریف میں حدیث ۵۵۷ کے خلاصہ سے اس حدیث کی اچھی وضاحت ہو جاتی ہے، آپ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں امم سابقہ کے مقابلہ میں تمہاری بقا کی مدت ایسی ہے کہ جیسے عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کا مختصر وقت، یعنی تم کو بہت تھوڑا وقت دیا گیا ہے، جیسے پورے دن کے مقابلہ میں عصر سے مغرب تک کا وقت بہت کم ہے۔ تم سے پہلے کی امتوں نے بڑے اور زیادہ وقت لئے ہیں اور انھوں نے تمہارے لئے بہت کم وقت چھوڑا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اہل تورات کو تورات دی گئی، انھوں نے عمل شروع کیا ابھی آدھا ہی دن ہوا تھا کہ وہ تھک گئے اور کندھا ڈال دیا، جب وہ عاجز ہو گئے تو مالک نے ان کو ایک ایک قیراط حوالے کر دیا، پھر اہل انجیل کی باری آئی تو انھوں نے نصف النہار سے عصر تک کام کیا پھر انھوں نے بھی عاجزی کا اظہار کیا، تو مالک نے ان کو بھی ایک ایک قیراط دے کر رخصت کیا، پھر مسلمانوں یعنی اہل قرآن کی باری آئی تو انھوں نے عصر سے لے کر غروب تک وہ کام مکمل کر دیا جس کو اہل تورات و اہل انجیل نے ناتمام چھوڑ دیا تھا، تو مالک نے خوش ہو کر ان کو دو دو قیراط عطا کئے، اس پر اہل تورات و انجیل نے عرض کیا کہ پروردگار تو

نے ان کو دو دو قیراط عطا کئے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا گیا، یعنی کام ہمارا زیادہ ہے کہ ہم میں کا ہر ہر فرد اپنے اپنے زمانہ میں زیادہ وقت تک کام کرتا رہا؟ پروردگار نے ارشاد فرمایا تم سے جو طے کیا گیا تھا اس میں تو کمی نہیں کی گئی، جواب دیتے ہیں بجا ارشاد فرمایا، پھر پروردگار نے فرمایا باقی میرا فضل ہے جس کو چاہوں زائد عطا کر دوں، اس میں مداخلت کا کیا حق ہے؟ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** اجل اس مدت کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے لئے مقرر کی جائے، اس امت کی عمریں کم ہیں اور یہود و نصاریٰ کی عمریں زیادہ ہوئیں، یہود کی عمر گویا فجر سے ظہر تک، نصاریٰ کی عمر گویا ظہر سے عصر تک اور امت محمدیہ کی عمر عصر سے مغرب تک۔ روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے مقابلہ مسلمانوں کی مدت بقا کم ہے۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر یہود کی مدت ڈیڑھ ہزار یا دو ہزار سال ہے بھی مگر نصاریٰ کی مدت تو زیادہ سے زیادہ چھ سو سال ہے، جب کہ مسلمانوں کو چودہ سو سال ہو چکے ہیں اور معلوم نہیں کہ قیامت تک اور کتنا زمانہ باقی ہے، پھر یہ کہ امتوں کی جانب سے روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے، اس لئے مسلمانوں کی مدت بقا کا کم ہونا اور یہود و نصاریٰ کے کام کا زائد ہونا کیسے صادق ہے؟ کچھ حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ان تمثیلات میں گذری ہوئی ہر امت کے مقابلہ پر امت محمدیہ کے کم بقا کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ پچھلی تمام امتوں کے مجموعہ سے تقابل کیا گیا ہے یعنی تمام امتوں کی مجموعی مدت کے مقابلہ پر امت محمدیہ کی عمر کم ہے، یہ بھی ایک صورت ہے۔ لیکن اس سے زیادہ واضح اور اچھی بات یہ ہے کہ یہاں امت کا امت سے تقابل نہیں بلکہ آحاد و افراد امت کا، آحاد سے تقابل ہے، اس وقت امت محمدیہ کے جو افراد ہیں ان کی عمروں کا اوسط حدیث پاک کی رو سے ۶۰ سے ۷۰ سال کے درمیان ہے "اعمار امتي ما بين ستين الى سبعين" (ترمذی، ص ۵۶ ج ۲ و ابن ماجہ) کہ میری امت کی عمریں ۶۰ سے ۷۰ کے درمیان ہوں گی، جب کہ امم سابقہ کے افراد کی عمریں اس سے کہیں زیادہ بیان کی گئی ہیں، بلکہ عمر کی زیادتی کے ساتھ ان چیزوں کو بھی شمار کیجئے کہ ان کو افکار بھی اتنے درپیش نہ تھے، ان کو صحت بھی اس سے کہیں زیادہ اچھی دی گئی تھی، کہتے ہیں کہ فرعون کے کئی سو سال تک سر میں بھی درد نہیں ہوا۔ تو ہمارے لئے عمل کا وقت کم اور قویٰ کمزور ہیں اور پچھلی امتوں کے افراد کی عمریں زائد یعنی ان کے عمل کا وقت زائد اور قویٰ نہایت مضبوط تھے، اسی لئے پروردگار نے ہم پر رحم فرمایا کہ امم سابقہ کو ایک نیکی پر ایک ہی نیکی کا ثواب دیا جاتا تھا اور ہماری ایک نیکی کو دس کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ آحاد سے آحاد کے تقابل کی دلیل یہ ہے کہ کلمۂ قیراط کے تکرار کے ساتھ "قيراطا، قيراطا قيراطين، قيراطين" کافی تھا یعنی پوری امت کو ایک قیراط نہیں بلکہ امت کے ہر ہر فرد کو ایک ایک قیراط دیا گیا ہے، پھر اس کے معنی پر بھی غور کر لیجئے کہ اگر کسی امت کو ایک قیراط اور پوری امت محمدیہ کو دو قیراط ملے تو اب تقسیم کیجئے، ایک کم افراد والی امت پر ایک قیراط تقسیم ہوا اور ان سے دس گنا تعداد والی امت پر دو قیراط تقسیم ہوں تو دو قیراط کم پڑ جائیں گے اور پھر یہ شکایت مہمل ہو جائے گی کہ ان کو زائد کیوں ملا۔ اور سب سے زیادہ اہم دلیل یہ ہے کہ ایک روایت میں آحاد کا آحاد سے تقابل منقول ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں ہم لوگ عصر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپؐ نے ارشاد فرمایا "ما اعماركم في اعمار من مضى الا كما بقي من النهار فيما مضى منه" (مسند احمد، ص ۱۱۶ ج ۲) تمہاری عمروں کی مثال گذری ہوئی امتوں کی عمروں کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے گذرے ہوئے دن کے مقابلہ میں دن کا بقیہ حصہ۔ یہ بات آپؐ نے عصر کے بعد ارشاد فرمائی اور اس میں امت کا امت سے نہیں بلکہ امم سابقہ کے افراد کی عمروں کا امت محمدیہؐ کے افراد کی عمروں سے تقابل کر کے مضمون بیان کیا گیا ہے۔ (ایضاح البخاری)

## حدیث نمبر ۳۰۷۷ ﴿آپؐ کے بعد آنیوالے آپؐ کے محبین﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۴

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِيْ لِيْ حُبًّا نَاسٌ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِيْ

يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَآنِي بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ.

**حوالہ:** مسلم، ص۳۷۹ ج۲، باب فیمن یود رؤیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الجنۃ، حدیث ۲۸۲۲

**حل لغات:** یَوَدّ وَدَّہُ (سمع) (یَوَدُّہُ) وِدًّا چاہنا، خواہش کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے میرے ساتھ زیادہ محبت رکھنے والے لوگ میرے بعد میں ہوں گے، ان میں سے کوئی تمنا کرے گا کہ کاش اپنے اہل وعیال اور مال کے بدلے مجھے دیکھے۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کی وفات کے بعد دنیا میں آنے والے آپؐ کے محبین کا ذکر ہے کہ وہ آپؐ کی سچی اتباع کرنے والے ہوں گے، اور آپؐ کی زیارت کے اس قدر مشتاق ہوں گے کہ اپنا سب کچھ لٹا کر آپؐ کی زیارت کے آرزومند ہوں گے۔ اس حدیث کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ بعد والے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کا مقام صحابہؓ سے بلند ہوگا، یا ان کے دلوں میں حضورؐ کی صحابہؓ سے زیادہ محبت ہوگی، صحابہ کا جو مقام ہے وہ کسی کا ہو ہی نہیں سکتا۔ صحابہ کو تو رب نے منتخب کیا تھا نبی کی صحبت، آپؐ سے محبت اور دین کی اقامت کے لئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان من اشد امتی لی حبا آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کے چلے جانے کے بعد ہدایت کا نظام اور دین اسلام کا قیام کس طرح ممکن ہوا ہے؟ اگر غور سے دیکھا جائے تو آج کے دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے کوئی آواز نہیں آئے گی کہ یہ حق ہے اور وہ باطل ہے، فرشتے بھی اتر کر کلام نہیں فرمائیں گے۔ آنحضرت بھی دنیا سے تشریف لے گئے اور صحابہؓ بھی چلے گئے قرآن عظیم خود آواز نہیں دے سکتا کہ میرا حکم اس طرح ہے اور میرا مطلب اس طرح ہے، احادیث بھی کوئی کلام نہیں کرسکتی ہیں، اب حق اور ہدایت کا جو نظام قائم ہے، وہ اس امت کے صلحاء، اولیا اور خاص کر علما اور طلبا سے قائم ہے، جو قرآن وحدیث لوگوں کو بتاتے ہیں۔ اس اعتبار سے آنے والے لوگوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ مثلاً آنحضرتؐ کسی جگہ آکر نماز جمعہ یا عیدین یا عام نماز نہیں پڑھا سکتے؛ کیوں کہ آپؐ کا انتقال ہو چکا ہے، اسی طرح قرآن وحدیث اور حلال وحرام کا درس آپ نہیں دے سکتے ہیں، آپؐ کے صحابہ بھی یہ کام اب نہیں کرسکتے ہیں، اب اگر آنحضرتؐ کسی عالم باعمل امام کو نماز پڑھاتے ہوئے یا قرآن و حدیث کا درس دیتے ہوئے دیکھ لیں گے، تو آپ کتنے خوش ہوں گے! اگر آپؐ سے پوچھا جائے کہ اس وقت آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون لوگ ہیں؟ تو ان شاءاللہ آپؐ جواب دیں گے کہ وہی لوگ جو میرے بعد میرے کام کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر۳۰۷۸ ﴿حق پر قیامت تک قائم رھنیوالی جماعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۵**

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَنَسٍ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ فِي كِتَابِ الْقِصَاصِ.

**حوالہ:** بخاری، ص۵۱۴ ج۱، باب، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۴۱؛ مسلم، ص۱۴۳ ج۲، باب لاتزال طائفۃ من امتی، کتاب الامارۃ، حدیث ۱۰۳۷

**حل لغات:** خَذَلَ فُلَانًا وعَنْہ (ن) خَذْلًا مدد سے ہاتھ کھینچ لینا۔

**ترجمہ:** حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہمیشہ میری امت میں ایک گروہ اللہ کے حکم پر قائم رہیگا، انہیں رسوا کرنے والا نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اور نہ انکا مخالف، قیامت تک وہ اسی حالت پر رہیں گے۔ (بخاری ومسلم)

اور "إنّ من عباد الله" والی حدیث انسؓ پیچھے کتاب القصاص میں مذکور ہو چکی۔

**خلاصۂ حدیث** اس امت میں ہمیشہ ایسے افراد رہیں گے جن کی زبانوں پر ہمیشہ کلمۂ حق رہے گا، گو ان کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے گا، مگر ان کی مخالفت کرنے والی جماعت ان کے طور طریق کو یکسر بدل نہ سکے گی اور نہ ان کو مٹانے میں کامیاب ہو سکے گی۔ اعلان فرمایا جارہا ہے کہ مجموعی امت میں ایسے لوگ رہیں گے، نہ جگہ معین ہے اور نہ جماعت معین ہے اور نہ اس کا یکجا ہونا ضروری ہے، اس بارے میں لوگوں نے مختلف خیالات ظاہر فرمائے ہیں، مگر اصح یہ ہے کہ اس کا کسی طبقہ یا گروہ سے تعلق نہ ہوگا، اہل حق کے تمام طبقوں میں ایسے لوگ موجود رہیں گے جن کی حیثیت مجاہد فی الدین کی ہوگی، جو مخالفین کی پرواہ کئے بغیر حق کی آواز بلند کرتے رہیں گے، خواہ اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینی پڑے، مگر انہیں صراط مستقیم سے کوئی ہٹا نہ سکے گا۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** لایزال من امتی أمة قائمة بامر الله میری امت میں سے ایک جماعت اللہ کے حکم پر قائم رہے گی، اسکے مخالفین سے اسے کچھ نقصان نہیں ہوگا، تا آں کہ اللہ کا حکم آ پہنچے، اس سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساری امت اللہ کے دین پر قائم رہیگی، جبکہ یہ خلاف مشاہدہ ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ یہاں پوری امت نہیں، بلکہ امت میں سے ایک جماعت مراد ہے، چنانچہ عمیر بن ہانی کی روایت میں "لا تزال طائفة من امتی قائمة بامر الله" کے الفاظ آئے ہیں۔

**حدیث میں کون سی جماعت مراد ہے؟** یہ طائفہ اور جماعت جو اللہ کے حکم پر قائم رہے گی، اس سے کون سی جماعت مراد ہے؟ مسلمانوں کے مختلف طبقات نے اپنے اپنے طبقوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں "وهم اهل العلم" (۲) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں "ان لم یکونوا اهل الحدیث فلا ادری من هم" (۳) قاضی عیاض فرماتے ہیں "اراد احمد اهل السنة، ومن یعتقد مذهب اهل الحدیث" (۴) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مجاہدین کی جماعت مراد ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ بن سمرہ کی مرفوع روایت ہے "من یبرح هذا الدین قائما یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة" حضرت جابر بن عبداللہؓ کی مرفوع روایت ہے "لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة" حضرت معاویہؓ کی ایک روایت میں ہے "ولا تزال عصابة من المسلمین یقاتلون علی الحق" حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں ہے "لا تزال عصابة من امتی یقاتلون علی امر الله ظاهرین علی عدوهم، لا یضرهم من خالفهم حتی تأتیهم الساعة وهم علی ذالك" ان تمام روایات میں تصریح ہے کہ یہ جماعت مجاہدین کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں "طائفہ حقہ" سے عموم مراد ہے جس میں تمام اہل حق داخل ہیں، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں "یحتمل ان هذه الطائفة مفرقة بین انواع المؤمنین، منهم مقاتلون ومنهم فقهاء ومنهم محدثون ومنهم زهاد و آمرون بالمعروف والناهون عن المنکر، ومنهم اهل انواع اخری من الخیر، ولا یلزم ان یکونوا مجتمعین، بل قد یکونون متفرقین فی اقطار الارض" حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں چوں کہ مجاہدین کی تصریح موجود ہے اس کے باوجود احمدؒ اس کا مصداق "اهل الحدیث" یعنی "اهل السنة" کو قرار دے رہے ہیں، جس پر مجھے بہت حیرت تھی، پھر تاریخی مواد پر نظر کرنے سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ مجاہدین اور اہل السنۃ والجماعۃ دونوں کے مفہوم تو الگ الگ ہیں، مگر خارجی مصداق کے لحاظ سے دونوں ایک ہی ہیں، کیوں کہ جہاد کا فریضہ ہمیشہ اہل السنۃ والجماعۃ نے ہی ادا کیا ہے، دوسرے فریق کو جہاد کی توفیق نہیں ہوئی اور خصوصیت سے فرقۂ روافض سے تو اکثر اسلامی سلطنتوں کو عظیم نقصانات ہی پہنچے ہیں۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ "مجاہدین" مراد لینے کی صورت میں "جہاد" عام ہوگا، خواہ بالسیف والسنان ہو یا بالقلم واللسان، جہاد بالسیف کے مقابلہ میں جہاد بالقلم واللسان کی اہمیت کم نہیں، اس کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے، لہٰذا یہ بھی

''جہاد'' میں داخل ہے۔ لا یضرھم من خالفھم مخالفین کونقصان نہیں پہنچائیں گے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل حق کو کوئی نقصان کسی جہت سے نہیں پہنچ سکتا، اور ان کو کوئی تکلیف اور مصیبت پیش نہیں آئے گی۔ ان کو تکلیف پہنچ سکتی ہے، قید و بند کی صعوبتیں پیش آسکتی ہیں، قتل تک کی نوبت آسکتی ہے، لیکن ان کے مشن اور مہم کو کوئی نیست و نابود نہیں کرسکتا، ان کی مہم جاری رہے گی اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ حتی یأتی امر اللہ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچے۔ اس ''امر اللہ'' سے مراد بظاہر ''قیامت'' ہے، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حدیث میں ہے ''لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض اللّٰه اللّٰه'' اسی طرح ایک روایت میں ہے ''لا تقوم الساعة علی احد یقول اللّٰه اللّٰه'' اسی طرح ایک روایت میں ہے ''لا تقوم الساعة الا علی شرار الناس'' ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت قائم ہوگی اس وقت جب اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اور ''شرار الناس'' پر قیامت قائم ہوگی، جب کہ حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک یہ طائفہ حقہ رہے گا، دونوں قسم کی حدیثوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ''امر اللہ'' سے مراد ''قیامت'' نہیں بلکہ وہ ''ریح'' مراد ہے، جو یمن سے چلے گی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے ''ان اللّٰه عزوجلّ یبعث ریحا من الیمن الین من الحریر فلا تدع احدا، قال ابوعلقمة مثقال حبة وقال عبدالعزیز مثقال ذرة من ایمان الا قبضته'' لہٰذا اب دونوں کی روایات میں تعارض نہیں رہا۔ پھر جن روایات میں ''حتی تقوم الساعة'' مذکور ہے، اس سے ''حتی تقرب الساعة'' مراد ہے۔ (کشف الباری) مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۲۹۲ دیکھیں۔

## الفصل الثانی

**حدیث نمبر ۳۰۷۹ ﴿امت محمدیہ کی مثال بارش کی سی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۶**

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يُدْرٰى أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۱۴ ج ۲، باب، ابواب الامثال، حدیث ۲۸۶۹

**حل لغات:** مَثَل مِثْل، مانند، تشبیہ (ج) أَمْثَال۔ اَلْمَطَر بارش (ج) أَمْطَارٌ۔

**ترجمہ:** حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا پچھلا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** بارش کبھی شروع کی بابرکت ہوتی ہے اور کبھی آخر کی، اور کوئی نہیں جانتا کہ کون سی بارش بابرکت ہے؟ یہی حال کمالات کے تعلق سے امت محمدیہ کا ہے، اور اس حدیث میں آخری امت کی جزوی فضیلت ہے، کلی فضیلت قرون مشہود لہا بالخیر کیلئے ثابت ہے، یعنی بعد کے ادوار میں بھی کچھ ایسے لوگ ہوسکتے ہیں جو قرون ثلاثہ میں نہیں ہوئے، کسی نے کہا ہے، ''کم ترك الاول للاخر'' اگلوں نے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑا ہے، یعنی بعض خوبیاں آخری دور کے لئے باقی ہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** مثل امتی مثل المطر اس حدیث سے ذہن میں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ کیا صحابہ کے بعد والے صحابہؓ سے افضل ہوسکتے ہیں؟ لہٰذا اس حدیث کے بارے میں تین آراء ہیں: (۱) یہ حدیث ضعیف ہے، مگر یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ (۲) حافظ ابن عبدالبرؒ اس حدیث کو ظاہر پر حمل کرتے ہیں، اس تقدیر پر یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ مابعد کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ کے بعض سے کچھ لوگ افضل ہوسکتے ہیں۔ (۳) جمہور کی رائے ہے کہ صحابہ کرامؓ امت کے بہترین لوگ ہیں، مابعد کے زمانہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوسکتا جو صحابہ کرامؓ سے افضل ہو، جمہور حدیثِ باب کے دو مطلب بیان کرتے ہیں: (۱) اس حدیث میں افضلیت کی بات نہیں بلکہ نفع کی بات ہوئی ہے، اور نفع کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، لہٰذا اس حدیث میں یہ امکان بیان کیا گیا ہے کہ

مابعد میں ایسے لوگ آسکتے ہیں جن سے اہل اسلام کو بہت زیادہ نفع ہو، مثلاً صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں تدوینِ کتب اور مناظروں کی ضرورت نہیں تھی، مگر بعد میں ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کی تصنیفات امت کے ایک بڑے حصہ کے لئے مفید بن گئیں، یہ ایک جزوی فضیلت ہوگی جو کلی فضیلت کے منافی نہیں، لہٰذا صحابہ کرامؓ کو کلی فضیلت حاصل ہے اور مابعد والوں کو جزئی فضیلت حاصل ہوسکتی ہے، جیسے ایمان بالغیب ہوا، لہٰذا قیامت تک امت میں وقتاً فوقتاً اچھے لوگ پیدا ہوں گے۔ (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں صحابہ کرامؓ کا زمانہ بلکہ خیرالقرون کا زمانہ جو کہ ابتداءِ حقیقی ہے، اس موازنے میں شامل ہی نہیں ہے؛ کیوں کہ فصل بغیر پہلی بارش کے اُگتی ہی نہیں، البتہ مابعد کی بارشیں کبھی ایک وقت میں مفید ہوتی ہیں اور کبھی دوسرے وقت میں، جب کہ اولین بارش جو بیج کے لئے ناگزیر ہے، وہ تولامحالہ افضل ہے، پس صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور تبع تابعین تو امت کے افضل لوگ ہیں ہی، ان کی بات اور ہے، حدیث میں جو موازنہ ہے یہ موازنہ مابعد کے لوگوں میں مراد ہے۔ (الکوکب الدری)

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۳۰۸۰ ﴿امت محمدیہ کا حال﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۷

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْشِرُوْا وَأَبْشِرُوْا إِنَّمَا مَثَلُ أُمَّتِيْ مَثَلُ الْغَيْثِ لَا يُدْرٰى آخِرُهٗ خَيْرٌ أَمْ أَوَّلُهٗ أَوْ كَحَدِيْقَةٍ أُطْعِمَ مِنْهَا فَوْجٌ عَامًا ثُمَّ أُطْعِمَ مِنْهَا فَوْجٌ عَامًا لَعَلَّ آخِرَهَا فَوْجًا أَنْ يَّكُوْنَ أَعْرَضَهَا عَرْضًا وَأَعْمَقَهَا عُمْقًا وَأَحْسَنَهَا حُسْنًا كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا أَوَّلُهَا وَالْمَهْدِيُّ وَسْطُهَا وَالْمَسِيْحُ آخِرُهَا وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ فَيْجٌ أَعْوَجُ لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَا أَنَا مِنْهُمْ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

**حوالہ:** رزین

**حل لغات:** حَدِيْقَةٌ باغ، پھلدار درختوں والی زمین (ج) حَدَائِقُ۔ فَوْجٌ لوگوں کی جماعت، گروہ (ج) أَفْوَاج۔ عَرْضًا عَرُضَ (ك) عَرْضًا و عِرَاضَةً چوڑا ہونا۔ عُمْقًا گہرائی، عَمُق (ك) عُمْقًا گہرا ہونا۔ حُسْنًا حَسُنَ (ك) حُسْنًا اچھا اور بہتر ہونا۔ فَيْجٌ لوگوں کی جماعت (ج) فُيُوْجٌ۔ أَعْوَج عوج الإنسَانُ (س) عَوَجًا کج رو ہونا، غلط عقیدہ والا ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت جعفر صادق نے اپنے والد امام محمد باقر سے انھوں نے جعفر صادق کے دادا امام زین العابدین بن علی بن حسین بن علیؓ سے روایت کیا ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خوش ہوجاؤ، خوش ہوجاؤ میری امت کا حال بارش کی مانند ہے جس کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر بہتر ہے، یا میری امت کی مثال باغ کی مانند ہے، جس سے ایک سال تک ایک جماعت نے فائدہ اٹھایا، پھر دوسرے سال ایک اور جماعت نے فائدہ اٹھایا اور اس کے پھل وغیرہ کھائے، ممکن ہے وہ جماعت جس نے آخر میں باغ سے نفع حاصل کیا عرض وعمق میں پہلی جماعت سے زیادہ ہو اور خوبیوں میں بھی اس سے بہتر ہو، وہ امت کیسے ہلاک ہوسکتی ہے جس کا اول میں ہوں اور جس کے درمیان مہدی ہے اور جس کے آخر مسیح ہے، لیکن ان زمانوں کے درمیان ایک کجرو جماعت ہوگی، وہ جماعت میرے طریقے پر نہ ہوگی اور نہ میں ان سے ہوں گا۔ (رزین)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں امت کی حالت کی دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی مثال میں امت کی تشبیہ بارش سے دی گئی ہے کہ یہ امت دوسرے لوگوں کے لئے علم وعرفان اور ہدایت وخدمت اور رہنمائی میں بارش کی طرح نافع اور فائدہ پہنچانے والی ہے اور دوسری مثال میں اس امت کی تشبیہ پھل دار باغ سے دی گئی ہے جس کے پھل عام لوگ کھاتے ہیں، اسی طرح یہ امت ہے کہ اس کی صفات وکمالات وہدایات سے لوگ عام نفع اٹھاتے ہیں۔ گویا یہ امت انسانوں کی دنیا وآخرت دونوں کے لئے نافع

ہے۔اس حدیث میں امت کو عمق اور طول وعرض سے اس لئے متصف کیا کہ جب ان کو باغ سے تشبیہ دی گئی تو باغ کی صفات میں طول و عرض وعمق ہوتا ہے، تو اس کا ذکر ضروری ہوا۔ بہرحال یہاں تک تو اس حدیث میں امت کی بھلائی، خوبی اور افضلیت کو بیان کیا گیا۔مگر اس حدیث کے بیچ میں استدراک کے ساتھ کچھ لوگوں کی گمراہی اور ٹیڑھے پن کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔(توضیحات)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یدری آخرہ گذشتہ حدیث دیکھیں۔اعوج خوارج، معتزلہ، مرجئہ وغیرہ مراد ہیں۔

**حدیث نمبر ۳۰۸۱ ﴿ایمان بالغیب کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۸**

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْخَلْقِ أَعْجَبُ إِلَيْكُمْ إِيْمَانًا قَالُوْا الْمَلَائِكَةُ قَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالُوْا فَالنَّبِيُّوْنَ قَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ قَالُوْا فَنَحْنُ قَالَ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْجَبَ الْخَلْقِ إِلَيَّ إِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا.

**حوالہ:** البیهقی فی دلائل النبوۃ

**حل لغات:** صُحُفًا (و) صَحِيْفَةٌ لکھا ہوا کاغذ یا کاغذ پر لکھا ہوا مضمون۔

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن شعیب ان کے والد ماجد، ان کے جد امجد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے لحاظ سے کون سی مخلوق تمہیں زیادہ پسند ہے؟ لوگ عرض گذار ہوئے کہ فرشتے۔فرمایا کہ انہیں ایمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے جب کہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں؟ عرض گذار ہوئے کہ انبیاء کرام۔آپؐ نے فرمایا انھیں ایمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے جب کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔عرض گذار ہوئے کہ ہم۔آپؐ نے فرمایا تمھیں ایمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلحاظ ایمان میرے نزدیک وہ لوگ زیادہ پسندیدہ ہیں جو میرے بعد ہوں گے اور قرآن مجید میں لکھے ہوئے کے مطابق ایمان لائیں گے۔(بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے بعد والوں کے ایمان کو زیادہ پسندیدہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ ان کا ایمان پورے طور پر ایمان بالغیب ہے، لیکن اس سے ان کا ایمان فرشتوں اور انبیا اور صحابہ سے افضل ہو، یہ مطلب نہیں ہے، کیوں کہ اعجبیت الگ چیز ہے اور افضلیت الگ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اعجب الخلق اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث کی بنا پر ابن عبد البرؒ اور دیگر لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ صحابہؓ کے بعد آنے والے بعض لوگ صحابہ سے افضل ہو سکتے ہیں، جب کہ جمہور کہتے ہیں کہ صحابہؓ سے بہتر بعد والے نہیں ہو سکتے۔مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۲۸۶ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۳۰۸۲ ﴿صحابہ کے مانند اجر پانیوالی جماعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۸۹**

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَلَاءِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ آخِرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ لَهُمْ مِثْلُ أَجْرِ أَوَّلِهِمْ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقَاتِلُوْنَ أَهْلَ الْفِتَنِ. (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

**حوالہ:** البیهقی فی دلائل النبوة

**ترجمہ:** عبدالرحمٰن بن علاء حضرمی سے روایت ہے کہ مجھے اس نے بتایا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اس امت کے آخر میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کا پہلے حضرات جیسا اجر ہوگا۔ وہ نیک کاموں کا حکم دیں گے، برے کاموں سے منع کریں گے اور فتنے برپا کرنے والوں سے لڑیں گے۔ روایت کیا ان دونوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی بشارت ہے جو دعوت کے کام میں صحیح طور پر لگے ہیں اور فتنوں کے خلاف ڈٹے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یقاتلون اهل الفتن اس کے اولین مصداق مجاہدین ہیں، پھر دوسرے لوگ اپنے اعمال اور نیت کے اعتبار سے ہیں۔

**حدیث نمبر ۳۰۸۳ ﴿آپؐ کے بعد ایمان لانیوالوں کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۹۰**

وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طُوْبٰى لِمَنْ رَآنِي وَطُوْبٰى سَبْعَ مَرَّاتٍ لِمَنْ لَمْ يَرَنِي وَآمَنَ بِي. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

**حوالہ:** احمد، ص۲۶۴ ج۵

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوش خبری اس کے لئے جس نے مجھے دیکھا اور سات دفعہ خوش خبری اس کے لئے جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جو لوگ ایمان لائے ان کا مقام بھی کم نہیں ہے، بلکہ بہت بلند ہے، اسی بات کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، باقی صحابہؓ سے ان کے ایمان کا موازنہ کرنا یا صحابہ سے ان کو افضل قرار دینا اس حدیث کی مراد نہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** سبع مرات تحدید مقصود نہیں ہے، بلکہ مبالغہ مراد ہے، یعنی تکثیر مراد ہے۔

**حدیث نمبر ۳۰۸۴ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۹۱**

**﴿آپؐ کو بغیر دیکھے ایمان لانے والے کی فضیلت﴾**

وَعَنِ ابْنِ مُحَيْرِيْزٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي جُمُعَةَ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ حَدِّثْنَا حَدِيْثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا جَيِّدًا تَغَدَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَدٌ خَيْرٌ مِنَّا أَسْلَمْنَا وَجَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِي وَلَمْ يَرَوْنِي. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ) وَرَوٰى رَزِيْنٌ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ مِنْ قَوْلِهِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَدٌ خَيْرٌ مِنَّا.... إِلٰى آخِرِهِ.

**حوالہ:** احمد، ص۱۰۶ ج۴؛ دارمی، ص۲۹۸ ج۲، باب فی فضل آخر، کتاب الرقاق، حدیث ۲۷۴۴

**حل لغات:** تَغَدَّيْنَا تغذّی دوپہر کا کھانا کھانا (تفعل)

**ترجمہ:** ابومحیریز کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوجمعہؓ کی خدمت میں عرض گذار ہوا جو صحابی تھے کہ مجھ سے ایسی حدیث بیان کیجئے جو آپ

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔فرمایا کہ میں تمہیں بہت عمدہ حدیث سناتا ہوں۔ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کا کھانا کھایا اور ہمارے ساتھ حضرت عبیدہ بن الجراحؓ بھی تھے، وہ عرض گذار ہوئے کہ یا رسول اللہ کوئی ہم سے بہتر ہوسکتا ہے جب کہ ہم مسلمان ہوئے اور آپؐ کی معیت میں جہاد کیا؟ فرمایا ہاں وہ لوگ جو میرے بعد ہوں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔حالاں کہ مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔اسے احمد اور دارمی نے روایت کیا۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بعد والوں کی بڑی فضیلت ہے، اور وہ صحابہ سے اس جز میں آگے ہیں کہ یہ رسول پر بن دیکھے ایمان لائے ہیں باقی مجموعی طور پر تمام امت میں صحابہ کی افضلیت مسلم ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** يؤمنون بي ولم يروني یہ جزوی فضیلت بعد والوں کو حاصل ہوگی، اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد میں کوئی جماعت یا شخص صحابہؓ سے افضل ہوسکتا ہے۔مزید کے لئے عالمی حدیث ۶۲۸۸ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۳۰۸۵ ﴿محدثین کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۹۲**

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيْكُمْ وَلَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ قَالَ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيْثِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

**حواله:** ترمذی، ص۴۳ ج۲، باب ما جاء فی الشام، کتاب الفتن، حدیث ۲۱۹۲

**توجمه:** حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد حضرت قرۃ بن ایاسؓ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شام والے تباہ و برباد ہوجائیں تو پھر تم میں بھلائی نہ ہوگی، اور میری امت میں سے ہمیشہ ایک جماعت (دشمنان اسلام پر) غالب رہے گی، اس جماعت کو وہ لوگ ضرر نہ پہنچاسکیں گے جو اس کی تائید و اعانت کو ترک کردیں گے، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو، ابن مدینی نے فرمایا اس جماعت سے مراد اصحاب حدیث ہیں۔(ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے چند اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں: (۱) اہل حق کی موجودگی سے دنیا کبھی خالی نہ ہوگی، اگرچہ ان کی جماعت چھوٹی کیوں نہ ہو، خوف و حراس، ظلم و ستم، سکھ اور دکھ ہر حالت میں وہ حق و حقانیت پر قائم و دائم رہیں گے۔موافق و مخالف کوئی بھی حالت ان کو صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکے گی۔(۲) یہ حدیث دین اسلام کی ابدیت نیز ختم نبوت کی دلیل ہے۔(۳) یہ رسول کریم کا ایک کھلا معجزہ ہے کہ آپؐ نے جیسا فرمایا ویسا ہی ہوا۔چنانچہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ کوئی بھی دور ایسے اہل حق کی موجودگی سے خالی نہ رہا۔(۴) اس حدیث سے اجماع کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔چوں کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ امت محمدیہ گمراہی پر اکٹھے نہیں ہوسکتی۔(مرقات، نووی، تکملہ)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا فسد اهل الشام فلا خير فيكم اس کا مطلب صاحب تحفۃ الاحوذی نے یوں بیان کیا ہے کہ جب اہل شام بگڑ جائیں تو پھر وہاں سفر کرنے اور اس میں بود و باش اختیار کرنے میں خیر و برکت باقی نہیں رہیگی، لیکن یہ توجیہ صحیح معلوم نہیں ہوتی چوں کہ شام کی فضیلت و برکت نیز فتنوں کے زمانوں میں ارض شام میں پناہ گزیں ہونے کے بارے میں بہت احادیث وارد ہوئی ہیں۔حضرت تھانویؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے چوں کہ اہل شام صاحب اقتدار ہوں گے، حکومت ان کے ہاتھ میں ہوگی، پس جب ان کا بگاڑ پیدا ہوگا، تو لازماً دوسرے لوگ بھی اس سے متاثر ہوں گے۔(المسلک الذکی)

**شام کی حدود:** قدیم عرب میں شام کا اطلاق اردن، فلسطین، لبنان، حمص، بیت المقدس، دمشق موجودہ سیریا اور قنسرین سمیت

پورے علاقہ پر ہوتا تھا۔ بعد میں اس کا اطلاق سیریا پر ہونے لگا آج کل اس سے صرف دمشق مراد لیا جاتا ہے۔ پس احادیث میں پہلا اطلاق مراد ہے صرف سیریا نہیں۔ طائفة من امتی "طائفة" بمعنی پوری جماعت کبھی ایک شخص پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اسحاق بن راہویہ سے دریافت کیا گیا کہ طائفہ کے معنی کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ طائفہ کا اطلاق ایک ہزار سے کم کی جماعت پر ہوتا ہے، پھر فرمایا جو لوگ حضورؐ اور ان کے صحابہ کے طریقہ کو پکڑے ہوئے ہیں ان کی عدد عنقریب اس مقدار تک پہنچ جائے گی۔ اس سے حضورؐ متمسکین بالشرع کو تسلی دے رہے ہیں کہ کثرت اہل باطل سے نہ گھبرائیں اگر چہ وہ کم ہوں؛ کیوں کہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ طائفہ کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اس سے زائد پر بھی۔ طائفة" کی تنوین میں تقلیل وتکثیر اور تعظیم تینوں معنی کا احتمال ہے۔ شراح حدیث میں سے بعض نے تقلیل کو بعض نے تکثیر کو اور بعض نے تعظیم کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ تقلیل کی صورت میں مطلب یہ ہوگا نصرت خداوندی سے مؤید ایسے باکمال لوگ بہت کم ہوں گے۔ تنوین برائے تکثیر ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ جماعت عدد کے اعتبار سے اگر چہ کم نظر آئے گی، مگر کیفیت کے اعتبار سے بہت ہوں گے، ان میں سے ایک آدمی عام لوگوں میں سے ہزار آدمی پر بھاری ہوگا، بڑی بڑی قومیں اور زبردست طاقتیں بھی ان کے سامنے ٹک نہ سکیں گی۔ تعظیم کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ جماعت نہایت اعلیٰ وارفع مراتب پر فائز ہوگی، ان کی شان ہی نرالی ہوگی۔ ان تینوں معنی میں کوئی تزاحم نہیں، بلکہ بیک وقت تینوں معنی مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ اب معنی یہ ہوں گے کہ یہ لوگ نہایت قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود دنیوی واخروی لحاظ سے اتنے باعظمت اور عالی مرتبت ہوں گے کہ ہزاروں انسان بھی کسی پہلو سے ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ (کشف الحاجہ، مصباح الزجاجہ) منصورین اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ جماعت نصرت خداوندی سے مؤید ہوگی۔ دوسرا منصورین سے مراد غالبین ہیں خواہ غلبہ بالقوہ ہو یا بالحجۃ "کما قال الملا علی القاری فی شرح قوله علیه السلام ظاهرین ای غالبین ولو بالحجة" اس تعمیم سے ایک اشکال دفع ہو جاتا ہے وہ یہ کہ اگر غلبہ بالقوہ ہو تو حدیث کی خبر بظاہر صحیح نہیں نکلتی؛ کیوں کہ بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ اہل حق اور مسلمین مغلوب رہتے ہیں جب غلبہ سے معنی عام مراد لئے جائیں تو کوئی اشکال نہیں رہتا؛ کیوں کہ اہل حق واہل ایمان حجت سے دوسروں پر ہمیشہ غالب رہتے ہیں، اور اکثر قوت سے بھی۔ لا یضرهم من خذلهم یہاں ضرر سے مراد ضرر دینی ہے؛ کیوں کہ ضرر دنیوی یعنی جانی و مالی ضرر اہل حق کو ضرور پہنچتا ہے۔ چنانچہ رسول کریمؐ نے فرمایا "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل" ان کو ضرر دینی نہ پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مدد چھوڑ دینے سے ان کی ثبات قدمی اور استقامت علی الحق میں ذرا رخنہ پیدا نہ ہوگا، کوئی مدد کرے یا نہ کرے بہر حال وہ حق پر ثابت قدم رہیں گے۔ اس "طائفه" سے کون سی جماعت مراد ہے؟ نیز دیگر باتوں کے لئے عالمی حدیث ۶۲۸۵ دیکھیں۔ هم اصحاب الحدیث علی بن المدینی بہت بڑے محدث ہیں، فرماتے ہیں کہ اس طائفہ سے مراد اصحاب حدیث ہیں، اس لفظ سے شاید غیر مقلدین بہت خوش ہوں گے کہ یہ ہم ہیں مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ "اهل الحدیث" کی یہ اصطلاح محدثین کے یہاں بہت پرانی ہے، اس وقت تو اہل حدیث اہل ظواہر کے نام سے مشہور تھے، اہل حدیث کے نام سے ان کو کوئی جانتا پہچانتا بھی نہ تھا، بھلا جس جماعت کا اس وقت تصور بھی نہ تھا تو علی بن المدینیؒ نے کس طرح ان کی تصویر کشی فرمائی؟ عجیب ہے اہل حدیث کا لفظ غیر مقلدین کو ہندوستان میں برطانیہ کی حکومت نے اس وقت دیا تھا جب کہ مولانا محمد حسین بٹالوی نے جہاد کے خلاف اور انگریز سے نہ لڑنے کی حمایت میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "الاقتصاد فی مسائل الجهاد" رکھا اور صلہ میں ایک سرکولیشن کے ذریعہ سے "اہل حدیث" کا نام غیر مقلدین کو الاٹ کیا گیا۔ نیز یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ زیر بحث روایت میں "اصحاب الحدیث" کے الفاظ ہیں "اهل الحدیث" کے الفاظ نہیں ہیں۔ اصحاب الحدیث محدثین کی جماعت کا نام ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب الحدیث سے مراد وہ اہل حق ہیں جنہوں

نے احادیث کا تعلیم وتعلم کیا اور درس وتدریس سے اسکی خدمت کی، انھوں نے ساری عمریں اس میں کھپا دیں اور کتاب وسنت پر عمل کیا جو اہل سنت والجماعت کے نام سے مشہور ہیں، گویا ملا علی قاریؒ "اصحاب الحدیث" سے "اہل سنت والجماعت" مراد لیتے ہیں۔ (توضیحات)

**حدیث نمبر ۳۰۸۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۶۲۹۳**

## ﴿امت محمدیہ کی خطا و نسیان کی معافی کی بشارت﴾

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَالْبَيْهَقِيُّ)

**حوالہ:** ابن ماجہ، ص ۱۴۷، باب طلاق المکرہ، کتاب الطلاق، حدیث ۲۰۴۵؛ البیہقی، ص ۳۵۶ ج ۷

**حل لغات:** اسْتُكْرِهوا اسْتَكْرَهَ الشَّيْءَ نفرت کرنا، برا سمجھنا (استفعال)۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی اور بھول چوک سے درگذر فرمادی اور جو کام ان سے زبردستی کروایا جائے۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ خطا، نسیان اور حالتِ اکراہ کے کاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ میری امت سے درگذر فرمائیں گے لیکن تجاوز اور درگذر فرمانے سے مراد یہ ہے کہ ان حالتوں میں جو غلطی سرزد ہو جائے تو اس کا گناہ نہیں ہوگا، مطلقاً مواخذہ کی نفی مقصود نہیں ہے، اس لئے کہ قتل خطا میں دیت اور کفارہ لازم ہوتا ہے، اور خطاءً روزے کی حالت میں کچھ کھا پی لینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس کی قضا لازم آتی ہے (البتہ کوئی روزے دار بھولے سے کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تجھ کو اللہ ہی نے کھلایا اور پلایا ہے)، نماز میں سہو یا نسیان ہو جانے پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، کسی کا مال سہواً اتلف کرنے سے ضمان لازم ہوتا ہے اور یہی حال حالت اکراہ میں کئے گئے افعال کا ہے کہ ان کے کرنے پر گناہ نہیں ہوتا، البتہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں اس کا کیا اثر ہوتا ہے یہ اس کی تفصیل کا مقام نہیں، تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ (جدید مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** تجاوز معاف کرنے کے معنی میں ہے۔ امتی امت اجابت مراد ہے، امت دعوت مراد نہیں۔ **الخطاء** غیر ارادی طور پر بلاقصد جس شخص سے نادرست کام سرزد ہو جائے اس کو خطا کہتے ہیں، خطا نادرست کام ہے جس کی ضد درست کام ہے، گویا ایک شخص درست کام کرنا چاہتا تھا کہ غلطی سے نادرست میں جا پڑا وہ معاف ہے۔ بعض علما نے لکھا ہے کہ غیر ارادی اور غیر قصدی طور پر جو برا کام ہو جائے اس کو خطا نہیں بلکہ اخطاء کہتے ہیں، یعنی غیر ارادی لغزش جب کہا جائے گا کہ یہ صیغہ باب افعال سے استعمال ہو جائے بہر حال مثال کے طور پر ایک آدمی شکار کو مار رہا تھا مگر گولی جا کر کسی انسان کو لگ گئی یا بندوق صاف کر رہا تھا کہ اچانک گولی چل گئی اور کسی کو لگ گئی اور وہ مر گیا یہ خطا ہے، اس میں جو معاملات حقوق اللہ کے قبیل سے ہیں وہ تو دنیا و آخرت میں معاف ہیں ان کا مواخذہ نہیں ہے؛ لیکن جو معاملات حقوق العباد سے متعلق ہیں، ان کا دنیا میں مواخذہ اور معاوضہ ہے وہ معاف نہیں ہے؛ جیسے قتل خطا میں دیت ہے اس کی پوری تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھنی چاہیے۔ نسیان میں بھی تفصیل ہے، بعض مقامات میں نسیان معاف ہے جیسے روزہ میں کچھ کھایا پیا وہ معاف ہے، لیکن یہی نسیان نماز میں معاف نہیں ہے، لہٰذا یہاں نسیان سے مطلق نسیان مراد نہیں ہے۔ وما استکرھوا یعنی کسی نے کسی پر زور زبردستی کی تو وہ شخص معاف ہے جس پر زبردستی کی گئی ہو، اگرچہ اس کو قتل اور ضرب شدید کی دھمکی بھی نہ ہو، پھر بھی زبردستی کے نتیجہ میں جو گناہ کسی نے کیا اس جرم میں وہ معاف ہے، یہاں بھی علما نے لکھا ہے

کہ اسکراہ کی صورت میں بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد میں فرق ہے، الگ الگ صورتیں اور الگ الگ نوعیتیں اور حیثیتیں ہیں، لہٰذا اس میں بھی اصول فقہ کی تفصیلات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

**مکرہ فی طلاق کا مسئلہ:** مکرہ کی طلاق کے بارے میں اختلاف ہے، حضرات حنفیہ، امام شعبی، قتادہ، ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اکراہ کی وجہ سے صرف رضا فوت ہوتی ہے، اختیار فوت نہیں ہوتا، لہٰذا جب اختیار باقی ہے تو طلاق واقع ہوگی۔ یہ حضرات فرح بن فضالہ عن عمرو بن شرجیل معافری کے ایک اثر سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کو طلاق پر مجبور کیا اور اس سے طلاق حاصل کر لی۔ حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپؓ نے وہ طلاق صحیح قرار دے دی، حضرت ابن عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی اسی طرح کے آثار منقول ہیں۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اکراہ کی وجہ سے اختیار نہیں رہتا اور شرعی تصرفات کا دارومدار اختیار پر ہے، اسی طرح یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہنے کی بھی اجازت دی گئی ہے "الا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان" اکراہ کی حالت میں کلمہ کفر کہنے والے پر احکام جاری نہیں ہوتے تو طلاق تو کلمہ کفر سے بہت کم درجہ کی چیز ہے، اس پر بھی طلاق کا حکم جاری نہیں ہونا چاہئے۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۳۰۸۷ ﴿امت محمدیہ خیر امت ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۹۴**

وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) قَالَ أَنْتُمْ تُتِمُّوْنَ سَبْعِيْنَ أُمَّةً أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ)

**حواله:** ترمذی، ص ۱۲۹ ج ۲، باب سورة آل عمران، کتاب تفسیر القرآن، حدیث ۳۰۰۱؛ ابن ماجہ، ص ۳۱۷، باب صفة امة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم، کتاب الرقاق، حدیث ۴۲۸۸؛ دارمی، ص ۴۰۴ ج ۲، کتاب الرقاق، حدیث ۲۷۶۰

**حل لغات:** تُتِمُّوْنَ أَتَمَّ الشَّيْءَ مکمل کرنا (افعال)۔

**ترجمه:** حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد "کنتم خیر امة اخرجت للناس" (یعنی تم بہترین امت ہو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہو) کے متعلق یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم ستر امتوں کو پورا کرتے ہو (تم تمام امتوں سے بہتر و باعزت ہو خدا تعالیٰ کی نظر میں)۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

**خلاصۂ حدیث** امت محمدیہ تمام امتوں میں سب سے بہتر ہے، آیت کے اس ٹکڑے میں امت محمدیہ کے خیر الامم ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ خلق اللہ کو نفع پہنچانے ہی کے لئے وجود میں آئی ہے، اور اس کا سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ خلق اللہ کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی فکر اس کا منصبی فریضہ ہے، اور پچھلی سب امتوں سے **زیادہ امر بالمعروف** اور نہی عن المنکر کی تکمیل اس امت کے ذریعہ ہوتی، اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ **پچھلی امتوں پر عائد تھا، جس کی تفصیل** احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، مگر اول تو پچھلی بہت سی امتوں میں جہاد کا حکم نہیں تھا، اس لئے ان کا امر بالمعروف صرف دل اور زبان سے ہو سکتا تھا، امت محمدیہ میں اس کا تیسرا درجہ ہاتھ کی قوت سے امر بالمعروف کا بھی ہے جس میں جہاد کی تمام اقسام بھی داخل ہیں، اور بزور حکومت اسلامی قوانین کی تنفیذ بھی اس کا جزء ہے، اس کے علاوہ امم سابقہ میں جس طرح دین کے دوسرے شعائر غفلت عام ہو کر محو ہو گئے تھے، اسی طرح **فریضہ امر بالمعروف** بھی بالکل متروک ہو گیا تھا، اور اس امت **محمدیہ کے متعلق آنحضرت** کی یہ پیشین گوئی ہے کہ "اس امت میں تا قیامت **ایک ایسی جماعت قائم** رہے گی جو فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر **پر قائم** رہے گی" (معارف القرآن) اس حدیث میں دوسرے جزء کا

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیا کو ان کی قوموں کی طرف مبعوث فرمایا، آخر میں سب سے بہترین نبی کو بہترین امت عطا فرمائی، نبی بھی آخری ہے اور یہ امت بھی آخری ہے، اس کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور کوئی امت نہیں آئے گی۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

کنتم خیر امة ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح میں کئی احتمالات کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک احتمال اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کے مطابق روز اول سے یہ امت رشد وہدایت کی خصوصی صفات کے لئے پیدا کی گئی تھی جس کا ظہور آنحضرتؐ کے تشریف لانے کے بعد ہوا، گویا اس خطاب کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہے، صیغہ بھی ماضی کا ہے، مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے قدیم فیصلے میں تم پہلے سے بہترین امت قرار دیئے گئے تھے۔
ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں دوسرا احتمال یہ ہے کہ لوح محفوظ میں اس امت کی بھلائی اور بہتر امت ہونے کا ذکر پہلے سے ہو چکا تھا کہ اس طرح اچھی صفت کی امت آئندہ آنے والی ہے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ گذشتہ تمام امتوں کے درمیان ہمیشہ سے امت محمدیہ کا ذکر خیر ہوتا رہا وہ مراد ہے، مطلب یہ ہوا کہ کنتم کا صیغہ ماضی بعید کے لئے استعمال کیا گیا ہے لیکن اس میں استمرار اور دوام ہے، انقطاع نہیں ہے جس طرح "وکان اللہ غفورا رحیما" میں استمرار و دوام ہے انقطاع نہیں ہے، اسی وجہ سے بعض مفسرین نے کنتم میں کان کو صار کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے کنتم کو انتم کے معنی میں لیا ہے، بہر حال اس آیت میں اس امت کی قدیم تاریخ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس امت کے قدیم تقرر کو بیان کیا گیا ہے جس میں اس امت کے عالیشان اہتمام کو ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یا لوح محفوظ کی تختیوں میں سینہ بسینہ تمام امتوں میں اس امت کا ذکر خیر چلا آرہا ہے۔ اب رہ گئی یہ بات کہ "کنتم خیر امة" میں خطاب اس امت کے کس طبقہ کے ساتھ وابستہ ہے اور امت کا کون سا طبقہ اس کا مصداق ہے، اس میں بھی کئی اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس اعزازی خطاب کا مصداق اس امت کے سارے مسلمان ہیں، گویا اس امت کے سارے مسلمان "خیر امة" میں داخل ہیں۔ زیر بحث حدیث کا ظاہری مفہوم اسی پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مصداق مہاجرین ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا مصداق اس امت کے شہدا، علما اور خصوصی صالح لوگ ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں، "ان هذه الآیة تکون لاولنا ولا تکون لآخرنا"، یعنی اس آیت کا تعلق امت محمدیہ کے اول حصہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہے، ان کے بعد کے لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ چنانچہ ایک سرکاری فرمان کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ نے اس آیت کی اسی خیریت اور بھلائی کو جہاد اور ایمان کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔ گویا حضرت عمر فاروقؓ نے اس آیت کا مفہوم "خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم" والی حدیث کی روشنی میں بیان فرمایا ہے کہ امت کی یہ خیریت وفضیلت صحابہ کے ساتھ خاص ہے، پوری امت کے لئے عام نہیں ہے، اگر عام ہے تو اس شرط پر ہے کہ ایمان ہو اور مکمل جہاد ہو۔ بہر حال عام شارحین نے اس حدیث کے عموم کو پسند کر کے اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح ایمان، صحیح اعتقاد اور صالح اعمال پر قائم سارے مسلمان اس حدیث اور اس آیت کے مصداق ہیں۔ گویا یہ فضیلت عام ہے شرط یہ ہے کہ امت اپنی اصل ذمہ داری پر قائم ہو جو کامل ایمان اور مکمل جہاد ہے۔ (توضیحات) انتم تتمون سبعین امة یا تو ستر کا عدد محض تکثیر کے لئے ہے؛ کیوں کہ امتیں ستر سے زیادہ گذری ہیں اور عدد تکثیر کے لئے بکثرت استعمال ہوتا ہے یا عدد تحدید ہی کے لئے ہے، لیکن اس سے مراد بڑی بڑی امتیں ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح تمہارے نبی خاتم الانبیا ہیں، اسی طرح تم بھی خاتم الامم ہو۔
اس حدیث پر کتاب مکمل ہوگئی۔ آخری حدیث یہ ذکر کر کے صاحب کتاب بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح امت محمدیہ آخری امت ہے اور اس کے پیغمبر آخری پیغمبر ہیں، اسی طرح اس کتاب کی بھی یہ آخری حدیث ہے اور اس کا خاتمہ خاتم النبیین کے اس ارشاد پر ہے جس میں اس امت کو آخری امت قرار دیا گیا ہے، اور اس سے پہلے کی حدیث سے یہ بتادیا کہ اس میں جو غلطیاں و نسیان ہوا ہے تو اللہ

تعالیٰ اس کو درگذر فرمانے والے ہیں۔ آخر میں مشکوٰۃ المصابیح کے مؤلف کہتے ہیں "قال المؤلف الكتاب الخ" اللہ تعالیٰ اس کوشش کی قدردانی فرمائیں اور اپنی تمام نعمتوں کو کامل فرمائیں، ان احادیث نبویہ کی جمع وترتیب سے ۷۳۵ھ رمضان کے آخری جمعہ کی آخری ساعتوں میں شوال کا چاند دکھائی دینے سے کچھ ہی پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی توفیق کے ساتھ فراغت ہوئی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے، اور درود وسلام ہو محمدؐ پر، آپؐ کی آل پر اور آپؐ کے تمام صحابہؓ پر۔

الحمدللہ یہیں پر آج بتاریخ ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۶/اگست ۲۰۱۷ء بروز چہارشنبہ "فیض المشکوٰۃ" کی آخری جلد مکمل ہوگئی۔



ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم، ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امةمسلمةلك وارنامناسكنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم، رب اغفروارحمهما كما ربياني صغيرا وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين.

حارث عبدالرحیم فاروقی

ابن حضرت مولانا عبدالعلی فاروقی مدظلہ العالی

# تفسیری دنیا کے دو عظیم شاہکار کا مجموعہ

## تفسیر معارف القرآن (ادریسی) مع تفسیر عثمانی

### (ترجمہ کلام پاک حضرت شیخ الہندؒ)

**اضافہ عنوانات و تشکیل جدید:۔**

مولانا احمد خضر شاہ صاحب استاذ وقف دارالعلوم دیوبند (معارف القرآن)، جناب محمد ولی رازی صاحب (تفسیر عثمانی)

**خصوصیات تفسیر معارف القرآن:۔**

(۱) یہ تفسیر علوم ومعارف کا بھرپور خزینہ اور علماء متقدمین کے علوم کا بہترین مجموعہ ہے، مطالب قرآنیہ کی توضیح وتشریح، ربط آیات کا بیان، احادیث صحیحہ اور اقوال وآثار صحابہ وتابعین پر مشتمل تفسیری نکات، باطل فرقوں کی تردید، اسکی جامعیت اور اعجاز کا بیان اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات ہیں (۲) یہ تفسیر سلف صالحین اور علماء متاخرین کے علوم ومعارف کا خلاصہ ونچوڑ ہے (۳) آیات اور سورتوں کا ربط اس تفسیر میں پورے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ (۴) آیات کی ضروری تشریح کے بعد فائدہ کے عنوان سے اسرار ونکات بیان کئے گئے ہیں، اور موقع بموقع فقہی اور کلامی مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔

**خصوصیات تفسیر عثمانی:**

(۱) مختصر ہونے کے باوجود قرآن کریم کے منشاء ومفہوم کی تعبیر میں انتہائی جامع۔ (۲) قرآن کریم کی آیات کا باہمی ربط اتنا واضح ہے کہ مسلسل ترجمہ پڑھنے والے کو ربط کی کمی کا احساس نہیں ہوتا (۳) عصر حاضر میں پیدا ہونے والے اشکالات کا شافی جواب دیا گیا ہے، (۴) آیات کی ضروری تشریح کے بعد فائدہ کے عنوان سے اسرار ونکات بیان کئے گئے ہیں، اور موقع بموقع فقہی اور کلامی مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ (۵) سہل زبان اور جدید محاورات کی مطابقت کا اتنا غیر معمولی اہتمام فرمایا کہ باسٹھ سال گذر جانے پر بھی اس تفسیر کی زبان آج ہی کی زبان ہے۔

جدید نسخہ از سر نو کمپیوٹر کی عمدہ کتابت اور بہتر ترین کاغذ پر آفسیٹ کی طباعت سے آراستہ کیا گیا ہے جسکو انشاء اللہ آپ حضرات ضرور پسند فرمائیں گے۔

# فیض المسلم

﴿اردو ترجمہ وشرح مسلم شریف﴾

**شارح:** مولانا اخلاق احمد کریمی قاسمی ندوی

## خصوصیات فیض المسلم:

(۱) عربی عبارت پر اعراب لگائے گئے ہیں، تا کہ اردو داں طبقہ بھی بہ آسانی پڑھ سکے۔

(۲) **تخریج حدیث** عنوان کے تحت صحاح ستہ کا اہتمام باب کی تعیین کے ساتھ کیا گیا ہے تا کہ بآسانی ان کتابوں کی طرف رسائی ہو سکے۔

(۳) **حل لغات** عنوان کے تحت مشکل عربی الفاظ کا آسان اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(۴) **تحقیق رجال** عنوان میں مذکورہ حدیث کے راوی کی مکمل معلومات تحریر کی گئی ہے۔

(۵) **ترجمہ حدیث** انتہائی آسان اردو اور سلیس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۶) **خلاصۂ حدیث** عنوان لگا کر حدیث کا خلاصہ مختصر اور واضح اس طرز پر تحریر ہے کہ عوام اور طلباء بہ آسانی مقصد حدیث کو سمجھ سکیں۔ نیز حدیث میں دعوتی پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۷) **کلمات حدیث کی تشریح** عنوان کے تحت مکمل بحث، اختلافی مسائل اور ان کے مدلل جوابات اس انداز میں پیش کیے گئے ہیں کہ کہیں کوئی تشنگی نہ رہ جائے۔

(۸) **استنباط مسائل** کے عنوان میں حدیث شریف سے واضح ہونے والے مسائل کا بخوبی ذکر کیا گیا ہے

ناشر

**مکتبہ فیض القرآن نزد مسجد چھتہ دیوبند ضلع سہارن پور (یوپی)**

**Maktaba Faizul Quran, Deoband, Distt;Saharanpur-24755. (U.P.)**

**Mobile No.9897576186.Ph.No.01336-222401,**

واضافات

(مع اختصار تفسیر بیان القرآن)

عالم اسلام کی مستند اور بلند پایہ تفسیر قرآن ہے جس کو ہر زمانہ کے علماء اور ہر طبقہ خیال کے مفسرین نے پسند کیا ہے۔ اور اس سے مدد حاصل کی ہے تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کو بطریق سلف صالحین سمجھانے والی تفسیر ''تفسیر ابن کثیر'' ہے اور اس کے بعد کی تمام اردو عربی تفاسیر اس سے ماخوذ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو ام التفاسیر کا لقب دیا گیا ہے۔ نیز عوام الناس کے لئے یہ تفسیر انتہائی آسان اور سلیس اردو میں لکھی گئی ہے تا کہ کم اردو داں لوگ بھی قرآن کو اس تفسیر کے ذریعہ آسانی سے سمجھ سکیں۔

## جدید نسخے کی اضافہ شدہ خصوصیات

۱- یہ تفسیر کیونکہ شافعی مسلک ہے اس لئے جہاں جہاں بھی حنفی مسلک سے ٹکراؤ پیدا ہوا وہاں حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری (شیخ الحدیث وقف دار العلوم دیوبند) کے انتہائی قیمتی (آسان اردو کے ساتھ) حاشیہ نے اس تفسیر کو مزید علمی بنا کر چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اور اب یہ تفسیر شافعی وحنفی دونوں کے لئے مفید تر ہو گئی ہے

۲- قدیم تفسیر میں ترجمہ قرآن پاک ابو محمد جونا گڑھی کا تھا جو کہ خود غیر مقلد عالم تھے اس لئے اس ترجمہ کی جگہ حنفی مسلک کا مستند اور آسان ترین ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ شامل کتاب کیا گیا ہے۔

۳- تفسیر تھانوی عنوان کے تحت تفسیر بیان القران (از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) کا اختصار شامل کتاب کیا گیا ہے اس طرح یہ کتاب دو تفاسیر (تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بیان القرآن) کا مجموعہ بن گئی ہے اور عوام کو اب اس کتاب کے بعد تفسیر بیان القرآن حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

۴- جدید نسخہ از سر نو کمپیوٹر کی عمدہ کتابت اور بہتر ترین کاغذ پر آفسیٹ کی دیدہ زیب طباعت سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ جس کو کہ انشاء اللہ آپ حضرات ضرور پسند فرمائیں گے۔

۵ قدیم نسخے میں عنوانات نہ ہونے کی وجہ سے پڑھنے والے کو دشواری کے سبب حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری نے جگہ جگہ پر جدید عنوانات قائم کر دیئے ہیں جس سے کہ قاری مفہوم بآسانی سمجھ سکے۔

کامل تفسیر مکمل ۵ جلدوں میں اب چھپ کر تیار ہے۔

# تفہیم البخاری

عربی متن مع اردو شرح

# صحیح بخاری شریف

## مسلک دیوبند کا پہلا اور واحد بخاری شریف کا اردو ترجمہ

فخر دو عالم سرور کائنات حضور اکرم ﷺ کے ارشادات مبارکہ کا گراں قدر مجموعہ، قرآن کریم کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور لاثانی کتاب ہے جس میں قطعی سچی احادیث کا عظیم علمی خزانہ پوشیدہ ہے۔

بخاری شریف کا مسلک دیوبند کا مکمل کوئی ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے علامہ وحید الزماں (غیر مقلد عالم) کا ہی ترجمہ بازار میں دستیاب تھا اور مجبوراً یہی ترجمہ عوام وخواص تک پہنچ رہا تھا اب الحمد للہ تفہیم البخاری مکمل سیٹ شائع ہونے پر قدیم ترجمہ کی چندہ ضرورت نہیں رہی اس لئے کتاب خریدتے وقت صرف ﴿تفہیم البخاری﴾ ہی طلب فرمائیں

## اہم خصوصیات

۱- اطمینان بخش ترجمانی اور عام فہم شرح اس زمانہ کی ذہنی سطح کے مطابق کی گئی ہے۔

۲- احادیث رسول ﷺ کے مسائل حاضرہ سے کامل انطباق۔

۳- حدیث کے ان پہلوؤں کی واضح ترجمانی جن کو موجودہ شارحین نے چھوا تک نہیں۔

۴- بخاری شریف کے لطائف وخصوصیات کی کامل رعایت۔

۵- قدیم وجدید شارحین کی گرانقدر تحقیقات سے پوری کتاب آراستہ ومزین۔

۶- فقہی مذاہب کی ترجمانی معتدل لب ولہجہ میں، اور محدثین وفقہاء کے اختلافات کی دلآویز وضاحت کی گئی ہے۔



۷- ایک کالم میں عربی متن احادیث اور مقابل کالم میں ترجمہ وتشریح